فِی

حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے

غلام، روحانی فرزند اور موعود مہدیؑ

کا ذکر قرآن کریم میں

مُؤلّفہ

پیر معین الدین

انڈیکس

مہدی معہود المسیح موعودؑ سے متعلق قرآنی اشارات

اسمآء المہدیؑ

مہدیؑ کے ظہور کا مقام

مہدیؑ کا دارالہجرت

مہدی موعودؑ کے ظہور کا وقت

مہدی موعودؑ کے بارہ میں بعض اور قرآنی اشارات

مہدی موعودؑ اور آپؑ کے زمانہ سے متعلق متفرق باتیں جو قرآن نے بیان کیں

مہدی موعود المسیح موعودؑ کے متعلق سورۃ التحریم میں پیشگوئیاں

مسلمانوں کے بارہ میں اور انکے فائدہ کے لئے قرآنی اشارات

اسلام

اللہ تعالیٰ

آنحضرتؐ

آنحضرتؐ کے ارشاداتِ مہدیؑ و مسیح کے بارہ میں

ابراہیمؑ

حضرت موسٰیؑ

حضرت مریمؑ

حضرت مسیح (عیسیٰؑ)

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ

سُوْرَۃُ الْکَهْفِ

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ

سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتَ

انڈیکس کا انڈیکس

مہدی موعودؑ کے متعلق قرآنی اشارات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عرض مؤلف

حضرت ابن مریمؑ کے آئندہ ظہور، انکی ذات اور وقت کے بارہ میں اور انکے انصار اور دشمنوں کے بارہ میں اور اسی طرح ایک مہدی کے ظہور کے بارہ میں بہت سی خبریں احادیث نبویہ میں دی گئی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے **وَ لَا الۡمَهۡدِیُّ اِلَّا عِیۡسَی بۡنُ مَرۡیَمَ** (ابن ماجہ) فرما کر یہ بھی بتا دیا ہؤا ہے کہ موعود ابن مریم اور مہدی ایک ہی شخص ہوگا۔ اور نیز یہ کہ **اِمَامُکُمۡ مِنۡکُمۡ** (بخاری باب نزول عیسیٰ) اے اُمّت محمدیہ تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا، باہر سے نہیں آئیگا۔لیکن احادیث کے جمع و ترتیب میں اگرچہ بہت محنت سے کام لیا گیا ہے یہ آنحضرت ﷺ کے کافی عرصہ بعد مرتب ہوئیں اور ضروری نہیں کہ ان میں سے ہر حدیث کا ہر لفظ مِن وعَن زبان نبوی سے نکلا ہؤا ہو، اس لئے عقلمندوں کا یہ طریق رہا ہے کہ وہ احادیث کو ناقدری کی نظر سے بھی نہیں دیکھتے مگر قران کریم پر عرض کرکے انکی صحت کی تصدیق کرلینا بھی ضروری جانتے ہیں۔ پس ایک تو اس لئے دوسرے اس لئے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ اور بالکل اسی طرح محفوظ چلا آرہا ہے جیسا کہ نزول کے وقت تھا۔ اور جو بات قرآن سے مل جائے وہ بہر حال زیادہ یقینی اور زیادہ موجب اطمینان ہے۔ ہم نے مناسب جانا کہ مہدی موعود کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہونیوالی باتیں مرتب کرکے احباب کے سامنے رکھیں ۔ سو یہ کتاب اسی غرض سے ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مہدی موعودؑ کے وقت کے متعلق جو باتیں قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر ہمارے اس زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں اور باقی پوری ہوتی جا رہی ہیں جو اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہی زمانہ مہدی موعودؑ کے ظہور کا زمانہ ہے۔ اور اس وقت **ایک ہی مرد میدان میں کھڑا ہے**۔ جو مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویدار ہے اور جسکی ذات میں وہ تمام باتیں بھی پائی جاتی ہیں جو قرآن و حدیث میں موعود مہدی اور مسیح کے بارہ میں

بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ مرد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں پس ہمارے نزدیک وہی مہدی موعود اور مسیح موعود ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اس جگہ ایک سوال بالطبع پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ موصوف تو خود اپنی کتاب ''شہادۃ القرآن'' میں وہ باتیں لکھ چکے ہیں جو انکے نزدیک قرآن کریم نے انکے بارہ میں بیان کی ہیں تو پھر اس موضوع پر کسی اور کتاب کی کیا ضرورت تھی ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپؑ نے اپنی اس کتاب میں صرف ایسی آیات کا حوالہ دیا ہے جن سے بات زیادہ آسانی سے سمجھ آسکتی ہے۔ اور پھر صرف چند ایک آیات کا حوالہ دیا ہے ورنہ اپنی دوسری کتب اور ملفوظات میں آپؑ نے بہت سی اور آیات بھی پیش کی ہیں۔ چنانچہ آپؑ خود اپنی کتاب ''شہادۃ القرآن'' ہی میں چند آیات پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''علاوہ ان آیات کے قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس آخری زمانہ اور مسیح موعودؑ کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان **معانی مبارکہ** کے ماخذ دقیق ہیں۔ اس لئے ہر ایک سطحی خیال کا آدمی اس طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ اور موٹی سمجھ ان دقائق کو پا نہیں سکتی۔''

مگر وہ آیات بھی کہ جن کے ماخذ دقیق ہیں چونکہ ''معانی مبارکہ'' پر مشتمل ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے فائدہ ہی کے لئے نازل فرمائی ہیں۔ اس لئے نازل نہیں فرمائیں کہ وہ ہمیشہ دُرّ مکنون ہی بنی رہیں اس لئے ضرور تھا کہ وقتاً فوقتاً وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جنکو چاہے ان آیات کے معانی کا علم دے۔ اور ان میں موجود مخفی حقائق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، تا اس روحانی مائدہ سے دوسرے بھی فائدہ اُٹھا سکیں ۔

پس ایک غرض تو اس کتاب سے یہ ہے کہ ان باتوں میں سے بھی جن کے ماخذ دقیق ہیں وہ باتیں جن کا علم خدا تعالیٰ نے اس بے علم کو دیا، بیان کر دی جائیں، دوسری غرض یہ ہے کہ جو آیتیں کتاب شہادتُ القرآن میں پیش نہیں کی گئیں مگر اپنی دوسری کتب یا ملفوظات میں حضرت مرزا صاحبؑ نے ان سے اپنے بارہ میں استدلال کیا ہے وہ بھی مع استدلال ایک جگہ بیان ہو جائیں اور تیسری غرض یہ ہے کے اگر ان آیتوں میں کوئی ایسے اشارات بھی آپؑ کے یا آپؑ کی جماعت کے یا آپؑ کے دشمنوں کے متعلق ہیں جو آپؑ نے اختصار کے مدّ نظر یا کسی اور

وجہ سے اُس وقت بیان نہیں فرمائے وہ بھی بیان کردیے جائیں۔

میں یہ تو نہیں جانتا کہ قارئین اس کتاب کو کس نظر سے دیکھیں گے مگر یہ جانتا ہوں کہ مجھے اس کی تصنیف سے روحانی رنگ میں بے حد فائدہ ہوُا ہے۔ اور اس کا لفظ لفظ میرے لئے حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود علیہ السلام کی صداقت کا تازہ نشان بن گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے ایسے ایسے مضامین لطیفہ اور نکاتِ دقیقہ اس تصنیف کے دوران مجھ پر کھلے ہیں جو اس سے پہلے میرے واہمہ میں بھی نہیں تھے۔ بلکہ شاید کسی اور کے واہمہ میں بھی نہ ہوں۔

ایک دفعہ میں نے رویاء میں دیکھا تھا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کرسی پر تشریف فرماہیں۔ یہ غلام قدموں میں بیٹھاہے اور حضورؑ میرے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے میرے لئے دعا کررہے ہیں۔ اور میں بھی شامل دُعا ہوں اور مجھ پر بے حد رقّت طاری ہے(جو قبولیت دعا کے آثار میں سے ہے) اس سے میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیاہے۔ وہ سب حضرت مہدی موعودؑ کی برکت ہے۔ اور جو مہدی موعودؑ کی برکت ہے وہ دراصل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت ہے کیونکہ حضرت مہدی موعودؑ کا اپنا ایک الہام ہے:

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ (تذکرہ صفحہ ۴۵)

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ مسلم کی حدیث میں موعود ابن مریم کے لئے چار بار نبی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی یہی بتایا ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا۔ اور نبی کے ساتھ ایمان کا تعلق ہوتا ہے اور ایمان نام ہے ایسی حالت میں کسی چیز کو مان لینے کا جبکہ اس کے وجود پر قرائن مرجحہ تو موجود ہوں لیکن اس کی صداقت ایک اور ایک دو کی طرح کھل نہ چکی ہو۔ اس لئے سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ اگرچہ وہ آنیوالے نبی کے بارہ میں پہلے سے اپنے صحیفوں میں پیشگوئیاں فرمادیتا ہے اور یوں بھی اپنے بعض مقرّبین کو انکے بارہ میں خبریں دے دیتا ہے مگر ان میں اخفاء کا پہلو ضرور ہوتا ہے اور ان کا بیان ایسا ہوتا ہے کہ اگرچہ اہل علم یعنی وہ لوگ جنہیں علم لدُنّی حاصل ہو انکو سمجھ جاتے ہیں مگر ہر کوئی سمجھ نہیں پاتا۔ یہ علم تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ کَمَا فِی قَولِہٖ تعالیٰ

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ (البَقَرہ۲:۲۸۳)

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (یاد رکھو کہ اس صورت میں) وہ تمہیں (خود) علم دیگا۔

یہی وجہ ہے جو باوجود اسکے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہؐ کے بارہ میں کتب سابقہ میں پیشگوئیاں موجود تھیں اور خدا تعالیٰ نے خود فرمایا تھا یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْباً عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِ نْجِیْلِ (الْاَعْرَاف۷:۱۵۸) وہ اسے اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہؤا پاتے ہیں مگر پھر بھی اہل کتاب کی بھاری اکثریت آپؐ پر ایمان نہیں لائی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْھُمْ اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفاً مُّنَشَّرَۃً

(الْمُدَّثِّر:۷۴:۵۳)

”ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں“

یعنی یہ چاہتا ہے کہ ایسے رنگ میں پیشگوئیاں ہوں اور راز کی باتیں بتائی جائیں جو ان میں سے ہر ایک کے لئے بالکل واضح ہوں۔ فرمایا: کَلَّا بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰ خِرَۃَ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا (لیکن یہ بھی نہیں ہوتا کہ جو باتیں بتائی جاتی ہیں وہ ما وراء الفہم ہوں اور کسی کو بھی سمجھ نہ آسکیں) بلکہ بات یہ ہے کہ وہ لوگ آخرت کی (جواب دہی) سے نہیں ڈرتے۔ یعنی وہ خوفِ یوم الحساب سے کام لیکر ان باتوں میں کماحقّہٗ غور نہیں کرتے یا اہل علم کی مدد نہیں لیتے اسلئے انکو یہ باتیں سمجھ نہیں آتیں۔

اپنی اسی سنّت کے مطابق موعود ابن مریم یعنی مہدی موعودؑ کے بارہ میں جو باتیں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں وہ ایسے رنگ میں بیان کی ہیں کہ جن لوگوں پر اس کا خاص فضل ہو وہ تو انکو خود سمجھ سکتے ہیں۔ مگر دوسرے ان سمجھنے والوں سے سیکھ کر ہی سمجھ سکتے ہیں ویسے نہیں۔ حصول علم کے اس طریق کی طرف خدا تعالیٰ نے خود اشارہ فرمایا ہؤا ہے۔ چنانچہ اسکا قول ہے۔

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النَّحل ۱۶:۴۴)

اگر تم حقیقت کو نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔

اسلئے ہماری اس کتاب کے مندرجات پر کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ یہ باتیں صرف چند لوگوں پر کیوں کھلیں ہر ایک پر کیوں نہیں کھلیں۔ نہ یہ اعتراض ہو نا چاہیے کہ یہ باتیں پہلے کیوں نہیں کھلیں اب کیوں کھلیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ۔ (الحجر ۲۲:۱۵)

کوئی چیز ایسی نہیں جسکے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں لیکن ہم انکو ایک معلوم اندازہَ (ضرورت ووقت) سے زیادہ نہیں اُتارتے۔

یہ سوال بھی ہوسکتا ہے کہ اہل علم بھی تو بہت سے ہیں انمیں سے ہر ایک پر یہ باتیں کیوں نہیں کھلیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کے سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ وہ اپنے خزانوں میں سے کسی کو کوئی چیز زیادہ دیتاہے اور کسی کو کوئی۔ چنانچہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں کو حکمت اور علم دیا گیاتھا مگر جب وہ معاملہ انکے سامنے پیش ہؤا جس کا وہاں ذکر ہے تو اسکی حقیقت خدا تعالیٰ نے انمیں سے حضرت سلیمان پر منکشف فرمائی حضرت داؤد پر نہیں فرمائی۔

اس موقع پر ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے بعض دوست سیاق و سباق سے کٹی ہوئی کوئی آیت پیش کر کے کہہ دیتے ہیں کہ اسمیں مہدی موعودؑ کا ذکر ہے۔ سننے والا مبہوت سا ہو کر رہ جاتا ہے اوریا تو بات کرنے والے کو دیوانہ سمجھ کر یا یہ خیال کرکے کہ شاید میں ہی ایسا بےعلم ہوں کہ اسکی بات سمجھ نہیں پایا چپ ہو رہتا ہے مگر مطمئن وہ بہر حال نہیں ہوتا۔ اسلئے ہم نے جو آیات اس تعلق میں پیش کی ہیں انکے ماحول کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

اگرچہ عقلمندوں کے لئے تو اِشارہ ہی کافی ہوتا ہے لیکن سب لوگ ایک جیسی علمی سطح کے نہیں ہوتے اسلئے قرآن کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ تصریفِ آیات سے کام لیتا ہے اور ہر اہم بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتا ہے چنانچہ آئندہ آنیوالے مسیح کے بارہ میں بھی اسنے یہی طریق اختیار فرمایا ہے اور اسکے مختلف ناموں، اس کے، روحانی مقام، مقام بعثت، وقتِ بعثت، بعثت کے وقت کی عمر، بعثت کے وقت زمانہ کی حالت، وقتِ ظہور کی علامات، حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت و مناسبت، دوسرے انبیاء اور اولیاء و علماءِ اُمّت سے اسکی نسبت

، اسکی بعثت کی غرض، اس کی سیرت، اس کے خلفاء و رفقاء کے بعض کوائف، اسکی اولاد اور بالخصوص ایک خاص بیٹے کے متعلق عظیم پیشگوئیوں، اس کی جماعت کی ترقّی کے انداز اور اس کی وسعت اور اس کے کمال تک پہنچنے کی مدّت اور اس کے دشمنوں کی حالت اور ان کے طریقِ مخالفت اور ان کے عبرتناک انجام اور ان میں سے ایک فرعون خصلت سربراہِ حکومت کی ہلاکت اور دوسرے سربراہ کے تختۂ دار پر لٹکائے جانے وغیرہ امور کا ایمان افروز تذکرہ۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں (اگرچہ شکر کا حق کبھی ادا نہیں ہوسکتا) کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے اس کتاب میں مہدی مسعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں براہ راست قرآن کریم سے استدلال و استنباط کر کے بہت سی باتیں جو خدا ترس عقلمندوں کے لئے **بِإِذْنِهٖ تَعَالٰی** موجب ہدایت ہوسکتی ہیں بیان ہوگئی ہیں تاہم یہ دعویٰ مجھے ہرگز نہیں ہے کہ میں نے سب کچھ بیان کر دیا ہے کیونکہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ:-

"اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہؤا ہے۔" (ملفوظات طبع ثانی جلد صفحہ ۵۸۳)

نیز فرمایا ہے:-

"جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں مسیح موعود کا ذکر نہیں ہے وہ نہایت غلطی پر ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ مسیح موعود کا ذکر نہایت اکمل اور اتم طور پر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔"

(تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۴۷)

اسی طرح فرمایا ہے کہ:-

"میری نسبت قرآن کریم نے اس قدر پورے پورے قرائن اور علامات کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام بتا دیا ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۰)

پھر فرمایا ہے کہ:-

"قرآن کریم جو ذَوِی الوجوہ ہے اس کا محاورہ اس طرز پر واقع ہوگیا ہے کہ ایک آیت میں آنحضرت ﷺ مراد اور مصداق ہوتے ہیں اور اسی

آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے۔‘‘

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱۷)

پس جو کچھ پیش کرنے کی میں سعادت پا رہا ہوں اسے سمندر میں سے ایک قطرہ ہی سمجھنا چاہیے تاہم یہ قطرہ بھی ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

آخر میں اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ مکرم پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب نے (جو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں شعبہ عربی کے ہیڈ رہے ہیں) بڑی محنت کے ساتھ اس کتاب کے مسودہ کا لفظ لفظ پڑھ کر ضروری اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے یہ کتاب پڑھنے کے لائق ہوئی ہے۔ **فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ**

خاکسار

مؤلف
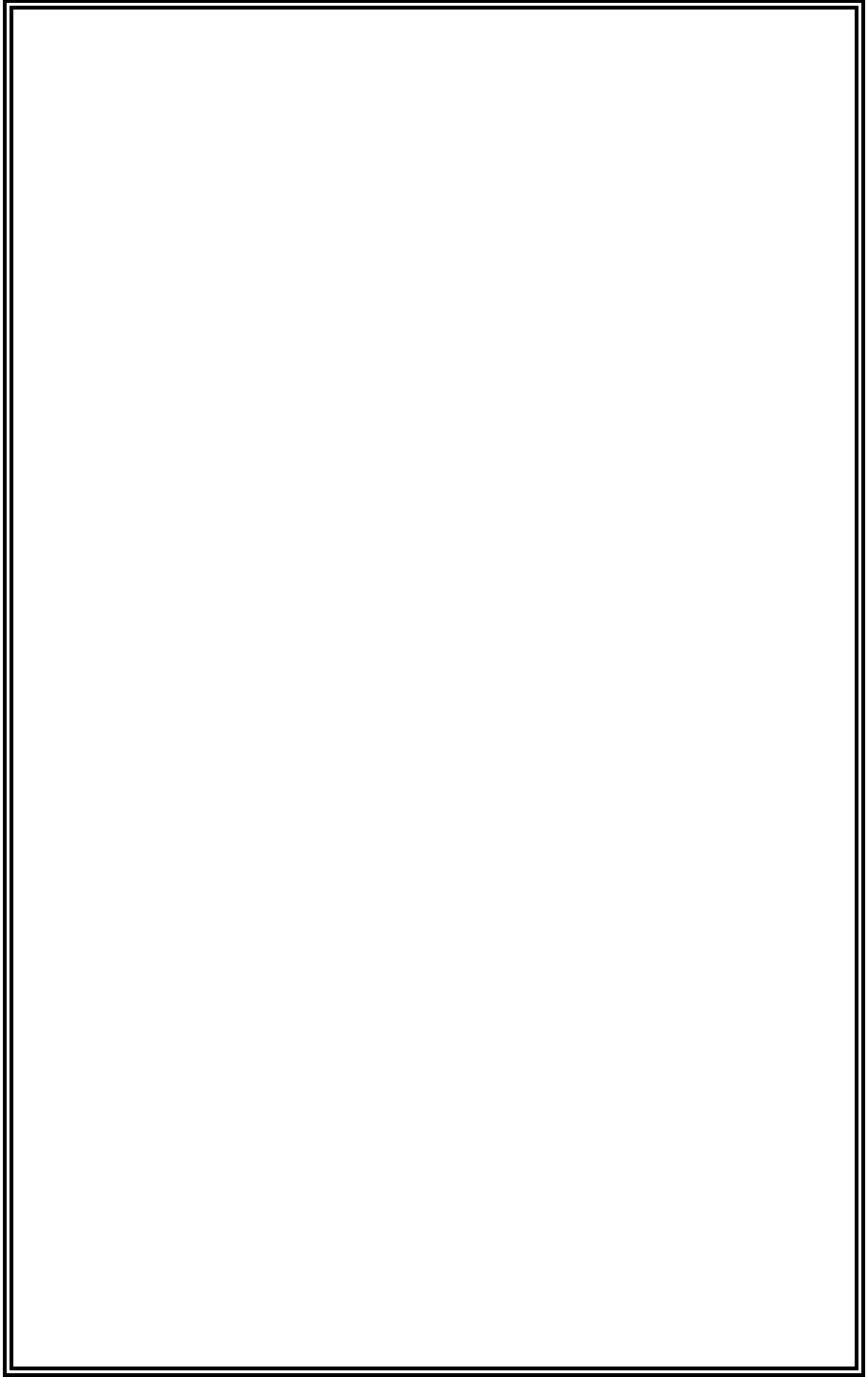
حرفِ آغاز

سورۃ الفاتحہ میں ایک احمد رسول مسیح اورمہدی کی پیشگوئی

قرآن کریم کی ابتداسورۃ الفاتحہ سے ہوئی۔ اور سورۃ الفاتحہ کی ابتدائی آیت **بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ** ہے۔اس آیت میں خدا تعالیٰ کے دو صفاتی نام رحمان اور رحیم آئے ہیں۔ جو اس کی تمام صفات کا خلاصہ ہیں ۔ صفت رحمانیت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر ذی روح کوبغیر کسی سابقہ عمل کے محض احسان کے طور پر فیض پہنچایاجائے ۔ اور رحیمیت یہ ہے کہ بندۂ مومن کو اسکی محنت اورکوشش پر بہترین بدلہ دیا جائے۔

انسانی فطرت ایسی ہے کہ جو اس پر خالص احسان بغیر اس کے کسی عمل کے کرتا ہے اس کی محبت اس کے دل میں پیداہوجاتی ہے اور وہ اسکی حمد و ثناء کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کی رحمانیت کے جلووں کو دیکھنے اور ان میں غور کرنیوالا بندہ ایک دن خدا تعالیٰ کا محبّ اور احمد یعنی (تعریف کرنیوالا) اور خدا تعالیٰ اس کا محبوب اور محمد یعنی (تعریف کیا گیا) بن جاتا ہے۔ پھر جب بندہ کا خدا کی حمد کرنا اور اس سے محبت کرنا (جو اسے لائق حمد جاننے کا طبعی نتیجہ ہے) اس مقام تک پہنچ جائے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں قابل قدر ہو جائے۔ تو اسکی صفتِ رحیمیت جوش مارتی ہے۔ اور اوّل اوّل وہ اسکی محبت کا جواب شعلہ محبت کو ہوا دینے سے اور حمد کا جواب ازالۂ کوتاہی حمد سے یا بالفاظِ دیگر اس کے اعمال کی تکمیل سے دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ اپنے رب کی محبت اور حمد میں ترقّی کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کا خدا تعالیٰ سے محبت کرنا اور اس کی حمد کرنا اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ خود خدا تعالیٰ کا محبوب اور محمد بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کا محبّ اور احمد ۔

پس خدا تعالیٰ کا رحمان ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلا **محمد** ہے اور رحیم ہونا ظاہر کرتاہے کہ وہ سب سے پہلا **احمد** ہے (تفسیر حضرت اقدّس صفحہ ۵ و ۴۵) اور چونکہ اس نے انسان کو اپنا خلیفہ اورعبد بننے کیلئے پیدا کیا ہے (**دَلَّ عَلَيۡهِ قَوۡلُهٗ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً**) اسلئے اس نے چاہا کہ اسکے بندے بھی اسکی ان صفات (رحمانیت اور رحیمیت) اور ان ناموں (محمد اور احمد) کے مظہر ہوں۔ چنانچہ اپنے اپنے وقت میں اسکے نبیوں میں سے کوئی ان میں

سے ایک اور کوئی دوسری صفت کا مظہر ہؤا تاہم چونکہ وہ ان صفات کے مظہر تام نہیں تھے۔ ان کو باقاعدہ محمد یا احمد نام نہیں دیا گیا۔ لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ چونکہ (جہاں تک انسان کیلئے ممکن ہے) خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیت دونوں کے مظہر تام تھے۔ آپؐ اسم محمد اور اسم احمد دونوں کے مستحق ٹھہرے۔ اور خدا تعالیٰ نے بیک وقت آپ ﷺ کو یہ دونوں نام دئے لیکن جس طرح خدا تعالیٰ کی بالمقابل آنیوالی صفات میں سے ایک کا کامل ظہور ایک وقت میں اور دوسری کا کامل ظہور کسی دوسرے وقت میں ہؤا کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے پسند کیا کہ آنحضورؐ کے دعویٰ نبوّت کے بعد کی شخصی زندگی کا دورِ اوّل اسم احمد کی تجلّی کا مظہر ہو۔ اوراس کا دور ثانی اسم محمد کی تجلّی کا مظہر ہو۔ اور آپؐ کی قومی زندگی کا دور اوّل یعنی آپؐ کی بعثت اُولیٰ کے دور کا اکثر حصہ اسم محمد کی تجلّی کا مظہر ہو۔ اور دور ثانی یعنی بعثت ثانیہ کا دور جو (بمطابق سورۃ الجمعہ) آخرین کا دور ہے اسم احمد کی تجلّی کا مظہر ہو۔ اس لئے ان میں سے دورِ اوّل میں اسنے آپؐ کو زیادہ تر اسم محمدؐ کے ساتھ مشہور کیا اور دور ثانی میں آپؐ کا بروزی طور پر ایک احمد کی صورت میں ظہور پذیر ہونا مقدّر فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ الصّف میں اسکی تفصیل ہے۔ پس قرآن کریم کی پہلی آیت ہی میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک احمد نبی کے ظہور کی پیشگوئی کر دی گئی تھی۔

سورۃ الفاتحہ کی دوسری آیت **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** ہے اس میں بھی آنحضرؐت کے ایک دوسرے ظہور کی جو احمد نام کیساتھ ہونا مقدّر تھا پیشگوئی کی گئی۔ ''الحمد للہ'' کے دو معنی ہیں۔

نمبر۱ یہ کہ حَمد یعنی سچی اور کامل تعریف کا مستحق اللہ ہی ہے۔

نمبر۲ یہ کہ حمد یعنی سچی اور کامل تعریف کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

پہلے معنوں کی رو سے اللہ محمدؐ (یعنی تعریف کیا گیا) ہے اور دوسرے معنوں کی رو سے احمد (یعنی تعریف کرنیوالا) ہے۔ اس کا محمد ہو نا ایک احمد کو چاہتا ہے اور احمد ہو نا ایک محمد کو چاہتا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنیوالے بھی اور اس سے سب سے زیادہ حمد کروانے کے لائق بھی ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے سب نبیوں میں سے آپؐ ہی کو یہ دونوں نام دیے اور آپؐ کو (جہاں تک انسان کے لئے ممکن ہے) **کامل محمد** اور **کامل احمد** ٹھہرایا۔ لیکن آپؐ کا کامل محمد اور کامل احمد ہونا یعنی کامل طور پر مظہرِ صفات باری ہونا اس بات کا بھی مقتضی تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے آپؐ کو پیدا کیا آپؐ بھی اپنی روحانی توجہ اور قوّت قدسیہ سے کوئی محمد اور احمد پیدا کریں۔ یعنی آپ کی تربیت اورقوت قدسیہ کے اثر سے آپؐ کے غلاموں میں سے بھی کوئی شخص ایک اعتبار سے احمد اور ایک اعتبار سے محمد ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ

اس کا محمد ہو تو وہ خدا کا احمد، اور وہ خدا تعالیٰ کا محمد ہو تو خدا اُس کا احمد ۔ اس طرح آنحضرتؐ کی نسبت سے بھی اس کے یہ دو نام ہوں یعنی آپؐ محمد ہیں تو وہ احمد (یعنی آپؐ کی سچی تعریف کرنیوالا) ہو اور وہ محمد ہے تو آپؐ احمد (یعنی اس کی سچی تعریف کرنیوالے) ہوں۔ تاہم جس طرح سب سے پہلے محمد اور احمد یعنی خدا تعالیٰ اور آنحضرتؐ کے مقام میں فرق ہے اسی طرح آنحضرتؐ اور اس موعود کے مقام میں بھی فرق ہو۔ آنحضرتﷺ کا مقام آقا اور اُستاد کا ہو اور اُس کا غلام اور شاگرد کا۔ پس آنحضرتﷺ کو یہ دو نام دیئے جانے ہی میں یہ پیشگوئی مُضمر تھی کہ آپؐ کی برکت سے آپؐ کے غلاموں میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا ہو گا۔ جو یہ دونو ں نام پائے گا۔ بالفاظ ِدیگر یہ کہ آپؐ کا بروز ہوگا۔ مگر بروز کے لفظ سے ہمارا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اسکا حضورؐ کی صفات قدسیہ میں حضورؐ کا شریک مساوی ہونا مقدّر تھا کیونکہ ایسا ہونا مخلوقات میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں۔ وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا کوئی ہم کفو نہیں اس لئے جو خدا تعالیٰ کا مظہر کامل ہے اس کا بھی ہم پلّہ مخلوقات میں سے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا پس ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا وجود بہ برکتِ اطاعت و محبت رسولؐ ایسے مصفّٰی آئینہ کی طرح ہونا مقدّر کیا گیا تھا جس میں آنحضورؐ کا عکس ہو بہو نظر آئے ۔ تاہم جس طرح عکس کی اپنی کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔ اس موعود کا تمام حسن و کمال بھی آنحضورؐ ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اسکی تعریف میں جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ سب تعریف بھی دراصل اس کے ہادی ومتاع حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ ہی کی طرف راجع ہوگی۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے جہاں یہ لکھا کہ

> ”(خدا تعالیٰ نے) آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا ہے اور آنحضرتﷺ کا بروز مجھے قرار دیا ہے۔“

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ”خداوند کریم نے..... اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد اُمّتِ محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلّل سے آنحضرتؐ کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکُل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں ۔ خدا انکو فانی اور ایک مصفّٰی شیشہ کی طرح پاکر اپنے رسول مقبولؐ کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ انکی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات اُن سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع

تام اُن تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریمؐ ہی ہوتا ہے۔'' (براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۸-۲۶۹ حاشیہ در حاشیہ نمبرا)

پھر اس اصولی ارشاد کے بعد خاص اپنے متعلق فرمایا:

'' میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب .... اور تمام صفات جمیلہ آنحضرتﷺ کی طرف رجوع کروں۔ میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریمﷺ کی عزّت دنیا میں قائم ہو ۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ بھی در اصل آنحضرؐت ہی کی طرف راجع ہیں اس لئے کہ میں آپؐ ہی کا غلام ہوں۔ اور آپؐ ہی کے مشکوٰۃ نبوّت سے نور حاصل کرنیوالا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں۔'' (ملفوظات طبع اوّل جلد۲ صفحہ ۲۱۵)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:؎

اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

بعض خشک زاہد اس پر معترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہﷺ کے نام کسی اور کو کیسے مل سکتے ہیں ۔ جاننا چاہیے کہ **لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَئیٌ** صرف خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس کی مثل بھی کوئی دوسرا نہ ہو سکے ۔ بڑی عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ کو **لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَئیٌ** کا مصداق ماننے کے باوجود لوگ خدا تعالیٰ کے ناموں میں تو اس کے ایک بندے کو شریک ماننے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس بندےؐ کے ناموں میں خود اس کی نیابت اور ظلّیت میں کسی دوسرے کا شریک ہونا برداشت نہیں کرتے حالانکہ خدا بہر حال خدا ہے اور بندہ بہر حال بندہ ۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ نے صاف صاف لفظوں میں **لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ** فرمایاہے۔ اور جب اس نے آنحضرؐت کو مومنوں کیلئے اسوہ حسنہ ٹھہرایا تو اس کا مطلب سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ چاہتا ہے کہ مومن آپؐ کے نمونہ کو اختیار کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو محمد اور احمد بنیں۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ کو (جو نہایت احتیاط کے ساتھ حضوؐر کے قدم پر قدم مارنے والے

تھے) ۔ اس نے آپؐ کے اسمِ محمدؐ میں شریک کیا۔ اور آیت **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** ....الخ میں دونوں کی ایک ہی صفات بیان کیں ۔ پس جس طرح اس نے آپؐ کی ظلّیت میں یہ بہت سے چھوٹے محمد پیدا کیے ضرور تھا کہ کوئی احمد بھی پیدا کرتا ۔ سو اس کے لئے اس نے آپؐ کا آخرین میں بھی ایک ظہور مقدّر فرمایا جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں ذکر ہے (اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی) اور یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ وہ ظہور جمالی شان سے ہوگا سورۃ الصّف میں جمالی شان کے نبی عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بھی اس کی پیشگوئی کی ۔ اور اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ اس کا نام احمدؐ ہوگا۔

اس بات کا قطعی ثبوت کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی خدا تعالیٰ کی نسبت سے بھی محمد اور احمد تھے اور آنخضرتﷺ کی نسبت سے بھی محمد اور احمد تھے یہ ہے کہ جیسی حمد آپؑ نے خدا تعالیٰ کی کی اور جیسی حمد خدا تعالیٰ نے آپؑ کی کی اس کا نمونہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور میں نہیں ملتا۔ اسی طرح جیسی حمد آپؑ نے آنخضرتﷺ کی کی اور جیسی حمد آنخضورؐ نے آپکی کی اس کی مثال بھی نہیں ملتی۔

جو حمد خدا نے آپؑ کی کی قرآنی آیات کے حوالہ سے اسی کا ذکر اس کتاب کی اصل رونق ہے۔

بہر صورت جیسا کہ ہمنے واضح کیا سورۃ الفاتحہ کی دو ابتدائی آیتوں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للہ رب العالمین میں جہاں آنخضرتﷺ کے **محمد** اور **احمد** ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا وہاں یہ پیش گوئی بھی کی گئی تھی کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے غلاموں میں سے بھی آپؐ کی قوت قدسیہ کے فیض سے کوئی وجود ہوگا جو بروزی طور پر یہ دونوں نام پائے گا۔ لیکن جس طرح آنخضرتﷺ یہ دونوں نام پانے کے باوجود تصرف الٰہی سے ''محمد'' نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ اور قرآن میں بھی سوائے ایک مقام کے جہاں پیشگوئی کے طور پر احمد نام آیا ہے باقی سب جگہ پر محمد نام ہی سے آپؐ کو یاد کیا گیا ہے۔ (کیونکہ آپؐ کا حینِ حیات اور آپؐ کی بعثت اُولیٰ کا دور زیادہ تر جلالی شان کا حامل تھا)۔ اسی طرح مقدّر یہ تھا کہ وہ موعود یہ دونوں نام پانے کے باوجود زیادہ تر ''احمد'' نام سے مشہور ہوگا۔ کیونکہ اس کا دور زیادہ تر جمالی شان کا حامل ہونا تھا لیکن خود احمد ہونے کے باوجود اس موعود نے انسانوں میں سے اوّل درجہ کے ''احمد'' یعنی حضرت نبی کریمﷺ کا غلام ہونا اور آپؐ ہی کے طفیل یہ نام پانا تھا۔ اس لئے یہ اشارہ بھی اس میں ہوگیا کہ وہ موعود ''غلام احمد'' ہوگا۔ اور عجیب بات ہے کہ جہاں اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو خدا تعالیٰ نے الہامات میں احمد نام سے پکارا وہاں اپنے

تصرف خاص کے ماتحت آپؑ کے والدین سے آپ کا نام غلام احمد رکھوایا۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ ’’غلام احمد قادیانی‘‘ کے اعداد بحساب جُمل ۱۳۰۰ ہیں اور ۱۳۰۰ھ آپؑ کے دعویٰ کا سال ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جیسا کہ ہم اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھ چکے ہیں ۔ جہاں سورۃ الفاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھائی گئی ہے وہاں سورۃ النسآء آیت ۷۱ میں مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہونگے۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح افراد اُمّت محمدیہ کے لئے صدیق، شہید اور صالح ہونے کا دروازہ کھلا ہے اسی طرح نبی بننے کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ مگر قرآن کریم نے صرف صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھانے پر بس نہیں کی بلکہ اس کے بعد غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ کے الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اور تمام اہل علم کے نزدیک مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے اوّل نمبر پر یہودی اور ضالین سے عیسائی مراد ہیں۔ اور جب خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم یا تعلیم دے تو اسمیں یہ پیشگوئی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس کی خلاف ورزی کرنے والے بھی ضرور ہونگے۔ لہٰذا اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان یہود سے مشابہ ہوجائیں گے۔ اور یہود میں اگرچہ بہت سے عیب تھے مگر سب سے بڑا جرم انکا یہ تھا کہ وہ نبیوں کو جھٹلاتے تھے حتیّٰ کہ جب ان کا بگاڑ حد سے گزر جانے پر خدا تعالیٰ نے اپنے نوشتوں کے مطابق انکی طرف سلسلہ مُوسویہ کا آخری نبی مسیح ناصری بھیجا تو انہوں نے اس کا بھی انکار کردیا، انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسکے قتل کے بھی درپے ہوئے اس لئے اسی میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ جب مسلمانوں میں حد درجہ بگاڑ پیدا ہوجائے گا۔ حتیّٰ کہ وہ یہود کے مثیل بن جائیں گے۔ اس وقت ان میں ایک مسیح کو مبعوث کیا جائے گا۔ (یعنی جس احمد کی پیشگوئی شروع سورۃ میں کی گئی وہی مسیح موعودؑ بھی ہوگا)۔ مگر یہ لوگ اس کا انکار کریں گے اور انکار ہی نہیں کریں گے بلکہ اسکے قتل کے درپے بھی ہونگے۔ لیکن جس طرح پہلے مسیح کو اس کے زمانہ کے یہود عملاً قتل نہیں کرسکے تھے۔ یہ مثیلان یہود بھی مسیح موعودؑ کو قتل نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کے بعد وَلَا الضَّآلِّينَ کا اضافہ کر کے بتایا ایک وقت آئے گا کہ مسیح موعودؑ کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ لوگ بھی اسے مان لیں گے۔ اور مان ہی نہیں لیں گے۔ بلکہ جس طرح عیسائی ضال یعنی گمراہ ہوکر اپنے مسیح کے بارہ میں غلو کرنے لگ گئے تھے اور اسے ابن اللہ بنا بیٹھے تھے خطرہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی مسیح موعودؑ کے مقام کے بارہ میں غلو سے کام نہ لینے لگیں۔ چنانچہ اس خطرہ کو خود اس پیشگوئی کے موعود مسیح و

مہدیؑ نے بھی محسوس کیا اور یہ دعا کی کہ آپؑ کو محل شرک نہ بنایا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے اگرچہ یہ دعا کی ہے کہ یسوع ابن مریم کی طرح شرک کی ترقّی کا میں ذریعہ نہ ٹھہرایا جاؤں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ایسا ہی کرے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور اس سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا۔ اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا۔ اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے زور اور دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔ اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہوجائے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہونگی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھادے گا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔'' (تجلیات الٰہیہ صفحہ۴۰۹)

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** کی دعا چونکہ مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ اس لئے اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ہمیں اسلام لانے کی توفیق مل جائے۔ بلکہ یہی مراد ہوسکتی ہے کہ اسلامی تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق پاکر خدا تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی توفیق مل جائے۔ اور جب خداتعالیٰ کوئی دعا تعلیم کرے تو ضرور ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والوں کے حق میں اسے قبول بھی کرے۔ اس لئے اسی میں دراصل یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ اُمّتِ محمدیہ کے بہت سے افراد بقدر اپنے اخلاص اور کوشش کے خدا کی طرف سے ہدایت پانے والے یعنی مہدی ہونگے۔ لیکن الفاظ کا ایک لغوی اطلاق ہوتا ہے اور ایک اصطلاحی اطلاق، اگرچہ لغوی اعتبار سے بہت سے افرادِ اُمّت مہدی ہوسکتے تھے لیکن اصطلاحاً یہ نام صرف کامل طور پر ہدایت پانے والوں ہی کو مل سکتا تھا بلکہ ضرور تھا کہ کسی نہ کسی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ نام ملتا کیونکہ اس کے بغیر یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے اور چونکہ آنحضرتﷺ نے یہ لفظ خلفاء راشدین کے لئے استعمال فرمایا ہے جن کا تعلق اسلام کے دور اوّل سے تھا یا پھر اُمّت میں آنے والے مسیح ابن مریم کے لئے جس کا تعلق اسلام

کے دور ثانی سے جو آخرین کا دور ہے ہونا تھا۔ اس لئے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اسی مہدی کی پیشگوئی کی گئی تھی۔

===============

مہدی کا نام احمد ہوگا نیز محمود اور منصور بھی اسکے نام ہونگے

مختصر یہ کہ سورۃ الفاتحہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا بروز بن کر آنیوالے ایک رسول کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ اسے محمد اور احمد دونوں نام دیے جائیں گے مگر وہ زیادہ تر احمد نام سے مشہور ہوگا۔ وہ مسیح بھی ہوگا اور مہدی بھی ہوگا اور چونکہ جو محمد ہے ضرور ہے کہ وہ محمود بھی ہو اور جو رسول ہے ضرور ہے کہ (بمطابق آیت **اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔** المومن ۴۰:۵۲) وہ منصور یعنی خداتعالیٰ کی طرف سے نصرت یافتہ بھی ہو۔ اس لئے اس سورۃ میں دراصل یہ بتایا گیا کہ اُمّت محمدیہ میں ایک مہدی آئے گا جس کا نام منصور بھی ہوگا۔ محمد بھی ہوگا احمد بھی ہوگا اور مسیح (عیسٰی ابن مریم) بھی۔ چنانچہ حضرت امام جعفرؒ کی روایت ہے کہ:

سَمَّی اللّٰہُ الۡمَھۡدِیَّ الۡمَنۡصُوۡرَ کَمَا سُمِّیَ اَحۡمَدُ وَ مُحَمَّدٌ وَ مَحۡمُوۡدٌ وَ کَمَا سُمِّیَ عِیۡسٰی الۡمَسِیۡح

(بحار الانوار جلد ۱۳ ص ۷)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ الفاتحہ کا ایک نام **اُمُّ الۡقُرآن** بھی ہے جو کچھ اس میں اشارۃً اور اِجمالاً بیان ہُوا ہے باقی قرآن کریم میں اسکی وضاحت اور تفصیل ہے۔ پس اس سورۃ کے موعود کے متعلق جو کچھ باقی قرآن کریم میں بیان ہُوا ہے اس میں سے وہ باتیں جو راقم الحروف سمجھ سکا ہے اس کتاب کے اگلے صفحات میں ہدیۂ قارئین کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس عاجزانہ دعا کے ساتھ کہ:

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ وَ احۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ یَفۡقَھُوۡا قَوۡلِیۡ (طٰہٰ ۲۰: ۲۶ تا ۲۹)

اے میرے رب مجھے شرح صدر عطا کر اور میرا کام میرے لئے آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے (تاکہ) وہ (لوگ جو اس کتاب کو پڑھیں) میری بات کو سمجھ سکیں۔

===============

مہدی موعودؑ کا ایک نام آدم ہوگا اور وہ ساتویں ہزار کے سر پر آئے گا

سورۃ البقرہ میں ہے:-

وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّ مَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّامَاعَلَّمْتَنَاط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴿۳۳﴾ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَ هُمْ بِاَسْمَآ ئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور (اے رسول) اس وقت کو یاد کرجب تیرے رب نے فرشتوں سے کہامیں زمین میں خلیفہ بنا نیوالا ہوں۔انہوں نے کہا کیا تو اس میں اسے (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اورخون بہائے گا۔ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری خاطر تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا یقیناً میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کوتمام **اسماء** کا علم دیا پھر ان لوگوں کو(جو ان **اسماء** کے حامل تھے) فرشتوں پر پیش کیا۔ پھر کہا تم مجھے ان کی صفات ظاہر کرکے دکھاؤ اگرتم (اپنے خیال میں) سچے ہو(تو تم ایسا کرسکو گے۔ اپنے تئیں عاجز پاکے)۔ انہوں نے کہا تو ہرعیب سے پاک ہے۔ ہمیں بجز اس (علم)

کے جو تو نے ہمیں دیا کوئی علم نہیں یقیناً تو علیم و حکیم ہے۔ خدا نے کہا
اے آدم تو انہیں ان سب (لوگوں) کی صفات ظاہر کر کے دکھا۔ پھر جب
اس نے ان کو ان سب کی صفات ظاہر کر کے دکھا دیں(اللہ نے
فرشتوں سے) کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین
کے غیب کو جانتا ہوں اور اس کو بھی جانتا ہوں جس کا تم مظاہرہ کر سکتے ہو
اور (اس کو بھی جانتا ہوں) جسکا تم مظاہرہ نہیں کر سکتے۔

اسماء اسم کی جمع ہے جس کے معنے نام کے بھی ہیں اور صفت کے بھی، مفسرین نے **اسماء** سے ناموں کے علاوہ خواص اشیاء بھی مراد لئے ہیں۔

لفظ کل کے معنی اگرچہ ''سب کے سب'' کے ہیں لیکن بسا اوقات یہ لفظ صرف سب ضروری اشیاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قولِ رّبانی **فَلَمَّانَسُوْامَاذُ كِّرُوْابِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَىْءٍ** (الانعام ۶:۴۵) میں یا **اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ** (النّمل ۲۷:۲۴)میں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قرآنی آیات کے جہاں کئی کئی معانی و مطالب ہوتے ہیں وہاں ایک معنٰی سب سے اہم اور بنیادی حیثیت رکھنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اور وہ معنے وہ ہوتے ہیں جن کا سیاق و سباق کے ساتھ سب سے زیادہ گہرا تعلق ہو اور یہاں چونکہ یہ ذکر کہ اللہ نے آدم کو کل **اَسْمَاء** سکھائے اِس ذکر کے بعد ہؤا ہے کہ اس نے فرشتوں کو یہ خبر دی کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں اور خلیفۃ اللہ بننے کے لئے صفات الٰہیہ کا مظہر ہونا اور صفاتِ الٰہیہ کے مظہر ہونے کیلئے ان کا عالِم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اسلئے **عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ** میں جن **اَسْمَآء** کے سکھائے جانے کا ذکر ہے ان سے مراد اوّل نمبر پر صفات الٰہیہ ہی ہوسکتی ہیں۔

ان آیات میں پہلے **عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ** فرمایا گیا ہے جس سے خیال ہوسکتا ہے کہ اکیلے آدم کو **اَسْمَآء** سکھائے گئے لیکن اس کے بعد **عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ** کے الفاظ ہیں۔ یعنی جمع کی ضمیر لائی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم کے لفظ میں بنی آدم بھی شامل ہیں یعنی ذکر جنس انسان کا ہے (چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے اس موقع پر فرمایا:-''یاد رکھو آدم کا ولد بھی آدم ہی ہے'')۔ لیکن **ثُمَّ عَرَضَ كُلَّهُمْ** .... نہیں فرمایا گیا بلکہ صرف

عَرَضَهُمْ فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے سامنے سب انسان نہیں کچھ منتخب افراد پیش کئے گئے تھے۔اب اگر ساری جنسِ آدم مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہوتی تو چونکہ اس موقع پر جنس انسان کی فرشتوں پر برتری ثابت کرنا مقصود تھا ساری جنس کو ان کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے تھا مگر اس کی بجائے صرف بعض کا پیش کیا جانا بتاتا ہے کہ اگرچہ اَسْمَاء (یعنی صفات) الٰہیہ کا علم جنس آدم کو دیا گیا تھا لیکن یہ علم دیا جانا بالقوّہ تھا ورنہ بالفعل اس میں سے چند افراد ہی حامل صفاتِ الٰہیہ ہونے والے تھے اوران ہی کو متمثّل کرکے فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔لیکن اگر ان چند میں سے ہر ایک تمام صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہونے والا ہوتا تو ملائکہ سے یہ کہا جاتا کہ تم ان میں سے کسی ایک کی صفات ظاہر کرکے دکھاؤ لیکن کہا یہ گیا کہ ان سب کی صفات ظاہر کرکے دکھاؤ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک صرف کچھ کچھ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر تھا۔لیکن آیت ۳۴ کے الفاظ یٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس آدم کا اس جملہ میں ذکر ہے وہ ان تمام آدموں کی کہ جن کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا صفات ظاہر کرسکتا تھا۔یعنی وہ تمام کاملین کے کمالات کا جامع یابالفاظ دیگر تمام اسماء الٰہیہ کا مظہر تھا۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ <u>یہاں دراصل تین آدموں کا ذکر ہے</u> ایک جنس آدم کا جسے بالقوّہ صفات الٰہیہ کا علم دیا گیا ہے۔ یعنی جس میں خلیفۃ اللہ بننے کی استعداد رکھی گئی دوسرے اس جنس میں سے کچھ منتخب افراد کا جو بالفعل کچھ کچھ صفاتِ الٰہیہ کے مظہر بننے والے تھے۔ یعنی اولیاء و رُسُل کا جو اپنے اپنے ظرف کے مطابق عملاً خلیفۃ اللہ بننے والے تھے اور تیسرے اس جنس کے کامل ترین فرد کا جو بالفعل تمام صفاتِ الٰہیہ کا مظہر یعنی بدرجہ اتم خلیفۃ اللہ بننے والا تھا۔اور چونکہ خدا کی ایک صفت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ بھی ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ اس فرد کامل نے اس صفت سے بھی حصہ لیا ہو۔ یعنی خود مخلوق ہوتے ہوئے بھی دوسری مخلوقات بلکہ دوسرے خلفاء تک سے اتنا بلند ہوکہ ان کو اُس سے ہو تو صرف نام کا اشتراک ہو اس سے زیادہ نہیں۔ گویا حقیقی معنوں میں ایک ہی شخص خلیفۃ اللہ ہوسکتا تھا۔ پس یٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ کہہ کر خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے الفاظ میں خلیفۃ اللہ کے وجود میں آنے کی جو پیش گوئی ہے اگرچہ ایک اعتبار سے کئی وجود اس کے مصداق ہونگے مگر اس کا کامل مصداق ایک ہی وجود ہوگا اور اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ

فرما کر یعنی حضرت اقدس محمد رسول ﷺ کو رَبُّکَ کے لفظ سے مخاطب کر کے اشارہ کیا کہ وہ ایک تو ہے۔ فَدَاہُ اَبِیْ وُ اُمِّیْ وَ رُوْحِیْ وَ جَنَانِیْ ؎

خدا نگویمش از ترسِ حق مگر بخدا

خدا نما است وجودش برائے عالمیاں

===============

ساتویں ہزار کے آدم کی پیش گوئی

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اگر ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ میں ضمیر ھُمْ کا اشارہ صرف اُس آدم سے جواس وقت مخاطب تھا پہلے آدموں کی طرف ہوتو ماننا پڑے گا کہ اس کو صرف اپنے سے پہلے کے آدموں کے کمالات اپنی ذات میں دکھانے کا حکم ہؤا لیکن اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ اس کے بعد کوئی اس سے بھی زیادہ کامل یعنی اس سے بھی زیادہ مظہر صفاتِ الٰہیہ پیدا ہونے والا تھا جو ممکن نہیں کیونکہ جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیااس آدم سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور آپؐ بلاشبہ سیّدُ ولدآدم اور تمام اوّلین و آخرین کے سردار ہیں جیسا کہ حدیث اَنَا سَیِّدُوُلْدِآدَمَ وَلَافَخرَ اس پر دال ہے اور حدیث قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ سے بھی اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور آیت دَنٰی فَتَدلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اور آپؐ کو خَاتَمُ النَّبِیّٖن یعنی افضل الانبیا قرار دے کر خداتعالیٰ نے یہ بات بوضاحت بھی بتادی ہوئی ہے۔

اسلئے ماننا پڑیگا کہ اس آدم یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی آدم آنیوالا تھا اور اُس کو بھی اُس وقت متمثّل کر کے ملائکہ کے سامنے کیا گیا تھا اور چونکہ آنحضرتؐ چھٹے ہزار کے آدم تھے اور ساتواں ہزار موجودہ نسلِ انسانی کیلئے آخری ہزار ہے جیسا کہ عارفوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں اس لئے ضرور تھا کہ وہ ساتویں ہزار کا آدم ہوتا۔ اس سے معلوم ہؤا کہ ساتویں ہزار کے سر پر ایک آدم کا آنا بھی ابتداء آفرینش ہی سے اسی طرح مقدّر تھا جس طرح دوسرے آدموں کا آنا مقدّر تھا۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں پہلے آدم کا ذکر کرنے کے بعد سورۃ الاعراف میں جو

قرآن کریم کی ساتویں سورۃ ہے قصۂ آدم دوبارہ بیان کرکے اسکی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور سورۃ العصر میں تو اسکا ٹھیک ٹھیک وقت بھی بتا دیا گیا ہے اور چونکہ ایک کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بعد ادنیٰ نمونہ پیش کرنا خلاف حکمت ہوتا۔ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ آدم آدمِ کامل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز ہوکر آتا۔ مگر آپؐ کو خاتم الانبیاء یعنی سب نبیوں سے افضل اور سیدولد آدم بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اسلئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ موعود آدم آپؐ کے غلاموں میں سے ہوتا (تا کہ آپؐ کی خاتمیت میں فرق نہ آتا) اور بہ ایں ہمہ وہ دوسرے نبیوں سے افضل ہوتا۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے ایک قول کی تشریح میں لکھا ہے کہ "اِنَّ الْمَهْدِیَّ الَّذِیْ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ تَکُوْنُ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ تَابِعِیْنَ لَهٗ فِی الْعُلُوْمِ وَالْمَعَارِفِ لِاَنَّ قَلْبَهٗ قَلْبُ مُحَمَّدٍ ﷺ" (شرح فصوص الحکم)۔ کہ مہدی جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا "تمام انبیاء علوم و معارف میں اُسکے تابع ہونگے"۔ کیونکہ اسکا دل محمد رسول ﷺ کا دل ہے۔ یعنی اس پر آپؐ کے قلب مُطّہر کا رنگ چڑھا ہؤا ہے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ "مرویست از کعب الاحبار" کہ خدا تعالیٰ می دہد بہ آنجناب آنچہ را بہ پیغمبراں دادہ د زیادہ بر اومی دہد۔ یعنی کعب الاحبار سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ آنجناب (یعنی حضرت مہدیؑ) کو وہ سب کچھ دیگا جو اسنے (آنحضرتؐ سے پہلے کے) پیغمبروں کو دیا اور اس سے زیادہ بھی۔

(امام مہدی کا ظہور صفحہ ۲۵ بحوالہ نجم الثاقب جلد اوّل صفحہ ۵۱)

بہر حال ان آیات کے مطابق ساتویں ہزار کے سر پر بھی (جو آخری ہزار ہے) ایک آدم کا آنا ابتدائے آفرینش سے مقدّر تھا۔ اور دوسری طرف آخری زمانہ میں مسیح موعود یا مہدی موعود کا آنا بھی مقدّر تھا اور اس کے علاوہ اس مقام کے کسی شخص کے آنے کی خبر نہیں دی گئی تھی اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ قرآن کریم کی رُو سے مہدی موعودؑ ہی نے ساتویں ہزار کا آدم ہونا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جہاں اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کا نام اپنے الہام میں مسیح اور مہدی رکھا وہاں آپؑ کو آدم بھی قرار دیا اور اپنے الہامات میں آپؑ کو یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ کے الفاظ میں یعنی انہی الفاظ میں مخاطب فرمایا جن میں آدمِ اوّل کو مخاطب فرمایا تھا۔ اور آپؑ نے ببانگ دہل کہا:-

"میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔"

نیز فرمایا:-

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں
عمر دنیاسے بھی اب ہے آ گیا ہفتم ہزار

حضرت مہدی موعودعلیہ السلام کو جو آخری ہزار کا آدم قرار دیا گیا تو اسمیں یہ اشارہ تھا کہ ان میں اور پہلے ہزار کے آدم میں بعض اہم مماثلتیں پائی جائینگی۔ سو پہلی مماثلت ان میں یہ تھی کہ جس طرح حضرت آدمؑ جمعہ کے روز جو ہفتہ کا چھٹا دن ہے بعد عصر پیدا ہوئے اس طرح حضرت مہدی موعودؑ چھٹے ہزار کے آخر میں جمعہ کے روز بعد عصر پیدا ہوئے۔ اور دوسری اہم مماثلت ان میں یہ تھی کہ جس طرح حضرت آدمؑ نے اپنے وقت کے لوگوں کو ایک وحدت کا رنگ بخشا اسی طرح مہدی موعودؑ کواس لئے بھیجا گیا کہ تا سب دنیا کے لوگوں کو جمع کریں عَلٰی دِیْنٍ وَاحِدٍ چنانچہ آپؑ نے خود فرمایا:-

''ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اُس تعداد سے بھی کم تر تھے جو اُن کو ایک قوم کہا جائے۔' اس لئے ان کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور بباعث دُور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہوگئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہرایک قوم کے لئے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا اور پھر جب نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقّی کی اور ملاقات کے لئے راہ کھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے سامان میسر آ گئے ۔ .... خدا تعالیٰ کاارادہ ہوُا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر ان کوجمع کیا جاوے ۔ تب خدا نے تمام ملکوں کے لئے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے ان کا فرض ہوگا کہ اس کو قبول کرلیں اور

اُس پر ایمان لاویں اور وہ کتاب قرآن شریف ہے۔‘‘

(چشمہ معرفت ۴۶-۴۹)

تاہم ’’چونکہ آنخضرت ﷺ کی نبوّت کا زمانہ قیامت تک مُمتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اِس لئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنخضرت ﷺ کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپؐ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی ، یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپؐ کا زمانہ وہیں تک ختم ہوگیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپؐ کا تھا وہ اُسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہوجائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اسی اُمّت میں سے ایک نائب مقرر کیا ،جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے ۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنخضرت ﷺ ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہولے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اُسی نائب النبوّت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ (الصّف۔ آیت ۱۰) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کردے۔ یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنخضرت ﷺ کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو۔ اس لئے اس آیت کی نسبت ان سب متقدّمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعودؑ کے وقت میں ظہور میں آئے گا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کے لئے تین امر کا پایاجانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پائے نہیں گئے۔‘‘

(۱) ’’اوّل یہ کہ پورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میل ملاقات کے لئے آسانی اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابل برداشت مشقتیں دور ہو جائیں ....

(۲) دُوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لئے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں پر اپنی خوبیوں کے رو سے غالب ہو یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کرسکیں اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کرسکے اور نیز تالیفات کے

ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کرسکیں اور مذہبی کُشتی کے لئے دنیا کی تمام قوموں کو یہ موقعہ مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں ...... اور یہ مذہبی کُشتی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کُشتی ہو........

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کے لئے شرط ہے کہ فلاں دین مقابل دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے....... وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے تائید الٰہی کے آسمانی نشان اس کے شامل ہوں کہ دوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں ...... اور دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک کوئی مذہب نشانِ آسمانی میں اس کا مقابلہ نہ کرسکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حصہ آبادی دنیا کا اس دعوتِ مقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۹۱ تا۹۳)

پس ان وجوہ مذکورہ کی بناء پر آسمان پر فیصلہ کیا گیا کہ زمین پر بسنے والی قوموں کو ایک قوم مہدی موعودؑ کے ذریعہ اور اسکے زمانہ میں بنایا جائے۔

===============

آدم وقت حضرت مہدی موعودؑ کو عربی زبان کا خاص علم دیئے جانے کی پیشگوئی

سورۃ البقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں آدم سے جنس آدم مراد ہو تو چونکہ اُسے تعلیم دیا جانا بالقوّۃ ہی ہوسکتا تھا۔ اس میں ایک اشارہ یہ بھی کیا گیا کہ آدم میں خواص اشیاء معلوم کرنے کی استعداد رکھی گئی۔ لیکن اگر آدم سے وہ آدم مراد ہو جس کے ذریعہ انسانی تمدن کی بنیاد رکھی گئی تو ضرور ہے کہ یہ علم دیا جانا ایک حد تک بالفعل بھی ہو۔ اور چونکہ قیام تمدن کے لئے زبان کا جاننا بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس لئے **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا** کے یہ معنی بھی ہونگے کہ آدم کو بنیادی زبان یعنی **اُمُّ الْاَلْسِنَۃ** کے اصول یا مادے تعلیم کئے گئے اور چونکہ اس قصّہ کے پیرایہ میں آئندہ ایک آدم کے آنے کی پیشگوئی بھی کی گئی اس میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ آدمِ موعود پر بھی یہ فضل ہوگا۔ یعنی اسے بھی عربی زبان کا علم دیا جائے گا۔ چنانچہ جس طرح پہلے ہزار کے آدم

پر یہ فضل ہؤا آخری ہزار کے آدم حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے ایک ہی رات میں عربی زبان کی چالیس ہزار لغات کا معجزانہ رنگ میں علم عطا کیا۔

(دیکھیں انجام آتھم صفحہ ۲۳۴)

سورۃ الرحمان کی آیات خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ میں بھی ان کے ایک مفہوم کی رو سے الانسان یعنی مہدی موعود کو عربی زبان سکھائے جانے کی پیشگوئی کی گئی تھی چنانچہ اس کے مطابق اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مرزاغلام احمد علیہ السلام کو اس زبان کا ایسا غیر معمولی علم دیا گیا کہ آپؑ نے علما عجم وعرب میں سے ہر ایک کو اپنے مقابل پر عربی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا مگر کسی کو مجال نہ ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کرسکے۔ اس پر آپؑ نے اپنی طرف سے کچھ حصّہ قرآن کی تفسیر شائع کرکے فرمایا کہ اسی کے مقابلے پر کوئی تفسیر لکھ کر دکھائے مگر اس چیلنج کو بھی آج تک کہ سو ۱۰۰ سال ہو چکے ہیں کوئی قبول نہیں کرسکا۔

یہ پیشگوئی کہ ایک زمانہ میں مسلمان یہود صفت ہوجائیں گے۔ اور اپنی نجات کے لئے جھوٹی امیدیں باندھنے لگیں گے۔ اس وقت ایک ابراہیم بھیجا جائے گا اور ان کی نجات کی ایک ہی راہ ہوگی کہ اس کے دامن سے وابستہ ہوجائیں۔ وہ آئے گا تا مسلمانوں کو جمع کرے علٰی دینٍ واحدٍ

قرآنِ کریم نے مہدی موعودعلیہ السلام کو آدم ہی قرار نہیں دیا بلکہ جیسا کہ کسی قدر بیان اس کا اوپر کے صفحات میں بھی گزر چکا ہے دوسرے نبیوں کے نام بھی اسے دیئے ہیں چنانچہ سورۃ البقرۃ میں آپؑ کا ابراہیم ہونا بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم دے یا کوئی دعا سکھائے تو اس میں یہ پیشگوئی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس کے خلاف کرنے والے بھی ہوں گے لہٰذا سورۃ الفاتحہ کے آخر میں جو **غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِم** کی دُعا تعلیم کی گئی تو اس میں واضح طور پر یہ اشارہ تھا کہ آخری زمانے میں مسلمان کہلانے والے **مَغۡضُوۡبُ عَلَیۡھِم** کے یعنی یہود کے مثیل بن جائیں گے۔ چنانچہ مخبر صادق حضرت نبی کریمؐ نے واضح طور پر اس کی خبر دی (دیکھیں صفحہ ۲۱ کتاب ھذا) پس قرآنِ کریم نے جو بار بار اور تفصیل کے ساتھ یہود کی نافرمانیوں کے واقعات بیان فرمائے تو اس سے بھی ایک غرض مسلمانوں کو ہشیار کرنا اور یہ بتانا تھی کہ تم ان جیسے کام نہ کرنا۔ اور دوسری غرض یہ بتانا تھی کہ باوجود اس حکم کے ان میں یہود والے کام کرنے والے بھی ضرور ہوں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایک مقام پر یہود کو اپنی نعمتیں یاد دلانے کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُہَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ (۱۲۴)

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی نفس (مطہر) کسی نفس (عاصی) کے کام

نہیں آئے گا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے شفاعت نفع دے گی اور نہ وہ لوگ مدد دیئے جائیں گے۔

اس جگہ اگرچہ یہودی مخاطب ہیں تاہم چونکہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے بالکل یہود کے قدم بقدم چلنا تھا۔ اس لئے اس ذکر میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان قیامت کی اصل تیاّری کرنے کی بجائے (جو اتباعِ رسولؐ ہے) نجات کے بارہ میں جھوٹی امیدیں باندھنے لگیں گے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو یہ خیال کرنے لگیں گے کہ حشر کے دن کوئی دوسرا نیک آدمی ان کے کام آجائے گا۔ یعنی بزرگوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ یہ خیال کریں گے کہ اُن کا تعلق قرابت ان کی بخشش کا موجب بن جائے گا۔ بعض ساری عمر تو کوئی نیک کام کریں گے نہیں اور اگر موقع ملے تو مرتے وقت یہ وصیت کر جائیں گے کہ ان کے مال میں سے اس قدر فلاں فلاحی کام میں خرچ کردیا جائے۔ یا صدقہ کردیا جائے (حالانکہ وہ رقم تو اس وقت بہرحال ان کے تصرف سے نکل جانے والی ہی ہوتی ہے) بعض یہ سمجھیں گے کہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے وہ بخشے جائیں گے۔ حالانکہ ہر ایک کے حق میں خدا کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہی نہیں ہوگی اور بغیر اذن کی جانے والی شفاعت نفع نہیں دے گی ۔ اور بعض کو یہ خیال ہوگا کہ اپنے پیروں وغیرہ کی مدد سے وہ بخشے جائیں گے مگر ایسا بھی نہیں ہوگا۔ (کیونکہ **لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی** ۔النجم۵۳:۴۰۔ کے مطابق اس دن تو وہ اعمال کام آئیں گے جو انسان نے دُنیا میں کیے ہوں گے) یہ سب کی سب باتیں اس زمانہ کے مسلمانوں میں پائی جاتیں ہیں۔ پس اس آیت میں انہی کے بارہ میں پیشگوئی کی گئی اور اس کے پوری ہوجانے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں یہ پیشگوئی نہیں تھی۔

اس آیت کے بعد ہے:-

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۱۲۵)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ احکامات کے ساتھ آزمایا تو اس نے ان کو پورا کیا (جس پر خدا نے) فرمایا میں تجھے

لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) عرض کی اور میری ذریّت
میں سے بھی (امام بنایئے گا) فرمایا (میں اس کا وعدہ کرتا ہوں) مگر میرا
عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اوپر کی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان یہود کی طرح نجات کی اصل راہ چھوڑ کر جھوٹی امیدیں باندھنیں لگیں گے پس اس کے بعد جو یہ آیت لائی گئی تو **لاریب** اس میں یہ اشارہ تھا کہ اس وقت خدا تعالیٰ ایک ابراہیم کو مبعوث کرے گا اور امامٌ لِلنَّاس بنائے گا پس مسلمانوں بلکہ سب انسانوں کے لئے نجات کی ایک ہی راہ ہوگی کہ اس کا دامن پکڑ لیں اور اس کے پیچھے ہوں لیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے موعود ابراہیمؑ کو (جن سے مراد جیسا کہ آگے وضاحت آئے گی مہدی مسعودؑ سے ہے) مخاطب کرکے فرمایا:۔

”جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل
نہیں ہوگا اور مخالف رہے گا وہ خدااور رسول کی نافرمانی کرنے
والا اور جہنّمی ہے۔“ (تذکرہ صفحہ ۳۳۶ بحوالہ تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۲۷)

اوپر کے صفحات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کی رو سے آئندہ آنے والے نبی کا ایک نام مہدی ہونا تھا اور اس آیت میں بتایا گیا کہ وہ امام بھی بنایا جائے گا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ وہ امام مہدی ہوگا۔ اس آیت کے بعد ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا
بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (۱۲۶)

اور (مندرجہ بالا باتوں کو یاد رکھنے کے علاوہ) اُس وقت کو بھی یاد کرو
جب ہم نے اس گھر کو مرجع خلائق اور امن کی جگہ بنایا اور (اس کے
ساتھ ہی حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیم کو اپنی عبادت کا مقام بناؤ۔ اور ابراہیم
اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، معتکفین
اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

حضرت ابراہیمؑ کے وقت تو ساری دنیا کے لوگوں کیلئے بیت اللہ مرجع نہیں تھا۔ لہٰذا

یہ جو خداتعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم نے بیت اللہ کو مرجع خلائق بنانے کا فیصلہ کیا اس وقت ہی ہم نے لوگوں سے یہ فرمایا تھا کہ مقامِ ابراہیمؑ کو اپنی عبادت کا مقام بناؤ تو اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ اس وقت ہی ہم نے یہ مقدّر کر دیا تھا کہ اس گھر کے بتمام وکمال **مَثَابَةً لِّلنَّاس** بننے کے زمانہ میں بھی ایک ابراہیم مبعوث کیا جائے گا۔ گویا پہلی آیت میں تو موعود ابراہیمؑ کی ضرورت بتائی اور اس کے وقت کی خبر دیتے ہوئے یہ بتایا کہ وہ اس وقت آئے گا جب مسلمان نجات کی اصل راہ سے غافل ہوکر اس کے لئے جھوٹی امیدیں باندھنے لگیں گے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ وہ ابراہیمؑ حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اور تمام لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کو **عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ** جمع کرنے کے لئے آئے گا۔ چنانچہ جب خدا نے اس ابراہیمؑ کو بھیجا تو اسے مخاطب کرکے فرمایا:۔

”سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو **عَلٰی دِیْنٍ واحد**“

(تذکرہ ۵۷۷)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بیت اللہ کی طرف رجوعِ خلائق حضرت ابراہیمؑ کے اپنے زمانہ سے بھی زیادہ زمانۂ اسلام کا آغاز ہوجانے پر شروع ہوا مگر اس کا پورے طور پر **مَثَابَةً لِّلنَّاس** بننا عالمگیر غلبۂ اسلام کو چاہتا تھا۔ اور عالمگیر غلبۂ اسلام کا وقت بمطابق آیت **هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ** (التوبہ ۹:۳۳) مہدی موعودؑ کا وقت ہے جیسا کہ تمام مفسرین کے اس امر پر اتفاق سے کہ یہ آیت مہدی موعودؑ کے وقت سے متعلق ہے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ مہدی موعودؑ ہی کا ابراہیمؑ نام پانا مقدّر کیا گیا تھا اور اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا تھا کہ جب مہدی موعودؑ جو ابراہیمؑ ثانی ہوگا مبعوث ہوجائے گا تو جس طرح پہلے ابراہیمؑ کے زمانہ کے لوگوں پر فرض تھا کہ اس کے طریق پر عبادت بجا لائیں اسی طرح اس دوسرے ابراہیمؑ کے زمانہ کے لوگوں پر بھی فرض ہوگا کہ اس کے نمونہ پر عبادت بجا لائیں۔ لیکن بمطابق آیت **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** مسلمانوں کے لئے اصل نمونہ تو حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے یہ جو فرمایا کہ تم اس ابراہیم کے طریق پر عبادات بجا لانا تواس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ اس وقت مسلمان کئی فرقوں میں بٹ چکے ہوں گے اور ہر فرقہ **كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ** کا مصداق

بن کر اپنے ہی طریق کو طریقِ محمدّی سمجھ رہا ہوگا مگر اصل طریق محمدیؐ اس ابراہیمؑ کا طریق ہوگا اس لئے اُمّت پر فرض ہوگا کہ ہر ایک امر میں اُس کی پیروی کریں۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو خدا تعالیٰ نے جہاں مہدی اور مسیح بنایا وہاں ابراہیمؑ بھی قرار دیا۔ اور الہاماً فرمایا **اَنْتَ مَعِیَ وَاَنَا مَعَکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ** (تذکرہ صفحہ ۳۷۷) اے ابراہیمؑ تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اسی طرح فرمایا **سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ** (تذکرہ صفحہ ۴۴۵) اے ابراہیمؑ تجھ پر سلام۔ اور آپؑ نے فرمایا:-

"آیت **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی** اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب اُمّتِ محمدیہ میں بہت فرقے ہوجائیں گے۔ تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۲)

===============

یہ پیشگوئی کہ مہدی موعودؑ پر حضرت ابراہیمؑ والے انعامات ہوں گے اور وہ ان کا ہم صفات ہوگا

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جن لوگوں کا نام ان کے والدین نے ابراہیم رکھا وہ تو دنیا میں ہزاروں ہیں۔ لیکن جب خداتعالیٰ نے کسی کا نام ابراہیم رکھا تو لاریب اس کا یہی مطلب ہوسکتا تھا کہ جو اوصاف پہلے ابراہیمؑ کے تھے وہ موعود ابراہیمؑ کے بھی ہوں گے اور جو انعامات پہلے ابراہیمؑ پر ہوئے اس پر بھی ہوں گے۔ لہٰذا اس کے ساتھ جو اس نے حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور آنحضرتؐ کے علاوہ سب نبیوں سے زیادہ روشنی ڈالی تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس طرح پر اس نے صرف یہی نہیں بتایا کہ موعود ابراہیمؑ پر یہ یہ انعامات ہوں گے بلکہ اس کی سیرت بھی بیان فرمادی۔ یعنی بطور پیشگوئی بتادیا کہ آنے والے ابراہیمؑ کی سیرت کے یہ یہ درخشاں پہلو ہوں گے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے خود بھی فرمایا کہ "ابراہیمؑ کو خدا تعالیٰ نے بہت برکتیں دی تھیں اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے ہاتھ سے سلامت رہا پس میرا نام ابراہیم رکھ کر خداتعالیٰ یہ اشارہ

کرتا ہے کہ ایسا ہی اس ابراہیم کو برکتیں دی جائیں گی اور مخالف اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔" (براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۴)

اب آیئے دیکھیں پہلے ابراہیمؑ کے بارہ میں قرآن کریم نے کیا باتیں بیان کیں اور موعود ابراہیمؑ حضرت مہدی موعودؑ کی ذات میں وہ کیسے پوری ہوئیں۔

==============

مہدی موعودؑ کو آزمانے کے بعد امام بنایا جائے گا اور یہ آزمائش محبت رسول کی کسوٹی پر ہوگی

پہلے ہم زیرِ نظر آیات ہی کو لیتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو بعض کلمات کے ساتھ آزمایا گیا۔ اگرچہ وہ کلمات مذکور نہیں ہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ کچھ ایسے احکام تھے جن پر پورا اترنا منصبِ امامت پر (جس سے یہاں نبوّت مراد ہے کیونکہ اولاد ابراہیم میں اسی کی صورت میں سلسلہِ امامت چلا) فائز ہونے کے لئے ضروری تھا اور بمطابق آیت وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ الخ آئندہ کے لئے اس منصبِ پر فائز ہونے کے لئے اطاعتِ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ شرط ہے۔ اور اطاعتِ رسولؐ بغیر سچی محبت رسول کے کما حقّہٗ ممکن نہیں اس لئے اس آیت میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ آئندہ آنے والے ابراہیمؑ کو پہلے محبت رسولؐ کی کسوٹی پر آزمایا جائے گا اور اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے گا (اور خدا کے علم میں ہے کہ پورا اترے گا) تو اس کے بعد اسے مَنصبِ امامت یعنی مَنصبِ نبوّت پر فائز کیا جائے گا۔

==============

مہدی کا نام امام رکھنے کی وجہ

یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں امامت سے نبوّت مراد ہے مگر نبی کی بجائے امام کا لفظ اس لئے رکھّا گیا کہ اس جگہ آنے والے ابراہیم کی پیشگوئی مقصود تھی اور یہ پیشگوئی مہدی موعودؑ کے وجود میں پوری ہونے والی تھی اور اس نے مستقل نبی نہیں ہونا تھا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی ہونا تھا۔ البتہ امام کہلانا تھا اور نیز اس لئے کہ اس سے آگے ایک عرصہ تک یہ

سلسلہ نبوّت کی نہیں خلافت کی صورت میں چلنے والا تھا تاہم امام ان خلفاء نے بھی کہلانا تھا۔ اور نیز اس لئے کہ اُمّت کے ۷۳ فرقوں میں سے جس ایک کے ناجی ہونے کی آنحضورؐ نے خبر دی اس کی ایک علامت آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ وہ جماعت ہوں گے۔ اور جماعت بغیر امام کے نہیں ہوتی چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ احمدیہ ہی ہے جو ایک جماعت کی صورت میں ہے اور جس کا ایک واجب الاطاعت امام ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہے۔

یہ پیشگوئی مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں پوری شان سے پوری ہوئی۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنٰی یہ تھے کہ ''ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادۂ الٰہی اِحیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ میں شخص مُحْیِی کی تعیین نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔'' اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحْیِی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا **هٰذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ** یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے مطلب یہ تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۹۸)۔

===============

مہدی موعودؑ کی ایک بڑی آزمائش

حضرت ابراہیمؑ کی ایک بہت بڑی آزمائش بیٹے کی قربانی کا حکم دے کر کی گئی تھی۔ مہدی موعودؑ حضرت ابراہیمؑ ثانی کو اگرچہ اس طرح بیٹے کی قربانی کا حکم تو نہیں ہوا مگر پھر بھی آپؑ اس کے لئے ہمہ وقت تیار تھے چنانچہ ایک موقع پر جب آپؑ کے ایک چہیتے بیٹے بشیر اوّل کی وفات پر کمینہ خصلت دُشمنوں نے بغلیں بجانا شروع کیں تو آپؑ نے فرمایا ان لوگوں کو:۔

''یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہماری اولاد اتنی ہو جس قدر درختوں کے تمام دُنیا میں پتّے ہیں اور وہ سب فوت ہو جائیں تو اُن کا مرنا ہماری سچی اور حقیقی لذّت اور راحت میں کچھ خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ مُمیت کی محبت مَیّت کی محبت سے اس قدر زیادہ تر ہمارے دل پر غالب ہے کہ اگر وہ محبوب

حقیقی خوش ہو تو ہم خلیل اللہ کی طرح اپنے کسی پیارے بیٹے
کو بدستِ خود ذبح کرنے کو تیاّر ہیں۔ کیونکہ واقعی طور پر
بجز اس ایک کے ہمارا کوئی پیارا نہیں۔''
جَلَّ شَانُہٗ وَعَزَّ اِسْمُہٗ فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ

(حاشیہ در حاشیہ ۱۲/جنوری ۱۸۸۹ء مندرج تبلیغ رسالت جلد نمبرا صفحہ ۱۴۹)

یہ صرف منہ کی باتیں نہیں تھیں بلکہ حضور نے عملاً بھی اپنی اولاد کو خدا کی راہ میں قربان کر رکھا تھا کیونکہ آپؑ نے ساری عمر ان کے لئے نہ کسی ذریعہ معاش کی کوشش کی اور نہ اپنے بعد ان کے لئے ایک حبّہ تک چھوڑا بلکہ انہیں دین اور صرف دین کے لئے تیاّر کیا آپؑ کا ترکہ جو ان کو ملا صرف آپؑ کی مستجاب دُعائیں تھیں۔ کتنا عظیم تھا وہ باپؑ جس کا صرف یہ ترکہ تھا اور کتنے عظیم تھے اس کے اہل وعیال جو اس ترکہ پر راضی ہوگئے۔

===============

دوسری پیشگوئی

اس آیت کے الفاظ '' قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِی '' بتاتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو امام بنایا گیا تو آپؑ نے یہ دعا کی کہ آپؑ کی اولاد میں سے بھی یہ انعام پانے والے ہوں۔ پس اس میں یہ اشارہ تھا کہ ابراہیمؑ اوّل کی طرح موعود ابراہیمؑ بھی اپنی اولاد کے لئے وہ مانگے گا جو خود اسے دیا گیا یعنی خدا تعالیٰ سے تعلق خاص اور امامت کا انعام۔ چنانچہ اس ابراہیم حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے بعینہٖ یہی دعا کی کہ ؏

''وہ سب دے ان کو جو مجھ کو دیا ہے''

پھر خدا تعالیٰ نے پہلے ابراہیمؑ کی طرح اس ابراہیمؑ کی دعا بھی قبول کی اور بارہا اس کی بشارت بھی دی اور ایک بیٹے کے بارہ میں تو یہاں تک فرمایا کہ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ ''وہ کلمۃ اللہ ہے...... مَظْھَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نور....وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا

موجب ہوگا۔.... اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔“
(تذکرہ صفحہ ۱۳۹)

اس پیشگوئی کے عین مطابق اس ابراہیمؑ کی اولاد میں سے وہ بیٹا پیدا ہؤا اور امام بنا اور اور اس سے آگے اس کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور امام کہلائے اور آئندہ نہ جانے کتنے اور ہوں۔ ہاں اس کے ساتھ **لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ** کی وعید بھی ہے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

===============

یہ پیشگوئی کہ ابراہیمؑ اوّل کی طرح ابراہیمؑ ثانی حضرت مہدی موعودؑ کو بھی کثرتِ اولاد سے نوازا جائے گا

حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے یہ الہام پاکر کہ **اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا** جو یہ کہا کہ **وَمِنْ ذُرِّیَّتِی** تو اس کا مطلب صرف یہ نہیں تھا کہ میری ذریّت میں سے بھی ایک دو کو امام بنا دینا بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب تک اس دنیا میں انسان بستے ہیں اس وقت تک ان میں سے امام بناتے رہنا کیونکہ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ کے لئے امامُ لِلنَّاس ہوسکتے تھے۔ اور یہ بات اس امر کو لازم کرتی تھی کہ ذریّتِ ابراہیم بھی ہمیشہ رہے پس خدا تعالیٰ نے جو حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول فرمائی تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ ذُرِّیّت ابراہیمؑ میں بے انتہا برکت دی جائے گی اور اس کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ لہٰذا جب مہدی موعودؑ کو بھی ابراہیمؑ کا نام دیا گیا تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ خدا تعالیٰ اس کی اولاد میں بھی بے انتہا برکت ڈالے گا چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعودؑ کو مخاطب کرکے اس نے فرمایا:-

> ”تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتینِ مبارکہ سے.... تیری نسل بہت ہوگی....اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔“ (تذکرہ صفحہ ۱۴۰)

چنانچہ اب تک کہ آپؑ کو رحلت فرمائے ہوئے نوے بانوے سال ہوئے ہیں۔ آپؑ کی ذریّت کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور وہ دنیا کے کئی ملکوں میں پھیل چکی ہے۔

قرآن میں یہ اشارہ کہ مہدی موعودؑ خلوت پسند ہوگا اور منصبِ امامت کا خواہاں نہیں ہوگا

پھر ایک اور بات اس آیت سے مترشح ہے ۔ اور وہ یہ کہ خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امتحان میں پورا اترنے پر یہ نہیں کہا کہ آج سے میں نے تجھے امام للنّاس بنایا بلکہ یہ فرمایا کہ میں تجھے امام للنّاس بنانے والا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ میں اس منصبِ کی اہلیت وقابلیت نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ انہیں یہ بات کہہ نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے جو انہیں عملاً امام بنا دینے سے پہلے یہ فرمایا کہ میں تجھے امام بنانے والا ہوں تو اس سے ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ جانتا تھا کہ اگرچہ ان میں امام بننے کی اہلیت موجود ہے لیکن امام بننا پبلک میں آنے کو چاہتا ہے۔ اور یہ گوشۂ تنہائی میں رہ کر اپنے رب کی یاد میں مصروف رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے اس نے مناسب جانا کہ پہلے یہ بتا کر کہ وہ انہیں امام للنّاس بنانا چاہتا ہے۔ ان کی مرضی معلوم کرے۔ یعنی اگرچہ اس کے ازلی علم میں تو یہ بات پہلے سے تھی کہ اس پر ان کا کیا ردِعمل ہوگا لیکن اس نے چاہا کہ ان کے منہ سے ان کا جواب سن لے تا اس جواب کو مشتہر کرکے لوگوں پر ظاہر کرے کہ وہ فرمانبرداری کے کس بلند مقام پر تھے ۔ (اس طرح پر لوگوں کی مرضی دریافت کرنا اور اپنے ایسے فیصلہ کو ان پر جبراً نہ ٹھونسنا عادت اللہ میں داخل ہے جیسا کہ آیت **اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ** (الاحزاب ۳۳:۷۳) سے ظاہر ہے۔

پس مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیمؑ رکھ کر اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ اشارہ فرماکر کہ وہ بالطّبع خلوت کو پسند کرتے تھے۔ اورمنصبِ امامت کے آرزو مند ہرگز نہیں تھے لیکن جب خداتعالیٰ کی منشا دیکھی تو انہوں نے یہ منصب قبول کرلیا یہ بتایا گیا کہ مہدی موعودؑ کا بھی یہی حال ہوگا۔

یہ پیشگوئی بھی نہایت وَضاحت سے پوری ہوئی آپؑ کو بار بار بیعت لینے کی درخواست کی جاتی مگر آپؑ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ **لَسۡتُ بِمَأۡمورٍ** میں اس بات کے لئے مامور نہیں

ہوں لیکن جب خدا نے آپؑ کو اسکا حکم فرمایا تو اسکے بعد آپؑ نے تمام مخالفتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے بیعت لی۔ بلکہ خود اعلان فرمایا کہ جو بیعت کرنا چاہے وہ فلاں دن فلاں جگہ پہنچ جائے۔

ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا ''میری خواہش نہ تھی کہ میں اس کام (نبوّت) کے لئے چنا جاؤں اور میں عوام الناس میں شہرت کو ناپسند کرتا تھا مگر باوجود اس کراہت کے میرے رب نے مجھے میرے حجرے سے نکالا پس میں نے اپنے ربِّ علّام کے امر کی اطاعت کی اور یہ سب کچھ ربِ وھاب کی طرف سے ہے۔ میں اپنے نفس کو ہر قسم کے خطاب کی خواہش سے علیحدہ پاتا ہوں مجھے شہرتوں سے کیا کام میرے لئے میرا رب کافی ہے اور وہ میرے اندر کا حال جانتا ہے وہ میری ڈھال ہے اور وہ میری جنّت ہے اس دنیا میں اور قیامت کے دن۔''

(ترجمہ تذکرۃ الشہادتین صفحہ۹۴)

نیز فرمایا:-

''میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں اور میری تمام لذّت پوشیدہ اور گم رہنے میں تھی۔ میں دنیا اور دین کی شہرت کو نہیں چاہتا تھا۔ اور میں ہمیشہ اپنی کوشش کی اونٹنی اسی طرف چلاتا گیا کہ میں فانیوں کی طرح پوشیدہ رہوں۔ پس خدا کے حکم نے میرے پر غلبہ کیا اور میرے مرتبہ کو بلند کیا اور مجھے دعوتِ مخلوق کے لئے حکم کیا اور جو چاہا کیا اور وہ **احکم الحاکمین** ہے۔''

حِبٌّ لَنَا فَبِحُبِّهٖ نَتَحَبَّبُ
وَعَنِ الْمَنَازِلِ وَالْمَرَاتِبِ نَرْغَبُ

ہمارا ایک ہی دوست ہے اور ہم اس کی محبت سے پر ہیں اور مراتب اور منازل سے ہمیں بے رغبتی ہے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ۵۲-۵۳)

==============

ابراہیمؑ ثانی مہدی موعودؑ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہے گا اور اس پر ہمیشہ سلام بھیجا جائے گا

قرآن کریم کی رو سے حضرت ابراہیمؑ پر خداتعالیٰ کا یہ فضل بھی ہؤا کہ جب دشمنوں نے ان کو ہلاک کرنے کے لئے آگ بھڑکائی تو خداتعالیٰ نے **یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ** (الانبیاء ۲۱:۷۰) فرما کر اسے ٹھنڈا کر دیا اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا یعنی جیسا کہ آیت **وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْم** میں اس کا بیان ہے یہ بھی مقدّر فرما دیا کہ قیامت تک اس پر سلام بھیجا جاتا رہے گا۔ اس لئے مہدی موعودؑ کا نام ابراہیمؑ رکھ کر خداتعالیٰ نے یہ اشارہ بھی فرمایا کہ دشمن اسے ہلاک کرنے کو اس کے خلاف بھی بعض اقسام کی آگ بھڑکائینگے مگر خداتعالیٰ اس آگ کو ٹھنڈی کر دے گا اور اسے اس سے محفوظ ہی نہیں رکھے گا بلکہ اس آگ کو **نتیجةً** اس کے لئے مفید بنا دے گا یعنی یہی نہیں کہ اسے دشمنوں کے ضرر سے محفوظ رکھے گا بلکہ یہ بھی اہتمام فرمائے گا کہ اس کا نام عزّت کے ساتھ یاد رکھا جائے گا اور اس کا ذکر آنے پر لوگ اس پر سلام بھیجیں گے۔ چنانچہ آنے والے ابراہیمؑ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے خداتعالیٰ نے **وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** (تذکرہ صفحہ ۲۷۶) ہی نہیں فرمایا یعنی یہی نہیں فرمایا کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ **سَلَامٌ عَلَیْکَ یَآ اِبْرَاهِیْمُ** (تذکرہ۔۴۴۵) اے ابراہیمؑ تجھ پر سلامتی ہو۔ اور پھر ایک عالم نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں پوری وضاحت سے پوری ہوئیں یعنی یہ بھی ہؤا کہ باوجود قتل کے مقدمات بنانے اور خود قتل کرنے اور دیگر ذرائع سے گزند پہنچانے کی ہزار کوششوں کے دشمن انہیں کوئی حقیقی ضرر نہیں پہنچا سکا اور یہ بھی ہؤا کہ خداتعالیٰ نے دنیا میں لاکھوں لاکھ ایسے مخلص پیدا کر دیئے کہ جو خلوت وجلوت میں اس کا نام آنے پر دل کی گہرائیوں سے اس پر سلام بھیجتے اور اسے اپنے لئے سعادت جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جارہی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ تمام اقوامِ عالم میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کا نام آنے پر علیہ السلام صرف مسلمان کہتے ہیں۔ مہدی موعود کا نام ابراہیمؑ

رکھ کر یہ پیشگوئی بھی کی گئی کہ اگرچہ (بمطابق آیت **یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ مَایَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ**۔ یٰسٓ۳۶:۳۱) جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے شروع شروع میں مسلمان بھی اس کا انکار کرینگے لیکن بالآخر اسے مان لیں گے اور اس پر درود وسلام بھیجنے والے بن جائیں گے ظاہر ہے کہ اس وقت ان کو اپنی پہلی حالت پر افسوس ہوگا۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:- ؎

امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ مَن
روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

آج میری قوم میرے مقام کو نہیں پہچانتی مگر ایک دن میرے اچھے وقت کو رو رو کر یاد کرے گی۔

===============

قرآن میں یہ پیشگوئی کہ مہدی موعود اور ان کے ایک بیٹے کے ہاتھ سے بیت اللہ کی شان از سرِنو بلند ہوگی

قرآنِ کریم میں ارشاد **وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی** کے بعد پہلے یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنیوالوں کیلئے بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر انکی ملّہ مکّرمہ کو امن کا شہر بنانے کی دعا کا ذکر ہے اور اسکے بعد ہے

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (البقرۃ ۲:۱۲۸)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھارہا تھا اور (اسکے ساتھ) اسماعیل (بھی اور وہ دونوں یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب ہماری طرف سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ یقیناً تو بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانے کا ایک تو ظاہری مفہوم ہے۔ وہ بھی درست ہے مگر اس کا ایک مفہوم اس کی اصل شان کو جو زمین بوس ہوچکی تھی دوبارہ قائم کرنے کا بھی ہے۔ قرآن کریم

کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ایک زمانہ میں ان کا اطلاق ظاہری رنگ میں ہوتا ہے تو دوسرے زمانہ میں مجاز اور استعارہ کے رنگ میں۔ پس حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں یہ بات بیان فرما کر اور مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیم رکھ خداتعالیٰ نے اشارہ کیا کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو اس کی بنیادوں پر دوبارہ کھڑا کیا تھا اسی طرح مہدی موعودؑ بھی کرے گا۔ مگر اُس کے علم میں تھا کہ اس کے وقت میں بیت اللہ کی عمارت کی تعمیرِ نو کی ضرورت نہیں ہوگی البتہ اس کی اصل شان میں فرق آچکا ہوگا اس لئے اس میں اشارہ دراصل یہ تھا کہ

مہدی موعودؑ بیت اللہ کی اصل شان کو دوبارہ بحال کرے گا۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی اصل شان توحید الٰہی کی علامت ہونے کی شان ہے لیکن مہدی موعودؑ کے وقت یہ حالت تھی کہ ایک طرف خود اس کے متوّلی کہلانے والے ہوا و ہوس کے بتوں کے پجاری بن چکے تھے اور دوسری طرف مسیحی منادّ اس گھر پر تثلیث کا جھنڈا لہرانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن آپؑ نے آکر دلائلِ قاطعہ کے ساتھ تثلیث کے باطل عقیدہ کی ٹانگ توڑ دی اور خداتعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کردیا اور اس طرح بیت اللہ کی اصل شان کو قائم فرمادیا۔

===============

ایک لطیف نکتہ

اس آیت میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ بیت اللہ کی تعمیر کا کام حضرات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے مل کر کیا تھا مگر یہ فرمانے کی بجائے کہ جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ یہ کام کررہے تھے اس میں فرمایا یہ گیا کہ ''جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھارہے تھے اور اسماعیلؑ بھی'' یعنی اسماعیلؑ کا ذکر حضرت ابراہیمؑ سے الگ کرکے کیا ہے اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ یہاں آئندہ آنے والے ابراہیمؑ کی پیشگوئی مقصود ہے۔ پس یہ طرز اختیار کرکے بتایا کہ پہلے موعود ابراہیمؑ یہ کام کرے گا اور اس کے بعد اس کا ایک بیٹا جو مثیل اسماعیلؑ ہوگا یہ کام کرے گا۔ چنانچہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو تصرفِ الٰہی کے ماتحت اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ کر مکہّ کی بے آب وگیاہ جگہ پر آنا پڑا اور وہاں خدا تعالیٰ نے ان کے

پاؤں کے نیچے سے مادی پانی کا چشمہ پھوڑ دیا اور انہیں نبی بنا کر روحانی پانی کا چشمہ بھی پھوڑا اسی طرح حضرت مہدی موعودؑ کے اس بیٹے حضرت محمودؓ کو خداتعالیٰ اپنے تصرف خاص کے ماتحت آپؑ کی جائے پیدائش قادیان سے نکال کر ربوہ جیسی بے آب وگیاہ جگہ پر لایا اور آپ کے قدم پڑنے کے بعد پہلے آپؓ کو الہاماً بشارت دی کہ آپؓ کے پاؤں کے نیچے سے وافر پانی نکل آئے گا اور اس طرح آپؓ کو اسماعیلؑ قرار دیااور پھر عملاً ایسا کرکے دکھا دیا اور یہی نہیں بلکہ آپؓ کی زبان اور قلم سے قرآنی علوم کے یعنی روحانی پانی کے چشمے بھی بہائے اور توحید کی سر بلندی کے لئے عظیم الشان کام آپ کے ہاتھ سے لئے۔ **فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ**۔ آپ کے الہام کے الفاظ یہ تھے ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

===============

مہدی موعودؑ کو قلبِ سلیم دیا جائے گا

ان باتوں کے علاوہ جو اوپر بیان ہوئیں قرآنِ کریم میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے رب کے پاس قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوئے تھے۔ (**اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ الصّٰفّٰت ۳۷:۸۵**) پس مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ انہیں قلبِ سلیم عطا ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے اور وہ ہر ایک امر پر گواہ ہے کہ وہ چیز جو اس راہ میں مجھے سب سے پہلے دی گئی وہ قلبِ سلیم تھا یعنی ایسا دل کہ حقیقی تعلق اس کا بجز خدائے عزّ وَجَلَّ کے کسی چیز کے ساتھ نہ تھا۔ میں کسی زمانہ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوں مگر میں نے کسی حصّہ عمر میں بجز خدائے عزّ وَجَلَّ کے کسی کے ساتھ اپنا حقیقی تعلق نہ پایا۔“

(حقیقۃ الوحی طبع اوّل صفحہ ۵۷)

===============

مہدی موعودؑ خلیل اللہ ہوگا اور خدا کے سچے دوستوں کی سب علامتیں اس میں پائی جائیں گی

سیرت حضرت ابراہیمؑ کے ضمن میں ایک بات جو بہت سی باتوں کی جامع قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ **اِتَّخَذَاللّٰہُ اِبْرٰھِیمَ خَلِیْلاً** (۴:۱۲۶)۔ اس میں جو **اِتَّخَذَ** کا لفظ ہے یہ خاص توجہ کے لائق ہے۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا اگر خدا کے سوا کسی کو دوست بنانا جائز ہوتا تو میں ابو بکرؓ کو دوست بناتا۔ اس ارشاد نبویؐ سے معلوم ہؤا کہ کسی کو دوست بنانے سے پہلے اس کی اہلیت جان لینی چاہیے ۔پس قرآنِ کریم نے جو یہ فرمایا کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست پکڑا تو اس کا مطلب یہ ہؤا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ابراہیمؑ میں ایسی قابلیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا دوستی کا ہاتھ لے اور اپنا دوستی کا ہاتھ اسے دے پس اس کے ساتھ جو اس نے یہ بتایا کہ مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیمؑ بھی ہوگا تو اس میں دراصل یہ اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح وہ بھی خلیل اللہ ہوگا اور اس میں بھی وہ تمام صفات پائی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں میں ہؤا کرتی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے الہام میں آپؑ کو **خلیل اللہ** کہا (تذکرہ ۱۰۵ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۶۶۶) اور ایک دنیا نے دیکھا کہ اس کے سچے دوستوں کی سب علامتیں آپؑ میں پائی گئیں۔

پہلی علامت خدا تعالیٰ کے سچے دوستوں کی یہ ہوتی ہے کہ ان کو اس پاک ذات کی طرف سے اس کی خالص محبت عطا کی جاتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اپنے نبی کو یہ فرمانے سے کہ **اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّی** (طٰہٰ ۲۰-۴۰) ظاہر ہے۔

حضرت مہدی موعودؑ کو جو محبت خدا تعالیٰ سے تھی اس کا اندازہ بھی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا آپؑ جب اس کا ذکر فرماتے ہیں تو آپؑ کی تحریر کا رنگ ہی عجیب ہوجاتا ہے۔ اگرچہ آپؑ من نہاں اندر نہاں اندر نہاں کے مصداق تھے لیکن آپؑ کی خدا تعالیٰ سے محبت کی جھلک آپؑ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی تحریرات سے خود بخود چھلکی پڑتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱:- ”جن خارق عادت عنایات کے ساتھ وہ مجھ سے نزدیک ہؤا کوئی

نہیں جانتا مگر میں اور جس محبت کے مقام پر میرا قدم ہے کوئی نہیں جانتا مگر وہ۔" (نزول المسیح صفحہ ۴۶۵)

۲ :- " اَلْحَمْدُ لَکَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ. اَنْتَ مُحْسِنِیْ وَ مُنْعِمِیْ وَنَاصِرِیْ وَ مُلْهِمِیْ وَ نُوْرُعَیْنَیَّ وَسُرُوْرُ قَلْبِیْ وَقُوَّةُ اَقْدَامِیْ اَمُوْتُ وَاَنَا شَاکِرُ نُعَمَآئِکَ بِحَالِیْ وَقَالِیْ وَکَلَامِیْ . یَشْکُرُکَ عِظَامِیْ فِیْ قَبْرِیْ وَ عَجَاجِیْ فِیْ جَدَثِیْ. وَرُوْحِیْ فِیْ السَّمَاءِ. "

(آئینۂ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸۹)

یعنی اے رب العالمین تو میرا محسن اور منعم اور ناصر اور ملہم ہے اور میری آنکھ کا نور اور میرے دل کا سرور اور میرے قدموں کی طاقت۔ میں مروں گا اس حال میں کہ تیری نعمتوں کا اپنے حال اور قال اور کلام سے شکر گزار ہوں گا۔ میری ہڈیاں قبر میں بھی تیرا شکر کریں گی اور میری خاک بھی اور میری روح آسمان میں

۳ :- " انی اَمُوْتُ وَلَایَمُوْتُ مَحَبَّتِیْ
یُدْرٰی بِذِکْرِکَ فِیْ التُّرَابِ نِدَائِیْ" (درثمین)

میں تو مرجاؤنگا لیکن میری محبت نہیں مریگی (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائیگی۔

۴: عشقش بتاروپودِ دل من دَرُوں شد است
مہرش شد است در رہِ دِیں مہر انورم
ہر سوئے وہرطرف رُخِ آں یار بنگرم
آں دیگرے کجاست کہ آید بخاطرم

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۳)

اسکا عشق میرے رگ وریشہ میں داخل ہوگیا ہے اور اسکی محبت راہِ دین میں میرے لئے چمکتا ہوا سورج بن گئی ہے۔

میں ہرطرف اور ہر جانب اس یار کا چہرہ دیکھتا ہوں
پھر اور کون ہے جو میری خاطر میں آئے

یہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپؑ کو کتاب الٰہی سے نہ صرف محبت بلکہ عشق تھا۔ فرماتے ہیں۔

۱- دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

۲- از نورِ پاک قرآں صبح صفا دمیدہ
بر غنچہ ہائے دلہا باد صبا وزیدہ

۳- روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا
اِلَّا کسے کہ باشد با رُویش آرمیدہ

۴- آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف
واں بے خبر زِعالم کیں عالم ندیدہ

۵- اے کانِ دلرُبائی دانم کہ از کجائی
تو نورِ آں خدائی کیں خَلق آفریدہ

(درثمین صفحہ ٦٦)

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا بیان ہے کہ ”آپ لیٹے ہوئے، کھڑے ہوئے، ٹہلتے ہوئے ہر حالت میں قرآن پڑھتے اور ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے....آپ نے کم از کم دس ہزار بار قرآن پڑھا ہوگا۔“

دوسری علامت خدا تعالیٰ کے سچے دوستوں کی جو اس سے سچی محبت رکھتے ہیں یہ ہوتی ہے کہ جس چیز سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اس چیز سے ان کو بھی محبت ہوتی ہے اور جس چیز کو وہ ناپسند کرے اسے یہ بھی ناپسند کرتے ہیں۔ خداتعالیٰ کو سب سے زیادہ پیار اپنی توحید سے یا توحید کے سب سے بڑے علمبردار حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اور سب سے زیادہ ناپسند شرک ہے۔ قیامِ توحید اور شرک کو مٹانے کے لئے حضرت مہدی موعودؑ کی زندگی کا ہر لمحہ وقف تھا اس کے لئے جو بے پناہ جذبہ آپؑ کے دل میں پایا جاتا تھا اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ ایک

جگہ فرماتے ہیں اور کس خلوص اور درد سے فرماتے ہیں۔

''اس عاجز کا ذرّہ ذرّہ اس جوش میں ہے کہ اس پُر ظلمت زمانہ میں اللہ جَلَّشانہٗ اور اُس کے رسولِ کریم کی عظمت اور صداقت ظاہر کرے تا اسلام کی روشنی کے دن دوبارہ آویں۔'' (اشتہار ۱۰/اگست ۱۸۹۲ء)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

''........... اگر ہم وغم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کردیتا کہ کیوں یہ لوگ خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کی پرستش کر رہے ہیں۔ اور کیوں یہ لوگ اس نبیؐ پر ایمان نہیں لاتے۔ جو سچی ہدایت اور راہِ راست لے کر دُنیا میں آیا ہے۔ ہر ایک وقت مجھے یہ اندیشہ رہا ہے کہ اس غم کے صدمات سے میں ہلاک نہ ہوجاؤں......اور میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں......۔''

(تبلیغِ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۷۱-۷۲)

جس طرح آپؑ کے دل میں قیامِ توحید کے لئے بے پناہ جوش تھا اسی طرح توحید کے علمبردار خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی آپؑ کو بے پناہ محبت تھی۔ محبت کے جوش سے آپؑ نے حضورؐ کی جو حمد نثر میں کی اس کا مختصر ذکر اس کتاب کے تتمہ کے صفحہ ۱ تا ۱۸ پر کیا گیا ہے یہاں چند اشعار لکھے جاتے ہیں جن سے اس بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے جو آپؑ کے دل میں آنحضور ﷺ کے لئے تھی۔ فرمایا:-

۱ بعد از خدا بعشق محمد مخمّرم ۔۔۔ گرکفر ایں بود بخدا سخت کافرم

خدا کے بعد میں محمدؐ کے عشق سے مخمور ہوں ۔۔۔ اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں

۲ می پریدم سوئے کوئے اُو مدام ۔۔۔ من اگر می داشتم بال و پرے

اگر میں بال و پر رکھتا تو ہمیشہ اسی کے کوچے کی طرف پرواز کرتا رہتا

۳ زندگانی چیست جاں کر دن براہِ تو فِدا رستگاری چیست در بندِ توبودن صید وار
(اے میرے محبوب)زندگی کیا ہے تیری راہ میں جان فدا کرنا آزادی کیا ہے شکار کیطرح تیری قید میں ہونا
(آئینہ کمالاتِ اسلام)

۴ خدا نہ گویم اش از ترسِ حق مگر بخدا خدا نما است وجودش برائے عالمیاں
خدا کے ڈر سے میں اسے خدا تو نہیں کہتا مگر بخدا اس کا وجود لوگوں کے لئے خدا نما ہے

۵ مِنْ ذِکْرِ وَجْھِکَ یَا حَدِیْقَۃَ بَھْجَتِیْ لَمْ اَخْلُ فِیْ لَحْظٍ وَلَا فِیْ اٰنِ
اے میرے خوشی کے باغ! تیرے چہرے کی یاد میں میں ایک لحظہ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا

۶ یَا حِبِّ اِنَّکَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّۃً فِیْ مُھْجَتِیْ وَمَدَارِکِیْ وَجَنَانِیْ
اے میرے محبوب یقیناً تیری محبت میری جان میرے حواس اور میرے دل میں بس گئی ہے

۷ جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْکَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا یَا لَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَرَانِ
میرا جسم شوق غالب کے سبب تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔ کاش مجھ میں قوّت پرواز ہوتی

===============

جس طرح اللہ تعالیٰ کی سب سے محبوب ہستی آنحضرتﷺ سے حضرت مرزا صاحب سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اُسی طرح خدا تعالیٰ اور اس کے دین کے دشمنوں کے آپؑ دشمن بھی تھے مگر ان کی ذات کے نہیں کیونکہ وہ بھی بہرحال آپؑ کے رب کے ہاتھ کے پیدا کردہ تھے بلکہ ان کے عقائدواعمال کے دُشمن تھے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:-

جو شخص خداتعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ سب سے زیادہ محبت کرے اور میں نوع انسان سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں ہاں ان کی بدعملیوں اور ہر ایک قسم کے ظلم اور فسق اور بغاوت کا دُشمن ہوں کسی کی ذات کا دشمن نہیں۔ (اربعین صفحہ ۱)

خدا تعالیٰ سے سچی محبت کی جو سچی دوستی کا تقاضے ہے **تیسری علامت:-** یہ ہوتی ہے کہ اس کا سچا محبّ اپنے اس محبوب یا اس محبوب کے محبوب کے خلاف کوئی بات سن نہیں سکتا۔ حضرت اقدّس مہدی موعودؑ کے دل میں خدا تعالیٰ کے لئے جو غیرت تھی اس کا اندازہ اس اقتباس سے

ہوسکتا ہے جو اوپر دیا گیا ہے اور جو اس طرح شروع ہوتا ہے کہ ’’اگر ہم وغم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا‘‘۔ اُس کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے آپؑ کے دل میں جو غیرت تھی اور جس طرح آپؑ حضورؐ کے خلاف کوئی بات مطلقاً برداشت نہیں کرسکتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ آپؑ کی ایک تحریر سے جو مشتے از خروارے کے طور پر پیش کی جاتی ہے ہوسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

’’اس قدر بد گوئی اور اہانت اور دشنام دہی کی کتابیں نبی کریم ﷺ کے حق میں چھاپی گئیں اور شائع کی گئیں کہ جن کے سننے سے بدن پر لرزہ پڑتا اور دل رو رو کر یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دُنیا کے عزیز ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور انہیں بڑی ذِلّت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کرلیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دُکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریمؐ کی کی گئی دُکھا۔‘‘ (آئینہِ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۱-۵۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں:-

’’میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابانوں کے درندوں سے صلح کرلیں تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کرسکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بد گوئی سے باز نہیں آتے۔‘‘

(پیغام صلح)

آنحضرتؐ کے لئے حضورؑ کی بینظیر غیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپؑ نے لیکھرام جیسے ہندوؤں کے لیڈر کے تین بار دست بستہ سلام پیش کرنے پر بھی اس کا جواب دینا پسند نہیں کیا۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کے خلاف بدزبانی کرنے والوں کا تنِ تنہا مقابلہ کیا۔ خدا تعالیٰ سے علم پا کر ان کی ہلاکت کی پیشگوئیاں کیں ان پیشگوئیوں کے جھوٹی نکلنے کی صورت میں ہر سزا پانے کیلئے آمادگی ظاہر فرمائی اور اس طرح آنحضرتؐ کی اصل شان لوگوں کو دکھائی۔ ان پیشگوئیوں میں سے چند ایک کا ذکر (بطور نمونہ) اس کتاب میں دوسرے مقام پر آئے گا۔ (دیکھیں تتمہ صفحہ ۲۴ تا ۲۹)

محبت کے دعویدار تو بہت ہوتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کا سچا محبّ وہی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ بھی محبت کرے اور اپنے نشان اور سلوک سے ثابت کردے کہ وہ اس کا پیارا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیاروں کے ساتھ محبت کا اظہار کئی طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً

نمبر۱ محبت بھرے خطابات سے

نمبر۲ اپنے اس بندے کی دعائیں بکثرت سننے اور اس کے خلاف کی جانے والی دعائیں رد کرنے سے

نمبر۳ اپنے پاک کلام کے سربستہ راز کھولنے اور اس کا خاص علم دینے سے

نمبر۴ اظہار علی الغیب سے

نمبر۵ اسے خارق عادت توکل عطا کرنے اور اس کا خاص طور پر متولی ہوجانے سے

نمبر۶ اسے خارق عادت استقامت عطا کرنے اور اپنی پاک ذات کے ساتھ نہایت درجہ وفا داری کا تعلق بخشنے سے۔ (مہدی موعود کے حق میں اس علامت کیلئے دیکھیں صفحہ ۷۷-۷۸)

نمبر۷ اس کے دل میں ہمدردی خلق کا مادہ بڑھا دینے سے

نمبر۸ اس کو نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق عطا کرنے سے

نمبر۹ اس کی باتوں میں ایک خاص تاثیر رکھ دینے اور اسے غیر معمولی جذب عطا کرنے سے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ قرار دے کر اور مہدی موعودؑ کے بارہ میں یہ بتا کر کہ وہ بھی ابراہیم وقت ہوں گے یعنی خلیل اللہ ہوں گے اور اس کے ساتھ اپنے دوستوں کے بارہ میں یہ بتا کر کہ ان کے دل میں اس کی محبت ڈالی جاتی ہے یہ اشارہ فرمایا کہ محبتِ الٰہی کی ساری علامتیں مہدی موعودؑ میں پائی جائیں گی اور جن جن طریقوں کے ساتھ وہ اپنے سچے دوستوں کے ساتھ اظہارِ محبت کیا کرتا ہے ان سب طریقوں سے وہ اس کے ساتھ اظہار محبت فرمائے گا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے محبت کا اظہار محبت بھرے

خطابات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مہدی موعودؑ پر اس نے یہ عنایت بار بار فرمائی ایک جگہ آپؑ نے خود لکھا ہے کہ

فَسَمِعَ اللّٰهُ دُعَائِیْ وَتَضَرُّعِیْ وَالْتِجَائِیْ وَبَشَّرَنِیْ بِفُتُوْحَاتٍ مِّنْ عِنْدِهٖ. وَتَائِيْدَاتٍ مِّنْ جُنْدِهٖ وَقَالَ لَا تَخَفْ اِنَّنِیْ مَعَکَ وَمَاشٍ مَعَ مَشْیِکَ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةٍ لَّا یَعْلَمُ الْخَلْقُ وَجَدْ تُّکَ مَا وَجَدْ تُّکَ. اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَّنْ اَرَادَاِهَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ. اَنْتَ مِنِّیْ وَ سِرُّکَ سِرِّیْ اَنْتَ مُرَادِیْ وَمَعِیْ اَنْتَ وَجِیْهٌ فِیْ حَضْرَتِیْ اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ. هٰذَا مَا بَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَمَلْجَائِیْ عِنْدَ اَرَبِیْ وَ وَاللّٰهِ لَوْ اَطَاعَنِیْ مُلُوْکُ الْاَرْضِ کُلُّهُمْ وَفُتِحَتْ عَلَیَّ خَزَائِنُ الْعَالَمِ کُلِّهَا مَا اَسَرَّنِیْ کَسُرُوْرِیْ مِنْ ذَالِکَ. (آئینہ کمالاتِ اسلام)

اللہ نے میری دعا اور عاجزی اور التجا سن لی اور مجھے اپنی طرف سے فتوحات اور اپنے لشکر کی تائیدات سے بشارت دی اور کہا کہ تو کوئی خوف نہ کر، میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور چلنے والا ہوں تیرے چلنے کے ساتھ۔ تو مجھے ایسا پیارا ہے کہ اسکو لوگ نہیں جان سکتے۔ میں نے تجھے پایا جو پایا۔ میں اس کو ذلیل کروں گا جو تیرے ذلیل کرنے کا ارادہ کرے اور میں اسکو مدد دوں گا۔ جو تیری مدد کا ارادہ کرے۔ تو مجھ سے ہے اور تیرا بھید میرا بھید ہے اور تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تو میری درگاہ میں وجیہہ ہے۔ میں نے تجھے اپنے لئے چن لیا ہے۔ یہ ہے جو میرے رب نے مجھے بشارت دی جو میری ضرورت کے وقت میری پناہ ہے۔ اور خدا کی قسم اگر تمام جہان کے بادشاہ میرے ماتحت ہوجاتے اور سب عالم کے خزانے مجھے دیئے جاتے تو مجھے وہ لذّت نہ آتی جو اس سے آئی۔

===============

دوسرے نمبر پر خداتعالیٰ کی طرف سے محبت کا اظہار اپنے محبّ کی دعائیں بکثرت سننے اور اس کے خلاف کی جانے والی دعاؤں کو رد کرنے سے ہوتا ہے

حضرت مہدی موعودؑ کو خداتعالیٰ نے وعدہ دیا تھا کہ وہ آپؑ کی ساری دعائیں سنے گا سوائے ان کے جو شرکاء کے حق میں ہوں (کیونکہ وہ اس کی نگاہ میں مغضوب تھے) الہامی الفاظ یہ ہیں **اُجِیۡبُ کُلَّ دُعَائِکَ اِلّا فِیۡ شُرَکَائِکَ** (تذکرہ ۲۶۰)۔ بلکہ آپؑ کو جو نشاناتِ صداقت دئے گئے ان میں سے ایک بڑا نشان قبولیت دعا ہی کا تھا۔ اور دراصل ولایت کی بڑی بھاری نشانی قبولیتِ دعا ہی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے اس کی تحدّی کرتے ہوئے لکھا ؎

اے کہ مے گوئی دعا را گر اثر بودے کُجا ست
سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب

زیادہ تر دعائیں تو آپؑ کی آنحضرت ﷺ کے مقاصد کے پورا ہونے یعنی شرک کے مٹنے۔ توحید کے قائم ہونے اور غلبہ اسلام کے لئے تھیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے آپؑ ایک شعر میں عرض کرتے ہیں ؎

ہر کسے اندر نماز خود دعائے میکند
من دعا ہائے بروبارِ تو اے باغ وبہار

حضورؑ کی دعا کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

''اے میرے رب ...... مجھے اپنے چہرہ کی خالص اطاعت اور اپنے حضور میں دائمی سجدہ عنایت فرما۔ اور مجھے ایسی ہمت دے جس میں تیری عنایت کا چشمہ بہہ رہا ہو .... اے میرے رب تو میری کوشش اور ہمت اور دعا اور کلام سے اسلام کو زندہ کر۔ اور میرے ذریعے اس کی خوبصورتی کو ظاہر کر۔ اور ہر ایک دشمن اور اس کے کبر کو ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ اے میرے ربّ تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ مجھے ایسے مونہہ

دکھا جو ایمانی شمائل رکھنے والے ہوں اور ایسے لوگ جو حکمت یَمانی رکھنے والے ہوں اور ایسی آنکھیں جو تیرے خوف سے رونے والی ہوں اور ایسے دل جو تیرے ذکر کے وقت کانپ جانے والے ہوں اور ایسے خالص فطرت رکھنے والے جو حق اور صواب کی طرف لوٹنے والی ہو اور مجذوبوں اور قطبوں کے سائے کے پیچھے چلنے والی ہو۔

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالاتِ اسلام طبع اوّل ص ۶۰۵)

غلبہ اسلام کے لئے آپ کی دعائیں قبول کرکے خداتعالیٰ نے آپ کو بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ اور الہامًا فرمایا:-

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچّائی ظاہر کر دے گا۔''

چنانچہ آپؑ نے لکھا:-

''یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور ربِّ جلیل کا کلام ہے .... اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہوجائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذِلّتیں قبول نہ کریں اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہ موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔'' (فتح اسلام صفحہ ۱۰ تا ۱۷)

صرف بشارتوں پر بس نہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ کے ہاتھ سے غلبہ اسلام کی مستحکم بنیاد رکھی جا چکی ہے اور صاف نظر آرہا ہے کہ انشا اللہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔ ابھی چند سال پہلے مسیحی منّاد یہ ڈینگیں مار رہے تھے کہ خانہ کعبہ پر جلد تثلیث کا جھنڈا لہرانے لگے گا اور اب یہ حال ہے کہ سینکڑوں گرجوں پر ''برائے فروخت'' کا اشتہار نظر آتا ہے۔

خود مسیحی جو کل تک الوہیت مسیح کے قائل تھے یہ اقرار کرنے لگے ہیں کہ مسیح کی حیثیت ایک نبی اللہ سے زیادہ نہیں۔

آپ فرماتے ہیں:-

''میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خداتعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک میں دوربین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ ۵۹۳)

آپ کو خداتعالیٰ کی دوستی اور اس کے وعدوں پر اور بنا برایں اپنی دعاؤں کی قبولیت پر ایسا کامل یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ کے غلاموں میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ ایک دفعہ آپؑ نے دینی اغراض کے لئے مالی مدد کی اپیل شائع کی جس میں یہ الفاظ بھی تھے ''میں امرا کی خدمت میں بطور عام اعلان لکھتا ہوں کہ اگر ان کو بغیر آزمائش ایسی مدد میں تامل ہو تو وہ اپنے بعض مقاصد اور مہمّات اور مشکلات کو اس غرض سے میری طرف لکھ بھیجیں کہ میں ان مقاصد کے پورا ہونے کے لئے دعا کروں .... اگر ایسا خط کسی صاحب کی طرف سے مجھ کو پہنچا تو میں اس کے لئے دعا کروں گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ بشرطیکہ تقدیر مبرم نہ ہو ضرور خداتعالیٰ میری دعا سنے گا اور مجھ کو الہام کے ذریعہ اطلاع دے گا۔ اس بات سے نو میدمت ہو کہ ہمارے مقاصد بہت پیچیدہ ہیں کیونکہ خداتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے .... (پھر) ان کو اطلاع دی جائے گی جن کے کشودِ کار کی نسبت از جانب حضرت عزّ وجّل خوشخبری ملے گی۔ اور یہ امور منکرین کے لئے نشان بھی ہوں گے۔ اور شائد یہ نشان اس قدر ہو جائیں کہ دریا کے پانی کی طرح بہنے لگیں.... مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں خداتعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔'' (اشتہار اپریل ۱۸۹۳ء)

دوسری طرف آپؑ کو اپنے دشمنوں کی مخالفانہ دعائیں نہ سنے جانے کا بھی ایسا یقین تھا جیسا کہ اپنی دعاؤں کے سنے جانے کا چنانچہ ایک جگہ آپؑ نے لکھا:-

''اے لوگو تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں۔ یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہوجائیں تب بھی خدا تمہاری ہرگز نہ سنے گا۔ اور نہیں رکے گا۔ جب تک وہ اپنا کام پورا نہ کرلے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہوا تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے۔ اور اگر تم گواہی چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھّر میرے لئے گواہی دیں۔ اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے منہ اور ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور۔''

چنانچہ آپؑ کے دشمنوں کی دعائیں رد ہونے اور آپؑ کی دعائیں قبول ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ دشمنوں نے آپؑ کے دعویٰ کے دن سے آج تک آپؑ کی ناکامی ونامرادی کے لئے بیشمار دعائیں کیں اور ہر دوسری ممکن کوشش کی اور یہ ساری دعائیں اور ساری کوششیں خداتعالیٰ کی طرف سے ان کے منہ پر ماری گئیں اور آپ کے سلسلہ کو ترقّی پر ترقّی دی گئی اور آپؑ کا نام عزّت کے ساتھ بلند سے بلند تر ہوتا جارہا ہے یہاں تک کہ آپؑ کی ایک چھوٹے سے غیر معروف گاؤں سے اُٹھنے والی آواز ساری دنیا میں پھیل چکی ہے اور اب تو M.T.A کے ذریعہ ۲۴ گھنٹے دنیا کے کونے کونے میں سنی جارہی ہے۔ اور ۱۶۹ کے قریب ملکوں میں آپ کی جماعت قائم ہوچکی ہے۔

علاوہ ان دعاؤں کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے آپ کی ہزارہا اور دعائیں بھی جو آپؑ کے اپنے حق میں اور اپنوں کے حق میں اور غیروں اور دوستوں اور دشمنوں سب کے حق میں تھیں سنی گئیں۔ بطور نمونہ صرف چند ایک کا ذکر الگ طور پر کردیا گیا ہے۔ (دیکھیں تتمہ صفحہ ۱۸ تا ۲۹)

تیسرے نمبر پر اپنے سچے دوستوں سے خداتعالیٰ کی طرف سے محبت کا اظہار ان پر

اپنے کلام کے سربستہ راز کھولنے اور انہیں اس کا سب سے زیادہ علم دینے سے ہوتا ہے لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ اور مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا نے بتایا کہ یہ علامت بھی ان میں پائی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں:۔

''مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق ومعارف سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔'' (سراج منیر)

آپؑ کو آپؑ کے رب نے قرآن کریم کا علم الہاماً دیا اور اتنے اسرار اس کے آپؑ پر کھولے کہ آپؑ نے تفسیر نویسی میں عرب وعجم سب کو مقابلہ کا چیلنج دیا مگر کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ پھر آپؑ نے یکطرفہ طور پر ایک حصہّ قرآن کی تفسیر لکھ کر شائع فرمائی اور اس جیسی تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا مگر آج تک کوئی اسے پورا نہیں کرسکا۔ آپؑ کی ساری کتب جو حقائق ومعارف کے خزانے ہیں قرآن کریم ہی کی تفسیر ہیں۔ لوگ ہاں احسان ناشناس لوگ آپؑ کی باتوں کا سرقہ کرتے ہیں مگر شکرگزار ہونے کی بجائے آپؑ سے دشمنی بھی کرتے ہیں تا کسی کو معلوم نہ ہوسکے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے یا کہہ رہے ہیں وہ کہاں سے لیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (البقرہ۲ : ۱۴۱)

چوتھے نمبر پر خداتعالیٰ کی طرف سے اپنے سچے دوستوں سے اظہار محبت اظہار علی الغیب کے ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ آیت **عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ** سے ثابت ہے پس حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ اور مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ یہ فضل آپؑ پر بھی ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے اظہار علی الغیب دو طرح پر ہوتا ہے ایک اس طرح کہ وہ اپنے رسولوں پر غیب کی وہ باتیں جو انسان کو کھینچ کر اس کے رب کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں نہایت واضح طور پر کھولتا ہے اور کثرت سے کھولتا ہے اور دوسرے اس طرح کہ ان سے فیض پانے والوں کو بھی وہ اس نعمت سے حصہ دیتا ہے۔ گویا **باذنہٖ تعالیٰ** وہ دوسروں کو بھی اس نعمت سے سرفراز کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ان دونوں طریقوں پر اظہار علی الغیب کی نعمت سے نوازا گیا۔ یعنی آپؑ پر بھی بے شمار غیب کی باتیں کھولی گئیں اور آپؑ کی برکت سے آپؑ کے غلاموں

کوبھی اس نعمت سے حصّہ ملا۔ بطور مثال چند ایک کا ذکرالگ کرکے یعنی اس کتاب کے تتمّہ میں کردیا گیا ہے تا کہ اصل مضمون کا ربط نہ ٹوٹے۔ (دیکھیں تتمہ صفحہ ۳۰ تا آخر)

پانچویں نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار محبت اپنے بندے کو خارق عادت توکل عطا کرنے اور اس کا متولی ہوجانے سے ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود میں یہ علامت بھی بدرجہ اتم پائی گئی۔ (دیکھیں صفحات ۹۲ تا ۹۴، ۹۸ تا ۱۰۰)

چھٹے نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار محبت خارق عادت استقامت عطا کرنے اور اپنے ساتھ نہایت درجہ وفا داری کا تعلق عطا کرنے سے ہوتا ہے۔ مہدی موعود میں اس علامت کے پائے جانے کے لئے دیکھیں صفحات (۷۸،۷۹، ۹۵تا ۱۰۰)

ساتویں نمبر پر ہمدردیٔ خلق آتی ہے اسکے لئے دیکھیں صفحات (۶۳ تا ۷۹۔ ۸۰ ، ۴۸۲، ۴۸۳)

آٹھویں نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار محبت اعلیٰ درجہ کے اخلاق عطا کرنے سے یعنی بندے پر اپنا رنگ چڑھانے سے ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق کا تعلق ساری زندگی سے ہوتا ہے۔ اس لئے اسکے لئے دیکھیں سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی ، سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ، آپ کے متعلق حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا کتابچہ کتاب حیات طیبہ، تذکرۃ المہدی (مصنفہ حضرت پیر سراج الحق نعمانی) وغیرہ۔

نویں نمبر پر خدا تعالیٰ سے اظہار محبت اپنے محبوب کی باتوں میں غیر معمولی اثر رکھ دینے سے ہوتا ہے اس علامت کا حضرت مہدی موعود میں پایا جانا اس سے ظاہر ہے کہ باوجود انتہائی مخالفت کے دنیا کے کونے کونے سے لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اور پچھلے صرف ایک سال میں چار کروڑ سے زیادہ نے بیعت کی ہے۔

===============

مہدی موعودؑ اپنی ذات میں اُ مَّت ،تمام اُ مَّت سے افضل اور اُ مَّت کا امام ہوگا

سورۃ النحل میں ہے:-

اِنَّ اِبْـرَاهِيْـمَ كَـانَ اُمَّةً قَـانِتـاً لِلّٰــهِ حَـنِيْفاً وَّلَم يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (آیت ۱۲۱)

ابراہیم اپنی ذات میں ایک اُمّت تھا۔ اللہ کا فرمانبردار۔ ادیان باطلہ سے بیزار۔ اللہ کی طرف جھکا رہنے والا۔اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

اس میں حضرت ابراہیمؑ کے ''اُ مَّت'' ہونے کی وضاحت ان کا قانت اور حنیف ہونا بیان فرما کر کردی گئی ہے۔حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''جس وقت بندہ....اپنے ارادوں سے نکل جاتا ہے اور اپنے جذبات سے علیحدہ ہوجاتا ہے اور اللہ اور اس کے راستوں اور اس کی عبادات میں فنا ہوجاتاہے اور اپنے رب کو جس نے اپنی عنایات کے ساتھ اس کی ربوبیت کی ہوتی ہے پہچان لیتا ہے تو وہ بھی اپنے سب اوقات میں اس کی حمد کرتا ہے اور اپنے سارے دل بلکہ تمام ذرّات کے ساتھ اس سے محبت کرتا ہے۔ پس اس وقت وہ بھی جہانوں میں سے ایک جہان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیمؑ کا نام اُمَّت رکھا گیا (ترجمہ اعجاز المسیح صفحہ۱۳۳-۱۳۴)۔

پس قرآنِ کریم نے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ابراہیمؑ قرار دے کر یہ اشارہ کیا کہ آپؑ بھی اپنے تمام دل اور تمام جان کے ساتھ اپنے رب سے محبت کرنے والے اور اُن معنوں میں اُمَّت ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔

لفظ اُمَّت کے ایک معنٰی امام کے بھی ہیں۔ اسی طرح جو شخص ایک جماعت کے قائم مقام ہو اسے بھی اُ مَّت کہتے ہیں۔ چنانچہ امام راغب نے **اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً** کے معنے یہ کئے ہیں کہ ابراہیم عبادت میں قائم مقام جماعت کے تھے ۔ جیسے عربوں کا قول ہے **فلان فی نفسه قبيلةٌ** ۔ چونکہ قرآن کریم کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں موعود ابراہیم مہدی موعود علیہ السلام کے بارہ میں پیشگوئی بھی مقصود ہے اس لئے حضرت ابراہیم کو اُمَّت قرار دے کر

یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ مہدی موعود اُمّت کا امام ہوگا اُمّتی ہوگا اور ساری اُمّت کا قائم مقام ہوگا یعنی ساری اُمّت کی فرمانبرداری اور عبادت اور **اَنَابتْ اِلَی اللّٰہ** ایک طرف اور اس اکیلے کی ایک طرف۔ گویا **اِمَامُکُمْ مِنکُمْ** کی جو پیشگوئی حدیث میں آئی ہے اس کی بنیاد اس آیت میں موجود ہے اور اس میں بتایا گیا کہ مہدی موعود اُمّتی ہوگا۔ وجہ یہ کہ مہدی موعود کے لئے جس کا نام عیسٰی ابن مریم بھی ہے مُقدّر یہ تھا کہ وہ نبی اللہ ہوگا اور آنحضرت نے یہی فرمایا ہے کہ اس اُمّت میں سے ہونے والا نبی سب سے افضل ہوگا۔ الفاظ حدیث نبوی کے یہ ہیں کہ ’’ابو بکر تم سب میں سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہوجائے۔‘‘

اس آیت سے ذرا آگے چل کر ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفاً وَمَاکَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۲۴)

(اے رسول) پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم کے دین کی پیروی کر (اور یاد رکھ کہ) وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

آنحضرت ﷺ کے وقت میں دین ابراہیمؑ اپنی تفاصیل کے ساتھ موجود نہیں تھا جو اس کی پیروی ہوسکے نیز آنحضورؐ کو حضرت ابراہیمؑ سے کامل تر دین دیا گیا تھا۔ اس لئے اگرچہ روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف ہے لیکن اصل میں اس حکم کی مخاطب آپؐ کی اُمّت ہے اور اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جب آئندہ ایک ابراہیم مبعوث ہوگا یعنی مہدی موعود آئے گا تو اس وقت افرادِ اُمّت پر فرض ہوگا کہ اس ابراہیمؑ کے دین یا طریق کی پیروی کریں۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی جو تشریح و توضیح وہ کرے اسے قبول کریں اسی کو اصل دینِ اسلام جانیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

آیت **اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّةً** کے بعد ہے **شَاکِراً لِّاَ نْعُمِهٖ اِجْتَبٰهُ وَھَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ**۔ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکرگزار تھا اللہ نے اسے چن لیا تھا اور اور صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی تھی۔

یوں تو اکثر لوگوں کے منہ سے الحمدللہ۔ اللہ کا شکر ہے وغیرہ الفاظ سنے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ **شَاکِراً لِّاَ نْعُمِهٖ** تھا بتاتا ہے کہ ان پر

خدا تعالیٰ کے بھی خاص انعامات تھے اور وہ بھی شکر گزاری کا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ پس مہدی موعود کا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہ دونوں وصف اس میں بھی نمایاں طور پر پائے جائیں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں پوری ہوئی۔ اس کا کچھ تذکرہ آپؑ ہی کی زبانی سنئے۔ اپنی کتاب **لُجَّةَ النُّوْر** میں فرماتے ہیں:-

(ترجمہ) : میں وہ شخص ہوں جس کو اللہ نے وہ سب کچھ دیا ہے جو مصلحین کی شرائط ہیں۔ اور اس نے مجھے اپنے نشان دکھائے ہیں۔ اور مجھے اپنے یقین کرنیوالے عباد میں داخل کیا اور اس نے مجھ پر برکات نازل فرمائیں اور میرا مکان روشن کیا اور میری کوئی خواہش نہ تھی جو اس نے پوری نہ کی۔ کبھی انسان کی یہ تمنّا ہوتی ہے کہ وہ ریاست اور امارت کے گھر سے ہو اور اس کی حسب اور نسب اعلیٰ درجہ کی ہو۔ پس میرے رب نے مجھے یہ شرف سارے کا سارا دیا اور میرے لئے کوئی طلب نہ رہی۔ اور کبھی انسان یہ تمنا کرتا ہے کہ اس کو دنیا اور دین کی وجاہت حاصل ہو اور آسمانی اور زمینی لوگوں میں اس کو کرامت اور عزّت حاصل ہو۔ پس میرے رب نے مجھے دونوں جہانوں کی عزّت بخشی اور کونین کی عزّت سے مشرف کیا ۔ اور کبھی انسان اپنے پیچھے کوئی وارث نہیں دیکھتا اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا جو اس کی وفات کے بعد اس کا وارث بنے۔ پس اس کو غم اور گھبراہٹ اور رنج لاحق ہوتا ہے بوجہ بیٹوں کے نہ ہونے کے اور وہ غمگین ہو کر زندگی گزارتا ہے اور صبح وشام روتا ہے۔ پس یہ غم مجھے نہیں چھوا ایک لمحہ بھر بھی اللہ کے فضل اور رحمت سے اور میرے رب نے مجھے خدمتِ دین کے لئے بیٹے دیئے ہیں۔ اور کبھی انسان یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کو معارف کے موتی اور چیدہ علوم دیئے جائیں اور اس کو زرو زمین ومال ملے ۔ پس میرے رب نے یہ سب کچھ نہایت احسان سے مجھے بکمال عطا کیا اور مجھ پر اس دنیا اور آخرت کی رحمتیں مکمل کیں۔ اور بہت دفعہ انسان چاہتا ہے کہ اسکو اللہ کی محبت عاشقوں اور فانیوں کی طرح دی جائے اور محبوبوں اور مجذوبوں کے پیالے سے پلایا جائے اور کبھی یہ چاہتا ہے کہ اس پر کشوف اور الہامات اور اخبار غیب اور آیات کا دروازہ کھلے اور اسکی دعائیں جلد قبول ہوں اور اس سے خوارق اور کرامات صادر ہوں۔ اور اسکا رب اسکے ساتھ کلام کرے اور مکالمات اور مخاطبات کے شرف سے اس کو مشرف کرے۔ پس سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے کہ

اس نے مجھے یہ سب کچھ دیا اور مجھے ہر ایک نعمت عطا کی جس کا ذکر میں کتاب میں پڑھتا تھا یا سُنا کرتا تھا اور مجھے مقربوں سے بنایا اور مجھے اوّلین اور آخرین کا علم سکھایا اور میری زبان کا عقدہ کھولا اور میرے بیان کو ادب کی نمکینی سے بھر دیا۔ اور میری کلام کو بلاغت کے لبادوں سے آراستہ کیا۔ اور میری دلیل کو مظبوط کیا۔ پس خدا کی قسم میرا کلام لوگوں کے دلوں میں زیادہ اثر انداز ہے بہ نسبت لاکھ تلوار کے ...پس حاصل کلام یہ کہ اللہ نے مجھے قسم قسم کے احسان سے مکرم کیا.....اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اسکی عنایت مجھ پر ہے خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی اور ہر ایک حال میں۔ اور وہ مجھ پر رحم کرتا ہے اور میری آرزوؤں کو پورا کرتا ہے اور خوف کے وقت مجھے امید دلاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اسکے پاس ہے گویا کہ وہ میرے پاس ہے اور ہاتھ میں ہے۔ اور وہ میری پناہ اور ڈھال اور بازو ہے اور وہ میرے دل اور رگوں اور خون میں سرایت کر گیا ہے اور میں اسکے ایسا قریب ہوں کہ مخلوق میں سے کوئی خواہ وہ عربی ہو یا عجمی اس کو نہیں جانتا۔''

پھر اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ **اِجۡتَبٰـهُ** (اللہ نے اسے چن لیا) یعنی یہ سمجھایا گیا ہے کہ خدمت کے لئے تیار تو اور بھی بہت تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی نگہ انتخاب ابراہیمؑ ہی پر پڑی۔ پس مہدی موعود کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہی معاملہ اس سے ہوگا چنانچہ مہدی موعودؑ ایک موقع پر اپنے رب سے یوں مخاطب ہوتے ہیں ؎

یہ سراسر فضل ہے تیرا کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

دوسری جگہ فرماتے ہیں ''سو خدا نے میرے پر احسان کیا ہے جو اس نے تمام دنیا میں سے مجھے اس بات کیلئے منتخب کیا ہے تا وہ اپنے نشانوں سے گمراہ لوگوں کو راہ پر لاوے۔''

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۔۱۴)

آخری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ **وَهَـدَاهُ اِلـىٰ صِـرَاطٍ مُّسۡتَـقِيۡـمٍ** اور اللہ نے اسے صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ یوں تو ہدایت یافتہ ہی مجتبیٰ ہوسکتا ہے مگر

یہاں اجتباہُ کے الفاظ پہلے رکھے ہیں اور وَهَدَاهُ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ کے الفاظ بعد میں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ اسے جس مقصد کیلئے چنا گیا اسمیں کامیابی کی سیدھی راہ دکھائی۔ یعنی کامیابی کے سامان دیئے گئے۔ یہ سامان کیا تھے۔ ایک توجحت کا دیا جانا دوسرے مستجاب الدعوات بنایا جانا۔ تیسرے علمِ قرآن دیا جانا۔ چوتھے غیر معمولی قوّتِ قدسیہ کا عطا ہونا۔ پانچویں محبت رسولؐ کا عطا ہونا اور خُلُقِ محمدی کا رنگ آپ پر چڑھایا جانا۔ چھٹے اظہار علی الغیب وغیرہ۔

الانبیاء ۷۰:۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا (جس سے ظاہری آگ اور دشمنی کی آگ دونوں مراد ہوسکتیں ہیں) تو اس وقت آپؑ نے بت پرستوں کی بات نہیں مانی بلکہ آگ کو اپنے لئے قبول کر لیا۔ پس مہدی موعودؑ کا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ آپؑ سے بھی ایسی ہی استقامت کا اظہار ہوگا۔ چنانچہ آپؑ پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا۔ قتل کے مقدمات بنائے گئے۔ قید کروانے کی کوششیں کی گئیں اور خوف اور لالچ دونوں طریقوں سے اس بات پر مائل کرنے کی کوشش کی گئی کہ آپؑ اپنے دعویٰ سے دست بردار ہوجائیں مگر آپؑ کے پائے ثبات میں کسی بات نے ذرہ بھر لغزش پیدا نہیں کی بلکہ آپؑ نے ببانگ دہل فرمایا کہ

> ”مجھے خدا سے ابراہیمی نسبت ہے ۔کوئی میرے بھید کونہیں جانتا مگر میرا خدا۔ مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کررہے ہیں میں وہ پودا نہیں ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اکھڑ سکوں اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مردے تمام جمع ہوجائیں اور میرے مارنے کے لئے دعائیں کریں تو میرا خدا ان کی دعاؤں کولعنت کی شکل پر بنا کر ان کے منہ پر مارے گا۔“

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اوّل کو خدا تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا تھا بلکہ آگ کو ان کے لئے برداً وسلاماً بنادیا تھا مگر اس ابراہیمؑ کے تو غلاموں تک کو اس نے آگ سے بچانے کا وعدہ کیا اور آپؑ کو الہاماً فرمایا:-

> ”آگ سے ہمیں مت ڈراؤ کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔“

چنانچہ جہاں تک آپؓ کی ذات کا تعلق ہے ایک درس کے دوران جب حضرت علامہ حکیم نورالدین صاحب نے جو بعد میں آپؑ کے خلیفہ اوّل منتخب ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے بارہ میں یہ تاویل کرنا چاہی کہ اس سے دشمنی کی آگ مراد ہے تو آپؑ نے فرمایا ''اس تاویل کی ضرورت نہیں ہمیں بھی خدا نے ابراہیم قرار دیا ہے دشمن ہمیں آگ میں ڈال کر دیکھ لے کہ ہم اس سے بچائے جاتے ہیں کہ نہیں۔'' اگرچہ دشمن آپؑ کو ظاہری آگ میں ڈالنے کی جرات نہیں کرسکے مگر طرح طرح کی دشمنیوں کی آگ میں انہوں نے آپؑ کو بار بار ڈالا اور ہر بار دنیا نے دیکھا کہ صرف یہی نہیں کہ وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی بلکہ آپؑ کے لئے سلامتی کا موجب بن گئی۔ یعنی آپؑ کی صداقت کا نشان بن کر اس بات کا ذریعہ بن گئی کہ قیامت تک لوگ آپؑ پر سلام بھیجتے رہیں۔

اب آپ کے غلاموں کے بارہ میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے ۔

حضرت مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیاء آپؑ کے مخلص غلاموں میں سے ایک تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ وہ انڈونیشیا میں جس مکان میں قیام پذیر تھے اُس سے ملحقہ مکانوں میں آگ بھڑک اُٹھی او رآپ کے مکان کی طرف بڑھنا شروع ہوئی تو آپ کے دوستوں نے بہت زور دیا کہ آپ مکان خالی کردیں مگر آپ نے مذکورہ بالا الہام کی وجہ سے یہ مشورہ ماننے سے قطعاً انکار کر دیا یہاں تک کہ آگ کے شعلے آپ کے مکان کو چھونے لگے۔ اس وقت پھر آپ پر مکان خالی کرنے کے لئے زور دیا گیا۔ مگر آپ نے لوگوں کی ایک نہیں سنی اور کہا کہ جب خدا کا یہ الہام ہے تو یہ ہوہی نہیں سکتا کہ یہ آگ مجھے نقصان پہنچا سکے۔ سو خدا تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ عین اس وقت جب آگ کے شعلے آپ کے مکان کو چھونے لگے تھے۔ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ اور یہ الہام پوری شان سے پورا ہوُا۔ **فسبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔**

قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کا ایک وصف حلیم ہونا بھی بیان کیا ہے۔ جس کے دو معنٰی ہیں۔ نمبر ۱: سمجھدار ۔نمبر ۲: حلیم الطبع۔ حضرت ابراہیمؑ ثانی ان دونوں وصفوں سے بھی متصف تھے۔ آپؑ سمجھدار ہونا تو اس سے واضح ہے کہ آپؑ نے اپنے رب اور اس کے رسولؐ کو ہر دوسری چیز پر اختیار کر لیا تھا۔ اور آپؑ کا حلیم الطبع ہونا اس سے ثابت ہے کہ آپؑ دشمنوں تک کا بھلا

چاہنے والے اور ان کی ایذا رسانیوں پر حد درجہ صبر کرنے والے تھے بلکہ آپ فرماتے ہیں۔ ''میرا کوئی ایسا دشمن نہیں جس کے لئے میں نے کم از کم دو تین بار نام لے کر دُعا نہ کی ہو۔'' لیکھرام کی ہلاکت کی آپؑ نے پیشگوئی کی ہوئی تھی۔ لیکن جب وہ ہلاک ہوُا تو آپؑ کو افسوس ہوُا کہ وہ گمراہی کی موت مرا۔ ایک ہندو کا واقعہ ہے کہ جب بھی ایذا رسانی کا موقع ملتا وہ آپؑ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ مگر آپؑ کو جب بھی اس سے بھلائی کرنے کا موقع میسر آتا آپؑ اُس سے بھلائی ہی کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے کہا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی (البقرہ ۲:۲۶۱) اے میرے رب مجھے دکھا تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے یا کرے گا؟ وہ نبی اللہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ عرف عام میں مردہ کہلانے والے اس جہان میں واپس نہیں لائے جاتے ہاں انسانوں میں سے روحانی مردے ضرور زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور نبیوں کے ہاتھ پر زندہ کئے جاتے ہیں ۔ پس ان کی دعا بھی یہی معلوم کرنے کے لئے ہوسکتی تھی کہ روحانی مردے کس طرح زندہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کا جو جواب ان کو دیا وہ روحانی مردوں کے احیاء پر ہی چسپاں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا:

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْ هُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ط ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا

چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ ہلا لے۔ پھر ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر آواز دے تو وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔

سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو پرندے لینے کا حکم کیوں دیا کسی اور مخلوق کا حکم کیوں نہیں دیا۔ پھر چار پرندوں کا حکم کیوں دیا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ ہلانے یا مانوس کرنے کا حکم کیوں دیا۔ پھر مختلف پہاڑوں پر رکھنے کا حکم کیوں دیا۔ اور پھر یہ کیوں فرمایا کہ اسکے بعد تو انکو پکارے گا تو وہ تیری طرف دوڑتے چلے آئیں گے۔ یہ کیوں نہیں فرمایا کہ اڑتے ہوئے آئیں گے۔

سو جاننا چاہیے کہ نمبرا جہاں دوسرے جاندار زمین پر چلتے ہیں پرندے بلند فضاؤں میں

اڑتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی ہر وقت اڑتے نہ رہتے ہوں۔ مگر ان میں اڑنے کی استعداد ہوتی ہے۔ گو بعض کی بعض دفعہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے یہ استعداد دَب بھی جاتی ہے اور چند ایک کی ختم بھی ہوجاتی ہے ۔ پس تمام جانداروں میں سے پرندے لینے کا حکم فرما کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ جن لوگوں میں روحانی فضاؤں میں اڑنے کی استعداد باقی ہوگی (خواہ دبی ہوئی ہو) وہی دوبارہ زندگی پاسکیں گے یعنی دوبارہ روحانی ترقیات حاصل کرسکیں گے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ کہ جو لوگ بالکل مَیّت نہ بن چکے ہوں۔ کالمیت بے شک ہوں وہی پھر سے ترقی کرسکیں گے دوسرے نہیں۔ چنانچہ آیت یَاۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال ۸:۲۵) میں مومنوں سے خطاب اور اِسْتَجِیْبُوْا فرمایا جانا بھی صاف بتاتا ہے کہ اِحْیَاء کا عمل اُنہی پر ہوتا ہے جن میں کچھ نہ کچھ جان باقی ہو بلکہ خود اس آیت کے الفاظ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ اور یَاْتِیْنَکَ سَعْیاً بھی اسی حقیقت کے غمّاز ہیں۔ پس ان لوگوں کا نام جو مَیّت رکھا جاتا ہے تو مبالغہ کے طور پر۔ رہا ان کے اُڑتے ہوئے آنے کی بجائے دوڑتے ہوئے آنے کا ذکر تو یہ یہ اشارہ کرنے کو ہے کہ یہاں طیر کا لفظ مجازاً انسانوں کے لئے لایا گیا ہے۔

نمبر۲ جب پرندہ کا لفظ مجازاً قوم ابراہیمؑ کے لئے استعمال ہؤا تو اگر صرف ان کی موجودُ الْوقت قوم کی طرف اشارہ مقصود ہوتا تو صرف ایک ہی پرندہ کا ذکر کافی تھا۔ چار کا ذکر ہونا صاف طور پر بتاتا ہے کہ مقصود یہ بتانا تھا کہ یہ واقعہ قوم ابراہیمؑ کے ساتھ چار مختلف زمانوں میں پیش آنے والا ہے۔اور ان میں سے ہر زمانہ میں پائے جانے والے جز کو الگ پرندہ قرار دیا گیا ہے۔

نمبر۳ باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ جاننا چاہا تھا کہ وہ مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا اور باوجود اس کے کہ ان کا سوال آئندہ زمانوں کے بارہ میں تھا خداتعالیٰ نے انہی کو وہ عمل کرنے کا حکم فرمایا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس نے ان کو یہ سمجھایا کہ جب بھی تیری قوم پر موت کا سا زمانہ آئے گا ہم ایک ابراہیم یعنی تیرا ایک مثیل مبعوث کریں گے اور اس کے ہاتھ پر اس کو نئی زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ہر آنے والے ابراہیم کو وہ کام کرنے ہوں گے جو تجھے کرنے کو کہا جارہا ہے۔

اب آیئے اس کے بعد ایک بار پھر اس آیت کو پڑھیں۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ اے ابراہیمؑ چار پرندے پکڑ پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لے۔ پکڑنے میں کسی قدر جبر کا مفہوم پایا جاتا

ہے۔ چونکہ پرندہ کا لفظ مجازاً استعمال ہؤا ہے۔ اس سے جال لگا کر پکڑنا تو مراد نہیں ہوسکتا دلائل سے قائل کرنا ہی مراد ہوسکتا ہے۔ مسکت دلائل سے انسان پکڑا تو جاتا ہے لیکن جب تک پورا اطمینان حاصل نہ ہو اس کے قابو سے نکل جانے کا بھی امکان ہوتا ہے اس لئے فرمایا طیر کو یعنی اڑنے کی سکت رکھنے والے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ روحانی ترقّی کی استعداد رکھنے والے لوگوں کو پکڑنے کے بعد ان کو اپنے ساتھ ہلالے یعنی جس طرح پرندہ کو رکھنے والا اس کے دانہ پانی کا خیال رکھ کر اور اس سے مسلسل شفقت وپیار کا سلوک کرکے اسے اپنے ساتھ مانوس کرلیتا ہے اور اسے اپنا بنا لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد قفس کا دروازہ کھول دینے پر بھی وہ اس سے مستقلاً الگ ہونا پسند نہیں کرتا اسی طرح تو بھی ان کی روحانی بھوک پیاس مٹانے کا سامان مہیّا کرکے اور بار بار سچّی ہمدردی کا مظاہرہ کرکے انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلے اور ایسا اپنا بنا لے کہ اس کے بعد الگ ہونے کا موقع پیدا ہونے پر بھی وہ تجھ سے الگ نہ ہوں۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءً ا

چونکہ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ فرمایا ہے ان الفاظ سے یہ مراد تو ہوسکتی ہی نہیں کہ ان سب کو ایک پہاڑ پر رکھ دے بلکہ دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ مِنْهُنَّ جُزْءً ا سے چار کا جز مراد ہو (یعنی ایک ایک پرندہ) اور دوسری یہ کہ اس سے ان چار میں سے ہر ایک کا جز مراد ہو۔ پہلی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ ان چار میں سے ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر رکھ دے اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک جُز لے کر اسے الگ الگ پہاڑ پر رکھ دے۔ اگر طیر کا ذکر صرف بطور مثال کیا گیا ہو تو پہلی صورت لینا بھی بالکل بجا ہوگا لیکن اگر یہ لفظ مجازاً قوم کے لئے آیا ہو تو دوسری ہی صورت لینا پڑے گی۔ وجہ یہ کہ پہاڑ پر رکھنا بہرحال کسی نہ کسی قسم کی رفعت دینے پر کنایہ ہے اور اگر پہلے معنے لیں جو پہلی صورت کا لازمہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ساری قوم کو ایک ہی پہاڑ پر رکھنے یعنی ایک جیسی رفعت دینے کا حکم ہؤا جو خلاف حکمت ہے لیکن دوسرے معنے لیں تو یہ قباحت پیش نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں حکم یہ بنتا ہے کہ قوم کے مختلف افراد کو مختلف بلندیوں پر رکھ دے۔(یاد رکھنا چاہیے کہ اس آیت میں پرندوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے پہاڑوں کی تعداد کا نہیں)

بات یہ ہے کہ مُردوں کا زندہ کیا جانا زندگی کے سرچشمہ خداتعالیٰ سے زندہ تعلق کا دوسرا

نام ہے اورآیت **وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا** (العنکبوت ٢٩:٧٠) کے مطابق بغیر خداتعالیٰ میں ہوکر کئے جانے والے مجاہدات کے یعنی بغیر ان راہوں پر چلنے اور ان پر استقامت دکھانے کے جو وہ اپنے نبی کے ذریعہ خود بتائے انسان نہ اس کی راہ پاسکتا ہے اور نہ اس کا اُس سے تعلق قائم ہوسکتا ہے۔ اور یہ راہیں چونکہ نہایت مشکل راہیں ہوتی ہیں کوئی شخص ان پر اس وقت تک چل نہیں سکتا جب تک کہ اس کو یقین نہ ہو کہ ان راہوں کا بتانے والا واقعی ان کو دیکھ بھال چکا ہے اور انہیں خوب جانتا ہے اور ایسا رہنما ہے کہ اس کے پیچھے چل کر ہم منزل مراد کو پاسکتے ہیں۔ لیکن یقین کی استعداد مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے۔ سب لوگ ایک جیسے مرتبہ یقین کو پانے والے ہو ہی نہیں سکتے اس لئے خداتعالیٰ نے تقاضائے حکمت کے عین مطابق یہ حکم دیا کہ اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد ان میں سے ہر طیر کے ہر جُز کو یعنی اپنے زمانہ میں پائی جانے والی قوم ابراہیمؑ کے ہر فرد کو مختلف پہاڑ پر رکھ دے یعنی ہر فرد کو اسکے اپنے دائرہ استعداد کے مطابق یقین کے انتہائی بلند مقام پر کھڑا کردے۔ کیسے کھڑا کردے؟ یہ بات بیان نہیں کی کیونکہ انسانی فطرت خود بولتی ہے کہ یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے تو ایسے اخلاق فاضلہ دکھانے سے جو معجزانہ ہوں۔ اور قبولیت دعا کے اور دوسرے ایسے نشان دکھانے سے جو معجزانہ ہوں۔ پہاڑ پر رکھنے میں (حسبِ استعداد) یقین کے اعلیٰ ترین مقام پر کھڑا کرنے کے علاوہ استقامت کے اعلیٰ ترین مقام پر کھڑا کرنے اور زمین کی گندی یعنی گناہ آلود فضا سے نکال کر پاک اور فرحت بخش فضا میں لے آنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ کے بعد ہے **ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیاً**۔ پھر ان کو پکار وہ سعی کرتے ہوئے تیری طرف آئیں گے۔ سعی کے معنے محنت مشقت اٹھانے کے بھی ہوتے ہیں اور دوڑنے کے بھی۔ اور کسی کی طرف دوڑ کر جانا ذوق وشوق پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ اپنے ساتھ مانوس کرلینے اور یقین اور استقامت کے بلند مقام پر کھڑا کردینے کے بعد تو ان کو بلا۔ چونکہ بات زندہ کرنے کی ہورہی ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ تو ان کو کہہ آؤ اب میں تمہیں وہ مجاہدات بتاؤں یا وہ راہیں دکھاؤں جن کے بجالانے یا جن پر چلنے سے تم زندگی کے سرچشمہ خداتعالیٰ تک پہنچ سکتے یا بہ الفاظ دیگر روحانی زندگی پاسکتے ہو۔ اور چونکہ وہ تجھے اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ تو ان کا سچا بہی خواہ ہے اور ان کی روحانی ضروریات کو پوری کرنے والا

ہے اور انہیں یقین ہوگا کہ تیری بتائی ہوئی راہ ضرور ہی انہیں منزل مقصود تک لے جائے گی اس لئے وہ اس راہ کے خطرات کی پرواہ کئے بغیر ذوق وشوق سے تیری طرف آئیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ اس کا ذکر چھوڑ دیا ہے تا اشارہ ہو کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یقین حاصل ہوجانے کے بعد وہ تیری بتائی ہوئی راہ پر نہ چلیں وہ ضرور اس پر چلیں گے اور جب اس پر چل لیں گے تو ان کا کام مکمل ہوجائے گا یعنی ان کا سلوک تمام ہوجائے گا اور اس کے بعد باقی کام موہبتِ الٰہی کرے گی اور اس طرح وہ منزلِ مقصود کو پالیں گے۔ یہی نبیوں کا کام ہوتا ہے اور یہی کام جو اس آیت میں بتایا گیا ابراہیمؑ وقت حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے آکر کیا۔

پس اس واقعہ میں قوم ابراہیمؑ کے چار بار روحانی موت کا شکار ہونے اور ہر بار ایک مثیل ابراہیمؑ کے ذریعہ زندہ کئے جانے کی پیشگوئی تھی چنانچہ پہلی دفعہ ان کی قوم مری تو حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہاتھ پر زندہ کی گئی دوسری دفعہ مری تو مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر زندہ کی گئی تیسری دفعہ مری تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر زندہ کی گئی اور چوتھی دفعہ مری تو ابراہیمؑ وقت حضرت مہدی موعودؑ کے ہاتھ پر زندہ کی جارہی ہے۔ اور اس کے لئے آپ نے بعینہٖ یہی طریقے استعمال کئے ہیں جو اس آیت میں بتائے گئے تھے۔

قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک بات یہ بتائی ہے کہ انہیں مخالفین کے خلاف حُجّت دی گئی۔ پس حضرت مہدی موعود کا نام ابراہیمؑ رکھ کر اس نے اشارہ کیا کہ یہ فضل ان پر بھی ہوگا چنانچہ آپؑ پر خداتعالیٰ نے یہ فضل بدرجہ اتم فرمایا جس کا ذکر آپؑ نے کئی جگہ فرمایا ہے یہاں آپؑ کی کتاب **لُجَّةُ النُّوْر** کے ایک حصّہ کا ترجمہ لکھا جاتا ہے فرمایا:-

> ’’خدا تعالیٰ نے مجھے اوّلین اور آخرین کا علم سکھایا اور میری زبان کا عقدہ کھولا اور میرے بیان کو ادب کی نمکینی سے بھر دیا۔ اور میرے کلام کو بلاغت کے لبادوں سے آراستہ کیا۔ اور میری دلیل کو مضبوط کیا۔ پس خدا کی قسم میرا کلام لوگوں کے دلوں میں تلوار سے زیادہ اثر انداز ہے۔‘‘

اسی طرح فرماتے ہیں:-

> ’’اس نے مجھے کافروں اور فاجروں پر اتمام حجت کے لئے زندہ علم دیا ہے۔ اور تازہ بتازہ پھل حکمت کے بھوکوں کے لئے دیئے ہیں۔ اور

بھرے ہوئے پیالے ہدایت اور معرفت کے پیاسوں کیلئے عنایت کیئے ہیں۔ اور اُس نے مجھے امام بنایا ہے ہر اُس شخص کیلئے جو اپنے نفس کی اصلاح چاہتا ہے اور اپنے رب کی رضا کو پسند رکھتا ہے۔''

(ترجمہ عربی عبارت انجام آتھم ص ۷۵تا ۷۸ از کتاب روح العرفان ۲۸۱)

یہ صرف آپؑ کا دعویٰ نہیں تھا بلکہ بہت سے اہل علم نے باوجود آپؑ کے مریدوں میں سے نہ ہونے کے اس حقیقت کو کھلے طور پر تسلیم کیا۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے لکھا: ''مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہوکر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کے مسلمانوں کی نسلوں میں زندہ خون رہے اور جماعت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔''

(تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۷۳)

اخبار کرزن گزٹ دہلی نے اپنی یکم جون ۱۹۰۸ کی اشاعت نے لکھا ہے:-

کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ پر زبان کھولتا .... اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوّت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیِ ہند میں بھی اس قوّت کا کوئی لکھنے والا نہیں .... اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وَجد کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے۔''

سورۃ الشعرا میں حضرت ابراہیمؑ کے چند اقوال کا ذکر بہ ایں الفاظ آتا ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۷﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۸﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَ اِذَامَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْ

يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨٢﴾

پہلی تین آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اپنے بتوں کی بے حیثیتی کو دیکھیں اور پھر کہا کہ (میں ان کا دشمن ہوں اس لئے) وہ (بھی) یقیناً میرے دشمن ہوں گے (یعنی ان میں کوئی طاقت ہے تو میں ان کے ہاتھ سے بچ نہیں سکوں گا) لیکن رب العالمین میرا دشمن نہیں ہے (اس لئے یقین جانو کہ وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے)۔ پس قرآن کریم نے جو آئندہ ایک ابراہیمؑ کے آنے کی خبر دی اور پہلے ابراہیمؑ کے بارہ میں یہ قصّہ بیان کیا تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ موعود ابراہیمؑ بھی جس قوم میں مبعوث ہوگا وہ بُت پرست قوم ہوگی۔ یا اس نے اپنے پیروں اور علماء وغیرہ کو بت بنا رکھا ہوگا مگر وہ ابراہیمؑ ان باتوں سے بیزار ہوگا لیکن نہ تو وہ لوگ اور نہ ان کے باطل معبود اس کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔ چنانچہ موعود ابراہیمؑ حضرت مہدی مسعود علیہ السلام ہندوستان میں مبعوث ہوئے جہاں کی اکثر آبادی جو ہندوؤں پر مشتمل ہے وہ بھی بت پرست تھی اور مسلمان اپنے پیروں اور علماء کو معبودوں کا درجہ دے رہے تھے اور مسیحی مسیح کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ مگر یہ سارے مل کر بھی حضرت مہدی موعود کا کچھ بگاڑ نہیں سکے۔ کیونکہ خداتعالیٰ کا ہاتھ آپؑ کی پیٹھ پر تھا۔ اور اس کی معیت آپؑ کو حاصل تھی۔

یہاں ایک خاص نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ تو مختص القوم اور مختص الوقت نبی تھے مگر ان کی طرف اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ منسوب کئے گئے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں کہ خداتعالیٰ ان کے ذریعہ تمام عالمین کی ربوبیت فرمائے گا۔ اور یہ بات صرف اس طرح ممکن تھی کہ خداتعالیٰ ان کی ذُرِّیت میں پیدا ہونے والے صلحا کے ہاتھ سے یہ کام لے اور اس طرح یہ ان کا کام شمار ہو۔ اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کی ذرّیت قیامت تک سرسبز رہے اور اس میں ولی اللہ پیدا ہوتے رہیں۔ پس اس ایک لفظ کے استعمال سے خداتعالیٰ نے جہاں یہ پیشگوئی فرما دی کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تا قیامت قائم رہے گی اور اس میں اولیا اور صلحاء اور امام پیدا ہوتے رہیں گے وہاں حضرت مہدی موعودؑ کا نام ابراہیم رکھ کر یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ آپؑ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا یعنی آپؑ کی ذرّیت بھی رہتی دنیا تک سرسبز رہے گی اس میں اولیا اللہ اور امام پیدا ہوتے رہیں گے اور ان سے تمام جہانوں کی ربوبیت کا کام لیا جاتا

رہے گا۔ چنانچہ ابھی آپؑ کی رحلت کو سو سال بھی نہیں ہوئے کہ آپ کی چار نسلیں وجود میں آ کر دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل چکی ہیں اور آپؑ کی اولاد میں سے کئی ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں اور تین تو جماعت کے امام بھی بن چکے ہیں۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ خود حضرت مہدی علیہ السلام کو اس بارہ میں الہامًا خبر دی گئی کہ:۔

"میں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی .... تیری ذرّیت منقطع نہیں ہوگی اور آخر دنوں تک سرسبز رہے گی۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۴۸)

اگلی آیت کے الفاظ یہ ہیں **اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ**۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا چونکہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اس لئے وہ مجھے ہدایت بھی دے گا۔ لیکن خداتعالیٰ نے تو ہر انسان کو پیدا کیا ہوتا ہے مگر سب کو تو وہ بلاواسطہ ہدایت نہیں دیتا اس لئے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ اس نے مجھے ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے وہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی کی راہ دکھائے گا اور اس راہ میں روک بننے کی کوشش کرنے والوں کے فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔ پس حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دینے میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپؑ اس بارہ میں تحدّی کریں گے کہ آپؑ ضرور کامیاب ہوں گے اور دشمنوں سے خدا آپؑ کو محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ خود آپؑ کو مخاطب کرکے بھی اس نے یہ فرمایا کہ "خدا تجھے بکلّی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا (تذکرہ صفحہ ۱۴۱) نیز فرمایا "**وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** اور پھر ایک دُنیا نے دیکھا کہ بعینہٖ اسی طرح ہوُا۔ اور آپؑ نے خود فرمایا:

ہر مطلب و مراد کہ می خواستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بخاطر مُعَیَّنَم

وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ حضرت ابراہیمؑ نے کہا خدا ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے یعنی چونکہ اس نے مجھے ایک مقصد خاص کے لئے پیدا کیا ہے جو میری ہماں وقت کی توجہ چاہتا ہے اس لئے میرا خدا میری جملہ ضروریات کو پوری کرے گا اور تم یا تمہارے معبود اس کی راہ روک نہیں سکو گے۔ پس مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر خداتعالیٰ نے یہ اشارہ بھی فرمادیا تھا

کہ اس کی جملہ ضروریات کا کفیل بھی وہ خود ہوگا اور ذرائع معاش کے لئے اسے قطعًا کوئی تردد کرنا نہیں پڑے گا۔ یہ خبر بھی مِن وعَن پوری ہوئی اورآپؑ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس پر گواہ ٹھہرا۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۔ یوں تو بیمار کو جب دیتا ہے خدا ہی شفا دیتا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول لاکر خداتعالیٰ نے یہ اشارہ کیا کہ اس معاملہ میں اس کا ان سے خاص سلوک تھا۔ اور مہدی موعود کو ابراہیم قرار دے کر بتایا کہ اس سے بھی اس کا ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ متعدد دفعہ ایسا ہوُا کہ آپؑ بیمار ہوئے تو خداتعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے آپؑ کو شفا دی۔ مثلاً ایک دفعہ آپ کو قولنج زہیری ہوُا تو خداتعالیٰ نے آپؑ کو الہامًا فرمایا کہ دریا کا پانی جس میں ریت ملی ہوئی ہو جسم پر ملیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپؑ کی تکلیف پانی ختم ہونے سے پہلے پہلے دور ہوگئی۔ اسی طرح ایک دفعہ شدید درد گردہ کے وقت اور ایک دفعہ شدید دانت درد کے وقت اور ایک دفعہ خارش کی شدید تکلیف کے وقت اور ایک دفعہ جب اسفل حصہّ آپؑ کے بدن مبارک کا سن ہوگیا تھا محض دعا سے خداتعالیٰ نے آپ کو شفا دی۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۔ موت تو ہر کسی کو خدا ہی دیتا ہے اور پھر خدا ہی زندہ کرتا ہے۔ پس ان کے اس قول کا کہ خدا ہی مجھے موت دے گا اور وہی زندہ کرے گا سوائے اس کے کوئی اور مطلب نہیں ہوسکتا تھا کہ میری موت طبعی موت ہوگی جس میں کسی غیر اللہ کا دخل نہیں ہوگا اور میرا انجام نیک ہوگا۔ پس حضرت مہدی موعود کو ابراہیم قرار دینے میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپؑ کی موت بھی طبعی موت ہوگی اور آپؑ کا انجام بھی نہایت نیک ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی پوری ہوئیں اور قرآن کریم کی صداقت اور آپؑ کی صداقت اور آپؑ کے مثیل ابراہیمؑ ہونے پر دلیل ٹھہریں۔

اس کے بعد ہم قرآن کریم میں مزید غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ایک وصف جو اس میں بیان ہوُا وہ ان کا **صِدِّيْقًا نَّبِيًّا** ہونا تھا۔ ظاہر ہے کہ صدیق تو ہر نبی ہوتا ہے پھر خصوصیت کے ساتھ جو آپؑ کا یہ وصف بیان کیا گیا تو اس سے بجز اس کے کچھ مراد نہیں ہوسکتی تھی کہ آپؑ کا صدیق ہونا ایسا ظاہروباہر تھا کہ نبیوں میں سے بھی کم کا ایسا ہوگا۔ یعنی نشانات صدق آپ کو اس کثرت سے دئے گئے کہ دوسرے نبیوں میں سے بھی شاذ ہی کسی کو دئے گئے۔ پس ایک طرف حضرت ابراہیمؑ اوّل کے بارہ میں یہ بات بیان کرکے اور دوسری طرف

حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیم قرار دے کر قرآن نے یہ اشارہ بھی کیا کہ آپؑ سے بھی خداتعالیٰ کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا:

''خداتعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کیلئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو انکی بھی ان سے نبوّت ثابت ہوسکتی ہے۔'' (چشمۂ معرفت ص ۳۳۲)

یہاں ان نشانوں کی تفصیل بیان کرنے کی تو گنجائش نہیں مگر ہم ان میں سے بعض اہم نشانوں کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔

نمبر۱: آپ کو قرآن دانی کا نشان دیا گیا۔ فرمایا ''مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق ومعارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔'' (سراج منیر ص ۳۹)۔ اس ضمن میں آپؑ نے عرب وعجم سب کو مقابلہ کا چیلنج دیا مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔

نمبر۲: آپؑ کو قرآن کی زبان کا معجزانہ علم دیا گیا۔ بعض عرب علماء تک نے تسلیم کیا کہ آپؑ جیسی عربی لکھنے والا کوئی دوسرا انسان نہیں ملتا۔

نمبر۳: آپؑ کو کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا اور یہ فرمایا گیا کہ آپؑ کی دعائیں دوسروں کے بالمقابل بہت زیادہ قبول ہوں گی۔ آپؑ کے خلاف کی جانے والی کوئی دعا قبول نہیں ہوگی۔ جو دروازہ آپؑ کی دعا سے کھلے گا وہ کسی اور ذریعہ سے بند نہیں ہوسکے گا۔ اور جو دروازہ آپؑ کی دعا سے بند ہوگا وہ کسی اور ذریعہ سے کھل نہیں سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نمبر۴: آپؑ کو اظہار علی الغیب کا نشان دیا گیا جو نبیوں کا خاصہ ہے۔

نمبر۵: آپؑ کو بے نظیر قوّتِ قدسیہ کا نشان دیا گیا۔ جبکہ تزکیہ نفوس نبیوں کی بعثت کی اہم غرض ہوتی ہے۔

نمبر۶: آپ کو بے نظیر جذب کا نشان دیا گیا چنانچہ جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح آپؑ نے اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دیں اور ایک بھی میرے

ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اور قوم پیدا کرے گا جو صدق
اور وفا میں ان سے بہتر ہوگی یہ آسمانی کشش کام کر رہی ہے جو
نیک دل لوگ میری طرف دوڑتے ہیں کوئی نہیں جو آسمانی کشش
کو روک سکے۔‘‘ (تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۶۱،۶۲)

نمبر۷: آپ کو زندگی بخش باتوں کا نشان دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے علی الاعلان فرمایا کہ:
’’وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے
نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خداتعالیٰ
کی طرف سے نہیں آیا۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۳ تا ۵)

نمبر۸: آپ کو کسر صلیب اور کسرِ صلیب کے سامانوں کا نشان دیا گیا۔

نمبر۹: آپ کو استخارہ کا نشان دیا گیا یعنی یہ وعدہ دیا گیا کہ جو شخص بکلی خالی النفس ہوکر خداتعالیٰ سے آپؑ کے بارہ میں ہدایت چاہے گا کہ آپؑ خدا کے فرستادہ ہیں یا نہیں اس پر خدا آپؑ کی صداقت منکشف کردے گا۔

نمبر۱۰: آپؑ کو آسمانی اور زمینی نشان دیئے گئے۔ مثلاً آسمان پر خسوف وکسوف کا نشان اور زمین پر زلازل اور طاعون کا نشان۔

نمبر۱۱: آپ کو یہ دائمی نشان دیا گیا کہ آپؑ کے متبعین دلائل صدق میں دوسروں پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔

نمبر۱۲: آپؑ کو کشفی اور الہامی علوم میں نہ صرف غیروں بلکہ دوسرے مسلمانوں پر بھی غالب رہنے کا نشان دیا گیا۔

نمبر۱۳: آپؑ کو یہ نشان دیا گیا کہ تمام اوّلین وآخرین کی جو پیشگوئیاں مسیح اور مہدی کے وقت اور اس کی ذات کے بارہ میں تھیں وہ سب آپؑ کے زمانہ میں اور آپؑ کی ذات میں پوری ہوئیں۔

نمبر۱۴: آپؑ کو غیرمعمولی نصرت الٰہی کا نشان دیا گیا جس کی بنا پر آپ نے فرمایا ؎

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

نمبر۱۵: آپؑ کو غیر معمولی رعب کا نشان دیا گیا۔ نصرت بالرعب آپؑ کا الہام بھی ہے۔
نمبر۱۶: آپؑ کو **صِدُق فِی المحبة الإهیة** کا نشان دیا گیا۔جسکی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھلانے کیلئے آپ کا ایک اقتباس پیش ہے فرمایا:-

''میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اس کی عزّت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلا نہیں کڑوڑ ابتلا ہو ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔''

یہ **صدق فی المحبت** ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کیلئے اور اس غرض سے کہ اسکے رسول کریم ﷺ کا بول بالا ہو اور اس کی کتاب کی عظمت و شان ظاہر ہو ساری دنیا کے ساتھ تن تنہا بزو آزما ہونے کیلئے میدان میں اتر آئے تھے اور اپنی عمر عزیز کا ہر لمحہ اس جہاد میں صرف کر دیا۔

نمبر۱۷ آپ کو خُلُقِ عظیم کا نشان دیا گیا۔جسکے گواہ آپ کے اہل خانہ آپ کے دوست اور آپ کے دشمن سب ہیں۔

یہ سارے کے سارے نشان آپؑ کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی برکت سے حاصل ہوئے۔ **فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّم**۔

===============

بَرَاہِ رَاسُت قُرآنِ مَجِیُد سے مُسُتَنُبَطُ

مَہُدِیّ مَوُعُود

کے

مختلف ناموں، اس کے، روحانی مقام، مقام بعثت، وقتِ بعثت، بعثت کے وقت کی عمر، بعثت کے وقت زمانہ کی حالت ، وقتِ ظہور کی علامات، حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت و مناسبت، دوسرے انبیاء اور اولیاء و علماءِ اُمّت سے اسکی نسبت ، اسکی بعثت کی غرض، اس کی سیرت، اس کے خلفاء و رفقاء کے بعض کوائف، اسکی اولاد اور بالخصوص ایک خاص بیٹے کے متعلق عظیم پیشگوئیوں، اس کی جماعت کی ترقّی کے انداز اور اس کی وسعت اور اس کے کمال تک پہنچنے کی مدّت اور اس کے دشمنوں کی حالت اور ان کے طریقِ مخالفت اور ان کے عبرتناک انجام اور ان میں سے ایک فرعون خصلت سربراہِ حکومت کی ہلاکت اور دوسرے سربراہ کے تختۂ دار پر لٹکائے جانے وغیرہ امور کا ایمان افروز تذکرہ۔

پانچویں نمبر پر اللہ تعالیٰ اپنے سچّے دوستوں کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار انہیں خارق عادت توکّل عطا کرنے سے کرتا ہے

ان لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ بھی ان کا دوست ہے اور ہر ضرورت کے وقت ان کے کام آئے گا اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے اور خدا خود ان کا متولّی ہوجاتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ قرار دے کر اور مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیمؑ رکھ کر خداتعالیٰ نے یہ اشارہ بھی کیا کہ وہ توکل علی اللہ کے نہایت بلند مقام پر ہوگا اور خدا خود اس کا متولّی ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی نہایت صفائی سے پوری ہوئی حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی روایت ہے کہ ایک مجلس میں توکل کی بات چل پڑی جس پر حضورؑ نے فرمایا:-

''میں اپنے قلب کی عجیب کیفیت پاتا ہوں جب سخت حبس ہوتا ہے اور گرمی کمال شدّت کو پہنچتی ہے تو لوگ وثوق سے بارش کی امّید رکھتے ہیں۔ ایسا ہی جب میں اپنی صندوقچی کو خالی دیکھتا ہوں تو مجھے خدا کے فضل پر یقین واثق ہوتا ہے کہ اب یہ بھرے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔''
اور پھر خداتعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ''جب میرا کیسہ خالی ہوتا ہے تو جو ذوق اور سرور اللہ پر توکل کا مجھے اُس وقت حاصل ہوتا ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ اور یہ حالت بہت ہی زیادہ راحت بخش اور طمانینت انگیز ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ کیسہ بھرا ہوا ہو۔'' (درمنشور صفحہ ۱۰۵)

یہی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں۔ ''ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جن دنوں حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' کا عربی حصّہ لکھ رہے تھے حضور نے مولوی نورالدین صاحب (خلیفہ اوّلؓ) کو ایک بڑا دو ورقہ اس زیر تصنیف کتاب کے مسّودہ کا اس غرض سے دیا کہ فارسی میں ترجمہ کرنے کے لئے مجھے پہنچا دیا جائے۔ وہ ایسا مضمون تھا کہ اُس کی خداداد فصاحت وبلاغت پر حضرت کو ناز تھا۔ مگر مولوی نورالدین صاحب سے یہ دو ورقہ کہیں گر گیا۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام مجھے ہر روز عربی مسّودہ فارسی ترجمہ کے لئے ارسال فرمایا

کرتے تھے۔ اس لئے اُس دن غیر معمولی دیر ہونے پر مجھے طبعاً فکر پیدا ہوا اور میں نے مولوی نورالدین صاحب سے ذکر کیا کہ آج حضرت کی طرف سے مضمون نہیں آیا اور کاتب سر پر کھڑا ہے اور دیر ہورہی ہے۔ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے تھے کہ مولوی نورالدین صاحب کا رنگ فق ہوگیا۔ کیونکہ یہ دو ورقہ مولوی صاحب سے کہیں گر گیا تھا۔ بے حد تلاش کی مگر مضمون نہ ملا اور مولوی صاحب سخت پریشان تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اطلاع ہوئی تو حسبِ معمول ہشّاش بشّاش مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور خفا ہونا یا گھبراہٹ کا اظہار کرنا تو درکنار اُلٹا اپنی طرف سے معذرت فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کو مسّودہ کے گُم ہونے سے ناحق تشویش ہوئی مجھے مولوی صاحب کی تکلیف کی وجہ سے بہت افسوس ہے۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے گُم شدہ کاغذ سے بہتر مضمون لکھنے کی توفیق عطا فرمادے گا۔''

(لیکچر سیرت طیّبہ بحوالہ سیر المہدی صفحہ ۲۷۶،۲۷۹)

ایک شخص مولوی کرم الدین نے آپؑ کے خلاف ازالہ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ دائر کیا۔ حضرت اقدسؑ کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب بار بار مجسٹریٹ کے تعصّب اور لوگوں کی مخالفت کا ذکر کرکے آپؑ سے یہ کہتے کہ اس مقدمہ میں بچنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تو حضرت اقدسؑ انہیں ڈھارس دلاتے اور ہنس کر فرماتے کہ:-

''خواجہ صاحب! کوئی خانہ خدا کے لئے بھی چھوڑو۔ اگر سب اسباب ہمارے موافق ہوں تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ سب اسباب موافق تھے اس لئے مقدمہ فتح ہوگیا لطف تو جب ہی ہے کہ اسباب مخالف ہوں اور خدا اپنی جناب سے فضل فرمائے۔''

مقدمہ ایک ہندو مجسٹریٹ کی عدالت میں چل رہا تھا۔ وہ خود بہت متعصّب تھا۔ اور اس پر مزید یہ کہ ہندوؤں نے ایک جلسہ کرکے جس میں وہ مجسٹریٹ بھی شامل تھا۔ اُسے کہا کہ :-

''مرزا صاحب ہمارے سخت دشمن اور ہمارے لیڈر لیکھرام کے قاتل ہیں۔ اور اب وہ آپ کے ہاتھ میں شکار ہے۔ اگر آپ نے اس شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہوں گے۔''

اس پر مجسٹریٹ نے وعدہ کیا کہ اگلی پیشی میں وہ آپ کے خلاف ضرور ہی عدالتی کاروائی

عمل میں لائے گا۔ عدالتی کاروائی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجسٹریٹ دورانِ مقدمہ جب چاہے بغیر ضمانت ملزم کو گرفتار کر کے حوالات میں دے سکتا ہے۔ اس بات کی اطلاع کے لئے حضور کی طرف آدمی بھجوایا گیا۔ جب وہ سارا واقعہ سناتے ہوئے شکار کے لفظ پر پہنچا تو حضور جو لیٹے ہوئے اطمینان سے ساری بات سن رہے تھے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آپؑ نے نہایت جوش سے فرمایا:-

''میں اُس کا شکار ہوں؟ میں شکار نہیں ہوں۔ میں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے۔''

پھر آپؑ نے فرمایا:-

''میں کیا کروں میں نے خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کے لئے تیار ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں میں تجھے ہر ذلت سے بچاؤں گا۔ اور عزّت کے ساتھ بری کروں گا۔''

چنانچہ اس کے بعد قبل اس کے کہ وہ مجسٹریٹ حضرت اقدس کے مقدمہ کی مزید سماعت کرسکتا ایک لغزش کے نتیجہ میں اس کی تنزلی ہوئی اور اُس کی جگہ دوسرا مجسٹریٹ مقدمہ سننے پر مقرر ہوٴا۔ اگرچہ وہ بھی سخت متعصّب تھا اور آپؑ کو سزا دینی چاہتا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اُس کی بیوی نے خواب دیکھی تھی کہ اگر اُس نے آپؑ کو سزا دی تو اُس کے بیٹوں کی خیر نہیں۔ مگر وہ پھر بھی سزا دینے پر تلا ہوٴا تھا۔ تاہم خدا کا کرنا ایسا ہوٴا کہ وہ آپؑ کو سزائے قید جو وہ دینا چاہتا تھا دینے سے قاصر رہا۔ صرف کچھ جرمانہ کر پایا مگر وہ جرمانہ تو بعد میں واپس ہوگیا لیکن اُس کے دو بیٹے جو اس گستاخی کی پاداش میں ہلاک کئے گئے واپس نہ آسکے۔

خداتعالیٰ کے سچّے دوستوں کو جہاں اس کی نصرت پر کامل یقین ہوتا ہے وہاں وہ اس کے لئے قربانی دینے کو بھی تیار رہتے ہیں اور انہیں ایسی استقامت دی جاتی ہے جو خود ایک کرامت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ اور حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیم قرار دے کر بتایا گیا کہ یہ علامت بھی ان میں شاندار طور پر پائی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوٴا۔ ایک دن سپرنٹنڈنٹ پولیس وارنٹ گرفتاری اور ہتھکڑی لے کر آپؑ کے مکان کی تلاشی کے لئے اچانک قادیان آیا۔ حضرت میر ناصر نوابؓ صاحب اس کے آنے کی اطلاع پا کر دوڑے ہوئے حضورؑ کو اطلاع دینے

کے لئے حاضر ہوئے۔ شدّت گھبراہٹ سے ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ حضورؑ اس وقت کتاب نور القرآن تصنیف فرما رہے تھے۔ میر صاحب کی بات سنی تو سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے فرمایا:-

''میر صاحب لوگ دنیا کی خوشیوں میں چاندی سونے کے کنگن پہنا کرتے ہیں۔ ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رستہ میں لوہے کے کنگن پہن لئے۔'' پھر تھوڑا تامل کر کے فرمایا ''مگر ایسا نہیں ہوگا خداتعالیٰ کی حکومت اپنے خاص مصالح رکھتی ہے۔ وہ اپنے خلفائے مامورین کے لئے اس قسم کی رسوائی پسند نہیں کرتا۔''

اس واقعہ سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ نمبر۱: یہ کہ آپؑ خداتعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی دینے کو تیّار تھے ۔ نمبر۲: یہ کہ آپؑ کو اس پر کامل توکل تھا اور یقین تھا کہ وہ آپؑ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور نمبر۳: یہ کہ خداتعالیٰ کی راہ میں آپؑ کو کمال درجہ کی استقامت عطا کی گئی تھی۔ آپؑ ہی کو نہیں آپؑ کی تربیت اور قوت قدسیہ کے زیر اثر آپؑ کے سچے متبعین کو بھی ایسی استقامت عطا کی گئی تھی جو یقیناً ایک نشان تھی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحبؓ۔ کی حضرت مولانا ایاز صاحب کی۔ پارٹیشن کے وقت درویشانِ قادیان کی۔ اورکئی روز کے فاقے کاٹ کر تبلیغ ہدایت کرنے والے ہزاروں مجاہدین احمدیت کی حیرت انگیز قربانیوں کی داستانوں سے تاریخ احمدیت کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے سچّے دوستوں کی ایک علامت وفاداری بھی ہوتی ہے چنانچہ خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں خداتعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا **اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى** (النجم ۳۸:۵۳) پس مہدی موعود علیہ السلام کو ابراہیمؑ قرار دے کر خداتعالیٰ نے یہ اشارہ بھی فرمایا کہ انہیں بھی اُس سے غیر معمولی وفاداری کا تعلق ہوگا۔ چنانچہ آپ کا قول وعمل گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

''میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ میرا کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شاملِ حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خداتعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے

جو کسی چیز کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔‘‘

اسی طرح فرماتے ہیں:-

’’مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوُا ہے میں اُس سے برگشتہ ہوجاؤں یہ دُنیا کب تک اور یہ دُنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کریں گے تا میں اُن کے لئے اس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں ..... مجھے اُس کے ساتھ غم بہتر ہے۔ بہ نسبتاً اس کے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی ہو۔ مجھے اُس کے ساتھ موت بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اُس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو۔‘‘

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

’’میں اُس (خدا) کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اُس کی عزّت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دُنیا وآخرت میں اِس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اور اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو کسی ابتلاء سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑ ابتلاء ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان اور دُکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے ؎

من نہ آنستم کہ روز جنگ بینی پشت من
آں منم کاندرمیانِ خاک و خون بینی سرے

(انوارالاسلام طبع اوّل ص ۲۱،۲۲)

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن میں آتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْکَ۔ (البقرہ ۲۰:۲۵۹)

کیا تجھے اس شخص کا حال معلوم ہے جس نے ابراہیم کے ساتھ اس وجہ سے جھگڑا کیا کہ خدا نے اسے بادشاہت دی۔

اَنْ اٰتٰـــہُ اللّٰـہُ الْـمُلْکَ کے دو معنے ہیں: نمبر۱: اس وجہ سے کہ اللہ نے اس (مخالف) کو بادشاہت دی۔ نمبر۲: اس وجہ سے کہ اللہ نے ابراہیم کو بادشاہت دی۔ ظاہر ہے کہ دوسری صورت میں اس سے آسمانی بادشاہت ہی مراد ہوسکتی ہے نہ کہ زمینی۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو دنیوی بادشاہت نہیں ملی تھی۔ پس جب حضرت مہدی موعودؑ کو خداتعالیٰ کی طرف سے ابراہیمؑ نام دیا گیا تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ آپؑ کو بھی آسمانی بادشاہت دی جائے گی۔ چنانچہ آپ ملکہ ہند و برطانیہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:-

ایتھا الملیکۃ انااَحَدٌ من المسلمین رزقنی اللّٰہ عرفانہ واعطانی نورہ وضیاءہ ولمعانہ. واظھر علّی ملکوت السمٰوٰت وحَبّبھااِلی بالی وارانی ملک الارض وکرّھہ الیٰ قلبی وصرف عنہ خیالی. فالیوم ھوفی اعینی کجیفۃ او اَنْتَن منھا وکذاکل زینۃ الحیٰوۃ الدنیا والمال والبنون۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۳۵)

اے ملکہ میں ایک مسلمان ہوں۔ جس کو اللہ نے اپنا عرفان دیا۔ اور اپنا نور عطا کیا اور اپنی روشنی اور چمک دی اور اس نے میرے سامنے آسمانوں کی بادشاہت رکھی اور اس کو میرے دل کے لئے محبوب کیا اور اس نے مجھے زمین کی بادشاہت دکھائی اور اس کو میرے دل کے لئے مکروہ کیا اور اس سے میرے خیال کو پھیر دیا۔ پس آج وہ میری نظر میں مردار کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بدبودار۔ اور اسی طرح دنیا کی ہر ایک زینت اور مال اور بیٹے۔

دوسری جگہ فرمایا ؎

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

حضرت ابراہیمؑ کے جو اوصاف قرآن کریم نے بیان کئے ہیں اُن میں سے وصفِ وفا کا

اور آزمائشوں میں پورا اُترنے کے وصف کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس کے علاوہ آپؑ کو بار بار حنیف قرار دیا گیا۔ جس کے معنے توحید پر قائم ہونے والے اور اپنے تئیں خداتعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دینے والے کے ہیں۔ پس مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ کا نام دے کر قرآن کریم نے یہ اشارہ کیا کہ ان میں بھی یہ وصف پایا جائے گا۔ چنانچہ عملاً بھی یہی دیکھنے میں آیا۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''میں جو اس ملیک مقتدر کو پہچانتا ہوں تو اب میری روح اس کو چھوڑ کر کہاں اور کدھر جائے۔ یہ روح تو ہر وقت یہی جوش مار رہی ہے۔ کہ اے شاہِ ذوالجلال! ابدی سلطنت کے مالک سب ملک اور ملکوت تیرے لئے ہی مسلم ہے تیرے سوا سب عاجز بندے ہیں۔ بلکہ کچھ بھی نہیں۔''

آں کس کہ بتو رسد شہاں را چہ کند
بافرِّ تو فرِّ خسرواں را چہ کند
چوں بندہ شناخت بداں عز و جلال
بعد از تو جلال دیگراں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(درثمین فارسی مترجم صفحہ ۲۱۹، اشتہار ۲۵ر جون ۱۸۹۷ء مندرج تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۱۴۳ تا ۱۴۴)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

دیکھ میری روح نہایت توکّل کے ساتھ تیری طرف ایسی پرواز کر رہی ہے۔ جیسا کہ پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے سو میں تیری قدرت کے نشانوں کا خواہشمند ہوں۔ لیکن نہ اپنے لئے اور نہ اپنی عزّت کے لئے بلکہ اس لئے کہ لوگ تجھے پہچانیں اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں اور جس کو تو نے بھیجا ہے۔ اس کی تکذیب کر کے ہدایت سے دور نہ پڑ جائیں۔

(روح العرفان صفحہ ۴۱۵ بحوالہ اشتہار ۵ نومبر ۱۸۹۹ء)

اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ کس طرح خداتعالیٰ کے اور صرف خداتعالیٰ ہی کے ہوگئے تھے اور اس کی رضامندی کی خواہش جو اس سے سچی دوستی کا لازمہ ہے کس طرح آپؑ کے پاک دل میں ہر وقت موجزن رہتی تھی۔

لالہ دینا ناتھ صاحب ایڈیٹر اخبار ہندوستان درویش بیان کرتے ہیں کہ حکیم غلام نبی کے مکان پر ایک مجلس میں مرزا صاحب کا ذکر آگیا ''ایک شخص نے اُن کی مخالفت شروع کی لیکن اس رنگ میں کہ وہ شرافت اور اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم کو یہ سن کر جوش آگیا اور انہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں اُن کے دعاوی پر میرا یقین نہیں۔ اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن مرزا صاحب کی عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا میں قائل ہوں۔ میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمائش یا ریاکاری سے کام لیں گے اُنہوں نے مقدمات کے سلسلہ میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی تو بلاتامل بدل دیا۔ لیکن میں نے اپنی عمر میں مرزا صاحب ہی کو دیکھا ہے جنہوں نے سچ کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا۔ میں اُن کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا۔ اس مقدمہ میں میں نے ان کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا۔ اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اُنہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ اس میں تو جھوٹ ہے۔ میں نے کہا ''ملزم کا بیان حلفی نہیں ہوتا اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے بیان کرے۔ اس پر آپ نے فرمایا ''قانون نے تو اسے یہ اجازت دے دی ہے کہ جو چاہے بیان کرے مگر خداتعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی کہ وہ جھوٹ بھی بولے اور نہ قانون ہی کا یہ منشا ہے پس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا''۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ ''آپ جان بوجھ کر اپنے آپ کو بلا میں ڈالتے ہیں۔''

انہوں نے فرمایا:۔

> ''جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ میں قانونی بیان دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے خدا کو ناراض کرلوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ خواہ کچھ ہی ہو۔''

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ ان کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا میں نے یہ سن کر کہا کہ پھر آپ کو میری وکالت سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اس پر اُنہوں نے فرمایا کہ :-

''میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہوگا۔ یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہوگا۔ اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کرسکتی ہے میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایت اسباب ادب کا طریق ہے اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانتدار ہیں اس لئے آپ کو مقرر کیا ہے۔''

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے کہا :-

''نہیں۔ جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پرواہ ہوکر وہی داخل کرو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے۔ اور میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ موثر ہوگا۔ اور جس نتیجہ کا آپ کو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہوگا بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہوگا۔ اور اگر فرض کرلیا جاوے کہ دُنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو یعنی مجھے سزا ہوجاوے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں اس وقت اس لئے خوش ہوں گا کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی۔''

غرضیکہ مولوی فضل دین صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے اس طرح مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ مرزا صاحب نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھ دیا اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا کہ وہ کہتے تھے اس بیان پر وہ بری ہوگئے۔ (حیات طیبہ ۱۸۱،۱۸۲)

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کو حنیف کے علاوہ **اَوّاہٌ مُنِیب** بھی کہا گیا ہے جس کے معنی گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کرنے والے اور خدا کے حضور جھکنے والے کے ہیں۔ سو جب قرآن نے حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیم قرار دیا تو اس میں اشارہ تھا کہ یہ اوصاف ان میں بھی

پائے جائینگے۔چنانچہ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آپؑ ان اوصاف سے بدرجہ کمال متصّف تھے آپؑ کا لحہ لحہ دعاؤں میں گزرتا تھا۔ اگر کہا جائے کہ آپؑ کی زندگی سراسر دعا تھی تو اس میں ذرّہ بھر مبالغہ نہ ہوگا۔آپؑ کا اندازِ دعا ایسا تھا کہ آپؑ کے رفقاء کا کہنا ہے کہ آپؑ جب تنہائی میں مصروف دعا ہوتے تو آپؑ کے سینہ سے اس طرح آواز آتی جیسے ہنڈیا اُبل رہی ہو۔خود فرماتے ہیں ؎

بنالم بر درش زاں ساں کہ نالد
بوقت وضعِ حملِ بار دارے

اور اپنے رب کے حضور آپؑ کا رونا اور چلانا ایسا سچا اور بے ریا تھا کہ اُس کی جناب میں مقبول تھا۔ چانچہ ہزاروں نہیں لاکھوں بار آپ کو دُعا کرنے پر پہلے قبولیت کی بشارت دی گئی اور پھر بعینہٖ اس کے مطابق آپؑ کی مرادیں پوری کی گئیں۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں ؎

ہر مطلب و مراد کہ می خاستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بخاطر معیّنم

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

''میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیت دعا کی صورت میں آتا ہے میں نے اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے۔ ہاں آج کل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کرسکیں یا نہ دیکھ سکیں۔ تو یہ صداقت دُنیا سے اُٹھ نہیں سکتی۔ اور خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ میں قبولیت دُعا کا نمونہ دکھانے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔''

(ملفوظات جلد اوّل ص ۱۹۰)

اے کہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجاست
سوئے من بشتاب بنمایم ترُا چوں آفتاب

(برکات الدعا)

آپ کی قبولیت دعا کے چند نمونے اوپر کے صفحات میں پیش کئے جاچکے ہیں۔ طوالت

کے ڈر سے اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ورنہ آپ کی قبولیت دعا کے واقعات تو اس کثرت سے ہیں کہ وہ مستقل کتاب میں بھی سما نہیں سکتے ع

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے

==============

قرآن کریم کی رو سے حضرت مریمؑ کو پیدائش مسیحؑ (ناصری) کی بشارت کے ساتھ ہی اسکی دو بعثوں کی (جن میں سے دوسری مسیح قادیانیؑ کی صورت میں ہونیوالی تھی) خبر بھی دی گئی

اوپر کے صفحات میں ہم نے دکھایا ہے کہ شروع قرآن ہی میں آنحضرتﷺ کے بعد ایک احمد رسول کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے اور یہ اشارات قرآن کریم میں موجود ہیں کہ موعود احمدؑ ساتویں ہزار کا آدم ہوگاا اور اسکا آنا ابتداءِ آفرینش ہی سے مقدّر ہے۔ نیز یہ کہ وہ مسلمانوں کے مثیلان یہود بن جانے کے وقت مثیلِ مسیح بن کر آئیگا اور ابراہیم وقت بھی ہوگا۔ بلکہ سب نبیوں کے نام پائیگا کیونکہ اسکے ذریعہ تمام بنی آدم یعنی تمام نبیوں کے ماننے والوں کو دین واحد پر جمع کرنا مقصود ہوگا۔ اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے جب والدہ مسیحؑ کو مسیحؑ کی بشارت دی گئی تو اسکے ساتھ ہی اسکے ایک اور بعث کی یعنی مسیح موعودؑ کے آنے کی بشارت بھی دی گئی۔

سورۃ آل عمران میں یہ ذکر ہے کہ حضرت مریمؑ کو بیٹے کی خبر دیتے ہوئے ملائکہ نے کہا:

یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَ جِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (۴۶) وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلاً وَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (۴۷)

اے مریم! اللہ تجھے اپنی جناب سے (ملنے والے) ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں عزت پائیگا۔ اور مقربین (الٰہی) میں سے ہوگا۔ اور لوگوں سے (زمانہ) مہد میں کلام کرے گااور کہل ہو کر بھی (کلام کرے گا)اور صالحین میں سے ہوگا۔

اسمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے دو زمانوں مہد اور کہل میں لوگوں سے کلام کرنے کا ذکر ہے۔ درمیانی زمانہ کا نہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مقصود یہ بتانا تھا کہ وہ بچپن میں فوت نہیں ہوگا بلکہ ادھیڑ عمر کو پہنچے گا۔ بیشک اس سے یہ اشارہ ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتراض بھی پڑتا ہے کہ کیا انہوں نے درمیانی زمانہ میں گنگ رہنا تھا جو دو الگ الگ زمانوں کا ذکر کیا۔ ''مہد سے کہل'' تک کے الفاظ کیوں نہیں رکھ دیئے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسکی حکمت معلوم نہ ہوسکے تو یہ اعتراض وزنی ہوگا۔ لیکن قرآن کریم تو **لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ.** کا مصداق ہے(جس کے معنے یہ ہیں کہ جھوٹ نہ اس کے سامنے سے آکر موثر حملہ کرسکتا ہے نہ پیچھے سے آکر) اسلئے ضروری ہے کہ اس طرز کلام میں کوئی خاص حکمت ہو۔

دراصل مفسرین نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ کہ اس آیت میں جس طرح حضرت مسیحؑ کے مہد اور کہل کے درمیانی عرصہ میں کلام کرنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح کہولت کے بعد کے زمانہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ آئمہ لغت میں سے کسی کے نزدیک بھی کہولت کا زمانہ ساٹھ اکسٹھ سال سے آگے نہیں جاتا اور حدیث نبوی کے مطابق حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

بات دراصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض صرف اُسی صورت میں پڑتا ہے جو کلام سے عام کلام مراد لیا جائے۔ ورنہ اگر اس سے خاص کلام مراد ہو تو یہ اعتراض ہرگز نہیں پڑتا۔ کیونکہ کسی شخص کا دو موقعوں پر خاص کلام کرنا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ درمیانی عرصہ میں یا ان زمانوں کے بعد کے عرصہ میں اس نے بالکل کلام ہی نہیں کیا۔ اور یہاں خاص کلام ہی مراد ہے۔ کیونکہ سورۃ المائدہ میں بھی **تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ کَهْلًا** کے الفاظ آتے ہیں اور وہاں ان سے پہلے حضرت مسیحؑ کے روح القدس سے مویّد ہونے کا ذکر بھی ہے۔ اور روح القدس سے تائید پاکر جو کلام کیا جائے وہ عام کلام ہوسکتا ہی نہیں اور نہ پنگھوڑے کے بچے کا کلام ہوسکتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہاں المھد سے تیاّری کا زمانہ مراد ہے جیسے قول ربّانی **وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا**

(اَلْمُدَّثِّر ۷۴:۱۵) میں یہ مادہ تیاری ہی کے معنٰی میں آیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاص کلام سے کیا مراد ہے سو اگر تو کلام فی المھد اور کہولت کا کلام دونوں بعد از نبوّت کے ہوں تو اسمیں شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس سے خدا تعالیٰ کی رسالت کا لوگوں تک پہنچانا ہی مراد ہے۔ کیونکہ نبی کا ہمہ وقت یہی کام ہوُا کرتا ہے لیکن اگر ان میں سے مھد کا کلام قبل از نبوّت کا ہو تو پھر اس سے مراد محض حقّ و حکمت کی باتیں ہونگی۔

اگر پہلی صورت ہو یعنی کلام فی المھد اور کھولت کا کلام دونوں بعد از نبوّت کے کلام ہوں تو اس پر سوال ہو گا کہ نبی تو ساری عمر ہی خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا رہتا ہے۔ پھر اس آیت میں زمانۂ مھد اور زمانہ کہولت کے درمیانی زمانہ اور اسطرح کہولت کے بعد کے زمانہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا اور ایسا کیوں ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ماموارنہ زندگی کے چار حصےّ کر کے ان میں سے پہلے حّصہ کو لے لیا گیا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیا گیا ہے پھر تیسرے کو لے لیا گیاہے اور چوتھے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اسی صورت میں ہوسکتا ہے جو **یُکَلِّمُ النَّاسَ** میں کلام کرنے سے مراد کلام کا آغاز کرنا ہو اور مطلب یہ ہو کہ وہ دو دفعہ اپنی دعوت کا آغاز کرینگے۔ مگر ایک چیز کے دو آغاز کیسے؟ سو جاننا چاہئے کہ حضرت مسیحؑ نبی اللہ تھے۔ پس ان کے دو دفعہ آغاز دعوت کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں۔ پہلی صورت یہ ہوسکتی تھی کہ وہ ایک جگہ سے اپنی دعوت کا آغاز کرتے پھر وہاں سے ہجرت کرجاتے۔ ان کا دارالہجرت کوئی دور دراز مقام ہوتا جہاں پہنچنے کے لئے ایک مدت دراز درکار ہوتی اور وہاں پہنچ کر انکا تبلیغِ رسالت کرنا اپنے کام کو از سرنوشروع کرنے کی مانند ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ انکے دو بعث مقدّر ہوتے۔ اور یہ اشارہ کرکے کہ وہ دو بار اپنی دعوت کا آغازکرینگے دراصل یہ دونوں باتیں بتائی گئی تھیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مریمؑ کو جو خوشخبری حضرت مسیح کے بارہ میں دی گئی تھی اس میں **یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلاً** سے پہلے **وَجِیْھاً فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ** کے الفاظ بھی ہیں۔ دنیا کا لفظ اَدْنٰی کا مونث ہے۔ جو'' قریب تر'' کے معنی میں آتا ہے۔ خواہ یہ قریب تر ہونا بلحاظ مقام ہو جیسے سورۃ اَلرُّوْم ۳۰:۴ کے الفاظ **فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ** میں یا بلحاظ وقت ہو جیسے سورۃ اَلْمُزَّمِّل ۷۳:۲۱ کے الفاظ **اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْل** میں۔ اسی طرح لفظ ''اٰخِرَۃ'' کے معنی پیچھے آنیوالی چیز یا کسی چیز کے آخری سرے کے ہوتے ہیں۔ خواہ اس کا تعلق

وقت سے ہو یا مقام سے۔ چنانچہ **السّاعَۃُ الاٰخِرۃ** بھی کہتے ہیں۔ اور **اَلْدَّارُ الْاٰخِرۃ** بھی کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ **الـدّنیا** اور **الاٰخِـرۃ** کے الفاظ بالمقابل آئے ہیں اسلئے اگر'' **الـدّنیا** '' سے قریب کا مقام مراد لیں تو ''**الاٰخِرۃ**'' سے دور کا یا آخری مقام مراد لینا ہوگا اور اگر ''**الدّنیا**'' سے قریب کا زمانہ مراد لیں تو ''**الاٰخِرۃ**'' سے دور کا یا آخری زمانہ مراد لینا ہوگا۔اب اگر ''**الدّنیا**'' اور ''**الاٰخِرۃ**'' سے علی الترتیب قریب کا مقام اور دور کا (یا آخری) مقام مراد ہو تو **وَجِیۡھاً فِی الـدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃ** کے الفاظ میں بتایا یہ گیا تھا کہ حضرت مسیحؑ کو ایک وجاہت قریب کے مقام پر ملے گی اور ایک وجاہت دور کے مقام پر ملے گی (جو انکی سیّاحانہ زندگی کی آخری منزل یعنی **ذَاتِ قَـرَارٍ** کا مصداق مقام ہوگا)۔ گویا اس میں انکی ہجرت کی طرف اشارہ تھا۔ (یہ تورات کے محاورہ کے بھی عین مطابق ہے جس میں بنی اسرائیل کی جلا وطنی کی زمین کو ''ارض آخرۃ'' کہا گیا ہے۔) اور اگر ''الدنیا'' اور ''الاٰخرۃ'' سے علی الترتیب قریب کا اور دور کا زمانہ یا آخری زمانہ مراد ہو تو اسمیں انکی دو بعثتوں کیطرف اشارہ کیا گیا۔ ایک قریب کے زمانہ کی بعثت۔ اور ایک آخری زمانہ کی بعثت۔ اور بتایا گیا کہ دوسری بعثت کے وقت وہ کہولت کی عمر کو پہنچ چکے ہونگے یعنی جیسا کہ آگے وضاحت آئیگی۔ پچاس سال سے زیادہ کے ہو چکے ہونگے چنانچہ یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمدؑ کی ذات میں جنہیں خدا تعالیٰ نے مثیل مسیح بنا کر بھیجا لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح سورۃ آل عمران کی زیر نظر آیتوں کی مخاطب حضرت مریم ہیں اسی طرح اس سے پہلے کی آیتوں کی بھی وہی مخاطب ہیں۔ لیکن انکے درمیان میں روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف کر کے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡبَاءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ

اے رسول یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں۔

غیب کا تعلق ماضی سے بھی ہوسکتا ہے اور مستقبل سے بھی۔ پس یہ الفاظ درمیان میں لاکر خدا تعالیٰ نے خود بتا دیا تھا کہ ان آیات میں ماضی کے متعلق بھی ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو اسوقت (یعنی نزول قرآن کے وقت) پردہ غیب میں ہیں اور مستقبل کے متعلق بھی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ زمانہ مہد اور کہولت ہر دو کے کلام کو بعد از نبوّت کا کلام قرار دیکر

لکھا گیا ہے۔لیکن اگر انمیں سے مھد میں کلام کرنا نبی بننے سے پہلے ہو تو (سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۱ کے مطابق) اس سے پہلے حضرت مسیحؑ کا روح القدس سے مؤیّد ہونا مدّنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ آل عمران کے الفاظ **يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَ كَهْلاً** میں یہ خبر دی گئی تھی کہ مسیح اپنی سمجھ بوجھ کی عمر کو پہنچتے ہی (کیونکہ اس سے پہلے انسان **مِنَ الصّٰلِحِين** نہیں کہلا سکتا اور نہ روح القدس کی تائید کا مستحق ہوسکتا ہے) یعنی آغاز جوانی ہی میں عام لوگوں سے یا اگر **النَّاس کا ال تخصيص** کا ہو تو علماء سے دینی امور کے بارہ میں گفتگو کیا کرینگے اور کہولت کی عمر میں بھی کیا کرینگے۔لیکن بعد کہولت کے کلام کا ذکر نہ کرکے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اس کے بعد آپؑ وہ خاص کلام کرنا جو یہاں مراد ہے ترک کردینگے۔ اب ظاہر ہے کہ دینی امور اور عقائد حقّہ کے بارہ میں گفتگو کرنے سے تو نبی اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی باز نہیں رہ سکتا۔ اسلئے **يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلاً** میں مسیح کی لوگوں کے ساتھ کسی ایسی ہی گفتگو کا ذکر مراد ہوسکتا ہے جو دینی امور کے بارہ میں ہو اور ایسی ہو کہ کوئی شخص نبی بننے سے پہلے بھی ویسی گفتگو کرسکتا ہو اور بعد میں بھی کرسکتا ہو۔ لیکن جس کا ایک مدّت کے بعد ترک کردینا خلاف منصبِ نبوّت بھی نہ ہو۔ سو ظاہر ہے کہ اس سے مناظرانہ گفتگو ہی مراد ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ایکطرف نبیوں کی ایسی گفتگو کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اور دوسری طرف یہ ہے بھی ایسی چیز کہ اس کا صرف ایک مدّت تک جاری رکھنا ہی قرینِ حکمت ہوسکتا ہے۔ ورنہ اس سے طبائع میں ضد کے پیدا ہوجانے اور حق جوئی کے جذبہ کی بجائے ہار جیت کے جذبہ کے دلوں پر غالب آجانے کا امکان ہوتا ہے۔

===============

یہ پیشگوئی کہ مسیح موعودؑ جوانی ہی سے لوگوں کے ساتھ مناظرے کیا کرے گا مگر نبی بننے کے کچھ عرصہ بعد انکو ترک کردے گا

اب ہم نے دیکھنا ہے کہ قرآن کریم نے جو یہ بات جس کا اوپر ذکر ہوا بیان کی تو اس سے اسکی کیا غرض تھی؟ سو جاننا چاہیے کہ قرآنی قصص بطور پیشگوئی ہوتے ہیں۔ اور اس ذکر میں یہ پیشگوئی تھی کہ اُمّت محمدیہ میں بھی ایک مسیح آئے گا۔ جو آغاز جوانی میں ہی لوگوں کے ساتھ

دینی امور میں مناظرے کرے گا۔ اور کہولت کی عمر میں بھی کریگا۔ لیکن پھر یہ طریق تبلیغ ترک کردیگا۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی ذات میں یہ پیشگوئی بتمام و کمال پوری ہوئی۔ دعویِ نبوّت سے پہلے اپنی جوانی میں ہی آپؑ نے لوگوں سے مناظرات شروع کردئے تھے۔ اور دعوٰیِ نبوّت کے بعد بھی اس شغل کو ایک مدّت تک جاری رکھا۔ مگر پھر ایک وقت آیا کہ آپؑ نے اعلان فرما دیا کہ آئندہ کسی سے مناظرہ نہیں کرینگے۔ (دیکھیں انجام آتھم و مجموعہ اشتہارات نمبر۳)

اس موقعہ پر سوال ہوسکتا ہے کہ اگر کلام سے حضرت مسیح کا دینی امور میں لوگوں کے ساتھ مناظرانہ گفتگو کرنا مراد تھا تو زمانہ مھد کے کلام اور زمانہ کہل کے کلام کو الگ الگ کیوں بیان کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اسلئے کیا گیا کہ اپنے زمانہ مھد اور کہل ہونے کے درمیانی عرصہ میں انہوں نے منصبِ نبوّت پر فائز ہو جانا تھا۔ اور انکی اسکے بعد کی حیثیت اور لوگوں سے گفتگو کا رنگ اس سے پہلے کی حیثیت اور گفتگو کے رنگ سے بالکل نرالا اور نئی شان کا ہو جانا تھا۔

===============

مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی دعوٰی کے وقت عمر اور آپکا عہدِ رسالت

جیسا کہ آگے ذکر آئیگا قرآن نے آئندہ بھی ایک نوح کے آنیکی خبر دی ہے۔ اور مسیح موعود کا ایک نام نوح بھی رکھا ہے۔اور حضرت نوحؑ کے متعلق اسنے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَھُمُ الطُّوْفَانُ وَھُمْ ظَالِمُوْنَ

(العنکبوت ۲۹:۱۵)

اور ہمنے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہا (اس کی قوم نے اس کا انکار کیا) اس لئے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے طوفان نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سَنَۃ کا لفظ شمسی سالوں کے لئے آتا ہے۔ اور عامٌ کا لفظ قمری سالوں کے لئے۔ اس آیت میں ہزار شمسی سالوں میں سے پچاس قمری سال منہا کئے گئے ہیں جو بلا وجہ نہیں ہوسکتا۔

بات یہ ہے کہ ہزار سال یا اس کے قریب انسان کی طبعی عمر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ حضرت نوحؑ کا زمانہ نبوّت تھا۔ پس اسمیں سے جو پچاس سال منہا کئے گئے تو اس سے غرض یہ بتانا ہی ہوسکتی تھی کہ دعویٰ نبوّت سے پہلے حضرت نوح پر پچاس سال گزر چکے تھے۔ لیکن پچاس شمسی یا پچاس قمری سالوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ حضرت نوحؑ کی دعویٰ کے وقت کی ٹھیک ٹھیک عمر معلوم ہوجانے سے قارئین قرآن کو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے سنہ کی بجائے جو عامؒ کا لفظ جو قمری سالوں کے لئے آتا ہے لایا گیا تو اس سے غرض یہی بتانا ہوسکتی تھی کہ آئندہ آنیوالا نوح یعنی مسیح موعودؑ اپنے دعویٰ کے وقت قمری لحاظ سے پچاس سال کا ہوچکا ہوگا۔ اور اس کے لئے قمری سالوں کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ اسکی حیثیت آسمانِ روحانیت کے شمس محمد رسول اللہﷺ کے بالمقابل قمر کی ہونی تھی۔ پس آیت **یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلاً** میں تو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ دعویٰ کے وقت وہ اپنی عمر کے زمانہ کہولت کو پہنچ چکا ہو گا۔ لیکن لفظ کہل کا اطلاق چونکہ بھر پور جوان پر بھی ہوتا ہے اور ۵۰ سالہ انسان پر بھی۔ اسلئے اسنے سورۃ العنکبوت کی اس آیت میں کھول دیا کہ اس وقت وہ پچاس سال کا ہوچکا ہوگا۔ چناچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق آپؑ کی پیدائش ۱۳رفروری ۱۸۳۵ء یعنی ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ اور ٹھیک ۱۳۰۰ھ آپؑ کے دعویٰ کا سال ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ آنخضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب ۱۲۴۰ سال گذر جائینگے تو مہدی کا ظہور ہوگا۔ یہ عرصہ حضورؐ کی رحلت سے شمار کریں تو ۱۲۵۰ ہجری کا سال بنتا ہے۔ اس اعتبار سے آپؐ نے مہدی کی پیدائش کا سال قمری حساب سے بتایا اور قرآن کریم نے اپنی اس آیت میں اسکے دعویٰ کا سال قمری سالوں ہی میں بیان فرمایا۔

اس آیت میں حضرت نوحؑ کا عہدِ نبوّت بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کتنا تھا اور ان کی دعویٰ کے وقت کی معیّن عمر بھی بتائی گئی ہے مگر سارے قرآنِ کریم میں کسی اور نبی کے بارہ میں یہ باتیں بتائی نہیں گئیں۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ آج تک نہ کسی نے یہ سوال اٹھایا ہے نہ اس کا جواب دیا ہے۔ آج اللہ کے فضل سے اس کا جواب پیش کیا جا رہا ہے بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے آئندہ زمانہ میں جس نبی کے آنے کی پیشگوئی فرمائی اس نے یعنی مہدی معہود المسیح الموعودؑ نے بشمولیت حضرت نوحؑ تمام نبیوں کے نام پانے تھے مگر سب نبیوں میں سے صرف حضرت نوحؑ کے عہدِ نبوّت اور دعویٰ کے وقت کی عمر کو آپؐ کے عہدِ نبوّت اور دعویٰ

کے وقت کی عمر سے مطابقت ہونی تھی۔ اس لئے صرف حضرت نوحؑ کے تعلق میں ان دونوں باتوں کا ذکر کیا گیا اور ایسا کر کے جہاں یہ بتا دیا کہ دعویٰ کے وقت مہدی موعودؑ کی عمر پچاس سال ہو چکی ہوگی وہاں یہ بھی بتا دیا کہ اس کا عہدِ رسالت ہزار سال کا ہوگا۔ چنانچہ آپؑ نے خود بھی فرمایا

''میں مجددِ صدی بھی ہوں اور مجددِ الف بھی''

===============

مسیح موعودؑ اُمّتیِ ،اُمّت کا امام،حکم اور شاہدو مشہود ہو گا

جیسا کہ اوپر کے صفحات میں واضح کیا جا چکا ہے۔ سورۃ الفاتحہ،بقرہ اور آلِ عمران میں مہدی مسعودالمسیح الموعودؑ کے آنے کی خبر دی گئی اور اس کے ساتھ ان کے بارہ میں کئی اور باتیں بیان کی گئی تھیں۔ لیکن بعض لوگوں نے آئندہ ایک مسیح کے آنے کی پیشگوئی سے یہ سمجھنا تھا کہ مسیح ابنِ مریمؑ ہی نے دوبارہ دنیا میں آنا ہے اس لئے اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیات ۱۱۷تا۱۱۹ میں مسیحؑ کی زبان سے اس بات کے اقرار کا ذکر فرما کر کہ اپنی قوم کے اسے اِلٰہ ٹھہرانے سے پہلے وہ فوت ہوچکا تھا۔ خداتعالیٰ نے یہ بتایا کہ جس مسیحؑ کے آئندہ آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے وہ ۱۹۰۰سال پہلے والا مسیحؑ نہیں ہوگا بلکہ اس کی خُوبُو والا کوئی شخص ہوگا جو اُمّتِ محمدیہ میں سے برپا کیا جائے گا (کیونکہ آیت **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ**۔ النسآء۴:۷۰۔ کے مطابق آئندہ مقامِ نبوّت بلکہ کوئی بھی روحانی درجہ آنحضورؐ کی اتباع کے بغیر ملنا ممکن نہیں۔) اس کے بعد سورۃ التوبہ کی آیت **هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** میں بتایا کہ اس کا آنا اسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غلبہ دلانے کے لئے ہوگا۔ اور اس کے بعد سورۃ ھود کی آیت نمبر۱۸ میں یہ فرمایا کہ :-

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً

کیا وہ (شخص) جو اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر قائم ہو اور اس کی

پیروی ایسے گواہ کریں جو اس میں سے ہوں۔ اور اس سے پہلے کتاب موسٰی جو امام اور رحمت ہے (اس کی خبر دینے والی موجود ہو۔ جھوٹا ہو سکتا ہے؟)

اس میں آنحضرتؐ کی صداقت کے تین ثبوت پیش کئے گئے ۔

نمبر۱: یہ کہ آپؐ بیّنہ پر قائم ہیں یعنی قطعی اور یقینی وحی۔ غیر معمولی استقامت۔ نہایت پاک اور بے داغ زندگی اور خلق عظیم وغیرہ کھلے کھلے نشان ساتھ رکھتے ہیں۔

نمبر۲: یہ کہ آپؐ کی اتباع کرنے والے جو آپؐ میں سے ہیں (اپنے اندر پیدا ہونے والی پاک تبدیلی کی بنا پر) آپؐ کی سچائی کے گواہ ہیں اور ہوں گے۔ اور

نمبر۳: یہ کہ آپؐ سے پہلے کتاب موسٰیؑ نے آپؐ کے آنے کی خبر دی ہوئی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ **شَاهِدٌ مِّنْهُ** کی ضمیر جس طرح آنحضرتؐ کی طرف جاسکتی ہے اسی طرح خداتعالیٰ کی طرف بھی جاسکتی ہے۔ بلکہ لفظ رب کی وجہ سے جو اس سے معاً پہلے آیا ہے اس کی طرف اس کا پھیرا جانا (یعنی ایک معنے ضمیر کو اس کی طرف پھیر کرلینا بھی) ضروری ہے۔ اور اگر **مِنْهُ** کی ضمیر رب کی طرف ہو تو اس آیت میں بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور آپؐ کی اتباع کرتا ہؤا (آپؐ کی صداقت کا) ایک گواہ آپؐ کے رب کی طرف سے (یعنی اس کا رسول ہوکر) بھی آنے والا ہے۔

خداتعالیٰ کے علم میں تھا ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں یہ سمجھا اور کہا جائے گا کہ محمدرسول اللہ ﷺ کا عہدِ نبوّت اب نعوذ باللہ ختم ہو چکا ہے اور موجودہ حالات میں قرآنی تعلیمات نہ تو کافی ہیں اور نہ سب کی سب قابلِ عمل ہیں۔ چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں لاکھوں لوگ جو بہائی کہلاتے ہیں بعینہٖ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اس نے اس آیت میں اس اعتراض کا جواب بھی رکھ دیا اور بتایا کہ اس زمانہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے رب کی طرف سے ایک رسول آئے گا جو آپؐ کی اتباع کرے گا بلکہ آپؐ کی اتباع کی برکت ہی سے رسول بنایا جائے گا اور آکر آپؐ کی صداقت پر اور اس بات پر کہ آپؐ کا افاضہ روحانیہ جاری ہے اور قرآن اب بھی ویسا ہی قابلِ عمل ہے جیسا کہ پہلے تھا گواہی دے گا۔ آگے ہے:-

اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

جو لوگ ان باتوں کو مدِّنظر رکھتے ہیں وہی محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ بھی ایسے ہی لوگ ایمان لائیں گے۔ چونکہ الفاظ **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَاماً وَّ رَحْمَةً** سے مقصود یہ بتانا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سچے ہیں اور آپؐ پر ایمان لانا چاہیے اسلئے اس جملہ **اُوْلٰٓئِکَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** کے یہ معنے بھی ہیں کہ جو آنحضورؐ پر ایمان لاتے ہیں وہ اس شاہد پر بھی جو خدا کی طرف سے آئندہ آنے والا ہے ایمان لائیں گے۔ باالفاظ دیگر یہ کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے ان کا درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں ہوگا گو منہ سے لاکھ دعویٰ ایمان کرتے رہیں۔

اس آیت میں آئندہ آنے والے ایک گواہ کا ذکر بتاتا ہے کہ وہ اُمّت میں ایک منفرد حیثیت رکھنے والا ہوگا۔ اور **مِنْهُ** کا لفظ اگر (اس کی ضمیر کا مرجع خدا تعالیٰ ہو) بتاتا ہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہوگا۔ اور یہ لفظ ،اگر اس کا مرجع محمد رسول اللہ ﷺ ہوں تو یہ بتاتا ہے کہ وہ آپؐ میں سے ہوگا یعنی آپؐ کا روحانی فرزند ہوگا اور **شَاهِدٌ مِّنْهُ** کے الفاظ کا کتاب موسیٰ کے بالمقابل لایا جانا اور کتاب موسیٰ کی صفت امام اور رحمت ہونا بیان ہونا بتاتا ہے کہ وہ شاھد اُمّت کا امام ہوگا اور اس کا وجود سراسر رحمت ہوگا۔ اور چونکہ رحمت مجسم آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے اس کا یہ مطلب بھی ہوا کہ وہ آپؐ کا بروز اور عکس ہوگا۔

===============

اُمّتِ مُسلمہ کے کئی فرقے ہوجانے اور ان میں سے صرف فرقہ احمدیہ کے ناجی ہونے کی خبر

اُوْلٰٓئِکَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کے بعد ہے:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ

اور احزاب میں سے جو اسکا کفر کریگا آگ اسکا موعودہ (ٹھکانہ) ہوگی۔

اس میں صرف **وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ** نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد **مِنَ الْاَحْزَابِ** کے الفاظ بھی بڑھائے ہیں۔ چونکہ **اُوْلٰٓئِکَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** کا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی ہے اور موعود شاہد یعنی مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ہے اس لئے زیرِ نظر الفاظ کا تعلق بھی ان دونوں سے

ہے اور ان میں بتایا یہ گیا کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں کتاب موسیٰ کے ماننے والوں کے کئی فرقے ہو چکے ہیں اسی طرح موعود شاہد کے وقت مسلمانوں کے کئی فرقے ہو چکے ہوں گے اور جس طرح اس وقت یہود کے تمام فرقوں میں سے جو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتا ہے آگ اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ اسی طرح مسلمانوں کا جو فرقہ بھی موعود شاہد یعنی مسیح موعودؑ کا انکار کرے گا اس کا ٹھکانہ بھی آگ ہوگا اور صرف مسلمان کہلا لینا اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے بوضاحت فرمایا کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمّت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی وہ سب آگ میں ڈالے جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے (اور جب پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں تو حضورؐ نے فرمایا **مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِىْ** وہ وہ فرقہ ہے جو میری اور میرے صحابہؓ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا (حدیقۃ الصالحین صفحہ ۸۵۵ بحوالہ ترمذی و جامع الصغیر و ابن ماجہ) اور ایک اور موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ **اَلَا وَهِىَ الْجَمَاعَةُ** خبردار وہ ایک جماعت ہونگے یعنی انکا ایک واجب الا طاعت امام ہوگا)۔ اور اس پیشگوئی کے موعودؑ نے بھی فرمایا ''خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ ''جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ ہوگا وہ کاٹا جائیگا بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ'' (تذکرہ)

ظاہر ہے کہ جب اُمّت کے اتنے فرقے ہوجائیں گے اور بمطابق آیت **كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ** (اَلرُّوْم ۳۰:۳۳) انمیں سے ہر فرقہ جو معنے وہ قرآن کے کر رہا ہوگا انہی پر اتراتا پھرے گا اور انہی معنوں کو اصل تعلیم قرآن سمجھ رہا ہوگا تو اسوقت لازماً ایک حَکَم کی ضرورت ہوگی۔ پس اس حکم کو ماننے والا فرقہ ناجی ہوگااور دوسرے ناری ہونگے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے آنیوالے عیسی ابن مریم یا مہدی کے متعلق فرمایا کہ وہ اُمّت میں حکم و عدل بن کر آئیگا اسلئے اسمیں شبہ نہیں کہ موعود شاہد سے وہی مراد ہے۔

اب دیکھئے ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے خلاف جو فیصلہ پاکستان کی حکومت نے کیا اس کے بعد بعض اخبارات نے برملا لکھا کہ بہتّر کے بہتّر فرقے ایک طرف ہیں ۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے احمدیوں کو حقیر کرنے کے لئے یہ بات کی مگر اس طرح نادانستہ طور پر وہ اس بات پر گواہ ٹھہر گئے کہ تہتّر فرقوں میں جو ایک فرقہ سب سے الگ ہے وہ فرقۂ احمدیہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق باقی سب ناری اور وہی ایک ناجی فرقہ ہے۔ اس کا واقعاتی ثبوت یہ ہے کہ

فرقہ احمدیہ کے بے شمار لوگ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق رکھنے والے اور صاحب کشف و الہام ہیں اور اسکی ابتداء سے اب تک کہ سو سال بیت چکے ہیں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ ان میں کئی کئی صاحب کشف و الہام موجود نہ ہوں۔ جبکہ باقی بہتر فرقوں میں سے کسی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس نعمت سے سرفراز ہو۔ اس موقع پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ آنحضرتﷺ کے بعد ایک شاہد کا آنا خدا تعالیٰ کی سنت مستمرہ کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ سورۃ البروج میں ہے:

والسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ(۲) وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ(۳) وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ(۴) قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ(۵) النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ(۶)

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور یوم موعود کی اور شاہد اور مشہود کی خندقوں والے ہلاک ہو گئے (یعنی ضرور بضرور ہلاک ہونگے۔)

بروج سے علم ہیئت والوں کے قرار دئے گئے ستاروں کی گردش کے مقامات بھی مراد لئے گئے ہیں۔ مگر آنحضرتﷺ نے ان سے کواکب مراد لئے ہیں۔ کوکب اس ستارے کو کہتے ہیں جو **فی ذاتہٖ** روشن ہو۔ یہاں یہ لفظ استعارۃً انبیاء کیلئے استعمال ہؤا ہے۔ اور ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ جب بھی دنیا میں کوئی نبی آتا ہے اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ مگر نہ تو اس کے مخالف فوراً پکڑے جاتے ہیں اور نہ ہی اسکے ماننے والوں کو فوراً غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ ہاں اس یوم موعود کے آنے پر کافروں کو ہلاک کرکے ان میں اور مومنوں میں ضرور فرق کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ معاملہ ہر صاحب شریعت نبی کے عہد میں کھلے کھلے طور پر دو دفعہ پیش آتا ہے۔ ایک دفعہ اسکے عہدِ نبوّت کے ابتدائی زمانہ میں جو اس کا حینِ حیات یا اس کے قریب کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور دوسری دفعہ اس کے عہد کے آخری حصہ میں جب ایک ایسا نبی مبعوث ہوتا ہے جس کا اس صاحب شریعت نبی کے ساتھ شاہد اور مشہود کا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی ایک اعتبار سے ان میں سے پہلا مشہود اور دوسرا شاہد ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے پہلا شاہد اور دوسرا مشہود ہوتا ہے۔ پس چونکہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے ضرور تھا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ کے عہد نبوّت میں بھی ایسا ہی ہو۔ چنانچہ یہی بات **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى** میں بتائی گئی کہ جس طرح

آنحضورﷺ سے پہلے کتاب موسیٰ ہے جس کے آپؐ مُصَدِّق ہیں اور جو آپؐ کی مُصَدِّق ہے اسطرح آپؐ کے بعد بھی ایک شخص آئیگا جس کے آنے پر اور اسکی سچائی پر آپؐ شاہد ہیں ۔ اور جو اپنے وجود میں آپؐ کی پیش گوئیوں کو پورا کرنیوالا اور آپؐ کی صداقت کا گواہ ہوگا۔

اس نبی کے ظہور، مقام ظہور اور وقت ظہور کی خبر قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے اور اس کے ساتھ یہ اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ اس کا ظہور ایک رنگ میں اس کے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ ہی کا ظہور ہوگا۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل کے شروع میں ہے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (آیت۲)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے مبارک کیا۔ لے گیا تا کہ اسے اپنی آیات دکھائے یقیناً وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اسریٰ کا لفظ آتا ہی رات کے سفر کیلئے ہے۔ اسلئے اسریٰ بعبدہٖ کیساتھ جو لیلا کا لفظ بڑھایا گیا تو اس سے ظاہر ہے کہ مقصود یہ اشارہ تھا کہ یہاں دوقسم کی راتوں کا ذکر ہے۔ ایک ظاہری رات کا اور ایک معنوی یعنی مجازی رات کا۔ ظاہری رات کو چونکہ رویاء و کشوف سے مناسبت خاص ہوتی ہے اسکا ذکر کرکے یہ سمجھایا گیا کہ اس سفر پر جانا آنحضورﷺ نے کشفی طور پر اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا تھا اور معنوی رات کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ اس سفر کا تعلق مصائب و آلام کے زمانہ سے ہوگا۔ مگر رویاء یا کشف میں کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا نظارہ کروا دینا کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس کیلئے خدا تعالیٰ کے ہر کمزوری سے پاک ہونے کا ذکر ضروری ہو اسلئے اس سے پہلے جو سبحٰن الذی کے الفاظ لائے گئے تو اس سے قطعی طور پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ نظارہ ایک ایسے امر کے بارہ میں پیشگوئی کے طور پر تھا جسے وہ ہستی ہی پورا کرسکتی تھی جو ہر کمزوری سے پاک ہو۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ الفجر کی ابتدائی آیات میں دس مسلسل آنیوالی راتوں کی پیشگوئی کی گئی تھی اور انہیں ایک رات قرار دیکر یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ انسے معنوی راتیں مراد ہیں اور جیسا کہ متعلقہ نوٹوں میں ہم نے واضح کیا ہے جہاں تک حضرت نبی کریمﷺ کی شخصی زندگی

کے زمانہ کا تعلق تھا انسے حضوؐر کے دعویٰ کے پہلے تین سالوں کے (جنہیں وہاں فجر کا زمانہ قرار دیا گیا تھا) بعد آنیوالا مسلسل دس سالہ مصائب کا زمانہ اور آپؐ کی قومی زندگی کے تعلق میں ان سے پہلی تین صدیوں (خیر القردن) کے بعد آنیوالا دس سو سالہ مصائب کا زمانہ مراد تھا اور مذکورہ پہلے دس سالوں کے بعد ہجرت از مکّہ کی خبر اوراسکے ترقیات اسلام کا پیش خیمہ ہونیکی خبر بھی وہاں ساتھ ہی دی گئی تھی۔ اسلیئے سورۃ الفجر میں دی جانیوالی ان خبروں کی روشنی میں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل کی زیرِ نظر آیت میں آنخضوؐر کے رات کے جس سفر کی خبر دی گئی اس سے آنخضوؐر کا یہی سفر ہجرت مراد تھا اس آیت کے الفاظ **لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا** بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر ایسے سفر کا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بہت سے خاص نشان ظاہر ہونگے اور وہ یہی سفر تھا۔ آیت کے آخری الفاظ **اِنَّهٗ هو السميع البصير** سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے اور معلوم ہوتاہے کہ اللہ کے عبد خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ (اور آپکے ساتھیوں نے جو آپ ہی کے شجر وجود کی شاخ تھے آپ سے الگ نہیں تھے) نے مصائب سے تنگ آ کر ایسی درد ناک دعائیں کی ہیں جو خدا کے عرش تک پہنچی ہیں اور اسنے سن لی ہیں اور بچشم خود بھی دیکھ لیا ہے کہ حالات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے مقتضی ہوچکے ہیں۔اسلیئے اسنے آپؐ کو ایک دور کے مقام پر لیجانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

لیکن سورۃ الفجر کی جن آیات میں ایک دس سالہ زمانہ مصائب کی اور اس کے بعد ہجرت کی خبر دی گئی چونکہ انہی آیات میں ایک دس سو سالہ مصائب کے زمانہ کی خبر بھی دی گئی۔ اس لئے سورۃ بنی اسرائیل کی زیرِ نظر آیت میں جس رات کے سفر کی خبر دی گئی اس کا تعلق بھی مصائب کے اس پہلے دس سالہ زمانہ ہی سے نہیں دوسرے دس سو سالہ زمانہ سے ہونا بھی ضروری تھا۔ یہ ایک قطعی دلیل اس بات کی ہے یہ اسریٰ مکانی اور زمانی دونوں لحاظ سے ہونا مقدر تھا اور ظاہر ہے کہ جو سفر ۱۳۰۰ سال کے بعد پیش آنے والا تھا وہ آنخضوؐر اپنے ذاتی وجود کے ساتھ نہیں بلکہ بروزی وجود کے ساتھ ہی کر سکتے تھے۔ اور چونکہ ۱۳۰۰ سال بعد آپ نے اپنے جس پر بروز کی صورت میں ظہور فرمایا تھا از روئے قرآن وہ مہدی موعود کا وجود ہے جیسا کہ آیت **هو الذی ارسل رسولهٗ بالهدیٰ و دین الحق لِيُظْهِرَهٗ علی الدین کله** اور دوسری کئی آیات سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ آیت **سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا**

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى جو آنحضورؐ کے ایک زمانی اسریٰ کا بھی ذکر کیا گیا اس سے مراد یہ تھی کہ ترقیات اسلام کی پہلی تین صدیوں کے بعد آنے والی دس تاریک صدیوں کے اختتام پر آپؐ مہدی کے وجود میں بیت الحرام سے دور کے ایک مقام تک پہنچیں گے اور جیسے اپنے پہلے سفر میں آپ مدینہ پہنچے اور وہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جس کا نام اگرچہ مسجد نبوی تھا مگر خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اسے مسجد اقصیٰ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور اسکے ماحول کو اس نے برکت دی ہے اسی طرح آپ کے اس دوسرے سفر میں جس دور کے مقام پر آپ مہدی موعود میں ہو کر پہنچیں گے اس مقام پر بھی مہدی موعود کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہو گی اور اس کے ماحول کو یعنی اس شہر کو جس میں وہ مسجد ہو گی برکت دی جائیگی۔ اس کا نام تو اور ہو گا مگر اس آیت میں اسے مسجد اقصیٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔ پہلی تین صدیوں کے بعد آنے والی دس تاریک صدیوں کے اختتام پر یعنی ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں حضرت مہدی موعود کا بیت الحرام سے ایک دور کے مقام قادیان سے ظہور ہوا اور چونکہ آپ آنحضورؐ کے بروز تھے اس لئے ایک رنگ میں آنحضورؐ ہی بیت الحرام سے اس مقام تک پہنچے۔ یہاں مہدی موعود کے حکم سے ایک مسجد تعبیر ہوئی جس کا نام مسجد مبارک رکھا گیا اور خدا تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ اس کے ماحول یعنی قادیان کو برکت دی گئی ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر حلفاً شہادت دیتا ہے کہ میں قادیان گیا تو وہاں کے گلی کوچوں سے مجھے خدا تعالیٰ کی خوشبو آتی تھی۔ دراصل خدا کے ہر سچے عاشق کی (جیسے حضرت مہدی موعودؑ تھے) یہ ایک خاص نشانی ہوتی ہے کہ ؎

می درخشد رُوئے حق در روئے اُو
بوئے حق آید زبامُ کوئے اُو

اس مقام سے خدا تعالیٰ کی ہستی اور قدرتوں اور رحمتوں اور برکتوں کے اتنے نشان ظاہر ہوئے ہیں اور مسلسل ہو رہے ہیں کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ دنیا کے کسی شہر اور کسی بستی سے اتنے نشان کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔

رویاء کی زبان میں مسجد سے جماعت، مذہب اور امت بھی مراد ہوتی ہے اس لئے مسجد اقصیٰ کی طرف سفر آنحضورؐ کا امت کے آخریں کی طرف سفر بھی مراد ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے

بھی اس سے مہدی موعود کا ظہور ہی مراد ہے نہ کچھ اور۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قادیان میں ایک مسجد بنام مسجد اقصیٰ بھی حضرت مہدی معود المسیح الموعودؑ کے ظہور کے وقت موجود تھی مگر جس مسجد اقصیٰ کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے قادیان کی مسجد مبارک مراد ہے کیونکہ یہی مسجد حضرت مہدی موعود کے حکم سے تعمیر ہوئی اور خدا کے الہام میں اسی کے ماحول کو برکت دی گئی۔ تاہم کچھ عجب نہیں کہ معترضین کے منہ بند کرنے کے لئے خدا ایسے سامان کر دے کہ مسجد مبارک وسیع ہو کر مسجد اقصیٰ سے مل جائے اور اس طرح ظاہری رنگ میں بھی یہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں خدا تعالیٰ نے ایک اور رنگ میں بھی مہدی موعودؑ کی خبر دی ہے۔ آیت ۸۰ میں اسنے آنخضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا:

محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام محمود اور مہدی موعودؑ	...... عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا امید ہوسکتی ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کر دے۔

محمود اسے کہتے ہیں جو تعریف کیا گیا ہو۔ یوں تو ہر نبی ہی کو مقام محمود پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ اور خود آنخضرت ﷺ کو اس آیت کے نزول کے وقت بھی ایک مقام محمود حاصل تھا۔ لہٰذا ان الفاظ کا بطور وعدہ فردا کے فرمایا جانا اور سب نبیوں میں سے صرف آنخضرتؐ کو فرمایا جانا بتاتا ہے کہ ان سے ایسے مقام محمود کا ملنا مراد ہے جو نہ آنخضورؐ سے پہلے کسی کو حاصل ہوا۔ نہ اس وقت تک حضورؐ ہی کو حاصل تھا اور نہ آئندہ کسی کو **فی ذَاتِہٖ** حاصل ہونیوالا تھا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بتایا الٰہی بشارتوں کے ساتھ ظاہر یا مخفی شرائط ضرور ہوا کرتی ہیں۔ خود سورۃ نبی اسرائیل کی زیرنظر آیت میں بھی عبادت کے حکم کے بعد یہ وعدہ دیا گیا ہے۔ آنخضرتؐ معلم کتاب و حکمت بنا کر تزکیہ نفوس کے لئے بھیجے گئے تھے اور ہر معلم کی تعریف دو وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ ایک اس کی ذاتی خوبیوں مثلاً علم میں کمال، دوسروں کو علم سکھانے کی صلاحیت اور اس کے لئے جوش اور خلوص اور محبت اور حسن اخلاق وغیرہ کی وجہ سے اور دوسرے اس سے علم حاصل کر کے باکمال بننے والوں کیوجہ سے اور تکمیل تعریف ان دونوں باتوں کو چاہتی ہے۔ اس لئے آنخضرت ﷺ کو مقام محمود کا بتمام و کمال ملنا بھی ان دونوں باتوں کا متقاضی تھا۔

احادیث میں آتا ہے کہ مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے جو قیامت کے دن آنحضورﷺ کو حاصل ہوگا۔ بیشک آخرت کے لحاظ سے یہ بات بالکل درست ہے مگر اسی کا تقاضہ تھا کہ آنحضورﷺ اس دنیا میں بھی بنی نوع انسان اور خداتعالیٰ کے درمیان دوسرے سب نبیوں سے زیادہ واسطہ ہوں۔ کہ اوّل جو کچھ آخرت میں ملے گا۔ وہ دنیا میں بجا لائے جانے والے اعمال کا ان سے مطابقت رکھنے والا نتیجہ ہوگا۔ (**وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا**)۔ دوسرے یہی اصل حقیقت شفاعت کی ہے۔ کیونکہ شفاعت ایک ایسے شخص کا (جسے ایک طرف خداتعالیٰ سے گہرا تعلق ہو اور دوسری طرف اس بندہ سے تعلق ہو جس کی وہ شفاعت کرنا چاہے) درمیانی واسطہ یا وسیلہ بن کر اس بندے کو خدا تعالیٰ سے ملا دینے کا نام ہے اور جس نبی کو یہ مقام سب سے زیادہ حاصل ہوگا یعنی جو سب سے زیادہ لوگوں کو خدا سے ملا سکے گا۔ اور انہیں وہ مقام قرب دلا سکے گا جو اور کسی نے نہ دلایا ہو وہی مقامِ محمود کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا۔ کیونکہ ''درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے''۔

لہٰذا مقام محمود کا وعدہ جو آنحضورﷺ کو دیا گیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ سب نبیوں سے زیادہ خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ بنیں گے۔ آپ کی زیرِ تعلیم و تربیت سب سے زیادہ لوگ خدا کے قرب کے مقامات پائیں گے۔ اور سب نبیوں کے متبعین سے زیادہ بڑے مقامات کے حامل ہوں گے۔

اس کا قطعی ثبوت احادیث سے مل جاتا ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَآءَ اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مقامًا مَحْمُودَ نِ الَّذِى وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(بخاری مترجم باب الاذان صفحہ ۳۲۸)

اس طرح حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَاِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْراً ثُمَّ اسْئَلُو اللّٰهَ لِي الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَبْغِي اِلَّا بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰه وَ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَاهُوَ فَمَنْ سَئَلَ لِي الْوَسِيْلَةَ حَقَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ

(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

ان میں سے پہلی حدیث کی رو سے جس شخص نے اذان سننے کے وقت آنحضرتؐ کے لئے وسیلہ اور فضیلت اور موعود مقام محمود کے ملنے کی دعا مانگی اس کے حق میں حضورؐ کی شفاعت واجب ہوگئی اور دوسری حدیث کی رو سے جس نے حضورؐ کے لئے صرف وسیلہ بننے کی دعا مانگی اس کے حق میں شفاعت واجب ہوگئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کا وسیلہ ہونا اور مقام محمود پر فائز ہونا لازم و ملزوم ہیں تاہم وسیلہ ہونا بنیادی چیز ہے اور مقام محمود کا ملنا اس کا لازمی نتیجہ۔ اور یہ جو آنحضورؐ نے فرمایا کہ وسیلہ جنّت کا ایک مقام ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ ایک میں ہوں گا تو اس سے یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کا وسیلہ ہونا دوسرے سب نبیوں سے بڑھ کر ہوگا۔ اور اسی وجہ سے آپؐ کو وہ مقام محمود حاصل ہوگا جو اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی تائید کے لئے وسیلہ کے بعد فضیلت کی دعا مانگنے کی بھی تلقین کی گئی ہے یعنی یہ بتایا گیاہے کہ ایک حد تک وسیلہ تو سب نبی ہی ہوتے ہیں مگر تم اپنے نبیؐ کے لئے یہ دعا کرو کہ آپؐ اس درجہ کے وسیلہ ہوں جو دوسرے سب نبیوں سے بڑھ کر ہو۔

اس موقعہ پر یاد رکھنا چاہیے کہ روحانی مقامات تو آنحضرت ﷺ نے اپنے اُمّتیوں کو دلانے تھے نہ کہ اُمّتیوں نے آپؐ کو لہٰذا باوجود اس کے کہ متعدد قرآنی اشارات کے مطابق آپؐ اپنے حصہ کی شرائط کو پورا کرنے والے تھے یعنی آپؐ میں وہ تمام باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں جو مقام محمود کے حصول کے لئے آپؐ کی ذات میں پائی جانی چاہیے تھیں آپؐ کے اُمّتیوں کو جو یہ دعا سکھائی گئی تو اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ آپؐ کو موعود مقام محمود کے بتمام و کمال ملنے کا تعلق آپؐ کے اُمتیوں سے بھی تھا۔ یعنی اس بات سے بھی تھا کہ آپؐ کی زیر تعلیم و

تربیت وہ قربِ الٰہی کے وہ مقامات حاصل کریں جن کے دلانے کیلئے انبیاء آیا کرتے ہیں اور دوسرے سب نبیوں کے متبعین سے زیادہ حاصل کریں (کیونکہ آپؐ افضل الانبیاء تھے) یعنی ان میں اتنے زیادہ اور اتنا زیادہ خدا کا قرب پانے والے لوگ ہوں کہ پہلے کسی نبی کے متبعین میں نہ ہوئے ہوں۔ پس آپؐ کے اُمتیوں کو یہ دعا سکھا کر خدا تعالیٰ نے دراصل انہیں اس بارہ میں اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا کیونکہ جب انسان کسی بات کے لئے دعا کرتا ہے اور وہ دعا سچے دل سے ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ دعا بھی ایک کوشش ہے وہ دوسرے ذرائع سے بھی اس کے لئے **کماحَقُّہٗ** کوشش ضرور کرتا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ کو مقامِ محمود کے ملنے کا وعدہ اس بات کا متقاضی تھا کہ حضور خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان سب نبیوں سے زیادہ وسیلہ بن کر دنیا کی مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ لوگوں کو خداتعالیٰ سے ملائیں اور سب سے زیادہ ملائیں یعنی ان میں سے بعض کو اس مقام قرب تک بھی پہنچائیں جس تک اور کسی نبی نے اپنے متبعین کونہیں پہنچایا۔

ان میں سے امر اوّل تکمیل دین کا اور اسلام کے تمام ادیان عالم پر غالب آنے کا متقاضی تھا اور امر دوم اس بات کا متقاضی تھا کہ آپؐ کی اُمّت میں سے مقام نبوّت پانے والے لوگ بھی ہوں کیونکہ اس سے کم تر مقام تو سورۃ **اَلْحَدِیْد** کی آیت ۲۰ کے مطابق سابقہ نبیوں کے متبعین بھی حاصل کر لیتے تھے۔ لیکن مقام نبوّت پانیوالے خواہ کتنے ہی ہوں جب تک کوئی نام نبوّت پانیوالا بھی نہ ہوتا یہ امر متحقق نہیں ہوسکتا تھا کہ آنحضورؐ کی اتباع سے یہ مقام مل سکتا ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ کوئی باقاعدہ منصبِ نبوّت پانے والا بھی ہوتا۔

پس آنحضرتؐ کو ملنے والے مقام محمود کے وعدہ میں اسلام کے ظاہراًوباطناً تمام مذاہب عالم پر غالب آنے کا وعدہ اور آپؐ کے متبعین میں سے کسی کے نبی بن کر آنے کا وعدہ بطور لازمہ کے شامل تھا اور اسلام کا عالمگیر غلبہ جیسا کہ آیت **ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ** میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ مہدی موعود کے وقت میں مقدّر تھا اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس نبی سے مراد مہدی موعود ہے نہ کوئی اور۔ حضرت محی الدین ابن عربی نے بھی لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے ملنے والے مقام محمود کا

تعلق مہدی موعودؑ سے ہے۔

الغرض آنحضرت ﷺ کو مقام محمود ملنے کے وعدہ میں جس طرح یہ بشارت شامل تھی کہ آپؐ کے متبعین میں سے ایک مہدی بھی ہوگا اسی طرح یہ بشارت بھی شامل تھی کہ مہدی موعود کے زمانہ میں مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے بہت سے لوگ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر آپؐ کی اتباع کی برکت سے خدا تعالیٰ کے مقرب بنیں گے۔ پس مشتاقانِ وصل کو مبارک ہو کر مہدیٔ موعودؑ کے آنے سے ان کے لئے اُس محبوب ازلی کے وصل کا دروازہ پھر سے کھل چکا ہے۔ اب یہ ان کی مرضی ہے کہ اُس کا دامن پکڑ کر دیوانہ وار اُس دروازہ میں داخل ہو جائیں۔ یا غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے رہیں۔ حضرت مہدی موعودؑ اپنے رسالہ الوصیت میں فرماتے ہیں:-

"تمہیں خوش خبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔
اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اُس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں وہ لوگ
جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے
موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے انعام پائیں۔"

کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ دعا ظہور مہدی کیلئے تھی تو اس کے ظہور کے بعد اسے کیوں مانگا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا ایک تو اس لئے جاری رہنی چاہیے کہ مہدی موعودؑ کی بعثت کے مقاصد بتمام و کمال پورے ہوں اور دوسرے اس لئے کہ ایسے بلند روحانی مقامات پانے والے لوگ آئندہ بھی ہوتے رہیں یہ الگ بات ہے کہ حکمت الٰہی ان کو یہ نام دینا چاہیے یا نہ چاہیے۔

اب اسکے بعد ایک دفعہ پھر سورۃ بنی اسرائیل میں مذکور ارشاد ربانی **عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً** کی طرف لوٹئے ۔ اس سے پہلے ہے :

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوداً ﴿۷۹﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْبِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ﴿۸۰﴾

سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے گھپ اندھیری ہو جانے تک نماز کا التزام کر اور صبح کی نماز (اور صبح کے وقت قرآن پڑھنے کو لازم ٹھہرالے)

یقیناً (صبح کی نماز اور) صبح (کے وقت) قرآن پڑھنا(ایسا مقبول عمل ہے) جس کی (فرشتوں کی طرف سے) گواہی دی جائے گی۔ اور رات کے وقت قرآن کے ساتھ مجاہدہ کر یہ تیرے لئے ایک نفلی عبادت ہے ۔

===============

غلبہ اسلام کی بشارت

مندرجہ بالاالفاظ میں جہاں پانچ فرضی نمازوں اور تہجد کی نماز کی تلقین ہے وہاں بطن آیت کے لحاظ سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ آفتابِ ترقّیاتِ اسلام ڈھلنا شروع ہوجائے گا اوراتنا ڈھلے گا کہ رات چھا جائیگی اور گھپ اندھیرا ہوجائے گا مگر یہ اندھیرا دائمی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد پھر دن چڑھے گا پھر غلبہ اسلام کا زمانہ آئے گا اور گواہی دینے والے (آسمان پر فرشتے اور زمین پر انسان) گواہی دیں گے۔ کہ واقعی یہ دن آ گیا ہے مگر یہ دن یونہی نہیں آجائیگا بلکہ اس وقت جب رات بہت گہری ہوجائیگی ایک شخص جو ایسا فنافی الرسولؐ ہوگا کہ گویا وہی ہوگا دنیا میں پیدا کیا جائیگا (یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کومخاطب کرکے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْل فرمایا گیا ہے جب کہ روحانی غسق لیل کے وقت حضوؐر نے بنفس نفیس دنیا میں موجود نہیں ہونا تھا)۔ اورضروری ہوگا کہ وہ اور اس کے وہ ساتھی جو اس کے شجر وجود کی سرسبز شاخوں کے حکم میں ہونگے قرآن کریم کا ہتھیار لے کر دین کی سربلندی کے لئے تن من دھن سے جِدّ جُہد کریں۔ یہ جِدّ جُہد نفلی عبادت کے حکم میں ہوگی یعنی بمطابق ارشاد نبوی تمام فرض عبادتوں سے زیادہ مقرب الٰہی بنانے والی ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے آ کر غلبہ اسلام کی مہم شروع کی تو اپنے متبعین کو اس میں شمولیت کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا :-

وَاِنَّ اَنْفَسَ الْقُرُبَاتِ اِعْلَآءُ کَلِمَۃِ الْاِسْلَامِ وَھٰذَا وَقْتُہٗ فَلَا تُضَیِّعُوْا وَقْتَکُمْ وَقُوْمُوْا کَالْخَادِمِیْن

یعنی سب الٰہی عملو ں سے جو خدا تعالٰی کی قربت کے لئے کئے جاتے ہیں کلمہ اسلام کی بلندی چاہنا زیادہ ثواب کا موجب ہے پس اپنے وقتوں کو

ضائع مت کرو اور خادموں کی طرح اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔

(نورالحق صفحہ ۲۹-۳۰)

اور اس کے ساتھ آپؑ نے یہ بشارت بھی دی کہ: -

''اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئیگا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھیگا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہوجائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذِلّتیں قبول نہ کرلیں اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے ہمارا اسی کی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی، اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔'' (فتح اسلام صفحہ ۱۰-۱۱)

آخر میں ہم اس آیت کے بارہ میں حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوریؒ کے چند الفاظ نقل کردینا بھی مناسب سمجھتے ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں :-

''عجیب بات ہے کہ اعداد آیت (عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْدا) بحساب جُمل ۱۲۹۶ ہیں اور چونکہ سورۃ بنی اسرائیل کانزول (جس میں یہ آیت آئی ہے) زمانہ ہجرت سے تقریباً چھ سال قبل ہے ۔ لِہٰذا چھ سال منہا کرنے سے ۱۲۹۰ بنتا ہے۔ اور ٹھیک یہ سال حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کا ہے۔''(یعنی اسی سال میں آپؑ کو خِلعَتِ الہام سے نوازا گیا ۔ ناقل)''

(دستور الارتقاء صفحہ ۲۴۳،۲۴۴)

===============

سورۃ کہف میں مہدی مسعود المسیح الموعودؑ اور آپؑ کے اعوان کا ذکر

سورۃ بنی اسرائیل کے بعد سورۃ الکہف آتی ہے اس کی ابتدائی آیات میں ایک بَأْسِ شدید یعنی بہت بڑی جنگ کی خبر دیتے ہوئے پہلے تو عمومی رنگ میں بنی نوع انسان کو ڈرایا گیا ہے اور پھر خصوصیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے والوں (یعنی مسیحی اقوام) کو انذار کیا گیا ہے۔ اور اسکے بعد اعمال صالحہ بجا لانے والے مومنوں کیلئے **اَجْراً حَسَناً** کی بشارت دی گئی ہے جس سے صاف اشارہ ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ جنگ عالمگیر جنگ ہو گی مگر مومنوں کیلئے وہ بطور ابتلاء اور آزمائش کے ہو گی۔ جسمیں پورا اترنے والے انعام و اکرام کے مستحق ہو نگے۔ البتہ مسیحی اقوام کیلئے وہ بطور عذاب کے ہو گی۔ اسکے بعد ہے:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝۷

سو (اے رسولؐ) کیا ان کے اس عظیم قرآن پر ایمان نہ لانیکی صورت میں (جونقوش قدم وہ لوگ صفحہ ہستی پر چھوڑنے والے ہیں) ان کے (ان) آثار کی وجہ سے تو مارے غم کے اپنی جان کو ہلاک کر لیگا۔

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نظر کشفی سے انکے آثار دکھائے گئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر حضور ﷺ کو غم ہوا۔ یہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے انکی مادی ترقیّات کے آثار یعنی عمارتوں اور کارخانوں وغیرہ کے کھنڈرات مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ دنیا کا متاع کتنا ہی ہو وہ متاع قلیل اور نبی کی نگاہ میں بے حقیقت ہوتا ہے اور **کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ** کے مطابق ایک نہ ایک دن اسے بہر حال نابود ہونا ہی ہوتا ہے۔ اسلئے ان کے تباہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کو ایسا شدید غم ہونا کہ جسکی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جائے ممکن نہ تھا۔ لہٰذا ''**آثَارِ هِمْ**'' سے ان کے مشرکانہ عقائد کے وہ نقوش مراد ہیں جو ایمان نہ لانیکی صورت میں وہ لوح عالم پر ثبت کرنے والے تھے۔ جس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ انکی

مادی ترقیّات کی تباہی کا ذکر آگے چلکر الگ طور پر کیا گیا ہے۔ نبی چونکہ قیام توحید کے لئے آتا ہے اسلئے شرک سے زیادہ کسی چیز سے اسکو تکلیف نہیں ہوتی۔ پس یہ لوگ چونکہ الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ دنیا میں پھیلانے والے تھے اسلئے اپنی نظر کشفی میں اس کا نظارہ کرکے آنحضرت ﷺ کو شدید صدمہ ہوا اور اسی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

===============

الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ پھیلنے۔ اسکے ازالہ کیلئے ایک اور مسیح کے آنے۔ اور اسکے ذریعہ اس عقیدہ کے مٹائے جانیکی خبر

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ نبوّت چونکہ قیامت تک تھا اور بنا برایں یہ شرک کا پھیلنا آپؐ کے زمانہ نبوّت میں ہی واقع ہونیوالا تھا اسلئے ضرور تھا کہ آپؐ کی روح یہ تقاضہ کرتی کہ اسوقت آپؐ کے کسی بروز کا ظہور ہو تا کہ وہ آکر اس شرک کو مٹائے۔ اور اسی طرح یہ بھی ضروری تھا مسیحؑ کی روح بھی کہ جن کے نام پر یہ شرک پھیلنے والا تھا اپنے ایک بروز کا ظہور چاہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اس بروز کے دل کو بھی اس شرک کو دیکھ کر اسی قسم کا شدید صدمہ ہو جیسا کہ آنحضرتؐ کو ہوا۔ پس اس آیت میں دراصل یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آئندہ ایک زمانہ میں الوہیت مسیح کا عقیدہ دنیا میں بڑے زور کے ساتھ پھیلایا جائیگا اور اس وقت آنحضرت ﷺ کا کوئی بروز ظاہر ہوگا۔ جو بروز مسیحؑ بھی ہوگا۔ یہ صورتحال دیکھ کر اسے شدید صدمہ ہوگا۔ اور پھر اسکی دعا اور کوشش سے یہ شرک دنیا سے مٹادیا جائیگا۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی ذات میں یہ پیشگوئی نہایت شان سے پوری ہوئی۔ آپؑ کو آنحضرتؐ کا نام دیکر اور بروز مسیح بنا کر اور ازالہ عقیدہ الوہیت مسیح کے لئے بے انتہا جوش دے کر بھیجا گیا اور آپؑ کو وہ دلائل دیئے گئے کہ جن سے اس عقیدہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔آپؑ کے اس جوش کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانے کو آپؑ کا ایک اقتباس پیش ہے۔

فرماتے ہیں:-

’’چونکہ میں تثلیث کی خرابیوں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیاہوں اسلئے یہ

دردناک نظّارہ کہ ایسے لوگ دنیا میں چالیس کروڑ سے بھی کچھ زیادہ پائے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ رکھا ہے۔ میرے دل پر اسقدر صدمہ پہنچاتا ہے کہ میں گمان نہیں کرسکتا کہ مجھ پر میری تمام زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی غم گزرا ہو۔ بلکہ اگر ہم و غم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کر دیتا۔ ہر ایک وقت مجھے یہ اندیشہ رہا ہے کہ اس غم کے صدمات سے میں ہلاک نہ ہو جاؤں ....
اور میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں۔‘‘

پھر فرماتے ہیں:-

’’مسیح موعود کی علّت غائی احادیث* نبویہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عیسائی قوم کے دجل کو دور کریگا۔ اور ان کے صلیبی خیالات کو پاش پاش کر کے دکھلا دیگا۔ .... یہ امر میرے ہاتھ پر خدا تعالیٰ نے ایسے انجام دیا کہ عیسائی مذہب کے اصول کا خاتمہ کر دیا۔‘‘

یہ صرف آپؑ نے ہی نہیں فرمایا بلکہ بے شمار لوگوں نے اسکی گواہی دی اور پھر اس سے بڑھ کر اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ عیسائی علماء اور منّاد آپؑ کے غلاموں یعنی احمدیوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے۔ ایک وہ دن تھا کہ وہ مکہّ اور مدینہ میں مسیح کا جھنڈا لہرانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اور ایک یہ دن ہے کہ ان کے بے شمار گرجوں پر **FOR SALE** لکھا ہوُا نظر آتا ہے۔

آیت **فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ** کے بعد ہے:-

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَ ھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ

---

* حدیث میں ہے: یُوْ شِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ اِمَاماً مَھْدِیّاً حَکَماً عَدْلًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَ یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ (حدیقۃ الصالحین صفحہ۸۹۸ بحوالہ مسند احمد بن حنبل) تم میں سے جو اس وقت (روحانی طور) پر زندہ ہوُا عیسیٰ بن مریم کو پائیگا۔ جو امام مہدی حکم و عدل ہوگا۔ صلیب کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا۔

عَمَلاً (۸) وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْداً جُرُزاً (۹)

اور(اے رسول)جو کچھ زمین پر ہے ہمنے اسے اسکی زینت بنایا ہے۔ تاکہ لوگوں کو آزمائیں۔ اور دیکھیں کہ کون اچھے عمل بجا لاتا ہے۔ اور (چونکہ اس زمانہ کے لوگ بدعمل ہو کر اپنے رب کے مقام کو بھلا دینے والے ہونگے اسلئے)ہم یقیناً جو کچھ اس زمین پر ہے اسے چٹیل میدان بنا دینگے۔

===============

یہ پیشگوئی کہ اُمت محمدیہ کے آخرین میں بھی اصحاب کہف ہونگے

اس پر آنحضرت ﷺ کے قلب مطہر میں لازماً یہ خیال آنا تھا کہ مسیحیوں کی ابتدا تو اچھی تھی انکے اندر اصحاب کہف جیسے دین کی خاطر دنیا سے کنارہ کر لینے والے اور قلمی یعنی علمی خدمات بجا لانے والے وجود بھی تھے۔ کیا اس آخری زمانہ میں کہ جس میں تمام بنی نوع انسان کی آزمائش ہونیوالی ہے آپؐ کی امّت میں بھی ایسے لوگ ہونگے یا نہیں؟ اسلئے اس کا جواب دیتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَباً (۱۰)

اے رسول ! کیا تو سمجھتا ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہمارے نشانوں میں سے عجیب نشان تھے۔ (یعنی ایسے نشان تھے کہ ان جیسا پھر نہیں ہوسکتا)۔

مطلب یہ کہ ہم تیری امّت کو تباہ نہیں ہونے دینگے بلکہ اصحاب الکہف والرقیم جیسے لوگ اس زمانہ میں پیدا کرینگے۔

===============

موعود اصحاب کہف کا اعوان المہدیؑ ہونا اور ان کی سابقہ اصحاب کہف سے مشابہت

آگے یہ بتانے کو کہ کہ آپؐ کی امّت کے اصحاب کہف کو سابقہ اصحاب کہف سے کن کن باتوں میں مشابہت ہوگی فرمایا۔

اِذْاَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا(۱۱)

(اس وقت کو یاد کرو) جب چند نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنی رحمت سے حصہ عطا فرما اور ہمارے معاملہ میں ہمارے لئے بھلائی پیدا فرما۔

آنحضرتﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: -

''اَصْحَابُ الکہف اعوان المہدی''

(الدر المنثور جلد ۴ ص ۲۱۵ مطبوعہ مصر)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ نے قرآن کریم کے اس قصہ کو آئندہ کے لئے پیشگوئی قرار دیا ہے ۔ اور بتایا ہے کہ آئندہ ایک مہدی پیدا ہوگا۔ اور موعود اصحاب کہف اسکے مددگار ہوں گے۔

===============

موعود اصحاب کہف کی کہف کی نوعیت

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ سابقہ اصحاب کہف کے زمانہ میں دین کے معاملہ میں جبر و تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے اور اس سورۃ کی آیت ۲۱ اِنَّھُمْ اِنْ یَّظْھَرُوْا عَلَیْکُمْ یَرْجُمُوْکُمْ اَوْیُعِیْدُوْکُمْ فِیْ مِلَّتِھِمْ (اگر انہوں نے تم پر تسلط پا لیا تو تم کو سنگسار کر دینگے یا واپس اپنے دین میں لے آئیں گے) سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے اس زمانہ کے اعتبار سے الکہف سے بھی جس میں ان لوگوں نے پناہ لی ظاہری کہف مراد ہوگی۔ لیکن

مہدی موعودؑ کے زمانہ کے متعلق زبان نبوی سے: يَضَعُ الْحَرْبَ کی پیشگوئی ہو چکی ہے۔ یعنی یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسیح جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے جنگ اور تشدد نہیں ہوگا۔ بلکہ قلم اور زبان سے اسلام پر حملے ہونگے۔ اس لئے موعود اصحاب کہف کی کہف سے بھی کوئی مجازی کہف یعنی کوئی ایسا مقام ہی مراد ہوسکتا ہے جو دشمنوں کے علمی حملوں کے مقابل پر ایک پناہ گاہ ثابت ہوسکے۔ اور اسمیں پناہ لینے سے مراد بھی اس کے ساتھ ذہنی اور روحانی وابستگی ہی ہوسکتی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے والوں یعنی مسیحیوں کے فتنہ کا ذکر ہے۔ اور سورۃ توبہ آیت ۳۲ میں سمجھایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا مسیح کو ابن اللہ قرار دینا اپنے مونہہ کی پھونکوں سے خدا تعالیٰ کے نور کو بجھانے کی ایک کوشش ہوگی۔ یعنی وہ اس جھوٹ کو علمی رنگ دیکر حضرت محمد ﷺ کو جو سراسر خدا کا نور ہیں انکے بلند مقام سے گرانے اور اس طرح اسلام کو مٹانے کی کوشش کرینگے۔

===============

مہدی موعود پر موعود اصحاب کہف کو پہلے سے امیدیں ہونگی

پس اِذْاَوَی الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فرما کر خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ ایک زمانہ آئیگا کہ اصحاب کہف کی طرح دین کیلئے قربانی کا جذبہ رکھنے والے کچھ نوجوان یا جوان ہمّت لوگ دشمنوں کے اسلام پر حملوں سے جو اس زمانہ میں علمی رنگ میں ہونگے تنگ آکر ایک کہف سے یعنی ایک ایسے مقام سے جو دنیا کی نظروں سے اوجھل الگ تھلگ ایک مقام ہوگا وابستہ ہوجائینگے۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہاں انہیں کوئی عالم دین بزرگ ان حملوں کا دفاع کرنے والا نظر آئیگا۔ اور جس طرح بمطابق آیت قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا (هُوْدٍ ۱۱:۶۳) حضرت صالح سے انکی قوم کو امیدیں تھیں اسی طرح ان کو بھی اس شخص سے امیدیں ہونگی (گویا ایک مماثلت اسے حضرت صالح سے بھی ہوگی) تاہم دشمن کے حملے اتنے شدید اور اس نوعیت کے ہونگے کہ ان کا مقابلہ صرف علم ظاہری رکھنے والے کسی ملّا یا مجتہد یا کسی معمولی درجہ کے بزرگ کے بس کی بات نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے لئے کسی مامور من اللہ کی ضرورت ہوگی۔

فَقَالُوا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَةً وَّهَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا اسلئے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا کر۔ اور ہمارے معاملہ میں ہدایت کا سامان کر(ماضی کے صیغے مستقبل کی خبر کے یقینی ہونے پر دلالت کرنے کے لئے بھی لائے جاتے ہیں اسلئے جب اس آیت کو موعود اصحاب کہف پر چسپاں کریں تو معنے مستقبل کے لئے جائینگے)

انکی دعا کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ ہمیں اپنی رحمت سے فلاں چیز دے بلکہ یہ ہیں کہ ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا کر ۔اور خاص خدا تعالیٰ سے ملنے والی دو چیزوں ہی کو قرآن نے رحمت قرار دیا ہے۔ ایک خدا کی کتاب کو اور دوسرے خدا کے رسول کو ۔ لیکن قرآن آخری کتاب ہے۔ اس لیئے یہی مراد اس دعا سے ہوسکتی ہے کہ ہم میں کوئی رسول مبعوث کر۔ اور ان کا ایک خاص مقام کے ساتھ وابستہ ہوکر یہ دعا کرنا بتاتا ہے کہ تفاول کے طور پر وہ یہی سمجھ رہے ہونگے کہ وہی شخص جسکی وجہ سے انہوں نے اس مقام سے وابستگی اختیار کی ان کے دل کی مراد ہوگا۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر نہ صرف یہ کہ لوگوں کو پہلے سے امیدیں تھیں بلکہ بعض نے تو اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کہ آپؑ ہی مسیح موعودؑ ہوں گے برملا کہا: ؎

ہم مریضوں کی ہے تمہی پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

===============

موعود اصحاب کہف مسلمانوں میں سے ہونگے

اس موقع پر ان کا یہ کہنا کہ: هَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا صرف یہ نہ کہنا کہ هَیِّئۡ لَنَا رَشَدًا بتاتا ہے کہ وہ ہدایت عامہ کے نہیں ہدایت خاصہ کے طالب ہونگے۔ یعنی ہدایت عامہ انہیں پہلے سے حاصل ہوگی۔ بہ الفاظِ دیگر یہ کہ وہ زُمرۂ مومنین میں سے ہونگے۔ اور خدا تعالیٰ سے یہ چاہیں گے کہ جو مشکل انہیں اسوقت درپیش ہے اس سے نکلنے کہ راہ انہیں مل جائے۔ اور چونکہ وہ کسی تکلیف سے بچنے کے لئے اس مقام سے وابستگی اختیار کرینگے جیسا کہ اَوَی کے لفظ سے ظاہر ہے (جو مصیبت کے بعد امن میں آنے پر دلالت کرتا ہے) اس لئے یہ دعا اس تکلیف کے ازالہ ہی کے لئے ہوسکتی ہے۔ اور یہ تکلیف جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں

دشمن کے ان حملوں کی تکلیف ہوگی جو وہ اپنی باتوں کوعلمی رنگ دیکر اسلام پر کریگا۔ اس لیے ماحصل اس دعا کا یہ ہؤا کہ اے خدا تو اس مجسم رحمت وجود کے ذریعہ ہمیں قرآن کریم کی وہ صحیح تفسیر اور وہ دلائل و براہین عطا کر جن سے ہم دشمن کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ اور ان کا منہ بند کرسکیں ۔ چنانچہ یہ دعائیں مانگی گئیں اور مستجاب ہوئیں۔ اور خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحبؑ کو ایسے علم قرآن اور صداقت اسلام کے ایسے دلائل و براہین کے ساتھ مسلح فرمایا کہ نہ صرف یہ کہ آپؑ ایک فتح نصیب جرنیل کی طرح ساری عمر دشمنان دین کو للکارتے رہے اور شکست پر شکست دیتے رہے بلکہ آپکے متبعین کا مقابلہ کرنا بھی انکے بس کی بات نہیں رہی۔ چنانچہ آپؑ کی رحلت پر مولانا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر نے لکھا:-

> ''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھّیاں بجلی کی دو بیڑیاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا۔ جو شور قیامت ہوکر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا.......دنیا سے اٹھ گیا....... مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے۔ ایسے شخص جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں۔اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرکے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کومحسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا ہے۔اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو ان کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی۔ خاتمہ ہوگیا۔''

دہلی کے اخبار کرزن گزٹ کے ایڈیٹر مرزا حیرتؔ دہلوی نے لکھا:-

''مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کردی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ کسی بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا........... اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوّت تھی۔ کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیٔ ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں........... اس کا پرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہوکر اپنا رستہ صاف کیا۔ اور ترقّی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔''

(حیات طیبہ صفحہ ۳۴۱-۳۴۳)

===============

موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدیؑ کو بیرونی دنیا کی باتیں سننے سے باز رکھنے کی پیشگوئی اور اس کی حکمت

وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا کے بعد ہے:

فَضَرَبْنَا عَلٰى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا (۱۲)۔

لہذا ہم انہیں اس کہف میں چند گنتی کے سالوں کے لئے باہر کے لوگوں کی باتیں سننے سے روک دینگے۔

فضربنا ماضی کا صیغہ ہے لیکن چونکہ ماضی کے قصہ کے پیرایہ میں مستقبل کے بارہ میں خبر دی جارہی ہے اسلئے ہم نے ترجمہ اس کے مطابق کر دیا ہے۔

فضربنا کا ’ف‘ ظاہر کرتا ہے کہ یہ نتیجہ ہوگا انکی دعا کا۔ مگر ان کی دعا جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے ایک مامور من اللہ کے لئے ہوگی۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انکو باہر کی باتیں سننے سے روک دینے کا اس دعا سے کیا تعلق ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ مامور من اللہ کے بھیجے جانے کی دعا میں اسے ماننے کی توفیق پانے کی دعا شامل ہوتی ہے۔ لیکن اسے ماننے میں دو باتیں روک بن جایا کرتی ہیں۔

نمبر ا: بعض لوگ اس کے دعویٰ سے پہلے بعض پیروں فقیروں کی ظاہری حالت سے مرعوب ہو کر ان سے وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے وہ خود ساختہ بزرگ اس مامور کو نہیں مانتے تو اکثر یہ بھی اسے ماننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

نمبر۲: اس مامور کے دعویٰ کے بعد وہ لوگ جن کے دل میں کوئی گند مخفی ہوتا ہے اسکی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے خلاف جھوٹا پرا پگنڈا کرنے لگ جاتے ہیں اور ناواقف لوگ اس سے متاثر بھی ہو جاتے ہیں اس لئے **فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا** فرما کر اور اسے ان کی دعا کا نتیجہ قرار دیکر اللہ نے بتایا کہ یہ دونوں باتیں موعود اصحاب کہف کے زمانہ میں بھی ہونگی۔ پس اس غرض سے کہ ان میں سے ایمان لانے کے مستحق اس سے محروم نہ رہیں اور دوسروں پر اتمام حجّت ہو خداتعالیٰ انہیں باہر کے لوگوں کی باتیں سننے سے روک دے گا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ انہیں باہر جانے سے ہی روک دے گا۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کے ساتھ تعلق میں جسکی خاطر وہ اس کہف سے وابستہ ہوئے ہونگے خدا تعالیٰ ان کے لئے ایسی وارفتگی اور ایسا نشہ رکھ دے گا کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں جائے گا۔ اور اس بات کی مُدَّت کو **سنین عددا** یعنی چند گنتی کے سالوں سے بیان کرکے اور ان الفاظ کو **ثم بَعَثْنٰهُمْ** کے الفاظ سے جو اگلی آیت کے شروع میں آتے ہیں پہلے رکھ کر اشارہ کیا کہ چند سال گزرنے کے بعد ان لوگوں کے کاندھوں پر ایسی ذمہ داریاں آن پڑیں گی جن کی ادائیگی کے لئے ایک حیات نو پانے کے بعد جس کی طرف بعثنا کے لفظ میں اشارہ ہے انہیں باہر نکلنا پڑے گا۔ نیز یہ بتایا کہ اس شخص کے مامور کئے جانے تک ان کی اس سے وابستگی پر چند سال کا عرصہ گذر چکا ہوگا۔

چنانچہ اس پیش گوئی کے عین مطابق بعض لوگ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو

دشمنان دین کے مقابل پر دین کا دفاع کرنے والا عالم اور بزرگ جان کر آپؑ کے دعویٰ ماموریت سے پہلے ہی آپؑ کے دامن سے وابستہ ہو گئے تھے ۔ اور آپؑ کے ساتھ انہیں ایسا والہانہ تعلق تھا کہ قادیان آتے تو انہیں دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی۔* نہ ملازمت چھوٹنے کا خوف ہوتا تھا نہ گھر بار کی فکر انکے اس تعلق پر اثر انداز ہوتی ۔ چند سال گزرنے کے بعد حضرتؑ خلعت ماموریت سے نوازے گئے۔ اس عرصہ میں یہ لوگ آپؑ کو قریب سے دیکھ کر اخلاص میں اتنے بڑھ چکے تھے کہ اس کے بعد کوئی بڑے سے بڑا ابتلا بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کر سکا۔ بلکہ لوگوں کا اثر قبول کرنے کی بجائے یہ ان پر اثر انداز ہونے کے قابل ہو گئے اور ہزاروں کی ہدایت کا موجب بنے ۔ دوسری طرف بعض لوگوں نے ٹھوکر بھی کھائی۔ لیکن جہاں اوّل الذّکر کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی چلی گئی مؤخرّ الذّکر کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی۔ حتّٰی کہ ان لوگوں کے مرنے تک ان کے اکثر حامی انہیں چھوڑ چکے تھے۔ اس کے بعد ہے :-

ثُمَّ بَعَثْنٰـهُمْ

پھر اس بات پر کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد ہم نے انہیں اٹھایا یعنی اٹھائیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں روحانی بعث کا ذکر ہے۔ اور روحانی بعث مامورین کے ذریعہ ہوُا کرتا ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ ہم انکی ہدایت کے لئے ایک شخص کو مامور کرینگے اور اس کے ذریعہ انہیں حیات نو اور خدمت دین کا تازہ ولولہ عطا کریں گے۔

لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا (۱۳)

تاکہ ہم جان جائیں (یعنی اس معاملہ میں ہمارا علم ازلی علم وقوعہ بن

---

* حضرت مہدی موعودؑ کی صحبت میں رہنے والے آپؑ کے سوا اور سب کچھ کس طرح بھلا بیٹھے تھے اسکے بارہ میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ کی ایک تحریر پیش ہے۔ حضرت مہدی موعودؑ کے نام اپنے ایک خط میں آپ نے لکھا :

جب تک حضورؑ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا کچھ خبر نہ تھی کہ دنیا کہاں بستی ہے اور دنیا کے فکر و غم کیسے ہوتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر رہنے سے میری ایسی حالت تھی کہ اگر خوش قسمتی سے میری موت ان ایّام میں آجاتی تو خدا کی طرف ایسا پاک و صاف ہوکر جاتا جیسا کہ حضورؑ کا اور رسول مقبول ﷺ کا اور جناب باری کا منشاء ہے (سیرت ظفر صفحہ ۱۶۹) (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

جائے) کہ دو گروہوں میں سے کونسا ان اقدار کی زیادہ حفاظت کرنیوالا ہے۔جس کے لئے وہ (اس غار سے وابستہ) رہے۔

ان الفاظ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہی شخص مامور کیا جائے گا جس کی خاطر انہوں نے اس مقام سے وابستگی اختیار کی ہوگی اور اس کے مامور ہونے پر ثابت ہو جائے گا کہ وہ دو قسم کے لوگ تھے۔ کیونکہ ان میں سے ایک گروہ ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا ہوگا اور دوسرا اس کا لحاظ رکھنے والا نہیں ہوگا۔ یعنی ان میں سے ایک گروہ اس مامور من اللہ پر ایمان لے آنے والوں کا ہو گا اور دوسرا اس کا انکار کرنے والوں کا ہوگا۔دراصل مامور من اللہ کے آنے پر ہمیشہ ایسا ہی ہوُا کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الصّف میں یہ ذکر ہے کہ جب حضرت مسیح نے آ کر من انصاری الی اللہ کی آواز بلند کی تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ان پر ایمان لایا اور اسنے انکی بات مان لی اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا۔

فَـاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيٓ اِسْـرَآئِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ (۱۵)

پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہی صورت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے پہلے اس کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں کو پیش آئے گی۔ چنانچہ اس پیش گوئی کے عین مطابق مہدی موعودؑ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ اسلام کے(جو مسیح موعودؑ بھی تھے) دعویٰ پر وہ لوگ دو حصّوں میں بٹ گئے ان میں سے کچھ پورے اخلاص کے ساتھ آپؑ سے وابستہ رہے اور کچھ

یہی منشی ظفر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

''میں جب سرشتہ دار ہو گیا اور پیشی میں کام کرتا تھا تو ایک دفعہ مسلیں وغیرہ بند کرکے قادیان چلا آیا۔ تیسرے دن میں نے اجازت چاہی تو آپؑ نے فرمایا ابھی ٹھہریں پھر عرض کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپؑ ہی فرمائیں گے۔ اس پر ایک مہینہ گذر گیا۔ ادھر مسلیں میرے گھر میں تھیں۔ کام بند ہو گیا اور سخت خطوط آنے لگے۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ ان خطوط کے متعلق وہم بھی نہ آتا تھا۔ حضورؑ کی صحبت میں ایک ایسا لطف اور محویت تھی کہ نہ نوکری کے جانے کا خیال تھا۔ اور نہ کسی باز پرس کا اندیشہ۔ آخر ایک نہایت ہی سخت خط وہاں سے آیا۔ میں نے وہ خط حضرت صاحبؑ کے سامنے رکھ دیا۔ پڑھا اور فرمایا۔ لکھ دو آنا نہیں ہوتا۔ میں نے وہی فقرہ لکھ دیا اس پر ایک مہینہ اور گذر گیا۔ تو ایک دن فرمایا۔ کتنے دن ہو گئے۔ پھر آپ ہی گننے لگے۔ اور فرمایا۔ اچھا اب چلے جائیں۔ میں چلا گیا۔ اور کپورتھلہ پہنچ کر لالہ ہرچرن داس مجسٹریٹ کے مکان پر گیا تاکہ معلوم کروں کیا فیصلہ ہوُا ہے۔ انہوں نے کہا۔منشی جی آپ کو مرزا صاحب نے نہیں آنے دیا ہوگا۔ میں نے کہا ہاں۔تو فرمایا کہ ان کا حکم مقدم ہے۔''

ٹھوکرکھا کر الگ ہو گئے اور دونوں اتنی تعداد میں تھے کہ ان پر حزب کا لفظ جو گروہ کی معنی دیتا ہے صادق آ سکے۔ چنانچہ ان میں سے اوّل الذکر کی ذیل میں حضرت منشی ظفر احمدؓ صاحب ۔ حضرت منشی اڑوڑے خانؓ صاحب، حضرت محمدؐخان صاحبؓ اور موخر الذّکر کی ذیل میں میرعباس علی صاحب لدھیانوی ، غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی، چراغ الدین صاحب ، ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی ، الٰہی بخش صاحب اکاونٹنٹ اور شیخ نور محمد صاحب سیالکوٹی (والد ڈاکٹر سر محمداقبال صاحب) آتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا هُمْ کے بعد ہے:-

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَ هُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى (۱۴)

فرمایا:**نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَ هُمْ بِالْحَقِّ** اے رسول ہم تجھے انکی خبر ٹھیک سناتے ہیں۔ذکر تو اصحاب کہف کا پہلے سے شروع ہے پھر اس جملہ کا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکا ذکر یہاں سے شروع ہوتا ہے کیا مطلب؟ سو جاننا چاہئے کہ پہلے اس کہف سے وابستہ ہونے والے دو گروہوں* (حزِبین) کا ذکرکر کے بتایا گیا تھا کہ ان میں سے ایک ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا تھا جس کی خاطر وہ اس مقام سے وابستہ ہوئے اور دوسرا لحاظ رکھنے والا نہیں تھا اور یہاں سے ان میں سے اس گروہ کا ذکر شروع کیا گیا ہے جو ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا اور فی الحقیقت اصحاب کہف کہلانے کا مستحق تھا۔ اور چونکہ یہ ذکر آئندہ ہونے والے اصحاب کہف کے لئے بطور پیشگوئی ہے اس لئے مطلب قرآن کریم کے اس بیان کا یہ ہوُا کہ موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدی پر وہ باتیں صادق آئیں گی جو ہم آگے بیان کرنے والے ہیں۔

===============

* بعض لوگوں نے ایک گروہ کہف میں داخل ہونیوالوں کا اور دوسرا اس سے باہر رہنے والوں کا مراد لیا ہے لیکن فحوائے کلام سے اس میں داخل ہونے والے دو گروہ ہی مراد معلوم ہوتے ہیں۔

اعوان المہدیؑ کی علامات

فرمایا:

اِنَّھُمۡ فِتۡیَۃٌ اٰمَنُوۡ ابِرَبِّھِمۡ وَزِدۡنٰھُمۡ ھُدًی ہ

وہ (کہف مذکورہ سے وابستگی کی اقدار کو ملحوظ رکھنے والے)چندایسے نوجوان(یا جواں ہمت لوگ)ہونگے جوپہلے سے اپنے رب پرایمان لائے ہوئے (یعنی مسلمان) ہونگے اور ہم انہیں(اس مامورکے ذریعہ)ہدایت میں زیادتی بخشیں گے

آگے ہے:-

وَرَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ اِذۡقَامُوۡ ا :

اور جب وہ (اس مسیح کی پکار **من انصاری الی اللہ** سن کر اس کی مدد پر) ایستادہ ہو جائینگے تو ہم انکے دلوں کو مضبوط کر دیں گے۔

یعنی انہیں برداشت کا حوصلہ اور صبر کی طاقت دیں گے۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی راہ میں بڑی بڑی مشکلات اور دل ہلا دینے والی روکیں آئیں گی اور بمطابق آیت **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُتۡرَکُوۡا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡ نَ۔ اَلۡعَنۡکَبُوۡت ۳:۲۹)** انہیں آزمائش کی بھٹی میں سے گزارا جائے گا مگر بتوفیق ایزدی و ہ اس میں پورے اتریں گے۔

آگے ہے:

فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَدۡعُوَا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلٰھًا لَّقَدۡ قُلۡنَا اِذًا شَطَطًا (۱۵)

سو وہ کہیں گے ہمارا رب وہی (ایک) ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی معبود کونہیں پکارتے (اگرکسی اورکو بھی معبود قرار دیں) تو ہم حق سے بہت دورکی بات کہنے والے ہوں گے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ انہیں طرح طرح کے لالچ دیکر یا جان و مال کے نقصان سے ڈرا کر مامور وقت کے دامن سے علیحدہ ہو جانے پر اکسائیں گے۔مگر وہ لوگ

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ ا سۡتَقَامُوۡا (حٰمٓ السجدہ۴۱:۳۱)

کے مصداق ہوں گے اور ہرگز لوگوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ صاف صاف کہدیں گے کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کے خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اگر ہم کسی کے لالچ دلانے سے لالچ میں آجائیں یا کسی کے ڈرانے سے ڈر جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم خدا کے سوا بھی کسی کو معبود مانتے ہیں۔مگر ایسی دور از حقیقت بات کی ہم سے امید نہ کی جائے ۔ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے:

هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (۱۶)

ہماری اس قوم نے اس کے سوا (دوسروں) کو معبود بنا رکھا ہے۔ یہ ان (کے معبود ہونے) پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے ۔(یعنی چونکہ یہ بے دلیل دعویٰ کرتے ہیں اس لئے جھوٹے ہیں) اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

===============

مہدی موعود کے زمانہ کے لوگ اپنے علماء و مشائخ کی باتوں میں آ کر اسکا انکار کرینگے اور اسطرح شرک کرنے میں یہود و نصاریٰ کے مثیل ٹھہریں گے

جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ زمانہ گذشتہ کے اس واقعہ کے بیان سے مقصود زمانہء مہدیؑ کے مسلمانوں کا ذکر کرنا ہے۔ اور وہ بظاہر ماسوا اللہ کے پرستار نہیں ہیں اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات کیوں کہی گئی۔ سو جاننا چاہیے کہ جب یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ وحی نازل ہوئی کہ

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

تو اس پر ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم ماسوا اللہ کے پرستار نہیں ۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اسے جسے انکے احبار اور رھبان حلال قرار دے دیں حلال اور جسے وہ حرام قرار دے دیں حرام نہیں سمجھتے ؟ یہی ان کا ان کو معبود قرار دینا ہے۔ پس یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ وہ لوگ اپنے علماء و مشائخ کے کہنے کو خدا کے حکم پر مقدم کرکے مامور وقت کا انکار کریں گے اور بنا برایں ماسوا اللہ کو معبود قراد دینے والے ہونگے۔ پس اس طرح یہ بتایا کہ مسیح موعودؑ کے منکر یہود و نصاریٰ کے مثیل ہونگے۔ اس سے اگلی آیت ہے۔

وَ اِذِا عْتَزَ لْتُمُوْ هُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْ وٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِ كُمْ مِرْ فَقاً (۱۷)

جب تم اپنی قوم کے ان لوگوں سے اور جن کی یہ عبادت کرتے ہیں(یعنی ان کے علماء و مشائخ سے) کنارہ کش ہو چکے ہو تو اس کہف میں پناہ لو۔ تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیگا۔ اور تمہارے معاملہ میں آسانی پیدا کردیگا۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہف میں تو وہ پہلے ہی پناہ لے چکے ہونگے ۔ جیسا کہ **اِذْاَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ** کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر اس قول کی کہ **فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ** (تم اس کہف میں پناہ لے لو) کیا وجہ ہوسکتی ہے؟۔

سو جاننا چاہیے کہ اس کی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ پہلی جگہ ان کا اس کہف میں پناہ لینا اور رنگ کا یا اورمعنٰی میں ہو ۔ اور دوسری جگہ اور رنگ کا یا اورمعنٰی میں ۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ پہلی جگہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ شخص جس کی خاطر انہوں نے یہ قدم اٹھایا ابھی مامور نہیں ہوا ہو گا۔ اور دوسری جگہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ مامور ہو چکا ہو گا۔ اس لئے لازماً پہلی جگہ نسبتاً کم درجہ کی اور دوسری جگہ نسبتاً زیادہ درجہ کی وابستگی مراد ہو گی۔ ایسے زیادہ درجہ کی کہ گویا پہلی وابستگی اسکے مقابلہ پر کوئی وابستگی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ ماموریت سے پہلے تو اس شخص یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ کوئی آپؑ سے بیعت لینے کی درخواست کرتا تو آپؑ یہ کہہ کر کہ لَسْتُ بمامورانکار کر دیتے ۔ اس لئے اس وقت تک لوگوں کے

قادیان کی طرف ہجرت کر آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب آپؑ مامور کئے گئے تو پھر آپؑ نے خود لوگوں کو کہنا شروع کر دیا کہ جتنا زیادہ ممکن ہو آ کر صحبت میں رہیں۔ اس لئے جو لوگ آپؑ کے پاس یعنی قادیان میں ہجرت کر آئے ان کا کام تھا کہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں۔ پس ان آیات میں یہی بتایا گیا کہ پہلے تو لوگ اس مقام کے ساتھ صرف ذہنی اور روحانی وابستگی اختیار کریں گے۔ لیکن جب وہ شخص جس کی خاطر اُنہوں نے اس مقام کو اپنی پناہ گاہ جان کر اس سے وابستگی اختیار کی ہوگی مامور کیا جائے گا تو اس کے بعد وہ وہاں ہجرت کر آئیں گے اور صرف خود ہی ہجرت نہیں کر آئیں گے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں گے۔ اور بتائیں گے کہ ایسا کرو گے تو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ اور تمہاری اپنے مقاصد دینیہ میں کامیابی آسان بنا دے گا۔ چنانچہ یہ سب باتیں بھی لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔

===============

موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدیؑ کے اپنے پہلے مرکز سے ہجرت کرنے اور نئے مرکز میں پناہ پانے کی پیشگوئی

قرآن کریم ذوالمعارف ہے ایک ایک لفظ میں کئی کئی اشارات ہوتے ہیں۔ اس لئے **اِذْاَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْکَهْفِ** کے الفاظ میں ان کے ایک کہف میں پناہ گزیں ہونے کا ذکر پہلے آ جانے کے باوجود جو **فَاْوٗٓا اِلَی الْکَهْفِ** کے الفاظ لائے گئے تو اسکی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پہلی جگہ اور کہف کا ذکر ہو اور دوسری جگہ اور کہف کا (اس صورت میں اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ موعود اصحاب الکہف کو اپنی پہلی کہف۔ قادیان۔ سے ہجرت کرکے ایک اور کہف یعنی ایک اور ویسے ہی دنیا سے الگ تھلگ مقام میں پناہ لینا پڑے گی۔ چنانچہ جماعت کا مرکز بننے کے وقت ربوہ ایسا ہی مقام تھا) اور اس کے بعد **لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ** میں یہ اشارہ ہو کہ اس وقت وہ دو گروہ ہو چکے ہونگے۔ ایک ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا جس کے لئے انہوں نے اس ''کہف'' میں پناہ لی اور دوسرا ان کا لحاظ نہ رکھنے والا۔

چنانچہ ہجرت از قادیان سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے ماننے والے مبایعین

خلافت اور غیر مبایعین دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ مگر ہجرت کے بعد مبایعین نے تو حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے مشن کو جاری رکھا مگر غیر مبایعین غیر احمدیوں میں مل جل کر رہ گئے اور اس طرح ان دونوں میں کھلی کھلی تمیز ہو گئی۔

===============

نئے مرکز کا نام ربوہ ہونے اور اسکی مرکز بننے سے پہلے اور بعد کی کیفیت اور دیگر اہم امور کے بارہ میں پیشگوئی

حضرت مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی اپنے پہلے مرکز سے ہجرت کی خبر اور نئے مرکز بننے سے پہلے کی اور بعد کی کیفیت قرآن کریم میں مذکور ہے۔اور وہ اسطرح کہ اسنے آپؑ کا نام ابراہیم بھی رکھا اور سورۃ البقرہ آیت ۱۲۷ میں یہ بتایا کہ مکّہ کے وجود میں آنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اس بے آب و گیاہ جگہ پر کھڑے ہو کر جہاں بعد میں یہ شہر بنا دعا کی کہ خدایا اس جگہ شہر بنا دے جو امن والا ہو اور اسکے اہل کو ثمرات سے نواز اور سورۃ ابراہیم آیت ۳۶میں یہ بتایا کہ جب یہ جگہ عملاً شہر بن گئی تو انہوں نے پھر اسمیں کھڑے ہو کر اسکے امن والا شہر ہونے کی دعا کی۔(جس سے ظاہر ہے کہ اسکے شہر بننے سے پہلے بھی اور اسکے بعد بھی انکے مبارک قدم اس پر پڑے) اور جیسا کہ آیت ۳۸ سے ظاہر ہے اپنی ذریّت کو اس **غیر ذی زرعٍ** مقام پر آباد کرنے کی غرض انہوں نے یہ بیان کی کہ تا وہ نماز قائم کریں اور اس غرض کے پورا ہونے کے لئے یہ التجا بھی کی کہ اے میرے رب لوگوں کے دلوں کو انکی طرف پھیر دے اور انکو ثمرات عطا کر تا وہ شکر گزار ہوں۔

چونکہ قرآنی قصص بطور پیشگوئی ہوتے ہیں(جیسا کہ ارشادِ ربّانی **فِيْهِ ذِكْرُكُمْ** سے اور اسی طرح **تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ** سے اور کئی دوسری آیات سے ظاہر ہے) اس ذکر میں یہ اشارہ تھا کہ آئندہ بھی ایک ابراہیم پیدا ہو گا اور اسکے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا۔ اور چونکہ حضرت مہدی موعودؑ ہی کا نام خدا تعالیٰ نے ابراہیم رکھا اس لئے یہ پیشگوئی آپؑ ہی کے بارہ میں تھی۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ رویاء وکشوف میں کبھی ایک چیز ایک شخص کے بارہ میں دکھائی

جاتی ہے اور وہ پوری اسکے کسی بیٹے کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت مہدی مسعودؑ نے خود ہجرت نہیں کی مگر آپؑ کے ایک بیٹے اور خلیفہ کو قادیان سے ہجرت کرنا پڑی اس میں شبہ نہیں کہ اس پیشگوئی کا اس بیٹے ہی کی ذات میں پورا ہونا مقدّر تھا مگر اس غرض سے کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔ خدا تعالیٰ نے کئی سال پہلے اس بیٹے کی زبان پر الہاماً یہ الفاظ جاری فرمائے کہ **اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَ خَلِیْفَتُہٗ**۔ چنانچہ جب آپ کے اس بیٹے اور خلیفہ کو اپنے مبایعین سمیت قادیان چھوڑ کر ہندوستان سے پاکستان آنا پڑا اور یہاں نئے مرکز کی ضرورت پیش آئی تو خدائی اشاروں اور تصرف کے ماتحت آپ نے جو جگہ مرکز بنانے کے لئے پسند کی وہ مکّہ مکرمہ کی طرح بالکل بے آب و گیاہ جگہ تھی۔ آپ نے بھی انہی دعاؤں کے ساتھ جو حضرت ابراہیمؑ نے مکّہ کے لئے مانگی تھیں اس جگہ کھڑے ہو کر نئے مرکز کی بنیاد رکھی اور آپ کی ان دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے خدا تعالیٰ نے اسے شہر بھی بنا دیا۔ آبادی کے لئے جو بنیادی ضرورت تھی یعنی پانی وہ بھی اسمیں سے نکال دیا اور اسکے رہنے والوں کو نہ صرف مادی پھلوں سے بلکہ ایمان کے ثمرات سے بھی بکثرت نوازا اور مسلسل نواز رہا ہے۔ پھر لوگوں کے دلوں کو بھی اس کے رہنے والوں کی طرف پھیر دیا اور دنیا کے کونے کونے سے لوگ یہاں آنے لگے اور یہاں کے لوگ ساری دنیا میں قیام صلوٰۃ کا ایک ذریعہ بن گئے۔ مگر اسی پر بات ختم نہیں ہوئی بلکہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ اشارہ بھی فرمایا تھا کہ اس مرکز کا نام <u>ربوہ</u> ہوگا۔ آپؑ کے جس بیٹے کے ذریعہ یہ پیشگوئی پوری ہونے والی ہے وہ اور اسکی والدہ ماجدہ یہاں آئینگے اور یہ جگہ انکی آخری قیام گاہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّہٗٓ اٰیَۃً وَّ اٰوَیْنٰـھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ (المومن ۲۳:۵۱)

اور ہم نے ابنِ مریم اور اس کی اُمّ کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ربوہ میں جو ذات قرارٍ و معین ہے پناہ دی۔

چنانچہ مسیح ثانی حضرت مسیح موعودؑ کے اُس بیٹے خلیفہ اور مثیل نے اپنی جماعت کے مرکز کے لیے جو جگہ پسند کی (اردگرد کی جگہوں سے اونچی ہونے کی وجہ سے) اس کا نام <u>ربوہ</u> رکھا۔ آپ

یہاں رہنے کے لئے تشریف لائے تو آپکی والدہ ماجدہ آپکے ساتھ تھیں اور یہ مقام ان دونوں کی آخری آرام گاہ بھی ثابت ہؤا۔اور اگرچہ ظاہر میں یہ ایک بے آب وگیاہ جگہ تھی مگر **وَمَعِیْنٌ** کے لفظ کے مطابق اس سے علم و عرفان کے ایسے چشمے پھوٹے کہ ایک عالم ان سے سیراب ہورہا ہے۔اور ٹیوب ویلوں کی صورت میں تو مادی پانی کے چشمے بھی گھر گھر پھوٹ رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے اس زمین میں سے پانی نہیں نکلتا تھا۔ اس سے قطعی طور پرثابت ہوتاہے کہ:

نمبر۱ قرآن کریم کی یہ پیشگوئیاں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق تھیں۔

نمبر۲ آپؑ مثیل مسیحؑ ہیں اور

نمبر۳ حضرت مصلح موعودؓ آپؑ کے مثیل ہیں۔

جب یہ بتایا گیا کہ اصحابِ کہف نے اپنی قوم کو رحمتوں اور ترقیّات کے دروازے کھلنے کی خبر دی تھی تو چونکہ اس قصّہ کے پیرایہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آئندہ بھی اصحاب کہف ہونگے اور ان کے وقت میں ایسے ہی واقعات دہرائے جائیں گے اس لئے یہ بتانے کو کہ

موعود اصحاب کہف کی ترقیّات کی نوعیت کیا ہوگی اور گذشتہ اصحاب کہف اور ان اصحاب کہف کی ترقیّات میں کیا فرق ہوگا

فرمایا:

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ (۱۸)

تو دیکھے گا کہ سورج جب طلوع کریگا تو انکی کہف سے دائیں طرف سے ہوکر گزریگا اور جب ڈوبے گا تو بائیں طرف سے کترا کرنکل جائیگا اور وہ ان کے درمیان کھلے میدان میں ہونگے۔

مطلب یہ کہ آفتاب (روحانیت یعنی مأمورِ وقت) کے نصف النّہار تک پہنچنے (یعنی اس کے مشن کے بام عروج کو چھونے تک) تو اسکی روشنی اس کہف کے دائیں طرف پڑیگی یعنی

اسکی قوم دینی اعتبار سے ترقی کریگی اور زیادہ تر دین کے رنگ میں خداتعالیٰ کے فضل اسپر ہونگے۔ اگرچہ کچھ دنیوی فوائد بھی انکو ملینگے (جیسا کہ مادی سورج جب چڑھتا ہے تو اسکی روشنی زمین کے اس حصّہ پر جو بالکل اسکے سامنے ہو زیادہ پڑتی ہے مگر پڑتی دوسرے حصہّ پر بھی ہے) لیکن اسکے بعد جوں جوں اسکے زمانہ کا آخر آتا جائیگا اسکی روشنی اس کہف کے بائیں جانب زیادہ پڑیگی اگرچہ کسی قدر دائیں جانب بھی پڑیگی یعنی اسکی قوم کو زیادہ تر دنیوی ترقیات اور انعامات حاصل ہونگے اگرچہ کچھ افراد اس کے دین اور روحانیت میں ترقّی پانے والے بھی ہونگے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کے ابتدائی زمانہ میں دینی لحاظ سے ترقیّ پانے والے لوگ زیادہ ہونگے اور اسکے آخری زمانہ میں ایسے لوگ کم ہونگے۔ چنانچہ انبیاء کے وقت میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آیت: ثُلَّةٌ مِنَ الاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (اَلْوَاقِعَة۵۶:۱۴-۱۵) میں اس کا ذکر ہے۔

یہ پیشگوئی بھی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں ایمان لانے والوں میں سے اکثریت صاحب کشف و الہام لوگوں کی تھی۔ مگر اس کے بعد انکی تعداد کم ہوتی گئی تاہم بفضلہٖ تعالےٰ ایسے لوگوں کے وجود سے جماعت خالی کبھی نہیں ہوئی۔

یہ خبر دینے کے بعد وَھُمْ فِی فَجْوَةٍ مِّنْهُ کے الفاظ لا کر جن کے معنے یہ ہیں کہ وہ ان کے درمیان کھلے میدان میں ہونگے خدا تعالےٰ نے بتایا کہ ان کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی ترقیات کا میدان کھلا ہوگا۔ جس میں چاہیں اور جتنی چاہیں ترقّی کرلیں۔ فرمایا یہ اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔

ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مَنْ یَّھْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (۱۸)

جسے اللہ ہدایت دے وہ (ان نشانوں سے اس مامور کی اور قرآن کی) صداقت کو پالیگا ۔لیکن جسے وہ (اس کے لائق نہ سمجھے اور) گمراہ کردے (یعنی اسکے مقدّر میں گمراہی لکھدے) تو (اسکے بعد) تو اس کا کوئی ایسا دوست نہیں پائے گا جو اسے (خدا تعالیٰ کی) راہ دکھا سکے۔

اسمیں بتایا کہ اس موعودؑ کے ماننے والوں میں تو خدا رسیدہ ہونگے مگر اس سے الگ

رہنے والوں میں نہیں ہونگے۔ چنانچہ اس کی طرف سورۃ یٰسین کی آیت " وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ " میں بھی اشارہ ہے۔ حضرت مہدی موعود نے خود بھی فرمایا ہے :

" اس (مجدد وقت) کو خواص انبیاء اور رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر افضل الرسل ﷺ ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور اسکے قدم پر چلنا موجب نجات و سعادت و برکت اور اس کے بر خلاف چلنا موجب بُعدو حرمان ہے۔" (اشتہار منسلکہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۵۷)

نیز فرمایا:

"خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ رہے گا وہ کاٹا جائے گا بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ (تذکرہ ۳۰۷)۔ یعنی اسکا پیوند خداتعالیٰ سے قائم نہیں ہوگا اور اگر پہلے تھا بھی تو قائم نہیں رہے گا۔"

اسی طرح فرمایا:

"میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خداتعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کرکے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خداتعالیٰ سے یہ نعمت پائیگا مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے۔" (اربعین نمبر ۱)

چنانچہ یہ بات گذشتہ سو سال سے دیکھنے میں آ رہی ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مہدی موعود ہونے اور آپکی جماعت کے (مثیلان) اصحاب کہف ہونے کا ثبوت ہے۔ اسکے بعد یہ بتانے کو کہ: موعود اصحاب کہف کی بیداری ایکطرح کی نیند اور نیند ایکطرح کی بیداری ہوگی۔ فرمایا:

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ (کہف آیت ۱۹)

(اے آئندہ ہونیوالے اصحاب کہف کے زمانہ کے مخاطب قرآن) تو سمجھتا ہے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔

اسمیں دو اشارے ہیں۔

نمبر ا   یہ کہ انکی ابتدائی حالت (جبکہ وہ اپنی اس کہف سے نکل کر دنیا میں پھیلے نہیں ہونگے) ان کی مستقبل کی حالت کے مقابلہ میں ایسی ہوگی جیسی ایک بیدار کے مقابل پر سونے والے کی حالت ہوتی ہے۔ یعنی اگرچہ ان میں جان تو دکھائی دے گی مگر مستقبل میں جسطرح انہوں نے دنیا کے مشرق ومغرب میں پھیل جانا ہے اسکے مقابل پر انکی اس وقت کی حالت کو بیداری کی نہیں خواب کی حالت کہنا چاہیے۔

نمبر۲   یہ کہ (بمطابق آیت اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلَا ئِکَۃُ) ان پر فرشتوں کا نزول ہوگا اور ان کو ایسے صاف اور صریح طور پر بعض امور غیبیہ پر اطلاع دی جائیگی کہ تم خیال کروگے کہ ان لوگوں نے یہ سب کچھ عالم بیداری میں اپنی مادی آنکھوں سے دیکھا ہے۔حالانکہ انہوں نے وہ باتیں خواب یا ربودگی کی حالت میں یعنی رویاء وکشوف میں اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھی ہونگی۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر صحابہ مہدی موعود میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے روشن وواضح رویاء وکشوف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نمبر ا   والدہ صاحبہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نہایت بزرگ صاحب کشف و الہام خاتون تھیں۔ انہیں ایک خواب میں دکھایا گیا کہ اگلے جمعہ کے روز کو انکے میاں کی وفات ہوگی۔ انکو اسپر ایسا یقین تھا کہ ساری اولاد کو بلوالیا اور تابوت اور کفن تک کا انتظام کرلیا اور عین اسی روز انکے میاں (حضرت چوہدری ظفراللہ خان کے والد بزرگوار) کی وفات ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب میری والدہ مصنفہ حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ)

نمبر۲   حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔ ایک دفعہ جناب صاحب خان صاحب نون نے جو فیروز خان صاحب نون کے چچا تھے اور ایک ضرورت کے وقت حضرت مولوی صاحب موصوف کے کام آچکے تھے آپ کو اپنے تین مقاصد کے لئے دعا کی تحریک کی:-

اوّل یہ کہ وہ افسر مال کے عہدہ پر فائز ہیں اور باوجود سینئر ہونے کے ان کو ترقی نہیں ملی اور جونئیر افسر ڈپٹی کمشنر بن گئے ہیں ۔ دوسرے ان کی خواہش ہے کہ ان کو خان بہادر کا خطاب مل جائے ۔تیسرے ان کے ہاں نرینہ اولاد پیدا ہو۔

حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں۔'' میں نے ان کے تینوں مقاصد کے لئے دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا اور ان کے احسان اور حسن سلوک کو پیش نظر رکھ کر دلی توجہ سے ان کے لئے دعائیں جاری رکھیں ۔ یہاں تک کے میرے سامنے کشفی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کاغذ پیش کیا گیا۔ جس میں لکھا ہوُا تھا کہ وہ ڈپٹی کمشنر بنائے جائیں گے ۔ اور سب سے پہلے ان کا تقرر ضلع گوجرانوالہ میں ہوگا ۔ ان کو خان بہادر کا خطاب ملے گا اور ان کے ہاں لڑکا بھی تولد ہوگا ۔ جس کا نام مجھے احمد خان بتایا گیا۔''

اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت احسان اور فضل ہے کہ اس پیش خبری کے عین مطابق وہ ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر فائز ہوئے ۔ اور سب سے پہلے ان کا تقرر گوجرانوالہ میں ہوُا انہوں نے اس تقرری کے بعد مجھے لکھا کہ آپ کا اطلاعی خط میرے سامنے پڑا ہوُا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے علّام الغیوب ہونے پر حیرت سے غور کر رہا ہوں ۔ پھر ان کو خان بہادر کا خطاب سرکار کی طرف سے دیا گیا اور یکم مئی ۱۹۴۹ء کو ان کے ہاں لڑکا بھی پیدا ہوُا اور جس طرح بہت عرصہ پیشتر میں نے اس بچہ کا نام احمد خاں دیکھا تھا۔ سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے حسن اتفاق سے اس کا نام احمد خاں ہی تجویز فرمایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

انہی حضرت مولوی غلام رسول راجیکیؓ کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے ۔ ۱۹۳۸ء مین ہندستان کی لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے لئے الیکشن ہونے والے تھے ۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے جماعت کو ہدایت فرمائی کہ فلاں شخص کو ووٹ دیا جائے اس پر وہ لوگ جو چاہتے تھے کہ دوسرے کو ووٹ ملے سخت بر ہم ہوئے اور ایک بھٹی رئیس حاتم علی نامی نے تو مخالفت کی انتہا کر دی اور جوش اور غیظ میں نہ صرف احمدیوں کو گالیاں دیں بلکہ حضرت مولانا صاحب سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی سب دشتم کا نشانہ بنایا اور ان بزرگ ہستیوں کی سخت ہتک اور توہین کا ارتکاب کیا ۔ جب اس کی بد زبانی کی انتہا ہوگئی تو حضرت مولانا راجیکی صاحب نے حاضرین مجلس کے سامنے اس کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

''حاتم علی ! دیکھ اس قدر ظلم اچھا نہیں تیرے جیسوں کو خدا زیادہ مہلت نہیں دیتا ۔ یاد رکھ اگر تو نے توبہ نہ کی تو جلد پکڑا جائے گا ۔''

حضرت مولوی صاحب مجمع عام میں یہ الفاظ کہہ کر اور احباب جماعت کو صبر کرنے اور

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ کی دعا پڑھتے رہنے کی تلقین کر کے واپس قادیان تشریف لے گئے ۔ حاتم علی آپ کے جانے کے معاً بعد بعارضہ سل بیمار ہوگیا ۔ مقامی طور پر علاج کی کوشش کی اور آخر میو ہسپتال لاہور میں ماہر ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ مگر۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

قریباً چار ماہ کی شدید تکلیف دہ علالت کے بعد یہ معاندا حمدیت اپنے جاہ وجلال کو چھوڑ کر دنیا سے اٹھ گیا۔

رائے ظہور خان ناصر صاحب آف بھاکا بھٹیاں ضلع گجرانوالہ بیان کرتے ہیں کہ حاتم علی کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ شاہ مسکین شیخوپورہ کا تبلیغی جلسہ تھا اس میں شمولیت کے لئے علاوہ اور علماء سلسہ کے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بھی تشریف لائے ہوئے تھے ۔ میرے مرحوم بھائی مولوی امیر احمد صاحب بھی اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے شاہ مسکین گئے اور وہاں پر حضرت مولانا صاحب سے ملاقی ہوئے ۔ آپ نے میرے بھائی جان کو دیکھتے ہی فرمایا۔ ''سنایئے بھائی محمد امیر اس گالیاں دینے والے حاتم علی کا کیا حال ہے'' میرے بھائی مرحوم نے بطور امتحان کے اصل واقعہ کو چھپاتے ہوئے عرض کیا کہ حاتم علی کے غرور وتکبر کو آپ جانتے ہیں اس میں کیا کمی ہوسکتی ہے۔ یہ سن کر حضرت مولوی صاحب متبسم چہرے سے فرمانے لگے ۔ ''گھروں میں آواں تے سنیہے توں دیویں۔ مجھ سے بات چھپاتے ہو ۔ جس دن سے میں تمہارے گاؤں سے گیا ہوں اس دن سے حاتم علی کی بیماری اور اس کے علاج کی کیفیت متواتر مجھے بذریعہ کشف بتائی جا رہی ہے ۔ کیا کل تمہارسارا گاؤں اس کو قبرستان میں دفن کر کے بارش اور آندہی میں واپس نہیں لوٹا۔''

چونکہ واقعات ہوبہو اسی طرح ہوے تھے میرے بھائی صاحب حضرت مولوی صاحب کی زبانی یہ کیفیت سن کر حیران ہو گئے۔ کہ کس طرح ایک سو میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے جملہ حالات سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ساتھ ساتھ آگاہ فرمایا۔ چنانچہ میرے بھائی صاحب نے شاہ مسکین کے جلسہ میں حاضرین کے سامنے احمدیت کی صداقت کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا اور ہمیشہ لوگوں کے سامنے حلفیہ اس واقعہ کا ذکر کرتے تھے ۔ سچ ہے ؎

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں   ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار ونزار

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (آیت ۱۹ جاری)

اورہم انہیں دائیں اور بائیں (یعنی ساری دنیا میں پھیلائیں گے) حالانکہ ان کا کتا صحن میں (یا چوکھٹ پر) ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہوگا۔

اس آیت میں سابقہ اصحاب کہف کے باقیات یعنی انکی قوم کے آئیندہ زمانہ میں مشرق ومغرب میں پھیلائے جانے کی پیشگوئی بھی بیشک ہے اور اس اعتبار سے انکے ساتھ کتے کا ذکر کرکے گویاانکی ایک ظاہری علامت بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ بڑامقصد ان آیات کا آئندہ ہونے والے اصحاب کہف یعنی اعوان المہدی کی خبر دینا ہے۔ اور ان کی علامت ظاہری کتوں کا ساتھ ہونا نہیں ہونی تھی اس لئے یہاں **وَكَلْبُهُمْ مَعَهُمْ** کے الفاظ نہیں رکھے گئے بلکہ **وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْد** کے الفاظ رکھے گئے۔

===============

موعوداصحاب کہف کے تعلق میں کلبٌ یعنی کتے سے مراد

بات یہ ہے کہ موعود اَصحابِ کہف کے بارہ میں جتنی باتیں بھی ان آیات میں بیان ہوئی ہیں ان سب میں مجاز اور استعارہ سے کام لیا گیا ہے ۔ اس لئے لفظ کلب سے بھی ظاہری کتاّ مرادنہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس میں کتّوں والی خاصیتیں ہوں ۔ رویاء وکشوف میں کتاّ دیکھا جائے تو اس کی تعبیر دشمن ہوتی ہے ۔یوں بھی بعض اوقات کتے کا لفظ دشمن کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔چنانچہ ایک شعر ہے ۔

مَنْ اَنكَرَالْحَقَّ الْمُبِيْنَ فَاِنَّهٗ   كَلْبٌ وَعَقْبَ الْكَلْبِ سِرْبُ ضِرَاء

(درثمین عربی)

جس نے کھلے حق کا انکار کیا وہ کُتاّ ہے اس حالت میں کہ اس کے پیچھے شکاری کتّوں کا غول چلا آتا ہے ۔

===============

موعود اصحاب کہف کا کتاّ ان کا محافظ نہیں مخالف ہوگا

پس کُتّے سے مراد دشمن ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کا دشمن اسکا محافظ نہیں ہوتا۔ پس یہ فرما کرکہ **وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ** یہ بتایا گیا کہ دشمن انہیں کہف سے نکل کر باہر جانے سے روکے گا۔مگراس کے باوجود خدا تعالیٰ انہیں دنیا میں پھیلائے گا۔آ گے ہے ۔

لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْباً (۱۹)

(اے دشمن انکی یہ حالت ہوگی کہ)اگرتو ان (کے عزم وہمت وعلم وفضل) پر اطلاع پائے تو ان سے فرار کی راہ اختیارکرے گا اور ان کے رعب سے بھر جائیگا۔(یعنی آئندہ ان کے مقابل آنے کی ہمّت ہی نہ پائیگا)۔

===============

موعود اصحاب کہف کو ایک خاص رعب عطا کیا جائیگا

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے موعود اصحابِ کہف یعنی اعوان المہدی کی ایک بڑی نشانی بتائی کہ ان کو ایک خاص رعب عطا کیا جائیگا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کا ایک الہام بھی ہے۔ **نُصِرْتَ بِالرُّعْبِ** تیری رعب سے مدد کی گئی ۔آپؑ تو آپؑ تھے بارہا دیکھا گیا ہے کہ آپکے متبعین کابھی دشمنوں پر ایسا رُعب پڑ جاتا ہے کہ وہ مقابلہ سے پہلے ہی راہ فرار اختیار کر جاتے ہیں ۔مندرجہ بالا ارشادات ربّانی کے بعد ہے ۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَ لُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْبَعْضَ يَوْمٍ ط قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا (۲۰)

آیت ۱۳ کے الفاظ **ثُمَّ بَعَثْنٰهُم** میں خدا تعالیٰ نے موعود اصحاب کہف کے روحانی بعث کی خبر دی تھی۔ اور آیت **وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ** میں بتایا تھا کہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ انہیں دنیا کے یمین وشمال میں پھرایا جائیگا۔ مگر علم الٰہی میں تھا کہ اسکے باوجود دنیا کے بعض اہم علاقے ایسے بھی ہونگے جن میں ایک مُدّت تک ان کا نفوذ نہیں ہوگا۔ اور سوال پیدا ہوگا کہ ان علاقوں میں ان کا نفوذ کب اور کیسے ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال اپنے وقت کا ایک اہم سوال ہونا تھا۔ مگر اسکا جواب عالم الغیب خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ پس اس کا جواب دینے کو زیر نظر آیت لائی گئی۔ اور اسمیں خدا تعالیٰ نے **كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ** کے الفاظ لاکر بتایا کہ جس طرح پر ہم نے انہیں (مسیح موعودؑ کے ذریعہ) پہلی بار اٹھایا اسی طرح انہیں (اسکے قائم مقام بیٹے اور خلیفہ یا اسکے تابع ہوکر آنیوالے کسی مامور کے ذریعہ) دوبارہ اٹھائینگے۔ یعنی ایک حیات نو بخشیں گے۔ اور ایسا اس لئے کریں گے **لِيَتَسَائَلُوْا بَيْنَهُمْ**

تا کہ وہ (اپنے کارناموں اور کوتاہیوں کا جائزہ لینے کے لئے) ایک دوسرے سے سوال کریں۔

انکے پہلے بعث کی غرض **لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَيْن....الخ** بیان فرمائی تھی اور اس دوسرے بعث کی غرض **لِيَتَسَائَلُوْا بَيْنَهُم** بیان کی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ پہلے بعث کے وقت ابھی ان کی تربیت نہیں ہوئی ہوگی۔ اور اس مامور کا مستقبل بھی ابھی تاریکی میں ہوگا۔ اس لئے ضرورت یہ دیکھنے کی ہوگی کہ اسکے مامور ہو جانے پر کون ان اقدار کا لحاظ رکھتا ہے جن کے لئے وہ اسکے مقام (الکھف) سے وابستہ ہوئے۔ مگر یہاں کم وبیش سو سال بعد ہونے والے بعث کا ذکر ہے۔ اور وہ وقت ان کے لئے سابقہ مساعی اور سابقہ کوتاہیوں کا جائزہ لینے کا وقت ہوگا چنانچہ فرمایا

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ۔

ان میں سے ایک کہنے والا (یعنی جو ایسی بات کہنے کا مجاز ہوگا) کہے گا تم کتنا عرصہ (اس حال میں) رہے ہو۔

یعنی تم نے سوچا بھی ہے کہ تمہیں **مَنْ اَنْصَارِی اِلَى اللّٰهِ** کی صدا بلند کرنے والے مثیل مسیحؑ (یعنی مسیح قادیانی) کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر **نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** کا دعویٰ کئے ہوئے کتنا

عرصہ ہوگیا ہے ۔مگر اس کے باوجود تم ابھی ساری دنیا میں اسکا پیغام نہیں پہنچا سکے ۔

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ

وہ (بزبان قال یا حال) کہیں گے ہم ایک دن* (یعنی ایک صدی)یا اس کا کچھ حِصّہ اس حال میں رہے ہیں ۔

مطلب یہ کہ ایک اعتبار سے سو سال اس حال میں رہے ہیں اور ایک اعتبار سے اس سے کم عرصہ۔ یعنی اگر مسیح موعودؑ کے زمانہ سے اب تک شمار کرو تو سو سال ہوئے ہیں ۔ اور اگر انکے مثیل اورخلیفہ المصلح الموعود کے وقت سے گنو تو اس مدّت کا کچھ حصہ ہوئے ہیں۔
قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۔یہ تو ظاہر ہے کہ جسکی طرف سے سوال تھا یہ جواب الجواب بھی اسی کی طرف سے ہوگا۔ لیکن اس کے لئے جمع کا صیغہ ''قالوا'' یہ بتانے کو لایا گیا ہے کہ وہ اس مقام کا شخص ہوگا کہ جب کوئی بات کہے گا تو کئی اور اس بات کو آگے پہنچانے اور پھیلانے والے بھی ہوں گے ۔ یعنی وہ امام وقت ہوگا ۔معمولی آدمی نہیں ہوگا۔ بہرحال اس میں بتایا کہ

وہ (کہنے والے انہیں کہیں گے)تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تم کتنا عرصہ (اس حال میں) رہے ہو۔

یعنی وہ اس سے غافل نہیں کہ تمہاری کوششوں کے باوجود ابھی تک دنیا کے کئی اہم مقامات کے دروازے تم پر نہیں کھلے ۔ لیکن اب وہ یہ دروازے کھولنے والا ہے ۔

فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

لہٰذا تم اپنے میں سے کسی منفرد(حیثیت والے شخص) کو اپنے اس ورق (یعنی تحریر) کے ساتھ شہر کی طرف بھیجو۔

---

*قرآن کریم میں یوم کا لفظ ایک دن کیلئے بھی آیا ہے سو سال کے لئے بھی ہزار سال کے لئے بھی اور پچاس ہزار سال کے لئے بھی سابقہ اصحاب کہف کے باقیات یعنی انکی قوم کا آئندہ دنیا میں پھیلایا جانا دوسری آیات قرآنی کے مطابق ہزار سال کے بعد مقدر تھا اسلئے ان کے حق میں اس آیت میں آنیوالے لفظ یوم سے مراد ہزار سال لئے جائیں گے لیکن حدیث نبوی اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا کے مطابق امت محمدیہ میں تجدید دین کے لئے ہر سو سال کے بعد کسی مجدد کا مبعوث ہونا مقدر کیا گیا ہے اس لئے جہاں تک موعود اصحاب کہف کا تعلق ہے اس یوم سے سو سال ہی مراد ہونگے ۔

کئی ملکوں میں صرف ایک شخص اور عام شخص کو بھیجنے سے کام نہیں چل سکتا۔ اسلئے لفظ **احدکم** سے ایک شخص مراد نہیں بلکہ علم و فضل میں منفرد حیثیت رکھنے والے اشخاص یا وفود مراد ہیں۔ اسی طرح ورق کا لفظ ہے۔ سابقہ اصحاب کہف کے تعلق میں بے شک اس سے سکّہ مراد ہو۔لیکن موعود اصحاب کہف چونکہ اعوان المہدی ہونیوالے تھے اور حضرت مہدی علیہ السلام نے اشاعت دین کیلئے سلطان القلم ہو کر آنا تھا اس لئے انکی نسبت سے ورق سے مراد لکھا ہوا صفحہ لی جائیگی ۔ پس **ورقکم** سے کوئی ایک ورقہ یا مختصر اشتہار یا **Folder** ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اور اس میں بتایا کہ موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدی اپنی تبلیغ میں ایسے اشتہارات یا فولڈروں سے اہم کام لیں گے چنانچہ جس طرح خود مہدی موعود علیہ السلام نے انسے زبردست کام لیا اسی طرح پہلی صدی کے آخر میں آپؑ کے اعوان نے بھی زیر ہدایت حضرت خلیفہ المسیح الثالث انسے کام لیا اور اب دوسری صدی کے آغاز میں بھی زیر ہدایت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع انسے زبردست کام لیا جارہاہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی منتخب آیات اورمنتخب احادیث اور حضرت مہدیؑ کی تحریرات کے منتخب اقتباسات کی بکثرت اشاعت کی جارہی ہے ۔ اور ''**ھذہ**'' فرما کر جو یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ ہر ملک کے مناسب حال ورق ان کے سپرد کیا جائیگا اسے بھی مدِّنظر رکھا جا رہا ہے ۔

''المدینۃ'' سے مدینۃ النبی بھی مراد ہوسکتا ہے اور ملک روس بھی جوسارا آہنی پردہ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے ایک شہر کے حکم میں ہے ۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس پیشگوئی کے عین مطابق جماعت احمدیہ کی دوسری صدی کے پہلے سال ہی میں ایسے تغیرات نمودار ہوئے ہیں کہ ایک طرف دیوار برلن گرنے سے روس میں جماعت مہدی کے نفوذ کے راستے کھلنے لگے ہیں اور دوسری طرف قرآن کریم کا روسی ترجمہ بھی اس جماعت کی طرف سے تیّار ہوکر شائع ہو گیا ہے ۔ اسی طرح کچھ عربوں کے احمدی ہوجانے سے مدینۃ النبیؐ میں بھی تبلیغ کے مواقع پیدا ہونے لگے ہیں ۔ گو جیسا کہ اس آیت کے الفاظ **فَلْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَداً** میں اشارہ کیا گیا شروع شروع میں ان دونوں جگہوں پر تبلیغ مخفی طور پر کرنا ہوگی ۔

===============

احمدی مبلغین کے لئے ہدایات

آ گے مبلغین جماعت احمدیہ کیلئے ہدایات ہیں کہ ان کا طریق تبلیغ کیا ہو۔فرمایا:-

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَاماً

سووہ (فرد یا وفد جو بھیجا جائے) دیکھے کہ کونسا طعام اچھاہے ۔

چونکہ اعوان مہدی کے حق میں یہ سارا بیان مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہے اس لئے طعام سے بھی ظاہری گندم یا غلہ مرادنہیں ہوسکتا۔ بلکہ روحانی طعام یعنی ایسےعلمی دلائل اور نکات ہی مراد ہونگے جن سے آگے اور دلائل اور نکات پیدا ہوسکیں۔ جیسا کہ گندم کے ایک ایک دانے سے سو سو دانے پیداہوسکتے ہیں ۔ ظاہری طعام مرادلیکرمفسرین نے اس جملہ کے یہ معنے کئے ہیں کہ وہ دیکھے کہ کونسا طعام (ان کے لئے) بہتر ہے ۔لیکن اس سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ وہ دیکھے کہ کونسا طعام اہل مدینہ کوپیش کرنے کے لئے بہتر ہے ۔ اور چونکہ اعوان المہدی کا اس شہر یاملک میں جانا پیغام حق پہنچانے کے لئے ہوگا اسلئے ان کے مناسب حال دوسرے معنے ہی ہیں ۔ پس اس میں بتایا کہ وہ دیکھے کہ کونسی بات یا دلیل اہل مدینہ کے مزاج کے مطابق اور ان کے سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے آسان ہے پس وہی ان کی سامنے پیش کرے گویا وہ قرآنی حکم :

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِوَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(اَلنَّحل۱۶:۱۲۶)

کے مطابق عمل کی تلقین کرے گا اسکے بعد ہے :

فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

پھر اسکے ذریعہ (یعنی اسی دلیل سے انکو قائل کرکے) تمہارے لئے رزق (یعنی نشو ونما اور ترقی کا سامان) لائے

یعنی ایسے لوگوں کو حلقہ بگوش احمدیت بنائے جو جماعت کے لئے بدنامی کانہیں ترقّی اور نیک نامی کا موجب ہوں ۔صرف تعداد بڑھانا اسکا مقصود نہ ہو۔ (وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ المدثر۷۴:۷)

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَاماً کے یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ فَلْيَنْظُرْ اَيُّ

اَھْلِھَا اَزْکٰی طَعَاماً (کشاف)۔یعنی وہ (اپنے اوراق یعنی فولڈر دکھا کر لوگوں سے تعارف پیدا کرے اور پھر) دیکھے کہ اس شہر کے لوگوں میں سے کس سے اچھا طعام مل سکتا ہے۔ سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ جہاں کسی نبی کا پیغام پہنچنا ہوتا ہے وہاں کے لوگوں میں سے بعض کو پہلے سے اس کے بارہ میں سابقہ الہامی پیشگوئی کیطرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ جبھی آنحضرتؐ کے وقت کے اہلِ کتاب اپنے ساتھیوں کو ان باتوں کے بیان کرنے سے روکا کرتے تھے جنکی بنا پر آپؐ انکے مُسَلّمات کی رو سے انکے خلاف حجت قائم کرسکیں۔ پس اسمیں بتایا کہ وہ دیکھے کہ اس شہر کے کن لوگوں سے انکو نبیِ وقت سے متعلق ان پیشگوئیوں یا علامتوں کا علم ہوسکتا ہے جن سے وہ انپر بہتر طور پر حجّت قائم کرسکیں۔ **فَلْيَاْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ** پھر اس (مجازی) طعام کے زریعہ (یعنی ان باتوں سے لوگوں کو قائل کرکے) تمہارے لئے رزق (یعنی نشونما اور ترقی کا سامان) لائے یعنی ایسے لوگوں کو حلقہ بگوش احمدیت بنائے جو تمھارے لئے نیک نامی اور ترقی کا موجب ہوں۔

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا (۲۰)

(اور چونکہ دل سخت دلی اور بدخلقی سے جیتے نہیں جاتے) لٰہذا وہ نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لے اور تمہارے متعلق کسی کو علم نہ ہونے دے (کہ تم نے اسے بغرض تبلیغ بھیجا ہے) ورنہ وہ تمھیں ابتداء ہی میں دبا لینے کی کوشش کریں گے۔ (یاد رکھو)

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْيُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا (۲۱)

اگر وہ تم پر غالب آگئے تو تمھیں سنگسار کردیں گے یا واپس اپنے طریق کی طرف لوٹالیں گے اور اس صورت میں تم کبھی بامراد نہیں ہوگے۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ذکر اس مقام کا ہو رہا ہے جسمیں اسوقت مذہبی رواداری بالکل نہیں ہوگی اور یہ صورت اسوقت مسلمان حکومتوں میں یا پھر کمیونسٹ ممالک میں پائی جاتی ہے لٰہذا المدینہ سے بلاشبہ مدینہ منورہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور روس چین اور انکے تابع ممالک کے وہ شہر بھی جو ان ممالک کے لئے مرکزی حیثیت رکھنے والے ہوں۔

یہ اشارہ بھی اس آیت سے نکلتا ہے کہ اگرچہ تبلیغ کرنے کے لئے وہ ایک وقت میں کسی ایک آدھ شخص کو آگے بھیجیں لیکن یوں انہیں چاہیے کہ بہت سے لوگ اس شہر یا ملک میں داخل ہوجائیں (کیونکہ اسی صورت میں انہیں یہ خطرہ ہوسکتا تھا کہ اس ملک کے لوگ انہیں پہچان کر ان پر قابو پالیں اور سنگسار کردیں۔) لیکن ایسا نہ ہوتو ماننا پڑے گا کہ **فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ** میں لفظ احد سے کوئی فرد واحد مراد نہیں بلکہ ایک وفد یا کچھ منفرد حیثیت کے لوگ مراد ہیں ۔ چونکہ مختلف وقتوں اور مختلف حالات میں یہ دونوں صورتیں پیش آ سکتی تھیں اسلئے الفاظ ایسے رکھے گئے جو دونوں مفہوم دے سکیں۔ آگے ہے ۔

وَكَذَالِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيْهَا (۲۲ جاری)

(اورجس طرح ہم یہ سب کچھ کریں گے)اس طرح ہم لوگوں کو ان کے حالات پر آگاہ کریں گے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔ اور الساعۃ (کے آنے)میں کوئی شک نہیں ۔

متن میں ماضی کے صیغے خبر کا یقینی ہونا ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔

پہلے ان کا یہ قول نقل ہوا تھا کہ جس کو تم اس شہر بھیجو وہ تمہارے متعلق کسی کو علم نہ ہو نے دے ۔ اس کے بعد بظاہر کہا یہ جانا چاہیے تھا کہ اسطرح ہم ان کی کوششوں کو راز میں رکھیں گے ۔ لیکن کہا یہ گیا ہے کہ اس طرح ہم لوگوں کو ان پر آگاہ کرینگے ۔ اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ انکی اسطرح مخفی رنگ میں کی جانے والی کوششیں بار آور ہونگی ۔ اور کئی لوگ ایمان لے آئیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ بات کھل جائے گی اور لوگوں کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوجائے گا ۔ اور ایسا اسلئے ہوگا کہ تا لوگ جان لیں کہ خدا کا وعدہ (جو انکی ترقّی کے بارہ میں تھا) سچا وعدہ تھا۔ اور **اَلسَّاعَة** یعنی غلبہ دین کی گھڑی (یا قیامت کی گھڑی) کے آنے میں کوئی شک نہیں ۔ فرمایا۔

اِذْيَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوْا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا

(اس کے ساتھ) وہ وقت بھی یاد کرو جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک اہم معاملہ میں جھگڑے (یعنی جھگڑیں گے) اور کہیں گے ان پر

عمارت کھڑی کرو۔

مطلب یہ کہ یہ نہ سمجھو کہ یہ سب ترقیّات جنکی طرف اشارہ کیا گیا بغیر قربانی کے ہوجائیں گی۔ کچھ لوگ شہید کئے جائیں گے۔ لیکن جب حالات بدلیں گے اور ترقیّات حاصل ہونگی اس وقت یہ سوال اٹھیگا کہ ان قربانیاں دینے والوں کی کوئی یادگار بنائی جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ کہیں گے کہ کوئی سی عمارت بنا دو۔ فرمایا:-

اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِہِمۡ

اللہ ان (قربانیاں دینے والوں) کو بہتر جاننے والا ہے۔

یعنی وہ وہی چیز انکی یادگار کے طور پر بنوائیگا جو انکے شایان شان ہوگی۔ چنانچہ

قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡہِمۡ مَّسۡجِدًا (۲۲)

وہ لوگ جو ان کے امور پر غالب ہونگے یعنی اپنی بات منوانے کے اہل ہونگے (بتصرفِ الٰہی) کہیں گے ہم ان کے مقام پر مسجد بنائینگے۔

مطلب یہ کہ انکی قربانیاں تو اسلئے تھیں کہ تثلیث مٹے اور خدائے واحد کی عبادت ہو۔ اسلئے ہم کوئی بے مقصد عمارت بنواکر خود انکو محل شرک نہیں بننے دینگے بلکہ انکی یادگار کے طور پر مساجد یعنی خدائے واحد کی پرستش کی جگہیں بنوائینگے۔ اسکے بعد ہے:

سَیَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَۃٌ رَّابِعُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَۃٌ سَادِسُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَۃٌ وَّ ثَامِنُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ (۲۳جاری)

(بعض) لوگ کہیں گے وہ تین تھے چوتھا انکا کتّا تھا۔ اور (بعض) کہیں گے پانچ تھے چھٹا انکا کتّا تھا۔ اٹکل پچو سے کام لیتے ہوئے۔ اور (بعض) کہیں گے کہ (وہ) سات (تھے) اور آٹھواں انکا کتّا تھا۔

یہ وہ معرکہ آراء الفاظ ہیں جن پر مفسرین نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں مگر اکثر نے ان کو اصحاب کہف کی گنتی قرار دیا ہے پھر بعض نے کہا ہے کہ ثَلٰثَۃٌ اور خَمۡسَۃٌ کے بعد چونکہ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ کے الفاظ ہیں یہ تعداد صحیح نہیں لیکن سَبۡعَۃٌ کے بعد یہ الفاظ نہیں آئے اسلئے

یہ تعداد صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ آگے آتا ہے **لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْل** اور قلیل کا لفظ نفی مطلق کے لئے بھی آتا ہے اسلئے آخری تعداد بھی صحیح نہیں۔ لیکن اگر یہی بتانا مقصود ہوتا کہ انکی تعداد کسی کو بھی معلوم نہیں تو اتنی لمبی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک معیّن تعداد بیان کرنا ہر جگہ طاق عدد استعما ل کرنا اور جنکا بھی یہاں ذکر ہے پہلے انکی تعداد کے تین ہونے یا تین بتائے جانے کا ذکر کرنا پھر چار کا عدد چھوڑ کر پانچ کا ذکر کرنا اور اسکے بعد چھ کا عدد چھوڑ کر سات کا ذکر کرنا اور ہر جگہ اس کے ساتھ ایک کتےّ کا ذکر بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہا ں انکی عمومی تعداد کا ذکر نہیں بلکہ ان کے خواص کی تعداد کا ذکر ہے۔ بیشک بعض مفسرین کا ذہن پہلے بھی ادھر گیا ہے مگر ان سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے اس سے انکے دشمنوں کی تعداد مراد لے لی ہے حالانکہ اس تعداد کو تین یا پانچ یا سات میں محدود کرنے کا کوئی قرینہ اور کوئی جواز نہیں اور نہ اسکا کوئی ثبوت ہے۔ اسکے بعد جاننا چاہیے کہ قرآن نے مومنوں کے بارہ میں فرمایا کہ **اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہئیں دوسری طرف آنحضرتﷺ کو حکم دیا کہ **شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ** اہم دینی معاملات میں انسے مشورہ کر لیا کر اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ **فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** جب بعد مشورہ (جو ظاہر ہے مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف ہوگا) تو کسی بات کا عزم کر لے یعنی کسی فیصلہ پر پہنچ جائے تو پھر اللہ پر بھروسہ (کرتے ہوئے اس پر عمل) کر۔ نبی کے بعد خلفاء اسکے جانشین اور قائم مقام ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی اسی حکم کے تابع ہیں۔ جب اوپر **قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ** کے الفاظ لائے گئے تو چونکہ اول نمبر پر انکے خلفاء ہی ان الفاظ کے مصداق ہو سکتے تھے اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ جس وقت کا یہاں ذکر ہورہا ہے اس وقت تک یعنی مہدیٔ موعودؑ کے دعویٰ پر سو سال یا اس سے کچھ کم عرصہ گزرنے تک ان خلفاء کی تعداد کتنی ہو گی اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کی تعداد ملا کروہ کل کتنے ہو جائینگے۔اس لئے الفاظ زیرنظر لا کر اس سوال کا جواب دیا گیا یعنی مہدی موعودؑ کے خلفاء کی تعداد پر روشنی ڈالی گئی ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تین پانچ اور سات کے اعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے اور ہر ایک کے ساتھ ایک کتےّ کا ذکر کیوں ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ کلب کا لفظ اسم جنس کے طور پر ہے لیکن ایسا ہو تو جن کا ذکر **ثلثة خَمْسَةٌ** اور **سَبعَةٌ** میں ہے ان کو بھی بطور جنس لینا پڑے

گا اور ان کی تعداد کا بیان بے معنٰی ہو جائیگا۔

بات یہ ہے کہ انسانوں میں انسانوں ہی کا شمار ہؤا کرتا ہے جانوروں کا نہیں۔ اس لئے یہاں کلب سے مراد کوئی کتّا صفت انسان ہے نہ کہ عام کتّا۔ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ فرماتے ہیں:-

''ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ یعنی وہ کتّا ہے اور کتّے کے عدد پر مرے گا جو باون سال پردلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر باون سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب باون سال کے اندر قدم رکھے گا تب اسی سال کے اندر راہئی ملک بقا ہوگا۔''

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۶۔۱۸۷)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم از کم حضرت مہدی موعودؑ کے تعلق میں کلب سے مراد کوئی کتّا صفت انسان ہی ہے نہ کہ عام کتّا۔اور آپؑ کو اس کی خبر دیا جانا بتاتا ہے کہ اس کا آپؑ سے اور آپؑ کی جماعت سے کوئی خاص تعلّقِ دشمنی ہو گا کیونکہ کشف کی زبان میں کتّے سے دشمن مراد ہوتا ہے۔ اور اس کا نام نہ لیا جانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسا مشہور شخص ہو گا کہ بغیر اسکے کہ نام لیا جائے اسکی طرف لوگوں کا ذہن جا سکے گا۔اور اسے کتّے کے لفظ سے یاد کیا جانا بتاتا ہے کہ وہ ایک نہائیت بے حیا ،بے باک اور کمینہ شخص ہوگا۔ اور مامورمن اللہ کی بے باکی کے ساتھ مخالفت وہی شخص کیا کرتا ہے جسکے دماغ میں ظاہر یا مخفی خلل ہو۔ اور کتّے کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ پاگل ہو جائے تو اپنے روٹی ڈالنے والے پر بھی بھونکتا ہے اور اسے بھی کاٹنے کو پڑتا ہے۔ اس لئے اسمیں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ جماعت مہدی کے زیر احسان ہونے کے باوجود انکے خلاف گندہ ذہنی سے کام لے گا اور انہیں کاٹنے کو پڑے گا ۔ اورچونکہ لفظ کلب کی عددی قیمت بلحاظ حروف تہجّی باون (۵۲) ہے حسب الہام حضرت مہدی موعودؑ وہ اپنی عمر کے اکاون سال ضرور پورے کریگا مگر باون واں سال تھوڑا ہی گزاریگا کہ مر جائیگا اور اس کی موت کتّے کی موت یعنی ذلّت کی موت ہو گی۔

اب جب کہ یہ واضح ہو چکا کہ یہاں خلفاء مہدیؑ کی تعداد کا ذکر ہے اور کتّے سے مراد

کوئی خاص دشمن ہے تو تین سے بات شروع کرنے اور تین کے بعد پانچ اور پھر سات کا عدد بیان کرنے اور درمیانی اعداد کو چھوڑ دینے کی حکمت ادنیٰ تدبّر سے سمجھ آسکتی ہے اور معلوم ہوسکتا ہے کہ اس سے مقصود یہ اشارہ کرنا ہے کہ وہ دشمن احمدیت جس پر کتّے کا لفظ چسپاں ہوسکیگا اور جس پر مہدی موعودؑ کی وحی **کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ** صادق آئے گی سب سے پہلے آپؑ کے تیسرے خلیفہ کے وقت میں ظاہر ہو گا ۔ چوتھے خلیفہ کے وقت میں ایسا کوئی دشمن نہیں ہوگا مگر پانچویں خلیفہ کے وقت میں پھر ایک ایسا دشمن نمودار ہو جائیگا اس کے بعد چھٹے خلیفہ کا زمانہ پھر ایسے دشمنوں سے خالی رہے گا مگر ساتویں خلیفہ کے وقت میں پھر ایک ایسا دشمن ظاہر ہوگا۔اور ہو سکتا ہے کہ اسمیں یہ اشارہ بھی ہو کہ حضرت مہدی موعودؑ کی وحی **کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ** کا ظہور بھی تین بار ہو گا۔ وقت خود اصل حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق آپؑ کے تیسرے خلیفہ کے وقت میں ذوالفقار علی بھٹو نے جس کے متعلق ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ کس قماش کا انسان تھا جماعت مہدیؑ کے خلاف سازش کرکے احمدیوں کو اسمبلی سے غیر مسلم قرار دلوا یا مگر اس کے جلد ہی بعد پکڑا گیا اور باوجود اس کے کہ ایسے نعمتوں میں پلے ہوئے شخص کے لئے پاکستانی جیلوں کی کال کوٹھریوں میں ایک دن زندہ رہنا بھی مشکل تھا وہ کئی سال ان میں پڑا رہا اور مرا نہیں۔یہاں تک کہ اپنی عمر کے ۵۱ سال پورے کر لئے اور اس کا اکاونواں یوم پیدائش بھی منایا گیا مگر جب باونویں سال میں داخل ہوُا تو اس کے بعد جلد ہی تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور اپنی اس ذلّت کی موت سے اس عظیم الشان پیشگوئی کی صداقت پر نہ ٹوٹنے والی مہر تصدیق ثبت کر گیا۔

ابن سیرین کُتّے سے ایسا دشمن مراد لیتے ہیں جو کمینہ اور کم ذات ہو مگر انتہا پسند نہ ہو۔ سیاہ کُتّے سے عرب دشمن اور سفید کُتّے سے عجمی دُشمن مراد لی جاتی ہے۔ سفید رنگ والا اور (دشمنی میں) انتہا پسند نہ ہونا۔ اس پیشگوئی کا مصداق بھٹو اور ضیاء الحق میں سے اول الذکر کوٹھہراتا ہے۔ بھٹو نے احمدیوں کو **Not Muslim For The Purpose Of Law** قرار دیا ۔ عبادات وغیرہ سے نہیں روکا۔ مگر ضیاء نے یہ کیا کہ وہ کسی اشارہ سے بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہ کرسکیں۔ اور اِس طرح دشمنی میں انتہا کردی۔

===============

خلفاء مہدی کے بارہ میں بعض نہایت اہم خبریں

سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَۃٌ رَّابِعُھُمْ کَلْبُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَۃٌ سَادِسُھُمْ کَلْبُھُمْ
کے بعد رَجْمًا بِالْغَیْبِ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ تیسرے خلیفہ کے وقت میں جب ایسا دشمن ظاہر ہو گا تو وہ اپنی دشمنی کو ایسا رنگ دیگا کہ لوگ اپنی اٹکل سے یہ سمجھیں گے کہ اسکے بعد جماعت مہدی میں خلفاء کا سلسلہ ختم ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوگا بلکہ چوتھا خلیفہ بھی بنے گا۔ لیکن پانچویں کے وقت میں جب ایسا دشمن ظاہر ہوگا تو وہ بھی جماعت کی مخالفت کو ایسا رنگ دے گا کہ اس کی کاروائی کے نتیجہ میں پھر یہ سمجھا جائیگا کہ اس کے بعد جماعت احمدیہ میں خلفاء کا سلسلہ ختم ہو جائیگا مگر ایسا نہیں ہو گا بلکہ چھٹا اور پھر ساتوں خلیفہ بنے گا۔

===============

خلفاء مہدی سے متعلق ایک بشارت اور ایک حرف انذار

اب رہا یہ کہ سات کے بعد بات آگے کیوں نہیں چلائی گئی ۔ تو جاننا چاہئے کہ عربی میں سات کے عدد سے سات بھی مراد ہوتے ہیں اور یہ عدد کثرت کے لئے بھی آتا ہے پس یہ لفظ رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ مہدی موعودؑ کے سات خلیفے تو ضرور ہونگے جیسا کہ آیت وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَھُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَانِیَۃٌ (اَلْحَاقَّۃ ۶۹:۱۸) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ مہدیؑ اور اسکے خلفاء مل کر آٹھ ہونگے۔لیکن خلفاء کا وعدہ چونکہ ایمان اور اعمال صالحہ سے مشروط ہے(وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْامِنْکُمْ وَعَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ) اس لئے اس کے بعد اور خلفاء کا آنا منحصر ہوگا اس پر کہ لوگ پہلے کی طرح اسکے بعد بھی مذکورہ شرط کو پورا کرتے رہتے ہیں یا نہیں*۔ پس اس میں جماعت

---

*حضرت مصلح موعود سورۃ النور کی اس آیت کے بارہ میں فرماتے ہیں" یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک وعدہ ہے پیشگوئی نہیں اگر مسلمان ایمان بالخلافت پر قائم نہیں رہیں گے اور ان اعمال کو ترک کر دینگے جو خلافت کے قیام کے لئے ضروری ہیں تو وہ اس انعام کے مستحق نہیں رہیں گے۔" ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں " تیسری بات اس آیت سے یہ نکلتی ہے کہ یہ وعدہ امت سے اسوقت تک کے لئے ہے جب تک کہ امت مومن اور عمل صالح کرنیوالی رہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

احمدیہ کے لئے بشارت بھی ہے اور حرف انتباہ بھی۔خدا کرے جماعت اس کو یاد رکھے اور خلافت کا سلسلہ زیادہ سے زیادہ عرصہ چلتا رہے۔

سبحان اللہ کیا عجیب کلام ہے کہ لفظ لفظ سے عجیب عجیب نکات نکلتے ہیں۔ آگے ہے:

قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِہِمْ مَایَعْلَمُھُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ

(اے رسولؐ تو) کہہ میرا رب ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے چند لوگوں کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

اس میں بتایا کہ ان کی تعداد کا صحیح علم بھی خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ یعنی وہی تعداد صحیح ہے جسکی طرف اس نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس بات کا علم بھی کہ ثَلٰثَۃٌ خَمْسَۃٌ سَبْعَۃٌ وغیرہ سے کون لوگ مراد ہیں اسی کو ہے۔ اِلَّا قلیل کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ ان کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اور یہ بھی کہ صرف چند ایک کو ہے ۔ اور چونکہ ان بظاہر متضاد باتوں میں تطبیق یہ مراد لینے ہی سے ہوسکتی ہے کہ ان کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہے یا ہو گا جن کو خداتعالیٰ کی طرف سے علم دیا جائے گا۔ اور کسی کو نہیں اور خدا کے کلام میں تضاد ممکن نہیں اسلئے یہی معنٰی مراد ہیں۔ چنانچہ ان دونوں باتوں پر یا تو خدا تعالیٰ کے محض فضل سے اوپر کے صفحات میں ہم نے روشنی ڈالی ہے یا اس سے پہلے حضرت محیؒ الدین ابن عربیؒ کے اس بیان سے انکی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان پر سات خلفاء مہدی کے کوائف منکشف فرمائے گئے۔ دیکھیں کتاب بشریٰ لِلْیَائِسِیْنَ مصنفہ حضرت مولوی عبدا للطیف صاحب بہاولپوری صفحہ ۵۷ جس میں شیخ موصوف کی دو کتابوں فتوحاتِ مکیہ اور عنقاء المغرب کے حوالہ سے یہ بات کہی گئی ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ کسی صورت نہیں ہونگے۔ مطلب اسکا صرف یہ ہے کہ اتنے ضرور ہونگے اور اگر زیادہ ہوجائیں تو یہ زیادت فی الانعام ہوگی نہ کہ وعدہ خلافی ۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ مہدی موعود علیہ السلام کے سلسلہ کو ترقیِ خاص مل جانے تک اتنے ہونگے۔ یا یہ مراد ہے کہ بلافصل اتنے ہونگے۔ واللہ اعلم۔ وقت خود بتادیگا کہ اصل میں کیا مراد ہے۔

جب وہ مومن اور عمل صالح کرنیوالی نہیں رہیگی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے اس وعدہ کو واپس لے لیگا۔گویانبوّت اور خلافت میں عظیم الشان فرق بتایا ہے کہ نبوّت تو اس وقت آتی ہے جب دنیا خرابی اور فساد سے بھر جاتی ہے....لیکن خلافت اس وقت آتی ہے جب قوم میں اکثریت مومنوں اور عمل صالح کرنیوالوں کی ہوتی ہے۔(تفسیر کبیر جلد ششم ۳۲۷)

فَلَا تُمَارِ فِيُهِمُ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِراً

(جب صورت یہ ہے) تو (اے مخاطب) تو انکے بارہ میں کسی ایسی بحث
میں نہ الجھ جو ظاہر و باہر بات پر مبنی نہ ہو

مطلب یہ کہ جتنے خلیفے کسی وقت تک گزر چکے ہوں اسوقت بس یہ کہہ دیا جائے کہ اتنے تو ہیں۔ اور آگے کی خدا جانتا ہے۔ اب دیکھئے ایک طرف خدا تعالیٰ نے خلفاء مہدی علیہ السلام کی تعداد بتائی اور دوسری طرف یہ مذکورہ ہدایت بھی فرمادی اور اس طرح یہ سبق دیا کہ پیشگویوں کے بارہ میں ان کے پورا ہوجانے تک اپنے خیال پر حد سے زیادہ زور کبھی نہیں دینا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ جو اس کے خلاف کرتا ہے اسے اپنی بات یا اپنے خیا ل کی پچ ہوتی ہے وحی الٰہی کی پچ نہیں ہوتی۔

وَلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَداً (۲۳)

اور نہ ان کے بارہ میں ان میں سے کسی سے پوچھ

مطلب یہ کہ جب ان کے بارہ میں علم صرف خدا کو ہے تو خدا تعالیٰ سے پوچھو دوسروں سے کیوں پوچھتے ہو۔ دوسرے اٹکل پچو مار کر تمہیں خواہ مخواہ وساوس میں مبتلا کرینگے۔ اور کچھ نہیں۔ چونکہ یہاں گنتی کا لفظ نہیں ہے اسلئے یہ ہدایت ان کے مقام کے بارہ میں بھی ہوسکتی ہے یعنی یہ مراد بھی اس سے ہوسکتی ہے کہ انکے مقام و مرتبہ کے بارہ میں نہ تو اپنے خیال پر زور دو اور نہ ان میں سے کسی سے پوچھو۔ یہ بہت ہی یاد رکھنے کی بات ہے۔ بعض لوگ خلفاء کے مقام کے بارہ میں بحث کرنے لگ جاتے ہیں کہ انمیں سے فلاں بڑا ہے اور فلاں چھوٹا۔ حالانکہ ایسی بحث ذہنی عیاّشی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ نہ ہمارے کسی کو کوئی مقام دینے سے خدا کے نزدیک اسے وہ مقام مل سکتا ہے۔ اور نہ ہمارے کسی کا مقام کم کرنے سے خدا کے نزدیک اس کا مقام کم ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا ''میری ایسی تعریف نہ کرو جوخلاف واقعہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ مجھے خوب جانتا ہے۔'' ہاں ایسی بات جو بالکل ظاہر ہو جیسے حضرت نبی کریمﷺ کے قول: '' ابو بکر اُمَّت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہوجائے۔ کی بناپر حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت ہے۔ اُسے ہم بیان کر سکتے ہیں۔''

اوپر کی آیت میں موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدی کے بغرض تبلیغ بعض ایسے علاقوں

میں بھیجے جانے کا ذکر تھا جہاں جانا خطرات کا موجب ہوسکتا تھا اور بتایا گیا تھا کہ انکی مخفی کوشش بارآور ہوگی۔ اور چونکہ ان کے امور پر غالب یعنی ان کے بارہ میں فیصلہ کرنے کے مجاز خلفاء وقت نے ہونا تھا اسلئے ان کی تعداد اور ان کے خاص دشمنوں کا ذکر بطور جملۂ معترضہ کے بیچ میں آ گیا تھا۔ اور یہاں سے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْئٍ اِنِّی فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا (۲۴)

اور (اے مبلغ احمدیت) کسی چاہی ہوئی بات کے بارہ میں یہ نہ کہنا کہ میں اسے کل ضرور (حاصل) کرلوں گا۔

سچّا مبلغ کیا چاہ سکتا ہے؟ یہی کہ اسکی تبلیغ کارگر ہو اور لوگ ھدایت پالیں۔ اسلئے مطلب یہ ہوُا کہ یہ دعویٰ نہ کرنا کہ جو طریق تبلیغ میں نے اختیار کیا ہے اسکے نتیجہ میں فلاں شخص یا فلاں بستی کو ضرور جلد اپنا ہم خیال بنالونگا۔ ہاں اگر تو سچا داعی الی اللہ ہے تو تیری کوششیں ضائع بھی نہیں جائینگی اور کل نہیں تو پرسوں۔ جلد نہیں تو بدیر وہ شخص یا وہ بستی یا انکی اولادیں ھدایت پالینگے۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّی لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَداً (۲۵)

(دلوں کا جیتنا ممکن نہیں) سوائے اسکے کہ اللہ چاہے اور جب تو بھول جائے (یعنی سہوًا اس حکم کے خلاف کر بیٹھے تو) اپنے رب کو یاد کر (یعنی توبہ و استغفار سے کام لے) اور کہہ ہوسکتا ہے (یعنی میں امیّد کرتا ہوں کہ) میرا رب (جو غفور ہی نہیں رحیم بھی ہے میری سن لے اور ایسا طریق اختیار کرنے کی طرف) میری رہنمائی کر دے جو (موجب) ہدایت ہونے کے اعتبار سے (اس طریق سے جو میں نے اب تک اختیار کیا) قریب تر ہو۔

وَلَبِثُوْا فِی کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعاً (۲۶)

اوروہ اپنی کہف میں تین سو رہے یعنی سنین اور اس پر انہوں نے نو بڑھائے۔

حضرت امام باقرؒ نے اس آیت کو اصحاب مہدیؑ کے متعلق پیشگوئی قرار دیا ہے

(بحارالانوار ۱۲۷۰ صفحہ ۱۷۶)

موعود اصحاب کہف کی قیامِ فی الکہف کی مدّت

''ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ کا عام ترجمہ تین سو سال کیا جاتا ہے اس میں تساہل ہے۔ سَو اور سَو سے زائد عدد کی تمیز مفرد ہوتی ہے گویا ثَلٰثَ مِائَةِ سَنَةٍ چاہیے تھا مگر یہاں جمع ہے۔ نیز مِائَةٍ میں تنوین ہے۔اور تنوین اسم تام کی علامت ہے۔اسم تام تمیز کا محتاج نہیں رہتا۔پس سِنِیْنَ مِائَة کی تمیز نہیں بلکہ ثَلٰثَ مِائَةٍ کا بدل ہے۔چنانچہ آئمہ لغت ونحو ابو البقاء اور ابن الحاجب کا بھی یہی مسلک ہے۔اور علامہ زمخشری نے اس کو عطف بیان قرار دیا ہے''۔ (تفسیر سورۃ الکہف از حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری صفحہ ۵۰) لہٰذا مطلب یہ ہوُا کہ وہ اپنی کہف میں تین سو یعنی چند سال '' رہے''۔''اب سوال یہ ہے کہ یہ تین سو کیا ہیں۔یہ دن نہیں ہو سکتے کہ ۳۰۰ دنوں کو سنین نہیں کہا جا سکتا۔ہفتے نہیں ہو سکتے کیونکہ ۳۰۰ ہفتوں کا مطلب ۶ سال بنتا ہے۔ اور وَازْدَادُوْا تِسْعاً کا قرینہ یہ معنٰی لینے سے روکتا ہے۔کیونکہ عام محاورہ یہ ہے کہ چھوٹی مدّت کو بڑی میں جمع کیا جاتا ہے۔نہ کہ بڑی کو چھوٹی میں۔سال اس لئے مراد نہیں کہ ثلث مائة سنة نہیں کہا گیا۔اس لئے اس سے مراد ۳۰۰ مہینے ہیں۔یعنی ۲۵ سال'' ۔(ترجمہ مع تفسیر پیر صلاح الدین) وَازْدَادُوْا تِسْعاً سے لوگوں نے تِسْعَ سِنِیْنَ یعنی نو سال مراد لئے ہیں۔اس اعتبار سے اصحاب کہف کے لَبْث فی الکہف کا زمانہ ۲۵+۹=۳۴ سال بنتا ہے۔لیکن جب ثلث مائة سے ۳۰۰ مہینے مراد ہوئے تو وَازْدَادُوْا تِسْعاً سے بھی مہینوں کا بڑھانا مراد لینا اَوْلٰی ہے۔اس اعتبار سے ان کے کہف میں رہنے کا زمانہ ۲۵ سال ۹ ماہ ہوُا۔

===============

دو عظیم پیشگوئیاں

جہاں تک اعوان المہدی کے بارہ میں پیشگوئی کا تعلق ہے یہاں چونکہ کہف سے حضرت مہدی موعود کا مقام بعثت (قادیان) مراد ہے اس میں پیشگوئی تھی کہ یہ لوگ ۲۵ سال ۹ ماہ مہدی موعود کے ساتھ اس کہف میں رہیں گے۔حضرت مہدی موعود کی پہلی کتاب براھین احمدیہ کا حصّہ اوّل اور حصّہ دوم ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئے اور تیسرا حصّہ ۱۸۸۲ء یعنی ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا۔اور زیادہ تر اسی حصّہ کی اشاعت سے لوگوں کی قادیان سے وابستگی شروع ہوئی۔ کیونکہ پہلے دو حصّوں سے لوگوں کے متعارف ہونے کے لئے بھی بہرحال کچھ مدّت درکار تھی۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کے نام ''غلام احمد قادیانی'' کے(جو آپؑ کو الہام بھی ہوا) اعداد بھی بحساب جُمل ۱۳۰۰ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ کے نزدیک آپؑ کے دور کا آغاز ۱۳۰۰ھ میں ہوا اور جیسا کہ آپؑ نے خود بھی فرمایا روحانی ادوار کا آغاز ماہ رمضان سے ہوا کرتا ہے کیونکہ اسی مہینہ میں نزول قرآن کا آغاز ہوا۔اس لئے لوگوں کے اس کہف سے وابستگی کے آغاز کا زمانہ رمضان ۱۳۰۰ھ بمطابق اگست ۱۸۸۲ء بنتا ہے اور حضرت مہدیؑ کا وصال مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔اور عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ یہ زمانہ پورے ۲۵ سال ۹ ماہ ہے۔پس یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اس آیت میں کی گئی اور نہایت وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی۔سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اگرتسعاً سے نو سال مراد لے کر ان کے لبث فی الکھف کی مُدّت چونتیس سال ہی مراد ہو تو اس میں جماعتِ مہدیِ موعودؑ یعنی جماعت احمدیہ کے ثانوی مرکز ربوہ کے بارہ میں پیشگوئی کی گئی۔ اس مرکز میں جماعت احمدیہ ۴۹ء سے ۷۴ء تک ۲۵ سال ایک مسلمان جماعت کے طور پر رہی مگر ۷۴ء میں بھٹو کی حکومت نے احمدیوں کو **Not Muslim For the purpose of law** قرار دے کر ان پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔یہاں تک کہ ۸۴ء میں اس وقت کی حکومت نے ان کے لئے اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ انکے خلیفہ وقت کو اس مرکز سے ہجرت کرنا پڑی۔اور یہ ظاہر ہے کہ خلیفہ کی ہجرت ایک رنگ میں جماعت کی ہجرت ہے۔اور یہ ساری مُدت پورے چونتیس سال بنتی ہے۔پس یہ دوسری عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اس آیت میں کی گئی اور بوضاحت پوری بھی ہوئی۔

زیر نظر آیات کے بعد فرمایا:۔

قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ج لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَاَسۡمِعۡ مَا لَھُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا (۲۷)

کہہ (لوگ اس مُدت کے بارہ میں جو انہوں نے کہف میں بسر کی اختلاف کریں گے۔لیکن) اللہ (جو اس کا بیان کرنے والا ہے اسے) زیادہ جانتا ہے۔آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے علم و اختیار میں ہے۔وہ کیا ہی خوب دیکھنے والا کیا ہی خوب سننے والا ہے۔(مسیح ہو یا کوئی اور) اس کے سوا کوئی دوسرا ان کا مدد گار نہیں۔اور نہ وہ اپنے حکموں میں کسی کو اپنا شریک بناتا ہے۔

وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ج لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ قف وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا (۲۸)

اے رسول جو کچھ تیرے رب کی کتاب کی صورت میں تجھ پر وحی کیا جاتا ہے (لوگوں کو) پڑھ کر سنا۔اللہ کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔اور نہ اسے چھوڑ کر تیرے لئے کوئی جائے پناہ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے کہا گیا وہ بطور پیشگوئی تھا بطور قصّہ ماضی کے نہیں تھا کیونکہ ماضی کے واقعات کو بدلنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔اور جب یہ بطور پیشگوئی تھا تو ضرور تھا کہ ان کے عرصہ **لَبۡث فی الکہف** کا کسی کو علم بھی دیا جاتا۔ اگلی آیت (نمبر۲۹) میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرنیوالوں کا ساتھ دینے اور اسکی عبادت سے غفلت برتنے والوں سے الگ رہنے کی تلقین کی گئی اور یہ بتایا گیا کہ جو کچھ اس سے پہلے کہا گیا وہ حق ہے۔اور تمہارے رب کی طرف سے ہے۔(یعنی اس ہستی کی طرف سے ہے جو تمہیں درجہ بدرجہ ترقّی دینے والی ہے اور اسکی باتوں پر یقین کرنے اور اس پر عمل کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے)۔تاہم اس کی طرف سے تمہیں ایمان یا کفر میں سے جو راہ تم چاہو اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ہاں کفر کرنے والوں کے لئے آگ ہو گی۔اور مومنوں کے لئے عمدہ اجر۔انکے لئے ہمیشہ کے باغات ہوں

گے۔اور انہیں سونے کے کنگن (جو بادشاہ ہونے کی علامت ہے) پہنائے جائینگے۔ وہ باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنیں گے اور ان باغوں میں تختوں پر مسندیں لگائے بیٹھے ہوں گے۔مطلب یہ کہ اُخروی جنّت ملنے کے علاوہ دنیا میں بھی ان پر خاص فضل ہونگے۔ ان میں سے بادشاہ بھی ہونگے اور من حیث القوم انہیں شاہانہ کرّ وفر بھی حاصل ہو گا۔ (آیات ۳۰ تا ۳۲)

چونکہ وہ زمانہ جس کی ان آیات میں پیشگوئی کی جارہی ہے مسیحی اقوام کی مادی ترقیّات کے عروج کا زمانہ ہونا تھا اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ ان قوموں پر زوال کیسے ممکن ہے اور مہدی موعود کے بیکس اعوان بادشاہتوں کے مالک کیسے بن جا ئینگے ؟چنانچہ دوسری جگہ فرمایا **وَیَسْـئَـلُوْنَکَ عَـنِ الْـجِبَـالِ فَقُلْ یَنْسِفُھَارَبِّی نَسْفاً** (طٰہٰ ۱۰۶:۲۰) وہ تجھ سے پہاڑوں (جیسے لوگوں) کے بارہ میں پوچھتے ہیں یا پوچھیں گے (کہ کیا وہ واقعی تباہ ہو جائینگے) کہہ میرا رب (یعنی جسے میرے مقاصد کی ترقی و تکمیل منظور ہے) انہیں جڑھ سے اکھاڑ پھینکے گااور ریزہ ریزہ کر دیگا۔آگے ایک تمثیل کے پیرایا میں اس دوسرے سوال کا جواب ہے کہ:

===============

مہدیؑ کے بے کس اعوان بادشاہتوں کے مالک کیسے بنیں گے

فرمایا:-

وَاضْـرِبْ لَھُـمْ مَّثَلاً رَّجُـلَیْـنِ جَعَلْنَالِاَحَدِھِمَاجَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْـنَـابٍ وّ حَفَفْنٰـھُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَیْنَھُمَا زَرْعًا (۳۳) کِـلْتَـا الْـجَنّتَیْنِ اٰتَتْ اُکُلَھَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْہُ شَیْئًا وَّ فَجَّرْنَا خِـلٰـلَھُمَا نَھراً(۳۴) وَّ کَانَ لَہٗ ثَمرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِہٖ وَ ھُوَ یُحَا وِرُہٗٓ اَنَـا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نفراً(۳۵) وَ دَخَلَ جَنَّــتَـہٗ وَھُـوَ ظَـالِـمٌ لِّـنَـفْسِہٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ ھٰذِہٖ اَبَـداً(۳۶) وَّمَـا اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآ ئِمَۃً وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْراً مِّنْھَا مُنْقَلَبًا(۳۷)

اے رسول ان کے فائدہ کے لئے دو مردوں کی تمثیل بیان کر۔ان میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے اور ان دونوں کے گرد

کھجوروں کی باڑ لگائی۔اور ان کے درمیان کھیت اگائے۔یہ دونوں باغ اپنا
پھل خوب لاتے تھے۔اور انہوں نے اس میں کوئی کمی نہیں کی۔اور ان
دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کی۔اور اس شخص کے پاس اور
بھی انواع و اقسام کی دولت تھی۔(اسکے اور اس کے حریف کے درمیان
تکرار ہوگئی) چنانچہ اس نے اپنے حریف کو (اسکی بات کا جواب دیتے
ہوئے) کہا میں مال و دولت میں تجھ سے زیادہ (امیر) ہوں۔اور نفری
کے لحاظ سے بھی زیادہ (طاقتور)ہوں۔اور وہ اپنے باغ میں اس حال
میں داخل ہوا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنیوالا تھا۔اس نے کہا میں گمان
نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا۔اور نہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کبھی
قیامت کی گھڑی آئیگی۔اور اگر (وہ گھڑی آئی اور) مجھے اپنے رب کی
طرف لوٹایا گیا تو مجھے اس (موجودہ باغ) سے بھی بہتر ٹھکانا ملے گا۔

یہاں اگرچہ دو باغوں کا ذکر ہے لیکن ضمیر انکے لئے واحد کی لائی گئی ہے۔یعنی اٰتتا کی
جگہ **اٰتَتْ** اور **لَمْ تَظْلِمَا** کی جگہ **لَمْ تَظْلِمْ** جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ دو باغ دراصل
ایک ہی ہیں۔یعنی ایک باغ کے دو حصّے ہیں۔جنہیں درمیانی نہر نے الگ الگ کر دیا ہے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ اَوّل مثلاً کا لفظ پھر خداتعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ان باغوں نے کبھی
پھل دینے میں کمی نہیں کی۔(جبکہ قانون قدرت یہ ہے کہ ظاہری باغ ایک سال پھل کم دیتے ہیں
اور ایک سال زیادہ) پھر باغ والے کے باغ یا اسکے پھلوں کی بجائے مال اور اولاد کی کثرت پر
ناز کرنے کا ذکر۔(جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انہی چیزوں کو اپنا باغ قرار دیا) بتاتا ہے
کہ یہاں ایک تمثیل بیان ہوئی ہے۔اور تمثیلاً اولاد کو اور آسائش کے سامانوں کو (جن کا منبع مال
ہوتا ہے) باغ قرار دیا ہے۔اور یہ ایک عام محاورہ ہے۔ اور مال سے ظاہری مال کے علاوہ علم و
معرفت کا معنوی مال بھی مراد ہوا کرتا ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو مہدی موعود کے متعلق یہ
فرمایا کہ وہ اتنا مال تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائینگے۔تو اس سے علم ومعرفت کا مال ہی
مراد ہے ورنہ مادی مال کے متعلق تو حضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ اگر ایک کان سونے کی مل جائے تو
انسان چاہے گا کہ اور بھی مل جائے۔پھر انجیل میں شریعت کو بھی باغ قرار دیا گیا ہے(کہ وہ

روحانی مال پر مشتمل ہوتی ہے۔اور اس کے سایہ کے نیچے لوگ روحانی طور پر راحت وسکون پاتے ہیں) پس یہاں باغ سے یہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

انگوروں کے بارہ میں جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے رویاء میں دیکھا کہ ابوجہل کے لئے جنّت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے اور مراد اس سے حضرت عکرمہؓ سے تھی جو ابوجہل کے بیٹے تھے۔حضرت مسیحؑ نے بھی اپنی قوم کو انگوروں کا باغ قرار دیا ہے۔اور قرآن کریم نے انگوروں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان سے **رِزْقاً حَسَناً** بھی حاصل ہوتا ہے اور **سَکَر** بھی (اَلنَّحل ۶۸:۱۶)۔اس لئے اس سے اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ اور سامان مراد ہو سکتے ہیں۔

کھجور کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے مومنوں کو تشبیہ دی ہے۔اور یہ چونکہ ایک قد آور درخت ہوتا ہے اور اس تمثیل میں کھجوروں کی باڑ کا ذکر ہے گویا انہیں باغ کا محافظ قرار دیا ہے اس لئے اس سے بڑے بڑے علماء یا آئمہ قوم مراد ہونگے۔لیکن محولہ بالا آیت میں انگوروں والی بات چونکہ کھجور کے بارہ میں بھی کہی گئی ہے اس لئے ان سے بھی اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ مراد ہوسکتے ہیں۔

نہر دو ساحلوں کے درمیان بہنے والے پانی کو کہتے ہیں۔خواہ وہ نہر کی صورت میں ہو یا دریا کی صورت میں۔اور کسی بڑے عالم یا کسی بڑے صاحب فیض بزرگ کو تمثیلاً نہر قرار دینا بھی عام محاورہ ہے۔

رہا ثمر کا لفظ تو جس طرح ہمارے ہاں محنت کے نتیجہ کو اس کا پھل کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح عربی میں بھی محنت کے نتائج کو تمثیلاً ثمر کے لفظ سے تعبیر کر لیتے ہیں۔

پس یہ تمثیل بیان کرکے خداتعالیٰ نے بتایا کہ مسیح ناصری کی قوم کو دو دفعہ ترقّی ملنا مقدّر تھا۔ایک دفعہ ایک بہت بڑے صاحب علم اور صاحبِ فیضِ کثیر یعنی نیک اور مقبول تعلیم دینے والے ایک عظیم الشان شخص سے پہلے اور ایک دفعہ اس کے بعد۔ان خوبیوں والا شخص جس کا ظہور بھی مسیحی قوم کی دو ترقّیات کے درمیان ہوا۔اور جس کا نام لئے بغیر خود بخود ذہن اس کی طرف جا سکتا ہے۔بلاشبہ ہمارے سیدو مولیٰ حضرت محمد ﷺ کا وجود باجود ہے۔اور چونکہ ایک نئی شریعت والے نبی کے آجانے کے بعد اس سے پہلے نبیوں کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے اسی میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ جہاں (**کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ** کے مطابق) مسیحی اقوام کو ملنے

والی پہلی ترقّی مسیحی دین کی ترقّی ہونا تھی اور ہوئی یعنی اس ترقّی کا زمانہ دراصل مسیحؑ کی تعلیم کے غلبہ کا زمانہ تھا(اگرچہ اس کے ساتھ مائدہ ملنے کے الٰہی وعدہ کے ایفاء میں انہیں دنیوی نعماء اور آسائشیں بھی ملیں) وہاں ان کی دوسری ترقّی محض دنیوی ترقّی ہو گی۔مگر اس کے ساتھ ہی ان کو ملنے والے دو باغوں کو ایک باغ قرار دیکر یہ اشارہ بھی کیا کہ اپنی اس دنیوی ترقّی کو بھی وہ اپنے مسیح کی طرف منسوب کرینگے اور اسے اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل ٹھہرائینگے۔

اس کے بعد ان دونوں باغوں کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ کا ذکر کرکے بتایا کہ انکے پہلے باغ کی طرح اس دوسرے باغ یعنی دوسری ترقّی کو بھی ان کے علماء دین کی حفاظت و سرپرستی حاصل ہو گی۔مگر اس وقت چونکہ حضرت مسیح کا عہد رسالت ختم ہو چکا ہو گا اس لئے وہ لازماً ایک جھوٹا دین پیش کرنے والے ہوں گے۔بالفاظ دیگر ان کا اس وقت کا باغ **رزقاً حسناً** مہیّا کرنے والے انگوروں کا باغ نہیں ہو گا۔بلکہ سکر مہیّا کرنے والے انگوروں کا باغ ہو گا۔اور اس باغ کے محافظ یعنی ان کے علماء دین (علماءحق) نہیں ہونگے۔بلکہ **سَکَر** یعنی عقل پر پردہ ڈالنے والی تعلیم دینے والے (علماء سوء) ہونگے۔

اس کے بعد **قَالَ لِصَاحِبِہٖ** سے شروع کر کے بتایا کہ اپنی دوسری ترقّی کے زمانہ میں مسیحیوں کا سربراہ یا اس کی نمائندگی کرنے والے لوگ مسلمانوں پر طعن کرینگے۔اور ان سے بحث کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے پاس مالی قوّت بھی تم سے زیادہ ہے اور افرادی قوّت بھی زیادہ۔ یعنی مادی وسائل کی زیادتی کو اپنے دین کی برتری کے ثبوت میں پیش کرینگے۔ حالانکہ وہ اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم کرنیوالے ہوں گے۔ (یعنی دینی حالت ان کی بہت خراب اور ان کے عقائد کی سچائی کے دعاوی کو جھٹلانے والی ہو گی)۔اس پر مزید یہ کہ جب ان کو یہ کہا جائیگا کہ ان آنی جانی چیزوں پر ناز نہ کرو اور قیامت کے محاسبہ سے ڈرو تو وہ (بزبان حال یا قال) کہیں گے ہم گمان نہیں کرتے کہ ہمارا یہ باغ کبھی تباہ ہوگا۔اور نہ یہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی (جس میں ہم سے ہمارے عملوں کا حساب لیاجائے) کبھی آئیگی۔اور اگر (بفرض محال آ بھی گئی اور) اس میں ہمیں اپنے رب کے حضور پیش بھی کیا گیا تو ہم وہاں اپنے اس باغ سے بہتر ٹھکانا پائینگے۔(اپنی بداعمالیوں کے باوجود ان کا یہ دعویٰ کرنا بتاتا ہے کہ وہ کسی ایسے عقیدہ کے قائل ہونگے جسکی بنا پر وہ سمجھیں گے کہ وہ جو کچھ مرضی کرلیں انکا انجام بہرحال اچھا ہو گا۔

(چنانچہ دیکھ لیجئے کفّارہ کے عقیدہ کی بناء پر اس زمانہ کے مسیحی لوگ یہی سمجھتے ہیں)۔
اس پر دوسرا شخص جس سے وہ باغ والا یا باغ والے بحث کر رہے ہونگے یعنی مسلمانوں کی نمائندگی کرنیوالا کہیگا۔

اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰکَ رَجُلاً (۳۸)

کیا تو اس رب (کی قوتوں اور اس کی توحید) کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔پھر نطفہ سے پھر تجھے پورا مرد بنا دیا۔

مطلب یہ کہ اس کا تجھے اس حالت سے پیدا کرنا جب تو لم یکن شیئاً کا مصداق تھا پھر اس حالت سے پیدا کرنا جب تو ایک حقیر سی چیز تھا اور صرف پیدا ہی نہ کرنا پورا مرد بنا دینا بتاتا ہے کہ وہ پیدائش پر اور پیدائش کو تکمیل تک پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی دوسرا اس کے ارادوں میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا۔ اور جب ایسا ہے تو اس کے واحدولاشریک ہونے اور قیامت کے لانے پر قادر ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔اس کے باوجود اگر تو اس کا کفر کرتا ہے تو کر۔

لٰکِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّی وَلَآ اُشْرِکُ بِرَبِّی اَحَداً (۳۹)وَلَوْ لَا اِذْدَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْکَ مَالاًوَّوَلَدًا(۴۰) فَعَسٰی رَبِّیٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْراً مِّنْ جَنَّتِکَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَاناًمِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْداًزَلَقاً(۴۱) اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًافَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَباً(۴۲)

لیکن وہی اللہ میرا رب (یعنی مجھے درجہ بدرجہ ترقّی دینے والا ہے) کیونکہ میں اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوُا تو کیوں تونے یہ نہیں کہا کہ جواللہ نے چاہا (ہوُا) اس کے سوا کسی کو کوئی طاقت نہیں (یعنی جو کچھ تجھے ملا اس کی دین ہے اور اسے قائم بھی وہی رکھ سکتا ہے) اگر تونے دیکھا کہ میں مال و دولت میں تجھ سے کمتر ہوں تو اس میں (جائے غرور کونسی ہے) عین ممکن ہے کہ (کل

کو) میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ دے دے(یعنی تیرا باغ تو محض و دنیوی ترقّیات کا باغ ہے۔ وہ مجھے ایسا باغ دے دے جو دینی و دنیوی ہردو ترقّیات کا حامل ہو) اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی بلا نازل کر دے اور اسے چٹیل میدان بنا دے۔ یا اس کا پانی زمین میں اتار دے اور (اتنا نیچے لے جائے کہ) تو اسے (دوبارہ) حاصل کرنے کی استطاعت نہ پائے۔

یُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَاناً مِّنَ السَّمَآءِ میں بتایا کہ اس کی تباہی ایسے طور پر ہو گی کہ صاف صاف نظر آئیگا کہ اللہ کا یہی ارادہ تھا۔

سورۃ الملک کے آخر میں قرآن کریم کی صورت میں اترنے والے روحانی پانی کے غوراً ہوجانے کا ذکر ہے۔اور اس کے بعد **قُلْ اَرَئَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْراً فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاءٍ مَّعِيْنٍ** کے الفاظ ہیں۔یعنی یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہارا یہ پانی زمین میں اتر جائے (یعنی تمہاری دسترس سے دور ہو جائے) تو کون تمہیں سطح زمین پر بہنے والا پانی لاکر دیگا ۔ جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ پانی دوبارہ سطح زمین پر آتو سکتا ہے مگر خدا کے کسی فرستادہ ہی کے ہاتھوں آسکتا ہے۔اس کے برعکس اس جگہ مسیحیوں کو مخاطب کرکے یہ الفاظ نہیں فرمائے بلکہ اوّل ماؤکم کی بجائے ماء ھا فرمایا ہے یعنی اس پانی کو ان کی ذات کی نشو نما کا نہیں ان کے باغ کی نشونما کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ دوسرے واضح طور پر فرمایا ہے کہ یہ پانی غوراً ہو گیا تو تم دوبارہ اسے حاصل نہیں کرسکو گے۔پس اس مآء سے حضرت مسیحؑ کی لائی ہوئی الہامی تعلیم مرادنہیں کیونکہ اس کا دور حضرت محمدﷺ کے مبعوث ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔بلکہ مراد وہ تعلیم ہے جسے وہ جھوٹے طور پر حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے اور مسیحیوں کی تعداد بڑھاتے رہے ہونگے۔اور بتایا یہ گیا ہے کہ ان کی مادی ترقّیات کی تباہی کے ساتھ ہی ان کے ان باطل عقائد اور اس جھوٹی تعلیم پر بھی تباہی آئیگی۔چونکہ رسول بھیجے بغیر خداتعالیٰ کسی قوم پر عذاب استیصال نازل نہیں کرتا۔اس لئے انکی تباہی کے ذکر میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی خبر مضمر تھی اور چونکہ حدیث نبوی کے مطابق کسرِ صلیب کے لئے مسیح موعودؑ نے آنا تھا اس لئے اس میں شبہ نہیں کہ مقدر یہ تھا کہ انکی تباہی

سے پہلے مسیح موعودؑ آکر انکے عقائد کا باطل ہونا بدلائل ثابت کردیگا۔لیکن عذاب آنے تک من حیث القوم وہ ان عقائد کو چھوڑینگے نہیں۔ چھوڑینگے اسوقت جب عذاب کے آنے سے انکی مادی ترقیات کا غرور مٹ جائے گا۔اور پھر وہ لوگ جن کے وقت میں اس تعلیم پر تباہی آئیگی اسے دوبارہ رائج کرنا چاہیں گے بھی تو نہیں کرسکیں گے۔ تاہم اس کے خشک یا ختم ہو جانے کی بجائے غوراً یعنی سطح زمین سے دور جانے کا ذکرکر کے یہ اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں یہ جھوٹے عقائد پھر سر اٹھائیں گے۔اور پھر خدا کا بیٹا قرار دینے کا مشرکانہ عقیدہ دنیا میں پھیلے گا۔اس کے متعلق حضرت مہدی موعودؑ کے ارشاد کے متعلق دیکھیں صفحہ ۵۰۹ کتاب ھٰذا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں اس باغ کے پانی کے غوراً ہو جانے کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔اور اس کی تباہی کا ذکر پہلے۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ پہلے عیسائیوں کی ظاہری شان و شوکت تباہ ہو گی اور اس کے بعد مگر اس سے مُتصّل ہی ان کے مذہب اور عقائد کا بھی صفایا ہو جائیگا۔ اور چونکہ مادی عالم کی طرح روحانی عالم میں بھی کبھی خلا نہیں رہ سکتا اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ جب یہ جھوٹا دین مٹے گا تو اس کی جگہ سچا دین یعنی دین اسلام لے لے گا۔گویا مسیحیت کی تباہی کا آخری دن غلبہ اسلام کا پہلا دن ہوگا۔ یہی بات سورۃ الحاقۃ کی آیات ۱۴ تا ۱۶میں بیان ہوئی ہے بلکہ اگلی آیات ۴۳-۴۴ میں بھی بوضاحت یہ ذکر ہے کہ ان کا باغ تباہ ہو جائیگا اور اس وقت وہ برملا کہیں گے کہ کاش ہم کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہراتے یعنی یہ اعلان کرینگے کہ مسیح کو خدا کا بیٹا بنانا سراسر ان کی غلطی تھی ورنہ وہ ان کے کام آتا۔فرمایا **هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ** (آیت ۴۵) پس اس وقت سچے خدائے واحد کی بادشاہت قائم ہوگی۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ:

نمبر۱ یہ باتیں کہنے والے پورے موّحد ہونگے۔

نمبر۲ وہ اس بات پر یقین رکھنے والے ہونگے کہ ہر نعمت کا دینے والا خداتعالیٰ ہی ہے اور اسے محفوظ رکھنے کی قوّت بھی اسی کو حاصل ہے۔

نمبر۳ ان کو یقین ہوگا کہ خداتعالیٰ ان کو مسیحیوں کو ملنے والے باغ سے بہتر باغ دیگا۔

ظاہر ہے کہ یہ باتیں مسیحیوں سے مرعوب ہو جانے والے یعنی رعب دجاّل میں آجانیوالے عام مسلمانوں کے بارہ میں کہی نہیں جا سکتی تھیں لہٰذا یہ باتیں یقینی طور پر ان میں سے حضرت مہدی موعودؑ کے ماننے والوں کے بارہ میں ہیں اور اشارہ ان میں یہ ہے کہ مہدی موعوؑد کے انفاخ قدسیہ اور کلمات طیبہّ سے انہیں خداتعالیٰ پر ایسا قوی ایمان اور توکل حاصل ہو جائیگا کہ وہ اسلام کی نَشاُۃِ ثانیہ کے بارہ میں نہایت درجہ پر اُمید ہونگے۔اور مسیحیوں کو علانیہ کہیں گے کہ یہ بات ہوکر رہے گی۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا کے نوشتے ٹل نہیں سکتے۔اسکے بعد ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا(۴۶)

انکے فائدہ کے لئے ورلی زندگی کی مثال بیان کر۔یہ اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا پھر اس میں زمین کی روئیدگی مل گئی۔ جس کے نتیجہ میں وہ خشک گھاس بن کر ریزہ ریزہ ہوگئی۔جسے ہوائیں (اپنے اپنے رخ پر) اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خلط کے معنے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دینے کے ہوتے ہیں اور" ب" کے معنٰی ساتھ کے ہیں اور اس کا استعمال اظہار سبب کے لئے بھی ہوتا ہے۔اسلئے **فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ** کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

نمبر۱ نبات الارض آسمانی پانی برسنے کے نتیجہ میں اس قدر بڑھتی ہے کہ اس کی شاخیں ایک دوسری سے خلط ملط ہو جاتی ہیں۔

نمبر۲ نبات الارض آسمانی پانی کے ساتھ مل جاتی ہے یعنی اسے آلودہ کر دیتی ہے۔سورۃ یونس میں بھی اسی قسم کے الفاظ ہیں۔(**اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِالدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ**... آیت ۲۵)۔ وہاں **فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ** کے پہلے معنٰی مراد ہیں۔کیونکہ ان الفاظ کے بعد اس نبات میں سے انسانوں اور جانوروں کے کھانے کا ذکر ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ (یہ کھیتی پھولتی پھلتی رہتی ہے) یہاں تک کہ زمین اس کے ہرے بھرے زیوروں سے آراستہ ہو جاتی ہے۔البتہ جب اسکے اہل خود کو اس پر

قادر سمجھنے لگ جاتے ہیں تو خداتعالیٰ کی قضاء نازل ہو کر اس کو تباہ کر دیتی ہے۔مگر یہاں ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔جن سے اس نبات کے پنپنے کا اشارہ ہو۔بلکہ **فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ** سے متّصِل ہی **فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا** کے الفاظ لاکر اس کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔گویا یہ بتایا گیا ہے کہ اس نبات الارض کا آسمانی پانی میں مل جانا ہی اس کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ پس یہاں ان الفاظ کے دوسرے معنٰی مراد ہیں۔اور یہ دو مثالیں بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ آسمان سے نازل ہونیوالے مادی پانی کے نبات الارض پر ہونیوالے دو قسم کے اثر کی طرح اس سے نازل ہونیوالے روحانی پانی یعنی الہامی تعلیم کا بھی حیاۃ الدنیا (کے سامانوں) پر دو قسم کا اثر ہوتا ہے۔ پہلا اثر اس قسم کا مفید اثر ہوتا ہے جس کا ذکر سورۃ یونس والی مثال میں کیا گیا ہے۔یعنی اس کے نتیجہ میں دین ہی نہیں دنیوی زندگی بھی سنور جاتی ہے۔ اور اس زندگی کے جو سامان انسان کو پہلے سے حاصل ہوتے ہیں ان میں برکت پڑتی ہے۔عقلیں بھی جلا پکڑتی ہیں۔عمریں بھی زیادہ ہونے لگتی ہیں۔ ہر چیز پر ایک طرح کی بہار سی آجاتی ہے۔ بلکہ جیسے بارش کے نتیجے میں نبات الارض بڑھتی ہے تو انسان اور جانور دونوں اس سے کھاتے ہیں اسی طرح یہ برکت بھی مومنوں کے لیے ہی نہیں (کالانعام) کافروں کے لئے بھی (جو **يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ** کے مصداق ہوتے ہیں) پڑتی ہے گویا جب آسمانی پانی اس نبات الارض میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے غذا کا کام دیتا ہے۔ اور اسکی تقویت اور افزائش کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ان سامانوں کی کثرت سے زمین سج جاتی ہے۔ اور بند صرف اسوقت ہوتا ہے جب لوگ خدا تعالیٰ کو بھلا کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ وہ خود ان سامانوں پر قادر ہیں۔ (**اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۔ الرَّعْد۱۳:۱۲**) یعنی اللہ اسوقت تک کسی قوم کی حالت (نیک یا بد) کونہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے تئیں نہ بدل لے۔ علاوہ ازیں یہ بھی اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ مادی عالم میں بھی جو کچھ انسان کو ملتا ہے وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ روحانی پانی یعنی الہامی تعلیم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ

تمہارا رزق بھی آسمانوں میں ہے اور تباہی کا سامان بھی جس کی تمکو وعید دی جاتی ہے (آسمانوں میں ہے)۔

آسمانوں سے نازل ہونے والے روحانی پانی کا دوسرا اثر منفی اثر ہوتا ہے۔ جو دراصل اس پانی کا نہیں بلکہ اسکے غلط استعمال کا اثر ہوتا ہے۔ یہ اثر اسوقت ظاہر ہوتا ہے جب نبات الارض اس پانی میں داخل ہو کر اسے آلودہ کردیتی ہے۔ یعنی جب انسانی خیالات آسمانی تعلیم میں دخل پانے لگ جاتے ہیں اور دنیوی مفاد کی خاطر اس تعلیم میں تصرف کرکے اسکے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا جاتا ہے۔اور یہ دخل اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ اصل تعلیم کا سوائے نام کے کچھ باقی نہیں رہتا۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر یہ نبات الارض خود بھی سوکھ کر چورا ہوجاتی ہے۔اور ہوائیں اسے اڑائے پھرتی ہیں۔یعنی جو قوم اس جرم کی مرتکب ہوتی ہے اس کا اپنی حیاۃ الدنیا کے سامانوں اور زینتوں یعنی اپنے اموال اور اولاد پر اختیار نہیں رہتا۔اور جدھر زمانہ کی ہوا چلتی ہے ادھر ہی ان کو چلنا پڑتا ہے۔الہامی تعلیم میں تصرف تو یہ سمجھ کر کیا جاتا ہے کہ اس سے حیاۃالدنیا سنور جائیگی اورحیاۃالدنیا کی زینت مال واولاد سے ہے مگر یہ دونوں فانی ہیں۔اسلئے اسکے بعدفرمایا:

اَلْـمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰـقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌعِنْدَ رَبِّکَ ثَوَاباً وَّخَيْرٌ اَمَـلًا (۴۷)

مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہے۔اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔اور امید کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔

اسمیں بتایا کہ اس زمانہ میں جس کا ذکر ہورہا ہے یعنی زمانۂ مہدی موعودؑ میں مسلمان اموال وبنون کو یعنی اقتصادی اور افرادی قوّت کو مقصود بالذّت بنا لیں گے۔ حالانکہ مقصود بالذّات باقی رہنے والی نیکیاں ہونی چاہیں۔اور مال و اولاد کی خواہش بھی ہو تو صرف اسلئے ہونی چاہیے کہ باقی رہنے والی نیکیوں کے حصول کا ذریعہ بنے۔چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے آکر اس امر کی طرف خصوصیت سے متوجہ فرمایا ۔اور سورۃ التکاثر میں بھی اس کا ذکر ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اوپر مسیحیوں کو ملنے والے دوسرے باغ کی جو مادی ترقیّات کا باغ تھا تباہی کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ اس کا مالک سمجھتا تھا کہ یہ باغ کبھی تباہ نہیں ہوگا۔یعنی وہ اپنے تئیں اس کو تروتازہ رکھنے پر قادر سمجھتا تھا۔چونکہ سورۃ یونس میں بیان ہونے والی حیاۃالدنیا کی مثال میں بھی دنیوی سامانوں کی تباہی کا بعینہٖ یہی سبب بیان کیا گیا ہے اس لئے مسلمانوں میں

سے بعض کو خیال ہوسکتا تھا کہ دنیوی ترقیّات اور سامانوں کی تباہی کا بس یہی ایک سبب ہے۔اور اگر وہ یہ سبب پیدا نہ ہونے دیں تو ان کو ملنے والی مادی ترقیّات پر کبھی تباہی نہیں آئیگی۔یعنی وہ تباہی کے دوسرے اور زیادہ خطرناک سبب سے (جو نبات الارض کا آسمانی پانی میں ملنا یعنی دنیوی خیالات کا آسمانی تعلیم سے خلط ملط ہوجانا ہے) غافل ہو سکتے تھے اسلئے اس سبب کا ذکر بھی ضروری تھا۔مگر مسیحیوں پر اس کا اطلاق نہیں ہونا تھا۔کیونکہ باوجود اس کے کہ ان کا دوسرا باغ ایک طرح سے ان کے پہلے باغ ہی کا جز تھا مگر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے ان کے دین کا دور ختم ہو چکا تھا۔اور بنا بریں ان کا صرف اس کی تعلیم میں تصرف کرنا موجب غضب الٰہی نہیں ہوسکتا تھا۔اس لئے خدا تعالیٰ نے اس دوسرے سبب کو ان کے باغ کی تباہی کے سبب سے الگ کرکے بیان کیا۔اور بتایا کہ دنیا کے سامانوں پر خود کو قادر سمجھنے کے نتیجے میں حیاۃالدنیا کے سامانوں پر باہر سے تباہی آتی ہے۔لیکن اگر دنیوی خیالات کو الہامی تعلیم میں دخل مل جائے اور ہوائے نفس کے تحت دین میں تصّرف ہونے لگے۔اور یہ تصّرف اس حد تک بڑھ جائے کہ دین کی اصل شکل ہی غائب ہو جائے تو اندر ہی سے تباہی کے سامان ہو جاتے ہیں۔اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے اور دین بھی۔اور قوموں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ زمانہ کی مختلف ہوائیں انہیں اپنے اپنے رخ پر اڑائے پھرتی ہیں۔

===============

مسلمانوں کے لئے زبردست حرف انتباہ

اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑا حرف انتباہ تھا۔مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔قرآنی تعلیم کے خلاف خود ساختہ افکارووظائف اور چلّہ کشیاں اختیار کرلیں۔قوّالی کی شکل میں رقص و سرود کو جزوِ دین بنا لیا۔(حالانکہ آیت **وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۔اَلانفال ۸:۳۶**۔صریحاً اس سے روک رہی تھی) قبروں پر سجدے کرنے لگے۔حرمت شراب کو یہ کہہ کر توڑنے لگے کہ اسلام میں صرف **سَکَر** حرام ہے۔ سود کا یہ کہہ کر جواز نکالنے لگے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور قسم کا سود تھا آجکل جیسا نہیں تھا۔الغرض قرآن کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیا۔اپنے پیروں فقیروں اور علماء کی باتوں کو قرآن وحدیث پر قاضی بنا لیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب زمانہ کی مختلف ہوائیں انہیں اپنے

اپنے رخ پر اڑائے پھرتی ہیں۔اور وہ ان روحانی اموال وفیوض سے جو ان کو پہلے حاصل تھے اس حد تک محروم ہو چکے ہیں کہ گویاوہ ان پر حرام ہو گئے ہیں۔لیکن جس طرح امّت موسویہ کے آخرین کا ایسا ہی حال ہو جانے پرخدا تعالیٰ نے ان کی طرف ایک مسیح کو بھیجا اور اس نے آکر ان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ وَ لِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ (اٰلِ عمران ۳:۵۱) اسی طرح امت محمدیہ کا یہ حال ہونے پر خدا تعالیٰ نے مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کو بھیجاہے تا ان فیوض و برکات کے دروازے ان پر دوبارہ کھول دے اور یہ حرام ان پر حلال کر دیا جائے۔اے کاش کہ یہ لوگ اس کی سنیں اور پھر سے ان برکات و فیوض کو حاصل کرنے والے بن جائیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اس آیت میں سب مومنوں کو کہا جا رہا ہے کہ الباقیات الصّٰلحات انکے لئے اموال الدنیاسے بہتر ہیں لیکن محمدرسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اور عندربِّک فرما کر یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ اس دنیا میں آنحضور ﷺ کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے اس لئے وہ نیک عمل جو آپ ﷺ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے کئے جائیں باقی رہیں گے۔کیونکہ آپؐ کے مقاصد بہرحال پورے ہونے ہیں۔اس لئے ہر دوسرے عمل سے ان اعمال کا ثواب زیادہ ملے گا۔

==============

مسلمانوں کے فائدے کے لئے ایک عجیب نکتہ

اس میں مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ایک بہت ہی عجیب نکتہ بیان کیا گیا۔کاش وہ اس کوسمجھ سکتے۔اورصرف ظاہری نمازوروزہ پر قناعت نہ کر لیتے۔بلکہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوتے اور انہی کو مقدّم رکھتے جو محمدرسول اللہ ﷺ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھے۔اور نمازوں میں بھی زیادہ تر غلبۂ اسلام ہی کی دعائیں مانگتے۔اس طرح خدا تعالیٰ بھی ان سے خوش ہوتا اور اسلام کے غالب آنے سے دنیوی مفادبھی انہیں حاصل ہو جاتے۔حضرت مسیح موعودؑ نے اس نکتہ کوخوب سمجھ رکھا تھا۔اوراس کے مطابق اپنی زندگی کا ہرلمحہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ آپ آنحضرتؐ کومخاطب کر کے عرض کرتے ہیں:۔

ہر کسے اندر نماز خود دعائے میکند
من دعا ہائے برو بار تو اے باغ و بہار

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ''تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں۔'' (تذکرہ صفحہ ٨٦) اور دوسری طرف یہ بشارت دی کہ تیرے ''خالص اور دلی مُحِبّوں کا (یعنی جو تیرے نمونہ کو اختیار کرنے والے ہونگے ان کا) گروہ بھی بڑھاؤں گا۔اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دونگا۔'' (تذکرہ صفحہ ١٤٨)

اگلی آیت میں ایک بہت بڑی تباہی کا جس میں پہاڑ اڑائے جائینگے زمین چٹیل میدان کی طرح ہو جائیگی اور ساری دنیا کے لوگ جنگ کے لئے اکٹھے کئے جائینگے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑا جائیگا ذکر کیا گیا ہے۔تا دنیا کی خاطر دین میں تصّرف کرنے والے جان لیں کہ دنیا خود فانی ہے۔اور ان باتوں کا نتیجہ صرف ہلاکت ہو گا۔ خدا سے علم پا کر یہ خبر حضرت مسیح ناصری نے بھی دی تھی کہ آخری زمانہ میں قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھائی کریگی۔ (متی باب ٢٤ آیت ٧) اور یہ زمانہ آنے پر حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اسکی خبر دی گئی۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:۔

> ''دنیا میں ایک حشر برپا ہو گا۔وہ اوّل الحشر ہو گا۔اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کرینگے...اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی۔اور ایک عالمگیر تباہی آئیگی۔اور ان تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہو گا۔''

(تذکرہ صفحہ ٧٩٩ بحوالہ تذکرۃ المہدی حصّہ دوم صفحہ٣)

قرآن کریم نے بھی دوسری جگہ یہ خبر دی ہے کہ یہود کا مدینہ سے نکالا جانا اوّل الحشر پر منتج ہو گا۔(**هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ اَلْحَشْر ٥٩ :٣**) اور چونکہ حسب پیشگوئی عذاب الدنیا کا آنا عذاب الآخرۃ کی دلیل ہوا کرتا ہے۔اگلی دو آیتوں میں قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور حاضری کا ذکر ہے اور اسکے بعد ہے:۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ط بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ

بَدَلاً (۵۱) مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا (۵۲)

اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ملائکہ کو کہا آدم کے لئے سجدہ کرو۔(یعنی اسکی اس طرح اطاعت کرو گویا سجدہ کرتے ہویا یہ کہ اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمارے احکام بجا لاؤ)۔سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔وہ جنّوں میں سے تھا۔اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اسکی ذرّیت کو دوست بناتے ہو۔حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدلہ ہے۔(یاد رکھو) ہم نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت انکو (مدد کیلئے) حاضر نہیں کیا نہ انکے اپنے نفسوں کی پیدائش کے وقت اور نہ ہی ہم گمراہ کرنے والوں کو مدد گار بنانے والے ہیں۔

آیات ۴۷ تا ۵۰ میں خدا تعالیٰ نے مسیحیوں کے دوسرے باغ پر یعنی ان ترقّیات پر جو انہیں آنحضرت ﷺ کے بعد ملنے والی تھیں تباہی آنے کا ذکر فرمایا تھا اور اسکی وجوہ بیان کی تھیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی اس ترقّی کے زمانہ میں جسطرح مسلمانوں کی حالت زبوں ہو جانیوالی تھی اس کا ذکر کیا تھا اور یہ اشارہ بھی فرمایا تھا کہ اس حال کو پہنچنے کے باوجود مسلمانوں میں سے مہدی موعوؑد کے ماننے والے اسلام کی دوبارہ ترقّی کے بارہ میں پر امّید ہونگے اور وہ سمجھتے ہونگے کہ مسیحیوں کے باغ سے بہتر باغ خداتعالیٰ انکو عطا کرے گا۔ اس پر کئی سوال پیدا ہوتے تھے مثلاً

نمبر۱ یہ کہ مہدی موعود پر کون لوگ ایمان لائینگے اور کون نہیں لائینگے ۔
نمبر۲ یہ کہ اسکی نصرت کی توفیق کن کو ملے گی اور کن کو نہیں ملے گی ۔
نمبر۳ یہ کہ اس کے مخاطب صرف مسیحی ہونگے یا دوسرے انسان بھی ہونگے۔
نمبر۴ یہ کہ اس وقت کے زبوں حال مسلمان دوبارہ ترقّی کس طرح کرسکیں گے۔

اس موقع پر زیرِنظر آیت لاکر خداتعالیٰ نے ان سوالوں کا جواب دیا اور قصّہ آدم یاد دلا کر سمجھایا کہ نبی موعود پر ایمان لانے کی توقّع تو سب انسانوں سے کی جائے گی کیونکہ سب ہی

اس کے مخاطب ہونگے۔لیکن جسطرح پہلے آدم کے وقت فرشتوں نے خدا کا حکم پا کر اس کی فرمانبرداری کی تھی اور اسکی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن ابلیس نے بوجہ جنّات میں سے ہونے کے اس کی نافرمانی کی تھی اسی طرح مہدی موعوؑد کے آنے پر جو آدم وقت ہوگا فرشتہ خصلت لوگ تو(جوفرشتوں کی طرح **يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ** کا مصداق ہیں) اسکی فرمانبرداری کریں گے اور اسکی خاطر خدا تعالیٰ کے حضور سجدات (شکر) بجا لائینگے اور وہ سب کام کریں گے جو اس کی تائید کے لئے کرنے کا خداتعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا لیکن ابلیس خصلت لوگ جو اس کی رحمت سے نا امّید ہونگے اسکا انکار کریں گے۔اس وقت مسلمان خداتعالیٰ کو چھوڑ کر یعنی اپنی ترقّی کے اس سامان کو چھوڑ کر جو خداتعالیٰ نے اس وقت ان کے لئے مہیّا کیا ہو گا یعنی نبی موعود سے منہ موڑ کر مسیحی قوتوں کی طرف جھکیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ اس طرح وہ دوبارہ ترقّی حاصل کرلینگے لیکن یہ انکی غلطی ہو گی کیونکہ مسیحی لوگ تو انکے دشمن ہونگے۔ دشمنوں سے خیر کی امیّد کیا معنی؟ فرمایا ایسے لوگ ظالموں میں شمار ہونگے(کیونکہ وہ **وَضْعُ الشَّیْءِ علٰی غیر محلہٖ** کے مرتکب ہونگے۔) اور ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہو گا۔

==============

یہ پیشگوئی کہ مہدی موعودؑ کے انصار بننے کی توفیق پادری مولوی اور پیر وغیرہ کم ہی پائینگے

آگے آیت **مَآاَشْهَدْ تُّهُمْ** میں انکی غلطی کو اور زیادہ مبرہن کیا ہے جیسا کہ اسکے آخری الفاظ بوضاحت بتا رہے ہیں۔ یہاں حاضر کرنے سے مدد کے لئے حاضر کرنا مراد ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس کا کوئی وجود ہی نہیں اسے مدد کے لئے حاضر کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔لہٰذا یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اور خود انکے نفسوں کی پیدائش کے وقت اسنے ان کو (مدد کے لئے) حاضر نہیں کیا تو اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں روحانی آسمانوں اور زمین کا ذکر ہے اور بتایا یہ گیا ہے کہ جب قوموں کی ویسی ابتر حالت ہو جاتی ہے جیسی کہ مسیحیوں کی ترقّی کے زمانہ میں مسلمانوں کی ہو جانیوالی ہے اس وقت ایک نئے آسمان اور

نئ زمین کی پیدائش کی ضرورت ہوتی ہے اور انکے پیدا کرنے کے وقت خدا تعالیٰ نے کبھی مُضِلّین کو مددگار نہیں بنایا بلکہ خود ان لوگوں کی پیدائش کے وقت یعنی جب مسیحیوں کو ایک قومی تشخص دیا جا رہا تھا اسوقت بھی اس نے ایسوں کو مددگار نہیں بنایا تو پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کے موعودہ زمانہ میں جب نئے آسمانوں اور نئ زمین کے پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اسوقت خداتعالیٰ مُضِلّین یعنی گمراہ کرنے والوں یعنی مسیحیوں کے لیڈروں کو مدد کے لئے حاضر کرے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خداتعالیٰ کو کسی وقت بھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اسکی سنتّ اسی طرح پر واقع ہے کہ جب نبی آتا ہے تو لوگوں کو حصول ثواب کا موقع فراہم کرنے کو خداتعالی اپنے نبی سے **مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ** کی صدا بلند کرواتا ہے لیکن اس پر **لبّیک** کی توفیق وہ مُضِلّین کو کبھی نہیں دیتا۔ یہ توفیق ہمیشہ نیک دل لوگوں کو دیتا ہے۔ پس اسمیں جہاں یہ بتایا کہ اسوقت مسیحیوں کے بڑے لوگ اور بالخصوص انکے پادری وغیرہ آدم وقت مہدی موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انصار میں شامل ہونے کی کم ہی توفیق پائینگے وہاں یہ اشارہ بھی کیا کہ مسلمانوں میں سے لوگوں کو گمراہ کرنے والوں یعنی پیروں فقیروں اورمولویوں میں سے بھی کم ہی لوگ اسکے انصار میں شامل ہوسکیں گے۔

بہر حال ان آیات میں خداتعالیٰ نے مسلمانوں کو کھول کر سمجھا دیا تھا کہ اپنی کمزوری کے زمانہ میں مسیحیوں کو اپنا مددگار نہ بنائیں کیونکہ وہ انکے دشمن ہونگے۔ انکی ترقّی آدم وقت حضرت مہدی موعودؑ کے دامن سے وابستہ ہو جانے سے ہوسکے گی جنکے ذریعہ خداتعالیٰ ایک نیا آسمان اور نئ زمین وجود میں لائیگا۔(نئے آسمان سے مراد تازہ آسمانی نشان اور نئ زمین سے مراد وہ پاک دل ہیں جو ان نشانات سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ یا نئے آسمان کی تخلیق سے مراد شریعت پر پڑ جانے والے پردوں کو ہٹا کر اسے اپنی اصل شکل میں پیش کرنا ہے جس سے وہ ایک نئ شریعت نظر آنے لگے اور نئ زمین سے مراد اس شریعت کے نام پر ایک نیانظامِ عالم وضع کرنا ہے۔) لیکن افسوس اس واضح قرآنی ہدایت کے باوجود اور اس بات کے باوجود کے مہدی موعود علیہ السلام نے ظاہر ہوکر کھلے لفظوں میں انہیں یہ کہہ دیا تھا کہ ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

نیز فرمایا تھا کہ:

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنام ما شد

اور خداتعالیٰ نے بھی صاف لفظوں میں فرما دیا تھا کہ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ مگر انہوں نے اس آواز پر کان نہ دھرا اور مسیحیوں کو اپنا یار و مددگار بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ اور کیا ترکی اور کیا سعودی عرب اور کیا پاکستان وغیرہ ان کے آگے بچھتے ہی چلے گئے جس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا تھا یعنی یہ کہ ذلت پر ذلت اور گمراہی پر گمراہی انکے گلے کا ہار بن گئی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کاش اب بھی ان کی آنکھیں کھلیں کاش اب بھی وہ شرمسار دلوں کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے خدا کی طرف جھکیں اور اسکے مامور کے دامن سے وابستہ ہو جائیں کیونکہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا بلکہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (اَلْبَقَرَة ۲:۲۲۳)

آگے ہے:

وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقاً (۵۳) وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (۵۴)

اور اس دن (بزبان حال یا قال) کہا جائیگا کہ اپنے مددگاروں کو یعنی انہیں جنہیں تم بزعم خویش مددگار سمجھتے تھے بلاؤ۔سووہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انکی بات نہیں سنیں گے۔اور خداتعالیٰ ان کے درمیان ایک روک پیدا کردیگا۔ اور یہ سب مجرم اس آگ کو دیکھیں گے (جو ان کو بھسم کرنے والی ہوگی) اور یقین کریں گے کہ وہ اسمیں پڑنے والے ہیں۔لیکن اس سے پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں پائینگے۔

یہ وعید مسیحیوں کے لئے بھی ہے جو مسیح - مریم - روح القدس اور اپنی ہوائے نفس کو معبود

بنائے ہوئے ہونگے اور اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ جو اپنی ہوائے نفس اور اپنے پیروں اور علماء کے علاوہ مسیحی حکومتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہونگے اور بتایا ہے کہ اس دنیا ہی میں وہ ایک عذابُ النّار میں یعنی جنگ کے عذاب میں پڑینگے۔ یہ جنگ قریب ہوتی ہوئی انہیں نظر آرہی ہوگی مگر وہ اس سے فرار کی جگہ نہیں پائیں گے۔ آگے ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلاً (۵۵)

اور ہم نے اس (عظیم) قرآن میں یقیناً ہر ضروری بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کردیا ہے مگر انسان اکثر باتوں میں جھگڑا کرنے والا ہے۔

جب اوپر کی آیات میں خداتعالیٰ نے یہ بتایا کہ آدم وقت مہدی موعود علیہ السلام کے ذریعے وہ ایک نیا آسمان اور نئی زمین پیدا کرے گا تو اس سے یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ شائد اس کے آنے پر قرآنی شریعت منسوخ ہوجائے۔ اس لئے اس موقع پر یہ آیت لاکر جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن ہر ضرورت کو پورا کرنے والی کتاب ہے۔ خداتعالیٰ نے اس کا سدّ باب کیا اور بتایا کہ جسے نئے آسمان اور نئی زمین کا نام دیا گیا ہے اس سے کوئی نئی شریعت مراد نہیں بلکہ قرآن کریم کی مُصفّٰی صورت ہی مراد ہے کیونکہ اس میں ہر ضروری بات بیان کردی گئی ہے اور کسی نئی شریعت کی ضرورت ہی پڑنے والی نہیں۔ مطلب یہ کہ مہدی موعود کوئی نئی شریعت نہیں لائے گا۔ بلکہ قرآنی شریعت ہی کو پیش کرے گا اور دین اسلام ہی کو از سرِنو زندہ کرے گا۔ آنحضرتﷺ نے بھی فرمایا **يُقِيمُ النَّاسَ عَلٰى مِلَّتِي وَ شَرِيْعَتِي وَ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ** وہ لوگوں کو میری مِلّت اور میری شریعت پر قائم کرے گا اور کتاب اللہ کی طرف بلائے گا۔ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۷)

حضرت مہدیؑ کا اپنا بھی ایک الہام ہے **يُحْيِ الدِّيْنَ وَ يُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ** وہ دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا۔ضمناً اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں جھگڑنے کی عادت ہوگی۔ وہ بات سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کی بجائے اعتراض کا پہلو نکالنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ بار ہا دیکھا جا چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کی یہی عادت ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہی مہدی موعودؑ کا زمانہ ہے۔

اگر یہاں **شئی** کا لفظ مجادل کی جگہ استعمال ہؤا ہو اور آیت کی تقدیر یہ ہو کہ **جدلهٗ اکثر من جدل کل مجادل** (املاء) تو الانسان کا ال تخصیص کیلئے ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اسوقت کے پادری یا ملا وغیرہ سب جھگڑا کرنے والوں سے زیادہ جھگڑا کرنیوالے ہونگے۔

آگے ہے:-

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْجَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلاً (٥٦)

اور جب ان کے پاس صداقت آ گئی لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت چاہنے سے کسی بات نے نہیں روکا۔ سوائے اس کے کہ (وہ عملا اس انتظار میں ہوں کہ) پہلے مکذّب لوگوں پر جو گذری ان پر بھی گذر جائے۔ یا (کم از کم) عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو۔

اسمیں بتایا کہ مہدی موعودؑ مجسم ہدایت* بن کر آئیگا۔ اور آکر تمام ضروری مسائل کو اور صداقتِ اسلام کواسطرح واضح کردیگا کہ ماننے والوں کی راہ میں کوئی روک نہیں رہے گی۔اور اگر روک ہوگی تو صرف یہ کہ ہمیشہ سے انسان کی عادت رہی ہے کہ وہ عذاب کے نشان دیکھنا چاہتا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ج وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِىْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا (٥٧)

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر بشیر و نذیر بنا کر لیکن کافر باطل (کو ہتھیار بنا کر اس) کے ساتھ (مومنوں سے) جھگڑتے ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو مٹا دیں۔اور انہوں نے (ہمیشہ ہی) میری آیات کواور اس چیز کو جس سے انکو ڈرایا جاتا ہے تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔

===============

* آیت **هُوَالَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** کی تفسیر میں شیعہ محققین نے رسول کے بارہ میں لکھا ہے کہ **هو المهدی** کہ یہ رسول مہدی ہے۔اسطرح غایۃ المقصود جلد۲ صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ مراد از رسول در اینجا مہدی موعود است اس جگہ رسول سے مراد مہدی موعود ہیں۔

مہدی موعودؑ مُرسَل من اللہ ہوگا اور تمام مُرسَلین کی طرح تبشیر و انذار اس کا کام ہوگا نہ کہ بزور شمشیر مسلمان بنانا

اس موقع پر یہ فرما کر کہ ہم مرسلین کو نہیں بھیجتے مگر بشیر و نذیر بنا کر۔ یہ بتایا کہ مہدی موعود بھی مرسل من اللہ ہوگا اور اسے بھی بشیر و نذیر بنا کر ہی بھیجا جائے گا۔ اور اسطرح اشارہ کیا کہ اسکے زمانہ کے مسلمان خیال کریں گے کہ وہ آ کر لوگوں کو بزور شمشیر مسلمان بنالیگا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہاں جو اسے مانیں گے انکے حق میں وہ بشارتیں جو وہ انکو دے گا پوری ہونگی اور جو نہیں مانیں گے انکے حق میں بھی وہ انذاری خبریں جو وہ دیگا پوری ہونگی اور بنا بریں یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسکی نظر کافروں کو ہلاک کرنے والی اور مومنوں کے لئے زندگی بخشنے والی ہے۔

===============

مخالفین مہدیؑ کا حربہ جھوٹ ہوگا

اس آیت میں خداتعالی نے یہ بھی بتایا کہ مہدیؑ کا کفر کرنیوالے اس کے خلاف جھوٹ کو بطور حربہ کے استعمال کریں گے۔ یعنی اپنے منہ کی ان پھونکوں سے شمع حق کو بجھا دینا چاہیں گے (یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَ فْوَاهِهِمْ) اور جو آیات قرآنیہ اسکے حق میں پیش کی جائینگی اور جو دوسرے آسمانی نشان اسکی تائید میں ظاہر ہونگے۔اور ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کے لئے جو وعید ہوگی اسے وہ ہنسی میں اڑا دیں گے۔ چنانچہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں غیروں سے زیادہ مسلمان کہلانے والے حضرت مہدی موعودؑ کے خلاف جھوٹ کا حربہ استعمال کر رہے ہیں۔کبھی آپؑ کے ارشادات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں۔کبھی وہ باتیں آپؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آپؑ نے سرے سے کہی ہی نہیں ہوتیں۔کبھی ان استعارات کو جو آپؑ نے اپنے کلام میں استعمال کئے ہیں ظاہر پر محمول کر کے لوگوں کو آپؑ سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔کبھی آپؑ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا کہتے ہیں (حالانکہ آپؑ ان کے 'خدا' کو مردہ ثابت کرنے والے اور ان کے جھوٹے مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے ہیں)۔ کبھی آپؑ کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر نبوّت کا دعویٰ کرنے والا ٹھہراتے ہیں۔(حالانکہ

آپؑ نے صاف صاف کہا ہے کہ میں نے جو کچھ پایا آنحضرؐت کی اتباع سے پایا ہے۔ اور اسی طرح یہ فرمایا ہے کہ میں آنحضرؐت کی صداقت ثابت کرنے ہی کے لئے بھیجا گیا ہوں)۔ کبھی آپؑ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ (حالانکہ آپ نے بار بار اپنا مسلمان ہونا ظاہر فرمایا ہے)۔ پھر ان قرآنی آیات کو جو آپؑ کی تائید میں نازل شدہ ہیں اور ان ہزاروں نشانات کو جو آپؑ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ذرا بھی درخوراعتناء نہیں سمجھتے گویا ان کو مذاق بنا رکھا ہے۔

فرمایا:-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَاقَدَّمَتْ يَدٰهُ ط اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَ قْرًا ط وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذًا اَبَدًا (۵۸)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی پھر وہ ان سے اعراض کر گیا اور اس انجام کو بھول گیا جس کا انتظام اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تا وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں اوران کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے تو (اس صورت کے قائم رہنے تک) وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔

===============

زمانہ مہدی کے مسلمانوں کے لئے ایک اور تنبیہ

اس میں مسلمانوں کو بہت بڑی تنبیہ کی گئی کہ اگر اپنے رب کی آیات کی طرف توجہ دلائے جانے کے باوجود نصیحت حاصل نہیں کریں گے۔ اور ان سے اعراض کرتے ہوئے یوم الحساب کو بھلا دیں گے تو خدا تعالیٰ ان سے **تَفَقُّه فِي الْقُرْ**آن کی استعداد سلب کر لے گا۔

چنانچہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے حق میں یہ وعید پوری ہو چکی ہے۔ وہ پرانی تفاسیر کی اورحضرت مہدی موعودؑ اور ان کے خلفاء کی باتیں چرا چرا کرتو اپناعالم قرآن ہونا ظاہر کرنے کی

کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کے نئے حقائق ومعارف تک رسائی کی اور ضرورت زمانہ کے مطابق قرآن سے مضامین کے استنباط کی توفیق ان کو حاصل نہیں۔ اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ مہدی موعودؑ کے انکار کے ساتھ ہی وہ پکڑے نہیں جائیں گے بلکہ خدا تعالیٰ ان کو کچھ ڈھیل دے گا تاکہ توبہ کرکے اسکی مغفرت اور رحمت سے حصہ پائیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر جیسے پہلی منکر قومیں ہلاک ہوئیں وہ بھی ہلاک کئے جائینگے۔

آخری جملہ **وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى** خاص توجہ کے لائق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس تو اس وقت موجود نہیں ہونا تھا لہٰذا مطلب اسکا یہ ہے کہ یہی نہیں کہ وہ خود **تفقہ فی القرآن** کی استعداد کھو بیٹھیں گے بلکہ اگر احادیث نبویہ جو قرآن کریم ہی کی توضیح وتعبیر ہیں پیش کرکے انہیں مہدی موعوؑد کی طرف بلایا جائے گا تو بھی وہ ہدایت نہیں پائیں گے سوائے اسکے کہ آیات اللہ سے اعراض کی عادت ترک کردیں۔ جیسا کہ اذا کی شرط سے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ آگے ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُوالرَّحْمَةِ ؕ لَوْيُؤَاخِذُ هُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْامِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا (۵۹) وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِداً (۶۰)

اور (اے رسول) تیرا رب بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر وہ انکو اس کھٹی پر جو انہوں نے (مہدی کا انکار کرکے) کی پکڑنے لگے تو ان پر جلد ہی عذاب نازل کردے۔ لیکن ان کے لئے وقت مقرر ہوگا۔ البتہ جب وہ وقت آگیا تو وہ اس سے بچ نکلنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ اور یہ (اجڑی ہوئی) بستیاں (دیکھ) جب انہوں نے ظلم (کا طریق اختیار) کیا ہم نے انہیں ہلاک کردیا لیکن (اس سے پہلے) ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کردیا تھا۔

اس میں **ربھم** نہیں فرمایا **ربک** فرمایا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اے رسول خدا تعالیٰ کو تیرے مقاصد کی تکمیل منظور ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص تیرے دین کا سچا درد رکھنے والا ہو تو

خداتعالیٰ اس کے حق میں غفور اور **ذُوالرَّحْمَة** ثابت ہوگا۔ یعنی اس کی کمزوریوں اور لغزشوں کو بخش دے گا اور رحم کرکے ہدایت کے سامان کردے گا۔ اور یوں وہ کسی بھی متکبّر کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ ایک وقت مقررہ تک ڈھیل دیتا ہے اور صرف وہ وقت مقررہ آنے پر پکڑتا ہے چنانچہ کوئی بھی بستی جس نے ظلم کی راہ اختیار کی ہلاک نہیں ہوئی مگر وقت مقررہ تک ڈھیل پانے کے بعد۔ آگے ہے

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِفَتٰـهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْاَمْضِیَ حُقُبًا (۶۱) فَلَمَّابَلَغَامَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَا تَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا (۶۲) فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَـاغَـدَآءَ نَـا لَـقَـدْ لَـقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَانَصَبًا(۶۳) قَالَ اَرَءَیْـتَ اِذْ اَوَیْـنَـآ اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّی نَسِیْتُ الْحُوْتَ ز وَمَـا اَنْسٰـنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّـخَذَسَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ق صلے عَـجَبًا(۶۴) قَـالَ ذٰلِكَ مَـا كُنَّا نَبْغِ ق صلے فَـارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (۶۵) فَـوَجَدَا عَبْدًامِّنْ عِبَادِنَا اٰ تَیْنٰـهُ رَحْـمَةً مِّـنْ عِـنْـدِنَـاوَعَلَّمْنٰـهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (۶۶) قَـالَ لَهٗ مُـوْسٰـی هَـلْ اَ تَّبِعُكَ عَـلٰٓی اَنْ تُـعَـلِّـمَـنِ مِمَّـاعُلِّمْتَ رُشْدًا (۶۷) قَـالَ اِنَّكَ لَـنْ تَسْـتَـطِیْـعَ مَعِیَ صَبْـرًا (۶۸) وَكَیْفَ تَـصْـبِـرُعَـلٰـی مَـالَمْ تُحِطْ بِـهٖ خُبْـرًا(۶۹) قَـالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صابِرًا وَّلَا اَعْصِی لَكَ اَمْرًا (۷۰) قَالَ فَـاِنِ اتَّبَعْتَـنِـیْ فَـلَا تَسْئَلْنِی عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا(۷۱)

آیت نمبر ۶۱ کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا کہ میں مجمع البحرین تک اپنا سفر جاری رکھوں گا یا پھر حقب بعد حقب چلتا رہوں گا۔ رویاء کی زبان میں بحر سے مراد ایسا طاقتور بادشاہ ہوتا ہے جو عادل ہو شفیق ہو اور دنیا اسکی محتاج ہو۔ نیز تسبیح وتہلیل بھی اس سے مراد ہوتی ہے۔ اور جو بادشاہ ان صفات مذکورہ کے علاوہ مجسم تسبیح وتہلیل بھی ہو وہ دین کا بادشاہ یعنی صاحب شریعت نبی ہی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا مجمع البحرین سے مراد وہ وقت ہوا جس تک پہنچ کر

شریعت موسویہ کا دور ختم ہو کر ایک نئے صاحب شریعت نبی یعنی حضرت اقدس محمدﷺ کا دور شروع ہونا تھا۔

فتٰـــی نوجوان کو کہتے ہیں اور یہ لفظ مضاف ہو کر آئے تو اسکے معنٰی بیٹے یا ماتحت کے ہوتے ہیں۔ یہاں جس **فتٰـی** کا ذکر ہے اس نے مجمع البحرین تک حضرت موسٰیؑ کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ لہٰذا اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ **فتٰی** حضرت مسیحؑ تھے جو سلسلہ موسویہ کے آخری نبی تھے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت موسٰیؑ کو خداتعالٰی کی طرف سے یہ علم دیا گیا تھا کہ ان کے بعد ایک ان جیسا یعنی صاحب شریعت نبی آنے والا ہے۔ جسکا مطلب واضح طور پر یہ تھا کہ انکا دور رہتی دنیا تک کے لئے نہیں ہے بلکہ محدود عرصہ کے لئے ہے اور اس نبی کے آنے پر ختم ہو جائے گا۔ یعنی انہیں مجمع البحرین کی خبر دی گئی تھی اور نبی ہونے کی وجہ سے وہ سب لوگوں سے زیادہ اس بات کو جانتے تھے کہ خدا کے وعدوں میں تخلّف نہیں ہوتا اس لئے انہوں نے جو اپنے فتٰی یعنی حضرت مسیحؑ سے جو انکے سلسلہ کے آخری نبی تھے یہ کہا کہ **لَا اَبۡـرَحُ حَتّٰـی اَبۡلُـغَ مَـجۡـمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا** تو اس سے انکی یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی تھی کہ شائد مجمع البحرین نہ ہی آئے اور اگر وہ نہ آیا تو میں حقب بعد حقب اپنا سفر جاری رکھوں گا بلکہ یہی مراد ہوسکتی تھی کہ اگر میں نے اسکو نہ پایا یعنی مجھے اسکا علم نہ ہؤا یا میں نے اسکو نہ پہچانا تو میں ایسا کروں گا۔ لیکن نہ تو کسی نبی کے لئے بوجہ انسان ہونے کے یہ ممکن ہے کہ وہ حقب بعد حقب چلتا چلا جائے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک نیا نبی جو اسکے دور کو ختم کرنے والا ہو آجائے اور اسے اسکا علم ہی نہ ہو اسلئے اسمیں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ کشفی نظارہ تھا جس میں حضرت موسٰیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کرکے انکی قوموں کے بارہ میں خبر دی گئی تھی۔

بہرحال چونکہ حضرت موسٰیؑ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا تھا کہ شائد مجمع البحرین (کا وقت) نہ ہی آئے بلکہ یہی مطلب ہوسکتا تھا کہ اگر میں اسے نہ پاؤں یعنی نہ پہچان سکوں تو میرا یہ سفر جاری رہے گا اسلئے یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ انکا قول **اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا**۔ **مجمع البحـــرین** کا وقت آجانے کے بعد کے زمانہ کے متعلق ہے۔ یہ نکتۂ خاص سمجھ لیا جائے تو یہ جان لینا چنداں مشکل نہیں رہتا کہ انہوں نے سنۃ کا عام لفظ چھوڑ کر حُقُب کا لفظ کیوں استعمال کیا یعنی کشف میں خدا تعالٰی نے انکی زبان سے یہ لفظ کیوں کہلوایا۔

بات یہ ہے کہ اگرچہ حُقَب کے معنیٰ ایک سال کے بھی ہوتے ہیں مگر یہ لفظ کئی سالوں کے لئے بھی آتا ہے اور اسّی سال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم نے سورۃالقدر کے حوالہ سے اس کتاب میں دوسری جگہ واضح کیا ہے ایک مامور مجدد اور دوسرے مامور مجدد کے درمیان کم وبیش ہزار ماہ یعنی تراسی سال چار ماہ کا وقفہ ہوتا ہے جسے عام گفتگو میں اسّی سال ہی کہا جائے گا ۔ پس اس کشف میں یہ الفاظ حضرت موسٰیؑ سے کہلوا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ جب مجمع البحرین کا وقت آجائے گا یعنی شریعت موسوی کا دور ختم ہو کر محمدﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا دور شروع ہو جائے گا اس وقت قوم موسٰیؑ آنحضورؐ کو نہیں پہنچانے گی سو جب وہ مجمع البحرین سے آگے نکل جائے گی اور قوم مسیحؑ بھی اسکے ساتھ ہو گی (کیونکہ اگلی آیت **فَلَمَّا جَاوَزَا.** الخ اس وقت حضرت موسٰیؑ اور انکے **فتٰی** یعنی حضرت مسیحؑ کا ہمسفر ہونا ظاہر کر رہی ہے) تو جیسا کہ اسی آیت میں اسکا ذکر ہے حضرت موسٰیؑ حضرت مسیحؑ سے کہیں گے (یعنی قوم موسٰیؑ قوم مسیحؑ سے کہے گی) **اٰتِنَا غَدَآءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا** ہمارے لئے صبح کا پہلا کھانا لاؤ ہمیں اپنے اس سفر سے تھکاوٹ ہو گئی ہے۔ انہوں نے صرف یہ نہیں کہا کہ ہمیں ہمارے سفر سے تھکاوٹ ہو گئی ہے بلکہ یہ کہا کہ ہمارے اس سفر سے تھکاوٹ ہو گئی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تھکاوٹ یا تو بہت دیر تک ایک ہی کام کرنے سے ہوتی ہے یا اس وقت ہوتی ہے جب کام بے نتیجہ رہے ۔ پس اسمیں دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ اس وقت یہ دونوں قومیں مجمع البحرین سے دور تک آگے نکل چکی ہونگی اور دوسرے یہ کہ باوجود برسوں کی محنت اور کوشش کے انکو حاصل کچھ بھی نہیں ہوُا ہو گا ۔ اور انکے صبح کا پہلا کھانا طلب کرنے کے ذکر سے ظاہر ہے کہ انکا یہ سفر رات کا سفر ہوگا اور رات بھر جاری رہا ہوگا۔ یعنی سورۃ الفجر میں آنحضرتؐ کے تین سو سال بعد شروع ہونے والی جن دس راتوں یعنی دس صدیوں کا ذکر ہے اور جنہیں ایک (لمبی) رات بھی قرار دیا گیا ہے ان میں وہ اپنی اسی ڈگر پر چلتے چلے جائیں گے اور اسکے بعد جب طلوع فجر ہوگا یعنی آسمان روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہﷺ کا حضرت مہدی موعودؑ کی صورت میں دوبارہ ظہور ہوگا اس وقت بھی قوم موسٰیؑ فوری طور پر آپؐ کی طرف نہیں جھکے گی بلکہ یہ خیال کرے گی کہ اسنے مسیح ناصریؑ کو نہ مان کر غلطی کی ہے اس لئے اپنی کھوئی ہوئی روحانی طاقت کو بحال کرنے اور از سرنو روحانی سفر شروع کرنے کے لئے حضرت مسیحؑ سے (جن سے مراد انکی قوم

ہے کیونکہ اسوقت حضرت مسیحؑ خود تو ہونگے ہی نہیں) روحانی غذا کی طالب ہو گی۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور حضرت موسٰیؑ کے فتٰی یعنی حضرت مسیحؑ کے (جن سے انکی قوم مراد ہے) قول سے ظاہر ہے اسوقت قوم مسیح خود اپنی بے بضاعتی کا اظہار کریگی اور کہے گی **اَرَئَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ** ؁ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے صخرہ پر پناہ لی تو میں اپنی مچھلی کو بھول گئی۔ اٰوٰی کا لفظ دکھ کے بعد امن اور سکھ میں آنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور صَخرہ کی تعبیر علم تعبیر رویاء کے مطابق سخت قسم کا فسق و فجور ہوتی ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہؤا کہ مسیحؑ کی قوم کہے گی کہ جب ہم اپنے دشمنوں سے دکھ پانے کے بعد امن میں آئے اور ہمیں سکھ نصیب ہوا یعنی حالت کمزوری کے بعد ہمیں طاقت حاصل ہوئی تو (بجائے اسکے کہ ہم اللہ کے احسان مند ہو کر اسکی طرف جھکتے) ہم سخت قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے اسوقت میں اپنی حُوت کو بھول گئی اور اسنے عجیب طریق پر ''البحر'' یعنی اس بحر کی راہ لی جو مجمع البحرین ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے منہ میں **اَنَا** کی بجائے **اِنِّی** کا لفظ ڈال کر یہ اشارہ کیا گیا کہ قوم موسیٰؑ تو اس سے پہلے ہی اپنی حوت کو بھول چکی ہوگی لیکن اس وقت کے آنے تک قوم مسیحؑ نے بھی اسے بھلا دیا ہو گا۔

حوت کی تعبیر نیکوں کی عبادت یا عبادت گذاروں کی مسجد سے لی جاتی ہے سو **اِنِّی نَسِیْتُ الْحُوْتَ** کے الفاظ کے بعد مسیحؑ کے منہ میں فاتخذ ؁ کے الفاظ ڈال کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اسوقت مسیحی اس بات کا اعتراف و اظہار کرینگے کہ جب وہ فسق و فجور میں مبتلا ہوگئے تو اسوقت انکی حُوت اس بحر میں جو مجمع البحرین ہے یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی شریعت کے بحر میں داخل ہوگئی تھی یعنی انکے نیکوکاروں کی عبادت گاہوں سے جو روحانی فوائد پہلے حاصل ہؤا کرتے تھے وہ حاصل ہونا بند ہو کر ان لوگوں کی عبادت گاہوں سے حاصل ہونے لگ گئے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو سارے کا سارا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی شریعت کے بحر میں داخل کرلیا تھا۔ یعنی اپنا اوڑھنا بچھونا ہی اس کو بنالیا تھا اور پورے طور پر اسکا جُوا اپنی گردنوں پر لے لیا تھا۔ لیکن اے قوم موسیٰؑ شیطان نے ہمیں یہ بات تم کو بتانا بھلا دیا۔ یعنی (طاقت کے) غرور نے ہمیں یہ یاد نہیں رہنے دیا کہ ہمیں اس امر کا بر ملا اعتراف کرلینا اور تمہارے سامنے اس کا اظہار کرلینا چاہیے تھا تاکہ ہم خود بھی بچ جاتے اور تم بھی ہم سے ہدایت کی امید رکھنے کی

بجائے کسی ایسے شخص کی جو رہنمائی کا اہل ہو تلاش کرتے۔ اسوقت قوم موسیٰؑ کہے گی **ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ** اسی کی تو ہمیں تلاش تھی یعنی ہم کسی ایسے شخص ہی کو تو ڈھونڈتے تھے جو ہمیں اپنی روحانی فضیلتیں پھر سے حاصل کر لینے کی راہ دکھا سکے۔ **فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِہِمَا قَصَصًا** ۔سو وہ اپنے آثار پر لوٹے (یعنے لوٹیں گے)۔ صاحب غریب القرآن نے قصصا کے معنے قدم بقدم چلنے کے لکھے ہیں۔ پس یہ لفظ رکھ کر بتایا کہ جب وہ دیکھیں گے کہ جن سے رہنمائی کی انہوں نے امید باندھی تھی وہ خود بھی تہی دست نکلے تو وہ پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے تاکہ تلاشِ مُرشِدُ میں دوبارہ غلطی نہ کر پائیں۔

فَارْتَدَّا عَلٰی اٰثَارِہِمَا کے معنے یہ کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے نقوش قدم پر واپس لوٹے۔لیکن اگر صرف " **فَارْتَدَّا** " کہا جاتا تو بھی یہی بات مفہوم ہوتی۔ اسلئے "**فَارْتَدَّا**" کے بعد **علٰی آثَارِ ہِمَا** فرمانا یقیناً کسی اور معنٰی میں ہے۔ وہ معنٰی کیا ہیں؟ اسکی تعیین کچھ مشکل نہیں کیونکہ اسی سورۃ کی آیت نمبر ۷ میں آثار کا لفظ ترقیّات کے مٹ جانے کے بعد انکے باقی رہ جانیوالے نشانات کے معنٰی میں آچکا ہے۔ اور یہ معنٰی یہاں لئے جائیں تو ایک خوبصورت زائد مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے یہ الفاظ انہی معنوں میں لائے گئے ہیں اور غرض ان سے یہ بتانا ہے کہ یہ بات اسوقت واقع ہوگی جب

نمبر ۱ ان قوموں (کی ترقیات) کے صرف آثار باقی رہ جائینگے اور

نمبر ۲ جیسا کہ اگلی آیت سے (جس میں واپس لوٹنے پر ان کے اس شخص کو پا لینے کا ذکر ہے) ظاہر ہے ایک ایسے شخص کا ظہور بھی پیچھے رہ گیا ہوگا جسے خداتعالیٰ نے اپنی جناب سے (بطورِ خاص) رحمت عطا کی ہوگی۔ یعنی جو کسی اور غرض سے نہیں بلکہ خدا داد جذبۂ رحم کے ماتحت لوگوں کی ہدایت کیلئے کوشاں ہوگا (اور حِلم اور خلق اور نرمی سے یہ خدمت بجا لائیگا اور ایسی کوشش کرنیوالے عام لوگوں کی طرح نہیں ہوگا بلکہ) خاص خداتعالیٰ سے علم یافتہ یعنی مہدی ہوگا۔ مطلب یہ کہ مہدی موعود کے ظہور کے بعد بھی کچھ عرصہ تک یہ لوگ اپنی پہلی ڈگر ہی پر چلتے رہیں گے اور اپنی غلطی کا احساس انکو اپنی ترقیّات کا سورج ڈوبنے پر ہوگا۔ تاہم ایسے وقت میں ہوجائیگا کہ اگرچہ مہدی موعود خود تو نہیں مگر کوئی ایسا شخص دنیا میں موجود ہوگا جس سے علم حاصل کرنا خود مہدی موعودؑ سے علم حاصل کرنا ہوگا یعنی جو انکا کوئی خلیفہ یا بیٹا خلیفہ ہوگا۔

اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر یہ بات مہدی موعودؑ کے بھی آ کر دنیا سے چلے جانے پر ہونی تھی تو یہ کیوں کہا گیا کہ قوم موسٰیؑ مہدی کو پائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تین وجوہ سے کیا گیا اوّل یہ بتانے کو کہ اگرچہ قومِ موسٰیؑ خود تو نہیں مگر اسکے مثیل یعنی اس زمانہ کے مسلمان کہلانے والے (جن کے بارہ میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ ہر بات میں یہود کی پیروی کریں گے) اسے پائیں گے اور اس سے ہدایت کے طالب ہونگے۔ دوسرے یہ بتانے کو کہ یہ بات مہدی موعودؑ کے عہد رسالت کے اندر واقع ہوگی اور تیسرے یہ بتانے کو کہ اس کے جس خلیفہ کے وقت میں یہ بات واقع ہوگی وہ آنحضرتﷺ کے بعد آنے والے خلفاء کا (جن کے لئے حضورؐ نے مہدیین کا لفظ استعمال فرمایا ہے) مثیل ہوگا۔

ضمناً یہاں ایک نقطہ عجیب اور بھی قابل بیان ہے اور وہ یہ کہ حوت کے سمندر میں داخل ہونے کا ذکر اپنی طرف سے کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے **سرباً** کا لفظ استعمال کیا ہے اور جب اسی کا ذکر مسیحؑ کی زبان سے کیا ہے تو **عجباً** کا لفظ رکھا ہے۔ اسمیں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ مسیحؑ کو جس سے انکی قوم مراد ہے اس بات پر تعجب ہوگا مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اسمیں تعجب کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ کیوں نہیں ہوگی؟ اسلئے کہ اس کا اپنا قانون ہے کہ نئے نبی کے آنے پر عبادات کے فوائد پہلے نبی کی قوم سے چھِن کر اس نبی کی قوم کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی عبادت یقین کو چاہتی ہے اور یقین تازہ بتازہ نشانوں کو چاہتا ہے اور تازہ بتازہ نشاں جیسے نبی وقت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں کسی اور کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتے۔ بلکہ پہلے نبیوں تک کے نشان بھی اسکے ظہور کے وقت قصےّ کہانیاں بن چکے ہوتے ہیں۔

بہرحال **فَارْتَدَّا عَلٰٓى آثَارِهِمَا قَصَصًا** میں بتایا کہ حضرت موسٰیؑ اور عیسٰیؑ دونوں (یعنی ان کی قومیں) اسوقت جب انکی ترقیاّت کے صرف آثار باقی رہ چکے ہونگے۔ اس تلاش میں کہ کون انکو صحیح راہ دکھائے گا واپس لوٹیں گے اور چونکہ (وہ ایک ایسے ہی بندے کی تلاش میں نکلے ہوں گے) **فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا** الخ اسلئے وہ ہمارے بندگان خاص میں سے ایک بندے کو پائینگے جسے خدا نے اپنی جناب سے رحمت اور علم عطاء کیا ہوگا۔ اس کے بعد ہے **قَالَ لَهٗ مُوْسٰى**۔ موسٰیؑ نے اس سے کہا۔ یہاں سے حضرت موسٰیؑ کے **فتٰی** یعنی مسیح ناصریؑ کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے تا اشارہ ہو کہ وہ حضرت موسٰیؑ کے تابع تھا اور نیز یہ اشارہ ہو کہ اس وقت مسیح

ناصریؑ کی قوم اپنی روحانی برتری کا امتیاز کھوچکی ہوگی اور بنا بر ایں اس کا الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

===============

مہدی موعودؑ ہی خضر راہ ہوگا

جس عبد کا یہاں ذکر ہے اکثر مفسرین نے اس سے حضرت خضر اور بعض بزرگوں نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ مراد لئے ہیں۔ یعنی یہ کہا ہے کہ حضورؐ ہی خضر ہیں۔ کیونکہ جو باتیں یہاں عبد مذکور کے متعلق آئی ہیں وہ قرآن میں دوسری جگہ حضورؐ کے متعلق کہی گئی ہیں۔لیکن حضرت موسٰیؑ نے (جن سے مراد ان کی قوم کے لوگ ہیں) اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ اسوقت تک اپنا سفر جاری رکھیں گے جب تک مجمع البحرین تک نہ پہنچ جائیں ورنہ حُقُب بعد حُقُب چلتے چلے جائینگے لہٰذا جب مجمع البحرین کو انہوں نے نہیں پہچانا تو ضرور تھا کہ وہ آگے چلتے چلے جائیں۔ بلکہ کشف میں یہ بات کہلوائی ہی اسی لئے گئی تھی کہ اس امر کی طرف اشارہ ہوجائے چنانچہ جیسا کہ انکے یہ الفاظ کہ ہمیں اپنے اس سفر سے تھکاوٹ ہوگئی ہے صاف ظاہر کررہے ہیں عملاً بھی وہ مجمع البحرین سے دور تک آگے نکل جائیں گے۔ اس لئے اس کے بعد جو انکے واپس لوٹنے اور ایسے شخص کی تلاش کرنے کا ذکر ہے جس سے وہ علم صحیح پاسکیں اور مجمع البحرین کے بارہ میں اپنے شکوک رفع کرسکیں۔تو اس سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس مراد نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ حضورؐ کے حینِ حیات میں بلکہ آپؐ کے بعد زمانہ قریب میں بھی ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آنا تھا کہ وہ مجمع البحرین سے آگے نکل آئے ہیں۔خیال آنا تھا تو اپنی ترقیّات کا جنازہ نکل جانے پر لہٰذا اس سے حضورؐ سے کافی عرصہ بعد آنے والا حضورؐ کا کوئی بروز ہی مراد ہوسکتا ہے۔ پس اس سے حضرت مہدی موعودؑ مراد ہیں جن کا بمطابق آیت آخرین منھم آنحضورؐ کا بروز بن کر آخرین میں آنا مقدر تھا۔ دراصل جو باتیں اس کشف کے ذکر کے پیرایہ میں اس شخص کے بارہ میں کہی گئی ہیں جس سے حضرت موسٰیؑ نے علم سیکھنا چاہا بیشک ویسی ہی باتیں قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں آنحضورؐ کے بارہ میں بھی کہی گئی ہیں لیکن یہی باتیں ان دونوں کے مقام کا فرق بھی ظاہر کررہی ہیں اور بتارہی ہیں کہ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

چنانچہ جہاں اس شخص کے متعلق یہ کہا گیا کہ اسے خدا کی طرف سے رحمت دی گئی وہاں آنحضورؐ کو مجسم رحمت بلکہ رحمۃللعالمین قرار دیا گیا۔ اور جہاں اس شخص کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ اسے خدا نے اپنے جناب سے علم دیا (یعنی مہدی بنایا) وہاں آنحضورؐ کو معلم کتاب اللہ کے طور پر پیش کیا گیا۔اور **لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ** یعنی تمام اقوام کے لئے ہادی قرار دیا گیا۔ اور جہاں اس شخص کے بارہ میں **عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا** کہا گیا وہاں آنحضورؐ کو عبداللہ کہا گیااور آپؐ کے لئے عبدہ اور عبدنا کے الفاظ لائے گئے اور کئی بار لائے گئے۔ پھر اس واقعہ کے ذکر کو مسیحیوں کو ملنے والے دو باغوں کے ذکر کے بعد رکھنا بھی بتاتا ہے کہ جس شخص سے حضرت موسیٰؑ نے علم حاصل کرنا چاہا وہ آنحضرتؐ نہیں تھے کیونکہ آنحضرتؐ کی لائی ہوئی شریعت یا آپؐ کا وجود ہی وہ نہر ہے جس نے ان دو باغوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا پس جس کا ان آیات میں ذکر ہے وہ خضر راہ حضرت مہدی موعودؑ ہی ہیں (اگرچہ جب آپؑ خضر راہ ہیں تو حضرت محمد ﷺ جو آپؑ کے بھی ہادی ہیں بدرجہ اَوْلیٰ خضر راہ ہیں)اور یہ بات ہم نے ہی نہیں کہی خود حضرت مہدی موعودؑ نے بھی کہی ہے آپؑ فرماتے ہیں:

اِنِّی اَنَا الْخِضْرُ فِی بَعْضِ صِفَاتِی لَا تُحَاطُ اَسْرَارِیْ

میں اپنی بعض صفات کی رو سے خضر ہوں میرے رازوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔(قلمی نسخہ الہامات نمبر۲ جوخلافت لائبریری میں موجود ہے)

آپؑ کا اپنے آپ کو بعض صفات میں خضر قرار دینا ہی بتاتا ہے کہ آپؑ کے نزدیک کل صفات میں خضر کوئی اور ہے جو آپؑ سے اور حضرت موسیٰؑ دونوں سے بڑھ کر ہے پس یقیناً وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ مگر اس آیت میں ذکر مہدی موعودؑ کا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے مگر اس وقت کا جب آپؐ کا دوسرا بعث ہونا تھا۔

بہرصورت حضرت موسیٰؑ نے اپنے کشف میں اس 'عبدؑ' سے کہا (جس سے مراد یہ تھی کہ ان کی اُمّت کہے گی۔ بزبان قال یا حال) **هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا** کیا میں تیری اِتباع کروں تا کہ جو ہدایت کی باتیں خدا تعالیٰ نے تجھے تعلیم کی ہیں ان میں سے کچھ تو مجھے سکھائے اس پر اس عبد نے یہ کہہ کرعذر کیا کہ **اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا** تو میرے ساتھ صبر نہیں کرسکے گا۔لیکن جب حضرت موسیٰؑ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ صبر کریں

گے تو وہ راضی ہوگیا۔ مگر اس نے مصاحبت کے لئے یہ شرط لگائی کہ جب تک میں بات کرنے میں پہل نہ کروں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق سوال نہیں کرے گا (آیت ٦٨ تا ٧٠)۔

مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت حقّہ اسلامیہ ہی کا علم دیا جانا تھا اس لئے اس کشفی گفتگو کا مطلب یہ ہؤا کہ قوم موسٰیؑ خضر راہ حضرت مہدی موعودؑ یا ان کے خلفاء سے اسلامی تعلیمات کی تفاصیل معلوم کرنا چاہے گی اور اس کے بعض افراد تو اسکی کشتی میں سوار ہو کر یعنی مسلمانوں میں شامل ہو کر اندر سے معلومات حاصل کرنیکی کوشش کریں گے۔ اس ذکر کے بعد ہے:

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَھَا ط قَالَ اَخَرَقْتَھَا لِتُغْرِقَ اَھْلَھَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا (۷۲)

پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوگئے اس عبد نے اس کے تختے الگ الگ کردئے۔ موسٰیؑ نے کہا کیا تو نے اس کے تختے اس لئے الگ الگ کئے ہیں کہ تو اس کے سواروں کو غرق کردے یقیناً تو نے عجیب ہی بات کی ہے۔

اس پر اس عبد کامل نے حضرت موسٰیؑ کو کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر سے کام نہیں لے سکے گا۔ جس پر موسٰیؑ نے بھول جانے کا عذر کیا اور استدعا کی کہ مجھ پر سختی نہ کی جائے۔ (آیات ۷۳-۷۴)۔

فَانْطَلَقَا وقفہ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّۃً م بِغَیْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُکْرًا (۷۵)

پھر وہ دونوں آگے چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک نوجوان لڑکے سے ملے تو اس عبد نے اسے قتل کردیا جس پر موسٰیؑ نے کہا کہ تو نے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو ایک بیگناہ شخص کو قتل کر ڈالا ہے یقیناً تو نے بہت بری بات کی ہے۔

اس پر اس عبد نے پھر احتجاج کیا اور کہا کہ کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ اس پر حضرت موسٰیؑ نے دوبارہ معذرت کی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر میں آئندہ بھی ایسا کروں تو تیری طرف سے حجت پوری ہوچکی ہوگی۔ (۷۶-۷۷) اس کے بعد تو

بیشک مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ چنانچہ اس نے ان کا یہ عذر قبول کرلیا۔

فَانۡطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَہۡلَ قَرۡیَۃِ ۣاسۡتَطۡعَمَاۤ اَہۡلَہَا فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡہُمَا فَوَجَدَا فِیۡہَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَہٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡہِ اَجۡرًا (۷۸)

پھر وہ دونوں آگے چل پڑے۔ یہانتک کہ جب وہ ایک بستی میں پہنچے تو انہوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا۔ مگر انہوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کردیا۔ پھر انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ تو اس (عبد) نے اسے کھڑا کردیا۔ اس پر موسیٰؑ نے کہا اگر تو چاہتا تو اس کا معاوضہ لے سکتا تھا۔

قَالَ ہٰذَا فِرَاقُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِکَ ۚ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاۡوِیۡلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِعۡ عَّلَیۡہِ صَبۡرًا (۷۹)

اس 'عبدؑ نے کہا یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی (کی گھڑی) ہے۔ جن باتوں پر تو صبر نہیں کرسکا میں ان کی حقیقت تجھے بتاتا ہوں۔

===============

مہدی موعودؑ اسلام کی معاشی اور معاشرتی تعلیم پر ہونے والے اہل کتاب کے اعتراضات کا جواب دیگا اور آنحضرتؐ کے بارہ میں انکی کتب کی پیشگوئیوں کی وضاحت فرمائیگا

اگلی آیات میں اس توضیح کا ذکر ہے جو اس عبد نے اپنے افعال کی کی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ نے اس عبد سے درخواست یہ کی تھی کہ خداتعالیٰ نے ہدایت کا جو علم اسے دیا ہے اسمیں سے کچھ باتیں وہ انہیں بھی تعلیم کرے اسلئے اس عبد نے جس چیز کو خرق سفینہ کا نام دیا اس سے مراد ایک تو احکام شرعیہ کو کھول کھول کر بیان کرنا ہے اور دوسرے خادمان دین کی تبلیغی و تربیتی ضروریات کے سامانوں کے لئے مختلف مالی تحریکات بوضاحت بیان کردینا مراد ہے اور اسے سفینہ کو عیب دار کرنے سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ

اسطرح اس غاصب کے نزدیک وہ عیب دار ہوگئی تھی نہ اسلئے کہ فی الواقعہ عیب دار ہوگئی تھی۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ سفینہ بحر میں چلا کرتی ہے مجمع البحرین کا مقام آجانے پر حضرت موسٰیؑ کو ملنے والی شریعت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ملنے والی شریعت میں مدغم ہوجانی تھی اور یہ دو بحر ایک بحر بن جانے تھے۔ پس یہاں شریعت محمدیہ کے سمندر میں چلنے والی کشتی مراد ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت کے سمندر کا (جسکے ایک کنارہ پر دنیا ہے اور دوسرے پر دوسرا جہاں ہے) سفر ایمان یا تقویٰ کی کشتی پر سوار ہو کر ہی طے ہؤا کرتا ہے ۔ اس لئے یہاں تقوی یا ایمان ہی کو سفینہ قرار دیا گیا ہے(عجیب بات ہے کہ حضرت مہدی موعودؑ نے اپنی ایک کتاب کا نام تقویۃ الایمان بھی رکھا اور کشتی نوح بھی رکھا) مگر سچا ایمان اور سچے تقوی کے مظاہرے مختلف حالات میں مختلف ہؤا کرتے ہیں۔کبھی جان کی قربانی سے اور کبھی مال کی قربانی سے اور کبھی کسی اور رنگ میں۔ یہاں چونکہ مہدی موعود کے وقت کا ذکر ہورہا ہے اور اس وقت مالی قربانی کی خاص اہمیت ہونا تھی اور علم تعبیر رویاء کے مطابق سفینہ کی ایک تعبیر مال بھی ہوتی ہے اس لئے اس کشف میں سفینہ سے مراد تقویٰ اور ایمان کے علاوہ مال بھی ہے۔

لفظ خرق کے معنٰے کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کردینے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے اس عبد نے خرق سفینہ کی حکمت یہ بیان کی کہ وہ سفینہ بحر میں کام کرنے والے مساکین کے فائدہ کے لئے تھا۔ اس کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (سالم) سفینہ کو غصب کر لیتا ہے اس لئے اس نے چاہا کہ (خرق کے ذریعہ) اسے عیب دار کردے (تاکہ وہ بادشاہ اسے غصب نہ کرے)۔

بظاہر یہ لگتا ہے کہ اس عبد نے بادشاہ سے بچانے کے لئے اپنے ہاتھ سے اس کشتی کو تباہ کردیا ہے لیکن فحوائے کلام سے ظاہر ہے کہ اس نے یہ فعل کشتی کو بچانے کے لئے کیا ہے تباہ کرنے کے لئے نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ ایمان یا تقویٰ کی کشتی پر ڈاکہ ڈالنے والا شیطان یا اس کا کوئی ظِل ہی ہوسکتا ہے اور وہ اس کشتی پر ڈاکہ اس وقت ڈالتا ہے جب اہل ایمان پوری طرح ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کر رہے ہوں یا شریعت کا کماحقہ علم نہ ہونے کی وجہ سے پوری طرح عمل کر ہی نہ سکتے ہوں۔ لہٰذا اس کشتی کو اس سے بچانا اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ احکام و اسرار شرعیہ کو کھول کھول کر بیان کردیا جائے اور یہی کام اس عبد نے کیا۔ یعنی **خـرقهـا**

سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ اس عبد (حضرت مہدی موعودؑ) نے خود فرمایا'' یہ عاجز بھی اسی کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا قرآن شریف کے احکامات بوضاحت بیان کردیوے۔''

(ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۳ - ۵)

اور اس نے اسے اَنْ اَعِیْبَھَا کے لفظ یعنی عیب دار کرنے سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس طرح وہ شیطان کی نظر میں عیب دار ہوگئی تھی نہ اس لئے کہ فی الحقیقت ہی اس میں کوئی نقص پیدا کردیا گیا تھا۔ اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ جسے بادشاہ کہا گیا اس سے واقعی شیطان مراد ہے کیونکہ شریعت حقہ کی توضیح کو برا جاننا اسی کا کام ہے۔ اور اسے بادشاہ اس لئے قرار دیا گیا کہ اپنی ڈھب کے لوگوں پر اسے اسی طرح تسلط حاصل ہوتا ہے جس طرح بادشاہ کو اپنی رعایا پر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں جب بحر سے شریعت مراد ہوئی تو اس میں کام کرنے والوں سے خادمان دین یعنی مبلغ، مربیّ یا منتظمین سلسلہ وغیرہ ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ اور مسکین اسے کہتے ہیں جسکی ترقّی کو ترقّی کے سامان میسر نہ ہونے نے روک دیا ہو۔ اور تبلیغ کے جہاد کے لئے جو(مہدی موعودؑ کے وقت کا جہاد ہونا تھا) مالی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور خادمانِ دین کی ترقّی کو زیادہ تر دو ہی باتیں روک سکتی ہیں۔ ایک شریعت کا پورا علم نہ ہونا یا یہ علم نہ ہونا کہ کس وقت کونسا عمل قابل ترجیح ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اور دوسرے مالی ضروریات کا مہیا نہ ہونا۔ اس لئے اس عبد کے ہاتھ سے جو خرق سفینہ ہؤا تو اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اسوقت مالی قربانیوں کی بہت سی تحریکات ہونگیں جنہیں قوم موسٰیؑ یا مثیلان قوم موسٰیؑ برداشت نہیں کرسکیں گے۔ اور ان پر اعتراض کریں گے اور کہیں گے کہ اتنی قربانیوں کی تحریک تو اہل سفینہ کو غرق کرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ اور چونکہ شریعت ہی وہ ذریعہ ہے جسے اختیار کرنے سے انسان روحانی ترقیات حاصل کرسکتا ہے اس لئے ان آیات میں بظاہر بہت بھاری تضاد پایا جاتا ہے جنہیں یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ یعنی شریعت پر عمل کرنے والا قرار دیا ہے انہی کو مسکین بھی کہا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ ان کے پاس ترقّی کا سامان یعنی شریعت نہیں ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں کوئی تضاد نہیں۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا موجود ہونا امرِ دیگر ہے اور اس کے تمام اوامر و نواہی کا علم ہونا اور پھر یہ علم ہونا کہ کس موقع پر کس حکم پر عمل ہونا چاہیے امر دیگر۔ پس انہیں بیک وقت اَلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ

اور مساکین قرار دے کر یہ اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ شریعت حقّہ انکے پاس موجود ہوگی اور حتّٰی الوسع وہ اس کے ظاہری احکام بجا لانے کی کوشش بھی کرتے رہتے ہوں گے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ مزید ترقیّات کے لئے شریعت ان سے کیا چاہتی ہے اور کن اعمال کا تقاضٰے کرتی ہے مگر وہ عبد اللہ آ کرانہیں ان باتوں کا پتہ دے گا۔ چنانچہ حضرت صاجزادہ عبداللطیفؓ شہید نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ ’’ہمیں (خداتعالیٰ کے) دروازہ کا علم تو تھا مگر یہ علم نہیں تھا کہ اسے کس طرح کھٹکھٹائیں جو وہ کھولا جائے حضرت مسیح موعودؑ نے آ کر ہمیں کھٹکھٹانا سکھادیا‘‘(اصل الفاظ کے لئے دیکھیں کتاب ’’حضرت شہزادہ عبداللطیف شہیدؓ (مرتبہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ صفحہ ۹۸)۔

پس کشف موسٰیؑ کے اس تیسرے حصہّ میں بتایا گیا کہ جب وہ زمانہ آئے گا کہ شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنے والے بھی روحانی ترقیّات سے محروم ہونگے (کیونکہ انہیں پوری طرح علم نہیں ہوگا کہ حصول ترقیّات کے لئے شریعت ان سے کیا چاہتی ہے) اور ان کے ایمان اور تقوی کی کشتی شیطان کی زد میں ہوگی اس وقت خدا کا ایک بندہ جو خدا سے علم یافتہ یعنی مہدی ہوگا ظاہر ہوگا اور انہیں بتائے گا اور دکھائے گا کہ شریعت حقہ اسلامیہ نے ان کی ہر ضرورت کا سامان کیا ہوُا ہے۔ چنانچہ وہ باتیں جن کی ان کو مزید ترقیّات کے لئے ضرورت ہوگی کھول کھول کر ان کے سامنے رکھے گا اور اس طرح ان کے لئے لا محدود ترقیّات کے دروازے کھول دے گا۔ چنانچہ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے فرمایا :-

> ’’یاد رکھو قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر ایک عضو اور ہر ایک قوّت اور ہر ایک وضع اور ہر ایک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر ایک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے، سوتم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے

قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر رکھو۔" (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۳۴۶)

یہ ایک اصولی بات تھی جو آپؑ نے فرمائی لیکن اس پر بس نہیں۔ آپؑ نے اپنی کتب میں جو ۸۴ کے قریب ہیں اور اپنے ملفوظات میں جو قلم بند ہو کر ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے شائع شدہ ہیں اور اشتہارات میں جن کی تعداد سینکڑوں سے کم نہیں قرآنی احکام اور اسکے حقائق ومعارف کو ایسے عمدہ اور پُر حکمت انداز میں بیان کیا اور ان کی ایسی شاندار توضیح وتفسیر فرمائی کہ اپنے تو اپنے دشمن بھی اسکا سرقہ کر رہے اور انہیں اپنے نام پر شائع کر رہے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ اس کشف میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ جب وہ بندہ خدا یعنی مہدی موعودؑ یہ باتیں بیان کرے گا جہاں یہ طبعی اور یقینی بات ہے کہ روحانی ترقیّات کے خواہاں اس سے خوش ہونگے وہاں یہود اور یہودی خصلت رکھنے والے مسلمان بزبان قال یا حال یہ کہیں گے کہ ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ یہ تفصیل بیان کر کے اس کشتی پر سوار ہونے والوں کو غرق کر دینے کا سامان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر شریعت میں یہ تفاصیل نہ ہوتیں یا لوگوں کو ان کا علم نہ ہوتا تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوتے لیکن اب وہ قابل مواخذہ ہو گئے ہیں۔ جتنے زیادہ احکام ہونگے اتنا ہی زیادہ ان کی نافرمانی کا مرتکب ہو کر پکڑے جانے کا خطرہ ہوگا۔ چنانچہ اسی وجہ سے اہل کتاب نے شریعت کو لعنت قرار دیا۔ اور مسلمانوں نے بھی اس کی طرف سے اس طرح آنکھیں بند کرلیں جیسے کبوتر بلّی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے۔

اگلے حصہ کشف میں یہ بتایا گیا کہ وہ عبداللہ (جس سے حضرت موسٰیؑ علم حاصل کرنا چاہتے تھے) اور حضرت موسٰیؑ آگے چلے تو انہیں ایک غلام ملا تو اس عبداللہ نے اسے مار ڈالا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے والدین صالح تھے اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ انپر بھی سرکشی اور کفر کا الزام لگوائے اسلئے انہوں نے چاہا کہ خدا اسے بدل کر ایسا لڑکا دے جو پاکیزگی اور رحم کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔ والدین سے یہاں فطرت مراد ہے جس سے انسان کی ابتداء ہوئی اور جس میں غصہّ ہے تو نرمی بھی ہے سخاوت کا مادہ ہے تو بخل کا بھی ہے رحم کا مادہ ہے تو سختی کا بھی ہے عفو کا مادہ ہے تو انتقام کا بھی ہے علیٰ ھٰذا القیاس تمام متضاد صفات پائی جاتی ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اسکا ایک حصہ نر ہے تو دوسرا مادہ۔ پس اس حصّہ کشف میں بتایا کہ اس عبداللہ یعنی مہدی موعودؑ کے زمانہ میں نوجوانوں میں سرکشی کا مادہ پیدا ہوجائے گا جو کفر پر منتج ہوگا

(کفر سے عرفاً کفر کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے اور ناشکری اور نافرمانی کرنا بھی) چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں والدین ،معاشرہ، حکومت، نظام ہر چیز کے خلاف سرکشی پائی جاتی ہے جو بڑھ کر دین کے کفر اور والدین اور قوانین معاشرہ کی ناقدری اور نافرمانی پر منتج ہوتی ہے۔ اور حضرت مہدی موعودؑ نے ایسی تعلیم دی ہے جو ان کے اس نفس امارہ کو مار کر اسکی جگہ نفس لوامہ اور پھر مطمئِنہ پیدا کرنے والی ہے(ان آیات میں طغیان اور کفر کے بالمقابل زکوٰۃ یعنی پاکیزگی اور رحم کے الفاظ لائے گئے ہیں اور چونکہ **لَفٌّ ونشر** مرتب بھی ہوتا ہے اور غیر مرتب بھی اسمیں بتایا کہ بعض صورتوں میں طغیان یعنی سرکشی دل کی ناپاکی سے پیدا ہوتی ہے اور کفر رحم کے فقدان سے اور بعض صورتوں میں سرکشی رحم کے فقدان سے جنم لیتی ہے اور کفر دل کی ناپاکی سے اور ایسا ہی اس وقت ہوگا)۔

تیسری بات ان آیات میں یہ بتائی گئی کہ جب وہ خدا کا بندہ اور حضرت موسٰیؑ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا مانگا مگر انہوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کردیا اس کے باوجود جب انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کوتھی تو اس عبداللہ نے اسے پھر سے قائم کردیا جس پر حضرت موسٰیؑ نے اعتراض کیا کہ یہ کام بلا معاوضہ کیوں کردیا گیا۔ اس اعتراض کا جواب تو اس عبداللہ نے نہیں دیا ہاں اپنے فعل کی حکمت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ دیوار مدینہ کے دو نوجوان یتیموں کی ہے جن کا باپ ایک صالح شخص تھا اس کے نیچے ان کا خزانہ ہے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچیں اور اپنا یہ خزانہ نکال لیں۔قریہ کے برعکس جس کے معنٰی مطلق بستی کے ہیں مدینہ ایسی بستی کو کہتے ہیں جس کے گرد دیوار ہو۔ لفظ بدلنا بتاتا ہے کہ یہاں مدینہ کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے اور مقصود اس سے یہ اشارہ کرنا ہے کہ وہ یتیم اس حال میں رہ رہے ہونگے کہ انکے گرد ایک قسم کی دیوار ہوگی۔ غلام کہتے ہی نوجوان کو ہیں اس لئے **اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّھُمَا** سے یہ مراد نہیں کہ وہ جسمانی اعتبار سے بلوغت کو پہنچ جائیں بلکہ روحانی اعتبار سے بالغ ہونا مراد ہے اور جوخزانہ انسان روحانی بلوغت کو پہنچ کر ہی حاصل کرسکتا ہے وہ روحانی خزانہ یعنی ہدایت کا علم ہی ہوسکتا ہے اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ **کنزھما** یعنی ان دونوں کے خزانہ سے ہدایت مراد ہے تو اس دیوار کی جس کے نیچے وہ خزانہ ہے حقیقت کو سمجھنا بھی مشکل نہیں رہتا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ وہ دو یتیم جن کا باپ ایک صالح شخص تھا لیکن اس عبداللہ کے وقت میں خود ان دونوں نے صالح نہیں ہونا تھا اور جن کا نام لئے بغیر صرف ان دو اشاروں سے انسان کا ذہن انکی طرف جا سکتا ہے حضرت موسیٰؑ اور انکے فتٰــی حضرت عیسیٰؑ کی قومیں یعنی یہود اور نصاریٰ ہیں۔ جن کے روحانی باپ حضرت ابراہیم ایک صالح نبی تھے (کَمَافِی قولہٖ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِـرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۔ اَلْبَقَرَة ۲ : ۱۳۱) اور وہ دیوار جو انکے گرد بنی ہوئی تھی وہ پیشگوئیاں ہیں جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں ان کی کتب اور دیگر آسمانی صحیفوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس دیوار کے گرنے کے قریب ہونے سے یہ مراد تھی کہ جیسے مادی دیوار مرورِ زمانہ سے یا انسانی تصرف سے گر جایا کرتی ہے اسیطرح یہ پیشگوئیاں اسوقت لمبا زمانہ گزر جانے کی وجہ سے یا لوگوں کی تحریف وتبدل کے نتیجہ میں انسانی ذہنوں سے محو ہو جانے کو ہونگی۔ لیکن وہ عبداللہ یعنی مہدیِ موعودؑ اس دیوار کو پھر سے قائم کردے گا یعنی اسکے اپنے ہاتھ سے، یا اسکے غلاموں کے ہاتھوں سے یا اسکی برکت سے ایسے سامان ہوجائیں گے کہ یہ پیشگوئیاں کالعدم ہونے سے بچ جائیں۔ اور جب یہ دونوں یتیم روحانی طور پر اپنی بلوغت کو پہنچیں یعنی انمیں ان پیشگوئیوں کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو وہ ان سے استفادہ کرکے ھدایت کے اس خزانہ (اسلام یا بانیِ اسلام ﷺ) تک جو ان پیشگوئیوں کے نیچے ہے پہنچ جائیں۔ اب دیکھ لیجئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے بارہ میں جو پیشگوئیاں حضرت موسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں میں مذکور تھیں مگر آنحضورؐ کے ظہور پر ایک لمبا زمانہ گزر جانے کے باوجود یہ قومیں ان کے مصداق کو پہچان نہیں سکیں تھیں اور انمیں تحریف بھی کرنے لگیں تھیں (مثلاً حضرت موسیٰؑ کی اس پیشگوئی کو کہ ''وہ دس ہزار قدُّوسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر سے آئے گا'' بدل کر انہوں نے دس ہزار کی بجائے لاکھوں کا لفظ کردیا تھا) اور اسطرح یہ مجازی دیوار گرنے کو تھی تو حضرت مہدی موعودؑ نے اور آپؑ کے غلاموں نے ان پیشگوئیوں کی طرف متوجہ کر کے اور انکے اصل الفاظ دکھا کر اس دیوار کو مٹنے اور بیکار ہونے سے بچالیا اور اس بات کا موقع فراہم کردیا کہ یہ قومیں ان پیشگوئیوں سے فائدہ حاصل کرکے ھدایت کے اس خزانے کو جسے خدا تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہوُا تھا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کو یا اسلام کو پاسکیں۔

==============

بعض اور باتیں جو ان آیات میں بتائی گئیں

اللہ کے عبد (حضرت خضر) سے جو حضرت موسیٰؑ نے خداداد علم سیکھنا چاہا تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ سے زیادہ صاحب علم اور زیادہ مقرب الٰہی اور بنا بریں زیادہ بڑا نبی تھا۔ یہ حقیقت مدِّ نظر رکھ کر اس کشف پر غور کریں تو معرفت کے بہت سے نکات سامنے آتے ہیں۔

نمبر ۱: ایک نبی اللہ نے جو دوسرے نبی سے کہا کہ کیا میں آپکی اتباع کروں تا کہ آپ مجھے ہدایت کی باتوں کا علم جو اللہ نے آپ کو دیا ہے سکھائیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی وقت کی اتباع کے بغیر وہ علم دین جو خدا کی طرف سے آتا ہے کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ جو کچھ حضرت خضر نے کیا وہ اس لئے تھا کہ ان سے علم سیکھنے والا بھی وہی کچھ کرے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ نبی خود وہ نہ کرے جسکی وہ دوسروں کو تعلیم دے اسلئے اس نکتہ کی طرف متوجہ کرکے خدا تعالیٰ نے دو اور باتیں بھی بتائیں۔ اوّل یہ کہ جب خضرِ مذکور یعنی مہدی موعودؑ ظاہر ہوجائیگا تو اسوقت دین کا صحیح علم اسکی اتباع کے بغیر کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔ اور دوئم یہ کہ وہ خود بھی جو کچھ سیکھے گا اپنے نبی متبوع سے سیکھے گا۔ چنانچہ آپؑ نے خود فرمایا:-

> ”سو میں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے ہنر سے اس نعمت کا حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید ومولیٰ فخرالانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی راہوں کی پیروی نہ کرتا پس میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔“ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۷ تا ۶۸)

مزید دیکھیں آپ کی کتاب تجلیات الٰہیہ صفحہ ۳۴

نمبر ۲: حضرت موسیٰؑ کا اپنے معلّم نبی سے اسکی اتباع کی اجازت طلب کرنا بتاتا ہے کہ یہ اجازت دینا نہ دینا اسکی صوابدید پر تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں اتباع سے بیعت مراد ہے ورنہ نری اطاعت سے تو کوئی کسی کو روک نہیں سکتا جو اجازت کی ضرورت ہو۔ اور چونکہ یہ سارا قصہ بطور پیشگوئی ہے اسمیں یہ اشارہ کیا گیا کہ اس پیشگوئی کا مصداق خضر یعنی مہدی موعودؑ بعض

کو اپنی بیعت کی اجازت دیگا اور بعض کو نہیں دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا اگرچہ آپؑ کی عادت تھی کہ کوئی بیعت لینے کو عرض کرتا تو آپؑ اکثر کہتے کہ اور سوچ لو مگر بعض کی پہلی درخواست پر ہی آپؑ نے ان کی بیعت لی ہے اور بعض کی درخواست بیعت کو رد بھی کیا ہے۔

نمبر۳: حتّٰی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ اور اسکے بعد جو الفاظ آئے ہیں وہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ جب کوئی شخص اس کشتی میں جس میں نبی وقت سوار ہو سوار ہوجائے تو اسکے بعد اسے اس نبی کے افعال کی (جو ہوتے مبنی بر حکمت ہی ہیں جیسا کہ آخری حصہّ کشف سے ظاہر ہے) حکمت سمجھ نہ بھی آئے تو اسے انکی اتباع کرنی چاہیے اور ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ بالاخر اس سے کاٹا جاتا ہے اور ایسا ہی اس کشف کے خضر حضرت مہدی موعودؑ کے وقت میں ہوگا۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:

''خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ رہے گا وہ کاٹا جائیگا۔ بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ۔'' (تذکرہ صفحہ۳۰۷)

نمبر۴: اس کشف میں جو یہ بتایا گیا کہ حضرت خضر نے بعض کام کئے اور انکی حکمت اسی وقت بیان نہیں کی تو یہ قصہ چونکہ مہدی موعودؑ کے لئے بطور پیشگوئی ہے۔ اسمیں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ آپؑ جب ظاہر ہونگے تو ایسا ہی کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا مثلاً آپ نے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کو جو بعد میں آپؑ کے پہلے خلیفہ بنائے گئے بھیرہ چھوڑ کر قادیان کی سکونت اختیار کر لینے کو پہلے کہا اور اسکی حکمت جو آپؑ کو الہاماً بتائی گئی بعد میں بیان کی۔ خود آپؑ کے اور ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حرمت شراب کا اعلان پہلے کروادیا اور اسکی حکمت بعد میں بیان ہوئی۔ ایسا ہی تحویل قبلہ کے تعلق میں ہؤا۔ اسمیں دو بڑے فائدے مدّنظر ہوتے ہیں۔ نمبر۱ یہ کہ اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ کون رسول کا سچا متبع ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر پھر جانے والا ہے اور نمبر۲ یہ کہ اسطرح ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

نمبر۵: خرق سفینہ سے احکام شرعیہ کی تفصیل کا بیان مراد ہو یا مالی مطالبات کی تفاصیل کا بیان۔ دونوں صورتوں میں فَانْطَلَقَا کے بعد حتّٰی اِذَارَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ کے الفاظ لانے سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ کسی سلسلہ میں نئے آنے والوں پر پہلے ہی دن عمل اور قربانیوں کا سارا بوجھ نہیں ڈال دینا چاہیے بلکہ یہ کام رفتہ رفتہ ہونا چاہیے اور مہدی موعودؑ (اور آپؑ کے خلفاء)

بھی ایسا ہی کرینگے۔

===============

مہدی موعودؑ کو ذوالقرنین سے کئی رنگ میں مشابہت ہو گی

مندرجہ بالا آیات کے بعد ہے:

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ط

اوپر کی آیات میں بظاہر بالکل اور بات بیان ہورہی تھی اسکے معاً بعد یہ آیت وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ کیسے آ گئی؟ سو جاننا چاہیے کہ اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰؑ کے کشف کا ذکر کر کے بتایا گیا تھا کہ جب مجمع البحرین کے مقام سے انکی قوم بہت آگے نکل جائیگی اور اسے احساس ہوگا کہ وہ اس مقام سے کہ جس پر پہنچ کر انکو ٹھہر جانا چاہیے تھا آگے نکل آئی ہے اور واپس لوٹے گی تو راستہ میں اسے خدا کا ایک بندہ جو خدا سے علم و ہدایت پائے ہوئے ہوگا یعنی مہدی ہوگا ملیگا اور وہ اس سے استدعا کریگی کہ ہدایت کی جو باتیں خدا نے اسے تعلیم کی ہیں وہ انمیں سے کچھ انہیں بھی سمجھائے۔ اسپر سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ بندہ خدا کون ہوگا۔ اسے کیسے پہچانا جائے۔ کیا اسکے کچھ مزید کوائف بتائے نہیں جاسکتے؟ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ فرما کر خداتعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا اور بتایا اس بندہ خدا یعنی مہدی کے بارہ میں سوال ایک رنگ میں ذوالقرنین کے بارہ میں سوال ہوگا یعنی اسے ذولقرنین سے کئی رنگ میں مشابہت ہوگی جسکے لئے ہم ذوالقرنین کا قصہّ بیان کرتے ہیں۔

ان آیات کے بارے میں جو وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ سے شروع ہوئیں حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں:-

’’ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصہ پہلے بھی کسی رنگ میں گذرا ہے۔ لیکن یہ سچی بات ہے کہ اس قصہ میں آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا۔ جو آج اس زمانہ میں پورا ہوگیا۔‘‘ (تفسیر حضرت اقدس بحوالہ الحکم صفحہ ۳۰۱)

’’پہلے معنوں سے (جو مفسرین کرتے رہیں ہیں -ناقل) انکار نہیں ہے۔ وہ گذشتہ سے متعلق ہیں اور یہ (معنی جو اب میں کرتا ہوں۔ ناقل)

"آئندہ کے متعلق ہیں" اور قرآن شریف قصہّ گو کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے ہر قصہّ کے نیچے ایک پیشگوئی ہے ۔ اور ذوالقرنین کا قصہ مسیح موعود کے زمانہ کیلئے ایک پیشگوئی اپنے اندر رکھتا ہے۔"

(تفسیر حضرت اقدس ص ۲۹۴ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

"یہ تو ظاہر ہے کہ ذوالقرنین وہ ہوتا ہے جو دو صدیوں کو پانے والا ہو۔ اور میری نسبت یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے جس قدر اپنے اپنے طور پر صدیوں کی تقسیم کر رکھی ہے ان تمام تقسیموں کے لحاظ سے جب دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ میں نے ہر ایک قوم کی دو صدیوں کو پالیا ہے۔" (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۹۳)

اسکی تفصیل کیلئے دیکھیں حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۳۵و۳۶ اورتفسیر سورۃ الکھف از حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری صفحہ ۱۶۶ و ۱۶۷

اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ آیات کس طرح حضرت مسیح موعود پر چسپاں ہوتی ہیں اور اس کے لئے پہلے آپؑ کے اپنے الفاظ ہی نقل کرتے ہیں۔ آپؑ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ط قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا

یعنی یہ لوگ تجھ سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں ان کو کہو کہ میں ابھی تھوڑا سا تذکرہ ذوالقرنین کا تم کو سناؤں گا۔ اور پھر بعد اسکے فرمایا **اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا** یعنی ہم اس کو یعنی مسیح موعود کو جو ذوالقرنین بھی کہلائے گا روئے زمین پر ایسا مستحکم کریں گے کہ کوئی اسکو نقصان نہ پہنچاسکے گا اور ہم ہر طرح سے سازوسامان اس کو دے دیں گے اور اس کی کاروائیوں کو سہل اور آسان کر دیں گے۔ یاد رہے کہ یہ وحی براہین احمدیہ حصص سابقہ میں بھی میری نسبت ہوئی ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے **اَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ سُهُوْلَةً فِى كُلِّ اَمْرٍ** یعنی کیا ہم نے ہر ایک امر میں تیرے لئے آسانی نہیں کردی یعنی کیا ہم نے تمام وہ سامان تیرے لئے میسر نہیں کردیئے جو تبلیغ اور اشاعت حق کے لئے ضروری تھے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس نے میرے لئے وہ سامان تبلیغ اور اشاعت حق کے میسر کردئے جو کسی نبی کے وقت

میں موجود نہ تھے۔ پھر بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

فَاَتْبَعَ سَبَبًا(۸۶) حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ط قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا (۸۷) قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا(۸۸) وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰی ج وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا (۸۹)

''یعنی جب ذوالقرنین کو جو مسیح موعود ہے ہر ایک طرح کے سامان دئے جائیں گے۔ پس وہ ایک سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی وہ مغربی ممالک کی اصلاح کیلئے کمر باندھے گا اور وہ دیکھے گا کہ آفتاب صداقت اور حقانیت ایک کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہوگیا اور اس غلیظ چشمہ اور تاریکی کے پاس ایک قوم کو پائے گا جو مغربی قوم کہلائے گی یعنی مغربی ممالک میں عیسائیت کے مذہب والوں کو نہایت تاریکی میں مشاہدہ کرے گا نہ ان کے مقابل پر آفتاب ہوگا جس سے وہ روشنی پاسکیں اور نہ ان کے پاس پانی صاف ہوگا جس کو وہ پیویں یعنی ان کی علمی اور عملی حالت نہایت خراب ہوگی اور وہ روحانی روشنی اور روحانی پانی سے بے نصیب ہونگے تب ہم ذوالقرنین یعنی مسیح موعود کو کہیں گے کہ تیرے اختیار میں ہے چاہے تو ان کو عذاب دے یعنی عذاب نازل ہونے کے لئے بدعا کرے (جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مروی ہے) یا ان کے ساتھ حسن سلوک کا شیوہ اختیار کرے تب ذوالقرنین یعنی مسیح موعود جواب دے گا کہ ہم اسی کو سزا دلانا چاہتے ہیں جو ظالم ہو۔ وہ دنیا میں بھی ہماری بددعا سے سزایاب ہوگا اور پھر آخرت میں سخت عذاب دیکھے گا۔ لیکن جو شخص سچائی سے منہ نہیں پھیرے گا اور نیک عمل کرے گا اس کو نیک بدلہ دیا جائے گا اور اس کو انہی کاموں کی بجا آوری کا حکم ہوگا جو سہل ہیں اور آسانی سے ہوسکتے ہیں۔ غرض یہ مسیح موعود کے حق میں پیشگوئی ہے کہ وہ ایسے وقت میں آئے گا جبکہ مغربی ممالک کے لوگ نہایت تاریکی میں پڑے ہوں گے اور آفتاب صداقت ان کے سامنے سے بالکل ڈوب جائے گا اور ایک گندے اور بدبودار چشمہ میں ڈوبے گا یعنی بجائے سچائی کے بدبودار عقائد اور اعمال ان میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور وہی ان کا پانی ہوگا جس کو وہ پیتے ہوں گے اور روشنی کا نام و نشان نہیں ہوگا

تاریکی میں پڑے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہی حالت عیسائی مذہب کی آجکل ہے جیسا کہ قرآن شریف نے ظاہر فرمایا ہے اور عیسائیت کا بھاری مرکز ممالک مغربیہ ہیں۔'' (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۹۴۔۳۹۵)۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا (۹۰) حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا (۹۱) كَذٰلِكَ ط وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا (۹۲)

''یعنی پھر ذوالقرنین جو مسیح موعود ہے جس کو ہر ایک سامان عطا کیا جائے گا ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی ممالک مشرقیہ کے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالے گا اور وہ جگہ جس سے سچائی کا آفتاب نکلتا ہے اس کو ایسا پائے گا کہ ایک ایسی نادان قوم پر آفتاب نکلا ہے جن کے پاس دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی بھی سامان نہیں یعنی وہ لوگ ظاہر پرستی اور افراط کی دھوپ سے جلتے ہونگے اور حقیقت سے بے خبر ہوں گے اور ذوالقرنین یعنی مہدی موعود کے پاس حقیقی راحت کا سامان سب کچھ ہوگا جس کو ہم خوب جانتے ہیں مگر وہ لوگ قبول نہیں کریں گے اور وہ لوگ افراط کی دھوپ سے بچنے کے لئے کچھ بھی پناہ نہیں رکھتے ہوں گے نہ گھر نہ سایہ دار درخت نہ کپڑے جو گرمی سے بچا سکیں اس لئے آفتاب صداقت جو طلوع کرے گا ان کی ہلاکت کا موجب ہو جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ایک مثال ہے جو آفتاب ہدایت کی روشنی تو ان کے سامنے موجود ہے اور اس گروہ کی طرح نہیں جن کا آفتاب غروب ہوچکا ہے لیکن ان لوگوں کو اس آفتاب ہدایت سے بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ دھوپ سے چمڑا ان کا جل جائے اور رنگ سیاہ ہوجائے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہے* اس تقسیم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح موعودکا اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کے لئے تین قسم کا دورہ ہوگا اوّل اس قوم پر نظر ڈالے گا جو آفتاب ہدایت کو کھو بیٹھے ہیں اور ایک تاریکی اور کیچڑ کے چشمہ میں بیٹھے ہیں۔ دوسرا دورہ اس کا

---

*اس جگہ خداتعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مسیح موعود کے وقت تین گروہ ہوں گے ایک گروہ تفریط کی راہ لیگا جو روشنی کو بالکل کھو بیٹھے گا اور دوسرا گروہ افراط کی راہ اختیار کریگا جو تواضع اور انکسار اور فروتنی سے روشنی سے فائدہ نہیں اٹھائیگا بلکہ خیرہ طبع ہوکرمقابلہ کرنیوالے کی طرح روحانی دھوپ کے سامنے محض برہنہ ہونیکی حالت میں کھڑا ہوگا مگر تیسرا گروہ میانہ حالت میں ہوگا وہ مسیح موعود سے چاہیں گے کہ کسی طرح یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچ جائیں اوریاجوج ماجوج اجیج کے لفظ سے نکلا ہے یعنی وہ قوم جو آگ کے استعمال کرنے میں ماہر ہے۔

ان لوگوں پر ہوگا جو نِنگ دھڑنگ آفتاب کے سامنے بیٹھے ہیں یعنی ادب سے اور حیا سے اور تواضع سے اور نیک ظن سے کام نہیں لیتے نرے ظاہر پرست ہیں گویا آفتاب کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں سو وہ بھی فیض آفتاب سے بے نصیب ہیں اور ان کو آفتاب سے بجز جلنے کے اور کوئی حصہ نہیں۔ یہ ان مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جن میں مسیح موعود ظاہر تو ہؤا مگر وہ انکار اور مقابلہ سے پیش آئے اور حیا اور ادب اور حسن ظن سے کام نہ لیا اس لئے سعادت سے محروم رہ گئے۔ بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا (۹۳) حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا (۹۴) قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا (۹۵) قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا (۹۶) اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ط حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ط حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ج قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا (۹۷) فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (۹۸) قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ج فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ج وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا (۹۹) وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (۱۰۰) وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (۱۰۱) نِالَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (۱۰۲) اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِىْ مِنْ دُوْنِىْٓ اَوْلِيَآءَ ط اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا (۱۰۳)

(الکہف آیت ۹۳ تا ۱۰۳)

پھر ذوالقرنین یعنی مسیح موعود ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا اور جب وہ ایک ایسے موقعہ پر پہنچے گا یعنی جب وہ ایک ایسا نازک زمانہ پائے گا جس کو بین السّدین کہنا چاہیے یعنی دو پہاڑیوں کی بیچ۔ مطلب یہ کہ ایسا وقت پائے گا جبکہ دو طرفہ خوف میں لوگ پڑے ہونگے اور ضلالت کی طاقت حکومت کے ساتھ مل کر خوفناک نظارہ دکھائے گی تو ان دونوں طاقتوں کے ماتحت ایک قوم کو پائے گا جو اس کی بات کو مشکل سے سمجھیں گے یعنی غلط خیالات میں مبتلا ہونگے اور بباعث غلط عقائد مشکل سے اس ہدایت کو سمجھیں گے جو وہ پیش کرے گا لیکن آخرکار سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے اور یہ تیسری قوم ہے جو مسیح موعود کی ہدایت سے فیضیاب ہوں گے تب وہ اس کو کہیں گے کہ اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج نے زمین پر فساد مچا رکھا ہے پس اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کے لئے چندہ جمع کردیں تا آپ ہم میں اور ان میں کوئی روک بنا دیں۔ وہ جواب میں کہے گا کہ جس بات پر خدا نے مجھے قدرت بخشی ہے وہ تمہارے چندوں سے بہتر ہے ہاں اگر تم نے کوئی مدد کرنی ہو تو اپنی طاقت کے موافق کرو تا میں تم میں اور ان میں ایک دیوار کھینچ دوں یعنی ایسے طور پر ان پر حجت پوری کروں کہ وہ کوئی طعن تشنیع اور اعتراض کا تم پر حملہ نہ کرسکیں۔ لوہے کی سلیں مجھے لادو تا آمد و رفت کی راہوں کو بند کیا جائے یعنی اپنے تئیں میری تعلیم اور دلائل پر مضبوطی سے قائم کرو اور پوری استقامت اختیار کرو اور اس طرح پر خود لوہے کی سل بن کر مخالفانہ حملوں کو روکو اور پھر سلوں میں آگ پھونکو جب تک کہ وہ خود آگ بن جائیں یعنی محبت الٰہی اس قدر اپنے اندر بھڑکاؤ کہ خود الٰہی رنگ اختیار کرو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ سے کمال محبت کی یہی علامت ہے کہ محبّ میں ظِلّی طور پر الٰہی صفات پیدا ہو جائیں اور جب تک ایسا ظہور میں نہ آوے تب تک دعوٰی محبت جھوٹ ہے۔ محبت کاملہ کی مثال بعینہ لوہے کی وہ حالت ہے جب کہ وہ آگ میں ڈالا جائے اور اس قدر آگ اس میں اثر کرے کہ وہ خود آگ بن جائے۔.....

پھر آیت متذکرہ بالا کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذوالقرنین یعنی مسیح موعود اس قوم کو جو یاجوج ماجوج سے ڈرتی ہے کہے گا کہ مجھے تانبا لادو کہ میں اس کو پگھلا کر اس دیوار پر انڈیل دوں گا۔ پھر بعد میں یاجوج ماجوج طاقت نہیں رکھیں گے کہ ایسی دیوار پر چڑھ سکیں یا اس میں سوراخ کرسکیں۔ یاد رہے کہ لوہا اگرچہ بہت دیر تک آگ میں رہ کر آگ کی صورت اختیار کرلیتا

ہے مگر مشکل سے پگھلتا ہے مگر تانبا جلد پگھل جاتا ہے اور سالک کے لئے خداتعالیٰ کی راہ میں پگھلنا بھی ضروری ہے۔ پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مستعد دل اور نرم طبیعتیں لاؤ کہ جو خداتعالیٰ کے نشانوں کو دیکھ کر پگھل جائیں کیونکہ سخت دلوں پر خداتعالیٰ کے نشان کچھ اثر نہیں کرتے لیکن انسان شیطانی حملوں سے تب محفوظ ہوتا ہے کہ اوّل استقامت میں لوہے کی طرح ہو اور پھر وہ لوہا خداتعالیٰ کی محبت کی آگ سے آگ کی صورت پکڑ لے اور پھر دل پگھل کر اس لوہے پر پڑے اور اس کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے تھام لے۔ سلوک تمام ہونے کے لئے یہ تین ہی شرطیں ہیں جو شیطانی حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے سد سکندری ہیں اور شیطانی روح اس دیوار پر چڑھ نہیں سکتی اور نہ اس میں سوراخ کرسکتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ یہ خدا کی رحمت سے ہوگا اور اس کا ہاتھ یہ سب کچھ کرے گا۔ انسانی منصوبوں کا اس میں دخل نہیں ہوگا اور جب قیامت کے دن نزدیک آجائیں گے تو پھر دوبارہ فتنہ برپا ہو جائے گا یہ خدا کا وعدہ ہے۔

اور پھر فرمایا کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جو مسیح موعود ہے ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کریں گے اتنے میں آسمان پر قرناء پھونکی جائے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کردے گا اور ان کی مدد کے لئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر یعنی اسلام پر جمع کردے گا اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اسی کی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلّہ ہوگا اور وہ دن بڑے ہی سخت ہونگے اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کردے گا اور جو لوگ کفر پر اصرار کرتے ہیں وہ اسی دنیا میں بباعث طرح طرح کی بلاؤں کے دوزخ کا منہ دیکھ لیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی آنکھیں میرے کلام سے پردہ میں تھیں اور جن کے کان میرے حکم کو سن نہیں سکتے تھے۔ کیا ان منکروں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ امر سہل ہے کہ عاجز بندوں کو خدا بنا دیا جائے اور میں معطل ہوجاؤں اس لئے ہم ان کی ضیافت کے لئے اسی دنیا میں جہنّم کو نمودار کردیں گے یعنی بڑے بڑے ہولناک نشان ظاہر ہوں گے اور یہ سب نشان اس کے مسیح موعود کی سچائی پر گواہی دیں گے۔اس کریم کے فضل کو دیکھو کہ یہ انعامات اس مشت خاک پر ہیں جس کو مخالف کافر اور دجال کہتے ہیں۔ (تفسیر حضرت اقدس ۲۹۵تا۲۹۹ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۰-۹۶)

ذوالقرنین کے متعلق قرآنی آیات کی یہ وہ نہایت لطیف تشریح ہے جو حضرت مہدی مسعودالمسیح الموعود علیہ السلام نے (جن کے بارہ میں اس قصہ کے پیرایہ میں پیشگوئی کی گئی ہے) خود فرمائی ہے۔ اسلئے اس تشریح میں تو کوئی کلام نہیں اور ہم نے بھی اس کو مقدم سمجھ کر ہی لکھنے میں مقدم کیا ہے ۔لیکن آپؑ نے خود ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف فرمایا کہ ان آیات کی اور تشریح بھی آئندہ ہوسکے گی۔ یعنی ذوالقرنین کے اس قصہ کو جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور رنگ میں بھی زمانہ مسیح موعود پر چسپاں کیا جاسکے گا۔ آپ فرماتے ہیں:-

''اب یہ بظاہر تو قصہ ہے لیکن حقیقت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جو اس زمانہ سے متعلق ہے۔ خداتعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دئے ہیں اور بعض مخفی رکھے ہیں۔ اسلئے کہ انسان اپنے قویٰ سے کام لے۔ اگر انسان نرے منقولات سے کام لے تو وہ انسان نہیں ہوسکتا۔

(تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۹۹)

یہ جو حضورؑ نے فرمایا ہے کہ خداتعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دیئے ہیں اور بعض مخفی رکھے ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ کچھ حقائق جو اس وقت مخفی رکھے گئے ہیں آئندہ کبھی کھلیں گے۔ ورنہ اگر ان حقائق نے ہمیشہ مخفی ہی رہنا ہوتا تو ان کا ان آیات میں رکھا جانا ایک سرا سر لغو فعل ٹھہرتا۔ جو خدائے حکیم سے ممکن نہیں۔ حق بات وہی ہے جو خداتعالیٰ نے فرمائی کہ **وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ** (کوئی ضروری چیز ایسی نہیں جسکے ہمارے پاس لامحدود خزانے نہ ہوں مگر ہم انہیں بقدر ضرورت ہی اتارتے ہیں۔ **اَلْحجر** ۲۲:۱۵) ہاں جیسا کہ حضور نے اگلے الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے ان حقائق و معارف تک رسائی کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک اسکی کہ انسان اپنے قوٰی سے کام لے۔ یعنی جو جو صلاحیتیں خدا نے اس کے اندر رکھی ہیں ان سب کو بروئے کار لائے مثلاً قلب مُطَہَّر لے کر ان آیات میں غور و فکر کرے۔ دعا کرے اور خود نہ سمجھ سکے تو راسخون فی العلم سے مدد لے۔ اور دوسرے اسکی کہ صرف منقولات سے کام نہ لے ۔یعنی یہ نہ سمجھے کہ جو کچھ پہلے بیان ہوچکا، ہوچکا اب اور کچھ بھی ان آیات کے اندر نہیں ہے۔ کیونکہ جس نے قرآن کریم کے کسی جزو کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ اسمیں بس وہی کچھ ہے جو پہلے لوگ بیان کر چکے ہیں اس نے مزید حقائق و معارف

کے کھلنے کا دروازہ اپنے اوپر خود بند کرلیا۔ اور **اَفَـلَا یَتَـدَ بَّرُوْنَ الْقُرآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا** (مُحَمَّد ۴۷:۲۵) کی ذیل میں آ گیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح خداتعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہر دوسری چیز کے عجائبات لامتناہی ہیں اسی طرح اس کے کلام کے حقائق و معارف کی بھی کوئی انتہا نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ان آیات کی جو تشریح کی ہے اس کے مطابق موعود ذوالقرنین کا پہلا سفر مغربی مسیحی اقوام کی طرف ہے۔ دوسرا سفر مسلمانوں کی طرف اور تیسرا سفر مسیح موعود کی اپنی جماعت کی طرف۔ یہ ترتیب بالکل درست ہے۔ کیونکہ آپؑ نے جو ذوالقرنین وقت ہیں دعویٰ سے پہلے جو مباحثات شروع کئے وہ زیادہ تر عیسائیوں ہی کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور عیسائیوں کے عقائد باطلہ کا ردّ دراصل مغربی اقوام کی اصلاح ہی کی طرف قدم تھا۔ اس کے بعد آپؑ نے دعویٰ کیا تو مسلمان بھی آپؑ کے مخاطب ہوگئے۔ اور اس کے بعد رفتہ رفتہ ایک جماعت آپؑ کے ماننے والوں کی بھی وجود میں آ گئی۔ لیکن اگر صرف آپؑ کی ماموارنہ زندگی کا دور لیں تو پھر ترتیب بدل جاتی ہے۔ اور آپؑ کے پہلے مخاطب دوسرے مسلمان ٹھہرتے ہیں۔ دوسرے مخاطب عیسائی اور دیگر مذاہب والے اور تیسرے نمبر پر آپکی جماعت آتی ہے جو آہستہ آہستہ وجود میں آئی۔ اب آیئے دیکھیں کہ اس لحاظ سے ذوالقرنین اوّل کے قصّہ کے پیرایہ میں موعود ذوالقرنین کے بارہ میں ان آیات میں کیا بتایا گیا ہے۔

پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ **اِنَّـا مَـكَّـنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰـهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًـا**۔ ہم نے اسے زمین میں قدرت و غلبہ بخشا۔ اور اسے سب اسباب مہیا کئے۔ **کـل شی** کے معنے ہر ضروری چیز یا ہر چاہی ہوئی چیز کے ہوتے ہیں پس اس میں یہ بتایا کہ ذوالقرنین اوّل کی طرح ذوالقرنین ثانی کو بادشاہت عطا کی جائیگی۔ اور اسکی چاہی ہوئی تمام چیزیں اور اس کے مقاصد کے حصول کے تمام اسباب عطا کئے جائینگے۔ ذوالقرنین اوّل دنیوی بادشاہ تھا اور اسکی ذمہ داری لوگوں کو یاجوج ماجوج کے ظاہری حملوں سے بچانا تھی۔ مگر ذوالقرنین ثانی مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی ذمہ داری لوگوں کو یاجوج و ماجوج کے علمی و دینی رنگ میں کئے جانے والے حملوں سے بچانا تھی۔ اسلئے اسے روحانی بادشاہت ہی دی جانی چاہیے تھی۔ اور تبلیغ و تربیت اور اشاعت حق کے سامان (علم قرآن قوّتِ قدُسی دعا کا اعجاز اور نشرو اشاعت کی سہولتیں جیسے

M.T.Aوغیرہ) عطا ہونے چاہیے تھے پس اسمیں اسے انہی سامانوں کے ملنے کا اشارہ کیا گیا۔
چنانچہ وہ سب اسے دیئے بھی گئے۔ اور اسنے خود فرمایا ؎

ہر مطلب و مراد کہ مے خوا ستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بہ خاطر معیّنم

دوسری بات ذوالقرنین اوّل کے بارہ میں یہ کہی گئی **فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ....فِيهِمْ حُسْنًا**۔ پھر وہ ایک راہ پر چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے مقام پر پہنچا تو اس نے اسے ایک گدلے چشمے میں ڈوبتا ہوٗا پایا۔ اور اس کے پاس ایک قوم پائی جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اسے الہام کیا کہ اے ذوالقرنین! چاہے تو ان کو عذاب دے۔ اور چاہے تو ان کے معاملہ میں حسن سلوک سے کام لے۔

ذوالقرنین ثانی کا پہلا کام اسلام کو پھر سے سر بلند کرنا اور مسلمانوں کو پھر سے زندہ قوم بنانا تھا۔ اسلئے ضروری تھا کہ وہ دیکھے کہ ان کی ترقیّات کا سورج یا اسلام کا سورج کیوں ڈوب رہا ہے۔ اور اس کے ڈوبنے کے کیا اسباب ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ جب ذوالقرنین ثانی یہ معلوم کرنے کے لئے حرکت میں آئیگا تو دیکھے گا کہ مسلمانوں کی ترقیّات کا سورج یا اسلام کا سورج ایک گندے چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ یعنی مسلمانوں پر زوال اسلئے آرہا ہے کہ وہ اسلام سے دور ہٹ کر گندے عقائد اور اعمال میں مبتلاء ہوچکے ہیں۔ اور انہوں نے حقیقی اسلام کی بجائے اپنے عقائد باطلہ کا نام اسلام رکھ لیا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس ذوالقرنین حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کے وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی۔

نمبر۱ وہ وحی و الہام کو قصہ پارینہ سمجھ بیٹھے تھے۔

نمبر۲ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ معجزات و نشانات پہلے ظاہر ہوتے تھے اب ظاہر نہیں ہوتے۔

نمبر۳ دعا کے متعلق ان میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ اس کا صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کی قوّتِ ارادی مضبوط ہو جاتی ہے ورنہ جو کام ہونا ہوتا ہے وہ کام دعا نہ بھی ہو تو پھر بھی ہوجاتا ہے۔ اور جو نہیں ہونا ہوتا وہ دعا ہو پھر بھی نہیں ہوتا۔

نمبر۴ مسیح ناصری کے مقام کے بارہ میں وہ غُلو کا شکار ہوچکے تھے۔ اور یہ عقیدہ

بنائے بیٹھے تھے کہ وہ انیس سو سال سے بجسدِ عُنصَرِی آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔دوبارہ زمین پر اترے گا اور دجاّل کو قتل کریگا۔ وہ اسے ظاہر میں مردوں کو زندہ کرنیوالا اور پرندوں کو پیدا کرنیوالا سمجھنے لگے تھے۔ اور اسطرح نہ صرف یہ کہ اسے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑا بنا رکھا تھا بلکہ خدا کا شریک بھی ٹھہرادیا تھا۔جسکی وجہ سے مسیحیوں کے مقابل پر وہ ٹھہر ہی نہیں سکتے تھے۔ جسکا نتیجہ یہ تھا کہ ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان مرتد ہو کر عیسائیت کی آغوش میں جارہے تھے۔

نمبر ۵ جہاد کے متعلق انہوں نے بالکل غیر اسلامی نظریہ اختیار کر رکھا تھا۔ جس پر نہ وہ عمل کرسکتے تھے نہ انہوں نے عمل کیا۔

نمبر ٦ وہ انتہائی گھٹیا اور مشرکانہ رسم و رواج کے پابند ہو چکے تھے۔ اپنے پیروں فقیروں کو عملاً **اَرۡبَاباً مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ** بنا رکھا تھا۔وہ قبروں پر سجدے کرنے اور آنجہانیوں سے مرادیں مانگنے لگ گئے تھے۔

نمبر ۷ وہ کئی قرآنی آیات کو جو قرآن میں موجود تھیں منسوخ جاننے لگے تھے۔ اور یہ ایسا خطرناک عقیدہ تھا جو سارے قرآن کا اعتبار کھو دینے والا تھا۔

پس یہ وہ گدلا چشمہ تھا۔جس کے اندر اسلامی ترقیاّت کا آفتاب ڈوب رہا تھا۔ اور مسیح موعودؑ کو جو ذوالقرنین وقت تھا بھیجا گیا کہ وہ اس سورج کو پوری طرح ڈوبنے سے پہلے واپس لوٹائے۔ گویا اس کو اس کے مغرب سے چڑھانے کے سامان کرے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے خطبہ الہامیہ کے یہ الفاظ ناقابل فراموش ہیں کہ:-

هُوَالَّذِیۡ رَدَّلِیۡ شَمۡسَ الۡاِسۡلَامِ بَعۡدَ مَادَنَتۡ لِلۡغُرُوۡبِ
فَكَاَنَّهَا طَلَعَتۡ مِنۡ مَّغۡرِبِهَا وَ تَجَلَّتۡ لِلطَّالِبِيۡنَ

وہی خدا ہے جس نے میرے ذریعہ سے اسلام کے سورج کو جس وقت وہ غروب ہورہا تھا پھر لوٹایا گویا پھر اپنے مغرب سے طلوع کیا۔ اور طالبوں کے لئے تجلّی فرمائی۔ (صفحہ ١٦٦ طبع اول)

بہرحال انکی اس حالت کیوجہ سے جس طرح سے خداتعالیٰ نے بزبان قال یا حال ذوالقرنین اوّل کو فرمایا تھا ذوالقرنین ثانی کو بھی فرمائیگا کہ

يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا

اے ذوالقرنین (تجھے اختیار دیا جاتا ہے) چاہے تو انہیں عذاب دے چاہے ان سے حسن سلوک کر۔یعنی اگر تو دیکھے کہ وہ نرمی کی زبان سمجھنے والے نہیں ہیں تو انسے سختی کے ساتھ کلام کر یا انکے حق میں بدعا کر۔ اور اگر دیکھے کہ نرمی کا سلوک انکی اصلاح کا موجب ہوگا تو نرمی کا سلوک کر یا انکے لئے دعا کر۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّاِلٰی رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًانُكْرًا(۸۸) وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًافَلَهٗ جَزَآءَ نِالْحُسْنٰی ج وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (۸۹)

(اسپر ذوالقرنین نے اپنے ساتھیوں سے) کہا جسنے ظلم (کا رویہ اختیار) کیا اسکے ساتھ ہم سختی سے پیش آئینگے (یا اگر وہ ناقابل اصلاح نظر آیا تو اسکے حق میں بدعا کریں گے) پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹا یا جائیگا اور وہ اسے سخت عذاب دیگا۔ اور جو ایمان لایا اور اعمال صالحہ بجا لایا اسکے لئے (خدا کی طرف سے) جزائے حسنہ ہوگی اور ایسے شخص سے (جو ایمان لے آنیوالا نظر آئے گا) ہم نرمی کے ساتھ پیش آئینگے۔

اسمیں بتایا کہ موعود ذوالقرنین اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنا نمونہ پیش کرکے یہ بتائیگا کہ ان لوگوں سے کس طرح معاملہ کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد ہے:-

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا(۹۰) حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا(۹۱)

پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑا (یعنی چل پڑے گا) یہاں تک کہ جب وہ طلوع آفتاب کے مقام پر پہنچے گا وہ دیکھے گا وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لئے ہم نے اس سے ورے (یعنی اس کی دھوپ سے بچنے کے لئے) کوئی پردہ نہیں بنایا۔

حضرت مہدی موعودؑ کے وقت میں سورج کے مغرب سے طلوع کرنے سے مراد

حدیث میں آتا ہے کہ مہدی کے وقت میں سورج مغرب سے طلوع کریگا۔ اس کا ایک مطلب تو جیسا کہ اوپر لکھا گیا یہ ہے کہ جب اسلام کا سورج ڈوبنے کے قریب ہوگا مسیح موعودؑ کی دعا اور کوشش سے واپس لوٹ آئیگا۔ گویا مغرب سے طلوع کریگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مغرب کے لوگ ہدایت پائینگے اور پھر اس ہدایت کو دنیا میں پھیلانے والے ہونگے۔علاوہ ازیں چونکہ سورج جب دنیا کے ایک حصہ میں ڈوبتا ہے تو دوسرے حصہ میں طلوع بھی کرتا ہے اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ مہدی موعود جو بمنزلہ آفتاب کے ہے خود یا اس کا کوئی خلیفہ مشرقی ممالک کو چھوڑ کر مغربی ممالک میں جائیگا۔ اور وہاں اسلام کی روشنی کو پھیلائے گا۔ اور جب وہ وہاں پہنچے گا تو آفتاب کو یعنی اپنے آپ کو یا اسلام کو ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہؤا پائیگا جن کے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ یعنی یہ دیکھے گا کہ اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے اندھیروں میں پڑے ہوئے تھے تاہم ان میں وہ باتیں نہیں ہیں جو مشرقی ممالک کے لوگوں کے لئے آفتاب ہدایت سے فائدہ اٹھانے میں روک بن رہی تھیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس زمانہ میں جب حضرت مسیح موعودؑ کے خلیفہ رابع ایدہ اللہ تعالیٰ جو خود جماعت احمدیہ کی دو صدیوں کو پانے والے اور بنابراں ایک رنگ میں ذوالقرنین ہیں مشرق کی طرف سے ہجرت کر کے مغرب میں پہنچ چکے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ

نمبر ۱: قبول ہدایت میں انہیں سماجی دباؤ کا کوئی ڈر نہیں۔

نمبر ۲: ان میں ضد نہیں پائی جاتی۔ صداقت کو پہچان لیں تو مان لیتے ہیں۔

نمبر ۳: جھوٹے تقویٰ کے جھوٹے زعم سے اور اسی طرح ظاہر میں مسلمان ہونے کے زعم سے جو اکثر لوگوں کے لئے ایمان لانے کی راہ میں حجاب بن جاتا ہے وہ پاک ہیں۔ اور اسطرح ان کے اور آفتاب ہدایت کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ سورۃ الانبیاء آیت ۹۷ کے الفاظ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ

سے جن پر ایک نوٹ اگلے صفحات میں آ رہا ہے ان قوموں کے مذہب کی حدود کو برے رنگ میں پھلانگ جانا بھی مراد ہوسکتا ہے اور اچھے رنگ میں پھلانگ جانا بھی۔شروع میں وہ اسے برے رنگ میں پھلانگیں گی اور موردِ عذاب ہونگی مگر اسکے بعد اسے اچھے رنگ میں پھلانگیں گی جیسا کہ سورۃ یٰسٓ کی آیت **وَیُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ** میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں ''بلندی پر چڑھنا قوّت اور جرأت کو چاہتا ہے۔ نہایت بڑی بھاری اور آخری بلندی مذہب کی بلندی ہوتی ہے ساری زنجیروں کو انسان توڑ سکتا ہے مگر رسم اور مذہب کی زنجیر ایسی زنجیر ہوتی ہے کہ اس کو کوئی ہمت والا ہی توڑسکتا ہے۔سو ہمیں اس ربط سے ایک بدیہی بشارت معلوم ہوتی ہے کہ وہ آخر کار اس مذہب اور رسم کی بلندی کو اپنی آزادی اور جرات سے پھلانگ جاویں گے اور آخر کار اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے۔'' (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ صفحہ ۱۴)

یہ باتیں (یعنی مہدیؑ کی تبلیغ کا مغربی ممالک تک پہنچنا اور وہاں کے لوگوں کا اسے قبول کرنے کے لئے تیاّر ہونا) چونکہ انکے وقوع سے پہلے کے زمانہ کے لوگوں کے لئے قابل تعجب ہونگی اسلئے اس کے بعد فرمایا:

کَذٰلِکَ ط وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْہِ خُبْرًا

ایسا ہی ہوگا (جیسا کہ ہم نے فرمایا) اور یقیناً ہم نے اس سامان کا جو (اس مقصد کے حصول کے لئے) اسے حاصل ہوگا احاطہ کر رکھا ہے۔

آگے ہے:

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَباً (۹۳)

پھر وہ ایک اور راستے پر چل پڑا (یعنی چل پڑے گا)

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَمِنْ دُوْنِھِمَا قَوْمًا لَّایَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ قَوْلًا (۹۴) قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَھَلْ نَجْعَلُ لَکَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَھُمْ سَدًّا (۹۵)

یہاں تک کہ جب وہ اس مقام پر پہنچا جو دو روکوں کے درمیان تھا تو

وہاں ان سے ورے اس نے کچھ ایسے لوگ پائے جو اسکی بات سمجھ نہیں سکتے تھے۔انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج و ماجوج نے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے پس کیا ہم آپ کے لیئے خراج مقرر کردیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں۔

اس ذکر کے پیرایہ میں یہ بتایا کہ اپنے تیسرے سفر میں موعود ذوالقرنین یعنی مسیح موعودؑ یا اس کا کوئی خلیفہ ایک ایسے مقام پر پہنچے گا جو سدّین یعنی دو روکوں کے درمیان واقع ہوگا۔ اور (ان کے درمیان تو نہیں مگر) ان سے ورے وہ ایک قوم پائے گا جو اسے کہے گی کہ اے ذوالقرنین یعنی اے اسلام کی (بلکہ ہر مذہب کی) دو صدیوں کو پانے والے یا اے دو قوّتوں (مسیّحت اور مہدوِیت) کے مالک یاجوج اور ماجوج نے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے۔ سو کیا (یہ اچھا نہیں کہ) ہم آپ کے لئے چندہ فراہم کردیں یا خراج مقرر کردیں تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیاں ایک روک بنادیں۔

اَلسُّدُّ اس روک کو کہتے ہیں جو قدرتی ہو۔ اور اَلسَّدُّ اس روک کو جو انسان بنائے۔ (تاج العروس) یہاں ہر جگہ سَدٌّ کا لفظ استعمال ہوٗا ہے۔ اس لئے اس جگہ انسان کی بنائی ہوئی روک مراد ہے۔

یاجوج و ماجوج سے یورپین عیسائی قومیں اور روسی اشتراکی قومیں مراد ہیں جو وہ بھی مسیحیت ہی کا ایک روپ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مہدی موعودؑ یا اس کا کوئی خلیفہ اس مقام پر پہنچے گا جہاں ایک طرف اشتراکی نظریات کی دیوار کھڑی ہوگی اور دوسری طرف یورپین یعنی کیپیٹلسٹ نظریات کی دیوار کھڑی ہوگی اور ان سے ورے ایک قوم ہوگی جو ذوالقرنین کی بات نہیں سمجھے گی۔ یعنی وہ اسلام کی پیش کردہ توحید حقیقی سے اتنی دور پڑی ہوئی ہوگی کہ جب مہدی موعودؑ اس قوم سے اس کی بات کریگا تو اس کو اس کی سمجھ نہیں آئے گی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ سمجھنے لگ جائیگی تب وہ آپؑ سے مدد کی طلبگار ہوگی۔ مِنۡ دُوۡنِهَا کے الفاظ بتارہے ہیں کہ وہ لوگ نہ تو پورے اشتراکی خیالات کے ہونگے نہ پورے کیپیٹلسٹ خیالات کے بلکہ ان کی حالت ان کے بین بین ہوگی اور وہ ان دونوں خیالات والے لوگوں کے زیر رعب اور زیر اثر ہونگے اور انکے حملوں سے تکلیف اور بے بسی محسوس کررہے ہونگے۔

قَالَ مَامَكَّنِىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا.(۹۶)

ذوالقرنین (یعنی مہدی موعود) کہے گا جو طاقت میرے رب نے مجھے دی ہے وہ بہتر ہے۔

لوگوں نے اسکے معنٰی یہ کئے ہیں کہ تمہارے مال سے یہ طاقت بہتر ہے لیکن چندوں کی تو اس ذوالقرنین (مسیح موعودؑ) نے تحریک کرنی تھی اسلئے مراد یہ ہے کہ جو خدا نے مجھے دیا ہے وہ دشمن کے سامانوں سے بہتر ہے۔پس تم نے مجھ سے مدد مانگ کر ٹھیک قدم اٹھایا ہے لیکن منشاء الٰہی یہی ہے کہ میں یہ کام اکیلا نہ کروں بلکہ (مسیح ناصری کی طرح جسنے من انصاری الی اللہ کہا تھا) تم کو بھی ساتھ شامل کروں (تاکہ تمہیں ثواب ہو)۔

فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا.

لہٰذا (مالی خدمت کے علاوہ) تم (افرادی) قوّت سے میری مدد کرو۔(یعنی مزدوری کرو) میں تمہارے اور ان کے درمیان روک بنا دیتا ہوں۔

ردمًا کالفظ سدًّا سے زیادہ مضبوطی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اسمیں بتایا کہ دشمن نے جو دیواریں تمہارے گرد کھڑی کی کر رکھی ہیں میں اس سے مضبوط تر اور سخت تر روک تمہارے اور اس کے درمیان بنادونگا۔

اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ط

تم مجھے لوہے کے ٹکڑے لا دو۔

یہاں سے آخر تک جملہ آیات کے اول تو وہی معنے ہیں جو خود ذوالقرنین وقت حضرت مسیح موعودؑ نے کئے ہیں اور جو اوپر نقل کئے جاچکے ہیں۔ انکے علاوہ ایک اور معنے بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ یہ دیوار چونکہ نظریاتی دیوار ہے زبرالحدید کو بھی ظاہر پر محلول نہیں کیا جاسکتا چنانچہ ان پہلے معنوں میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لفظ زبر کے معنٰی لکھی ہوئی کتاب یا چیز کے ہیں اور لفظ حدید کے معنٰی سخت چیز اور روک بننے والی چیز کے ہوتے ہیں۔اگلے الفاظ **حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ** سے ظاہر ہے کہ وہ زبر الحدید کے ساتھ ان دو دیواروں کی چوٹیوں میں برابری پیدا کردیگا۔ لہٰذا مطلب یہ ہؤا کہ ذوالقرنین وقت یعنی مسیح موعود یا اس کا کوئی خلیفہ ان لوگوں سے

کہیگا کہ تم مجھے ان دونوں نظریات یا نظریات رکھنے والوں کے بارہ میں ٹھوس معلومات جو ضبط تحریر میں آچکی ہوں مہیا کردو۔ پھر وہ ان زبر الحدید کو ایسے طریقہ اور ترتیب سے جمع کرتا چلا جائیگا کہ وہ ایک دوسرے کو سہارا دیں یہاں تک کہ جب وہ انکو جمع کرتے کرتے مذکورہ دیواروں کی صدفین یعنی چوٹیوں تک پہنچے گا اور انمیں برابری پیدا کردیگا یعنی یہ ثابت کردیگا کہ یاجوجی اور ماجوجی یعنی سوشلسٹ اور کیپٹلسٹ نظام ونظریات دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں تو اسکے بعد وہ ان لوگوں سے جو اس سے مدد کے طالب ہونگے کہے گا 'اُنْفُخُوْا' اب تم ان میں ہوا پھونکو۔ یعنی انکی خوب اشاعت کرو یا یہ کہ انکی تائید میں اور دلائل لاؤ اور جب اسطرح سے وہ انہیں مخالفین کے لئے مجسم آگ بنادیگا تو قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا (وہ ان لوگوں سے کہے گا) مجھے پگھلا ہؤا تانبہ لا دو میں اسے اسپر ڈال دوں۔ پگھلا ہؤا تانبہ آگ کی طرح سرخ ہوئے ہوئے لوہے پر انڈیلا جائے تو ورق کی صورت اس پر چڑھ جاتا ہے۔اور اسے زنگ لگنے سے محفوظ کردیتا ہے۔جسکے نتیجہ میں وقت گزرنے کے باوجود اسکی قوّت برقرار رہتی ہے۔ یہاں چونکہ مجازی زبرالحدید یعنی یاجوج و ماجوج کے نظریات کو باطل ثابت کرنیوالے حقائق کا ذکر ہے اسلئے پگھلے ہوئے تانبے کے الفاظ بھی ظاہر پر محمول نہیں کئے جاسکتے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ذوالقرنین کہے گا کہ ان حقائق سے یاجوج و ماجوج کے باطل نظریات و عقائد کے خلاف پڑنے والے جو استدلال خود ان قوموں کے بعض افراد نے کئے ہیں وہ نکال کر لاؤ تا میں ان حقائق پر ان استدلالوں کا ورق چڑھا دوں اور انکو ایسی شکل دے سکوں کہ مرورِ زمانہ سے ان میں کمزوری نہ آئے اور وہ انکے خلاف ہمیشہ کام آتے رہیں۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا(۹۸)

سو (جب اسطرح پر وہ دیوار تیار ہو جائیگی) وہ نہ تو (اس پر) چڑھ سکیں گے نہ اسمیں نقب لگا سکیں گے۔

چونکہ ذوالقرنین ثانی کے متعلق یہ پیشگوئی ذوالقرنین اوّل کے قصہّ کے پیرایہ میں بیان ہوئی ہے اسلئے جب یہ بتایا کہ ذوالقرنین ثانی یاجوج و ماجوج کے مقابل پر دیوار بنائیگا تو اس پر سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ جب ذوالقرنین اوّل نے دیوار بنا کر ان کا راستہ روک دیا تھا تو وہ دنیا میں پھیلیں گے کیسے جو دوسری دیوار کی ضرورت پیش آئیگی۔ اسلئے اس کے بعد فرمایا:-

قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا (۹۹)

مطلب یہ کہ جب پہلی بار دیوار بنائی گئی اسوقت ہی اس دیوار کے بنانے والے یعنی ذوالقرنین اوّل نے خداتعالیٰ سے علم پا کر یہ خبر دی تھی کہ یہ دیوار ایک دن ٹوٹے گی اور یہ قومیں دنیا میں پھیل جائینگی۔ اور یہ وہی بات ہے جو دوسری جگہ بہ ایں الفاظ بیان کی گئی ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ۔ (الانبیاء ۲۱:۹۷)

حدب کا لفظ سخت اونچی زمین اور پانی کی لہر دونوں کے لئے آتا ہے۔ ان قوموں نے زیادہ تر سمندری راستوں سے دنیا میں پھیلنا تھا پس خداتعالیٰ نے ایسا لفظ رکھ کر جو اونچی زمین کے لئے بھی آتا ہے یہ اشارہ فرما دیا کہ سمندر کے اندر بھی پہاڑ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ علاوہ ازیں مجازاً اس سے معنوی بلندی یعنی مذہب یا شرافت کی بلندی بھی مراد ہوسکتی ہے۔ پس مِنۡ كُلِّ حَدَبٍ یَنۡسِلُوۡنَ میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ یہ قومیں مذہب اور شرافت کی ہر حد کو پھلانگ جائینگی۔ اور جہاں جائینگی دنیا کو اخلاقی گندگی سے بھر دینگی۔ پھر حدب کے معنٰی تلوار کے بھی ہیں۔ اور کل کا لفظ عموم کو چاہتا ہے پس اسمیں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ یہ قومیں قتال کے ہر قسم کے سامانوں پر غالب ہونگی اور کسی کو انکے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی۔

موجودہ مسیحی اقوام ہی ہیں جو شمال مغربی یورپ کی طرف سے سمندری لہروں پر سے ہوتی ہوئی تیزی کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئیں اور تمام سمندروں پر قابض ہوئیں جیسا کہ كُلُّ حَدَبٍ میں اسکی طرف اشارہ تھا اور انہوں نے ہر مجازی بلندی یعنی مذہب اور شرافت کی ہر حد کو بھی پھلانگ ڈالا۔ اور دنیا کو فساد سے بھر دیا اور حرب کے سامانوں کے بنانے اور جمع کرنے میں ایسی ترقّی کی کہ کسی کو ان سے تاب مقابلہ نہیں۔ پھر یہی قومیں ہیں جن پر اگلی آیتیں جو آیت وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ سے شروع ہوئی ہیں صادق آتی ہیں۔ اسلئے یہی اس زمانہ کی یاجوج و ماجوج ہیں اور یہی وہ دجّال بھی ہیں جس کا ذکر احادیث نبویہ میں آتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کی اپنی اُمّت کو یہ نصیحت کہ فتنہ دجال سے بچنے کے لئے اس سورۃ کی پہلی دس اور آخری دس آیتوں کے مضامین کو مدِّ نظر رکھا جائے صاف بتاتا ہے کہ حضورؐ نے یاجوج و

ماجوج ہی کو جسکا اس سورۃ میں ذکر ہے دجّال قرار دیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ وہ دیوار جو ذوالقرنین نے بنائی مقصود بِالذّات نہیں تھی مقصود بِالذّات یاجوج و ماجوج کے حملوں کو روکنا تھا اسلئے ھٰذا کا اشارہ اگرچہ بظاہر دیوار کے بننے کی طرف ہے مگر درحقیقت انکے حملوں کے روکے جانے کیطرف ہے۔ کیونکہ اسکے بالمقابل اگلے جملہ میں جس وعدہ کا ذکر ہے اس سے انکا دوبارہ آزاد ہو جانا مراد ہے۔ مگر یہ کام ذوالقرنین نے اپنے لئے نہیں کیا تھا ان لوگوں کے لئے کیا تھا اسلئے اسنے جو اسے ’’اپنے رب کی رحمت‘‘ قرار دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام چونکہ لوگوں کے لئے رحمت ہے اور اس کا ذریعہ خداتعالیٰ نے مجھے بنایا ہے اسلئے اسکی وجہ سے انکی نگاہ میں میری قدر و منزلت بڑھی ہے اور میری عِزّت میں اضافہ ہؤا ہے اور اسطرح یہ کام میرے لئے بھی رحمت بنا ہے۔ پس خداتعالیٰ نے ذوالقرنین کی طرف هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کے الفاظ منسوب کرکے بتادیا کہ اس جگہ ربوبیت سے عزت افزائی مراد ہے۔

اسکے بعد ہے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ۔ اس جملہ میں وعدہ سے یاجوج و ماجوج کو پھر دنیا میں پھیل جانے کی آزادی مل جانے کی وعید مراد ہے کیونکہ اسی کا ذکر دوسری جگہ بہ ایں الفاظ آیا ہے کہ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (اَلْاَنْبِيَآء۲۱:۹۷) چونکہ اس وعید کے مطابق ان قوموں نے سمندری راستوں سے دنیا میں پھیل جانا تھا اس دیوار نے بیکار ہوجانا تھا اور پھر عدم توجہ اور عدم دیکھ بھال کیوجہ سے ٹوٹ پھوٹ جانا تھا۔

اس میں ایک عجیب بات ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ پہلے جملہ میں دیوار کے بننے یا یاجوج و ماجوج کے حملوں کے روکے جانے کو ذوالقرنین کی ربوبیت کا (جس سے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا عِزّت افزائی مراد ہے) ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اور دوسرے جملہ میں انکے پھر دنیا میں پھیل جانے بلکہ پہلے سے زیادہ پھیل جانے کو اور اس دیوار کے ٹوٹ پھوٹ جانے کو اس کا ذریعہ بتایا گیا ہے ۔ اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے کہ دو متضاد چیزیں ہوں اور اسکے باوجود ایک ہی نتیجہ پیدا کریں۔ سو جاننا چاہئے کہ امرِ اوّل تو اسلئے ذوالقرنین کی عِزّت افزائی کا موجب بنا کہ وہ لوگوں کے لئے رحمت تھا اور ذوالقرنین اسکا ذریعہ بنا تھا۔ رہا امر دوم تو

اس کا تعلق مستقبل کی خبر سے تھا اور **وَعۡدُ رَبِّیۡ** کے الفاظ جو ذوالقرنین نے کہے ظاہر کررہے ہیں کہ یہ خبر اس کو براہ راست بھی دی گئی تھی یعنی یہ وعید اسنے خداتعالیٰ سے علم پاکرلوگوں تک پہنچائی تھی پس اسکا پورا ہونا چونکہ اسے **مُلۡهَم مِنَ اللّٰه** ثابت کرنیوالا تھا اسلئے اسکی عزت افزائی کا موجب ہونے والا تھا۔

اسکے بعد ایک اور عجیب بات ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ اگرچہ قرآن کریم میں ضمائر کا استعمال بڑی کثرت سے ہوتا ہے مگر اس چھوٹی سی آیت میں اسکی بجائے رب کا لفظ تین دفعہ لایا گیا ہے جو بلا حکمت نہیں ہوسکتا۔ بات یہ ہے کہ ذوالقرنین کی زبان سے تین دفعہ ربیّ کا لفظ لا کر یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ خداتعالیٰ نے اسے خبر دی تھی کہ اسکی ربوبیت کے لئے (جس سے یہاں عِزّت افزائی مراد ہے) اسکے رب نے تین سامان کئے ہیں اور جیسا کہ ربوبیت کا (جسکے معنٰی درجہ بدرجہ ترقّی دینے کے ہوتے ہیں) تقاضہ ہے ہر دوسرا سامان پہلے سامان سے زیادہ اس کی عزت افزائی کا موجب ہوگا۔ پس اسمیں بتایا کہ جسطرح اس کو یاجوج و ماجوج کے حملوں کے رکنے کا ذریعہ بنا کر خداتعالیٰ نے اس کی عزت افزائی کی ہے اور آئندہ ان قوموں کے دنیا میں پھیل جانے کی خبر کو جو الہاماً اسے دی گئی پوری کرکے ایک دوسرے رنگ میں اور پہلے سے بڑھ کر اسکی عزت افزائی کرنیوالا ہے کیونکہ اس سے وہ ایک **مُلۡهَم مِنَ اللّٰه** کے طور پر جانا جائیگا۔ اسطرح اس وعدہ کو پورا کرکے جس کا آخری جملہ میں ذکر ہے وہ ایک تیسرے رنگ میں اور دوسرے رنگ سے بھی زیادہ اسکی عزت افزائی کا سامان کریگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ آخری الفاظ **وَكَانَ وَعۡدُرَبِّیۡ حَقًّا** میں وعدہ سے یاجوج و ماجوج کے دنیا میں پھیل جانے کی وہ وعید جس کی طرف اس سے پہلے جملہ میں اشارہ تھا مراد نہیں بلکہ الگ وعدہ مراد ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ وعید یاجوج و ماجوج کو صرف دنیا میں پھیل جانے کی کُھل مل جانے کی وعید نہیں تھی بلکہ اسکے ساتھ **وَمِنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ** کے الفاظ لاکر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ دنیا میں پھیل جانے کا موقع ملنے پر وہ لوگ لفظ **حدب** کے ظاہری معنٰی میں ہر مادی روک کو اور اسکے مجازی معنٰی میں مذہب اور شرافت کی ہر حد کو پھلانگ جائینگے اور ساری دنیا میں پھیل کر اسے فساد سے بھر دینگے۔ ظاہر ہے کہ اس بات نے انہیں مستحق عذاب بنا دینا تھا اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ وقت آنے پر انہیں فوراً پکڑ لیا جائے گا یا پہلے ہشیار کیا جائیگا۔اس لئے

ذوالقرنین نے اسکے ساتھ ہی یہ الفاظ کہے کہ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا۔ کان جو اظہار استمرار کیلئے آتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اسمیں کسی دائمی وعدہ کا ذکر ہے اور وعدہ کی صفت کا حق ہونا بیان کیا جانا بتاتا ہے کہ اسمیں اس دائمی وعدہ کا ذکر ہے جو سچا بھی ہوتا ہے اور ایسے وقت میں حکمت اسکی مقتضی بھی ہوتی ہے یعنی اس وعدہ کا ذکر ہے جو وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کے قرآنی الفاظ سے مترشح ہے ۔ پس ذوالقرنین کی طرف یہ الفاظ منسوب کر کے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اس کو اس بات کی خبر بھی دی گئی تھی کہ اپنی سنّتِ مستمرہ کے مطابق جو ایک وعدہ کا رنگ رکھتی ہے خدا تعالیٰ ان قوموں کو مبتلائے عذاب کرنے سے پہلے اپنا کوئی رسول بھیجے گا اور اگر وہ اسکے انذار سے فائدہ نہیں اٹھائینگے تو وہ ان پر گرفت کریگا۔ لیکن اگر صرف اتنی ہی بات اسے بتائی گئی ہو کہ اسوقت وہ ایک رسول بھیجے گا تو اوّل یہ بات پوری ہونے پر بھی ذوالقرنین کی کسی خاص عزّت افزائی کا موجب نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اس رسول کے آنے کی خبر صرف ذوالقرنین ہی کو نہیں دی گئی بہت سے نبیوں کو بھی دی گئی بلکہ افضل الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی دی گئی۔ اور اسمیں اسکی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ دوسرے جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ذُوالقرنین کی ربوبیت کے خدا تعالیٰ نے تین الگ الگ اور ایسے سامان کئے تھے جن میں سے دوسرا سامان پہلے سے اور تیسرا دوسرے سے زیادہ اسکی ربوبیت یعنی عزّت افزائی کا موجب ہونیوالا تھا۔ اور صرف اسے دی جانیوالی خبر کے پورا ہونے سے یعنی اسکا مُلْهَمٌ مِنَ اللّٰهِ ہونا ثابت ہونے سے جو عزت افزائی اسکی ہونیوالی تھی اس کی طرف اشارہ اس سے پہلے جملہ میں ہو چکا ہے اسلئے ماننا پڑے گا کہ ذُوالقرنین کو صرف اس نبی کے آنے کی خبر ہی نہیں دی گئی بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور خبر بھی دی گئی جو پوری ہو کر صرف اس وجہ سے کہ اسے الہاماً وہ خبر دی گئی اسکی عِزّت افزائی کا موجب بننے والی نہیں تھی بلکہ اپنی ذات میں اس کا موجب بننے والی تھی اور اس سے زیادہ اسکی عزت افزائی کا موجب بننے والی تھی جو اسکی پیشگوئی کے پورا ہونے سے اس کی ہوسکتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بات سوائے اسکے کوئی نہیں ہوسکتی تھی کہ آنیوالے نبی کا ایک نام ذُوالقرنین بھی ہو۔ کیونکہ جب کسی بزرگ شخص کو کسی نسبتاً چھوٹے آدمی کا نام دیا جائے تو اس سے یقیناً اس چھوٹے آدمی کی عزّت افزائی ہوتی ہے جیسا کہ آنحضرتؐ کو مثیل موسیٰؑ قرار دیا جانا حضرت موسیٰؑ کے لئے موجبِ عِزّت افزائی تھا۔ پس اسمیں ایک نہائت لطیف پیرایہ میں یہ بتایا گیا کہ آنیوالے نبی کا ایک نام

ذُوالقرنین بھی ہوگا۔ اور اسکو یہ نام ملنا پہلے ذُوالقرنین کے لئے وجہہ افتخار ہوگا۔ اور جب آئندہ ایک رسول کے آنے کی خبر دی گئی اور یہ بتایا گیا کہ اس کا ایک نام ذُوالقرنین بھی ہو گا اور اسکو اس نام کا ملنا پہلے ذُوالقرنین کے لئے وجہہ افتخار ہوگا تو اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ اگرچہ اس رسول کو پہلے ذُوالقرنین سے مشابہت ہو گی مگر وہ اپنی ہر شان میں اس سے افضل ہوگا۔ چنانچہ ذُوالقرنین وقت حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود علیہ اسلام کے حق میں یہ بات بڑی وضاحت سے پوری ہوئی۔

اگر پہلا ذُوالقرنین فارسی الاصل تھا تو یہ ذُوالقرنین بھی فارسی الاصل تھا مگر ایسا فارسی الاصل جو بمطابق حدیث نبوی ایمان کو ثریا سے واپس لانیوالا تھا۔ اور اگر پہلے ذُوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کو اس وقت روکا تھا جب وہ ایک محدود خطۂ زمین پر قابض تھے تو اسنے اسوقت انکے حملوں کو روکا جب وہ دنیا کے معتدبہ حصّوں پر قابض تھے۔ اور اگر پہلے ذُوالقرنین نے انکی مادی یلغار کو روکا تھا تو اس نے انکی دینی یلغار کو روکا اور اگر پہلے ذوالقرنین نے مادی دیوار کھڑی کی تھی تو اسنے حجّت و براہین کی دیوار کھڑی کی۔ اور اگر پہلے ذُوالقرنین کو زمینی بادشاہت دی گئی تھی تو اسے آسمانی بادشاہت یعنی نبوت دی گئی اور اگر پہلے ذُوالقرنین نے ایک ادنیٰ وجہ یعنی دوسینگوں کے قومی نشان کی وجہ سے یا ایک آدھ قوم کی دو صدیوں کو پانے کی وجہ سے یہ نام پایا تو اسنے ایک اعلیٰ و ارفع وجہ یعنی اپنے دومنصبوں مسیح اور مہدی ہونے کی وجہ سے اور ہر قوم کی دوصدیوں کو پانے کی وجہ سے یہ نام پایا۔ **فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم**۔

پس سورۃ الکہف میں ایک مسیح اور مہدی کے آنے کی خبر دینے کے بعد ذُوالقرنین کا قصہ شروع کر کے تو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نبی موعودؑ کے وقائع کو ذُوالقرنین کے وقائع سے مشابہت ہوگی اور اس قصہ کے آخر میں یہ بتایا کہ مشابہت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسی درجہ کا انسان ہو گا بلکہ وہ اپنی ہر شان میں اس سے افضل ہوگا۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِي بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعاً (۱۰۰)

جیسا کہ واضح کیا گیا ہے اوپر کی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ جب یاجوج و ماجوج سمندری راستوں سے دنیا میں پھیل جائیں گے اور مذہب اور شرافت کی ہرحد کو پھلانگ جائیں

گے تو چونکہ وہ اسوقت ساری دنیا پر غالب ہونگے ان کے زیر اثر ساری دنیا فساد سے بھر جائے گی مگر خدا تعالیٰ انکو فوراً نہیں پکڑیگا بلکہ اپنی سُنّتِ مستمرہ کے مطابق انہیں ہشیار کرنے کو پہلے اپنا نبی بھیجے گا جسے اس سورۃ میں مہدی اور مسیح اور ذُوالقرنین قرار دیا گیا ہے۔ اسکے بعد آیت زیر نظر لا کر یہ بتایا کہ پہلے و ہ انہیں اس حال میں چھوڑ دیگا کہ وہ ایک دوسری پر اس طرح حملے کریں جیسے موج پر موج پڑتی ہے یعنی جسطرح ایک موج دوسری موج پر چڑھ دوڑتی ہے پھر پیچھے ہٹ جاتی ہے اور پھر یہی عمل دہرایا جاتا ہے اسطرح ان قوموں کی پہلے ایک جنگ ہوگی پھر وقفہ ہو گا پھر دوسری جنگ ہو گی اور اسکے بعد نفخ صور ہوگا یعنی تیسری اور انتہائی بڑی جنگ کا بگل بج جائیگا (یہ آخری استدلال اس سے ہوتاہے کہ نفخ صور سے ہمیشہ انقلاب عظیم مرادہوتا ہے) ظاہر ہے کہ اسکے نتیجہ میں بہت بڑی تباہی ہوگی سو جیسا کہ دوسری آیات میں بھی اشارہ ہے اس تباہی کے بعد خداتعالیٰ انہیں (دین واحد پر) جمع کر دیگا یعنی انہیں اسلام لے آنے کی توفیق دے گا۔

ایک اور اعتبار سے ایک اور اشارہ بھی اس میں ہے۔اوپر کی آیت میں تو یہ بتایا تھا کہ عذاب سے پہلے نبی بھیجا جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس وقت دنیا کی حالت یہ ہو گی کہ مذہبی رنگ میں تمام قومیں ایک دوسرے پر اسطرح حملہ آور ہونگی جیسے موج موج پر پڑتی ہے۔'' پھر نفخ صور ہوگا یعنی خداتعالیٰ اپنے مرسَل کےذریعہ جو صور یعنی قرنا کا حکم رکھتا ہوگا اپنی آواز لوگوں تک پہنچا دے گا کہ اب تُمہاری گرفت کا وقت آ گیاہے۔نبی میں ایک خدا داد قوّتِ جاذبہ ہوتی ہے جسکی وجہ سے سعید روحیں اسکی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں اور اسطرح خدا تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کردیگا'' (یہ بات حضرت مہدی موعودؑ کی متفرق تحریرات سے لی گئی ہے)۔

نمبرا: اگر سوال ہو کہ اوپر ذکر تو یاجوج و ماجوج کا ہے پھر **بَعْضَهُمْ** کی ضمیر سب قوموں کی طرف کیسے پھیر لی گئی تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ قومیں اسوقت دنیا پر غالب ہونگی اور دوسری قومیں بوجہ انکے ماتحت یا زیرِ اثر ہونے کے انکے حکم میں ہونگی۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (۱۰۱)

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے لے آئیں گے۔

عرضنا میں بتایا کہ جن باتوں کے ساتھ اس عذاب کا آنا خدا نے وابستہ کر رکھا ہے وہ

پوری ہوں جائیں گی۔ مثلاً سورۃ المدثّر میں مذکور ایٹمی طاقتوں کی تعداد پوری ہوجائے گی اور ہر چشمِ بینا کو نظر آنے لگے گا کہ اب عذاب بس آنے ہی والا ہے۔

عذاب کی جگہ جہنّم کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ عذاب عذاب جہنّم کا نمونہ ہوگا۔

ۨالَّذِيۡنَ كَانَتۡ اَعۡيُنُهُمۡ فِىۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِكۡرِىۡ وَكَانُوۡا لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا (۱۰۲)

یعنی ان لوگوں کے (سامنے) جنکی آنکھیں ہمارے ذکر سے پردہ میں ہونگی اور وہ سننے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے ہونگے۔

ذکر کا لفظ قرآن میں دوسری جگہ آنحضورﷺ کے لئے بھی آیا ہے اورقرآن کے لئے بھی۔ اور اللہ کا بندوں کو یاد کرنا بھی ذکراللہ سے مراد ہؤا کرتا ہے۔ اور گمراہی کے زمانہ میں اس کا بندوں کو یاد کرنا یہ ہوتا ہے کہ ان کی ھدایت کے لئے مامور بھیجنا۔ پس مطلب یہ ہے کہ انکی آنکھیں مامور وقت کو جو انکے سامنے ہوگا (دیکھیں گی مگر) دیکھ نہیں سکیں گی یعنی پہچان نہیں سکیں گی کما فی قولہٖ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ هُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ اور سننے کی استطاعت تو وہ پہلے بھی نہیں رکھتے ہونگے ورنہ وہ حضرت محمد رسول اللہﷺ کی اور قرآن کی باتوں سے جو انکو پہلے بھی سنائی جاتی تھیں کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور لیتے۔ فرمایا:-

اَفَحَسِبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا عِبَادِىۡ مِنۡ دُوۡنِىۡۤ اَوۡلِيَآءَ. اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا (۱۰۳)

کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو مدد گار بنا سکیں گے۔ یقیناً ایسے کافروں کے لئے میں نے جہنّم کو بطور ضیافت تیّار کر رکھا ہے۔

مسیحی ،مسیح انکی والدہ اور روح القدس کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور یہ تینوں اسکے عبد ہیں اسلئے عبادی کا لفظ جوجمع کا صیغہ ہے رکھاّ اور اسطرح واضح کردیا کہ ذکر مسیحیوں ہی کا چل رہا ہے۔ جس کا مزید ثبوت اگلی آیات میں ہے

قُلۡ هَلۡ نُـنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا (۱۰۴) اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ

صُنعاً (۱۰۵) اُولَٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْابِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْناً (۱۰۶)

(اے رسول انہیں) کہہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ پانیوالے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں(جنکی تمام تر جد و جہد ورلی زندگی کے سنوارنے ہی) میں کھوکررہ گئی ہے اور (بہ ایں ہمہ) وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیںجنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اسکی لقاء کا کفر کیا سو انکے اعمال حبط ہو گئے۔ اسلئے قیامت کے دن ہم انہیں کوئی وَقعَت نہیں دینگے۔

ان آیات میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ جن لوگوں کی تمام تر کوششیں دنیوی زندگی کے سنوارنے ہی کے لئے ہوتی ہیں اگرچہ وہ لاکھ سمجھیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں(کہ اس سے لوگوں کوفائدہ ہو گا) لیکن انکا یہ فعل خدا کی نظر میں ذرہ برابر بھی قابلِ قدر نہیں ہوتا کیونکہ ایسا کرکے یہ لوگ اپنے رب کی آیات کا اور اسکی لقاء کا کفر کرتے ہیں۔رب کے معنٰی درجہ بدرجہ ترقّی دینے والے کے ہیں۔پس اسمیں بتایا کہ انکا ربّ اپنی آیات تو اسلئے نازل کرتا ہے کہ انکے ذریعہ ترقّی دیتے دیتے لوگوں کو اپنی لقاء کے مقام تک (جس کی کوئی اِنتہا نہیں) پہنچا دے۔مگر جو لوگ اپنی تمام تر کوششیں حیاتُ الدُّنیا ہی کے سنوارنے اور اسی کی لذّات حاصل کرنے میں کھو دیتے ہیں وہ اپنے رب کی آیات اور اس کی لقاء کا انکار یا انکارنہیں تو ناقدری کرنیوالے ضرور ہوتے ہیں اسلئے انکی مساعی کا قیامت کے دن کوئی وزن نہیں ہو گا۔یاد رہے کہ لفظ کفر کے معنٰی انکار کرنے کے علاوہ ناقدری کے بھی ہوتے ہیں۔

ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِی وَرُسُلِیْ هُزُوًا (۱۰۷)

انکی یہ سزا یعنی جہنّم اسلئے ہو گی کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کوٹھٹھے کا نشانہ بنایا۔

اس میں بتایا کہ حیاتُ الدّنیا کوسنوارنے کی سعی اپنی ذات میں کوئی بری چیزنہیں نہ اس کی وجہ سے وہ لوگ سزا پائینگے۔ اس سعی میں انکا اسقدر انہاک کہ وہ آیاتُ اللہ کی اور اللہ کے

رسولوں کی (جواللہ کی راہ دکھانے اور عاقبت سنوارنے کے لئے اتاری جاتی اور اتارے جاتے ہیں) ناقدری کرنے والے اور بزبان قال یا حال انکا مذاق اڑانے والے ہونگے انکو جہنّم کی سزا کا مستحق بنا دیگا۔اسکے برعکس

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (۱۰۸) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (۱۰۹)

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجا لائے انکی مہمانی کے لئے فردوس کے باغات ہونگے۔وہ انمیں ہمیشہ رہینگے۔ان سے نکل کر کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔

عمل صالح وہ عمل ہوتا ہے جو نیک بھی ہو اور موقع اور محل کے مطابق بھی ہو۔ پس اسمیں بتایا کہ جو لوگ نبی وقت پر ایمان لا کر نیک اور مناسب حال عمل کرینگے یعنی جتنی کوشش دنیا کے لئے کرنی چاہیے اتنی دنیا کے لئے کرینگے اور جتنی آخرت کے لئے اور خدا کے قرب کے حصول کے لئے کرنی چاہیے اتنی انکے لئے کرینگے۔ انکے لئے فردوس کے باغات ہونگے۔

فردوس کے معنٰی ہیں وہ باغ جو کئی قسم کے نباتات اگاتا ہے۔نیز وہ باغ جس میں تمام وہ اشیاء ہوں جو باغات میں ہوسکتی ہیں (تفسیرِ کبیر بحوالہ اقرب)۔

چونکہ اصل اور دائمی زندگی آخرت کی زندگی ہے اور انسان کے لئے سب سے بڑا انعام قربِ الٰہی ہے اس لئے اعمالِ صالحہ بجا لانے والے وہی کہلا سکتے ہیں جو اپنے اعمال میں حصولِ قربِ الٰہی،اس میں ترقّی اور حیات الآخرہ کو سنوارنے پر سب سے زیادہ زور دیں پس پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ کسی اعتبار سے گھاٹے میں نہیں رہیں گے بلکہ انکو ہر نعمت ملے گی۔ اور دوسری آیت میں یہ بتایا کہ اگر دنیا میں انکو وہ نعمتیں جنہیں دنیا دار نعمتیں سمجھتے ہیں نہ بھی ملیں تو جو کچھ انہیں ملے گا یعنی قربِ الٰہی کا مقام وہ اس پر ایسے مطمئن ہونگے کہ اسے چھوڑ کر کچھ اور لینا چاہیں گے ہی نہیں۔کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دیوانہ کنی ہر دو جہانت بخشی

دیوانہ تو دو جہاں راچہ کند

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَو جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا(۱۱۰)

اوپر کی آیت میں یہ سمجھایا گیا تھا کہ لقاءِ الٰہی ایسی نعمت ہے کہ اسکے حصول کیلئے انسان کو سب سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔اور اسکے حصول کا طریق خدا تعالیٰ خود اپنی آیات کے ذریعہ بتاتا ہے۔ اسپر معترض کہہ سکتا تھا کہ جسطرح خدا تعالیٰ کی کوئی حدبُست نہیں اسکے قرب کی بھی کوئی حد نہیں پھر لامحدود ترقّیات کے لئے محدود آیات پر مشتمل قرآن کیسے کافی ہوسکتا ہے اور اگر کافی نہیں ہوسکتا تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہیں ہوگی۔ زیرِ نظر آیت میں خداتعالیٰ نے آنحضورﷺ کو بتایا کہ اسکا کیا جواب دیں۔فرمایا:

(اے رسول انہیں) کہہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات (کے لکھنے) کیلئے روشنائی بن جائے تو قبل اسکے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں سمندر ختم ہو جائیگا گو ہم ایسے ہی اور سمندر بطور مدد (کام میں) لے آئیں۔

چونکہ تمام مخلوقات خدا تعالیٰ کے کلمہ **کُنْ فَیَکُوْنُ** سے وجود میں آئی ہیں۔اسلئے ایک رنگ میں وہ سب **کَلِمَةُ اللّٰہِ** ہی ہیں اسی بنا پر مسیح کو **کَلِمَةُ اللّٰہِ** کہا گیا۔ اور جب خداتعالیٰ کے ان کلمات یعنی اسکی مخلوقات میں سے ہر ایک کے خواص و عجائبات لا محدود ہیں تو اسکے ان کلمات سے جو اسنے اپنے سب سے برگزیدہ اور پیارے رسولﷺ پر نازل کئے حقائق و معارف اور ہدایات کیونکر محدود ہو سکتے ہیں۔ پس مطلب اس آیت کا یہ ہوُا کہ قرآن میں جو مجموعہِ کلماتُ اللہ ہے ہر مقام کے ہر انسان کے لئے اور ہر درجہ قرب سے آگے ترقّی دینے کے لئے ہدایات موجود ہیں اسمیں موجودہ اور آئندہ کے تمام انسانوں کی جملہ روحانی ضروریات کو پورا کرنیکا سامان ہے۔**لَارَیْبَ فِیْهِ** (اس کتاب میں کوئی کمی نہیں) اسلئے اسکے بعد کسی اور الہامی کتاب کی ضرورت بھی نہیں ہوسکتی۔

پھر یہ بھی اس آیت میں بتایا گیا کہ اگرچہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب نہیں مگر خدا کے کلمات یعنی اسکے الہامات کا دروازہ لا محدود ہے۔ اگر کسی زمانہ کے لوگ خود قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کرسکیں گے تو خدا تعالیٰ حسبِ ضرورت زمانہ اپنے الہام سے ایسے لوگ کھڑے کرتا رہیگا

جو اس سے ہدایت پا کر قرآن کریم سے ضروری مضامین اخذ کریں گے اور لوگوں کو وہ مضامین سمجھائینگے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں دنیا میں غالب اقوام کی تمام تر توجہ حیاۃُ الدُّنیا بہتر بنانے میں صرف ہو رہی ہوگی انکے ماتحت اقوام کا بھی یہی حال ہوگا اور اس زمانہ میں مسلمان جو ان اقوام کے ماتحت یا انکے زیرِاثر ہونگے قرآن سے دور جاپڑینگے اور جیسا کہ خدا نے سورۃ الفُرقان ۲۵:۳۱ میں فرمایا) اسے چھوڑ بیٹھیں گے اسلئے اس زمانہ میں سب سے بڑے **مُلْهَم مِنَ اللّٰہ** یعنی نبی اللہ کی ضرورت ہو گی اور اس نبی اللہ کی ضرورت ہوگی جو خصوصیت کے ساتھ ان دنیا پر غالب اقوام یعنی مسیحیوں کے غلط خیالات اور عقائد کا رد کرنے والا ہو۔ یعنی مسیح ہو۔ پس یہ آیت اس زمانہ میں مسیح موعودؑ کے آنے کی نہایت وضاحت کے ساتھ خبر دے رہی ہے۔ چنانچہ اسمیں آیت اللہ کے لکھنے کیلئے سمندروں کے سیاہی بنائے جانے کا ذکر بتاتا ہے کہ اسکا تعلق اس زمانہ سے ہے جسمیں کثرت سے لکھنے کا رواج ہوگا اور یہ زمانہ مسیح موعودؑ ہی کا زمانہ ہے جنہیں سلطان القلم قرار دیا گیا۔ لیکن تحریر کا رواج چونکہ آپؑ کے ظہور سے کچھ پہلے سے شروع ہو جانا تھا اور اس آیت کے اطلاق کے بارہ میں کہ کس زمانہ سے ہے غلط فہمی ہوسکتی تھی سورۃ لُقمان کی آیت ۲۸ کے برعکس اسمیں اقلام کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے تا اشارہ ہو کہ اسکا تعلق اس زمانہ سے ہے جس میں بغیر قلموں کے بھی تحریر ہوگی۔ اور وہ زمانہ یہی زمانہ ہے جو مسیح موعودؑ کے مشن کی اشاعت کا زمانہ ہے۔ پھر یہ بھی اس میں بتایا کہ جب تمام مخلوقات کلمۃ اللہ ہیں اور قرآن بھی مجموعہ کلمات اللہ ہے تو عقلمند کا یہ کام نہیں کہ اُن کلمات کے خواص اور عجائبات معلوم کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دے جن کا تعلق صرف اس چند روزہ زندگی سے ہے بلکہ اسے چاہیے کہ قرآن کریم میں غوروفکر کی طرف زیادہ توجہ دے۔ جس سے اسے خدا کا قرب اور پھر قرب میں لاانتہا ترقّیات حاصل ہوسکیں گی۔ اور اسکی **حیاۃ الآخِرۃ** جو دائمی ہے سنور سکے گی۔

چونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو روحانی ترقیّات سے مایوس ہونے کی وجہ سے بزبان قال یا حال کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی ولی بننا ہے جو دنیا کا نقصان کرکے دین کی طرف متوجہ ہوں اور مسیح موعودؑ کے وقت ایسے لوگ بہت ہونے تھے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

وَّ لَایُشۡرِکۡ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا (۱۱۱)

اے رسول ایسے لوگوں سے کہہ یقیناً میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں اگر میں قرب الٰہی کے بلند ترین مقامات حاصل کر سکتا ہوں تو تم کوئی مقام کیوں حاصل نہیں کر سکتے۔مثلکم فرمایا ہے تمہارے برابر نہیں فرمایا اسلئے مطلب یہ ہے کہ حسب اپنی استعداد اور سعی اسکا قرب تم بھی حاصل کر سکتے ہو۔یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود معبود واحد ہے۔ اسمیں یہ نہیں فرمایا کہ میرا اللہ یا سب کا اللہ ، **اللہ واحد** ہے بلکہ **اِلٰـهُكُمۡ** تمہارا **اللہ** فرمایا ہے حالانکہ جب **اللہ** **اللہ واحد** ہے تو سب کا وہی اللہ ہے۔ **الٰهکم** فرما کر بتایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہر انسان ایسا نہیں ہوتا کہ بلا واسطہ خدا سے ہدایت پاسکے اور اسپر عمل کر کے اس تک پہنچ سکے سو اسی لئے اسنے مجھے مامور کیا ہے اور میری طرف وحی کی ہے کہ تمہیں بتادوں کہ تمہارا **اللہ واحد** ہے۔ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا۔ سو جو اپنے رَبّ کے دیدار کا طالب ہے اور(جواب دہی کیلئے)اسکے حضور حاضر ہونے سے ڈرتا بھی ہے (لفظ **رجاء** میں امید وخوف دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے)اسے چاہیے کہ اعمال صالحہ بجالائے۔ عمل صالح وہ عمل ہوتا ہے جو نیک ہونے کے علاوہ موقع اور محل کے مطابق بھی ہو۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کے آنے پر اسے مان لینے اور اسکی اتباع سے زیادہ کوئی برمحل عمل نہیں ہوتا۔ پس جس نبی کے آنے کی اوپر پیشگوئی کی گئی اس آیت میں اسے یعنی مہدیِ مسعود المسیح الموعودؑ کو ماننے کی تلقین فرمائی گئی۔

وَلَایُشۡرِکۡ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا: اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔عمل صالح تو ہوتا ہی وہ عمل ہے جس میں کسی نوع کا کوئی فساد نہ ہو پھر عمل صالح بجا لانے کے حکم کے بعد حکم زیر نظر لانے کی کیا ضرورت تھی؟ سو جاننا چاہئے کہ یہ حکم اسی لئے دیا گیا کہ عمل صالح بجا لانے کے حکم میں اس جگہ نبی وقت کو ماننے کا اشارہ پہلے نمبر پر تھا اور بعض لوگ اپنے نبی ہی کو محل شرک بنا لیا کرتے ہیں جیسا کہ مسیحیوں نے بنا لیا۔ چونکہ اس نبی نے بھی کہ جس کے آنے کی اس سورۃ میں پیشگوئی ہے علاوہ مہدی اور ذوالقرنین ہونے کے مسیح موعود بھی ہونا تھا اور مسیح ناصری سے بلندتر مقام پانا تھا اور اس بات کا زیادہ خطرہ تھا کہ لوگ اسے معبود نہ بنا لیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بطور پیش بندی یہ حکم فرما دیا۔

سورۃ مریم میں حضرت مہدیؑ اور انکے پسرِ موعودؓ کا ذکر

سورۃ الکہف کے بعد سورۃ مریم آتی ہے اسکے شروع میں ہے:-

کٓهٰیٰعٓصٓ

اے ہر چیز کا علم رکھنے والے صادق الوعد خدا تو کافی ہے تو ہادی ہے۔

آنحضرتﷺ نے ک ہ ع ص سے علی الترتیب کافی ہادی علیم اور صادق مراد لیا ہے۔ 'ی' کے معنیٰ حضورؐ نے نہیں کئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اسے حرف نداء جانا ہے۔

خدا تعالیٰ ہادی تو ہے مگر اسکی سنّت اسی طرح پر واقع ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور یہاں اس کے کافی ہونے کو ہادی ہونے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اوّل نمبر پر اس سے ہدایت میں کافی ہونا مراد ہے۔

===============

کٓهٰیٰعٓصٓ میں ایک مہدی کے آنے کی پیش گوئی

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ کسی سورۃ کے شروع میں آنیوالے حروف مقطعات اس سورۃ کے مضامین کے لیے بطور خلاصہ کے ہوتے ہیں۔ پس سورۃ مریم کے شروع میں یہ مقطعات لاکر اور انکے درمیان حرف نداء رکھ کر خدا تعالیٰ نے بطور پیشگوئی بتایا کہ اُمّت محمدیہ پر ایک وقت آئیگا کہ اسے پھر کسی ہادی کی ضرورت پیش آئیگی ۔ اس وقت اُمّت کا درد رکھنے والے خدا تعالیٰ کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو جو **بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ** ہے پہلے سے جانتا تھا کہ ہم پر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے کہ ہمیں پھر ایک ہادی کی ضرورت پیش آئیگی اور اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے تونے اپنے پاک کلام میں ہمیں وعدہ دیا تھا کہ وہ وقت آنے پر تو ازراہ کرم کسی شخص کو اپنی طرف سے ہدایت دیکر یعنی مہدی بنا کر بھیجے گا اور وہ شخص اس مقام کا شخص ہوگا کہ تیرے فضل سے ہمارے لئے کافی ہو جائے گا۔ یعنی اپنے وقت کے دوسرے تمام رہنماؤں سے

ہمیں مستغنی بنا دے گا۔ پس تو جو صادق الوعد ہے اپنا وعدہ پورا فرما اور مہدی موعودؑ کو بھیج دے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ''ک'' سے جہاں کافی مراد ہے وہاں کریم بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہاں اسکا کافی ہونا بھی بہ ایں معنٰی ہی ہے کہ وہ اپنے کرم سے اپنے بندوں کی ضروریات کے لیے کفایت کرتا ہے۔ اور جب خدا کوئی دعا سکھائے تو ضرور ہے کہ وہ پوری بھی ہو پس اس میں ایک مہدی کے آنے کی پیش گوئی بھی تھی۔

یہاں تک یہ نوٹ لکھنے کے بعد یہ روایت میری نظر سے گزری ہے کہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپؓ یہ دعا کیا کرتے تھے **کٓھٰیٰعٓصٓ اِغۡفِرۡلِی** پس اگرچہ مجھے تسلی پہلے بھی تھی مگر اس سے مزید تسلی ہوگئی کہ ان حروف میں واقعی اُمّت محمدیہ کو آڑے وقت کے لئے ایک دعا سکھائی گئی ہے یعنی ایک مفہوم ان کا وہ بھی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

بہرصورت **کٓھٰیٰعٓصٓ** میں جو کچھ اجمالاً بیان کیا گیا اگلی آیات میں اسکی تفصیل ہے فرمایا:۔

ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا (۳)

یہ تیرے رب کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی

خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ زکریاؑ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اس پر کی بلکہ یہ فرمایا ہے کے اے محمد ﷺ یہ تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے زکریاؑ پر کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت زکریاؑ کے واقعہ کے بیان سے مقصود آنحضرتؐ یا آپکی اُمّت کے بارہ میں پیش گوئی کرنا ہے۔لہٰذا۔ جو کچھ آگے بیان ہوا وہ اس پیشگوئی کی تفصیل ہے۔فرمایا:

اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (۴)

اس وقت کو یاد کر جب اس نے اپنے رب کو چلاّ کر پکارا

لفظ **خَفِيًّا** اضداد میں سے ہے یعنی نداءً **خَفِيًّا** کے معنے دھیمی آواز میں پکارنے کے بھی ہیں ۔ اور چلاّ کر پکارنے کے بھی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت زکریاؑ نے خدا تعالیٰ کو چلاّ کر پکارا ہو مگر ایسے طور پر کہ لوگوں سے ان کی نداء مخفی رہے یا کسی وقت مخفی طور پر پُکارا ہو اور کسی وقت زور سے آواز نکل گئی ہو۔ اصل میں تو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہ الفاظ کیوں لائے گئے۔ سو جاننا چاہیے کہ یہاں چونکہ اُمّت محمدیہ کے بارہ میں پیشگوئی کرنا مقصود ہے اور اُمّت میں سے

بعض لوگوں نے شدّت کرب سے چلاّ کر خدا تعالیٰ کو پکارنا تھا اور بعض نے (اس لیے کہ اغیار کو ناحق خوش ہونے کا موقع نہ ملے اور وہ کوئی غلط تاثر نہ لیں) مخفی طور پر اس کو پکارنا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ایسے الفاظ رکھے جو دونوں مفہوم دے سکیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّی وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّی وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (۵) وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِ یْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِراً فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا (٦) يَّرِثُنِیْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (۷)

(زکریا نے) کہا اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اُٹھا ہے لیکن اے میرے رب (یہ بھی حقیقت ہے کہ) میں تجھے پکار کر کبھی نا مراد نہیں رہا اور میں اپنے بعد کوئی ولی نہ ہونے سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے لہٰذا تو مجھے اپنی جناب سے کوئی ولی عطا کر جو میرا بھی وارث ہواور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور اے میرے رب اسے اپنا پسندیدہ (وجود) بنانا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (۸) قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِراً وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۹) قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (۱۰)

''اے زکریاؑ! ہم تجھے ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا۔ہم نے اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب !میرے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔اللہ نے کہا اسی طرح ہوگا

تیرا رب کہتا ہے کہ یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ اور میں نے تجھے بھی تو پیدا
کیا تھا جبکہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔"

جیسا کہ آیت ۵ سے ظاہر ہے زکریاؑ نے اپنے بڑھاپے اور اپنی زوجہ کے بانجھ ہونے کا ذکر تو پہلے ہی کر دیا تھا اور وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا کے الفاظ میں یہ اظہار بھی کر دیا تھا کہ (کام مشکل ہو یا آسان) اے میرے رب میری عمر بھر کا تجربہ یہ ہے کہ جب بھی میں نے تجھے پکارا تو نے میرے دامن مراد کو بھر دیا ہے۔ یعنی اس حالت میں بھی اسکے اولاد دینے پر قادر ہونے کا اظہار کر دیا تھا لیکن اسکے باوجود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اسنے انکی مذکورہ دعا کے جواب میں انہیں بیٹے کی بشارت دی تو انہوں نے اسپر تعجب کا اظہار کیا اور کہا میرے ہاں بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صُلبی بیٹے کے لئے دعا نہیں مانگی تھی بلکہ اس خیال سے کہ اصل مقصود تو یہ ہے کہ انکے بعد انکا مشن جاری رہے۔ صرف وارث کی دعا مانگی تھی۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے غلام کا لفظ جس کے معنٰی بیٹے کے ہوتے ہیں استعمال نہیں کیا بلکہ ولی کا لفظ استعمال کیا (جس کے معنٰی بلا فصل کسی کے پیچھے آنے والے کے اور دین یا اعتقاد یا دوستی وغیرہ میں قرب رکھنے والے کے ہوتے ہیں) اسپر سوال ہوسکتا ہے کہ دوسری جگہ انکی یہ دعا مذکور ہے رَبِّ هَبْ لِی مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً۔ پھر یہ بات کیونکر درست ہوسکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذرّیت کے معنے آل کے ہوتے ہیں اور آل سے ہمیشہ جسمانی نسل مراد نہیں ہوتی بعض دفعہ اس سے روحانی نسل مراد ہوتی ہے جیسا کہ آنخضورؐ کے ارشاد کُلُّ تَقِیٍّ آلُ مُحَمَّدٍ سے ثابت ہے۔ دراصل آیت نمبر ۶ کے الفاظ اِنِّی خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِ یْ کے دو معنٰی ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۱ "یہ کہ میں اپنی موجودہ اولاد یا موجودہ متبعین سے جو میرے وارث بننے والے ہیں ڈرتا ہوں (کہ یہ میرا مشن جاری نہیں رکھ سکیں گے)"۔اور

نمبر ۲ یہ کہ میں اپنے بعد وارث کے نہ ہونے سے ڈرتا ہوں۔

نبی کا ورثہ چونکہ روحانی ہوتا ہے دونوں صورتوں میں ان کی مراد یہی تھی کہ مجھے اپنے بعد اپنا مشن جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا اس لئے ان کی دعا رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً بھی اسی معنٰی میں ہوسکتی تھی کہ اے میرے رب پاک لوگوں کو میری ذرّیت بنادے تا کہ وہ میرے مشن کو جاری رکھ سکیں۔ پس یہ دعا روحانی اولاد کیلئے تھی نہ کہ جسمانی اولاد کیلئے جبھی انہوں نے اسکے بعد صرف یَرِثُنِي نہیں کہا بلکہ یَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ کہا۔ جسمانی اولاد مراد ہوتی تو ان الفاظ کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب وہ خود آل یعقوب میں سے تھے تو جسمانی لحاظ سے انکی اولاد نے بھی لازماً آل یعقوب میں سے ہونا تھا۔ اسکے بعد جاننا چاہیے کہ خود حضرت نبی کریم ﷺ پر تو حضرت زکریا والا كِبَرِ عِتِيًّا کا زمانہ آنیوالا ہی نہیں تھا اسلئے ان آیات میں جو پیشگوئی ہے وہ حضورؐ کی اپنی ذات کے بارہ میں نہیں حضورؐ کی اُمّت کے بارہ ہی میں ہوسکتی تھی۔ پس اسمیں خداتعالیٰ نے بتایا کہ ایک زمانہ آئیگا کہ اُمّت محمدیہ میں کمزوری واقع ہو جائیگی۔ ابتداءً وہ کمزوری نظر نہیں آئیگی (یعنی اسکی ایسی کیفیت ہوگی جیسے انسان اندر سے کھوکھلا ہوجائے اور اسکی ہڈیاں کمزور پڑجائیں مگر بظاہر وہ ٹھیک ٹھاک ہو) مگر پھر یہ کمزوری اتنی بڑھ جائے گی کہ جیسے انسان کا سر سفیدی سے بھڑک اٹھے تو اسکا بڑھاپا چھپائے سے نہیں چھپتا اسی طرح وہ کمزوری بھی ظاہر وباہر ہو جائے گی۔ اسوقت افراد اُمّت میں سے اُمّت کا درد رکھنے والوں کو یہ خوف پیدا ہوگا کہ کوئی وارث رسولؐ جو آپؐ کے مشن کو جاری رکھ سکے باقی نہیں رہا اور نہ انکے اپنے مردوں اور عورتوں میں یہ صلاحیت رہ گئی ہے کہ انکے اندر سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوسکے اسلئے وہ خداتعالیٰ سے دعا مانگیں گے کہ باہر سے کسی شخص کو بھیجے جو آکر اس منصب کو سنبھال سکے۔ اور جیسا کہ يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ کے الفاظ سے اشارہ ہوتا ہے وہ یہ دعا مبہم طور پر نہیں مانگیں گے۔ بلکہ مُعیّن طور پر آلِ یعقوب کے ایک شخص یعنی مسیح ابن مریم کیلئے مانگیں گے۔ تنزّل کے وقت لوگوں کا ہمیشہ یہی حال ہؤا کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر سے کسی مصلح کے مبعوث ہونے سے مایوس ہو جاتے ہیں جیسا کہ سورۃ یونس کی آیت اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ سے صاف طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

بہرصورت اسمیں بتایا کہ اگرچہ اسوقت افراد اُمّت اپنے اندر سے کسی وارث رسولؐ کے پیدا ہونے سے مایوس ہو چکے ہونگے اور یہ دعائیں مانگ رہے ہونگے کہ خداتعالیٰ باہر سے ایک شخص (مسیح ابن مریم) کو بھیج دے مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انہی میں سے ایک شخص کے مبعوث کئے جانے کی خوشخبری ہو گی جس کی طرف متوجہ کئے جانے پر وہ اظہار تعجب

کرینگے اور کہیں گے کہ ان میں کوئی ایسا شخص کس طرح پیدا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ قرآنی الفاظ **وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلاً اِذَاقَوۡمُکَ مِنۡهُ یَصِدُّوۡنَ** (۵۸:۴۳) میں بھی اسکی طرف اشارہ ہے ۔ اسوقت خدا تعالیٰ بزبان حال یا قال فرمائے گا کہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ہمنے کہاہے یہ کام ہم پر آسان ہے آخر ہم نے تم کو یعنی اُمّت محمدیہ کو (جس میں لاکھوں ولی اللہ ہوئے ہیں) بھی تو اسوقت پیدا کیا تھا جب اس کا نام ونشان نہیں تھا تو پھر ایک شخص کا (خواہ وہ پہلے سب بزرگان اُمّت سے بزرگ تر ہو)پیدا کرنا ہم پر کیسے مشکل ہوسکتا ہے ۔

اس موقع پر سوال ہوسکتا ہے کہ اُمّت محمدیہ کی دعا نزول مسیح کے لئے بیشک ہونی تھی اور ہوئی مگر یہاں تو ایک یحییٰ کی پیشگوئی ہو رہی ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل خداتعالیٰ پابند نہیں کہ انسان جو اس سے مانگے وہ بعینہٖ وہی اسکو دے۔چنانچہ جب والدہ مریمؑ نے بیٹے کیلئے دعا مانگی تو خدا تعالیٰ نے انہیں بیٹے کی بجائے بیٹی دی اور اسکی وجہ یہ بیان کی کہ **لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی** ۔ دوسرے اصل غرض تو اس دعا سے انکی یہ ہونی تھی کہ باہر سے کوئی نبی آئے اور یہ غرض یحییٰ نام کے نبی کے آنے سے بھی اسی طرح پوری ہوسکتی تھی جیسے مسیح نام کے نبی کے آنے سے۔ اور تیسرے ان آیات کی پیشگوئی کے مصداق نے جس طرح یحییٰ کانام پانا تھا اسی طرح مریم اور پھر مسیح ابن مریم کا نام بھی پانا تھا فلا اعتراض۔

===============

مہدیٔ موعودؑ کا نام یحییٰ کیوں رکھا گیا

آیت **فَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ** کے مطابق نفع رسان وجودوں کو دنیا میں باقی رکھاّ جاتا ہے۔مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ ان پر فنا نہیں آتی بلکہ اسطرح کہ انکی ذریّت یا انکے کام باقی رکھے جاتے ہیں یا انکا نام عزّت کے ساتھ باقی رکھا جاتا ہے۔ پس مہدی موعود علیہ السلام کا ایک نام یحییٰ رکھ کر یہ بتایا کہ اسکی ذریّت اور اسکے کام اور اسکا نام عزّت کے ساتھ باقی رکھے جائینگے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو مخاطب کرکے خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

’’ تیری ذریّت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہیگی ۔ خدا

تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزّت کے ساتھ قائم
رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا۔ میں تجھے اُٹھاؤنگا
اور اپنی طرف بلالوں گا پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھیگا۔"

(اشتہار ۳۰ فروری ۱۸۸۶)

چنانچہ اس وقت تک کہ آپؑ کے دعویٰ کو صرف سو سال کے قریب زمانہ گزرا ہے آپؑ کی ذریت کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔آپؑ کا نام دنیا کے کناروں تک شہرت پا چکا ہے بلکہ ۱۶۹ سے اوپر ممالک میں آپ کے متبعین کی جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔اور آپؑ کے کاموں میں بھی جو بنیادی طور پر ازالہ تثلیث اور قیام توحید اور مسلمانوں کی اصلاح کے کام تھے ایسی برکت پڑی ہے کہ تثلیث کے پجاری آپؑ کے غلاموں کے مقابل پر ہر میدان میں پسپا ہو رہے ہیں۔تثلیث کی جگہ توحید لے رہی ہے اور لاکھوں لاکھ مسلمان آپؑ کے دامن سے وابستگی اختیار کرکے زمینی سے آسمانی بن چکے ہیں اور بن رہے ہیں۔

===============

مہدی موعودؑ تمام افراد اُمّت سے افضل ہو گا

حضرت زکریا کی دعا کا آخری جملہ **وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا** بھی قابل غور ہے۔ جو شخص اتنے نبیوں کا روحانی وارث ہو جن کا ذکر ہؤا یہ تو نہیں ہوسکتا وہ **رَضِيًّا** یعنی خدا تعالیٰ کا پسندیدہ نہ ہو لہٰذا انہوں نے جو یہ الفاظ اپنی دعا میں بڑھائے تو اس سے مطلب یہ تھا کہ وہ تیرا ایسا پسندیدہ ہو کہ اس کے مقابل پر کوئی دوسرا گویا پسندیدہ ہی نہ ہو ۔یعنی وہ میرے وارثوں میں سے سب سے زیادہ تیرا مقرّب ہو۔ پس یہاں یہ بات نقل کرکے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اُمّت محمدیہ میں آنیوالا موعود اس مقام کا شخص ہو گا کہ کوئی دوسرا اُمّتی اس کے برابر نہیں ہو گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ایک طرف یہ فرمایا کہ ابو بکرؓ اُمّت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو جائے اور دوسری طرف موعود ابن مریم یعنی حضرت مہدی موعودؑ کو نبی اللہ قرار دیا (چنانچہ مسلم کی حدیث باب الفتن میں آپؑ کے لئے چار بار یہ لفظ آیا ہے) آیت **كَذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ**...الخ کے بعد ہے:-

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (۱۱)

''زکریاؑ نے کہا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشان مقرر فرما۔(اللہ نے) کہا تیرا نشان یہ ہے کہ تو لگاتار تین راتیں کسی انسان سے بات نہیں کریگا۔''

اگرچہ نبی کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں شک نہیں ہوسکتا لیکن انہوں نے اطمینان قلب کے لئے خدا تعالیٰ سے کوئی نشان مانگا یعنی یہ چاہا کہ وہ کوئی ایسی ظاہری صورت پیدا کردے جس سے ان کو تسلی ہو جائے کہ واقعی انکے ہاں اولاد ہوگی ۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے **آیَۃٌ لَکَ** نہیں فرمایا بلکہ **اٰیَتُکَ** فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ تیرا مطلوبہ نشان اس حکم کی اتباع میں ہے کہ تو لگاتار تین راتیں کسی انسان سے کلام نہیں کرے گا۔ باوجودیکہ تو صحیح سالم ہو گا ۔ یعنی تجھ میں قوّتِ کلام تو ہوگی مگر تو نے کلام کرنا نہیں ہوگا۔

اَطِبّاء جانتے ہیں کہ خاموشی سے ذکر الٰہی کرنے سے مردوں کی خاص قوّت کی اصلاح ہو جاتی ہے پس جہاں تک حضرت زکریاؑ کا تعلق ہے اس میں انکو یہ بتا یا گیا کہ تین راتیں (اور اگرسورۃ آلِ عمران والا حکم بھی ملا لیا جائے تو تین دن رات) خاموشی سے ذکر الٰہی کرے گا۔ تو تیرے قوٰی میں طاقت عود کر آئے گی اور تو محسوس کرنے لگے گا کہ تو اولاد پیدا کرسکتا ہے ۔ اور چونکہ خدا کا کوئی فعل بلا حکمت نہیں ہوتا ۔ تجھے یہ طاقت دیا جانا اس بات کی بھی علامت ہوگی کہ تیرے لئے خدا تعالیٰ تیری زوجہ کی بھی اصلاح کردے گا یعنی اس کا بانجھ پن بھی دور کردے گا۔ لیکن اگر اُمّت محمدیہ پر اس کا اطلاق ہوتو مراد یہ ہوگی کہ موعودؑ یحیٰ کے آنے سے پہلے تین راتیں یعنی تین صدیاں ایسی آئیں گی کہ افرادِ اُمّت کو''النّاس'' یعنی دشمنوں سے بحث مباحثہ کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کرنا پڑے گی اور وہ وقت انکے لئے خصوصیت سے دعاؤں کا وقت ہو گا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوۡمِہٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤی اِلَیۡہِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُکۡرَۃً وَّ عَشِیًّا(۱۲)

سو(بیٹے کی بشارت پا کر) زکریا محراب سے (یا حالت نماز سے) باہر

نکلا اور اسنے اپنی قوم سے اشارةً کہا (تم بھی) صبح وشام تسبیح کرو۔

===============

بزرگانِ اُمّت مہدی موعودؑ کی بشارتیں پائیں گے اور اس کیلئے دعائیں کرینگے اور کروائیں گے

سورۃ ال عمران سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم کے منہ سے یہ سن کر کہ یہ رزق جو انہیں ملتا تھا خدا کی طرف سے آتا ہے حضرت زکریاؑ کے دل میں دعا کے لئے جوش پیدا ہوُا (چنانچہ وہ فوراًنماز کے لئے کھڑے ہوگئے) اور انہوں نے ذریّتِ طیبہ کے ملنے کی دعا مانگی۔(جس سے مراد انکی جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے یہ تھی کہ پاک دل متبعین جو انکے مشن کو جاری رکھ سکیں ان کومل جائیں) ۔ اور یہ دعا چونکہ ایک قومی انعام کے لئے تھی اسلئے انہوں نے مذکورہ بالا بشارت اور اسکے ساتھ تسبیح کرنے کا حکم پاکرقوم کو اسمیں شامل کرنا پسند کیا۔ اور اس سارے قصہّ کے بیان سے چونکہ مقصد اُمّت محمدیہ کے بارہ میں پیشگوئی کرنا ہے اسلئے اس سے یہ اشارہ نکلا کہ اُمّت محمدیہ کا درد رکھنے والے افراد اُمّت بھی خدا سے نبیِٔ موعود کی بشارتیں پائیں گے اور وہ بشارتیں قوم کو سنا کر دعاؤں اور تسبیح کی طرف متوجہ کریں گے اور انھیں سمجھائیں گے کہ اسلام اور اُمّت مسلمہ کی موجودہ نازک حالت خدا تعالیٰ کی ذات میں کسی کمزوری یا نقص کی وجہ سے نہیں ہے اُمّتؐ کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے

چنانچہ مہدی موعود کی بشارتیں بیشمار بزرگانِ اُمّت کو دی گئیں جن میں حضرت امام باقرؒ حضرت محی الدین ابن ابن عربیؒ اور حضرت نعمت اللہؒ ولی شامل ہیں۔ مؤخر الذّکر کو آپؑ کا نام بھی بتایا گیا کہ احمد ہوگا اور یہ بھی بتایا گیا کہ آپؑ کے بعد آپؑ کا بیٹا جانشین ہوگا۔ اسکا اظہار آپ نے اپنے ان اشعار میں کیا ؎

نام آں نامدار مے بینم	اح م د مے خوانم
پسرش یادگار مے بینم	دورِ اُو چوں شود تمام بکام

مندرجہ بالا آیات کے بعد ہے:-

یٰـیَحۡیٰی خُذِالۡکِتَابَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰ تَیۡـنٰـهُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا(۱۳)

وَّحَنَاناً مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا (۱۴)

(اس کے بعد یحیٰ پیدا ہوکر جوان ہوُا اور ہم نے اسے کہا) اے یحیٰ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑاور ہم نے اسے بچپن ہی سے علم و حکمت اور اپنی جانب سے رحم دلی اور پاکبازی عطا کی اور وہ شروع ہی سے تقوٰی شعار تھا۔

===============

مہدی موعود کو تمسک بالقرآن کا حکم ہوگا۔ وہ اس وقت آئیگا جب مسلمان قرآن کو عملاً چھوڑ چکے ہوں گے اور اسے بچپن ہی سے علم وحکمت عطا ہوگی

اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ موعود یحیٰ (یعنی حضرت مہدیؑ) کو حکم ہوگا کہ الکتاب (یعنی قرآن) کو مضبوطی سے پکڑیں۔ مضبوطی سے پکڑنے کا حکم بتاتا ہے کہ اسوقت ایک طرف قرآن پر طرح طرح کے اعتراض ہو رہے ہونگے اور دوسری طرف مسلمان کہلانیوالوں کے ایمانوں میں کمزوری آرہی ہوگی بلکہ ان میں سے بہت سے ارشاد ربّانی **يَا رَبِّ اِنَّ قَوۡمِي اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡآنَ مَهۡجُوۡرًا** (الفرقان۲۵:۳۱) کے مطابق قرآن کو چھوڑ چکے ہوں گے اور عملاً اسکی تعلیمات کو خطرناک اور نقصان دہ خیال کیا جارہا ہوگا مگر قرآن اس قابل ہوگا کہ اسے مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور قرآنی حربہ ہی سب حربوں پر غالب آئیگا۔ اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت مہدی موعودکو الہام ہوُا ''**يا يَحيٰ خُذِا الۡكِتَابَ بِقُوَّةٍ** ''اس سے آگے یہ الفاظ بھی ہیں **خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى** اسکو پکڑ لے اور ڈر نہیں ہم اسے اسکی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے بعینہٖ یہی الفاظ سورۃ طٰہٰ میں عصاء موسیٰؑ کے بارہ میں آئے ہیں فرمایا

وَمَاتِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيۡ وَلِيَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى فَاَلۡقٰهَا فَاِذَاهِيَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ وقف

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (۱۸ تا ۲۱)

اے موسی تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟اس نے کہا یہ میرا عصا ہے میں
اس پر سہا را لیتا ھوں اور اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتّے جھاڑ تا ہوں
اورمیرے لئے اس میں‌اور بھی فوائد ہیں خدانے کہا اے موسیٰ اسے نیچے
پھینک سو اس نے اسے نیچے پھینکا تو معاً وہ ایک دوڑتا ہؤا سانپ لگنے لگا
اللہ نے کہا اسے پکڑلے ہم اسے اس کی پہلی حالت کی طرف لو ٹا دینگے۔

گو یا جو بات وہاں عصاء موسیٰؑ کے متعلق کہی گئی وہی حضرت مہدی موعودؑ کے الہام میں الکتاب یعنی قرآن مجید کے بارہ میں کہی گئی یعنی اسے عصا قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے خود بھی صاف لکھا ہے کہ ''قرآن شریف خدا تعالیٰ کا عصا ہے'' (چشمہ مسیحی)۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو جو نظّارہ دکھایا گیا اس میں بھی عصاء موسےٰؑ سے مراد تو رات تھی اور وہ نظارہ دکھا کر بتایا گیا تھا کہ جب قوم موسٰی تو رات کو پرے پھینک دے گی تو وہی کتاب جو ان کے لئے ہدایت اور سامان نجات تھی ان کے خلاف گواہ بن کر سانپ کی طرح ان کے لئے مہلک ہو جائیگی ۔ یعنی ان کے حق میں اس کے تبشیری پہلوؤں کی بجائے انذاری پہلو ظاہر ہو نے لگیں گے۔ لیکن اگر حضرت موسٰیؑ یعنی ان کا نائب جو اس وقت مو جود ہو گا خدا سے حکم پا کر اس کتاب کو دوبارہ پکڑ لیگا اور اس کے زیر اثر اس کی قوم کے لوگ بھی دوبارہ اسے ہاتھ میں لے لینگے اور اس پر عمل شروع کر دیں گے تو یہ کتاب پھر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرآئیگی یعنی پھر اس سے وہی برکات ان کو حاصل ہونے لگ جائیں گی جو پہلے حاصل ہوتی تھیں۔ اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موعود یحییٰ (حضرت مہدی موعود علیہ السلام) مثیل موسٰیؑ بھی ہو ں گے یعنی حضرت موسٰیؑ کا جو قصہ سورۃ طٰہٰ میں بیان ہؤا ہے وہ بطور پیشگوئی ہے جو مہدی موعودؑ کے وقت میں دہرایا جائیگا یعنی ان کے وقت میں انکی قوم کے لوگ یعنی مسلمان (آیت **یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا** کے مطابق) قرآن پر عمل ترک کر چکے ہوں گے اور خدا تعالیٰ اس موسٰی کو حکم دیگا کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑلے ۔ تو اسے مضبوطی سے پکڑ لیگا تو ہم اسے اسکی پہلی حالت کی طرف لوٹا دینگے یعنی اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ پھر اس سے وہی برکات حاصل ہونے لگیں گی جو پہلے حاصل ہو تی تھیں یعنی اس پر عمل پیرا ہو کر

مسلمان پھر سے مسلمان بن جائیں گے اور پہلے جیسی ترقیّات حاصل کرنے لگیں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ موعود یحیٰی یعنی مہدی موعودؑ کا ایک نام موسیٰؑ بھی ہو گا۔ چنانچہ دوسرا قصہ جو حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآن میں آتا ہے کہ جب وہ دریا کے پاس پہنچے اور فرعون کا لشکر ان کے قریب آپہنچا تو ان کی قوم نے انہیں کہا اے **مُوسٰی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ** (الشُّعَرَآء۶۲:۲۶) یقیناً ہم پکڑے گئے جس پر حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا۔

کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (۶۳)

ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میرے لئے کوئی راہ نکال دیگا۔

اسی کے مطابق حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا ایک کشف ہے آپ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور میں اپنے آپ کو موسیٰؑ سمجھتا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں نظر اٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوُا کہ فرعون ایک لشکر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اس کے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے گاڑیوں اور رتھوں کے ہے اور وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بد دل ہو گئے ہیں اور بلند آواز میں چلاّتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے تو میں نے بلند آواز سے کہا **کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ**۔ بعینہٖ یہی صورت آپؑ کے خلیفہ رابع ایدہ اللہ کو ربوہ میں جو دریا کے کنارہ پر واقع ہے پیش آئی آپ کو پکڑنے کیلئے فرعون وقت (ضیاء) نے حضرت مسیح موعودؑ کے الہام **ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی فَلْیَدْعُ رَبَّہٗ** کے مطابق حکم جاری کر دیا تھا اور ایک وقت ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ آپ کے ساتھیوں نے سمجھا کہ اب ہم پکڑے جائیں گے مگر آپ خدا کے فضل سے بخیریت سمندر پار کر کے انگلستان پہنچ گئے اور اس طرح اپنے امام و مرشد حضرت مہدی موعودؑ کے موسیٰ ہونے پر ایک شہادت قائم کر گئے۔

حضرت موسیٰؑ سے مہدی موعودؑ کو یہ مماثلت بھی حاصل ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم گائے پرست تھی اسی طرح آپؑ جس ملک میں مبعوث ہوئے اس کی آبادی کی اکثریت یعنی ہندو قوم بھی گائے پرست تھی اور ہوا و ہوس کے بچھڑوں کی پوجا تو آپؑ کے وقت کے مسلمان بھی کر رہے تھے بلکہ اب بھی کر رہے ہیں پھر جس طرح حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضا کے دو

مشہور ترین معجزات دیے گئے اسی طرح آپؑ کو بھی دیے گئے ۔ آپ کا عصا قرآن کریم تھا اور ید بیضا وہ روشن دلائل و براہین تھے جو لیکر آپ آئے ۔

تیسری مماثلت حضرت موسیٰؑ سے آپ کو یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو کہا گیا :

اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ. وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (طٰہٰ ۲۰:۴۰)

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ الفاظ حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کرکے کہے گئے لیکن اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو انکے مخاطب حضرت نبی کریم ﷺ ہیں لیکن بمطابق آیت ۷۳:۱۶ آپؐ مثیل موسیٰ ہیں اس لئے اس آیت سے بہر حال یہ استنباط ضرور ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو بھی خدا کی طرف سے محبت عطا کی گئی تھی۔

یہی الفاظ حضرت مرزا صاحب کو بھی الہام ہوئے (دیکھیں تذکرہ صفحہ ۹۲) اور آپ کو بھی خداتعالیٰ نے خود اپنی محبت عطا کی چنانچہ آپ کا ایک شعر ہے ؎

ہیچ آگہی نہ بود زعشق و وفا مرا
خود ریختی متاعِ محبّت بدامنم

ایک جگہ فرماتے ہیں :-

”اسکی نعمتوں سے یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے چہرے کی محبت دی اور کمال درجے کی محبت دی اور اکمل اور اتم صدق دیا۔ میں نے اس سے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے ایسی محبت دے کہ میرے بعد اس سے زیادہ کسی کو نہ مل سکے پس مجھے اس سے معلوم ہؤا ہے کہ اس نے میری دعا کو قبول کر لیا ہے ...... اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ وہی کہا ہے جو میرے رب نے آسمان پر کہا ہے ۔“

(ترجمہ عربی عبارت انجام آتھم ص ۷۵ تا ۷۸ از روح العرفان ص ۲۸۲)

رہی دوسری بات یعنی حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا تعالیٰ کی خاص نگرانی میں پرورش پانا تو اس کے بارہ میں آپؑ فرماتے ہیں :-

”میری روح فرشتوں کی گود میں پرورش پاتی ہے“

(تبلیغ رسالت ہشتم صفحہ ۶۵)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ سے خدا تعالیٰ نے بکثرت کلام کیا (**كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا**۔(**النِّسَآء** ۴:۱۶۵) ایسا ہی اس نے آپؑ سے بھی بکثرت کلام کیا۔

پھرجس طرح حضرت موسیٰؑ کا دشمن فرعون انکی زندگی ہی میں ہلاک کیا گیا اسی طرح حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے کئی دشمن مثلاً لیکھرام پشاوری عبداللہ آتھم اور الیگزنڈرڈوئی وغیرہ آپکی زندگی ہی میں ہلاک کئے گئے ۔ اور آپؑ کے پوتے اور خلیفہ رابع کے وقت میں تو اس وقت کا فرعون ضیاء الحق بھی اسی طرح اپنے جرنیلوں سمیت ہلاک کیا گیا جس طرح فرعون موسیٰ جرنیلوں سمیت ہلاک کیا گیا تھا۔

===============

ایک اور عجیب مماثلت

ایک اور عجیب مماثلت بھی حضرت موسیٰؑ سے حضرت مہدی موعودؑ کو ہے۔ جسکا تعلق اُن روشن دلائل و براہین سے ہے جو موسیٰؑ کے یدِ بیضاء کی مثل آپکو دیئے گئے۔ سورۃ القصص آیت نمبر۱۶ میں یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایک شہر (المدینہ) میں اس وقت داخل ہوئے جب اس کے اہل غفلت میں پڑے تھے۔ وہاں آپؑ نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ جن میں سے ایک آپؑ کی قوم کا ہے اور دوسرا دشمنوں میں سے ہے۔ ان میں سے اوّل الذّکر نے حضرت موسیٰؑ کو مدد کے لئے پکارا (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے مقابل پر بے بس خیال کر رہاتھا)۔ چنانچہ آپؑ فوراً اس کی مدد کو پہنچے اور پیشتر اس کے کہ ان کا ہم قوم ہلاک ہوجاتا انہوں نے اس دوسرے شخص کو مُکاّ مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ قرآنی قصص بطور پیشگوئی ہوتے ہیں اس لئے اس واقعہ کے بیان میں یہ اشارہ تھا کہ ایسا ہی واقعہ کسی مثیل موسیٰؑ سے بھی پیش آئے گا۔ اب ہم دیکھتے ہیں بمطابق آیت **اِنَّـآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا** (**الْمُزَمّل** ۷۳:۱۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیشک مثیل موسیٰؑ تھے۔ لیکن آپؐ کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ پیشگوئی کسی آئندہ آنیوالے آپؐ کے بروز نبی کے بارہ میں تھی۔اور آپؐ کے بعد بلا فصل آنے والے نبی مہدی موعودؑ ہیں جو سورۃ الجمعہ کی آیت وَاٰخرین منھم کے مصداق ہونے کی وجہ سے آنحضورؐ کے بروز اور بنابرایں مثیل موسیٰؑ بھی ہیں بلکہ آپؑ کو

خداتعالیٰ نے الہاماً بھی موسیٰ کا نام دیا۔ اس لئے یہ پیشگوئی یقیناً آپؑ کے بارہ میں تھی۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ جس شخص کے مقابل ہوئے وہ ہاتھا پائی کررہا تھا لیکن بمطابق حدیث نبوی مہدی موعودؑ کے وقت میں دین کی خاطر عام معنٰی میں لڑائیاں نہیں ہونی تھیں۔ آپؑ کے وقت میں دشمن نے اسلام پر علمی رنگ میں حملے کرنے تھے اس لئے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے مطابق انکا جواب بھی علمی رنگ ہی میں دیا جانا مناسب تھا۔ چنانچہ اس کے عین مطابق حضرت مہدی موعودؑ کے حق میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور نہایت خوبصورت اور شاندار طریق پر پوری ہوئی۔

سورۃ القصص کی محولہ بالا آیت کے الفاظ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کہیں باہر سے اس شہر میں آئے تھے۔ وہ تو ایک مختص القوم اور محدود علاقہ کی طرف آنیوالے نبی تھے اس لئے ان کے تعلق میں تو مدینہ کا لفظ اور آپؑ کا باہر سے اس میں آنا ظاہری معنٰی میں لینا بجا ہے۔ لیکن مہدی موعودؑ نے ساری دنیا کی طرف نبی ہو کر آنا اور ایسے وقت میں آنا تھا جب دنیا نے (بمطابق آیت وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ) ایک شہر کے حکم میں ہونا تھا اس لئے آپؑ کے تعلق میں المدینہ سے دنیا بھی مراد لی جاسکتی ہے اور جب دنیا اس سے مراد ہو تو باہر سے اس میں آنا (جو پہلے باہر جانے کو چاہتا ہے) ظاہری معنٰی میں لینا درست نہیں ہوسکتا بلکہ یقیناً کسی مجازی معنٰی ہی میں لیا جانا چاہیے۔ اور ایسے مجازی معنٰی میں کہ باہر جانا اور پھر آنا دونوں ایک نبی اللہ کی شان کے مطابق ہوں۔

ان باتوں کو مدِّنظر رکھ کر ان آیات پر غور کریں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ ان میں یہ بتایا گیا تھا کہ آئندہ ایک مثیل موسیٰ پیدا ہوگا۔ شروع شروع میں وہ توجہ اِلَی اللّٰہ میں اس قدر منہمک رہنے والا ہوگا کہ گویا دنیا میں نہیں ہوگا مگر پھر ایک وقت آئے گا کہ مشیتِ الٰہی اسے دنیا کی طرف لائے گی۔ جس وقت وہ اپنی مراقبہ کی حالت سے نکل کر دنیا کی طرف آئے گا اس وقت اگرچہ بشمولیت اس کی قوم کے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے دنیا والوں کی اکثریت خدا تعالیٰ کی طرف سے غفلت میں پڑی ہوئی ہوگی تاہم اس کی قوم کے اِکاّ دُکاّ لوگ اپنے سب سے بڑے دشمنوں (مسیحیوں) کے عِلمی حملوں کا مقابلہ کر رہے ہوں گے لیکن اس مقابلہ میں مسیحی انہیں دبائے چلے جارہے ہوں گے اور وہ ان کے مقابلہ پر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہوئے بزبانِ

قال یا حال حضرت مہدی موعودؑ سے مدد کے طالب ہوں گے۔اسی طرح جس طرح اس شخص نے موسٰیؑ سے مدد مانگی تھی۔ چنانچہ آپ تنِ تنہا فوراً ان کی مدد کو لپکیں گے اور ان کے دشمن (مسیحیوں) کے منہ پر ایسا علمی مُکاّ رسید کریں گے کہ ایک ہی ضرب میں اس کا کام تمام کردینگے یعنی مُکاّ بازی (BOXING) کی اصطلاح میں اسے ناک آوٹ کردینگے۔لیکن جس طرح افراد کے زمانۂ زندگی اور قوموں کے زمانۂ زندگی میں فرق ہوتا ہے اسی طرح افراد کے ناک آوٹ ہونے اور قوموں کے ناک آوٹ ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ فرد تو بعض دفعہ ایک لمحہ میں مر جاتا ہے لیکن سنت اللہ کے مطابق قوموں کے مرنے میں ہمیشہ ایک مدّت درکار ہوتی ہے اس لئے مہدی موعودؑ کا ان کو ناک آوٹ کردینا بھی اس کی مضبوط بنیاد فراہم کردینے کے معنٰی ہی میں ہوسکتا تھا اور یہ کام آپؑ نے قوی دلائل کے ساتھ مسیح کا مُردوں میں شامل ہونا اور قوم کے ہاتھ میں اس کا ثبوت پکڑا کر کر دیا اور اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:-

''اے دوستو! اب میری آخری وصیّت سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو.......... صرف مسیح ابنِ مریم کی وفات پر زور دو اور پر زور دلائل سے (جو میں نے تمھارے ہاتھ میں دیئے ہیں۔ ناقل) عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کردو.... یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو ان کا مذہب بھی فوت نہیں ہوسکتا۔ ان کے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابنِ مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب کہاں ہے۔''

پس یہ وہ (علمی) مُکاّ تھا جو مہدی مسعود المسیح الموعودؑ نے مسلمانوں اور اسلام کے دشمنوں یعنی مسیحیوں کے منہ پر مارا اور جس کی ایک ہی ضرب نے ان کو ناک آوٹ کر دیا۔ اور جب سے یہ مُکاّ کھایا ہے اس وقت ہی سے ان میں کھڑا ہونے کی سکت باقی نہیں رہی بلکہ وہ آہستہ آہستہ دم توڑتے جا رہے ہیں۔

حضرت مہدی موعودؑ نے ایک موقع پر فرمایا: ؎

مرہمِ عیسٰی نے دی تھی محض عیسٰی کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

بعینہٖ اسی طرح حضرت موسٰیؑ کے مکّے نے تو صرف ایک قبطی کو ہلاک کیا اور ایک اسرائیلی کو بچایا لیکن حضرت مہدی موعودؑ کے مکّے نے ایک قوم کی قوم کو ناک آوٹ کیا اور ایک قوم کی قوم کو ہلاکت سے بچا لیا (وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔الانعام ۶:۱۳۳)۔

یہ باتیں ضمناً بیچ میں آ گئی تھیں اب ہم اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے سورۃ مریم کی مندرجہ بالا آیات میں بتایا گیا تھا کہ اُمّت مسلمہ میں بھی ایک یحیٰی پیدا ہوگا جسے خدا تعالیٰ بچپن ہی سے علم و حکمت سے نوازے گا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو یحیٰی کا نام بھی دیا گیا اور بعینہٖ یہی الہام ہوا کہ يَا يَحْيٰي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۔ اور آپ نے قرآن کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ آپؑ نے کم از کم دس ہزار مرتبہ قرآن پڑھا ہوگا۔ آپؑ بیٹھے ہوئے کھڑے ہوئے لیٹے ہوئے قرآن پڑھتے اور روتے جاتے تھے۔ پھر آپ کو بچپن ہی سے علم و حکمت عطاء کی گئی جسکی بدولت بہت چھوٹی عمر بلکہ آغاز جوانی ہی سے آپؑ مسیحیوں کے ساتھ کامیاب مباحثے کرنے لگ گئے تھے۔

آپؑ کے قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے ہی کا نتیجہ تھا کہ آپؑ کو قرآن فہمی کا وہ ملکہ دیا گیا جو کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

’’مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے.......... سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا ہے یہ اللہ جل شانہ کا ایک نشان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھی گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔‘‘ (سراج منیر ۴۱)

چنانچہ آپؑ کے ساتھ تفسیر قرآن میں مقابلہ کرنے سے عرب و عجم سب کے عاجز آ جانے سے اس دعوٰی کی قطعی طور پر تصدیق ہو جاتی ہے۔

پھر آپؑ نے خود ہی قرآن کو مضبوطی سے نہیں پکڑا بلکہ اپنی جماعت کو بھی حکم دیا کہ ’’تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے بر خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں

اور باقی سب اسکے ظل تھے سوتم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مخاطب کرکے فرمایا **اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ** ''
(کشتی نوح ۲۶، ۲۷)

نیز فرمایا ''تم قرآن کو زمین پر عزت دو تا آسمان پر عزت پاؤ''۔ چنانچہ اس نصیحت کے مطابق آپؑ کے غلام ساری دنیا کی زبانوں میں قرآن کریم کی اشاعت میں کوشاں ہیں ۔ اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا رد کر رہے ہیں۔ اسکی پاک تاثیرات کے محیرّ العقول نمونے دکھا رہے ہیں اور اس طرح اس کو وہ سچی عزّت دے رہے ہیں جو اسکا حق ہے ۔

آیت **یٰیَحْیٰی خُذِالْکِتَابَ بِقُوَّةٍ** کے بعد ہے **وَحَنَاناً مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوةً وَکَانَ تَقِیًّا** فرمایا جس طرح خداتعالیٰ اسے بچپن ہی سے علم وحکمت عطا کرے گا اسی طرح اسے رحم دلی اور پاکی بھی عطا کرے گا اور وہ شروع دن ہی سے متّقی ہوگا۔ اگرچہ اکثر لوگوں پر ابتداء میں نفس امّارہ غالب ہوتا ہے مگر نبی پہلے ہی دن سے تقوٰی کے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے جبھی آنحضورؐ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا **فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** (یونس ۱۰:۱۷)۔ اس پیشگوئی کے مصداق موعود یحییٰ نے بھی چونکہ نبی ہونا تھا یہ علامت اسکی بیان کی گئی۔ لفظ زکوٰة کے اصل معنی نشو نما پائے ہوئے کے یا بالیدگی یافتہ کے ہیں۔ اکثر لوگ مجاہدات کے نتیجہ میں روحانی ترقّی حاصل کرتے ہیں۔ ترقّی اگرچہ انبیاء کے مقام میں بھی ہر آن ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ انکے پہلے دن اور آخری دن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے لیکن ان کے نفس کو ایک حد تک بالیدگی ابتداء ہی سے عطا کی جاتی ہے جو یوماً یوماً نشونما پاتی رہتی ہے یہی وجہ ہے جو آپؑ کے بچپن کے مکاشفات اور اخلاق فاضلہ دوسرے بزرگوں کے بڑی عمر کے مکاشفات اور اخلاق سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ پس اس میں خداتعالیٰ نے یہی اشارہ فرمایا کہ وہ نبی اللہ ہوگا اور علاوہ اس کے کہ وہ شروع ہی سے تقویٰ اللہ پر قائم ہوگا اسے غیر معمولی روحانی اور اخلاقی بالیدگی بھی شروع ہی سے حاصل ہوگی جو وقت گزرنے سے بڑھتی رہے گی اور نیز یہ کہ اس کے دل میں بنی نوع انسان کی ہمدردی خاص طور پر رکھی جائیگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کا یہی حال تھا۔ جہاں تک ان مؤخر الذّکر دو میں سے امر اوّل کا تعلق ہے ایک حوالہ ملاحظہ ہو آپؑ فرماتے ہیں :-

'' خداتعالیٰ اس بات کو جانتا ہے اور وہ ہر ایک امر پر بہتر گواہ ہے وہ چیز جو اسکی راہ میں مجھے سب سے پہلے دی گئی وہ قلب سلیم تھا یعنی ایسا دل کہ حقیقی تعلق اسکا بجز خدائے عزَّوَجلَّ کے کسی چیز کے ساتھ نہ تھا میں کسی زمانے میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہؤا مگر میں نے کسی حصہ عمر میں بجز خدائے عزَّوَجلَّ سے اپنا حقیقی تعلق نہیں پایا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۹)

ظاہر ہے کہ جسکے دل کا حقیقی تعلق خدا کے سوا کسی سے نہ ہواس میں ہر قسم کی اعلیٰ صفات بدرجہ کمال پائی جائینگی۔ چنانچہ آپ سے شروع ہی سے جن اخلاق فاضلہ کا اظہار ہؤا اور جو محبت خدا کی کتاب اور خدا کے رسولؐ سے آپکوتھی اسکی مثال نہیں ملتی۔

رہا انسانی ہمدردی کا معاملہ تو اس میں بھی آپؑ کو بے نظیر مقام حاصل تھا۔ کبھی سائل کو ردّ نہ کرتے۔ کسی کی ضرورت کا علم ہو جاتا تو بغیر سوال بھی اس کی مدد فرماتے۔ دشمنوں تک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ لوگوں کے ہدایت پاجانے کے لئے حد درجہ بیقرار رہتے۔ ایک موقع پر فرمایا:-

'' دنیا میں میرا کوئی دشمن نہیں ہے میں بنی نوع انسان سے ایسے محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔ میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرّک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہؤا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اسقدر قیمت ہے کہ اگر میں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائیں گے جس کے پاس سب سے بڑھ کر سونا چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا اور اسکو حاصل کرنا یہ ہے کہ اسکو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا پس اسقدر دولت پاکر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے رہیں اور میں عیش کروں یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل اُنکے فقروفاقہ کو دیکھ کر کباب ہوجاتا ہے اور ان کی تاریکی اور تنگ گذرانی پر میری جان گھٹی جاتی

ہے میں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہرات ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامن استعداد پر ہوجائیں۔ (اربعین نمبر ا صفحہ ۲۔۳)

نیز فرماتے ہیں:۔

’’ چونکہ میں تثلیث کی خرابیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اسلئے یہ دردناک نظّارہ کے ایسے لوگ دنیا میں چالیس کروڑ سے بھی کچھ زائد پائے جاتے ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ رکھا ہے میرے دل پر اس قدر صدمہ پہنچاتا رہا ہے کہ میں گمان نہیں کرسکتا کہ مجھ پر میری تمام زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی غم گزرا ہو۔ بلکہ اگر غم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کردیتا ...... اور میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں۔‘‘ (تبلیغ رسالت جلد ہشتم ص ۷۱-۷۲)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

’’ اس زمانہ کے لوگوں کو میں کس سے تشبیہ دوں وہ اس بدقسمت کی طرح ہیں جسکی آنکھیں بھی ہیں پر دیکھتا نہیں اور کان بھی ہیں پر سنتا نہیں۔ میں ان کے لئے روتا ہوں اور وہ مجھ پر ہنستے ہیں اور میں ان کو زندگی کا پانی دیتا ہوں اور وہ مجھ پر آگ برساتے ہیں۔‘‘

(اشتہار منسلکہ حقیقۃ الوحی ص ۴۱۷)

وَبَرّاً بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّاراً عَصِيّاً (۱۵)

اور وہ اپنے والدین سے نیک سلوک کرنیوالا تھااور جابر اور نافرمان نہ تھا۔

جو شخص والدین سے نیک سلوک کرنیوالا ہو وہ انکے حق میں جابر اور انکا نافرمان نہیں ہوسکتا اس لئے جب بَرًّا بِوَالِدَيْهِ کہہ دیا تو اس کے بعد وَلَمْ يَكُنْ جَبَّاراً عَصِيًّا کہنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ یہ الفاظ کیوں رکھے گئے؟ سو جاننا چاہیے کہ اگر جسمانی والدین سچے روحانی والدین سے الگ ہوں تو بعض دفعہ انسان کو ان کے حق میں جَبَّاراً عَصِيّاً ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر وہ شرک کا حکم دیں تو نہ صرف یہ کہ ان کی نافرمانی جائز ہوتی ہے بلکہ فرض ہوجاتی ہے (دیکھیں سورۃ لقمان ۱۶:۳۱) یہاں چونکہ آئندہ آنیوالے يَحْيٰ کے بارہ میں پیشگوئی مقصود ہے اس لئے یہ الفاظ رکھ کر اوّل یہ بتایا کہ اس کے والدین بھی ایسے نہیں ہوں گے کہ

اسے ان کے حق میں جَبَّاراً عَصِیّاً ہونا پڑے یعنی وہ سیدھے سادھے مسلمان ہونگے۔ دوسرے یہ بتایا کہ وہ دونوں اسکے اس عمر کا ہوجانے تک کہ جس عمر میں انسان جَبَّــاراً عَصِیّــاً ہوسکتا ہے یعنی اس کے جوان ہوجانے تک دنیا میں موجود ہوں گے۔ اور تیسرے یہ بتایا کہ اگرچہ وہ اس کے جوان ہونے تک بقید حیات ہونگے لیکن اس کے نبی بننے سے پہلے وفات پاچکے ہوں گے کیونکہ حضرت یحیٰ کے والدین بھی ان کے نبی بننے سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

چنانچہ یہ تینوں پیشگوئیاں موعود یحیٰ حضرت مہدی موعودؑ کے حق میں لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔

نمبر۱: آپؑ کی جوانی میں آپؑ کے والدین بقید حیات تھے لیکن

نمبر۲: آپؑ کے نبی بننے سے پہلے وہ وفات پا چکے تھے۔

نمبر۳: انکی حالت ایسی نہیں تھی کہ آپؑ کو انکے حق میں جَبَّــاراً عَصِیّاً ہونا پڑے۔

کیونکہ وہ سیدھے سادھے مسلمان تھے۔ نافرمانی تو الگ رہی آپؑ ان کے اس حد تک فرمانبردار تھے کہ دنیوی مشاغل سے نفرت کے باوجود آپؑ نے ان کے حکم پر سرکاری ملازمت بھی اختیار کی اور ان کے مقدمات کی پیروی بھی کی اور ان کاموں سے الگ ہوئے تو ان سے اجازت لے کر۔

وَسَلٰمٌ عَـلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَوَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيّاً (۱۶)

اور اس پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہؤا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔

یہ پیشگوئی کہ :-

===============

موعود یحیٰ یعنی حضرت مہدی موعود بچپن میں فوت نہ ہونگے، پاک زندگی گزاریں گے اور انکا انجام نیک ہوگا

یَـوۡمَ وُلِـدَ ماضی ہے اور آگے دو مضارع کے صیغے ہیں۔ اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ یہ بات حضرت یحیٰ کی پیدائش سے پہلے بطور پیشگوئی کہی گئی اور یوم ولد میں ماضی کا صیغہ اس خبر کے یقینی ہونے کے لئے لایا گیا۔ پس اس ذکر سے بتایا کہ اُمّت محمدیہ میں ہونے والے یحیٰ کے متعلق بھی یہ بات مقدر کی گئی ہے کہ وہ جس دن پیدا ہوگا اس دن بھی اس پر سلامتی ہوگی یعنی وہ زندہ رہیگا اور اپنا مقصد حیات پورا کریگا اور جس دن مرے گا اس دن بھی اس پر سلامتی ہوگی

یعنی اس کا انجام بخیر ہوگا اور مرنے کے بعد جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اس دن بھی اس پر سلامتی ہوگی یعنی یہی نہیں کہ دنیا کی نگاہ میں اسکا انجام نیک ہوگا بلکہ خداتعالےٰ کی نظر میں بھی اس نے اپنے فرائض کو کما حقہ ادا کیا ہوگا۔

خاص طور پر یہ بتایا جانا کہ وہ زندہ رہیگا اور اپنا مقصد حیات پورا کریگا معمولی خبر نہیں تھی بلکہ اس میں یہ اشارہ تھا کہ اس کے زندہ رہنے کے امکان کم ہوں گے مگر پھر بھی وہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحبؑ کی اوائل عمر سے صحت از حد کمزور تھی بعض دفعہ تو اتنے بیمار ہوئے کہ سورۃ یٰسین تک آپؑ پر پڑھی گئی۔ پھر دوران سر (جس سے کئی دفعہ خطرناک حالت ہوجاتی تھی) اور کثرت بول کی بیماری تھی (جو اسقدر تھی کہ کئی بار رات کو سوسو دفعہ پیشاب آتا اور اس میں شکر بھی پائی گئی) پھر دعویٰ کے بعد آپؑ پر قتل کے مقدمات بنا کر آپؑ کو پھانسی دلانے کی اور اپنے ہاتھ میں قانون لے کر خود قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں مگر اسکے باوجود خداتعالےٰ نے آپؑ کو زندہ رکھا اور لمبی طبعی عمر پوری کرنے کی توفیق دی۔ جسکی پیشگوئی حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی آپ کو یعنی مہدی موعود کو سلام بھجوا کر کردی تھی۔ پھر آپؑ کا انجام ایسا ہوا کہ اپنے تو اپنے آپؑ کے بعد غیروں نے بھی برملا لکھا کہ آپؑ نے نہایت درجہ پرہیزگاری کی اور نہایت کامیاب زندگی گزاری*۔

رہی آخرت کی بات تو جس کے حق میں خدا کی بتائی ہوئی دو باتیں جو دنیا سے تعلق رکھتی تھیں پوری ہوگئیں اس کے حق میں تیسری بات کے پورا ہونے میں شبہ نہیں ہوسکتا اور اسکا قطعی ثبوت کہ حشر کے دن بھی آپؑ سرخرو ہوں گے یہ ہے کہ دنیا میں آپؑ کو قطعی مکالمہ مخاطبہ الیہ سے نوازا گیا اور آخر تک نوازا جاتا رہا اور جو خدا کا ایسا مقرب ہو ظاہر ہے کہ حشر کے دن اس پر

---

* اخبار وکیل میں ایک مکالمہ نگار نے لکھا ”کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹے سے چھوٹا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اسنے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔“

دہلی کے ایک اخبار کرزن گزٹ نے لکھا ”مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اسنے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت تعریف کی مستحق ہیں ...... اس کا پرزور لٹریچر اپنے شان میں نرالا ہے اور واقعی اسکی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے اسنے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔“

ایڈیٹر تہذیب نسواں نے لکھا، ”مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوّت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دل کو تسخیر کرلیتی تھی۔“ (دیکھیں حیات طیبہ ص ۳۶۲ - ۳۶۴)

سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ **فسبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔**

حضرت یحییٰ ؑ کے ذکر کے بعد ہے:۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا(۱۷) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا(۱۸)

اے رسول اس کتاب میں مریم کو یاد کر (اور اسوقت کو بھی یاد کر) جب وہ اپنے اہل سے جدا ہوکر ایک مشرقی مقام کی طرف چلی گئی۔ پھر اس نے ان کے سامنے ایک پردہ ڈال لیا تو ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک مکمل انسان کی صورت پر متمثّل ہوا۔

===============

اُمّتِ محمدیہ میں دو یحییٰ اور ایک مریم کے آنے اور اس سے ایک عیسیٰ کے پیدا ہونے کی پیشگوئی

پہلی آیت میں خداتعالےٰ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ مریم کو یاد کر بلکہ یہ فرمایا کہ الکتب میں مریم کو یاد کر لہٰذا مطلب یہ ہؤا کہ اس مقام کے علاوہ بھی اس کتاب (قرآن کریم) میں مریم کا ذکر آچکا ہے اسے مدِّنظر رکھو اور پھر زیرِنظر مقام کو دیکھو۔ اس سے پہلے حضرت مریم کا ذکر سورۃ اٰلِ عمران میں آیا ہے وہاں پہلے ان کی پیدائش کا ذکر ہے پھر انکے حضرت زکریاؑ کیلئے اس دعا کا محرک بننے کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور اس کے بعد مریم کے ہاں عیسیٰؑ کے پیدا ہونے کا ذکر ہے لہٰذا اس سارے ذکر کو بطور پیشگوئی سمجھیں (اور قرآنی قصص میں پیشگوئیاں ضرور ہوتی ہیں) تو اس پیشگوئی کا اطلاق کسی ایک ہی وجود پر نہیں ہوسکتا بلکہ یہی مراد ہوسکتی ہے کہ آئندہ ایک یحییٰ پیدا ہوگا اور ایک مریم بھی پیدا ہوگی جس سے آگے ایک عیسیٰ پیدا ہوگا یا وہ خود حالتِ مریمی سے حالتِ عیسوی کی طرف انتقال کرے گی۔ اس کے برعکس زیرِنظر آیتوں میں حضرت یحییٰ کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت مریمؑ کا۔ گویا ایک یحییٰ اور ایک مریم کی پیشگوئی تو کی گئی ہے مگر ایسا کوئی قرینہ قائم نہیں کیا گیا جو کسی ایک ہی وجود کے یہ دونوں نام

ہونے میں مانع ہو۔ پس ان دو مقامات پر یکجائی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے اُمّت محمدیہ میں دو یحییٰ ہونے والے تھے۔ ایک وہ جس نے مریم سے ابن مریم بننے والے وجود سے پہلے پیدا ہونا تھا۔ یعنی جس نے انکے لئے بطور ارہاص کے ہونا تھا اور دوسرے خود وہ ابن مریم چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے یحییٰ حضرت مجدد الف ثانی تھے جو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے لئے بطور ارہاص تھے۔ اور دوسرے آپؑ خود تھے کیونکہ الہام الٰہی میں آپؑ کا نام یحییٰ بھی رکھا گیا۔

==============

موعود مریم (مہدی موعودؑ) کے سفر ہوشیار پور کی پیشگوئی

جیسا کہ ہم نے واضح کیا مندرجہ بالا آیتوں میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اگرچہ آئندہ ایک یحییٰ، مریم یا ابن مریم نام پانیوالے وجود سے پہلے بھی ہوگا لیکن اس مریم یا ابن مریم کو خود بھی یحییٰ کا نام ملیگا نیز یہ بتایا کہ ایک وقت آئے گا کہ وہ مریم اپنے اہل سے الگ ہوکرایک مشرقی مقام کی طرف چلی جائیگی اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان پردہ ڈال لیگی (اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ اسکے اہل خانہ اسکے ساتھ نہیں ہونگے مگر چند اور لوگ ساتھ ہونگے) سو خداتعالےٰ اس کی طرف اپنی روح یعنی اپنا کلام لیجانیوالا فرشتہ (جبرائیلؑ) بھیجے گا۔

لفظ اَرۡسَلۡنَا سے پہلے 'ف' آیا ہے جو نتیجہ پر دلالت کرتا ہے مگر صرف کسی کا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان پردہ حائل کر لینا ایسا فعل نہیں جس کا یہ نتیجہ ہو کہ اسپر کلام الٰہی کا نزول ہو لہٰذا پردہ ڈال لینے کے ذکر میں عبادت خاص کے لئے خلوت اختیار کرنیکی طرف اشارہ ہے۔ اورکسی الگ مقام پر اپنے اہل خانہ تک سے الگ ہو کر عبادت کیلئے خلوت اختیار کرنا ایک قسم کی چلہّ کشی ہوتی ہے پس اسمیں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا اور آگے یہ فرما کر کہ ''جب مریم نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان پردہ ڈال لیا تو ہم نے اسکی طرف اپنا کلام لیجانے والا فرشتہ بھیجا جو مکمل انسان کی صورت پر متمثّل ہوُا'' یہ بتایا گیا کہ جس طرح سابقہ مریمؑ کو فرشتے کے ذریعہ (جو انسان کے طور پر متمثّل ہوُا) بیٹے کی بشارت ملی تھی اس طرح موعود مریمؑ کو بھی ملے گی اوراس سے بھی فرشتہ اسیطرح واضح طور پر کلام کریگا جیسے انسان انسان سے کرتا ہے۔

پس اس میں مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جنہیں مریم نام بھی دیا گیا سفر ہوشیار پور کی طرف اشارہ کیا گیا۔ ہوشیار پور قادیان سے مشرقی جانب ایک شہر ہے جہاں آپؑ الہام الٰہی کے ماتحت چلہّ کشی کے لئے تشریف لے گئے اور عجیب بات ہے کہ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا اس سفر میں آپؑ کے اہل خانہ آپؑ کے ہمراہ نہیں تھے لیکن دو ایک اور آدمی بطور خدمت گار ساتھ تھے اور اس چلہّ کشی کے دوران آپؑ کو بکثرت الہامات ہوئے یا یوں کہہ لیجئے کہ آپؑ پر جبرائیلؑ کا بار بار نزول ہؤا۔

===============

موعود مریمؑ کے سابقہ مریمؑ سے افضل ہونیکی پیشگوئی

آیت **فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَاباً** کے بعد ہے:-

قَالَتْ اِنِّي اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِيًّا (۱۹)

(فرشتہ کو دیکھ کر مریم نے) کہا میں تجھ سے (خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خوف خدا رکھنے والا ہے (تو مجھے ٹھیک ٹھیک بتا کہ تو کون ہے اور کیوں آیا ہے۔)

قرآن کے دوسرے مقامات پر شیطان سے جس ہستی کی پناہ مانگنے کا ذکر ہے اسکے لئے اللہ یا رب کا لفظ آیا ہے مگر مندرجہ بالا آیت میں رَحمٰن کا لفظ ہے۔ جیسا کہ سورۃ رحمٰن کی آیات **اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** سے ظاہر ہے رحمٰن کا تعلق نزول کلام سے ہے پس حضرت مریم کا یہ کہنے کی بجائے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں یہ کہنا کہ میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں بتاتا ہے کہ ان کو خیال ہوگیا تھا کہ یہ فرشتہ ہے جو اسطرح ایسے مقام پر جہاں کسی غیر مرد کا آنا مشکل ہے اچانک نمودار ہوگیا ہے اور خدائے رحمٰن کا کوئی پیغام لایا ہے تاہم چونکہ انہیں اسکا یقین نہیں تھا اور اس معاملہ میں غلط فہمی موجبِ ابتلا ہوسکتی تھی انہوں نے یہ کہا کہ میں تجھ سے (یا تیرے قول سے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس کے برعکس موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنے الہامات کے یا یوں کہہ لیجئے کہ اپنی طرف بھیجے جانیوالے فرشتوں کے بارہ میں کبھی شک و شبہ نہیں ہؤا بلکہ آپؑ نے بار بار اپنے الہامات کے قطعی اور یقینی ہونے کا اظہار فرمایا۔ ایک حوالہ

ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

’’میں شکّی اور ظنّی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں ...... مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے دلائل قاطعہ سے یہ علم دیا گیا ہے اور ہر ایک وقت میں دیا جاتا ہے کہ جو کچھ مجھے القا ہوتا ہے اور جو وحی میرے پر نازل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے نہ کہ شیطان کی طرف سے میں اس پر ایسا یقین رکھتا ہوں جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب کے وجود پر یا جیسا کہ اس بات پر کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔‘‘

(تبلیغ رسالت ہشتم صفحہ ۶۴-۶۵)

(مزید دیکھیں آپ کی کتاب تحفۃ الندوہ ص ۴ اورتتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

آپؑ کو اپنے الہامات کے قطعی ہونے پر ایسا یقین تھا کہ الہامی بشارات کی وجہ سے سخت سے سخت ابتلاء کے وقت بھی آپؑ پر چنداں گھبراہٹ طاری نہیں ہوتی تھی بلکہ آپؑ ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اس کی مزید تفصیل دوسری جگہ دی گئی ہے۔

پس ایک طرف حضرت مریم کے بارہ میں یہ اظہار فرما کر کہ ان پر فرشتہ کا نزول تو ہوُا مگر انہیں پورا یقین نہیں تھا کہ وہ فرشتہ ہے اور دوسری طرف موعود مریم حضرت مرزا صاحب کو قطعی اور یقینی الہامات سے نواز کر خداتعالیٰ نے آپؑ کی سابقہ مریم پر فضیلت کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ اگرچہ آپؑ کو بھی مریم نام دیا گیا مگر آپؑ کا مقام سابقہ مریم سے کہیں بڑھ کر ہے۔

===============

یہ پیشگوئی کہ مہدی موعودؑ کو ایک زکی غلام (المصلح الموعودؓ) کے ملنے کی بشارت ملے گی

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَ هَبَ لَکِ غُلٰماً زَکِیًّا (۲۰)

فرشتے نے کہا میں تو صرف تیرے رب کا بھیجا ہوُا ہوں تا کہ تجھے ایک پاک لڑکے کی بشارت دوں۔

اس ذکر کو بطور پیشگوئی سمجھیں تو اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ کی طرح موعود مریمؑ کو بھی ایک پاک بیٹے کی بشارت دی جائیگی چنانچہ اس کے عین مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحب المہدی الموعود کو آپؑ کے سفر ہوشیار پور میں ایک بیٹے کی بشارت دی گئی اور انہی ’’ زکی غلام‘‘ کے الفاظ میں دی گئی۔

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَکُ بَغِیًّا (۲۱)

مریم نے کہا میرے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ نہ مجھے کسی بشر سے تعلق زوجیت رہا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔

موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ نے چونکہ مرد ہونا تھا ان کے حق میں یہ الفاظ اس معنی میں نہیں ہوسکتے جس معنٰی میں حضرت مریمؑ کے حق میں تھے بلکہ انکا اطلاق استعارہ کے رنگ ہی میں ہوسکتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ جس طرح مریمؑ کسی کے عقد نکاح میں نہیں تھیں موعود مریمؑ کسی کے عقد بیعت میں نہیں ہوگا اور بظاہر اس کا حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کرنا یا اُس سے کسی (عظیم یعنی مسیحی نفس) بیٹے کا پیدا ہونا (جیسا کہ لفظ غلام کو نکرہ رکھنے میں اس کی طرف اشارہ ہے) ممکن الوقوع نظرنہیں آئے گا۔ آگے ہے: -

قَالَ کَذٰالِکِ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ (۲۲)

فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرا رب کہتا ہے یہ مجھ پر آسان ہے اور (میں یہ غیر معمولی طریق پیدائش) اس لئے (اختیار کروں گا) تا اسے لوگوں کیلئے نشان بناؤں اور اپنی طرف سے (سراسر) رحمت (بناؤں) اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔

جب حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی بشارت ملنے پر یہی الفاظ **اَنّٰی یَکُوْنُ لِی غُلٰمٌ** کہے تو انکو یہ جواب ملا کہ **کَذٰالِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا** لیکن حضرت مریم کو ان الفاظ کا صرف یہ جواب ملا کہ **قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ** اس سے غرض یہ بتانا تھی کہ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت زکریاؑ کے ہاں بیٹا ہونے کے

زیادہ سامان موجود تھے(کیونکہ جب اس نے انسان کو اس وقت پیدا کرلیا جب وہ کوئی شی (مذکور) نہیں تھا تو جب ماں باپ دونوں موجود تھے تو بیٹا پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہوسکتا تھا) اس کے برعکس مریمؑ کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کے سامان کم ہیں لیکن خداتعالےٰ کے لئے اسکو بیٹا دینا ویسا ہی آسان ہے جیسا کہ زکریاؑ کو بیٹا دینا آسان تھا کیونکہ وہ خالق اسباب ہے۔ ہاں یہ سوال ضرور ہوسکتا ہے کہ یہ غیر معمولی طریق پیدائش کیوں اختیار کیا گیا تو سنو لِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِلنَّاسِ یہ اس لئے کیا گیا کہ اسے لوگوں کے لئے علامت اور نشان بناؤں۔ حضرت مریم کے ہاں بغیر واسطہ مرد کے بیٹا پیدا ہونا اس بات کی آیت یعنی نشان تھا کہ اب بنی اسرائیل میں کوئی ایسا مرد نہیں رہا جس کے ہاں نبی اللہ پیدا ہوسکے لہٰذا اب نبوّت ان کے گھرانے سے نکل جائے گی۔ اسی طرح موعود مریم المہدی الموعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال اس بات کی علامت تھی کہ اب سلسلہ خلافت محمدیہ قریش کی بجائے دوسروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور آگے رحمةً مِنّا فرما کر بتایا کہ جس طرح بنی اسرائیل سے سلسلہ نبوت بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہونا سراسر رحمت الٰہی کا موجب تھا اسی طرح قریش کی بجائے ابنائے فارس کی طرف سلسلہ خلافت محمدیہ کا انتقال بھی سراسر رحمت الٰہی کا باعث ہوگا اور آخر میں وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا کے الفاظ رکھ کر بتایا کہ جس طرح مریم سے عیسیٰؑ کا پیدا ہونا فیصلہ شدہ امر تھا جو مخالف حالات کے باوجود پورا ہو کر رہا اسی طرح موعود مریم کا حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کرنا اور اس سے ایک مسیحی نفس بیٹے کا پیدا ہونا بھی ایک فیصلہ شدہ امر ہے جو اپنے وقت پر پورا ہو کر رہیگا۔

عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ اوپر درج کی جانے والی پیشگوئی کے عین مطابق جس طرح حضرت مریم کو ایک پاک بیٹے (غُلٰمًا زَكِيًّا) کی بشارت ملی اور اسے ”اٰيَةً لِلنَّاس قرار دیا گیا۔ ”رَحْمَةً مِّنَّا“ یعنی خدا کی خاص رحمت اور اسکی قدرت اور قربت کا نشان ٹھہرایا گیا اور آخر میں یہ کہا گیا کہ یہ اَمْرًا مَقْضِيًّا یعنی فیصلہ شدہ امر ہے اسی طرح موعود مریم حضرت مرزا صاحب کو ایک خاص بیٹے المصلح الموعود کی بشارت انہی (غُلٰمًا زَكِيًّا کے) الفاظ میں دی گئی۔ رَحْمَةً مِّنَّا کے مطابق اسے ”قدرت اور رحمت اور قربت“ کا نشان ٹھہرایا گیا اور آخر میں كَانَ اَمْرًا مَقْضِيًّا کے الفاظ رکھ کر یہ بتایا گیا کہ اس پیشگوئی پر اعتراض ہونگے اور سمجھا اور کہا

جائیگا کہ یہ پوری نہیں ہوگی یا پوری نہیں ہوئی مگر خدا جانتا ہے کہ پوری ہوگی۔ چنانچہ جیسا کہ آگے ذکر آئیگا بالکل اسی طرح وقوع میں آیا۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (۲۳)

پھر مریم اس (موعود بیٹے) سے حاملہ ہوئیں اور اس کے ساتھ ایک دور کے مقام پر چلی گئیں۔

مَكَانًا قَصِيًّا کے معنے دور کے مقام کے ہیں۔ پس اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ بیٹے کی بشارت ملنے کے ساتھ ہی موعود مریم کا مقام پہلے سے بہت بلند اور لوگوں کے واہمہ سے دور تر ہو جائیگا چنانچہ پسر موعود کی بشارت والے الہامات کے بعد جو سلسلہ الہامات تذکرہ میں درج ہے اس میں یہ الہامات بھی ہیں ’’ تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔‘‘ ’’ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔‘‘ ’’ وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈھیں گے۔‘‘ (تذکرہ ص ۱۴۱-۱۴۶)

فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا(۲۴)

پھر دردِ زہ اسے تنہ کھجور کی طرف لے گئی۔ اس نے کہا کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری چیز ہوتی۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ان آیات میں دہری پیشگوئی ہے ایک موعود مریم (المہدی الموعود) حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے مجاز اور استعارہ کے رنگ میں خود حمل دار ہونے کی جس کے بعد آپؑ نے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کرنا تھا اور دوسرے آپؑ کے ہاں ایک مسیحی نفس بیٹے کے پیدا ہونے کی۔ پس اس آیت میں بتایا گیا کہ جیسے مسیح کی پیدائش کے وقت مریم کے لئے ایسی مصیبت کھڑی ہوگئی کہ اس نے کہا کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری چیز ہوتی ایسی ہی صورت موعود مریم کو پیش آئے گی۔ چنانچہ آپؑ نے خود فرمایا: ’’میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا اسی کی نسبت میری گھبراہٹ ظاہر کرنے کے لئے یہ الہام ہوُا تھا **فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى**

جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَ یا لَیْتَنِی مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ مخاض سے مراد اس جگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جذع نخلۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اولاد مگر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ با محاورہ ترجمہ یہ ہے کہ درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہوجانا تھا اس مامور کو قوم کے لوگوں کی طرف لائی جو کھجور کی خشک شاخ یا جڑ کی مانند ہیں تب اس نے خوف کھا کر کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتا اور بھولا بسرا ہوجاتا۔"

اب ہم مذکورہ دو میں سے دوسری پیشگوئی کو یعنی موعود مریم کے ہاں ایک مسیحی نفس بیٹا پیدا ہونیکی پیشگوئی کو مدنظر رکھ کر دیکھتے ہیں کہ اس آیت کا اطلاق موعود مریم پر کس طرح ہوتا ہے۔

===============

مصلح موعود کی پیدائش سے پہلے حضرت مہدی موعود کیلئے نہایت دردناک حالات پیدا ہونے کی پیشگوئی

مخاض دردِ زہ یعنی اس شدید درد کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے حاملہ کو ہوتی ہے۔ پس اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ پسر موعود کے پیدا ہونے سے پہلے موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کیلئے نہایت دردناک حالات پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو آپؑ نے ایک اشتہار کے ذریعہ (جو اخبار ریاض ہند امرتسر کی یکم مارچ ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں بطور ضمیمہ شامل تھا) دنیا کو خبر دی کہ (آپ کے ہوشیار پور میں چلہ کشی کے دوران) اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً ایک **غُلٰمًا زَکِیًّا** (یعنی پاک بیٹے) کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے "تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کردیا سو **قدرت** اور **رحمت** اور **قربت** کا نشان تجھے دیا جاتا ہے **فضل** اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور **فتح** اور **ظفر** کی **کلید** تجھے ملتی ہے...... سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے...... مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ **فضل** ہے جو اسکے آنے کے ساتھ آئیگا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دنیا میں آئیگا اور اپنے **مسیحی نفس** اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا وہ **کلمۃ اللہ** ہے ...... جس کا نزول بہت مبارک اور جلال

الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خداتعالےٰ نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔ وَکَانَ اَمْراً مَّقْضِیّا''۔

پھر اشتہار ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء میں آپ نے اعلان فرمایا کہ ''ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ بدیر بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائیگا''۔ ان میں سے پہلے اشتہار کا شائع ہونا تھا کہ ایک آریہ لیڈر پنڈت لیکھرام نے اسے مفتریانہ اشتہار قرار دیا اور لکھا کہ خدا کہتا ہے'' یہ سب باتیں جھوٹ ہیں اور ہرگز پوری نہیں ہونگی۔'' (مفہوم) اسی طرح پنڈت اندرمن مراد آبادی نے بھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ۹ برس کا عرصہ بہت لمبا ہے اتنے عرصہ میں تو کوئی لڑکا پیدا ہو ہی سکتا ہے حالانکہ اوّل یہ ضروری نہیں تھا دوسرے پیشگوئی صرف بیٹے کی نہیں نہایت عظیم الشان صفات والے بیٹے کی تھی۔ غیر تو خیر غیر تھے بعض مسلمانوں (حافظ سلطان کشمیری و صابر علی وغیرہ) نے بھی دشمنان اسلام کی پیٹھ ٹھونکی اور یہاں تک لکھ دیا کہ لڑکا تو ڈیڑھ سال پہلے پیدا ہوچکا ہے۔ یہ تو وہ تکلیف دِہ باتیں تھیں جو آپؑ کے اشتہارات شائع ہوتے ہی وقوع میں آ گئیں۔ مگر کرنا خدا کا یہ ہؤا کہ آپؑ کے ہاں پہلے ایک لڑکی ''عصمت'' نامی پیدا ہوگئی جس پر دشمنوں نے بہت ٹھٹھا کیا اور کہا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اس کے بعد ایک لڑکا '' بشیر اوّل'' پیدا ہؤا جس کی پیدائش پر حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھا '' شائد'' یہی پسر موعود ہو لیکن وہ لڑکا ڈیڑھ سال کا ہو کر فوت ہوگیا۔ پھر کیا تھا مخالفت اور ہنسی اور ٹھٹھے کا ایک طوفان برپا ہوگیا حالانکہ آپؑ نے قطعی طور پر اسے پسر موعود قرار نہیں دیا تھا بلکہ صاف صاف لکھا تھا کہ ضروری نہیں کہ یہی لڑکا پسر موعود ہو ہاں نو سال کی میعاد مقررہ کے اندر وہ ضرور پیدا ہو جائے گا۔ اس پر آپؑ کو اتنا یقین تھا کہ پہلے لڑکے کی وفات پر آپؑ نے نہایت تحدّی سے لکھا کہ '' دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہؤا مگر خداتعالےٰ کے وعدے کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں''۔ نیز لکھا سو اے وے لوگو! جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور

خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی۔‘‘

دشمنوں کیلئے ہنگامہ آرائی اور طوفان بدتمیزی برپا کرنے کا کوئی جواز اسلئے بھی نہیں تھا کہ ۲۰رفروری کے الہامات میں دراصل دو لڑکوں کی پیشگوئی تھی ایک ’’مہمان‘‘ یعنی آ کر جلد رخصت ہو جانے والے لڑکے کی اور دوسری المصلح الموعود کی پس پہلے لڑکے کا فوت ہوجانا تو اس پیشگوئی کی صداقت کی دلیل تھی نہ کہ اسکے جھوٹا ہونے کی۔ تاہم بدفطرت لوگوں نے اسپر شور مچایا جس کی وجہ سے آپؑ کو حد درجہ دکھ پہنچا اور اس دکھ کا پہنچنا آپؑ کے لئے امر طبعی اور ضروری بھی تھا کیونکہ یہ پیشگوئی اسلام کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے تھی نہ کہ کسی ہوائے نفس کے ماتحت پس اس تکلیف کو جو پسر موعود کی پیدائش سے پہلے آپؑ کو پہنچنے والی تھی اس آیت میں دردزہ سے (جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہونے والی درد کا نام ہے) تعبیر کیا گیا۔ سبحان اللہ کتنی برمحل تعبیر ہے۔

اب رہے **جذع نخلة** کی طرف لیجانے کے الفاظ تو جاننا چاہیے کہ **جذع** درخت کے تنے کو کہتے ہیں (بعض نے اسے کٹے ہوئے اور خشک تنہ سے خاص کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شرط نہیں)۔ دکھ پہنچنے پر کسی چیز کی طرف جانا دو طرح پر ہوتا ہے ایک اسطرح جیسے انسان حملہ آور دشمن کی طرف جاتا ہے اور دوسرا اسطرح جیسے انسان حصول سہارا کے لئے کسی کی طرف جس سے اسے مدد یا تعاون کی امید ہوجاتا ہے۔ پس اس میں ایک تو یہ بتایا کہ دشمنوں کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہوں گے کہ موعود مریم کو مقابلہ کے لئے ان کی طرف متوجہ ہونا پڑیگا اور دوسرے یہ بتایا کہ جب دشمن ہنسی اور ٹھٹھا کر رہا ہوگا مریم نام پانیوالا موعود مریم بعض لوگوں کی طرف جن سے اسے تعاون یا خیر کی امید ہوگی متوجہ ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں باتیں پوری ہوئیں۔

فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا (۲۵)

اس پر فرشتہ نے اسے پائیں جانب سے آواز دی اور کہا غم نہ کھا تیرے رب نے تیرے نیچے چشمہ بہا دیا ہے۔

فرشتہ کے حضرت مریم کو پائیں جانب سے پکارنے میں تو یہ حکمت تھی کہ وہ چشمہ کی جگہ کو جان لیں کہ جہاں سے آواز آرہی ہے وہ وہاں پر ہے۔ مگر یہ سارا ذکر چونکہ ایک اور مریم کے لئے بطور پیشگوئی ہورہا ہے۔ اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ حالات مذکورہ میں

موعود مریم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی دی جائیگی اور اس ابتلاء کے زمانہ میں اس کثرت سے الہامات ہونگے کہ گویا ایک چشمہ بہ پڑیگا۔ چنانچہ آپ کے مجموعہ الہامات ''تذکرہ'' کو دیکھنے سے اس بات کی تصدیق ہوسکتی ہے کہ پسر موعود کے بارہ میں ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے اعلان اور ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کے درمیان جو اس کی پیدائش کا دن ہے آپؑ کو کس کثرت سے الہامات ہوئے۔ اور اگرچہ وہ سب کے سب پسر موعود کے متعلق نہیں تھے مگر ان سے آپؑ کو اتنی تسلی تو ہو جاتی تھی کہ خدا تعالیٰ نے آپؑ سے منہ نہیں موڑا۔

===============

موعود مریم مہدی مسعودؑ کے لوگوں کو دعوت بیعت دینے اور اسکے بہترین نتائج برآمد ہونے کی پیشگوئی

اوپر کی آیت کے بعد ہے:-

وَهُزِّىٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا (۲۶)

اور اے مریم تنۂ کھجور کو اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گرائیگا۔

آنحضرتؐ نے مومنوں کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی ہے پس اسمیں بتایا کہ جب دشمن طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہوں گے۔ مریم نام پانے والا موعودؑ خدائی اشارہ کے ماتحت لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیگا اور اس کا مسلمانوں کی طرف تعاون اور خیر کی امید سے متوجہ ہونا رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ ''کھجور کا یہ تنہ'' اس پر تازہ بتازہ پھل گرائیگا یعنی ان میں سے نئے نئے عمدہ صفات والے لوگ اس کے قدموں پر گریں گے۔ چنانچہ عین اس ابتلاء کے وقت آپؑ نے لوگوں کو بیعت کرنے کی دعوت دی جو بہت سے سعید فطرت لوگوں نے قبول کی۔ (دیکھیں تاریخ احمدیت جلد دوم ص ۱۶۳ تا ۱۷۳)

آگے ہے:-

فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَ قَرِّىۡ عَيۡنًا (۲۷ جاری)

جب موعود مریم کو خدا کی طرف سے بکثرت ملنے والی بشارتوں کو ایک چشمہ اور اس کے

قدموں پر گرنے والے لوگوں کو تازہ کھجوریں قرار دیا تو اس کے بعد ان سے تمتع کو کھانے اور پینے سے تعبیر کیا اور اس کے بعد فرمایا **وَقَرِّیْ عَیْنًا** اور (یاد رکھو یہ نعمتیں تجھے ضرور ملیں گی پس ان سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔

دوسرے معنے اس کے یہ ہیں کہ تجھے جس بیٹے کی بشارت دی گئی ہے وہ حسب وعدہ ضرور پیدا ہوگا پس تو اس کے نظارہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ چنانچہ جہاں تک امرِ دوم کا تعلق ہے اوپر حوالہ آچکا ہے کہ آپؑ نے خدا سے علم پانے کے بعد دعویٰ کیا کہ پسر موعود مدّت مقررہ کے اندر ضرور بالضرور پیدا ہوگا زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا کے وعدے نہیں ٹل سکتے۔ رہا امرِ اوّل تو ایک ایسے ہی موقع پر یعنی جب آپؑ نے اعلان بیعت کیا اور بعض لوگ جو پہلے آپؑ سے بیعت لینے کی درخواست کیا کرتے تھے بدظن ہوگئے اور انہوں نے آپؑ کو کافر اور بے دین کہا تو آپؑ نے فرمایا ’’افسوس ان احمقوں کو یہ معلوم نہ ہؤا کہ جو شخص خداتعالیٰ سے **قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ** اور **اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ** کی آوازیں سنتا ہو وہ ان کی بدگوئی اور گالیوں کی کیا پروا کرسکتا ہے۔‘‘

فرمایا:-

فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا (۲۷)

اور اگر تو کسی بشر کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے رحمٰن کے لئے (چپ کا) روزہ رکھا ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

یہاں پھر وہی رحمٰن کا لفظ ہے جو اوپر آیا تھا اللہ کا لفظ نہیں ہے اور جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے صفت رحمانیت کا تعلق نزول کلام سے ہے۔ چونکہ بات اس وقت کی ہو رہی ہے جب بیٹے کی ولادت قریب تھی اس میں موعود مریم کو یہ اشارہ کیا گیا کہ لوگ پسر موعود کے بارہ میں اعتراضات سے باز نہ آئیں تو پرواہ نہ کرنا بلکہ انکی باتوں کا جواب دینا چھوڑ دینا خدائے رحمٰن جس نے تجھے بیٹے کی بشارت دی ہے۔ خود ان کو عملی جواب دیگا۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا (۲۸)

(سو اس کے بعد حسب بشارت عیسیٰ پیدا ہؤا اور جب بڑا ہوگیا) تو مریم

اسے سوار کرکے اپنی قوم کے پاس لائی (جس پر) قوم کے لوگوں نے کہا
اے مریم تو نے عجیب گل کھلایا ہے۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ جب بچّہ پیدا ہوگیا تو مریم اسے اٹھائے ہوئے قوم کے پاس لائیں لیکن ان کی ولادت جس رنگ میں ہوئی اعتراضات کا ہونا یقینی تھا اسلئے یہ بات قرین قیاس نہیں نیز آگے جو باتیں ابن مریم کی بیان ہوئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اس وقت نبی بن چکے تھے پس **تَحۡمِلُهٗ** کا مطلب یہ ہے کہ اسے سوار کرا کے لائیں۔ یہ دراصل توقیر پر قرینہ ہے اور اس میں بتایا یہ گیا کہ موعود مریم کے ہاں بھی حسب بشارت بیٹا پیدا ہوگا اور اس کی زندگی ہی میں جوان ہوجائیگا جیسا کہ ’’**غُلَا مًا زَكِيًّا** ‘‘ میں یعنی ’’ غلام‘‘ کے لفظ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور پھر اس مریم کی بدولت اسے اس کی قوم میں عِزّت کا مقام بھی مل جائیگا۔

فَرِيًّا کے معنے عجیب کے ہیں اور یہ لفظ مقام ذم پر بھی استعمال ہوتا ہے اور مقام مدح پر بھی۔ پس اس میں بتایا کہ بعض لوگ اسوقت بھی کہ لڑکا پیدا ہوکر جوان ہوچکا ہوگا اور اس کا ہونہار ہونا نظر آرہا ہوگا۔ اعتراض ہی کئے جائیں گے اور بعض اس لڑکے کی خوبیوں کے قائل ہوں گے اور اس کے بارہ میں ہونے والی پیشگوئی کے ایک عظیم پیشگوئی ہونے کا اعتراف کریں گے۔ چنانچہ حضرت علامہ حکیم مولوی نورالدین صاحب جو بعد میں جماعت کے خلیفۃ اوّل ہوئے آپ کے علم وفضل کے قائل تھے اور آپ کو پسر موعود خیال کرتے تھے۔ یہی حال دیگر اکا برین جماعت کا تھا اور ان کے علاوہ کئی غیر از جماعت لوگ بھی اس پیشگوئی کی عظمت کے معترف تھے جن میں سے مولوی سمیع اللہ خان صاحب فاروقی اور غیر مسلم سکھ صحافی ارجن سنگھ ایڈیٹر رنگین امرتسر کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(دیکھیں تاریخ احمدیت جلد ۲ ص ۱۱۲-۱۱۱)

يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا (۲۹)

اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار۔

مطلب یہ کہ نہ ماں باپ برے نہ بھائی برا تو ایسا کام کرنیوالی یعنی (نعوذ باللہ) ناجائز

بچہ جننے والی یا خدا کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والی کہاں سے آ گئی۔

اس ذکر میں یہ اشارہ کیا گیا کہ موعود مریم کا کوئی بھائی اس قسم کے دعاوی نہیں کریگا جیسے کہ وہ کریگا نہ اس کے ماں باپ کریں گے۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا (۳۰)

اس پر مریم نے بیٹے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ جواب دے گا) انہوں نے کہا جو کل تک پنگوڑے کا بچہ تھا ہم اس سے کیسے گفتگو کریں۔

جس طرح مریم کے بیٹے مسیح کو خلافت الٰہیہ کے منصب پر فائز ہوجانے کے باوجود کل کا بچہ قرار دیا گیا اسطرح موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے پسر موعود کو بھی (جو اپنے الہام اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَ خَلِیْفَتُہٗ کے مطابق مسیح بھی تھے) منصب خلافت پر فائز ہونے کے وقت ان لوگوں کی طرف سے کل کا بچہ قرار دیا گیا جو خلافت سے الگ ہوگئے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (۳۱)

ابن مریم نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔

جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا ہے کہ ان آیات میں دہری پیشگوئی ہے اول موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کرنے کی اور دوسرے آپؑ کے ہاں ایک مسیحی نفس بیٹے کے پیدا ہونے کی۔

اٰتٰنِیَ الْکِتَابَ سے تو دونوں صورتوں میں قرآن اور قرآن کا علم دیا جانا مراد ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کسی نئی شریعت کے حامل نہیں ہوں گے۔ قرآن ہی انکی شریعت ہوگی۔ لیکن جَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے الفاظ سے پہلی صورت میں تو نبی بنایا جانا ہی مراد ہے۔ اور دوسری صورت میں مراد نبی کا مثیل بنایا جانا ہے۔ چنانچہ جب اس پیشگوئی کے مصداق پر خداتعالیٰ کی طرف سے یہ انکشاف ہوا کہ آپ ہی پسر موعود ہیں۔ تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ الہاماً جاری ہوئے کہ اَنَاالْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدمَثِیْلُہٗ وَ خَلِیْفَتُہٗ میں مسیح موعود ہوں۔ یعنی اس کا مثیل اور خلیفہ۔

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ

وَالزَّکوٰۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا (۳۲)

اور جہاں کہیں بھی میں ہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

وَجَعَلَنِی مُبَارَکًا اَیْنَ مَاکُنْتُ میں بتایا کہ اس کا وجود گھر میں، گھر سے باہر۔ سفر میں حضر میں۔ اپنے اصل مقام پر یا وہاں سے ہجرت کرکے کہیں دور جانے پر ہرصورت میں مبارک ہوگا۔ چنانچہ موعود مریم حضرت مرزا صاحبؑ نے جب حالت عیسوی کی طرف انتقال کیا تو بوجہ نبی اللہ ہونے کے انکا وجود جہاں کہیں بھی ہو بابرکت ہوتا تھا۔ جس کھانے کو آپؑ چھو لیتے اس میں برکت پڑ جاتی تھی جس گھر میں قدم رکھتے وہ مبارک ہوجاتا تھا جس مریض کو چھو لیتے وہ اچھا ہو جاتا تھا گھر آتے تو ایک دریا نور کا ہمراہ لاتے اور گھر سے باہر جاتے تو نور آپؑ کے آگے آگے چلتا تھا اور آپؑ کی نیابت میں آپؑ کے پسر موعود کا بھی یہی حال تھا۔ اور انہیں تو ہجرت بھی کرنا پڑی اور دارالہجرت کا ان کے ہاتھ سے قیام بے شمار برکات کا موجب ہؤا۔ اگلے جملہ ” وَاَوْصٰنِی بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا“، میں الصّلٰوۃ اور الزّکوٰۃ کا ال تخصیص کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح سابقہ ابن مریم کو عمر بھر تورات کے مطابق نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم ہؤا موعود ابن مریم کو اور موعود مریم کے پسر موعود کو بھی قرآن کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم ہوگا انمیں سے کوئی نئی شریعت نہیں لائے گا۔

حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا: ” اگر میں آنحضرتﷺ کی اُمّت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ (جو مجھے حاصل ہے) ہرگز نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوّت کے سب نبوّتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔ پس اس بنا پر میں امّتی بھی ہوں اور نبی بھی اور میری نبوّت یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ، آنحضرت ﷺ کی نبوّت کا ایک ظل ہے اور بجز اس کے میری نبوّت کچھ بھی نہیں۔ وہی نبوّت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی۔

آیت وَجَعَلَنِی مُبَارَکًا الخ کے بعد ہے:-

وَبَرًّاۢ بِوَالِدَتِی وَلَمْ یَجْعَلْنِی جَبَّاراً شَقِیًّا (۳۳)

اور مجھے اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور جابر اور نافرمان نہیں بنایا۔

جب ابن مریم کی زبانی یہ کہلوادیا کہ میں نبی ہوں تو اس کے بعد الفاظ زیر تفسیر لانے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ والدہ سے نیک سلوک تو معمولی درجہ کے نیک آدمی بھی کرتے ہیں۔ پس یہ الفاظ جو لائے گئے تو یہ بتانے کے لئے کہ موعود مریم پر چسپاں کریں تو انمیں ایک خاص اشارہ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح ناصری کی صرف والدہ تھیں والد تھے ہی نہیں لیکن موعود مریم کے والد اور والدہ دونوں ہونے تھے۔ اور اسکے مسیح اور نبی بننے کے وقت دونوں نہیں ہونے تھے اور ان کے حق میں اس کے برًّ ہونے کا ذکر اس سے ذرا پہلے یعنی آیت ۱۵ میں آبھی چکا ہے اس لئے اگرچہ اس آیت میں جو ذکر ہے وہ بھی بطور پیشگوئی ہی ہے مگر یہ پیشگوئی موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے اپنے بارہ میں نہیں ہوسکتی بلکہ آپؑ کے پسر موعود ہی کے بارہ میں ہوسکتی ہے جس کا ذکر ان آیات میں آپؑ کے ذکر کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یوں بھی یہ مسلمہ اصول ہے کہ کبھی ایک بات باپ کے حق میں بتائی جاتی ہے اور اسکا بیٹے کے حق میں پورا ہونا مقدّر ہوتا ہے۔ مگر آپؑ کے پسر موعود کے بھی والد اور والدہ دونوں ہونے تھے اس لئے جب تک کوئی خاص وجہ نہ ہوصرف ان کا والدہ سے نیک سلوک کرنیوالا ہونا بیان کیا جانا بدتعریفی ہے تعریف نہیں۔ لیکن یہاں یہ ذکر مقام مدح پر آیا ہے۔ اس لئے اس میں دراصل یہ اشارہ تھا کہ جس طرح حضرت مسیحؑ کے خلیفۃ اللہ بننے کے وقت ان کی والدہ موجود تھیں لیکن والد نہیں تھے اسی طرح جب یہ پسر موعود منصب خلافت پائے گا اس وقت اسکی صرف والدہ موجود ہونگی۔ والد موجود نہیں ہونگے۔ مگر والد کی عدم موجودگی کے باوجود وہ والدہ سے حد درجہ نیک سلوک کرنیوالا ہوگا۔ اور اس کے بعد وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا شَقِیًّا کے الفاظ بڑھا کر بتایا کہ حضرت مسیحؑ کی والدہ کی طرح اس کی والدہ بھی مومنہ ہونگی ایسی نہیں ہونگی کہ ان پر کسی معاملہ میں جبر کرنا پڑے یا ان کی نافرمانی کرنی پڑے جس کی غیر مومنہ یا مشرکہ والدہ کے تعلق میں ضرورت پیش آسکتی ہے۔

یہ پیشگوئی بھی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی بلکہ قرآنی الفاظ وَ اٰوَیْنٰھُمَا اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ (المومنون۲۳:۵۱) میں مستور پیشگوئی کے مطابق آپؓ اور آپؓ کی والدہ صاحبہ نے

بعد از ہجرت جس مقام پر پناہ لی بتصرفِ الٰہی اسکا نام بھی ربوہ رکھا گیا۔

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا(۳۴)

اور جس دن میں پیدا ہؤا اس دن بھی مجھ پر سلامتی تھی اور جس دن میں مروں گا۔ اور جس دن زندہ کرکے اٹھایا جاؤنگا۔(اسدن بھی سلامتی ہوگی)

یہ ذکر کرکے بتایا کہ موعود مریم کے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال پر یعنی اس کے بطور عیسیٰ روحانی تولّد کے وقت بھی اس پر سلامتی نازل کی جائے گی جس کی وجہ سے وہ اپنے مشن کو پورا کریگا (چنانچہ آپکو **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** کا الہام بھی ہؤا) اور اس کی زندگی ایسی کامیاب اور پاکیزہ زندگی ہوگی کہ موت کے وقت بھی اس پر سلامتی بھیجی جائے گی۔ اور خدا کی نگاہ میں بھی وہ ایسا پسندیدہ ہوگا کہ حشر کے دن بھی اس پر سلامتی نازل کی جائے گی۔ اسی طرح اس میں موعود مریم کے پسر موعود کے متعلق بتایا کہ وہ بچپن میں فوت نہیں ہوگا ۔ بلکہ جوان ہوگا۔اورمہدی موعود کی پوری طرح اتباع کرے گا کیونکہ لفظ غلام ان دونوں باتوں کا مقتضی ہے اور پھر ایسی زندگی گزارے گا۔ کہ اس کی موت پر لوگ اس کے حق میں دعائے خیر کریں گے اس کی زندگی ریاکارانہ نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ خداتعالیٰ کی نگاہ میں بھی پسندیدہ ہوگا۔ جس کی وجہ سے حشر کے دن بھی اس پر سلامتی نازل کی جائیگی۔ چنانچہ ان دونوں کے حق میں یہ پیشگوئیاں لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں۔

پیدائش کے وقت ان پر سلامتی کا نازل ہونا تو اسی سے ثابت ہے کہ یہ دونوں (یعنی مسیح موعودؑ اور مصلح موعودؓ) لمبی اور کامیاب زندگی گزارنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ رہی وفات کے وقت کی سلامتی تو یہ ایک تو اس سے ثابت ہے کہ لاکھوں لاکھ لوگ ایسے ہیں کہ جب بھی ان کا نام آئے ان پر سلام بھیجتے ہیں اور دوسرے اس سے ثابت ہے کہ ان کے شروع کئے ہوئے کام ان کے بعد بھی جاری ہیں اور ان کے شاندا ر نیک نتائج مسلسل نکل رہے ہیں۔ اور جب پہلی دونوں پیش گوئیاں پوری ہوگئیں تو اس میں شبہ نہ رہا کہ حشر کے دن کے بارہ میں جو پیشگوئی ان کے حق میں کی گئی ہے وہ بھی ضرور پوری ہوگی۔

==============

کٓھٰیٰعٓصٓ میں ایک اور عجیب پیشگوئی

سورۃ مریم کے حوالہ سے یہاں تک مضمون لکھا جا چکا تھا اور میں اسے ختم ہی کر چکا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ خدا تعالیٰ کی کسی بھی چیز کے عجائبات ختم نہیں ہوسکتے تو اس کلام کے جو اس نے اپنے سب سے بزرگ رسول ﷺ پر نازل کیا عجائبات ختم کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں بے قراری پیدا ہوئی کہ اس سورۃ کے مقطعات میں کوئی اور پیشگوئی بھی ہو تو مجھے سمجھائی جائے۔ چند ہی لمحے اس کیفیت اضطرار میں گزرے تھے کہ میری توجہ سیدنا حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کی (جو بعد میں خلیفۃ المسیح اوّل منتخب ہوئے) ایک رویاء کی طرف پھیری گئی۔ایک موقع پر آپؓ نے فرمایا۔ ''کشمیر میں ایک مولوی عبدالقدّوس صاحب رہتے تھے۔ وہ بڑے بزرگ آدمی تھے.... میں نے رویاء میں دیکھا کہ ان کی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں نے ایک جھپٹا مارا اور سب بچے اپنی گود میں لے کر وہاں سے چل دیا۔ رستہ میں میں نے ان بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا نام کٓھٰیٰعٓصٓ ہے۔ میں اپنے اس رویاء کو بہت تعجب کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کا مرید ہوا تو میں نے ان سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ ''آپ کو اس کا علم دیا جائے گا اور وہ لڑکے فرشتے تھے۔'' (مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین ۱۵۴)

بہت سے سابقہ مفسرین نے بھی کٓھٰیٰعٓصٓ کو فرشتوں کے **اسمآء** قرار دیا ہے۔

رویاء میں دیکھے جانے والے اشخاص کے ناموں کی بھی تعبیر ہوتی ہے۔عبدالقدّوس سے حضرت مہدی موعودؑ مراد ہیں کیونکہ اپنے زمانہ میں نبیِ وقت سے زیادہ کوئی اور عبدالقدّوس یعنی خدائے قدّوس کا عبد نہیں ہوتا۔ پس اس رویاء میں بتایا گیا کہ حضرت مہدی موعودؑ کے آخری وقت میں پانچ بچّے ان کی گود میں یعنی ان کی زیرِ تربیّت ہونگے ایک وقت آنے پر (جو اچانک آئے گا۔ بغیر اس کے کہ حضرت مہدی موعودؑ کہیں) حضرت حکیم صاحب موصوف ان بچّوں کو اپنی گود میں یعنی اپنی نگرانی اور تربیّت اور حفاظت میں لے لیں گے۔ اور نام سے چونکہ صاحبِ نام کی طرف توجہ ہوتی ہے اس لئے یہ جو ان بچوں نے کہا کہ ہمارا نام کٓھٰیٰعٓصٓ ہے تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ سورۃ مریم کے شروع میں آنیوالے ان مقطعات میں ہماری طرف اشارہ ہے۔ اور جب ایک

طرف یہ ثابت ہے کہ کٓھٰیٰعٓصٓ فرشتوں کے نام ہیں اور دوسری طرف یہ ثابت ہؤا کہ یہ ان بچّوں کے نام ہیں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اس میں ان بچّوں کے **ملا ئکۃ** صفت ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ یہ پیشگوئی نہایت وضاحت سے پوری ہوئی حضرت مہدی موعودؑ کی رحلت کے وقت آپؑ کے بچوں میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں آپ کے گھر میں آپ کی زیرِنگرانی و تربیت تھے(بڑے صاحبزادے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب اس وقت تک نہ احمدی ہوئے تھے نہ آپؑ کے زیرِ تربیّت تھے)۔ اور آپؑ کی وفات کے بعد جو بالکل اچانک ہوئی یہ پانچوں حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کی زیرِ تربیت ونگرانی آئے اور ان میں سے ہر ایک نے اس خلیفۃ اللہ کی بالکل اسی طرح فرمانبرداری کی جس طرح فرشتوں نے پہلے خلیفۃاللہ حضرت آدمؑ کی کی تھی۔ **فسبحان اللّٰہ وبحمدہ؛سبحان اللہ العظیم۔**

اگر کہا جائے کہ حضرت مہدی موعودؑ نے تو یہ فرمایا تھا کہ وہ ''لڑکے'' فرشتے تھے پھر بیٹیاں ان میں شامل کیسے ہوگئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل صاحبِ رویاء نے لڑکے کا لفظ استعمال نہیں کیا ''بچے'' کہا ہے۔ دوم مقصود تو اس رویاء سے حضرت مہدی موعودؑ کے بچوں کو فرشتوں سے تشبیہ دینا تھا اور فرشتے چونکہ از روئے قرآن اناث میں سے نہیں ہوتے اس لئے خواہ وہ بچے لڑکے ہوں یا لڑکیاں جب انہیں فرشتوں کے طور پر دکھانا پسند کیا گیا تو لڑکوں ہی کی صورت پر دکھایا جا سکتا تھا فلا اعتراض۔

===============

سورۃ النُّور میں ذکر المہدیؑ

سورۃ النور میں ایک آیت ہے:-

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ...(۳۶)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یعنی ہر چیز سماوی

وارضی کو وہی منوّر کرنے والا ہے ۔ جس قسم کی بھی روشنی ،خوبصورتی یا زندگی کسی چیز میں پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض سے ہے۔ **مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ** اس کے نور کی یعنی اس چیز کی جسے اسنے (روحانی طور پر دنیا کو منور کرنے کے لیئے) نور قرار دیا ہے ۔ یعنی وحی قرآنی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو **فِیْھَا مِصْبَاحٌ** اسمیں ایک چراغ ہو ۔

قرآن کریم میں حسب ضرورت ترتیب ظاہری یا معنوی کا اشد لحاظ رکھا گیاہے ۔ اس آیت میں پہلے مشکٰوۃ کا ذکر ہے پھر مصباح کا ۔ چونکہ مصباح یعنی چراغ سے مراد قرآنی وحی ہے مشکٰوۃ یعنی طاق سے لازماً محلِّ وحی مراد ہوگا جس کا نمبر چراغ سے پہلے آتا ہے اور جو چراغ کا محافظ ہوتا ہے یعنی اس سے آنحضورﷺ کا صدرمشروح یا قلب مطہر مراد ہوگا جس میں یہ چراغ رکھا گیا کمافی قو لہٖ **نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ** (الشّعرآء ۲۶: ۱۹۴، ۱۹۵)

مشکٰوۃ یعنی طاق اپنی چھ میں سے پانچ اطراف سے بند اور صرف ایک طرف سے کھلا ہوتا ہے۔ اسلئے اس میں رکھے ہوئے چراغ کی روشنی زیادہ تر صرف سامنے کی طرف پڑتی ہے۔ اگرچہ تھوڑی بہت دائیں بائیں اور اوپر نیچے کی جہات میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ پس آنحضورﷺ کے سینۂِ مشروح کو طاق اور قرآنی وحی کو چراغ سے تشبیہ دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جب تک یہ چراغ اس طاق کے اندر ہے یعنی جب تک محمد رسول اللہﷺ اس دنیا میں موجود ہیں اسوقت تک تو یہ طاق خود اس چراغ کا محافظ ہوگا۔ مگر اس کی روشنی زیادہ تر اپنے سامنے کی جہت میں مرکوز رہیگی۔ صاحب شریعت نبی کے سامنے چونکہ بڑا کام تکمیل ہدایت بمع قیام ہدایت کا ہوتا ہے اس لئے مطلب اسکا یہ ہؤا کہ آنحضورﷺ کی زندگی میں زیادہ تر یہی کام ہوگا اگر چہ کسی قدر اشاعت ہدایت بھی ساتھ ہی ہو جائیگی ۔

مصباح کے بعد زجاجۃ کا ذکر ہے یعنی یہ فرمایا ہے کہ **اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ** اس میں تحت کا لفظ نہیں رکھا بلکہ فی کا رکھا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ یہ مصباح زجاجہ کے نیچے ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسکے اندر ہے اس میں ایک خاص حکمت ہے۔ عام زجاجہ یعنی چمنی اوپر سے کھلی اور ننگی ہوتی ہے اس لئے جب اس چراغ کو جو ایسی زجاجہ کے نیچے ہو طاق سے نکال کر کھلی جگہ پر لیجایا جائے تو ہوا کے جھونکوں سے اسکی لَو کے بجھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن اگر زجاجہ ہری کین کی چمنی کی صورت میں ہو یعنی شعلۂ چراغ اسکے اندر مقیّد ہو تو یہ خطرہ نہیں رہتا ۔

اس لئے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ کے بعد اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ کے الفاظ لاکر یہ بتایا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اس چراغ (یعنی وحی قرآنی) کو بجھنے سے محفوظ رکھنے کا بلکہ اسکی روشنی کو ہر طرف پھیلانے کا انتظام کر دیا گیا ہے ۔ چونکہ ایسا انتظام ہمیشہ خلافت کے ذریعہ ہؤا کرتا ہے اس لئے قطعی اور یقینی طور پر اسمیں اشارہ آنحضورؐ کے بعد خلافت کے قائم کئے جانے کیطرف کیا گیا ۔ اگرچہ اور اشارات بھی اسمیں ہیں۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ کے بعد ہے اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ وہ زُجَاجَۃ جسکی طرف ہم خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتے ہیں ایسی ہے جیسے کَوْکَبِ دُرِّی (حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ''پھر اس چمنی کے اوپر ایک اور گلوب رکھ دیا'' گویا آپ نے بھی ''الزُجَاجَۃ'' کو ''زُجَاجَۃ'' سے جس کا ذکر پہلے ہؤا الگ کیا ہے)۔ کوکب صرف اس ستارے کو کہتے ہیں جو فی ذاتہٖ روشن اور افروختہ ہو خواہ مزید منوّر کرنے کے لئے اس پر کسی دوسرے سورج کی روشنی بھی پڑ رہی ہو۔ پس بظاہر اسمیں الزُجَاجَۃ کی تعریف اَلْمِصْبَاح سے زیادہ کر دی گئی ہے اور اسے اس سے بڑا مقام دے دیا گیا ہے ۔ لیکن دراصل ایسا نہیں ہے کیونکہ زُجَاجَۃ یعنی چمنی چراغ کی لو کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے اور محافظ خادم ہوتا ہے مخدوم نہیں ہوتا۔ (خدا تعالیٰ کے لیئے حفیظ کا لفظ آنا اس کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا حفیظ ہونا کسی کو حفاظت پر مامور کرنے کے معنیٰ میں ہوتا ہے)۔ پس ایک طرف اس زجاجۃ کا محمد رسول اللہ ﷺ پر اترنے والی وحی کے لئے اور بنا برایں خود حضورؐ کے لئے خادم ہونا ظاہر کر کے اور دوسری طرف اسکا نام کوکب دُرِّی رکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اگرچہ وہ خلیفہ جسے کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کا نام دیا گیا ہے خود بھی نبی اللہ ہوگا لیکن اسکی نبوّت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع اور آپؐ ہی کے نور کی اشاعت کے لئے ہو گی اور اسکا فی ذاتہٖ افروختہ ہونا یعنی مقام نبوّت کا حامل ہونا بھی حضورؐ ہی کی بدولت ہوگا۔

چونکہ کوکب دُرِّی کا مقام نہایت بلندی پر ہوتا ہے اور اسے ساری دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے اسلئے اس خلیفہ کو جسکی طرف یہاں خصوصی توجہ دلائی گئی ہے کوکبِ دُرِّی کا نام دے کر یہ بھی بتایا گیا کہ اسکے وقت میں قرآنی چراغ کی (جو اس زجاجہ کے اندر ہوگا) روشنی ساری دنیا میں پھیل جائیگی اور اتنی زیادہ پھیلے گی کہ کسی اور خلیفہ کے وقت میں اتنی نہیں پھیلی ہوگی ۔ پس اسمیں مہدی

موعود علیہ السَّلام کی پیشگوئی کی گئی اور انہی کو کَوکَبِ دُرِّی کا نام دیا گیا کیونکہ بمطابق آیت هُوَالَّذِی اَرسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحقّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ساری دنیا میں قرآنی انوار کا پھیلنا اور تمام ادیان پر اسلام کا غالب آنا انہی کے وقت میں مقدر تھا۔ اور یہ بات کہ کوکب درّی سے مہدی موعود مراد ہے ہماری ذاتی رائے نہیں بلکہ خود آنحضورﷺ نے مہدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَجْهُهٗ کَالْکَوْکَبِ الدُّرِّیِّ اسکا چہرہ یا اسکی شخصیت کوکب دری کی مانند ہوگی۔

اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کے بعد ہے یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ۔ (وحی قرآنی کا) یہ چراغ شجر مبارکہ (کے روغن) سے جلایا گیا ہے۔ وہ شجر مبارکہ جسکی طرف اسکا نام لئے بغیر انسان کا ذہن جاسکتا ہے شجرۂ انبیا ہی ہے۔ پس اسمیں بتایا کہ حضرت محمد رسول اللہﷺ کا وجود سارے سلسلۂ انبیا کا نچوڑ ہے یعنی آپؐ جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں اور آپؐ ہی کا وجود ہے جو وحی قرآنی کے چراغ کے روشن ہونے کا ذریعہ بنا ہے کیونکہ نزول وحی ہمیشہ صاحب وحی کی حیثیت کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے اور قرآن جیسی اعلیٰ واکمل وحی ایسے اعلیٰ و اکمل وجود ہی پر نازل ہوسکتی تھی۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی مدّنظر رکھنے کے لائق ہے۔ جسے پہلے شجرہ مبارکہ قرار دیا ہے بعد میں اسی کا نام زیتون رکھا ہے۔ رویاء میں زیتون کا دیکھنا غم و اندوہ پر دلالت کرتا ہے اور اسکا روغن خیرو برکت پر۔ پس اسمیں بتایا کہ قرآنی وحی کا نزول اس غم وہم کا نتیجہ تھا جس کا بار حضرت محمد رسول اللہﷺ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے اٹھایا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے فرمایا قرآن غم کی حالت میں نازل ہوا اور غم ہی کی حالت میں پڑھنا چاہیے۔ اور چونکہ بِرکَةٌ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں اِردگرد کا پانی جمع ہو جائے اسلئے اسمیں یہ بھی بتایا کہ جس طرح محمد رسول اللہﷺ جامع جمیع کمالات انبیا ہیں اور آپؐ کا وجود انواع واقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے اسی طرح آپؐ پر اترنے والی وحی بھی تمام سابقہ وحیوں کی جامع ہے (فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۔۔ البیّنة ۹۸:۴)

یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ کے بعد ہے لَاشَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ یہ روغن نہ شرقی ہے نہ غربی۔ یعنی محمد رسول اللہﷺ کے دل میں نہ اہل مشرق کی طرفداری ہے نہ اہل مغرب کی بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے خواہ وہ کسی بھی ملک یا قوم یا رنگ ونسل کے ہوں

ہمدردی آپؐ کے دل میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے کما فی قولہٖ تعالیٰ وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء ۲۱:۱۰۸) اور اسی لئے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا۔ سبا ۳۴:۲۹) اسلئے قرآنی تعلیم بھی میانہ روی کی تعلیم ہے (تفسیر حضرت اقدس ص ۲۶۲)

آگے ہے یَکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ شجرہ مبارکہ مذکورہ کا روغن یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجودِ باجود جو جامع جمیع کمالات انبیاء ہے اپنے نور عقل اور اخلاق حسنہ اور کمالات باطنیہ کے اعتبار سے اس مرتبہ عالی کو پہنچا ہوا تھا کہ قریب تھا کہ بغیر آگ کے چھو جانے کے ہی روشن ہو جائے یعنی بغیر وحی الٰہی کے ہی دنیا کو منوّر کرنے یعنی ہدایت دینے کے قابل ہو جائے۔

اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ اگر آپؐ کا وجود بغیر وحی کے ہی دنیا کو ہدایت دینے کے لائق ہوسکتا تھا تو وحی کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر نہیں ہوسکتا تھا تو اس بات کا ذکر کر کے ان لوگوں کو شبہ کیوں دی گئی جو صرف عقل کو اپنی ہدایت کے لئے کافی سمجھتے ہیں؟ سو جاننا چاہیے کہ اس بات کے ذکر سے ایسے لوگوں کو شبہ نہیں دی گئی بلکہ اسکے برعکس ضرورت وحی پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ خواہ کوئی وجود نور عقل رکھنے میں اس انتہا کو بھی پہنچا ہوا ہو جس انتہا تک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قبل از نبوّت پہنچے ہوئے تھے پھر بھی وہ دنیا کو روحانی طور پر منوّر کرنے کا اہل نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر اسکے بغیر وہ اسکا اہل ہوسکتا ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نازل کرنا ایک خلاف ضرورت فعل ہوتا جو خدائے حکیم سے ممکن نہیں۔ دراصل ایسا شخص جسے صرف نور عقل حاصل ہو اس حد تک تو دوسروں کی راہنمائی کرسکتا ہے کہ وہ یہ جاننے لگ جائیں کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہونا چاہیے مگر اس حد تک انکو نہیں لیجا سکتا کہ وہ یہ یقین کر لیں کہ خدا واقعی ہے۔ گویا وہ انکو منزل کے قریب تک تو لیجا سکتا ہے اس تک پہنچا نہیں سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کو ایک بلند منزل، مثلا ایک بلند مینار کی چوٹی کے قریب تک لیجا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دے وہ اسے ایسی بری طرح ماریگا کہ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہیگا۔ چونکہ اس پر سوال ہوسکتا تھا کہ کیا پھر عقل کو بالکل بے کار چیز سمجھنا چاہیے اسلئے اسکے معاً بعد فرمایا نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ (نور نازل ہوا نور پر) تا اشارہ ہو کہ نورِ وحی سے اسی کو سرفراز کیا جاتا ہے جسکے پاس پہلے نور عقل موجود ہو

اور اسی نسبت سے سرفراز کیا جاتا ہے جس نسبت سے یہ نور اسکے پاس ہو جسکے پاس کچھ نہیں اسے کچھ نہیں دیا جاتا۔ اس پر کہا جاسکتا تھا کہ ضرورت وحی تسلیم لیکن جب وحی نازل ہو چکی اور دین مکمل ہو چکا تو پھر اسکے بعد تو وحی کی ضرورت نہیں ہوسکتی اسلئے آخر میں فرمایا **یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ** ۔ اللہ کے نور (تک لیجانے) کے لئے (بھی اللہ سے ہدایت یافتہ شخص یعنی کسی مہدی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس غرض کے لئے)اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا یعنی مہدی بناتا ہے۔ پس اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند شان اور اسے ظاہر کرنے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی ضرورت اور انکی باہمی نسبت بیان کرنے کے علاوہ آپؐ کے بعد خلفاء کے آنے کا اشارہ بھی دیا اور انکا فائدہ بھی بتایا اور ان خلفاء میں سے ایک اخص خلیفہ کی پیشگوئی بھی کی اور (اگرچہ سب نبی ہی خدا سے ہدایت یا فتہ ہوتے ہیں) اس خلیفہ کے بارہ میں یہ بتانے کے علاوہ کے وہ نبی اللہ ہوگا خاص طور سے یہ بتا کر کہ وہ خدا سے ہدایت یافتہ ہوگا یہ اشارہ بھی کردیا کہ وہ مہدی کا نام پائیگا۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ اسکے آنے کی ضرورت بھی بیان کردی **فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْم** ۔

سورۃ النور کی آیت **اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض** میں اشارۃً خلافت کا وعدہ دینے کے بعد اسی سورۃ کی آیت ۵۶ میں واضح طور پر بھی اسکا وعدہ دیا گیا چنانچہ فرمایا :-

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اللہ نے تم میں سے ایمان لانیوالوں اور اعمال صالحہ بجا لانیوالوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائیگا اسی طرح جس طرح اسنے ان سے پہلوں (یعنی بنی اسرائیل)کو خلیفہ بنایا۔

سورۃ البقرہ آیت ۸۸ میں ہے **وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ** ہم نے موسٰی کو کتاب دی اور اسکے بعد پے در پے رسول بھیجے ۔ رسول کا لفظ قرآن میں نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے آیاہے۔ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۴۵ میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسٰیؑ کے بعد آنیوالے انبیاء ربّانیون اور احبار جنہوں نے پورے طور پر خدا کے حضور سر تسلیم خم کر رکھا تھا یہود کے لئے تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے کیونکہ ان پر اسکی حفاظت کی ذمہّ داری

ڈالی گئی تھی اور وہ اس پر نگران تھے یعنی دیکھتے تھے کہ اس کتاب پر عمل ہوتا ہے یا نہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسٰیؑ کے بعد آنیوالے رسل انکے لئے بمنزلہ خلفاء کے تھے اور انمیں نبی اور غیر نبی دونوں شامل تھے۔ اور سورۃ النور کی مندرجہ بالا آیت کے مطابق جس قسم کے خلفاء (بنی اسرائیل میں آئے ویسے ہی) یعنی مامور اور غیر مامور دونوں قسم کے خلفاء کا اُمّتِ محمدیہ میں آنا مقدّر تھا ۔لیکن ہماری اس کتاب کا تعلق چونکہ مہدی موعودؑ سے ہے جو **مَامُورمِنَ اللّٰه** تھے اور مامور کا شمار ماموروں ہی میں ہوسکتا ہے اسلئے یہاں ہم حضرت موسٰیؑ کے بعد آنیوالے صرف مامور خلیفوں ہی کا ذکر کرینگے ۔

جیسا کہ کتاب نورالانوارص ۵۹ پر بتایا گیا ہے خلفاء سلسلۂ موسویہ سے خلفاء سلسلۂ محمدیہ کی مطابقت **حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ** مقدرتھی ۔ اور سلسلہ موسویہ میں الہام الٰہی سے کھڑے کئے جانیوالے یعنی مامور خلفاء بارہ تھے (**وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَنَقِيْبًا ...المائدة ۵:۱۳**) جو اسرائیلی تھے اور تیرھواں مسیح ابن مریمؑ تھا جو باپ کی طرف سے حضرت موسٰیؑ کی قوم میں سے نہیں تھا ۔لیکن والدہ کی طرف سے اسکا حضرت موسٰیؑ کی قوم سے تعلق تھا۔ اِسی طرح ضروری تھا کہ لفظ کما کی مناسبت سے جو اس آیت میں آیا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بھی بارہ مامور خلیفے قریش میں سے ہوں اور تیرھواں یعنی مہدی مسعود المسیح الموعود کسی اور قوم میں سے ہوتا ہم والدہ کی طرف سے اس کا حضوؐر کے ساتھ خون کا رشتہ بھی ہواور جیسے مسیح عیسٰی ابن مریمؑ حضرت موسٰیؑ سے تیرہ سو سال بعد یعنی چودھویں صدی میں آئے تھے موعود ابن مریم بھی آنحضوؐر سے تیرھویں نمبر پر آئے اور چودھویں صدی کا امام اور خلیفہ ہو۔ چناچہ ایسا ہی ہوُا۔ پہلے بارہ مجدد اور امام قریش میں سے ہوئے اور انکے بعد مسیح ابن مریم کا ظہور ہوُا جو سورۃ الجمعہ کی آیت **وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّايَلْحَقُوْا بِهِمْ** میں مذکور پیشگوئی کی اس تشریح کے مطابق جو خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی فارسی الاصل تھا لیکن اس کی بعض نانیاں اور دادیاں سادات میں سے بھی تھیں اور اس طرح اس کا آنحضوؐر کے ساتھ خون کا رشتہ بھی تھا۔ پس اس آیت میں جو آیت استخلاف کے نام سے مشہور ہے حضرت مہدی کی پیشگوئی تھی۔ چنانچہ کئی علماء سلف نے بھی یہی فرمایا ہے دیکھیں کتاب امام مہدی کا ظہور صفحہ ۳۷۲ و ۳۷۳

بعض لوگ امت محمد یہ میں سلسلہ خلافت منتخبہ کو بھی برحق جانتے ہیں اور خلافت ماموریت کے بھی قائل ہیں لیکن جب عیسیٰ ابن مریم کا سوال آئے تو کہتے ہیں کہ اس سے مراد سابقہ عیسیٰؑ ہی کا آنا ہے لیکن حرفِ تشبیہ 'کما' جو اس آیت میں آیا ہے اس خیال کو رد کرتا ہے کیونکہ مشبّہ اور مشبّہ به ایک نہیں ہو سکتے۔ یہی لفظ کما آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا میں بھی آیا ہے جس طرح وہاں اس لفظ کا لایا جانا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حضرت موسیٰؑ کے عین ہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ انکے مشابہ ہیں اسی طرح یہاں اس لفظ کا لایا جانا بھی بتاتا ہے کہ خلفاء سلسلہ محمد یہ خلفاء سلسلہ موسویہ کے مشابہ ہونگے نہ یہ کہ بعینہٖ وہی ہونگے۔

پس یہ آیت قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ سابقہ عیسیٰ ابن مریم کا دوبارہ آنا مقدّر نہیں تھا بلکہ جیسا کہ منکم کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے ظاہر کرتا ہے آنیوالے نے اُمّتِ محمد یہ ہی میں سے آنا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی عیسیٰ کے آنے کی خبر دینے کے ساتھ واضح طور پر یہ بھی فرمادیا تھا کہ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ اورتمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ پس جس طرح سلسلہ موسویہ کی ابتداء حضرت موسیٰؑ سے ہوئی جو ایک جلالی نبی تھے اور انتہا حضرت مسیحؑ پر ہوئی جو ایک جمالی رنگ کے نبی تھے اور سلسلہء محمد یہ کی ابتدا بھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوئی جو جلالی نبی تھے اسی طرح ضرور تھا کہ اس سلسلہ کی انتہا ایک جمالی رنگ کے نبی سے ہو جو مثیل مسیح ہو اور ان دو کے درمیان بارہ مامور خلیفے ہوں۔ اور جس طرح مسیحؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی کے سر پر آیا یہ بھی چودھویں صدی کے سر پر آئے اور یہ بھی ضروری تھا کہ جس طرح سلسلہ موسویہ کے علماء نے اپنے سلسلہ کے مسیح موعود کی مخالفت کی تھی سلسلہ محمد یہ کے علماء بھی اپنے مسیح موعودؑ کی مخالفت کریں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ علماء سلف نے اسکی طرف پہلے ہی اشارہ کردیا تھا (دیکھیں امام مہدی کا ظہور مصنّفہ قریشی محمد عبداللہ کاشمیری ۲۳۹:۲۴۰)

===============

مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ اور مہدیِ موعودؑ بحوالہ سورۃ یٰسٓ

ایک حدیث ہے اِقْرَؤُا عَلٰی مَوْتٰکُمْ یٰسٓ (ابو داؤد) اپنے مرنیوالوں پر یٰسٓ پڑھا کرو۔ اس کی وجہ سے اُمّت مسلمہ کا ہمیشہ یہ طریق رہا ہے کہ قریب المرگ عزیزوں کے پاس بیٹھ کر یہ سورۃ پڑھتے ہیں۔ بیشک اس ارشاد نبوی میں اسکی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے اور یقیناً اس سے مرنیوالوں کی تکلیف میں کمی بھی ہوتی ہے لیکن قرآن کریم تو عمل کے لئے ہے اور اس سورۃ میں روحانی مردوں کے اِحیاء کا ذکر بھی ہے اس لئے اصل منشاء اس حدیث کا یہی ہوسکتا تھا کہ جب مسلمان قوم مردہ کی طرح ہو جائے اسے اس سورۃ کے مضا مین کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ اس سے ثابت ہؤا کہ اس سورۃ کا تعلق مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے بھی ہے۔ اس کے شروع میں ہے ۔

یٰسٓ (۲) وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ (۳) اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۴)

ان آیات میں آنحضورؐ کو اے مرد کامل یا اے سردار کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اور پھر یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حکیم اس بات پر گواہ ہے کہ تو مرسلین میں سے ہے۔ گویا یہ فرمایا ہے کہ تیری مثال اندھوں میں کا نا راجہ والی نہیں۔ تو عام انسانوں میں سے بہتر انسان نہیں بلکہ کاملین میں سے کامل ترین یعنی سید المرسین ہے۔ اسکے بعد ہے ۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵)

صراط مستقیم پر۔

یہ الفاظ قرآن کریم میں یا خدا تعالیٰ کے لئے آئے ہیں یا آنحضرتؐ کے لئے دوسرے نبیوں کے لئے وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے الفاظ تو آئے ہیں ۔ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے الفاظ کہیں نہیں آئے۔ اس فرق سے آنحضورؐ کی فضیلت کا اظہار اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آپؐ صراط مستقیم پر حاوی ہیں۔ یعنی اگر چہ ہدایت یا فتہ اور ہدایت دینے والے تو سب ہی رسول ہوئے ہیں مگر آپؐ ہادی تراش ہیں اور اس لئے سید المرسلین ہیں ۔ گویا اس طرح آپؐ

کے مقام خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کی جس کا ذکر اس سے پہلے سورۃ الاحزاب میں ہؤا وضاحت فرمادی۔
آگے ہے:۔

تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ (٦)

اسکا اتارا جانا عزیزورحیم کی طرف سے ہے۔

لفظ تَنۡزِیۡل میں تعدّد کا مفہوم پایا جاتا ہے پس اس میں بتایا کہ آپؐ سے ہدایت پا کر ہادی بننے والے وجودوں (یعنی مجددین) کی صورت میں آپؐ کا اور قرآن کریم کا نزول بار بار ہوگا۔ اگلی آیات میں موجود الوقت لوگوں کے انکار کی وجہ بتائی کہ تیرا ڈرانا نہ ڈرانا ان کے لئے برابر ہے ۔ جبکہ انذار صرف ان کو فائدہ دے سکتا ہے جو خدائے رحمٰن سے بالغیب ڈرتے ہیں۔ اس سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شائد وہ لوگ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنے اِحۡیَاءِ مَوۡتٰی کے مشن میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے ۔اسلئے اس کے بعد فرمایا:۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ وَكُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (١٣)

یقیناً ہم ہاں ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ (زندہ ہو کر) آگے بھیجیں گے اسے اور ان کے آثار کو لکھ لیں گے اور (یوں)ہم نے ہر چیز کو امام مبین (یعنی واقعات سے آگے چلنے والی اور ہر بات کو واضح کرنے والی ایک چیز) میں (پہلے سے)محفوظ کر رکھا ہے ۔

مطلب یہ کہ اگر چہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ وہ کیا کیا عمل کریں گے اور ہمارے پاس اس کا بھی ریکارڈ موجود ہے مگر ہم اسے تحریر میں اس وقت لائیں گے جب وہ عملاً وہ کام کرلیں گے یعنی مکافات کا عمل اس وقت سے شروع ہوگا۔

اس میں پہلے قَدَّمُوۡا فرمایا ہے جو جملہ فعلیہ ہے جس سے ان کے ارادہ کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے بعد واٰثارھم فرمایا ہے جس میں ارادہ کا دخل ضروری نہیں۔ پس اس میں بتایا کہ اگرچہ ان میں سے اکثر تو اچھے عمل ہی کریں گے (کہ روحانی زندگی پانے کا یہ طبعی نتیجہ ہے)مگر ان کے آثار ضروری نہیں کہ اچھے ہوں ۔ مطلب یہ کہ ان کی آئندہ نسلیں بگڑ بھی سکتی ہیں۔اس کے بعد ہے:۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ اِذۡجَآءَ هَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ(۱۴) اِذۡاَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡ هُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡٓا اِنَّـآ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ(۱۵)

اے رسول ان کے فائدہ کے لئے فلاں بستی والوں کی مثال بیان کر (یعنی انہیں وہ وقت یاد دلا) جب اس کی طرف ہمارے کئی رسول آئے (بالخصوص وہ وقت) جب ہم نے ان کی طرف دوکو بھیجا (جنہیں انہوں نے پہلے تو مان لیا) پھر (کچھ عرصہ گزرنے پر) وہ ان کو (بزبان قال یاحال) جھٹلانے لگے تو ہم نے ایک تیسرے (رسول) کے ساتھ ان کی مدد کی۔ سو انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف (اللہ کے) بھیجے ہوئے (آئے) ہیں۔

ان آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے بعض نے اسے محض ایک تمثیل جانا ہے اور بعض نے اسے ایک امر واقعہ قرار دیا ہے۔ اگر اسکا اطلاق کسی ظاہری واقعہ پر ہو سکے تو پھر اس بیان کو تمثیل قرار دینا درست نہیں ہوسکتا ۔ ہاں اسکے اطلاق میں اختلاف ہوسکتا ہے چنانچہ مختلف مفسرین نے اسے مختلف واقعات پر چسپاں کیا ہے مگر ان میں سے ہر اطلاق پر کوئی نہ کو ئی اعتراض پڑتا ہے۔ صرف ایک اطلاق ایسا ہے جس پر کو ئی جائز اعتراض نہیں پڑتا مگر حیرت ہے کہ اسی کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا۔ نزول قرآن سے پہلے ایک ہی بستی میں دو ایسے رسولوں کا اکٹھے بھیجا جانا ثابت ہے جو سابقہ سب شرائع میں سے آخری شریعت اور بنا برایں شریعت اسلامیہ کے قریب ترین آنیوالی شریعت کے اوّلین حامل تھے اور جن سے پہلے انکی طرح کوئی دو رسول کسی بستی کی طرف اکٹھے نہیں آئے تھے اور بنا برایں انکانام لئے بغیر قارئین کا ذہن انکی طرف جاسکتا ہے یعنی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا بھیجا جانا۔ اسی طرح جب ایک عرصہ بعد خود انکی اُمّت اپنے عمل سے ان کی تکذیب کرنے لگ گئی تو انکی مدد کیلئے یعنی انکی شریعت کی تقویت کیلئے ایک تیسرے ایسے رسول کا بھیجا جانا بھی ثابت ہے جسکی طرف بغیر اس کا نام لئے ذہن جا سکتا ہے یعنی مسیح ناصریؑ کا بھیجا جانا اور چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مثیلِ موسیٰؑ تھے (کما فی قولہٖ تعالیٰ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِداً عَلَيۡكُمۡ كَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا) اورآپؐ کے اپنے

فرمودہ کے مطابق آپؐ کی اُمّت پر اُمّتِ موسویہ کے سے حالات آنیوالے تھے اسلئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا میں اسی واقعہ کو بطور مثال پیش کرنے کو کہا گیا تھا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں اِثۡنَيۡنِ سے حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور ثالث سے حضرت مسیح ناصریؑ مراد ہیں اور فَكَذَّبُوۡهُمَا میں اس بستی والوں کی تکذیب کا ذکر ہے جس کی طرف اوّلُ الذّکر دو بھیجے گئے تو چونکہ انکے اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل کیلئے تو وہ دونوں فرعون اور فرعونیوں سے نجات دلانیوالے تھے اور وہ ان دونوں پر ایمان لے آئے تھے اسلئے اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انکی تکذیب سے وہ تکذیب مراد نہیں جو فرعون اور اسکی حکومت کے سرداروں نے ان نبیوں کی کی بلکہ وہ تکذیب مراد ہے جوان دونوں نبیوں کے دنیا سے چلے جانے اور ایک لمبا عرصہ گزر جانے پر خود ان کی اُمّت نے بزبان حال انکی کی تھی اور جسکے بعد ایک تیسرے رسول حضرت مسیحؑ کی ضرورت پڑی تھی۔ اس موقع پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ تو اس بستی میں نہیں آئے تھے جس میں حضرت موسٰی اور ہارون علیہما السلام آئے تھے پھر ثالث سے وہ کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تیسرے رسول کا اسی بستی میں آنا ہرگز بیان نہیں ہؤا صرف یہ بیان ہؤا ہے کہ اسے بھیج کر پہلے دو (کے مشن) کو تقویت دی گئی اور یہ بات کسی اور بستی میں مبعوث ہونیوالے سے بھی حاصل ہوسکتی تھی اور عملاً ہوئی بھی ۔

دوسرا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ کے بعد تو سلسلہ موسویہ میں پے در پے رسول آئے پھر ان سب کو چھوڑ کر ایک اور آخری رسول کا ذکر کیوں کیا گیا؟۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات سے سلسلہ موسویہ کے رسولوں کی تاریخ کا بیان مقصود نہیں تھا ایک پیشگوئی کرنا مقصود تھا اسلئے صرف وہ بات کہی گئی جو مسلمانوں کو پیش آنیوالی تھی۔ اس کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوسکتا کہ یہ مثال یہاں کس غرض سے بیان کی گئی ہے ؟ جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا۔ آیت اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی میں جہاں روحانی مردوں کے اِحۡیَا کا ذکر تھا وہاں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ انکی آئندہ نسلوں کے بگڑ جانے کا امکان بھی ہے ۔ اس پر ایک سوال یہ ہو سکتا تھا کہ صدیوں کے مرے ہوؤں کے (جو اسوقت موجود تھے) احیاء کا کام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنِ تنہا کیسے ہوگا ۔ زیرِ نظر مثال بیان کر کے خداتعالٰی نے اس کا جواب دیا یعنی (اگرچہ آنحضورؐ اکیلے بھی اس مقصد میں کامیاب ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے لیکن) ظاہر بین

سائل کی تسلی کے لئے یہ بتایا کہ دیکھوآپؐ اکیلے نہیں ہیں بلکہ جس طرح ہم نے موسیٰؑ کو (جن کے آپؐ مثیل ہیں)شروع ہی سے ایک ساتھی (ہارونؑ) دے دیا تھا اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی شروع ہی سے ایک ساتھی (ابو بکرؓ)دے دیا ہے ۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے مقابل پر ایک زبر دست اور جا بر بادشاہ تھامگر وہ "اِثْنَیْن" پھر بھی اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اسی لئے نا کہ ان دونوں کو ہماری معیّت حاصل تھی (قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِی مَعَکُمَآ۔ طٰہٰ ۲۰:۴۷) پھر یہ اِثْنَیْن جن کا ذِکر ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ میں ہے اور جو اوّل الذّکر پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کامیاب نہ ہوں گے۔ سورۃ طٰہٰ کے ان الفاظ کا جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو کہے اور لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے الفاظ کا جو آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہے فرق موخر الذّکر اِثْنَیْن کی فوقیت ظاہر کررہا ہے۔ کیونکہ خوف کا لفظ مستقبل کے لئے آتا ہے اور حزن کا لفظ مافات کیلئے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کوخوف تھا (اور جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت ۴۶ سے واضح ہے یہ خوف دشمن کا تھا اور اسکے انکا پیچھا کرنے سے بھی پہلے ہی سے لاحق تھا) جبکہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ میں سے کسی کو بھی دشمن کے سر پر آپہنچنے کے باوجود اس کا کوئی خوف نہ تھا ۔ حضرت ابوبکرؓ کو بھی صرف مافات کا غم تھا یعنی اسوقت کو اپنا (نہ کہ آنحضرتؐ کا جنہیں واللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس کا وعدہ مل چکا تھا اور اسکی سچائی کا آنحضرتؐ ہی کو نہیں ان کو بھی یقین تھا۔ آخری) وقت خیال کرکے یہ غم تھا کہ وہ آنحضور ﷺ اور اسلام کی وہ خدمت بجا نہیں لاسکے جو انکو بجا لانی چاہیے تھی ۔ جو کہ ہر کہ عارف تراست ترساں تر کے مطابق اور قابلِ ستائش فعل تھا جبھی آنحضرت ﷺ کی زبان سے خداتعالیٰ نے انکو یہ کہلوایا کہ "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" ابوبکرغم نہ کر اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے ۔ وہ ہمیں محفوظ رکھے گا اور نہ صرف مجھے بلکہ تجھے بھی اور خدمات کی توفیق دے گا۔

دوسرا سوال آیت اِنَّا نَحْنُ نُحْیِی الْمَوْتیٰ پر یہ ہوسکتا تھا کہ جن باتوں کو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی زیر ہدایت گناہ سمجھ کر ترک کر دیں گے انہیں وہ دوبارہ کیسے کرنے لگ جائیں گے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان سے ان باتوں کا ارتکاب اسی طرح ہو گا جس طرح حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد ان کے ماننے والوں سے ہؤا۔ یعنی جس طرح مسیح ناصریؑ کا زمانہ آنے تک وہ ان دونوں کے اتنے نافرمان ہو چکے تھے کہ گویا انکے مکذّب ہو گئے تھے یہی

حال اُمَّتِ محمدیہ کا ہو جائیگا۔ چنانچہ آثار میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کا یہ حال ہو جائیگا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ آپؐ کا انکار کر دیں گے ۔(تاریخ احمدیت جلد۳ص۱۹۸) تیسرا سوال یہ ہو سکتا تھا کہ اگر انکا حال ایسا خراب ہو گیا تو ان لوگوں کی اصلاح کا کیا سامان کیا جائیگا؟ اس کا جواب یہ دیا کہ جس طرح قوم موسٰی کی اصلاح کے لئے انہی کی قوم میں سے مسیح ناصریؑ کو بھیجا گیا تھا اسی طرح ان کی اصلاح کے لئے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد قریباً اتنا ہی زمانہ گزرنے پر جتنا حضرت موسیٰؑ اور مسیحؑ ناصری کے درمیان گزرا ان میں سے ایک شخص کو مسیح رسول بنا کر بھیجا جائیگا اور جیسے **فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ** میں جمع کا صیغہ ظاہر کر رہا ہے وہ رسول مسیح ہی کا نہیں باقی تمام رسولوں کا نام بھی پا کر آئے گا ۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ سورۃ الجمعہ کی آیت **وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** کے مطابق اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کا جو جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں بروز ہونا تھا چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی اور آپؑ کو صرف مسیح موعود ہی قرار نہیں دیا گیا بلکہ الہاماً **جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَآءِ** بھی ٹھہرایا گیا ۔

اگلی آیات میں ان رسولوں کی دعوۃ پر ان کے مخاطبین کے ردِّعمل کا اور اس جواب کا جو اپنے اپنے وقت میں ان رسولوں نے ان کو دیا ذکر ہے اور اسکے بعد فرمایا گیا ہے کہ:-

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ (۲۱) اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۲۲)

اور مدینہ کے دور سے ایک شخص دوڑتا ہوٗا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم رسولوں کی اتباع کرو۔(ہاں) ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ (خدا تعالیٰ کی طرف سے) ہدایت دیئے جاتے ہیں۔

اوپر بیان ہونیوالی مثال میں ایک بستی والوں کی طرف پہلے دو رسولوں حضرت موسیٰ وہاروںؑ کے جن کے لئے اثنین کا لفظ استعمال ہوٗا تھا بھیجے جانے کا اور پھر ان کی تقویت کے لئے ایک تیسرے کے بھیجے جانے کا ذکر ہوٗا تھا ان کے بالمقابل مکہ والوں یا اُمّت مسلمہ کی طرف بھیجے جانے والے دو کی نشان دہی تو کچھ مشکل نہیں تھی کہ خدا تعالیٰ نے خود حضرت محمد ﷺ اور حضرت

ابوبکرؓ کے لئے اثنین کا لفظ استعمال کر کے بات کھول دی تھی لیکن تیسرے یعنی حضرت مسیح ناصری کے مقابل پر آنیوالے رسول کی نشان دہی کی ضرورت تھی اس کے لئے زیر نظر آیات لائی گئیں۔ اقصےٰ کے معنے بعید یعنی بہت دور کے ہیں وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً کے الفاظ مکہّ والوں کے لئے فرمائے گئے تھے اور جب مکہ کے ساتھ مدینہ کا ذکر آئے تو اس سے لامحالہ مدینة النّبِیّ ہی مراد لیا جائیگا۔ پس وَجَآءَ مِنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی فرما کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ وہ رسول (مسیح موعود) مدینة النبیؐ سے بہت دور کے مقام سے مبعوث ہوگا یعنی وہ عجمی ہوگا اور زمین ہی سے کھڑا کیا جائیگا آسمان سے نہیں اترے گا(اسی کی وضاحت کیلئے اس جگہ جآء کا لفظ ہے ورنہ رسولوں کیلئے نزول کا لفظ کئی جگہ آیا ہے) چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا۔ علاوہ ازیں اس موعود کیلئے رجل کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ خدا کا بیٹا نہیں ہوگا بلکہ خدا کا بندہ ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ قوّتِ رجولیت رکھنے والا ہوگا۔ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت اولاد ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے۔پس اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی(چنانچہ مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کے بارہ میں آنحضرتؐ نے بھی فرمایا یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ وہ شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی)اور یہ دو باتیں بتا کر خداتعالےٰ نے واضح کر دیا کہ وہ خود مسیح ناصری نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بھی بتایا کہ وہ زبان نبوی سے ہونے والی اس پیشگوئی کا مصداق ہوگا جو آپؐ نے سورۃالجمعہ کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ ایں الفاظ فرمائی تھی کہ لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِا لثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ اَوْرِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ (اے مِن ابناءِ فارس)۔

===============

مہدی موعود اس وقت آئے گا جب کشتی اسلام خطرہ میں ہوگی اور مسلمان بحرعصیاں میں ڈوب جانے کے قریب ہوں گے

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَے الْمَدِیْنَةِ کے بعد یَسْعٰی کا لفظ ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دوڑتا ہوُا آئیگا۔ دوڑ کر انسان اس وقت آتا ہے جب کوئی ہنگامی صورت درپیش ہو۔ نبی چونکہ روحانی طور پر ڈوبنے والوں کے بچانے کے لئے آتا ہے اس لئے یہ لفظ رکھ کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ وہ ایسے

وقت میں آئیگا کہ اُمّتِ مسلمہ کی ایمانی حالت نہایت درجہ خطرہ میں ہوگی اور قریب ہو گا کہ وہ بحرعصیاں میں ڈوب جائے اور اس کے لئے کسی مسیحا کی ضرورت ہوگی چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود نے خود فرمایا ہے۔

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا
آگیا اس قوم پر وقتِ خزاں اندر بہار

نیز فرمایا:-

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی سن لے اب پکار

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ السجدۃ میں خبر دی گئی تھی کہ اسلام دنیا میں قائم ہوگا اور پھر آسمان کی طرف اٹھنا شروع ہو جائیگا اور یہ عمل ہزار سال تک جاری رہیگا یعنی اٹھنے کے آغاز سے جو پہلی تین صدیوں کے آخر میں ہونے والا تھا ہزارواں سال اس عمل کا آخری سال ہوگا چنانچہ اِدھر یہ ہزارواں سال پورا ہوُا اور اُدھر موعود رَجُلٌ یَّسْعٰی حضرت مہدیؑ نے ظہور فرمایا کیونکہ آپؑ کا دعویٰ ٹھیک ۱۳۰۰ھ کا ہے۔ گویا وعدہ اِلٰہی میں ایک دن کا تخلف بھی نہیں ہوُا۔

===============

مہدی موعود بہت تیز رفتار ہوگا

لفظ یَسْعٰی میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ بہت تیز رفتار ہوگا اور اپنی مختصر سی زندگی میں اسلام کے لئے عظیم الشان کام کرجائیگا۔ چنانچہ آپؑ نے اپنی مختصر زندگی میں کشتی اسلام کو ڈوبنے ہی سے نہیں بچایا بلکہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کی مضبوط بنیادیں بھی رکھ دیں۔

اس آیت میں جو یہ کہا گیا کہ وہ آکر اِتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْن کہے گا یعنی رسولوں کی اتباع کی طرف بلائے گا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ اس مثال میں مذکور ''ثالث'' یعنی مسیح ناصری صرف اُمّتِ موسویہ کی طرف مبعوث ہوُا تھا مگر اُمّتِ محمدیہ میں آنے والا تیسرا رسول جسے رجلٌ یَسْعٰی کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوگا۔اسکی بعثت کا مقصد تمام انبیاء کی صداقت کا قیام ہوگا اور وہ تمام نبیوں کا نام پاکر آئیگا جس کی وجہ

سے اس کی اتباع تمام رسولوں کی اتباع ہوگی اور آخر میں **اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ اَجْراً وَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ** کے الفاظ لا کر بتایا کہ رسولوں کی دعوۃ کسی ذاتی غرض سے نہیں ہوتی طبعی جوش سے یعنی **اِيْتَاءِ ذِی الْقُرْبیٰ** کے طور پر ہوتی ہے اور اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس کام پر مامور کیئے جاتے ہیں اور میں بھی اسی جذبہ سے اور اسی بناء پر تم کو اس کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ جہاں اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعودؑ کو خداتعالےٰ نے اپنے الہام میں ''**جَرِیُ اللّٰهِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ**'' قرار دیا وہاں آپؑ نے واضح طور پر بتا دیا کہ آپؑ کی دعوت کا اصل محرک لوگوں کی سچی ہمدردی ہے۔ دیکھیں صفحہ ۴۸۲
آگے ہے۔

وَ مَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِی فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲۳)

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم نے لوٹایا جانا ہے۔

اس آیت کو سمجھنے کے لئے دو باتوں کا مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے پہلی بات یہ ہے کہ **فطر** کے معنی ابتداء کرنے کے ہوتے ہیں انسان کی ابتداء رحم مادر میں نہیں ہوئی حضرت آدم سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے ہوئی ہے اور خواص کے متعلق تو خاص ارادہ الٰہی ابتدائے آفرینش سے تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونے والے ارشاد ربانی **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ **اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِی** کے الفاظ سے ظاہر ہے اور یہی الہام **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** حضورؐ کی نیابت میں حضرت مسیح موعودؑ کو بھی ہوُا لہٰذا **اَلَّذِی فَطَرَنِیْ** کہنے سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ جو کام میں کر رہا ہوں خدا تعالےٰ نے یہ کائنات پیدا کرنے سے پہلے یہ ارادہ کیا ہوُا تھا کہ اس کے لئے مجھے پیدا کریگا پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں اس کام سے باز آجاؤں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا قول یہ نہیں کہ مجھے کیا ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت نہ کروں جس کی طرف ''میں نے'' لوٹ کر جانا ہے بلکہ یہ ہے کہ مجھے کیا ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت نہ کروں جس کی طرف ''تم نے'' لوٹ کر جانا ہے جس سے ظاہر ہے کہ عبادت سے اس کی مراد انذار وتبشیر کا وہ کام ہوگا جو اپنی قوم کی نجات کے لئے وہ بجا لائیگا صرف نمازیں اس

سے مراد نہیں اگرچہ نمازیں بھی جن کی اصل (بمطابق حدیث نبوی اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ) دعا ہے اس میں شامل ہیں مگر اس قول کو ایسے موقع پر رکھ کر جہاں اس کا مقدم مفہوم انذاروتبشیر ہے نہ کہ نمازیں یہ بتایا کہ ''اس کی نمازوں سے اس کے کام افضل ہوں گے'' چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو خداتعالےٰ نے الہاماً فرمایا

''تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں''

بہر حال اس میں بتایا کہ اس کی قوم اسے انذاروتبشیر سے روکنا چاہیگی مگر وہ اس سے رکے گا نہیں اور کہے گا کہ اس بات کا فیصلہ تو خداتعالیٰ ابتدائے آفرینش سے کر چکا ہے کہ وہ مجھے پیدا کریگا اور یہ کام میرے ذمہ لگا دیگا پھر میں اس سے کیسے رک سکتا ہوں۔

یہ کہنے کی بجائے کہ مجھے کیا ہے کہ میں خدا کی عبادت نہ بجالاؤں (یعنی یہ کام نہ کروں) جس کی طرف میں نے لوٹ کر جانا ہے جو وہ یہ کہے گا کہ جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے تو اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ ثواب وعذاب کے خیال سے بالا ہو کر دلی ہمدردی کے جوش سے یہ کام بجالائے گا چناچہ اس پیشگوئی کے مصداق نے فرمایا:-

> ''میں....یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذّت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔ پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں....اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رُک نہیں سکتا۔'' (ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۳۷۰)

فرمایا وہ کہے گا:-

ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ (۲۴) اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۲۵)

اگر میں تبلیغ کا فرض ادا نہ کروں تو تمہارے ڈر سے یا کسی نفع کی لالچ ہی میں ہوسکتا ہے مگر اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ میں نے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لیا ہے اس کا نتیجہ ظاہر

ہے کہ خداتعالیٰ جس نے اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت مجھے دعوت الی اللہ پر مامور کیا ہے مجھ سے ناراض ہو جائیگا۔اور اگر ایسا ہوُا تو یہ میرے خود ساختہ معبود میرے کسی کام نہ آسکیں گے اور اس صورت میں میں کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہونگا۔اللہ کی جگہ رحمٰن کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ یہ کہے گا کہ میری کسی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض موہبت کے طور پر خداتعالےٰ نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق نے یہی کہا کہ ؎

یہ سرا سر فضل ہے تیرا کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار

فرمایا وہ کہے گا:-

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ(۲۶)

میں نے تمہارے رب کا کہا مانا ہے پس تم میری سنو۔

یعنی میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو حکم ہے اور حکم بھی تمھارے رب کا وہ کہتا ہوں اس لئے تمہیں چاہیے کہ تم میرا کہا مانو بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ کہے گا کہ جو میں کہتا ہوں وہ میں نہیں کہتا بلکہ خدا کہتا ہے (اس پر اعتراض ہے تو اسے کہو) مگر یہ نہ بھولنا کہ وہ تمہارا رب ہے اسے ماننے ہی میں تمھارا بھلا ہے۔چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق نے اپنے معترضین کو کہا :-

ما مورم ومراچہ دراں کار اختیار
رَوْ ایں سخن بگو بخداوند آمرم

فرمایا:-

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ (۲۷) بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ (۲۸)

اسے کہا جائیگا کہ جنّت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے میری کمزوریوں کو ڈھانپ دیا ہے اور مجھے مُکْرَمِیْنَ میں شامل کیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا پیغام ماننے کی بجائے لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد اسے یہ الفاظ کہے گئے لیکن جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا یہ امر ’’قرآن سے

ثابت نہیں ہوتا'' ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب وہ اپنا کام ختم کر چکا اور اس کا اس جہان سے رخصت ہونے کا وقت آیا اس وقت اسے یہ کہا گیا یعنی کہا جائے گا لیکن اس کا تعلق صرف آخرت سے سمجھا جائے تو یہ بے ثبوت بات ہوگی۔اصل میں جنّت وہ مقام ہے جہاں انسان کی دلی آرزوئیں پوری کی جائیں گی جیسا کہ ارشادِ ربّانی **وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُم**... الخ اس پر دال ہے اور جنہیں خداتعالےٰ ہدایت کے لئے مامور فرماتا ہے ان کی بڑی آرزو بھی یہی ہوتی ہے کہ خدا کی توحید قائم ہو جائے اور لوگ ہدایت پا جائیں چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مامور ہونے پر فرمایا:-

''میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں۔''

(تبلیغ رسالت جلد ششم ص ۱۷ تا ۷۲)

پس یہاں اسی کا ذکر ہے اور اس بات کو کہ وہ اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوگا اور اپنی ساری مرادیں پائے گا اور ان کے عملاً پالینے سے پہلے اسے اسکی بشارت دی جائے گی بہ ایں الفاظ بیان کیا گیا کہ **قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ** چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً فرمایا گیا:-

''خدا تجھے **بکُلّی** کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔''

(تذکرہ ص ۲۱)

اور پھر ایسا ہی ہوُا جس کا اعلان آپؑ نے بہ ایں الفاظ فرمایا ؎

ہر مطلب ومراد کہ می خواستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بہ خاطر مُعَیَّنم

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کے مطابق آپؑ کو یہ الہام بھی ہوُا:-

يَا اَحْمَدُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اے احمد تو اور تیرے ساتھی جنّت میں رہو۔

یہ جو فرمایا کہ وہ کہے گا **يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ** تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بشری کمزوریوں کے باوجود خداتعالےٰ اسے

اسکے مشن میں کامیاب کریگا اور لوگ اسے قبول کریں گے اور اس کا نام عزّت کے ساتھ لیا جائیگا۔

یہ باتیں بھی اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی المسیح الموعود کو الہام ہوئیں اور خدا نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا :-

اِنِّیْ لَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ . (تذکرہ ص۱۰۷)

اور اسی طرح فرمایا :-

سَاُکْرِمُکَ اِکْرَاماً عَجِیْباً. (تذکرہ ص۴۰۷)

یہ دوسرا الہام آپ کو کئی بار ہؤا اور اکثر اس کے ساتھ کامیابی کی بشارتیں بھی دی گئیں۔

آپؑ اکثر بیمار رہتے تھے مگر خدا تعالےٰ نے آپؑ کی اس کمزوری کو ڈھانپا اور آپؑ کو کامیابی پر کامیابی دی۔آپؑ اکیلے تھے خدا نے آپؑ کو لاکھوں لاکھ کی نہایت مخلص اور فدائی جماعت دی۔ ایک وقت تھا کہ آپؑ بچے کھچے ٹکڑوں پر پلتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ لاکھوں انسان آپؑ کے لنگر سے مفت کھاتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کا نام آپؑ نے اپنی کتابوں میں شائع کیا اور اب وہ وقت ہے کہ ایک ایک شخص کروڑوں چندہ دیکر اسے خوش قسمتی خیال کرتا ہے۔ایک زمانہ تھا کہ آپؑ کو اپنی کتب کی اشاعت کے لئے بار بار چندہ کی اپیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ وقت ہے کہ آپؑ کے غلام دنیا کی بہت سی زبانوں میں آپؑ کی کتب کے اور قرآن کریم کے تراجم شائع کروا رہے ہیں اور اسی طرح بے انداز دوسرا لٹریچر تیاّر کرکے شائع کر رہے ہیں ۔رہا اکرام کا معاملہ تو اصل اکرام تو وہ ہے جو دل سے ہو۔ بعض لوگوں کے سامنے لوگ جھک کر پیش آتے ہیں مگر پیٹھ موڑتے ہیں گالی دے دیتے ہیں مگر آپؑ کا نام آپؑ کے لاکھوں مخلصین گھر کی خلوتوں میں بھی لیتے ہیں تو علیہ السلام کہے بغیر نہیں لیتے۔رہا خدا کے حضور اکرام تو اس کے تو کہنے ہی کیا۔خدا نے آپؑ کو مخاطب کرکے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ.اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ. اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةٍ لَّا یَعْلَمُهُ الْخَلْقُ.اَنْتَ وَجِیْهٌ فِیْ حَضْرَتِیْ. اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ تو مجھ سے بمنزلہ میرے ولد کے ہے۔ تو میرے ہاں وہ منزلت رکھتا ہے جسے مخلوق نہیں جانتی۔تو میری جناب میں وجیہ ہے۔تو مجھ سے بمنزلہ میرے توحید اور تفرید کے ہے۔

آیت قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کے بعد ہے:-

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ (۲۹)

اور اس کے بعد ہم اس کی قوم پر آسمان سے لشکر نہیں اتاریں گے اور نہ ہی ہم (لشکر) اتارا کرتے ہیں۔

سورۃ التوبہ کی آیات ۲۶ اور ۴۰ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۰ سے آسمانی جنود کا بھیجا جانا ثابت ہے اس لئے یہ مطلب تو اس آیت کا نہیں ہوسکتا کہ آسمان سے لشکروں کا اتارنا سنت اللہ کے خلاف ہے بلکہ یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کا کام پورا ہوجانے کے بعد آسمان سے لشکروں کا بھیجنا سنت اللہ کے خلاف ہے اس لئے اس کے (آکر چلے جانے کے) بعد خدا تعالیٰ لشکر نہیں بھیجے گا۔

دراصل کثرت کے ساتھ نزول ملائکہ صرف نبی کے وقت میں اور اس کے مشن کے کامیاب ہو جانے تک ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ القدر سے صاف ظاہر ہے چنانچہ سورۃ التوبہ اور سورۃ الاحزاب کی محولہ بالا آیتوں میں جس نزول ملائکہ کا ذکر ہے اس کا تعلق حضرت نبی کریم ﷺ کے حین حیات سے ہے۔ لہٰذا اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ **جَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى** میں جس رجل کا ذکر ہے وہ معمولی درجہ کا انسان نہیں ہوگا بلکہ خدا کا رسول ہو گا۔ اس کے حین حیات میں بالخصوص اور اس کے مشن کو بنیادی کامیابی حاصل ہو جانے تک بالعموم کثرت کے ساتھ نزول ملائکہ ہوگا مگر اس کے بعد یہ سلسلہ جاری نہیں رہیگا۔ چنانچہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ رجل مذکور سے مراد مسیح موعودالمہدی المسعو د ہے اور مسیح موعود کے متعلق مسلم کی حدیث میں چار بار نبی اللہ کا لفظ آیا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح آپؑ کی زندگی میں دم بدم اور کثرت کے ساتھ نزول کلام الٰہی اور نزول اخبارِ غیبیہ اور نزول ملائکہ ہوتا تھا اور جس طرح قدم قدم پر اور ہر جہت سے نصرت الٰہی کے واضح نشانات ملتے تھے اگرچہ بہ ایں وجہ کے آپؑ کے خلفاء کا سلسلہ قائم ہے یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے اور انشاء اللہ کم از کم آپؑ کے مشن کو پوری کامیابی حاصل ہونے تک ضرور چلتا رہے گا مگر اس کی وہ کمیت اور کیفیت بہرحال نہیں رہی جو آپؑ کے اپنے حین حیات میں تھی۔

مِنْ بَعْدِہٖ سے مراد مِنْ بَعْدِ بَعْثِہٖ کے ہوں اور جنود سے جنگ کرنے والے ملائکہ کا لشکر مراد ہو تو اس میں بتایا کہ اس کے مبعوث ہونے کے ساتھ دینی جنگوں کا خاتمہ ہو جائیگا کیونکہ جب تک مومنوں کے بالمقابل کفار کے لشکر نہ ہوں لشکروں کا اتارنا سنت اللہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں مسیح موعودؑ کے وقت کے بارہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ تَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی اور آپؑ نے آکر خود بھی یہی فرمایا کہ ع

دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اس پر سوال پیدا ہونا تھا کہ پھر کفار کی تباہی کی کیا صورت ہوگی اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ھُمْ خٰمِدُوْنَ (۳۰)

وہ ایک گرجدار آواز ہوگی سو اچانک ان کا شعلہ حیات خاموش ہو جائیگا۔

اس میں صَیْحَہ سے مراد کوئی بڑا زلزلہ بھی ہوسکتا ہے اور ایٹمی دھماکہ بھی فرمایا:-

یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (۳۱)

وائے حسرت لوگوں پر ان کی طرف (خدا کا) کوئی رسول نہیں آیا مگر وہ اس سے استہزاء کرنے والے ہوئے ہیں۔

نبی کا انذار تو اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ سمجھ جائیں اور ہلاکت سے بچ جائیں مگر وہ ہمیشہ اس کی باتوں پر ہنسی اڑاتے ہیں۔ یہ آیت یہاں لاکر بالکل کھول دیا کہ اوپر جس رَجُلٌ یسعیٰ کا ذکر تھا وہ خدا کا رسول ہوگا۔

اگلی دو آیتوں میں اس کے زمانہ کے لوگوں کو سابقہ قوموں کا انجام دیکھ کر ہوش کے ناخن لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جس وقت نبی کی ضرورت ہوتی ہے اور خداتعالےٰ نبی بھیجتا ہے اس وقت لوگوں کا ایک طبقہ اپنی نشاۃِ ثانیہ سے مایوس ہوچکا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس قسم کی روحانی موت وہ مر چکے ہیں اس کے بعد ان کا اِحیاء ممکن ہی نہیں پس یہ بتانے کو کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کے بعض لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا اور نیز ان کے سمجھانے کو فرمایا:-

وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ج اَحْیَیْنٰھَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْھَا حَبًّا

فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ (۳۴) وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ وَّ فَجَّرۡنَا فِيۡهَا مِنَ الۡعُيُوۡنِ (۳۵) لِيَاۡكُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتۡهُ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ اَفَلَا يَشۡكُرُوۡنَ (۳۶)

اور مردہ زمین میں ان کے لئے ایک نشان ہے۔ ہم نے (ہمیشہ) اسے زندہ کیا ہے اور اس میں سے غلہ نکالا ہے سو وہ اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے ہیں اور اس میں چشمے پھوڑے ہیں تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے پھل کھائیں اور اپنی محنت کا پھل بھی کھائیں کیا وہ ہمارا شکر ادا نہیں کریں گے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم خدائے حکیم کا کلام ہے اس کا کوئی لفظ بلا ضرورت نہیں ہوسکتا۔ مردہ زمین کے زندہ کرنے کا ذکر آیت زیر نظر کے علاوہ البقرة ۲:۱۶۵۔ النحل ۶۶:۱۶۔ العنکبوت ۶۴:۲۹۔ الرّوم ۲۵:۳۰۔ حٰمٓ السّجدة ۴۰:۴۱ الجاثیہ ۶:۴۵۔ اور الحدید ۱۸:۵۷ میں آیا ہے مگر ان میں سے کسی بھی اور مقام پر یہ ذکر نہیں ہے کہ اسے زندہ کرکے اس میں سے فلاں فلاں چیز نکالتا ہے لہٰذا یہاں جو یہ ذکر کیا گیا ہے تو لازماً اس سے کوئی خاص اشارہ مقصود تھا۔ بات یہ ہے کہ یہاں مادی زمین کے احیاء کا ذکر کرکے قوموں کے اِحیاء کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے اور قومیں جب زندہ ہوتی ہیں تو ان میں سے کار آمد انسان ہی نکلتے ہیں دانے اور درخت وغیرہ نہیں نکلتے لہٰذا جب قوموں پر چسپاں کریں گے تو ہمیں ان اجناس کا ذکر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں لینا ہوگا۔ اس کی تائید حضرت مسیح موعودؑ کے خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸۶ کی ایک عبارت سے ہوتی ہے جو یہ ہے کہ فَهُنَاکَ تَسۡتَيۡقِظُ الۡقُلُوۡبُ وَ تَنۡبُتُ الۡحُبُوۡبُ بِهٰذَا الۡمَاءِ لَا بِنَارِ الۡحَرۡبِ وَسَفۡکِ الدِّمَاءِ وَيُجۡذَبُ النَّاسُ بِجَذۡبَةٍ سَّمَاوِيَةٍ پس اس وقت دل جاگ جائیں گے اور دانے اس پانی سے اگیں گے نہ کہ جنگ کی آگ اور خونوں کے بہنے سے اور لوگ آسمانی کشش سے کھینچے جائیں گے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زمین کا اس طرح زندہ کیا جانا تو ہمیشہ ہوتا ہے مگر یہاں مضارع کی بجائے جس میں استمرار پایا جاتا ہے ماضی کے صیغے لائے گئے ہیں جو زمانہ گزشتہ کے علاوہ یقینی مستقبل کیلئے بھی آتے ہیں پس اس میں خداتعالیٰ نے بتایا ہے کہ مذکور رُجُلٌ یَّسۡعٰی یعنی مسیح موعودؑ کے وقت میں وہ کچھ تو ایسے لوگ پیدا کرے گا جو ''حَبّ'' یعنی

دانہ یا بیج کی مانند ہوں گے یعنی اگرچہ وہ بالکل معمولی حیثیت کے نظر آئیں گے (لوگ ان کے بارہ میں **اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ** ۔ھود ۱۱:۲۸ کہیں گے یعنی یہ کہیں گے کہ بادی النظر میں تو وہ ہم میں سے حقیر ترین لوگ ہیں) مگر جس طرح ایک ایک دانہ سے کئی کئی دانے پیدا ہوجاتے ہیں ان سے بھی آگے ان جیسے کئی اور وجود پیدا ہوں گے۔گویا وہ داعی الی اللہ ہوں گے اور اپنی تبلیغ اور نیک نمونہ کے ذریعہ دوسروں کے لئے ہدایت کا موجب بنیں گے اور جس طرح غلّہ غذا بن کر جسم کو قوت دیتا ہے وہ بھی قوم کے کام آکر اس کی تقویت کا ذریعہ بنیں گے۔لیکن جس طرح بعض دانے نشونما پانے سے پہلے یا تھوڑی سی نشونما پاکر مر بھی جاتے ہیں اسی طرح ان میں سے چند ایک ہلاک بھی ہونگے یعنی ٹھوکر بھی کھائیں گے۔چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے والوں میں سے چند ایک جیسے میر عباس علی اور ڈاکٹر عبدالحکیم وغیرہ تو شروع ہی میں گر گئے تھے اور بعض جیسے والد صاحب ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب وغیرہ کچھ عرصہ آپؑ کے ساتھ رہنے کے بعد مرتد ہوگئے تھے لیکن بہت بھاری اکثریت آپؑ کے ساتھ رہی اور اس نے اپنی تبلیغ اور نیک نمونہ کے ذریعہ ایک دنیا کو حلقہ بگوش احمدیت بنایا۔

یہاں **حبوب** کے لئے تو **اخرجنا** کا لفظ رکھا گیا ہے اور باغات کے لئے **جعلنا** کا اس میں بتایا کہ ان ہی بیجوں میں سے بعض آگے چل کر کھجور کی طرح قدآور شخصیتیں یعنی **اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ** (ابرٰہیم ۱۴:۲۵) کے مصداق ثابت ہونگے اور دوسرے ایسے قد آور تو نہیں ہونگے بلکہ انگوروں کی طرح انہیں خارجی سہارے کی بھی ضرورت ہوسکتی ہے تاہم مناسب سہارا ملنے پر وہ بھی اس کے ہاتھ سے لگائے جانے والے باغ کی رونق، دوسروں کے لئے باعث تقویت و فرحت، اور جنتی لوگ ہوں گے(یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ کو رویاء میں دکھایا گیا کہ ابوجہل کے لئے جنّت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے جس سے مراد حضرت عکرمہؓ سے تھی جو اسلام لاکر عظیم الشان خدمات بجا لائے اور بالآخر جام شہادت نوش کرکے دنیا ہی میں اپنا جنّتی ہونا ثابت کرگئے)۔

اسی طرح **لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ** میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ ان سب اقسام کے لوگوں میں سے بعض تو بالکل خدا کی طرف سے آئیں گے اور بعض پر سخت محنت کرنا پڑیگی۔ چنانچہ بعض لوگ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الہام

يَنۡصُرُكَ رِجَالٌ نُوۡحِیۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِنَ السَّمَآءِ (تذکرہ صفحہ ۵۰)

کے مطابق خدائی اشارہ پا کر یعنی خاص مُوہبت الٰہی کے نتیجہ میں آئے اور بعض لمبی تبلیغی کوششوں کے نتیجہ میں حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔

اوپر کی آیات میں آئندہ آنے والے نبی سے استہزاء کرنے والوں اور اپنی نشاۃ ثانیہ سے مایوس ہونے والوں کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا گیا تھا اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بیان کیئے گئے تھے مگر بعض لوگ ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ ایسی سب باتوں کو سن کر ان سنی کر دیتے ہیں اور یہ عذرِ لنگ پیش کرنے لگتے ہیں کہ آخر خدا کو نبی بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ مِمَّا لَا يَعۡلَمُوۡنَ (۳۷)

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیئے ہیں ان چیزوں کے بھی جو زمین اگاتی ہے اور لوگوں کی اپنی جنس میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو وہ جانتے تک نہیں۔

اس میں بتایا کہ جس طرح خداتعالیٰ نے مادی عالم میں ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں اور یہ بات اس کی ذات میں کوئی کمزوری اور نقص ثابت نہیں کرتی اسی طرح اس نے روحانی عالم میں بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اس کی تقدیر یہی ہے کہ کاروبارِ عالم جوڑوں سے چلتا ہے۔ نبی بمنزلہ نر کے ہوتا ہے اور قومیں بمنزلہ اناث کے اور ان کے جوڑ ہی سے روحانی کاروبار چلتا ہے اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔

جب اوپر کی آیات میں آئندہ ایک نبی کے آنے کا اشارہ کیا گیا اور ضرورتِ نبوت کے دلائل دیئے گئے تو اس پر لامحالہ یہ سوال پیدا ہونا تھا کہ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اور نبی کی ضرورت ہوسکتی ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا :-

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيۡلُ ۖۚ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ (۳۸)

(آئندہ نبی کی ضرورت پر)

رات ان کے لئے ایک نشان ہے ہم اس میں سے دن نکال لیتے ہیں تو

وہ یکا یک اندھیرے میں جا پڑتے ہیں۔

یہاں دن کو رات میں بدل دینے کا ذکر نہیں ہؤا بلکہ رات میں سے دن کو نکال لینے اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کے اندھیرے میں جا پڑنے کا ذکر ہؤا ہے۔پس اس میں یہ بتایا کہ جس طرح شروع رات میں تو اس خطہ زمین میں روشنی رہتی ہے جس پر غروب سے پہلے سورج چمک رہا ہوتا ہے لیکن جب کچھ دیر ہو جائے اور دن پوری طرح رات میں سے نکل جائے تو لوگ گُھپ اندھیروں میں جا پڑتے ہیں اسی طرح نبی کی رحلت کے بعد ہوتا ہے اور اسی طرح حضرت محمد رسول اللہﷺ کی رحلت کے بعد ہوگا۔اس لئے لازماً **اور نبی کی ضرورت** پیش آئیگی۔

چونکہ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا محمد رسول اللہﷺ کا زمانہ ختم ہوجائے گا اس لئے اس کے بعد فرمایا :-

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ (۳۹)

(بے شک دن کے رات میں سے نکل جانے پر اندھیرا چھا جاتا ہے لیکن) سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے۔خدائے عزیزوعلیم کی یہی تقدیر ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح گردش آفتاب کا ایک منتہا تو ہے، وہ اپنے مستقر کی طرف جاتو رہا ہے لیکن جب تک دنیا ہے اس وقت تک اس کی گردش ختم ہونے والی نہیں ہے اسی طرح خدائے عزیزوعلیم کی تقدیر یہ ہے کہ آفتاب **سمَآءِ** روحانیت حضرت محمد رسول اللہﷺ کا دور بھی رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

===============

خلافتِ راشدہ کے بارہ میں عظیم الشان پیشگوئیاں

جو کچھ اوپر کہا گیااس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ کا دور آپؐ کے بعد کس طرح جاری رہے گا یعنی آپؐ کی روشنی کس طرح ہمیشہ لوگوں تک پہنچتی رہے گی اس کا جواب دینے کو اور اس کے ساتھ بہت سی اور باتیں بتانے کو فرمایا:-

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (۴۰)

اور چاند کے لئے ہم نے منازل مقرّر کی ہیں (جن کو وہ پوری کرتا رہتا ہے) یہاں تک کہ کھجور کے خوشے کے پیچھے رہ جانے والی شاخ کی طرح ہوجاتا ہے (یا اس کی صورت بن کر عود کر آتا ہے)

اس آیت کو سمجھنے کے لئے چند باتوں کا مدِّنظر رکھنا ضروری ہے۔پہلی بات یہ ہے کہ قمر تیسری رات سے بعد کے چاند کو کہتے ہیں۔پہلی تین راتوں کا چاند ہلال کہلاتا ہے۔مگر ہلال کے بغیر قمر کا وجود ممکن نہیں اس لئے اس آیت کا ایک مفہوم ہلال کے ذکر کو قمر کے ذکر میں شامل سمجھ کر لیا جائے گا۔ تاہم چونکہ اسے شروع بہرحال قمر کے لفظ سے کیا گیا ہے اس لئے اس کا ایک مفہوم ہلال کو اس سے باہر رکھ کر بھی لیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ چاند کی منازل مشہورومعروف ہیں اسلئے جب وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ فرمادیا گیا تو بظاہراس کے بعد کچھ اور فرمانے کی ضرورت نہیں تھی لہٰذا اس کے بعد جو حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ کے الفاظ لائے گئے تو ضرور ہے کہ اس سے کوئی خاص غرض ہو۔تیسری بات یہ ہے کہ لفظ عاد کے دو معنی ہیں۔ایک عود کر آنے کے اور دوسرے صَارَ یعنی ہو جانے کے۔چاند کا عود کر آنا ہمیشہ تکمیلِ منازل کے بعد ہوُا کرتا ہے۔اسلئے اگر عاد کے پہلے معنی مراد ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چاند کا اس آیت میں ذکر ہے اس کے متعلق یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ اپنا ایک دور پورا کریگا اور اس کے بعد پھر نکلے گا مگر ساتھ ہی كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ فرما کر بتایا ہے کہ اس کا دوبارہ نکلنا قابل تعریف رنگ کا نہیں ہوگا۔

چونکہ پچھلی آیت میں مادی شمس کا ذکر کرکے روحانی شمس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ کیا گیا تھا اس لئے اگر ہلال کے ذکر کو قمر کے ذکر میں شامل سمجھا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس آیت میں جس چاند یعنی خلافت کا ذکر ہے اس سے وہ چاند یعنی خلافت مراد ہے جو آفتاب سماء روحانیت کے غروب ہونے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد طلوع ہونے والا تھا یعنی اس سے خلافتِ راشدہ کا چاند مراد ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس چاند کی ابتدا ہلال سے مشابہ ایک ایسے وجود سے ہوگی جس کا نام لئے بغیر اس کی طرف ذہن جاسکتا ہے۔اگرچہ اس کے دور میں محمد رسول اللہ ﷺ کا نور زیادہ نہیں پھیلے گا مگر آئندہ کی ترقیات بلکہ

خود خلافت کی بنیاد بھی اسی سے مستحکم ہوگی اور ہلال کی طرح اس چاند کا ظہور مسلمانوں کے لئے (ترقیات کی) عید کا پیغام لائے گا مگر یہ دور مختصر ہوگا اور ہلال کی طرح جس کی عمر تین راتوں سے زیادہ نہیں ہوتی تین سال کے اندر اندر ختم ہوجائے گا۔اور ہلال کا ذکر لفظوں میں نہ کر کے یہ اشارہ کیا کہ خلیفہ اولؓ محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسے فنا ہونگے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے دور کو آنحضورؐ کے دور سے الگ کر کے بیان کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس کے بعد یہ چاند قمر بن کر یوماً فیوماً بڑا اور روشن سے روشن تر ہوتا جائے گا اور پھر زوال پذیر ہوگا یہاں تک کہ چاند کی ہر رات کے مقابل پر ایک سال لے کر یعنی ۳۰ سال پورے ہونے تک غروب ہو جائے گا اور اس کے بعد ایک نئے چاند کی صورت میں پھر نکلے گا۔ مگر اس وقت یہ **العرجون القدیم** کے مشابہ ہوگا یعنی اگرچہ کہلائے گا چاند یعنی خلافت ہی کا دور مگر اصل خلافت محمدیہ سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہوگی کیونکہ اس کی حیثیت کھجور کے خوشے کے پیچھے رہ جانیوالی خشک اور ٹیڑھی شاخ بلکہ ایسی قدیم شاخ کی سی ہوگی جس میں اگر وہ اپنے درخت سے کٹ نہ گئی ہو تو ایک گونہ بلندی تو ہوتی ہے مگر نم ذرا سا بھی نہیں ہوتا۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی اور اس کے بعد ملوکیت آجائے گی تو ہوسکتا ہے کہ اس آیت ہی سے استنباط کر کے فرمایا ہو۔

سبحان اللہ خلافت راشدہ کے بارہ میں کیسی شاندار اور عظیم پیشگوئیاں اس آیت میں کی گئیں جو لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں۔ خلافتِ اُولیٰ کا دور ڈھائی سال رہا۔گویا جیسا کہ بتایا گیا تھا اس کے عین مطابق تین سال کے اندر اندر ختم ہوگیا اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد اور حضرت عثمانؓ کے عہد کے ابتدائی سالوں میں اس چاند کی روشنی بڑھتے بڑھتے اپنے کمال کو پہنچی اور پھر زوال شروع ہؤا یہاں تک کہ تیس سال پورے ہونے تک آخری خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور ختم ہوگیا اور اس کے بعد جو خلافت آئی اس کی حیثیت **اَلْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْم** سے (جو ٹیڑھی ہوتی ہے اور جس میں نم نام کو بھی نہیں ہوتا مگر ایک گونہ بلندی بہرحال اسے حاصل ہوتی ہے) بڑھ کر نہیں تھی کیونکہ اس میں روحانیت تو ذرّہ بھر بھی نہیں تھی مگر ایک گونہ بلندی اسے ضرور حاصل تھی کیونکہ وہ دراصل بادشاہت تھی۔قرآن کریم کی یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ ۳۰ سال کے بعد جو چیز خلافت کے نام پر قائم ہوئی وہ خلافتِ راشدہ ہرگز نہیں تھی۔مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے ملک کے ایک مصنّف نے یزید پلید کی خلافت کو بھی خلافت (حقّہ) قرار دیا ہے اور

اس کے نام کے اوپر رحمۃ اللہ علیہ کا نشان (رح) ڈال کر اپنے لئے لعنۃ اللہ کو واجب کر لیا ہے اِنَّـا لِلّٰہِ وَ اِنَّـآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ وہ مصنّف یہ کہتا ہے کہ یزید نے وہ کام نہیں کیا تھا مگر میں کہتا ہوں کہ اس نے وہ کام نہ کیا ہو پھر بھی کوئی ایسی بڑی بدی اس سے ضرور سرزد ہوئی تھی جو خداتعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس کے نام پر ایک سیاہ دھبّہ لگا دیا۔ پس اس ملعون کو مرحوم کہنا خود خدا کی لعنت کے نیچے آنا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ آسمانِ روحانیت کے شمس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا عہدِ نبوّت رہتی دنیا تک رہے گا اور اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ خلافتِ راشدہ (بلافصل) کا دور تیس سال ہوگا اس سے آگے نہیں بڑھے گا تو چونکہ سورۃ الجمعہ میں آپؐ کے ایک اور بعث کی خبر بھی دی گئی تھی اس لئے ایک تو یہ سوال ہوسکتا تھا کہ کیا اس کے بعد آپؐ بنفسِ نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے؟ چنانچہ حضرت ایلیاء کے متعلق یہود کا اور حضرت مسیحؑ کے متعلق نصاریٰ کا بلکہ بہت سے مسلمانوں کا بھی ایسا ہی عقیدہ اب تک ہے۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر جو تاریکی دورِ خلافت کے ختم ہوجانے کے بعد جلد یا بدیر دنیا پر چھا جائے گی کیا وہ مستقل ہوگی یا عارضی اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

لَا الشَّـمۡـسُ یَنۡبَغِیۡ لَهَآ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِؕ وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ (۴۱)

نہ سورج کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ پیچھے سے چاند کو آلے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے اور تمام اجرام (فلکی) اپنے اپنے فلک (یعنی مدار) میں تیرتے رہتے ہیں۔

مطلب یہ کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف لے آئیں اور خلافت کی جگہ لے لیں اور نہ ایسا ہوگا کہ (دورِ خلافت کے بعد آنے والی) وہ رات (جس کی سورۃ الفجر میں خبر دی گئی ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے تین سو سال بعد شروع ہوگی اور ہزار سال تک رہے گی) دن پر سبقت لے جائے یعنی رات ہی چلتی رہے اور دوبارہ دن چڑھنے ہی نہ پائے۔

یہاں کُـل کا لفظ رکھ کر بتایا کہ جس چاند کا یہاں ذکر ہے وہ کئی چاندوں پر مشتمل ہوگا

اور آسمانِ روحانیت میں ہر ایک کا اپنا اپنا مقام اور دائرہ عمل ہوگا۔

اب دیکھئے کہ ایک طرف تو خداتعالےٰ نے یہ بتایا کہ عہد نبوت محمد یہ رہتی دنیا تک رہے گا تاہم آپؐ بنفسِ نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ کا نور آپؐ کے خلفاء کے ذریعہ جو اس شمس کے لئے بمنزلہ قمر کے ہوں گے دنیا میں پھیلے گا۔دوسری طرف پہلے دور خلافت کے (جس کے متعلق بتایا گیا کہ وہ کئی چاندوں یعنی کئی خلفاء پر مشتمل ہوگا) صرف تیس سال چلنے کی خبر دی جس کے بعد اندھیرے کا چھا جانا ضروری تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی دی کہ یہ رات ختم ہوگی اور دوبارہ بھی دن چڑھے گا جس کا تعلق آفتاب سے ہوتا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقدّر یہ تھا کہ تاریکی کے موعودہ دس سو سالوں کے بعد ایک ایسا شخص آئے گا جس کی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے تو وہ نسبت ہوگی جو شمس کے ساتھ قمر کی ہوتی ہے یعنی وہ آپؐ کا خلیفہ ہوگا اور آپؐ ہی سے نور لے کر اسے دنیا میں پھیلائے گا لیکن دوسرے خلفاء کے بالمقابل وہ بمنزلہ شمس کے ہوگا یعنی خدا کا رسول ہوگا۔چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی المسیح الموعودوالمہدی المسعو د نے نبوّت کا دعویٰ بھی کیا اور یہ بھی فرمایا کہ ۔

مے درخشم چوں خور وتابم چوں قرصِ ماہتاب
کور چشم آنا نکہ در انکار ہا افتادہ اند

چونکہ ہلال کا ذکر اس آیت میں لفظاً نہیں آیا اس لئے اگر قمر کے ذکر میں اس کے ذکر کو شامل نہ سمجھا جائے تو پھر دیکھنا ہوگا کہ اس سے کون سی خلافت مراد ہے۔

جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے دوسرے مقام پر واضح کیا ہے سورۃ الفجر میں اسلام کے پہلے تین سالوں کی طرح اس کی پہلی تین صدیوں کو بھی فجر کا زمانہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد دس راتیں یعنی دس صدیاں تاریکی کی آئیں گی اور چونکہ چاند کا تعلق رات سے ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں اس آیت میں اس چاند کا ذکر مراد سمجھا جائے گا جو ان راتوں کے شروع ہونے پر قمر یعنی چوتھی رات کا ہوچکا تھا یعنی اس سے خلافتِ منتخبہ مراد نہیں ہوگی بلکہ وہ خلافت مراد ہوگی جس کا ذکر حدیث نبوی اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا میں ہے یعنی اس سے خلافت ماموریت یعنی سلسلہ

مجددین مراد ہوگا۔اس اعتبار سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ ان دس تاریک صدیوں کے گزر جانے یعنی ابتداء اسلام سے تیرہ سو سال گزرنے کے بعد جو مجدد آئے گا وہ دوسرے مجددین کے مقابل پر چودھویں رات کے چاند سے مشابہہ ہوگا اور سولھویں صدی کے آخر تک اس کے مشن کو پورا عروج حاصل ہو جائے گا کیونکہ اِتِّسَاق قمر کے لئے یہی قانون خداوندی ہے اور بمطابق آیت وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ اس کا وعدہ بھی کیا گیا۔آگے حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ کے الفاظ لا کر بتایا کہ اس کے بعد پھر خلافت راشدہ کے بعد کے دورِ ملوکیت کی طرح کا ایک دور آسکتا ہے۔’’ آئے گا‘‘ کی بجائے ’’ آسکتا ہے‘‘ کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ یہ ایک انذاری خبر ہے اور انذاری خبریں خداتعالیٰ کو خوش کر لینے سے ٹل جایا کرتی ہیں۔خدا کرے یہ انذاری خبر بھی ٹل ہی جائے ۔

===============

سورۃ الطّور سورۃ النجم اور سورۃ رحمٰن میں ذکر المہدیؑ

سورۃ طور کے شروع میں بہت سی شہادتیں پیش کر کے آنحضرتﷺ کو کہا گیا اے رسول تیرے رب کا عذاب یعنی وہ عذاب جو تیری یوما فیوماً ترقّی کا موجب بننے والا ہے آکر رہیگا۔ اور ظاہر ہے کہ آپؐ کی ترقّی کے کمال کا مطلب غلبہ توحید تھا جو آپؐ کی زندگی کا اصل مقصد تھا اور غلبہ توحید اس بات کا متقاضی تھا کہ خواہ عذاب آنے کے بعد ہی ہو لیکن کفارِ مکّہ بالآخر ایمان لے آئیں۔ گویا عذاب کی اس خبر میں انکے ایمان لانے کی بشارت بھی تھی اس لئے آنحضرتﷺ کو طبعًا یہ خواہش ہوتی تھی کہ اگر ان کا ایمان مشروط بہ عذاب ہے تو وہ عذاب جلد آئے۔لیکن جیسا کہ ارشادِ ربّانی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ (الانفال ۸:۳۴۔ اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے جبکہ تو ان میں موجود ہو) سے ظاہر ہے آپؐ کے مکّہ میں ہوتے ہوئے اسکا آنا ممکن نہیں تھا۔ اور بغیر اذن ہجرت کرنے سے آپؐ کو ابتدائی زمانہ کی ایک سورۃ (یعنی سورۃ القلم۔ ۶۸:۴۹) کے الفاظ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ (اپنے رب کے حکمِ ہجرت کا صبر کے ساتھ انتظار کر اور صاحب الحوت یعنی یونس نبی کی طرح نہ بن) میں منع کیا جا چکا تھا ۔ اسلئے جب اس عذاب کی خبر دی گئی تو کچھ

درمیانی باتوں کے بعد (قرآن کریم کے عام طریق کے مطابق کہ وہ آخر سورۃ میں شروع سورۃ کے مضمون کی طرف ضرور عود کرتا ہے) اس سورۃ (الطّور) کے آخر میں وہی سورۃ اُلقلم والے الفاظ ''فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ'' لاکر ایک تو اس حکم کی جو پہلے دیا جا چکا تھا یاد دہانی کرادی اور اسکی تائید کر دی اور دوسرے یہ بتایا کہ حکم ہجرت بھی ضرور ہوگا اور اسکے ساتھ ہی فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا کے الفاظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ ہجرت کے سفر میں خطرات ہونگے لیکن اللہ آپؐ کی حفاظت فرمائیگا۔ اسکے بعد ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِرَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (۴۹)

اے رسول جب تو (سفر ہجرت کے لئے) کھڑا ہو (یعنی جب اسکا عزم کر لے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کر۔

جیسا کہ سورۃ النصر سے سمجھا جا سکتا ہے حمد کا نصرت الٰہی اور غلبہ دین کے ساتھ ایک تعلق خاص ہے اس لئے اس آیت میں دراصل یہ بتایا کہ سفر ہجرت آپؐ کی ترقیّات کا موجب ہوگا اور اس کے نتیجہ میں آپؐ کے مشن کو یوماً فیوماً ترقّی و استحکام حاصل ہوگا۔ مگر اس وقت کے حالات میں اس پر دو سوال لامحالہ ہوسکتے تھے۔ کفار کی طرف سے یہ کہ اگر محمد (ﷺ) کا اکیلا خدا ان کے سینکڑوں خداوں پر غالب آکر انہیں ترقیّات اور غلبہ سے ہمکنار کر سکتا ہے تو اِس وقت وہ شدید مصائب و مشکلات کے اندھیروں میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی طرف سے یہ کہ کیا اسلام کا وہ غلبہ جس کی طرف سابقہ آیات میں اشارہ ہے مستقل ہوگا یا نہیں اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (۵۰)

اے رسول اس رات میں بھی اللہ کی تسبیح کر اور ان ستاروں کے پیٹھ پھیر لینے کے بعد بھی اس کی تسبیح کرنا۔

یعنی مذکورہ بالا میں سے پہلے سوال کا تو یہ جواب دیا کہ اے رسول مصائب و مشکلات کی جو رات اس وقت مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے یہ رات ابھی تاریکی میں اور بڑھے گی یہاں تک کہ النجوم یعنی تیرے صحابہؓ میں سے اکثر اُفق مکہّ پرغروب ہو جائیں گے یعنی یہاں سے ہجرت کر جائیں گے اور تو قریباً اکیلا رہ جائے گا۔ مگر تجھے چاہیے کہ لوگوں پر واضح کر دے کہ نہ موجودہ

وقت تیرے رب کی کسی کمزوری کی وجہ سے یا اس وجہ سے ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہے اور نہ وہ وقت جب یہ تاریکی انتہا کو پہنچ جائے گی اس کی کمزوری یا احد نہ ہونیکی وجہ سے آئے گا۔ اور دوسرے سوال کے جواب میں یہ بتایا کہ اسلام کے موعود غلبہ کے بعد مسلمانوں پر پھر مصائب کی ایک رات آئے گی اور اس کی تاریکی بھی یوماً فیوماً بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ النجوم یعنی علماء اور اولیاءِ اُمّت میں سے کوئی دیکھنے کو نہیں ملے گا مگر اُس رات کا آنا اور اُسکی تاریکی کا انتہا کو پہنچ جانا بھی تیرے رب کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت اسی طرح مل سکتا تھا کہ اس کے بعد پھر سے اسلام پر ترقّی کا دور آئے۔ پس اسی میں اسلام کے دوبارہ عروج کی پیشگوئی بھی مضمر تھی البتہ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ عروج کیسے ہوگا چنانچہ اگلی سورۃ (النجم) میں اس کا جواب ہے۔

===============

سورۃ النجم میں مہدی موعودؑ کا ذکر

اوپر کی آیت سورۃ طور کی آخری آیت ہے اس کے بعد سورۃ النجم آتی ہے اس کے شروع میں ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی (۲) مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (۳)
وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی (۴) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۵)

میں ثریّا ستارہ کو جب وہ (معنوی طور پر) نیچے آجائیگا اس امر کی شہادت کیلئے پیش کرتا ہوں کہ تمہارا ساتھی نہ رستہ بھولا ہے نہ گمراہ ہوُا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کلام کرتا ہے۔ بلکہ وہ (یعنی اس کا پیش کردہ کلام قرآن مجید) صرف خدا کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہے۔

لفظ **هَوٰی** کے معنے گرنے یا نیچے جانے کے بھی ہیں اور ابھرنے یا اوپر آنے کے بھی ہیں۔ چونکہ سورۃ الطّور کی آخری آیات کا تعلق آنحضرت ﷺ کے اپنے حین حیات سے بھی تھا اور آئندہ زمانہ سے بھی تھا اس لئے ان آیات کا تعلق بھی ان دونوں زمانوں سے ہے۔ پس ''النجم'' سے آنحضرت ﷺ بھی مراد ہیں اور اس اعتبار سے **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی** میں یہ بتایا گیا کہ

ہجرت کے بعد ایک وقت آئیگا کہ یہ عظیم ستارہ اُفق مکّہ پر پھر اُبھریگا اور جوابِ قسم میں مذکور باتوں پر گواہ ہوگا لیکن اَلَّیۡل کا ذکر چونکہ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ والی آیت کے یعنی اس آیت کے جس میں آنحضرت ﷺ کی آئندہ کی ترقیات کی بشارت تھی بعد آیا تھا اور بنا بریں اس سے جس طرح ان آیات کے نزول کے وقت چھائی ہوئی رات کی طرف اشارہ تھا اسی طرح اسلام کے غلبہ کے بعد مسلمانوں پر آنیوالا مصائب کا زمانہ بھی اس سے مراد ہوسکتا تھا اور اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا وہ زمانہ مستقل ہوگا یا اسلام دوبارہ بھی ترقی کریگا؟ اس لئے اس کے بعد وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی فرما کر یہ بھی بتایا کہ اس وقت پھر ایک عظیم ستارہ آسمانِ روحانیت پر بلند ہوگا اور وہ جواب قسم میں مذکور اُمور پر گواہ ہوگا۔

چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جسکے بھی پیچھے چلو گے ہدایت پاجاؤگے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ لِهٰذِهِ الۡاُمَّةِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنۡ یُّجَدِّدُلَهَا دِیۡنَهَا کہ خدا تعالیٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسا شخص مبعوث کرے گا جو تجدید دین کا کام کرے گا اس لئے وہ مجددین بھی نجوم ہوئے اور پھر آپؐ نے ان مجددین کی تعداد ۱۲ بتائی ہے اور ان کے بعد آنے والے کو عیسیٰ بن مریم کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لَیۡسَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَهٗ نَبِیٌّ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں یعنی میں نبی ہوں اور وہ بھی نبی ہوگا لیکن ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس لئے موعود نبی 'النجم' یعنی ان نجوم میں سے عظیم ترین نجم ہوگا۔

===============

مسیح موعودؑ چودھویں صدی کے سر پر آئیگا

پس ان معنوں کی رو سے وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی میں مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کی گئی اور بتایا گیا کہ پہلے بارہ صدیوں کے بارہ مجدد آئینگے اور پھر وہ آئیگا۔ یعنی وہ چودھویں صدی کے سر پر آنیوالا مجدّد ہوگا۔ اور چونکہ اَلنَّجۡمِ سے مراد خود حضرت نبی کریم ﷺ بھی ہیں اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ اس موعود کا آنا ایک اعتبار سے خود محمد رسول اللہ ﷺ کا آنا ہوگا۔ یہی بات سورۃ الۡجُمُعَة کی آیت وَاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ میں بھی بتائی گئی ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں دوسری جگہ دی گئی ہے۔

چنانچہ سورۃ النجم کی بعض آیات یعنی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بلند مقام کے بیان میں ہیں۔ موعود عیسیٰ بن مریم کو بھی الہام ہوئیں تا اس کی ظلیت کا اظہار ہو۔ چونکہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کے متعلق کافر کہہ سکتے تھے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ محمد ﷺ نے دانستہ کوئی عملی یا اعتقادی غلطی نہیں کی اور نہ آپؐ کا نطق ہوائے نفس سے ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ انہیں غلطی لگی ہے اور انہوں نے دھوکا کھایا ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱۲) اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (۱۳)

جو کچھ اس نے (بعین قلب) دیکھا اس کے ذہن نے اسے غلط نہیں سمجھا۔ (اے نادانوں) کیا تم اس چیز کے بارہ میں اس سے جھگڑتے ہو جو (اس نے ایک یا دو بار نہیں دیکھی بلکہ جو) اس کا روز مرہ کا مشاہدہ ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (۱۴)

اور (یہی نہیں کہ اس کا یہ دیکھنا کہ قرآن فرشتہ اس پر لے کر اترتا ہے حق ہے بلکہ) خدا گواہ ہے کہ اس نے اسے ایک بار اور بھی نازل ہوتے دیکھا ہے۔

یعنی بمطابق آیت يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السّجدہ ۳۲:۶) ایک دفعہ زمین پر نازل ہونے اور اس میں جگہ پا لینے کے بعد قرآن آسمان پر چلا جائیگا مگر اس کے بعد ایک بار پھر زمین پر نازل ہوگا۔ رہا یہ کہ کب اور کہاں نازل ہوگا؟ تو سنو

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (۱۵)

سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى کے پاس

===============

مہدی موعودؑ خاتم الخلفاء ہوگا

عرب میں جو درخت ہوتے ہیں ان میں سدرۃ یعنی بیری کا درخت سایہ کے اعتبار سے بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں **نَعْمَاءِ جنّت** کے بیان میں خصوصیت کے ساتھ سدرٍ مخضُود کا ذکر آیا ہے (الواقعہ ۲۹:۵۶)۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح عرب لوگ بیری کے درخت تلے دھوپ کی تمازت سے بچتے اور آرام پاتے تھے اسی طرح لوگ خلیفۃ اللہ کے زیرِ سایہ بھی شیطان کے حملوں سے بچتے اور آرام پاتے ہیں ۔ لہٰذا خلیفۃ اللہ کا وجود بھی مجازی رنگ میں ایک سدرۃ ہی ہوتا ہے۔ یہاں **عند سدرۃ المنتھٰی** کے الفاظ ہیں جن سے **اِضَافَۃُ الشَّیْءِ اِلٰی مَکَانِہٖ** کے مطابق انتہائی دور کی بیری بھی مراد ہوسکتی ہے اور **اِضَافَۃُ الْمَحَلِّ اِلَی الْحَال** کے مطابق انتہا کو پہنچی ہوئی بیری بھی۔ لہٰذا اس میں ایک اشارہ یہ تھا کہ جبرائیلؑ کا دوسرا نزول سب سے بعد میں آنے والے خلیفہ پرہوگا اور دوسرا مفہوم یہ تھا کہ اس کا دوسرا نزول سب سے بڑے خلیفہ پرہوگا۔ مہدی موعودؑ کا سب سے آخری خلیفہ ہونا بہ ایں معنٰی ہے کہ آپؑ پر براہ راست آنے والے خلفاء اسلام یعنی مجددین کا سلسلہ ختم ہو جائیگا اورآئندہ جو بھی آئیگا وہ آپؑ کے متبعین میں سے آئیگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے آپ کو آخری قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ وہ اُمّت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جسکے شروع میں میں ہوں اور آخر میں مسیح موعود۔ اور دوسری طرف آپؐ نے خود فرمایا **لَا وَلِیَّ بَعْدِی اِلَّاالَّذِیْ ھُوَمِنِّیْ وَعَلٰی عَھْدِی** یعنی میرے بعد اب کوئی ولی نہیں ہوسکتا مگر وہ جو مجھ میں سے ہو اور میرے طریق پر ہو۔ رہا آپ کا سب سے بڑا خلیفہ ہونا تو وہ اس حدیث نبوی کے مطابق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ابوبکرؓ اُمّت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ آئندہ کوئی نبی آجائے یعنی جب نبی آجائیگا تو پھر وہی سب سے افضل ہوگا۔

==============

مسیح موعودؑ پر قرآن کا ازسرِنو نزول ہوگا اور اس کا ظہور ہندوستان میں ہوگا

پس وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن کریم کا ایک اور نزول بھی ہوگا اور وہ نزول مسیح موعودؑ پر ہوگا۔ حرف عند کے معنٰی ''پاس'' کے علاوہ ''پر'' کے بھی ہوتے ہیں ۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کے اعداد ۱۳۱۵ ہیں۔ یہ سورۃ ۵ھ نبوی میں نازل ہوئی۔ آٹھ سال قبل از ہجرت کے اس عدد میں سے وضع کئے جائیں تو ۱۳۰۸ھ بنتے ہیں اور ۱۳۰۷ وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت جس کا اعلان رسالہ فتح اسلام میں کیا جو ۱۸۹۰ء بمطابق ۱۳۰۸ھ میں تالیف کیا گیا۔

سَدِرَ کے ایک معنے ہیں۔

BEWILDERED,PERPLEXED,DUMB FOUNDED. (LANE)

وہ متحیر ہوُا اسلئے ابن الخطیب اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں لکھتے ہیں کہ سدرة المنتهىٰ هى الحيرة القصوىٰ یعنی عِنْدَمَا يَحَارُ العَقْلُ حَيْرَةً لَاحَيْرَةَ فَوْقَهَا ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انتہائی حیرت کے مقام سے کیا مراد ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ انسان بالطّبع اپنے خالق کے قرب کا اور اسی طرح نجات کا خواہاں ہوتا ہے لیکن جب اسے حصولِ مقصد کا راستہ نظر نہ آئے یا وہ صحیح راستہ کی تعیین نہ کرسکے تو وہ حیران وسرگرداں ہوجاتا ہے۔ پس عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى میں ایک اشارہ یہ کیا گیا کہ قرآن کریم کا دوسرا نزول اس مقام پر ہوگا جو مذاہبِ عالم کا اکھاڑا بنا ہوُا ہوگا اور لوگوں کو کچھ سمجھ نہیں آرہی ہوگی کہ وہ کونسا دین اختیار کریں۔ اور کونسا اختیار نہ کریں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے قریباً ایک ڈیڑھ صدی قبل ہندوستان دنیا کا وہ واحد ملک تھا جس میں تمام مذاہبِ عالم کے ماننے والے بکثرت جمع تھے اور ہر کوئی اپنی اپنی بین بجا رہا تھا۔ متلاشیانِ حق حیران و سرگردان تھے کہ کون سا مذہب سچا ہے اور کونسا جھوٹا۔ پس یہی انتہائی حیرت کا مقام تھا لہٰذا عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کے الفاظ میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ قرآن کے دوسرے نزول

اور مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقام ہندوستان ہوگا۔ یہی نہیں قرآن نے اس کے ظہور کی بستی تک کا نام بھی بتا دیا ہوُا ہے کہ وہ **قادیان** ہوگا۔

سورۃ الفتح کے آخر میں اسلام کے دورِ اوّل کی (جس میں آنحضرتﷺ موجود تھے) اور دورِ ثانی کی (جو آپؐ کی اسمِ احمد کی تجلی کا دور ہے) ترقیات کے بارہ میں بتایا گیا کہ وہ کس طرح پر ہوں گی۔ اگلی سورۃ (الحجرات) میں آنحضرتؐ کے ادب کی تعلیم دے کر یہ اشارہ کیا گیا کہ مسلمانوں کی تمام تر ترقیات آپؐ کے کما حقّہٗ ادب سے وابستہ ہیں (**الطریق کُلُّہٗ ادب**) اس کے بعد سورۃ ''ق'' آتی ہے اسکے شروع میں ہے۔

قٓ ج وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ (۲) بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ (۳) ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ج ذَالِكَ رَجْعٌ م بَعِيْدٌ (۴)

مضمون ماقبل کی روشنی میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ان الفاظ کا تعلق اسلام کے دونوں دوروں سے ہے ۔ والقرآن المجید فرما کر قرآن کو گواہ ٹھہرایا گیا۔ کس بات پر؟ اگلے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے نذیر کی صداقت پر اور حشر بعد الموت پر۔ ان باتوں پر قرآن کس طرح گواہ ہوسکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسطرح پر کہ اس مجد بخشنے والی کتاب کے ذریعہ جو محمد رسول اللہﷺ لائے اس دنیا میں روحانی مردے زندہ ہوجائیں اور لوگ جان لیں کہ جسطرح قرآن کی بتائی ہوئی یہ بات کہ آپؐ کے ذریعہ روحانی مردے زندہ ہونگے بظاہر ناممکن نظر آنے کے باوجود سچی نکلی اسیطرح قیامت کے دن والی بات بھی سچی نکلے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ 'ق' کا جو شروع میں آیا ہے تعلق بھی انہی دو باتوں سے ہے یعنی مامور وقت کی صداقت سے اور اِحیاء موتیٰ سے۔ چنانچہ مفسرین نے اس سے ('' قادر'' کے علاوہ) '' **اَلْقِيَامَةُ حَقٌّ** '' بھی مراد لیا ہے ۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ق کے اعداد بحساب جُمل ۱۰۰ ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے ہر سو سال کے بعد ایک ایسے شخص کے آنے کی خبر دے رکھی ہے جو تجدید دین کرے گا۔ یعنی اسلام کو

ایسے رنگ میں پیش کرے گا کہ اس سے پہلے والے ثمرات حاصل ہوسکیں۔ یعنی اس پر عمل کر کے دنیا میں روحانی مردے زندہ ہوسکیں اور حشر بعدالموت کا ثبوت فراہم کریں۔ اسلئے 'ق' کا تعلق بلا شبہ مجددینِ اُمّت محمدیہ سے بھی ہؤا (یہ بات کہ 'ق' میں سلسلہ مجددین کی طرف اشارہ ہے حضرت مولوی راجیکی صاحبؓ کو بطور القاء بھی بتائی گئی) ۔ اور جب دوسرے مجددین سے اسکا تعلق ہؤا تو مجدداعظم سے تو بدرجہ اَوْلیٰ ہوگا۔ اور امّت محمدیہ میں آنے والے مجددین میں سے مجدد اعظم مہدی موعودؑ ہیں۔ اور انکا ظہور قادیان میں ہؤا اور قادیان کا پہلا حرف ق ہے ۔ لہٰذا جسطرح موقع کی مناسبت سے اور اس کا پہلا حرف ہونے کہ وجہ سے ' ق' سے قادر مراد لینا بجا ہے اسیطرح اس سے قادیان مراد لینا بھی بالکل درست ہے۔ پس ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں مہدی موعود کی جائے ظہور کا نام بتا یا دیا گیا تھا کہ وہ قادیان ہو گا۔ حضرت مہدی موعودؑ نے آیت اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَ قْصَا الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ سے اسکی طرف اشارہ مراد لیا ہے۔ چونکہ اِسریٰ کہتے ہی رات کے سفر کو ہیں۔ لیلاً کا لفظ بڑھا کر اس سفر کے مجازی رات (یعنی معصیت و مصائب کی تاریکی کے اس زمانہ) کا سفر ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا جس نے سورۃ الفجر کے مطابق تیسری صدی کے آخر سے تیرھویں صدی کے آخر تک چلنا تھا بلکہ اسکے آخری حصہ کا سفر ہونے کیطرف کیونکہ یہی وقت لیلۃ القدر کے حکم میں اور نبی کے آنے کا وقت ہوتا ہے۔ مکانی لحاظ سے مسجد اقصیٰ یعنی دور کی مسجد سے مدینہ کی مسجد اور بیت المقدس کی مسجد مراد ہیں۔ لیکن زمانی لحاظ سے دور کی مسجد سے (جس تک آنحضرتؐ نے اس رات میں پہنچنا مگر اس سے آگے نہیں جانا تھا) وہی مسجد مراد ہوسکتی ہے جس کا تعلق حضور کی بعثتِ ثانیہ کے زمانہ سے ہو (جو آخرینِ اُمّت میں تیرھویں صدی کے آخر میں مہدی موعودؑ کی صورت میں ہونیوالی تھی) پس اس سے مہدی موعود کے حکم سے بننے والی مسجد مبارک مراد ہے اور یہ مسجد قادیان میں ہے اس سے بھی ثابت ہؤا کہ قادیان کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

اَلسَّدِیْرُ کے معنے پانی کے منبع اور نہر کے ہیں۔ (اقرب) اور **اَلسَّدِرُ** کے معنے سمندر کے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی **سدرۃ المنتھٰی** کے الفاظ حضرت مسیح موعودؑ پر نہایت عمدگی سے چسپاں ہوتے ہیں آپؑ روحانی پانی کا منبع تھے کیونکہ (جیسا کہ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں) آپؑ کے

بعد کوئی خلیفہ نہیں نہ ولی مگر وہ جو آپؑ سے فیض حاصل کرنے والا اور اسی فیض کو پھیلانے والا ہو۔ اسی طرح آپؑ نہر کے حکم میں تھے کہ آپؑ کا وجود حضرت نبی کریم ﷺ ہی کے دریائے فیوض کی ایک شاخ تھا اور جہاں حضرت نبی کریم ﷺ کے بالمقابل آپؑ کی حیثیت وہ تھی جو ایک بحر کے بالمقابل نہر کی ہوتی ہے۔ (بلکہ آپؑ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ؎

این چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم یک قطرہ ز بحر کمال محمدؐ است

وہاں اپنی ذات میں آپؑ ایک سمندر اور اس شعر کے مصداق تھے کہ ۔ ع

حقائق کا اک قلزم بیکراں (بخارِ دل)

پس کشفِ معراج میں جو آنحضرت ﷺ **سدرة المنتهى** تک پہنچے اور آپؐ نے وہاں جبرائیل کو بھی دیکھا اور خدا تعالیٰ کی بھی نہایت عظیم تجلی کا مشاہدہ کیا تو اس میں علاوہ آپؐ کے اپنے انتہائی بلند مقام کی طرف اشارہ کے جس کا کسی قدر ذکر مخزنِ معارف کی متعلقہ جلد میں ملے گا۔ آپؐ کے مشن کی آئندہ زمانہ کی اور بالخصوص آپؐ کی بعثت ثانیہ کے زمانہ کی ترقیّات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا۔

عند سدرة المنتهٰى کے بعد ہے **عِندَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى**۔ اس میں بتایا کہ اس **سدرة** یعنی مسیح موعودؑ کے ذریعہ ایک جنتی معاشرہ قائم ہوگا۔ یا یہ کہ اس کے ذریعہ جنّت قریب کر دی جائیگی یعنی اس کا حصول آسان ہوجائیگا۔ چنانچہ دوسری جگہ آپ کے وقت کی خبر دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ **وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ** (التّکویر۸۱:۱۴) **عِندَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى** کے بعد ہے۔

اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشٰى

==============

مہدی موعودؑ کے صحابہؓ اور آپؑ کی جماعت کی تعریف

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى کے متعلق کئی روایات آتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ سونے کے پروانوں نے اس **سدرة** کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے دیکھا کہ اس کے ہر پتّہ پر ایک فرشتہ ہے جو خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ اسے رفرف یعنی سبز پرندوں کی ایک جماعت نے ڈھانپا

ہؤا تھا۔

اس میں تین پیشگوئیاں کی گئیں۔

نمبر ا یہ کہ مسیح موعودؑ کا وجود ایک شمعِ محفل کی طرح ہوگا اوراس کے ماننے والے پروانوں کی طرح اس پر جان فدا کریں گے۔ (قومِ موسٰی کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ) نیز یہ کہ وہ پروانے خود بھی نہایت بلند شان اور قیمتی وجود ہوں گے اور جیسے سونے کا حال ہے۔ ان کی چمک دمک کو بھی کم ہی کوئی چیز ماند کر سکے گی اور

نمبر۲ یہ کہ مسیح موعودؑ کے شجر وجود کے پتّوں یعنی اس کی جماعت کے افراد کو تسبیح کرنے والے فرشتوں کی معیت حاصل ہوگی یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ بہت تسبیح کرنے والے ہوں گے کیونکہ ایسے ہی لوگوں کو ایسے فرشتوں کی معیت حاصل ہوسکتی ہے۔

نمبر۳ یہ کہ اس کی جماعت کے افراد روحانی اعتبار سے طیور یعنی آسمان کی پہنائیوں میں اڑنے والے اور (سبز رنگ کی طرح) آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا نے والے وجود ہونگے یعنی ان کے اوصاف حمیدہ اور مسکراتے ہوئے چہرے دیکھ کر لوگوں کوایک روحانی مسّرت اور کیف حاصل ہوگا۔

===============

سورۃ رحمٰن میں مہدیؑ کا ذکر

اور قرآن کریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہدی موعودؑ میں سے ہر ایک کی کماحقہ قدر کرنے کی بار بار تلقین

سورۃ النجم کے بعد سورۃ رحمٰن آتی ہے اس میں خداتعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلرَّحْمٰنُ(۲) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ(۳) خَلَقَ الْاِنْسَانَ(۴) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ(۵)

وہ رحمٰن ہے (اس لئے) اس نے قرآن سکھایا ہے اس نے انسان کو پیدا کیا اسے بولنا سکھایا۔

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن میں رحمٰن مبتدا ہے اور ما بعد اس کی خبر۔ یا یہ خود مبتداء محذوف ''اللہ'' یا 'ھوَ' کی خبر ہے۔ پہلی صورت میں یہ بتایا کہ خدائے رحمٰن ہی نے قرآن سکھایا ہے۔ یعنی نہ یہ محمدﷺ کی اختراع ہے نہ کسی ماسواللہ نے آپؐ کو سکھایا ہے۔ اور دوسری صورت میں یہ بتایا کہ چونکہ وہ رحمٰن ہے اس لئے اس نے قرآن سکھایا ہے۔ یعنی اس کی صفت رحمانیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ انسان کی ہدایت کا سامان کرتا۔

یہاں عَلَّمَ الْقُرْاٰن کے الفاظ پہلے ہیں اور خلق الانسان کے بعد میں۔ یعنی قرآن سکھانے کا ذکر پہلے ہے اور ''الانسان'' کے پیدا کیئے جانے کا بعد میں۔ اور چونکہ قرآن کریم سب سے پہلے محمد رسول اللہﷺ کو ہی سکھایا گیا اور بنا بریں آپؐ کی پیدائش کا ذکر عَلَّمَ الْقُرْاٰن ہی میں آجاتا ہے۔ اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگلے الفاظ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَان کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ بھی وہ ایک انسانِ کامل پیدا کرے گا۔ اور اسے قرآن کی تفسیر سکھائے گا۔(بیان کے معنی واضح تشریح اور تفسیر کرنے کی قدرت کے بھی ہوتے ہیں۔ اور ماضی کا صیغہ خبر کو یقینی بنانے کے لئے ہے۔ جس کی قرآن کریم میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔) چنانچہ ان میں سے امر اوّل کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ يَوْمٍ مَّوْعُوْدٍ (تذکرہ ۳۱۳) ہم نے انسان کو موعود دن میں پیدا کیا۔ اور امر دوم کے بارہ میں آپ نے فرمایا ''مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا۔'' اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مجھے ''سلطان القلم'' بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس اعتبار سے سورۃ الرَّحْمٰن کی ان آیات میں خداتعالیٰ کی تین بڑی نعمتوں کا ذکر ہے۔ ایک قرآن کا۔ دوسرے محمد رسول اللہﷺ کا۔ جنہیں قرآن کے الفاظ اور معانی سکھا کر قرآن کا معلّم اوّل بنایا گیا۔ اور تیسرے مہدی موعود المسیح الموعودؑ کا جنہیں قرآن کی تفسیر سکھائی گئی۔ اور اس کے حقائق و معارف کا غیر معمولی علم اور ان کے بیان کا غیر معمولی ملکہ عطا کیا گیا۔

آگے ہے:-

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ(٦) وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ(٧)

سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں۔ اور بے ساق کے

پودے بھی اور درخت بھی اس انتظام کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

اوپر یہ بتایا تھا کہ خدائے رحمٰن ہی نے محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے۔ اور آئندہ بھی وہ ایک انسانِ کامل یعنی نبی پیدا کرے گا۔ اور اسے اس کے مطالب سکھائے گا۔ اس کے بعد آیات زیر تفسیر رکھ کر یہ اشارہ کیا گیا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جنہیں قرآن سکھایا گیا روحانی اعتبار سے شمس ہیں (وَدَاعِياً اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُنِيْراً۔ الاحزاب ۳۴:۴۷) اور الانسان یعنی نبی موعود قمر ہوگا جس کا نور نورِ محمّدی کا پرتو ہوگا۔ اس لئے جس طرح مادی شمس کے ساتھ قمر کے ہونے پر اعتراض نہیں ہوسکتا اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی موعودؑ کے آنے پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا دائرہ عمل ہے۔ اور ایک کا وجود دوسرے کے لئے ممد تو ہے مخالف نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا لَاالشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسٓ ۳۶:۴۱) نہ سورج کے لئے ممکن ہے کہ چاند کو پکڑ لے نہ رات کے لئے ممکن ہے کہ دن سے آگے نکل جائے تمام (اجرام) ایک ہی فلک میں تیر رہے ہیں۔باقی جس طرح مادی شمس وقمر کا وجود ایک حساب سے ہے یعنی حکمت وضرورت کے مطابق ہے اور ان کی حرکات وتغیّرات کے ایک حساب اور اندازہ سے ہونے کی وجہ سے بے ساق کے پودے بھی اور تناور درخت بھی خدا کی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی اس کی منشاء کے مطابق جو فائدہ سورج سے براہ راست اٹھانے کا ہے وہ اس سے براہ راست اٹھاتے ہیں اور جو فائدہ قمر کی وساطت سے اٹھانے کا ہے وہ اس کی وساطت سے اٹھاتے ہیں اسی طرح ایسے وجود بھی جو بے ساق کے پودوں کی طرح ہیں اور ایسے وجود بھی جو تناور درختوں کی طرح ہیں یعنی چھوٹے مسکین اور غریب لوگ بھی اور بڑے طاقتور اور بااثر لوگ بھی اس روحانی شمس اور روحانی قمر ہر دو سے فائدہ اٹھائیں گے اور ان دونوں میں سے کسی کا وجود بھی بیکار ثابت نہیں ہوگا۔

یہاں نجم وشجر یعنی بے ساق کے پودوں اور درختوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ان میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔ اور یہ منشاء الٰہی کے مطابق سورج اور چاند کی مدد کے ساتھ زمین سے غذا حاصل کرتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ پس ان کا ذکر کرکے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں روحانی زندگی پائی جائیگی اور وہ نجم وشجر ہوں گے یعنی منشاء الٰہی کے خلاف چلنے والے

نہیں ہونگے بلکہ بے چون وچراء اس کی مرضی پر چلنے والے ہوں گے انکی زندگی خواہ کیسی ہی ادنیٰ یا کیسی ہی اعلیٰ حالت کی ہو وہ اس روحانی شمس اور اس روحانی قمر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس روحانی زمین (قرآن کریم) سے ضرور غذا حاصل کریں گے۔ اور روحانی طور پرنشوونما پائینگے۔ اور نجم کو (جس کے معنٰی بے ساق کے پودہ کے ہیں اور جس سے چھوٹے اور کمزور لوگ مراد ہیں) شجر پر (جس سے بڑے اور طاقتور لوگ مراد ہیں) مقدم رکھ کر یہ اشارہ کیا کہ غریب اور کمزور اور چھوٹے لوگ اس معاملہ میں امیر اور طاقتور اور بڑے لوگوں پر سبقت لے جائینگے۔

===============

محمد رسول اللہ ﷺ کو شمس اور مہدی موعودؑ کو قمر قرار دینے میں اشارہ

اس جگہ محمد رسول اللہ ﷺ کو الشّمس قرار دے کر یہ بتایا کہ آپؐ کا حسن ذاتی ہے۔ آپؐ کا مقام تمام انبیاء سے بلند ہے۔ آپؐ ساری دنیا کے لئے نبی ہیں۔ اور گو جیسے طلوع کے وقت شمس میں بھی تمازت کم ہوتی ہے آپؐ کا ابتدائی دور جمالی رنگ لئے ہوئے ہوگا۔مگر عروج کے وقت آپؐ میں جلالی شان نمایاں ہوگی۔ اس کے بالمقابل ''الانسان'' مسیح موعودؑ کو القمر قرار دے کر بتایا کہ اس کا حسن محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن ہی کا پرتو ہوگا۔ اور وہ آپؐ ہی کی تعلیم کو دنیا میں رائج کریگا۔ وہ اُمّت محمدیہؐ کے تمام بزرگوں سے بزرگ تر یعنی ستاروں میں چاند کی طرح ہوگا۔ ہوگا وہ بھی ساری دنیا کے لئے مگر اسکے رنگ پر جمالی شان غالب ہوگی۔

آگے ان میں سے ہر ایک کی کماحقہ قدر کرنے کی طرف متوجہ کرنے کو فرمایا:-

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ(۸) اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ(۹) وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (۱۰)

اور اس آسمان کو اس نے بلند کیا ہے اور ایک میزان قائم کردی ہے۔ تا کہ تم اس (دوسری) میزان کے بارہ میں افراط وتفریط سے کام نہ لو۔ اور

وزن ٹھیک ٹھیک قائم کرو۔ اور اس (تیسری) میزان کو کم نہ کرو۔

اگر **السَّمَآء** سے مادی آسمان مراد ہوتو چونکہ **وَوَضَعَ الْمِيْزَان** کا تعلق **رفع سَمَآء** سے بیان کیا گیا ہے اور اجرام سماوی اپنی اپنی جگہ صرف توازن کے اصول پر قائم ہیں۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان کو بلند کیا۔ اور ایک میزان رکھدی۔ یعنی تم پر واضح کردیا ہے کہ بلندیوں کو پانے اور ان پر قائم رہنے کے لئے باہمی توازن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ **اَلَّا تَطْغَوْافِى الْمِيْزَان** تاکہ تم اپنے معاملات میں میزان کو ملحوظ رکھو۔ اور اس میں کمی بیشی نہ کرو۔ طغیٰ حد سے گزرنا ہے جو زیادتی کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور کمی کی طرف بھی۔ فتح القدیر میں ہے **اَلطَّغْيَانُ مُجَاوَزَةُ الْحدِّ فَمَنْ قَالَ الْمِيْزَانُ الْعَدْلُ قَالَ طُغْيَانُهُ الْجَوْرُ وَمَنْ قَالَ الْمِيْزَانُ الْاٰ لَةُ الَّتِي يُوْزَنُ بِهَا قَالَ طُغْيَانُهُ الْبَخسُ. وَاَقِيْمُواالْوَزْنَ بِالْقِسْط** اور (یہ نہ سمجھ لینا کہ ہرجگہ بے جگہ مساوات قائم کرنا تمہارا کام ہے نہیں بلکہ) تم ہرچیز کا ٹھیک ٹھیک وزن قائم کرو یعنی جس کا جو حق ہے وہ اسے دو۔ **وَلَا تُخْسِرُواالْمِيْزَان** (اور اس کے خلاف کرکے اپنی) میزان (عمل) کو کم نہ کرو۔

لیکن **السَّمَآء** سے مراد روحانی آسمان بھی ہوسکتا ہے۔

آیت **اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُبِحُسْبَان وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُيَسْجُدٰنِ** میں یہ بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور مسیح موعودؑ میں سے کسی کا آنا رائیگاں نہیں جائیگا۔ اور اس کے بعد یہ آیت رکھ کر یہ بتایا کہ صرف قرآن کریم ہی کو کیوں کافی نہیں سمجھا گیا۔ فرمایا اس (رحمٰن) نے اس روحانی آسمان کو (جس کے محمد رسول اللہ ﷺ شمس ہیں اور موعود انسانِ کامل یعنی مسیح موعودؑ قمر) بلند کیا ہے۔ اور ایسا کر کے ایک میزان قائم کردی ہے **اَلَّا تَطْغَوْافِى الْمِيْزَان** تا تم اس (دوسری) میزان یعنی قرآن کریم کے بارہ میں افراط وتفریط کی راہ اختیار نہ کرو۔ آیت **اَللّٰهُ الَّذِىْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بَالْحَقِّ وَالْمِيْزَانِ** ۔ الشوریٰ ۴۲:۱۸۰۔ کے مطابق یہ کہنا بھی درست ہے کہ خداتعالیٰ نے ایک تو کتاب اتاری اور اس کے علاوہ ایک میزان اتاری اور خود قرآن کو میزان کہنا بھی درست ہے) **وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْط** اور تمہیں چاہیے کہ (اس شمس وقمر کا وزن پورا پورا قائم کرو۔ یعنی ان میں سے ہرایک کو اس کا صحیح مقام دو۔(جہاں عدل دو میں انصاف کرنے کو کہتے ہیں وہاں **قسط** میں یہ شرط نہیں ہوتی بلکہ اس سے حق والوں میں سے ہر

ایک کو اپنی اپنی جگہ پر اس کا حق پورا پورا ادا کرنا مراد ہوتا ہے)۔ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ اور اس (تیسری) میزان کو جسکی طرف وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا (الانبیاء۲۱:۴۸) میں اشارہ ہے (اور جس نے آخرت میں کام آنا ہے) کم نہ کرو۔

وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۱۱)

اور اس زمین کو اس نے تمام جانداروں کے لئے وضع کیا ہے۔

جب اوپر محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے قائم ہونے والے روحانی نظام کو سماء قرار دیا تو اس کے بعد یہاں قرآن کریم کو جس پر یہ آسمان بلند کیا گیا ہے الارض کے نام سے موسوم فرمایا۔ اور وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ کہہ کر بتایا کہ اس میں ساری نسلِ انسانی بلکہ تمام جانداروں کے لئے فائدہ کا سامان رکھا گیا ہے۔

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ (۱۲) وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ (۱۳)

اس میں پھل بھی ہیں اور شگوفہ دار کھجوریں بھی۔ اور بھوسے والا غلّہ بھی۔ اور پھول بھی۔

جب قرآن کریم کو 'الارض' قرار دیا تو اس کے بعد اس کے کمالات کو زمین سے پیدا ہونے والی اجناس سے تشبیہ دی۔ فرمایا فِيْهَا فَاكِهَةٌ اس میں پھل ہیں یہ نہیں فرمایا کہ کون سے پھل ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کے عمدہ پھل ہیں (عمدہ کا استدلال اس سے ہوتا ہے کہ یہ ذکر مقام مدح پر آیا ہے)۔ یعنی تمام آسمانی صحیفوں کا لب لباب اس میں آگیا ہے۔ (فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ) اور تازگی و فرحت بخش روحانی غذائیں ہر زمانہ و ہر طبیعت کے لئے اس میں موجود ہیں۔ (دیکھیں صفحہ۱۹۹)

وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ کھجور پر خزاں نہیں آتی۔ اس کا پھل عمدہ اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اسکی جڑیں مضبوط اور اس کا قد عرب میں پائے جانیوالے سب درختوں سے اونچا ہوتا ہے۔ اور ذَاتُ الْاَكْمَامِ شگوفہ دار کو کہتے ہیں۔ شگوفے نکلنے پر یہ تو نظر آجاتا ہے کہ اس کھجور سے پھل حاصل ہوگا مگر اسکے حصول میں کچھ مدّت درکار ہوتی ہے۔ اور پھر سارا پھل ایک ہی وقت میں نہیں پکتا۔ بلکہ تدریجاً پکتا ہے۔ پس فِيْهَا فَاكِهَةٌ کے بعد وَّالنَّخْلُ ذَاتُ

اَلۡاَکۡمَامِ کہہ کر بتایا کہ قرآن کریم میں سابقہ کتب سماوی ہی جمع نہیں کی گئیں بلکہ اسمیں انکے علاوہ ایسی اور عمدہ تعلیم بھی ہے جس کا مقابلہ کوئی اور کتاب نہیں کر سکتی۔ اسکی جڑیں مضبوطی سے قائم ہیں اور شاخیں آسمان کو چھوتی ہیں۔ یعنی یہ ایک شجرہ طیبہ ہے جو تمام عالم کی اور تمام زمانوں کی ضروریات کو پورا کرنیوالا ہے۔(اور جس کا ذکر **اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً** الخ ابرہیم۱۴: ۲۵، ۲۶ میں بھی آچکا ہے) نیز یہ کہ اسمیں ایسی پیشگوئیاں بھی مخفی ہیں جن کا ظہور اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اور اسطرح وہ ایمان کی تازگی کا تازہ بتازہ سامان فراہم کرتی رہی گی۔

اَلۡحَبُّ ذُوالۡعَصۡفِ:- **حَبّ** غلّہ کو کہتے ہیں جو انسانوں کی غذا ہے اور بیج کے کام بھی آتا ہے۔ اور **عصف** بھوسہ کو کہتے ہیں جسے جانور کھاتے ہیں۔ اور چونکہ قرآن نے دینی امور کی طرف دھیان نہ دینے والوں کو **اَنۡعَام** (القصص ۲۵: ۴۵) سے تشبیہ دی ہے لہٰذا اس کے بالمقابل انسانوں سے دین کی طرف دھیان دینے والے لوگ مراد ہوں گے۔ پس اس میں بتایا کہ قرآن کریم میں ایسی باتیں بھی ہیں جو اپنے ظاہری معنوں کے اعتبار سے دنیا داروں کے فائدہ کی ہیں۔ لیکن بطن کے اعتبار سے وہ دین سے تعلق رکھنے والوں کے کام کی ہیں۔ اور نیز یہ کہ اس میں بہت سی صداقتیں ایک بیج کے رنگ میں رکھی گئی ہیں۔

وَالرَّیۡحَانُ : **ریحان** خوشبودار نبات یا پھولوں کو کہتے ہیں۔ پس یہ کہہ کر کہ اس روحانی زمین میں **ریحان** بھی ہیں یہ بتایا کہ قرآن کریم میں ظاہری حسن وخوبی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے نیز یہ کہ جہاں اس میں بہت سے حقائق بیان ہوئے ہیں وہاں اس میں ایسی خوبیاں بھی رکھی گئی ہیں کہ روحانی اندھے بھی ان کو محسوس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یورپ تک کے بڑے بڑے عربی دانوں نے قرآن کریم کو عربی کا شاہکار قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ مانا ہے کہ توحید کی تعلیم جیسی قرآن کریم میں ہے اور کسی کتاب میں نہیں۔ پس ان آیات کا بیان مجاز کے رنگ میں قرآن کریم کے کمالات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر وسیع روشنی ڈالنے کے لئے ہے۔ ورنہ اگر صرف یہ بتانا مقصود ہوتا کہ زمین میں تمام جانداروں کے پیٹ بھرنے کا سامان ہے تو بھوسہ کا ذکر آخر میں ہوتا۔ کہ یہ انسانوں کی نہیں جانوروں کی خوراک ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۱۴)

سو بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے۔

یہ آیت اس سورۃ میں ۳۱ بار آئی ہے۔ اس کے تکرار کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ ایک لطیف توجیح ان کے علاوہ ہے جو نیچے لکھی جاتی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ”اَیِّ“ کے معنٰی ”کس کس“ کے نہیں بلکہ ”کس“ کے ہیں۔ اور ”اٰلَآءِ“ کا لفظ جمع ہے۔ جو کم از کم تین نعمتوں کو چاہتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مقصود یہ بتانا ہے کہ ان تین نعمتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نعمت نہیں جسے تم جھٹلا سکو یعنی جس کے متعلق تم کہہ سکو کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں اوپر کی آیات میں تین عظیم نعمتوں یعنی نمبر ۱ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نمبر ۲ مہدی موعود علیہ السلام کا اور نمبر ۳ قرآن کریم کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس ان کی اہمیت کو مدِّ نظر رکھ کر ان ہی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بار بار یہ آیت لائی گئی ہے جس کا ایک ثبوت یہی بات ہے کہ جب تک ان تینوں نعمتوں کا ذکر نہیں ہوگیا اور ان کی ضرورت اور اہمیّت ایک حد تک واضح نہیں کر دی گئی اس وقت تک یہ آیت نہیں لائی گئی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اوپر کی آیات میں ان تین نعمتوں کا ذکر ہے تو نہ صرف یہ کہ آیت **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** کا تکرار قابل اعتراض نہیں رہتا بلکہ یہ نہایت ہی برمحل اور پر حکمت ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سورۃ کو اس بیان سے شروع کیا گیا ہے کہ خدا رحمٰن ہے۔ اس لئے اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے اور آئندہ بھی وہ ایک انسانِ کامل یعنی ایک نبی پیدا کرے گا۔ اور اسے قرآن کی تفسیر سکھائے گا (آیت ۲ تا ۴) پھر یہ فرما کر کہ شمس اور قمر حسابوں سے چلتے ہیں۔ اور درخت اور بوٹیاں خدا کے اس قانون کی فرمانبرداری کرتے ہیں یہ سمجھایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود کی نسبت شمس و قمر کی ہوگی۔ اور بڑے لوگ بھی اور چھوٹے لوگ بھی اپنے رب کی فرمانبرداری میں ان دونوں سے فائدہ اٹھائیں گے (آیت ۷۔۸)۔ پھر یہ بتایا ہے کہ وہ آسمان (جس کے محمد رسول اللہ ﷺ شمس اور نبی موعود قمر ہوگا) بلند کر کے خداتعالیٰ نے ایک میزان رکھ دی ہے۔ تا کہ تم دوسری میزان یعنی قرآن میں افراط و تفریط سے کام نہ لو۔ لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم ان دونوں کو ان کا صحیح مقام دو۔ اور تیسری میزان یعنی میزان عمل کو کم نہ کرو۔ آیات (۸تا۱۱)۔ پھر قرآن کو جس پر یہ روحانی آسمان اٹھایا گیا الارض قرار دیتے ہوئے اس کے کمالات کو زمین کی اجناس کے پیرایہ میں بیان کیا ہے (آیات ۱۱تا۱۳)۔ چونکہ اس

بیان سے ظاہر تھا کہ قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود میں سے ہر ایک خداتعالیٰ کی مجسّم نعمت ہے اس لئے اس کے بعد یہ فرمایا کہ اب بتاؤ تم اپنے رب کی ان (تین) نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (آیت ۱۶) پھر بنی آدم کی دو بڑی اقسام الانس اور الجن کی فطرت کا ذکر کر کے آسمانی ہدایت کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا۔ اور اس کے بعد یہی سوال دہرایا ہے کہ تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے (جن میں سے ہر ایک مجسم ہدایت ہے) کس کو جھٹلاؤ گے (آیات ۱۵ تا ۱۷)۔ پھر یہ بتا کر کہ خداتعالیٰ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے یہی سوال دہرایا ہے۔ تااشارہ ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پہلے بعث کے زمانہ میں بھی اور دوسرے بعث کے زمانہ میں بھی جو نبی موعود کا زمانہ ہے لوگوں کو مادی کے ساتھ روحانی ترقیات بھی ملنے والی ہیں۔ اور یہ ترقیاّت قرآن کریم کی تعلیم ہی کی وجہ سے ہونگی۔ پھر تم ان تینوں میں سے کس نعمت (کی ضرورت) کا انکار کروگے (آیت ۱۸ تا ۱۹)۔ پھر یہ بتا کر کہ خداتعالیٰ نے انسانوں کی ربوبیت کے لئے بنیادی طور پر دو سامان مہیّا کیے ہیں (ایک بحر عقل اور دوسرا بحر وحی) ان تینوں نعمتوں کی قدر کرنیکی طرف متوجہ کیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تو خود بحر وحی ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود عقل اور نورِ وحی سے کامل حصّہ پا کر اس سے بدرجہ اتم فیض پانے کی راہیں بتانے والے ہیں (آیات ۲۰ تا ۲۲) پھر ان دونوں سمندروں کے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر کر کے ان تینوں نعمتوں کی قدر کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے (آیات ۲۳ ۔۲۴) پھر یہ بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود کے درمیانی عرصہ میں اور نبی موعود کے بعد کے عرصہ میں بھی خداتعالیٰ ایسے عظیم وجود پیدا کرتا رہیگا جو لوگوں کو قرآنی بحر وحی کی سیر کرواسکیں گے۔ اور وہ وجود اِسی کی برکت سے بلند مقام حاصل کرینگے۔ اور اسی میں رہیں گے۔ یعنی کبھی بھی اس کی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں نکلیں گے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعودؑ کے تابع اور ان کے خدمت گزار ہوں گے۔ اور اس کے بعد پھر پوچھا ہے کہ اب بتاؤ تم اپنے رب کی ان نعمتوں قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (آیت ۲۵۔۲۶) پھر یہ بتایا ہے کہ ایک دن تمام معبودانِ باطلہ مٹ جائیں گے۔ اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا ربّ باقی رہ جائے گا۔ اور جیسا کہ دوسرے مقامات پر وضاحت ہے یہ کام آنحضرؐت کی دو بعثتوں میں مکمل ہونے والا تھا اور قرآنی تعلیم کے نتیجہ میں مکمل ہونیوالا تھا اس لئے اس ذکر کے بعد قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ

اور نبی موعودؑ کی قدر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پھر یہ فرمایا ہے کہ سو اب بتاؤ تم اپنے رب کی (ان نعمتوں) میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (آیات ۲۷ تا ۲۹) پھر یہ فرمایا کہ ہر کوئی جو زمین میں بستا ہے خداتعالیٰ کا محتاج اور بالطبع اس کا طالب ہے یہاں تک کہ مقرّبین بھی زیادہ قرب کے طالب ہیں تو چونکہ یہ جان لینے کے بعد کوئی شخص کسی زمانہ میں بھی اس کی طرف سے آنیوالی ہدایت کے سامانوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اس لئے اس کے بعد پھر فرمایا کہ اب تم اپنے رب کی (ان) نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے۔ (قرآن کو یا محمد رسولؐ اللہ کو یا نبی موعودؑ کو۔ آیات ۳۰-۳۱) چونکہ بنی آدم کے دونوں گروہ (جن و انس) تمام دوسری مخلوقات پر بھاری ہیں اور نیکی اور بدی کا اختیار رکھنے کی وجہ سے بھاری ہیں اور خداتعالیٰ نے جہاں انہیں یہ اختیار دیا ہے وہاں نیکی و بدی (یعنی اپنے تک پہنچنے والی اور اپنے سے دور لے جانے والی) راہیں بھی دکھائی ہیں۔ اور اس وقت قرآن کریم کی صورت میں ایک مکمل ہدایت نامہ نازل ہو رہا تھا اس کے بعد انہیں **اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ** یعنی اے دو بھاری وجودو کہہ کر مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے۔ یعنی تکمیل ہدایت کر کے پوری توجہ یہ دیکھنے پر دیں گے کہ تم اس کے بارہ میں کیا روّیہ اختیار کرتے ہو۔ اور چونکہ اس کے بعد کوئی عقلمند اس ہدایت نامہ یا اس کے لانے والے رسول یا اس کی تعلیمات کی اشاعت و وضاحت کے لئے آنے والے نبی سے استغناء ظاہر نہیں کر سکتا تھا اس لئے پھر یہ پوچھا ہے کہ اب بتاؤ تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے۔ (قرآن کو یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا نبی موعود کو۔ آیات ۳۲ ۔ ۳۳) پھر یہ بتا کر کہ مادی ترقیات جتنی چاہو کرو لیکن اگر تم نے دینی ترقیات کی طرف دھیان نہ دیا تو تم اپنے خلاف ایک حُجّت قائم کروا لوگے ان نعمتوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ (آیات ۳۵ ۔ ۳۶) اس کے بعد پہلے ان نعمتوں کی قدر نہ کرنیوالوں کو جن جن عذابوں کا سامنا ہوسکتا تھا ان کا ذکر کر کر کے اور پھر ان کی قدر کرنے والوں کو ملنے والی جنّتوں کا حال بتا بتا کر ان نعمتوں کو جھٹلانے سے پرہیز کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ (آیات ۳۶ تا ۷۸) اور آخر میں یہ کہہ کر اس سورۃ کو ختم کیا ہے کہ اے رسول تیرے جلال و اکرام والے رب کا نام بہت برکتوں والا ہے (آیت ۷۹)۔

==============

سورۃ الصّف میں مہدیؑ کا ذکر

مسیح موعودؑ کا نام احمد ہوگا اور وہی مہدیؑ موعود ہوگا

جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں وضاحت آچکی ہے قرآن کریم کے بالکل ابتداء میں یعنی سورۃ الفاتحہ ہی میں یہ بتایا گیا تھا کہ آئندہ بھی ایک احمد رسول آئے گا جو مسیح بھی ہوگا اور مہدی بھی اور مثیلِ محمد رسول اللہ ﷺ بھی۔ مگر قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ وہ تصریفِ آیات سے کام لیتا ہے اور اہم امور کو مختلف پیرایوں میں بار بار بیان فرماتا ہے تا کہ اگر کوئی شخص ایک طریق سے نہیں سمجھ سکا تو دوسرے طریق سے سمجھ جائے۔ چنانچہ اس نے یہ مذکورہ باتیں زیادہ کھول کر سورۃ الصّف میں بیان فرمائی ہیں۔ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۷)

اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول (ہوکر آیا) ہوں۔ اس (کتاب) کی جو مجھ سے پہلے (آچکی) ہے (یعنی تورات کی۔ اپنے وجود سے) تصدیق کرنے والا اور ایک نبی کی بشارت دینے والا جو میرے بعد آئیگا اس کا نام احمد ہوگا۔ سو جب وہ ان کے پاس بیّنات لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو (کھلا) کھلا جادو ہے۔

اس آیت میں عیسیٰؑ ابن مریم کی زبانی ان کے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دی گئی ہے اور اس کا نام احمد بتایا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد بلا فصل آنے والے رسول حضرت نبی کریم ﷺ تھے۔ آپ محمدؐ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ خود بھی معاہدات وغیرہ میں آپؐ نے اپنا یہی نام استعمال فرمایا اسی نام سے آپؐ نے اپنی مہر بنوائی۔ قرآن میں اور چار جگہ آپؐ کا

ذکر نام لے کر کیا گیا ہے اور چاروں جگہ یہی نام آیا ہے۔ اس لئے دیکھنا ہوگا کہ اس آیت میں آپؐ کے معروف نام کی بجائے ''احمد'' نام کیوں آیا۔ سو جاننا چاہیے کہ قرآنی آیات کی ترتیب ان کے مطالب واضح کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہمیں اس آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ سورۃ الصّف کی اس آیت سے پہلے یہ آیات ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۳) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۴) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۵) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (٦)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ امر تو اور بھی موجب ناراضگی ہے کہ (کسی بات کے متعلق) جو تم کرتے (بھی) نہیں کہو (کہ تم وہ کرتے ہو یاد رکھو) اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم مجھے کیوں دکھ دیتے ہو حالانکہ تم جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ سو جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے انکے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ان میں سے پہلی آیت میں مومنوں کو خدمتِ دین کے خالی خولی دعوے کرنے سے جب کہ ان کے ساتھ عمل نہ ہو روکا ہے۔ دوسری آیت میں بتایا ہے کہ بغیر کوئی خدمت بجالائے یہ ظاہر کرنا کہ کوئی خدمت کی ہے۔ اور بھی زیادہ خداتعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنتا ہے (کہ بمطابق آیت **الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ** یہ منافقوں کا طریق ہے) اور تیسری آیت میں حضرت موسٰیؑ کا اپنی قوم کو یہ کہنا یاد دلا کر کہ اے میری قوم تم کیوں مجھے ایذا دیتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ...... یہ

بتایا ہے کہ یہ تو قومِ موسٰی کا طریق ہے اور رسولؐ کو (جو عمل چاہتا ہے) دکھ دینے والا طریق ہے۔ اگر تم نے بھی قومِ موسٰی کی طرح یہ ٹیڑھی روش اختیار کی (اور اسے اپنی عادت بنا لیا) تو ان کی طرح تم بھی ٹیڑھے ہو جاؤ گے (اور جب تمہاری یہ حالت ہوگئی) تو اللہ تمہارے دلوں کو ٹیڑھا کردے گا (یعنی تم پکے فاسق بن جاؤ گے) اور (سنّت) اللہ (یہ ہے کہ وہ) فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یعنی اس صورت میں تم ہدایت سے محروم ہوجاؤ گے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ہدایت سے محروم ہونا دوطرح پر ہوُا کرتا ہے ایک اس طرح کہ انسان ہدایت کو قبول تو کرلے مگر اس کی غایت کو نہ پاسکے اور دوسرے اس طرح کہ وہ ہدایت کو قبول ہی نہ کرسکے۔ اسلئے ارشاداتِ مذکورہ کے معاًبعد جو اللہ تعالیٰ نے آیت **وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ** رکھی اور اس میں ان لوگوں کو جو آنحضرتﷺ کو پہلے ہی ماننے والے تھے یہ یاد دلایا کہ کس طرح بنی اسرائیل حضرت موسٰیؑ کے بعد آنیوالا عیسٰیؑ کو باوجود اس کے کہ اس نے انکی طرف اللہ کا فرستادہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا (جو ایسا دعویٰ نہیں تھا کہ اسے سنجیدگی سے نہ لیا جاتا) اور یہ کہا تھا کہ میں تورات کا جو مجھ سے پہلے آچکی ہے مصدق ہوں مجھے نہ مانو تو وہ بھی جھوٹی ٹھہریگی) اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیگا جس کا نام احمد ہوگا۔ سو جب وہ بینات کیساتھ آیا (جس میں اس کے حق میں تورات کی پیشگوئیاں اور دیگر نشانات جو اٰل عمران۳:۵۰ میں مذکور ہیں شامل تھے۔) تو انہوں نے کہہ دیا **ھٰذا سِحْرٌ مُبِیْن** یعنی بجائے ایمان لانے کے ان نشانات کو سحر اور انکے لانے والے کو ساحر قرار دیا۔'' تو ظاہر ہے کہ اس سارے بیان سے غرض انکو یہ سمجھانا تھی کہ حضرت محمد رسول اللہﷺ مثیل موسٰیؑ ہیں جس طرح موسٰیؑ کے بعد بنی اسرائیل کی طرف ایک (خاص) رسول آیا جو تورات کا جو اس سے پہلے (موسٰیؑ پر) اتر چکی تھی مصدق تھا (خود حامل کتاب شریعت نہیں تھا☆) اور اس کی بعثت کے دو ہی بڑے مقاصد تھے ایک تورات کی تصدیق کرنا اور دوسرا احمد رسول کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا۔ اسی طرح آنحضورؐ کے بعد ایک رسول آئیگا جو صاحب کتاب (شریعت) نہیں ہوگا بلکہ اس کتاب کا جو اس سے پہلے محمد رسول اللہﷺ پر اتر چکی ہو گی یعنی قرآن کا مصدق ہو گا اور اس کی بعثت کے دو ہی بڑے مقاصد ہوں گے ایک قرآن کی تصدیق کرنا دوسرے محمد رسول اللہﷺ کی طرف لوگوں کو

☆ یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے توراۃ کا مصدق ہونے کا ذکر بھی کئی جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں سے ہر مقام پر آپؐ کو کتاب دیئے جانے کا ذکر بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔

متوجہ کرنا اور یہ بتانا کہ آپ احمد یعنی خدا کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے اور اسکی سب سے زیادہ حمد کے مورد یا بالفاظ دیگر افضل الرسل ہیں۔ اگر تم نے قوم موسیٰ والی روش اختیار کی تو خدا تعالیٰ تمہیں ہدایت نہیں دیگا یعنی اس رسول کو ماننے کی توفیق تم اس سے نہیں پاؤ گے۔

===============

مسیح موعودؑ نبی ہوگا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اور اسکے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اگر آیت نمبر۶ میں صرف یہ بتانا مقصود ہوتا کہ صورتِ مذکورہ میں تم آئندہ آنے والے رسول کو ماننے سے محروم رہ جاؤ گے اور اس کے ساتھ یہ خبر دینا مقصود نہ ہوتا کہ وہ رسول کون ہوگا اور کب آئے گا تو اگلی آیت میں حضرت موسٰیؑ کے بعد آنیوالے رسولوں کا عمومی رنگ میں ذکر کیا جاتا کیونکہ بنی اسرائیل نے ان سب کو جھٹلایا تھا بلکہ ان کے قتل کے بھی درپے رہے تھے اور ایک کی نسبت بہت سوں کو جھٹلانے کا ذکر اس مطلب کے لئے زیادہ مفید تھا لیکن اس آیت میں ان سب کا ذکر چھوڑ کر صرف عیسٰی ابن مریم کا جو سلسلہ موسویہ کے آخری رسول تھے ذکر کیا گیا لہٰذا اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس سے یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ گو (بمطابق البقرہ۲: ۸۸) حضرت موسٰیؑ کے بعد تو پے درپے رسول آئے اور آخر میں عیسٰی ابن مریمؑ آیا لیکن مثیلِ موسٰیؑ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد (ویسی ہی مدّت گزرنے پر جیسی مدّت گزرنے پر سلسلہ موسویہ میں عیسٰی ابن مریم آیا تھا) ایک مثیلِ عیسٰی ابن مریم تو آئیگا اور اسی طرح سلسلہ محمدیہؐ کے آخرین میں آئیگا جس طرح عیسٰی ابن مریم سلسلہ موسویہ کے آخرین میں آیا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اور مسیح موعود کے درمیان کوئی اور رسول نہیں ہوگا۔چنانچہ آنحضرتؐ نے یہی فرمایا تھا کہ **لَیْسَ بَیْنِی وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ** (**طبرانی الاوسط والصغیر**) میرے اور موعود عیسٰی کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اُمّت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جس کے شروع میں مَیں ہوں اور آخر میں عیسٰی ابن مریم (یعنی مسیح موعودؑ) ہے۔ (**عن ابن عباس مرفوعًا قال کَیْفَ تَھْلِکُ اُمَّۃٌ اَنا فِیْ اَوَّلِھَا وَ عِیْسٰی ابنُ مَرْیَمَ فِیْ اٰخِرِھَا۔** کنزل العمال

۱۸۷:۷ الجامعۃ الصغیر ۱۰۶:۳)

===============

اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کی پیشگوئی دراصل دو رسولوں کی پیشگوئی تھی ایک اصل کی اور ایک اس کے بروز کی

اب دیکھئے ایک طرف تو خداتعالیٰ نے سورۃ الصّف کی اس آیت **وَاِذۡقَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ** کو ایسے موقع پر رکھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس سے غرض مسلمانوں کو یہ سمجھانا تھی کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد عیسیٰ ابن مریم آیا تھا اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک عیسیٰ آئیگا اور دوسری طرف اس آیت میں آئندہ آنیوالے رسول کا نام احمد بتایا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد آنیوالے جس رسول کی طرف متوجہ کرنے کیلئے یہ آیت لائی گئی اسکا نام احمد بھی ہوگا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے الفاظ **یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی خود آنحضرتؐ کے بارہ میں تھی کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد بلافصل آنے والے رسول آپؐ ہی تھے۔ اور اس میں بظاہر کھلا کھلا تضاد ہے لیکن کلام اللہ میں تضاد ممکن نہیں۔ اسلئے ماننا پڑیگا کہ یہ پیشگوئی دراصل ایک رسول(یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کی پیشگوئی تھی یا دو ایسے رسولوں کی پیشگوئی تھی جن میں سے بعد والے (یعنی مسیح موعودؑ) کا آنا پہلے آنیوالے (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا دوبارہ آنا ہونا تھا۔ یعنی یہ پیشگوئی ایک اعتبار سے ایک اور ایک اعتبار سے دو رسولوں کی پیشگوئی تھی ایک اصل کی اور دوسرے اسکے بروز کی (کیونکہ حضرت مسیحؑ کا قول **یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی** اسی صورت میں درست ہوسکتا تھا جو اس پیشگوئی کے مصداق دونوں رسول ایک کے حکم میں ہوں)۔ احمدِ اوّل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد ثانی حضرت مہدی موعودؑ کے ایک ہی وجود کے حکم میں ہونے کے بارہ میں اور اشارات بھی قرآن کریم اور آثار میں ملتے ہیں مثلاً سورۃ الفجر کی آیت **وَالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ** میں انکو الگ الگ ہونے کے باوجود ایک ہی قرار دیا گیا۔ گویا ایک جان دو قالب کہا گیا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ مہدی کے وقت میں حقیقتِ محمدیہ حقیقت احمدیہ کے پیرایہ میں ظہور پذیر ہوگی۔

===============

مسیح موعودؑ کو کافر قرار دے کر اسلام کی طرف بلایا جائیگا اور سچے مسیح کی پہچان کا ذکر

جب سورۃ الصّف کی ان آیات میں خداتعالیٰ نے یہ فرما کر کہ عیسیٰ ابن مریم نے اپنے بعد ایک احمد نامی رسول کے آنے کی پیشگوئی کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسیٰ کا مبشر قرار دیا اور اس کے ساتھ یہ اشارہ بھی کیا کہ آئندہ بھی ایک احمد رسول کا ظہور ہونیوالا ہے تو اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص جھوٹے طور پر دعوٰی رسالت کردے اور اس پیشگوئی کا مصداق بن بیٹھے تو اس کا یا اگر کوئی شخص سچے مدعی رسالت کو جھٹلائے تو اس کا کیا انجام ہوگا۔ چونکہ یہ دونوں صورتیں **اِفْتَرَاء عَلَی اللّٰهِ** کی ہیں اور خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ **اِفْتَرَاء عَلَی اللّٰهِ** کرنیوالا کامیاب نہیں ہوتا جیسا کہ آیت **فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ** اس پر دال ہے۔ اسلئے اسکے بعد فرمایا **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ** اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر **افترٰی** باندھا درآنحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔ یعنی یہ بتایا کہ ایسا شخص اپنے زمانہ کا سب سے بڑا ظالم ہوگا اور اس سے ظالموں والا معاملہ ہوگا یعنی وہ اپنی مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا گویا جھوٹے کے جھوٹ کی پہچان اس کی ناکامی ونامرادی کو اور سچے کے سچ کی **پہچان** اسے ملنے والی کامیابی وکامرانی کو قرار دیا مگر ایسی کامیابی کو جو ظاہری حالات کے بالکل مخالف ہونے کے باوجود حاصل ہو اور جس میں خداتعالیٰ کا ہاتھ نمایاں طور پر نظر آئے لیکن یہاں صرف **اِفترٰی علَی اللّٰه** کرنے والے کا ذکر نہیں ہے بلکہ **وَهُوَ يُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ** کی قید بھی لگائی گئی ہے۔ اس لئے منکرین وحی ورسالت پر چسپاں ہوپھر بھی اور مدعیان وحی رسالت پر چسپاں ہو پھر بھی اس آیت کا تعلق زمانہ اسلام سے ہوگا پس **اِسْمُهٗ اَحْمَدُ** والی پیشگوئی کے معاً بعد یہ آیت (**وَمَنْ اَظْلَمُ** الخ) لاکر بھی یہ بتایا گیا کہ **اِسْمُهٗ اَحْمَدُ** کی پیشگوئی کا تعلق اسلام کے دو زمانوں سے ہے۔ ایک زمانہ نزول قرآن سے کہ جس میں ایک احمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہے اور منکرین وحی ورسالت کو اسلام کی طرف بلایا جاتاہے اور دوسرا تعلق اس

آئندہ زمانہ سے ہے جس میں ایک احمد رسول مدعی وحی ورسالت ہوکر آئے گا اور اس کو اسلام کی طرف بلایا جائے گا یعنی کافر قرار دیکر یہ کہا جائے گا کہ اپنے کفر سے باز آجاؤ اور مسلمان ہوجاؤ۔

وَمَنْ اَظْلَمُ الخ کے بعد ہے:-

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۹)

وہ چاہتے ہیں (یا چاہیں گے) کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں لیکن اللہ اسے پورا کرے گا خواہ کافر اس سے کراہت ہی کریں۔

يُرِيْدُوْنَ مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دوزمانوں کے لئے آتا ہے اس لئے مطلب یہ ہؤا کہ **اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ** کرنے والے اس زمانہ یعنی زمانۂ نزولِ قرآن میں بھی اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی آئندہ زمانہ میں بھی کریں گے۔ مگر اللہ ان دونوں زمانوں میں اپنے نور کو پورا کرے گا۔

==============

تکمیل دین اور تکمیل اشاعت دین کیلئے دو الگ الگ زمانے مقرر تھے

اوپر نقل کی جانے والی آیت **يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ** میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اپنے نور کو بجھنے نہیں دے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسکو پورا کریگا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں نوراللہ سے اللہ کا دین اسلام یا قرآن مراد ہے کیونکہ ذکر رسولوں اور ان کو دکھ دینے والوں کا ہورہا ہے اور رسولوں کے مخالف دراصل ان کی لائی ہوئی تعلیم ہی کے مخالف ہؤا کرتے ہیں اور اسی کو مٹانا چاہتے ہیں اور یہی وہ نور تھا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لیکر آئے تھے اور ان آیات کے نزول کے وقت ابھی مکمل نہیں ہؤا تھا۔ مگر ایک چیز کی تکمیل تو ایک دفعہ ہؤا کرتی ہے اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دوبار تکمیل پذیر ہونے کا جو اشارہ (پہلی آیت کے ساتھ اس آیت کو ملا کر)

کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔

سو جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا خداتعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ) اس لئے دوبارہ تکمیل کے یہ معنے تو ہو نہیں سکتے تھے کہ ایک بار مکمل ہونے کے بعد اسمیں کوئی کمی آجائیگی اور اس کمی کو MAKE UP یعنی پورا کیا جائے گا۔ اس لئے کچھ اور ہی مراد ہوسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ آخری اور عالمگیر دین کے لئے دو باتوں کی ضرورت تھی ایک اس کی کہ وہ خود ہر پہلو سے مکمل ہو اوردوسرے اس کی کہ اس کی اشاعت پورے طور پر ہوجائے۔ پس اس کے دو زمانوں میں اتمام سے دو پہلوؤں سے اتمام ہی مراد ہوسکتا تھا اورمطلب یہ تھا کہ پہلے زمانہ میں تکمیل دین ہوگی مگر تکمیل اشاعتِ دین آئندہ زمانہ میں ہوگی اور آخرمیں وَلَوْكَرِهَ الْكَافِرُوْنَ کے الفاظ بڑھا کر بتایا کہ ان دونوں زمانوں کا تعلق ایسے وجودوں سے ہوگا جن کے جھٹلانے والے کافر ہوتے ہیں یعنی خدا کے رسولوں سے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ جس طرح ایک رسول اس تکمیلِ دین کے زمانہ میں موجود ہے اور اس کے کافر نہیں چاہتے کہ اس کے ہاتھ پر دین مکمل ہو اسی طرح ایک رسول اس تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں بھی موجود ہوگا اور اس کے منکر بھی نہیں چاہیں گے کہ اس کے ہاتھ سے وہ کام ہو۔

اس بات کا ثبوت کہ اتمامِ نور سے دو چیزیں مراد ہیں ایک تکمیل دین اور دوسرے تکمیل اشاعت دین قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے بھی ملتاہے مثلاً خفیف سی تبدیلیٔ الفاظ کے ساتھ یہ آیت دوجگہ آئی ہے ایک اس سورۃ میں دوسرے سورۃ توبہ میں۔ وہاں پر آنیوالے الفاظ یہ ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (التوبہ ۹:۳۲)۔ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ کے الفاظ سے (جن کے معنے یہ ہیں کہ اللہ ہر بات سے انکار کرتاہے سوائے اس کے کہ اپنے نور کو پورا کرے) ظاہر ہوتا ہے کہ مخالفین اس نور کی بجائے اس کا کوئی متبادل تجویز کرتے یا کرسکتے تھے لیکن خدا کا فیصلہ یہ تھا کہ وہی نور جو وہ اتار رہا ہے تکمیل کو پہنچے اور چونکہ متبادل وہ قرآن کریم یا اسلام ہی کا تجویز کرسکتے تھے بلکہ کرتے تھے جیسا کہ آیت قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْبَدِّلْهُ (یونس۱۰:۱۶) سے ظاہر ہے اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سورۃ توبہ کی آیت میں اتمام نور سے مراد تکمیل دین یا تکمیل ہدایت ہے لیکن اس سورۃ میں وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ

نُوْرَہٗ کے الفاظ نہیں ہیں صرف واللّٰہُ یُتِمُّ نُوْرِہٖ کے الفاظ ہیں یعنی متبادل تجویز کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ اس لئے یہاں اس سے تکمیل اشاعت دین یا تکمیل ہدایت مراد ہے۔

مذکورہ بالا فرق کے علاوہ ایک فرق ان آیتوں میں یہ بھی ہے کہ سورۃ توبہ کی آیت میں یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا کے الفاظ ہیں اور اس آیت میں یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا کے الفاظ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اس سے پہلے واضح طور پر یہ ذکر تھا کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں مگر ذَالِکَ قَوْلُھُمْ بِاَ فْوَاھِھِمْ یہ صرف ان کے منہ کی باتیں ہیں پس وہاں جو یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ کے الفاظ لائے گئے تو (چونکہ قرآن نے بِاَفْوَاھِھِمْ کے الفاظ بِاَلْسِنَتِھِمْ کے مترادف معنٰی میں استعمال کئے ہیں یعنی ایک جگہ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِھِمْ مَالَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ اور دوسری جگہ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِھِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ فرمایا ہے (آلِ عمران ۳:۱۶۸،...الفتح ۴۸،۱۲) اور جیسا کہ ابن فارس نے لکھا ہے مادہ ل س ن سے مراد کسی چیز کی ایسی لمبائی ہوتی ہے جو نہایت لطیف ہو اور منقطع نہ ہو) اسلئے اُس سے مراد یہ تھی کہ وہ عیسیٰ ابن مریم کو ابن اللہ قرار دے کر اپنے منہ کی باتوں سے یعنی علمی دلیل کا رنگ دے کر اللہ کے نور کو بجھانے کی ایک باریک در باریک تدبیر کر رہے ہیں۔ اور یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آئندہ کوئی تدبیر اس مقصد کے حصول کے لئے کریں گے۔ اور اگرچہ وہ تدبیر مذکور نہیں لیکن اس موقعہ پر اس آیت کا لایا جانا یہ ضرور بتاتا ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے بیان ہوُا وہ اس میں سے کسی بات کو اس مقصد کے لیے استعمال کرینگے۔ اور اس سے پہلے ایک ہی بات ایسی بیان ہوئی ہے جسے غلط رنگ دے کر وہ علمی رنگ میں فائدہ اُٹھا سکتے تھے اور وہ بات آئندہ ایک رسول کے (جسے عیسیٰ بن مریم قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ اس نام احمد ہوگا) آنے کی پیشگوئی تھی۔ پس جو چال وہ اُسوقت عملاً چل رہے تھے مگر یہ ظاہر نہیں کر رہے تھے کہ کیوں چل رہے ہیں اسکا تو واضح الفاظ میں ذکر کر کے اسکی غرض بیان کردی اور جو چال وہ ابھی چل نہیں رہے تھے مگر آئندہ چلنے والے تھے اسکی طرف ایک ایسا اشارہ کر دیا جسے عوام تو نہیں مگر خواص سمجھ سکیں تا کہ نہ تو یہ ہو کہ جس چال کی طرف ان مخالفین کا ذہن ابھی نہیں گیا تھا اس چال کی طرف خواہ نخواہ ان کا ذہن چلاجائے اور نہ یہ ہو کہ جب ان کی طرف سے وہ چال عملاً چلی جائے۔ اس وقت مومنوں میں سے کسی کو علم ہی نہ ہو کہ یہ ان کی طرف سے ایک سازش ہورہی ہے بلکہ ان کے خواص اس

کو سمجھ جائیں اور یہ جان کر کہ خداتعالیٰ نے اس کی طرف پہلے ہی سے اشارہ فرمادیا ہوُا ہے ان کے ایمان بڑھیں اور وہ ایک تازہ جذبہ کے ساتھ اس کا توڑ کرنے کی سعی کرسکیں گے۔

فسبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح نصاریٰ کا عیسٰی ابن مریم کے مقام میں غلو سے کام لیتے ہوئے اسے ابن اللہ قرار دینا اس لئے تھا کہ اس کے بالمقابل محمدرسول اللہ ﷺ کا مقام حقیر نظر آئے اور وہ لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال کر کہ ''ابن اللہ'' (یعنی عیسٰی) کی بتائی ہوئی راہ ''عبداللہ'' (یعنی محمدرسول اللہ ﷺ) کی بتائی ہوئی راہ سے بہرحال بہتر ہے انہیں اسلام سے برگشتہ کریں اور اس طرح اس نور کو تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھا دیں اسی طرح اس آیت میں مذکور اشارہ کے مطابق انہوں نے اس سے پہلے بیان ہونیوالی مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی اور اِسے بنیاد بناکر وہ ایک عرصہ تک سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیتے رہے کہ عیسٰی ابن مریم جو ۱۹۰۰ سال سے آسمانوں میں زندہ بیٹھا ہے محمد (رسول اللہ ﷺ) سے جو فوت ہوکر زیرِزمین دفن ہیں بہتر ہے اور اسی کے دین کی اتباع کی جانی چاہیئے۔ اور پھر جب اپنے ایک بروز کی صورت میں عیسٰی کی آمد ثانی ہوئی تو انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ عیسٰی نے تو آسمان پر سے آنا تھا یہ زمین سے کھڑا ہونے والا عیسٰی کیسے ہوسکتا ہے۔ بلکہ عیسائی تو عیسائی مسلمانوں نے بھی باوجود اس کے کہ ان کو یہود ونصاری کا رنگ اختیار کرنے سے روکا گیا تھا۔ آیت **وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ** میں (جو شروع میں لکھی گئی) مذکور پیشگوئی کے مطابق آنے والے موعود عیسٰی اور موعود احمدؑ کو جو ایک ہی وجود میں اکٹھے ہوگئے تھے جھٹلایا اور اس کے لئے اسی پیشگوئی کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہا کہ جو پیشگوئی احمد رسول کے متعلق تھی وہ آنحضرت ﷺ کے آنے سے پوری ہوچکی۔ (اور جب یہ بتایا گیا کہ وہ پیشگوئی تو دو رسولوں کی پیشگوئی تھی ایک اصل کی اور ایک اسکے بروز کی تو انہوں نے کہہ دیا کہ محمدرسول اللہ ﷺ کا مثیل کوئی کیسے ہوسکتا ہے) اور جو پیشگوئی عیسٰی ابن مریم کے آنے کے متعلق تھی اسکے بارہ میں انہوں نے کہہ دیا کہ اسکے مطابق تو خود عیسٰی ابن مریم کا آسمان پر سے آنا مقدّر کیا گیا ہے۔ زمین سے کھڑا ہونے والا کوئی شخص اس پیشگوئی کا مصداق کیسے ہوسکتا ہے۔ مزید دیکھیں صفحہ ٦١٥ نوٹ: زیر آیت **وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا**

قَوۡمُکَ مِنۡهُ یَصِدُّوۡنَ (الزخرف ۵۸:۴۳)

آیت یُرِیدُونَ لِیُطۡفِئُوۡا نُوۡرَاللّٰهِ کے بعد ہے:-

هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡکَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ (۱۰)

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک (اس سے) کراہت ہی کریں (وہ یہ کام کر کے رہے گا)

آخری جملہ محذوف جواب 'لَو' ہے۔

اسلام کے دوسرے ادیان پر غالب کئے جانے کا واضح ذکر قریباً ایک جیسے الفاظ میں قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ سورۃ توبہ، سورۃ الفتح، اور اس سورۃ میں اور تینوں جگہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ''الھُدٰی'' اور دین حق کے ساتھ بھیجے جانے کا ذکر ہے کسی ایک جگہ بھی ان میں سے صرف ایک چیز کا ذکر نہیں ۔ اس لئے ان آیات میں ھُدٰی سے دینِ حق بہرحال مراد نہیں بلکہ وہ چیز مراد ہے جو رسول کو دین حق سے بھی پہلے دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ چیز خود ہدایت یافتہ ہونا اور دوسروں کو ہدایت یافتہ بنانے کی قوّتِ قدسیہ کا حامل ہونا ہوتی ہے۔ لہٰذا ان آیات کا مطلب یہ ہؤا کہ اس نے اپنے رسولؐ کو مہدی اور مہدی تراش بنا کر بھیجا ہے۔ مگر ایک حد تک تو ہر رسول کو ہی یہ دونوں چیزیں دی جاتی ہیں۔ یہاں چونکہ یہ بات تمام ادیان پر غلبہ کے ضمن میں کہی گئی ہے اس لئے مراد یہ ہے کہ اس نے آپؐ کو کامل مہدی اور کامل مہدی تراش بنا کر بھیجا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ صرف یہ نہیں کہ آپؐ خود مہدی کامل ہیں بلکہ آپؐ کی پیروی سے بھی کم ازکم ایک ایسا مہدی ضرور پیدا ہونے والا ہے جیسا اس سے پہلے کسی نبی کی اتباع سے پیدا نہیں ہؤا۔ یعنی وہ نبی ہوگا کیونکہ (آیات سورۃ الحدید ۵۷:۳ کے مطابق) صدّیق اور شہید تو پہلے نبیوں کے متبعین میں بھی ہوجاتے رہے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ توبہ میں بھی لائی گئی ہے اور اس سورۃ میں بھی۔ وہاں اس سے پہلے خاص زور تکمیلِ دین پر تھا اور یہاں اس سے پہلے خاص زور تکمیل اشاعتِ دین پر ہے پس اس آیت کا پہلی بار تکمیل دین کے ذکر کے بعد اور دوسری بار تکمیل اشاعتِ دین کے

ذکر کے بعد لایا جانا بتاتا ہے کہ اس کا تعلق دو زمانوں سے ہے۔ یعنی مقدّر یہ کیا گیا تھا کہ ان دونوں زمانوں میں اسلام کو دوسرے ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ اور دونوں غلبوں کا تعلق اللہ کے رسول سے ہوگا یعنی جس طرح ایک رسول (محمد مصطفیٰ ﷺ) اس تکمیلِ دین کے وقت میں جو اسلام کے پہلے غلبہ کا زمانہ ہے دنیا میں بھیجا گیا ہے اسی طرح ایک رسول اُس تکمیل اشاعتِ دین کے زمانہ میں بھی(جو اسلام کے دوسرے غلبہ کا زمانہ ہوگا) بھیجا جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

''رسول سے مراد اس جگہ آنحضرت ﷺ بھی ہیں اور مسیح بھی مراد ہے''

(تفسیر حضرت اقدسؑ صفحہ ۱۱۵)

لیکن جہاں اس آیت کو دوزمانوں کے ذکر کے بعد لائے جانے سے یہ مراد ہوسکتی ہے کہ ان ہر دو زمانوں میں ایک ایک رسول موجود ہوگا وہاں یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ یہ دونوں غلبے محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے طفیل اور آپؐ ہی کے غلبے ہونگے۔ اور ان دوباتوں میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ دوسرا غلبہ آپؐ کے کسی اُمّتی شاگرد اور روحانی بیٹے کے ذریعہ حاصل ہو یا بالفاظِ دیگر یہ کہ اس کے ذریعہ حاصل ہو جو آپؐ کا مہدی یعنی آپؐ کی برکت سے مقام مہدویت پانے والا ہو اور بنابرایں اس میں اور آپؐ میں کوئی دُوئی نہ ہو۔ چنانچہ حدیث **اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْن** ....الخ میں آنحضرت ﷺ نے آنے والے مہدی کو''ہمارے مہدی'' کے پیارے الفاظ میں یاد فرمایا ہے۔ اور خود حضرت مہدی موعودؑ نے بھی فرمایاہے کہ:-

''ضرور تھا کہ جیسا کہ تکمیل ہدایت آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے ہوئی ایسا ہی تکمیل اشاعت ہدایت بھی آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ہوکیونکہ یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے منصبی کام تھے (پہلے کی طرف اشارہ آیت **يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ** میں اور دوسرے کی طرف آیت **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** میں ہے ناقل) لیکن سنت اللہ کے لحاظ سے اس قدر خلود آپؐ کے لئے غیر ممکن تھا۔ اسی لئے خداتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اس خدمتِ منصبی کو ایک ایسے اُمّتی کے ہاتھ سے پورا کیا کہ جو اپنی خو اور روحانیت کی رو سے گویا آنحضرت ﷺ کے وجود کا

ایک ٹکڑا تھا۔ یا یوں کہو کہ وہی تھا اور آسمان پر ظلّی طور پر آپؐ کے نام کا شریک تھا۔“ (تفسیر حضرت اقدس ص۱۱۲ بحوالہ تحفہ گوڑویہ ص۹۹)

===============

یہ بتایا جانا کہ لَاالْمَهْدِی اِلّا عِیْسٰی

اب دیکھئے اوپر کی آیات میں آئندہ زمانہ میں عیسٰی ابن مریم کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی اور اشارہ کیا گیا کہ وہ اسی طرح سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں مبعوث ہوگا جس طرح گزشتہ عیسٰی ابن مریم سلسلہ موسویہ کے آخرین میں مبعوث ہؤا تھا۔ اور اس کا نام احمدؐ ہوگا۔ اور اس کے معًا بعد یہ آیت لاکر یہ بتایا کہ تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے ایک محمدی مہدی آئے گا اور اس طرح صاف صاف بتادیا کہ آخری زمانہ میں آنے والا **عیسٰی ابن مریم ہی مہدی موعود ہوگا**۔ چنانچہ آنحضرتﷺ نے یہی فرمایا کہ **وَلَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ** (ابن ماجہ باب شدّۃ الزمان ۲۱۵۷ مصری طبع علیہ ۳۱۳ کنزل العمال ۷:۱۸۶)

اس بات کا ثبوت کہ اس آیت کا تعلق دو زمانوں سے ہے سورۃ الفتح سے بھی ملتا ہے وہاں بھی اس آیت سے ملتے جلتے الفاظ ہیں اور ان کے بعد محمد رسول اللہﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے لئے دو مثالیں دی گئی ہیں پہلی وہ جو توراۃ میں آئی ہے اور دوسری وہ جو انجیل میں آئی ہے پہلی مثال میں انکی جلالی شان دکھائی گئی ہے اور دوسری میں جمالی۔ جس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام کے لئے دوبار غالب آنا مقدّر تھا۔ ایک بار اپنے ابتدائی دور میں (جو تکمیل دین کا دور تھا) جلالی شان کے ساتھ اور دوسری بار اپنے آخری دور میں (جو تکمیل اشاعت دین کا دور ہے) جمالی شان کے ساتھ۔

اس جگہ یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ جو زمانہ تکمیل دین کا زمانہ تھا نہ کہ تکمیل اشاعتِ دین کا زمانہ اس میں تمام ادیان پر غلبہ سے ایک محدود علاقہ کے تمام ادیان پر غلبہ ہی مراد ہوسکتا تھا اور وہ علاقہ عرب ہی کا علاقہ ہوسکتا تھا جس میں محمد رسول اللہﷺ مبعوث ہوئے اور جس میں مکّہ کی

بستی واقع ہے جو اُمُّ الْقریٰ ہے اور اس میں اور اس کے ماحول میں پائے جانے والے ادیان پر غلبہ کا ملنا ایک رنگ میں تمام ادیان عالم پر غلبہ کا مل جانا تھا۔ اور اس غلبہ کا ملنا ضروری بھی تھا کیونکہ جب تک اسلام کا شجرہ طیبہ اَصلُهَا ثَابِتٌ کا مصداق نہ بنتا یعنی اس کی جڑیں مضبوط نہ ہوتیں فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ (ابراہیم۱۴:۲۵) کا یعنی اس کے تمام عالم پر چھا جانے کا زمانہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ تاہم تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں کسی ایک علاقہ کے ادیان پر غلبہ مل جانے سے یہ آیت اپنے پورے مفہوم میں سچی نہیں ہوسکتی تھی بلکہ اسی صورت میں سچی ہوسکتی تھی جو اسلام کو عالمگیر غلبہ حاصل ہو۔ پس جس طرح اس آیت کو ایک مقام پر تکمیل دین کے ذکر کے بعد رکھ کر تکمیل دین کے زمانہ میں جو آنحضرت ﷺ کا زمانۂ حیات تھا اسلام کے تمام ادیان عرب پر غالب آنے کی پیشگوئی کی گئی اسی طرح اسے دوسرے مقام پر تکمیل اشاعتِ دین کے ذکر کے بعد رکھ کر تکمیلِ اشاعت دین کے زمانہ میں جو مہدی موعودؑ کا زمانہ ہے اس کے تمام ادیانِ عالم پر غلبہ کی پیشگوئی بھی کی گئی اور چونکہ ان میں سے پہلی پیشگوئی باوجود سخت مخالف حالات کے حضرت نبی کریم ﷺ کے حین حیات ہی میں پوری ہوگئی تھی اس لئے ضرور ہے کہ یہ دوسری پیشگوئی بھی پوری ہو۔ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر خدا کے نوشتے ٹل نہیں سکتے۔

امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۳۸ پر لکھا ہے رُوِیَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ انه' قَالَ هٰذَا وَعْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بِاَنَّه' تعالٰی یَجْعَلُ الْاِسْلَامَ غَالِبًا عَلٰی جَمِیْعِ الْاَدْیَانِ وَاِتْمَامُ هٰذا یَتَحَصَّلُ عِنْدَ خُرُوْجِ عِیْسٰی وَقَالَ السُّدِّیُّ ذَالِکَ خُرُوْجُ الْمَهْدِیِّ۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس آیت لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے گا اور اس کی تکمیل حضرت عیسٰی کے خروج کے وقت میں ہوگی اور سدی نے کہا ہے کہ یہ مہدی کا خروج ہے گویا مہدی ہی عیسٰی ہوگا چنانچہ جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا حدیث میں صاف طور پر یہی آیا ہے کہ لَاالْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی۔

اسی طرح حضرت اسماعیل شہید فرماتے ہیں:-

"ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین در زمان پیغمبر ﷺ بوقوع آمدہ و اِتمام آن از دستِ حضرت مہدی خواہد گروید و ظاہر است کہ تبلیغ رسالت بہ

نسبت جمیع الناس از آنجاب ؐ متحقق نہ گشتہ بلکہ امر دعوت از آنجناب شروع گروید یومًا فیومًا بواسطہ خلفاء راشدین وائمۃ مہدیین روبہ تزاید کشید تا اینکہ بواسطہ امام مہدی باتمامِ خواہد رسید۔'' (منصب امامت صفحہ ۵۶)

یعنی ابتدائے ظہور دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وقوع میں آیا اور اس کا اتمام حضرت مہدی کے وقت میں ہوگا کہ تمام بنی نوع انسان کی نسبت تبلیغ رسالت آنجناب ؐ سے متحقق نہیں ہوئی بلکہ امر دعوت کا آنجناب ؐ سے آغاز ہوا اور خلفاءِ راشدین اور ہدایت یافتہ ائمۃ کے ذریعہ یومًا فیومًا اس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ مہدی کے واسطہ سے یہ اتمام کو پہنچے گا۔

اب دیکھئے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۷ میں آنحضرتؐ کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا یعنی سورج قرار دیا گیااور سورۃ رحمٰن کی آیت اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ کے مطابق آسمانِ روحانیت کے اس شمس کے لئے ایک قمر کا وجود بھی مقدر کیا گیا اور قمر شمس ہی سے روشنی پاتا ہے اس لئے ضرور تھا کہ وہ قمر آنحضرتؐ کا اُمّتی ہو اور چونکہ انسان کو سورج کے بعد سب سے زیادہ روشنی قمر ہی سے حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ دیگر تمام اولیاء اُمّت سے بلند تر مقام رکھنے والا یعنی نبی ہو اور حدیث لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ کے مطابق اگرچہ آنحضرتؐ اور مہدی کے درمیان کوئی اور نبی نہیں مگر مہدی نے نبی ہونا تھا اور حدیث لَاالْمَهْدِيُّ اِلَّا عِيْسٰى کے مطابق مہدی اور عیسیٰ ایک ہی وجود ہے لہٰذا القمر سے مراد وہ وجود ہے جو مسیح موعود اور مہدی بن کر آنے والا تھا اور چونکہ قمر کے نور کا اتمام چودھویں رات میں ہوتا ہے اس لئے جیسا کہ حضرت مہدی موعودؑ نے خود بھی فرمایا ''اس آیت میں تصریح سے سمجھایا گیا کہ مسیح موعودؑ چودھویں صدی میں پیدا ہوگا'' (تحفہ گولڑیہ ص ۲۳) جسپر قرینہ اگلی آیت کے الفاظ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ بھی ہیں ''کیونکہ اظہارِ تام اور اتمامِ نور ایک ہی چیز ہے۔'' مہدی موعودؑ کے چودھویں صدی میں ظہور کی تصریح اس سورۃ کی آخری آیت، سورۃ الجمعہ اور سورۃ الفجر میں بھی کی گئی ہے جس کا ذکر انشااللہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

اوپر کے صفحات میں ہم نے آیت هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے حوالہ سے بتایا تھا کہ قرآن کی رُو سے اسلام کا غلبہ دو دوروں اور دو مہدیوں (یعنی مہدی اوّل حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے نائب مہدی

موعودؑ) کے ذریعہ ہونا مقدّر تھا۔ مگر قرآن کریم نے یہی بتانے پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے

پہلا غلبہ جلالی رنگ میں ہوگا اور دوسرا جمالی رنگ میں

اور اس سے متعلقہ کچھ اور ضروری باتیں بھی بیان کی ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا آیت زیرِنظر سورۃ الفتح میں بھی آئی ہے۔ صرف آخری الفاظ میں فرق ہے (یعنی **وَلَوْكَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ** کی بجائے **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** کے الفاظ ہیں) اور اس سے اگلی آیت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے لئے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی وہ جو تورات میں آئی ہے۔ اور دوسری وہ جو اس کے ۱۳۰۰ سال بعد نازل ہونے والی کتاب انجیل میں آئی ہے۔ پہلی مثال میں انکی جلالی شان دکھائی گئی ہے اور دوسری میں جمالی شان۔ جس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام کے لئے دو بار غالب آنا مقدّر تھا ایک بار اپنے ابتدائی دور میں (جو تکمیلِ دین کا دور تھا) جلالی شان کے ساتھ اور دوسری بار اپنے آخری دور میں (جو تکمیل اشاعت دین کا دور ہے) جمالی شان کے ساتھ۔ سورۃ الفتح کی وہ آیت یہ ہے:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (۳۰)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں کفّار کے خلاف شدّت رکھنے والے اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں تو انہیں اللہ کے فضل اور رضا کی طلب میں (ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف) جھکے

ہوئے کامل فرمانبرداری کرتے ہوئے اور سجدے بجالاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ان کے چہروں سے سجدوں کے اثرات نمایاں ہیں۔ ان کی ایسی ہی مثال تورات میں بیان ہوئی اور اُن کی (دوبارہ ترقّی کی) مثال جو انجیل میں (بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی ترقّی اس طرح ہوگی) جیسے ایک بیج ہو جس نے اپنی کونپل نکالی۔ پھر اس نے اس کونپل کو قوّت دی پھر وہ کونپل موٹی ہونے لگی۔ پھر اپنی ساق پر مظبوطی سے قائم ہوگئی۔ (اس طرح کہ خود) کسانوں کو بھلی لگتی۔ اور تعجب میں ڈالتی ہے۔ (اِن کے اس طرح ترقّی پانے کا) نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کفّار کو غیظ وغضب میں مبتلا کردے گا۔ (تاہم) ان میں سے ان کے لئے جو (حسد کرنے کی بجائے) ایمان لائے اور انہوں نے نیک اور مناسبِ حال عمل کیئے اللہ نے مغفرت اور انتہائی بڑے اجر کا وعدہ دیا ہے۔

اگر اس آیت میں کلام کو **اَلْاِنْجِيْل** پر ختم سمجھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے ایسے ہی اوصاف تورات اور انجیل دونوں میں بیان ہوئے ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ایک جملہ **فِی التَّوْرَاة** پر ختم ہوُا اور ''**وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِيْلِ**'' الگ جملہ ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ جو اوصاف پہلے بیان ہوئے ہیں وہ تورات میں مذکور ہیں۔ اور جو آگے بیان ہوئے ہیں وہ انجیل میں آئے ہیں۔ گو قواعدِ زبان دونوں صورتوں کے اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن قرائنِ عبارت دوسری صورت کو متعیّن کرتے ہیں۔ کیونکہ ''**وَمَثَلُهُمْ**'' کا لفظ دُہرایا گیا ہے۔ جس کی پہلی صورت میں ہرگز ضرورت نہیں تھی۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ زمانہ نزولِ قرآن کے وقت تورات اور انجیل جس شکل میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود تھیں اس شکل میں تو ان کے اندر یہ مثالیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے ظاہری طور پر پائی نہیں جاتیں تھیں۔ مگر اس کے باوجود جو قرآن کریم نے ان مثالوں کو ان کتابوں کے حوالے سے بیان کیا اور صرف یہی نہیں کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی مثال ایسی ہے تو یقیناً اس سے غرض یہ بتانا نہیں تھی کہ چونکہ یہ مثالیں تورات اور انجیل میں آئی ہیں اس لئے ان کو مان لینا چاہیے بلکہ غرض اس امر کی طرف متوجہ کرنا تھی کہ جن

لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان ہوئیں ان کا اور جو کچھ ان مثالوں کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق دو زمانوں سے ہے اسی طرح جس طرح تورات اور انجیل کا تعلق دو زمانوں سے ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے جو ترتیب ظاہری و باطنی کا حد درجہ خیال رکھتا ہے **ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ** کے الفاظ تو متعلقہ مثال بیان کرنے کے بعد رکھے ہیں اور **وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ** کے الفاظ متعلقہ مثال بیان کرنے سے پہلے رکھے ہیں تا سمجھنے والے سمجھ جائیں کہ ان میں سے پہلی مثال تو ان لوگوں کے لئے ہے جو عالمِ وجود میں آچکے ہیں اور دوسری مثال کسی آئندہ زمانہ میں پیدا ہونے والے لوگوں کے لئے ہے۔

اس پر ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ دوسری مثال میں **مُمَثَّل بِہٖ** کے متعلق ایک بیج کی سی حالت سے تدریجاً ترقّی کرنے کا ذکر ہے۔ اور بیج پودوں ہی سے بنا کرتے ہیں۔ اور ان کے پک کر خشک ہونے کے وقت بنا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ مثال بہرحال ان لوگوں ہی کے متعلق ہوسکتی ہے جنہوں نے اسلام کے پہلے دور کی ترقّی کے بعد مسلمانوں پر ضعف کا زمانہ آجانے کے وقت گلشنِ اسلام کے انہی پودوں (یعنی مسلمانوں) میں سے نکلنے والے اور بیج کی سی صفات رکھنے والے کسی شخص کے پیدا ہونے پر اس میں سے اپنا وجود حاصل کرنا اور بیج میں سے نکلنے والی کونپل کی طرح جمالی رنگ میں نشونما پانااور نشونما پاکر گلشنِ اسلام کے ابتدائی پودوں یعنی صحابہؓ کے ہم رنگ بننا یا بہ الفاظِ دیگر ان آخرین میں سے ہونا تھا جن کا ذکر سورۃ الجمعہ کی آیت **وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ** میں آیا ہے۔

دراصل تورات اور انجیل دونوں ہی اپنی اصل کے اعتبار سے الہامی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ دونوں مثالیں خداتعالیٰ ہی کی بیان کردہ ہیں۔ اور خداتعالیٰ کا ایک مثال کو تورات میں بیان کرنا جو ایک آتشیں شریعت ہے اور حضرت موسیٰؑ کی زبانی (جو ایک جلالی نبی تھے) لوگوں تک پہنچانا اور دوسری مثال کو ۱۳۰۰ سال بعد انجیل میں جو ایک جمالی رنگ میں تعلیم الٰہی ہے بیان کرنا اور حضرت مسیحؑ کی زبانی (جو ایک جمالی نبی تھے) لوگوں تک پہنچانا اور پھر ان دونوں مثالوں کو قرآن کریم میں جو ایک جامع جلال و جمال کتاب ہے بیان کرنا اور ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے متعلق قرار دینا اور دوسری طرف ایسے قرائن بھی ساتھ رکھ دینا جن سے معلوم ہو کہ

ان میں سے پہلی مثال موجود الوقت صحابہؓ سے متعلق ہے اور دوسری کسی آئندہ زمانہ میں پیدا ہوکر صحابہؓ میں شمار ہونے والے لوگوں کے متعلق ہے بلا حکمت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ سلسلہ محمّدیہ سلسلہ موسویہ کے متوازی پڑا ہوا ہے۔ پس جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بالمقابل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے عین مطابق آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی جلالی شان ظاہر ہوچکی ہے اسی طرح آپ کے ۱۳۰۰ سال بعد ایک مسیح بھی آئے گا جس کے متبعین مسیح ناصری کی طرح جمالی شان کے حامل ہوں گے اور کزرعٍ والی مثال ان پر صادق آئے گی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے خود فرمایا:-

''فَاشَارَ مُوْسٰی بِقَوْلِہٖ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اِلٰی صَحَابَۃٍ اَدْرَکُوْا صُحْبَۃَ نَبِیِّنَا الْمُخْتَارِ وَاَرَوْا شِدَّۃً وَغِلْظَۃً فِی الْمِضْمَارِ وَاَظْھَرُوْا جَلَالَ اللّٰہِ بِالسَّیْفِ الْبَتَّارِ وَصَارُوْا ظِلَّ اسْمِ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ الْقَھَّارِ عَلَیْہِ صَلٰوتُ اللّٰہِ..... وَاَشَارَ عِیْسٰی بِقَوْلِہٖ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ اِلٰی قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ وَاِمَامِھِمِ الْمَسِیْحِ بَلْ ذَکَرَ اسْمَہٗ اَحْمَدَ بِالتَّصْرِیْحِ'' (تفسیر حضرت اقدس ص۳۵۸) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول ''اَشِدّاء علی الکفّار'' کے ذریعہ صحابہ کی طرف اشارہ کیا جنھوں نے ہمارے نبی المختار کی صحبت اٹھائی اور میدان میں سختی اور شِدّت دکھائی اور شمشیر بّرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے جلال کو ظاہر کیا اور وہ محمد رسول اللہ کے نام کے ظل ہو گئے............عیسیٰؑ نے کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ کہہ کر بعد میں آنے والے ایک گروہ اور ان کے امام مسیح موعود کی طرف اشارہ کیا بلکہ آپ نے صراحت سے اس کے نام احمد کا بھی ذکر کر دیا۔

(اعجاز المسیح ص ۱۲۶:۱۲۷)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب اسلام کے تمام ادیانِ عالم پر غالب کئے جانے کی پیشگوئی کی گئی تو اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر دو اہم سوال پیدا ہوتے تھے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی جو حالت اس وقت ہے اسے دیکھتے ہوئے کیسے مان لیا جائے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ تمام ادیان تو الگ رہے اس وقت تو انہیں مشرکینِ عرب پر بھی غلبہ ملتا نظر نہیں آتا۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر بغرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ

اور آپؐ کے ساتھیوں کو عرب میں کامیابی حاصل ہوجائے گی تو کیا اس کے بعد اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے تک مسلمان مسلسل ترقّی کرتے چلے جائیں گے یا اس عمل میں کوئی وقفہ بھی ہوگا۔ اور اگر وقفہ ہونا ہے تو پھر دوسری ترقّی کس رنگ میں ہوگی۔ کیا اسی رنگ میں کہ جس رنگ میں پہلی ترقّی ہوئی یا اس کا رنگ جدا ہوگا؟۔ ان میں سے پہلے سوال کا جواب اس آیت کے پہلے حصّہ میں یعنی پہلی مثال کے پیرایہ میں دیا گیا ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب دوسرے حصّہ میں یعنی دوسری مثال کے پیرایہ میں دیا گیا۔

اس کتاب کا موضوع چونکہ ذکرالمہدی فی القرآن ہے اس لئے یہاں ہم صرف دوسری مثال کی جس میں دوسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے تفصیل بیان کرینگے۔ فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی ایک مثال (تورات کے ۱۳۰۰ سال بعد نازل ہونے والی کتاب) انجیل میں بیان ہوئی ہے۔ اور ان کی مثال جو انجیل میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے:-

کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ یعنی جس طرح کھیتی جب پک جاتی ہے تو خشک ہونے لگ جاتی ہے۔ مگر اس وقت اس میں بیج پیدا ہوجاتے ہیں۔ جن کو زمین میں بویا جائے تو وہ پھر اُگ آتے ہیں۔ اور ازسرِ نو کھیتی کی صورت بن جاتی ہے اسی طرح ترقّی کا ایک دَور پورا کرنے پر مسلمانوں پر تنزّل کا ایک دور آجائے گا۔ اور ان کی حالت زبوں ہوجائے گی۔ مگر انہی میں سے ایک شخص جو ان کی آئندہ ترقیّات کے لئے بمنزلہ بیج کے ہوگا پیدا ہوگا۔ گو دوسرے بعض بیج تو ضائع بھی ہوجاتے ہیں مگر وہ بیج ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنی کونپل نکالے گا۔ پھر اس کونپل کو طاقت دے گا۔ **اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ** میں ضمیر زرع کی طرف راجع ہے۔ (جس کے معنی کھیتی کے علاوہ بیج کے بھی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بیج ہی کے معنی جچتے ہیں) مگر اگلے الفاظ **فَاسۡتَغۡلَظَ** میں ضمیر **شَطۡـَٔهٗ** کی طرف راجع ہے۔ اس میں علمِ نباتات کا ایک عجیب نکتہ بیان ہوُا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک عظیم پیشگوئی بھی کی گئی ہے۔

===============

علمِ نباتات کا ایک اہم نکتہ اور مہدی مسعود المسیح الموعودؑ اور انکی اولاد کے بارہ میں بعض اہم خبریں

سورۃ الفتح کی آیت **اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ** میں ضمیر کو بیج کی طرف پھیر کر اور **فَاسۡتَغۡلَظَ** میں خود **شَطۡـَٔهٗ** کی طرف پھیر کر یہ اشارہ کیا کہ اپنی کونپل نکالنے کے بعد بھی بیج بالکل ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا کوئی طاقت بخش جزو (جسے اس کی اہمیّت کی بنا پر بیج ہی کہنا چاہیے) باقی رہتا ہے۔ اور اس کونپل کو براہ راست طاقت بخشتا ہے۔ مگر جب وہ کونپل کسی قدر طاقت پکڑلیتی ہے تو وہ جُز بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اور اس بیج کا کوئی طاقت بخش جزاپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہتا۔ اور وہ کونپل اپنے طور پر موٹی ہوتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ ماہرین علم نباتات نے ۱۴۰۰ سال بعد (ہمارے اس زمانہ میں جس سے اس بات کا خاص تعلق ہے) یہ معلوم کیا ہے کہ بیج کے عام طور پر تین حصّے ہوتے ہیں۔ نمبر۱: **RADICLE** جو جڑ بناتا ہے۔ نمبر۲: **PLUMULE** جو کونپل کی صورت میں پھوٹتا اور بعد میں تنا بنتاہے۔ اور **COTYLADEN** جو کونپل کی نشوونما میں مدد دیتا ہے۔ لیکن کونپل کے کسی قدر قوّت پکڑ لینے اور براہ راست جڑ سے غذا حاصل کرنے کے لائق ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے۔

چونکہ یہاں بیج کی مثال بیان کرکے مقصد یہ بتانا ہے کہ اپنے ضعف کے زمانے میں مسلمان ایک مسیحؑ کے آنے پر کس طرح ایک بیج کی سی حالت سے بیج ہی کی مانند ترقّی کریں گے۔ اس لئے یہ مذکورہ بالا نکتہ بیان کرکے یہ اشارہ کیا کہ مسیح موعودؑ ایک بیج کی مانند ہوگا جس میں سے پنپنے اور سرسبز ہونے والی ایک کونپل (جس سے مراد اس کی جماعت ہے) نکلے گی۔ اور اس کے زمین سے سرنکالنے کے بعد بھی اس بیج کا اپنا ایک خاص الخاص جز باقی رہے گا جو اس کونپل کو غذا مہیا کرے گا۔ اور طاقت بخشے گا۔ مگر جب اس کونپل کو کچھ طاقت حاصل ہو جائے گی اور وہ براہ راست جڑ سے غذا پانے اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے لائق ہو جائے گی تو وہ جز بھی ختم ہوجائے گا۔ اور اس جز کے ختم ہونے تک اس بیج کا اپنا کوئی اور طاقت بخش جز اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہے گا۔ لیکن اس بیج سے نکلا ہؤا پودا اس کے بعد بھی ترقّی کرتا چلا جائے گا۔

چنانچہ دیکھ لیجئے اس پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے۔ پہلے آپؑ سے جماعتِ احمدیہ کا پودا نکلا۔ پھر آپؑ ہی کے بدن کے اہم جزو (آپ کے فرزند ارجمند حضرت محمودؓ) نے (جو آپؑ کے خلیفہ ثانی بھی بنے اور الہام الٰہی میں آپؑ کے مثیل بھی کہلائے) اس پودے کو روحانی غذا مہیا کرکے قوّت بخشی۔ لیکن جب اس پودے نے کسی قدر طاقت پکڑلی تو وہ فرزندِ ارجمند بھی دنیا میں نہ رہا۔ اور جب وہ فوت ہوُا اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی اور کوئی نرینہ اولاد جو آپؑ کے کام کو آگے بڑھاتی موجود نہ تھی۔ مگر اس کے بعد بھی یہ پودا جو اس بیج سے نکلا تھا خشک نہیں ہوُا بلکہ اس وقت وہ اس قابل ہوچکا تھا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو اور بڑھتا رہے۔ چنانچہ ادھر آپؓ فوت ہوئے اور اُدھر اس کونپل نے **فَاسْتَغْلَظَ** کا نظّارہ دکھایا۔ جس کا ثبوت جماعت کے بجٹ میں بے پناہ اضافہ اور اس کی مساعی میں بے انداز وسعت سے ملتا ہے۔ اور اب وہ پودا اپنی ساق پر قائم ہوچکا ہے۔ چنانچہ حوادث کی وہ سخت آندھیاں اور مخالفتوں کا شدید سیلاب بھی کہ جو ۷۴ء اور ۸۴ء میں دیکھنے میں آئے اس کو اپنی جگہ سے اکھاڑ نہ سکے۔ اور **یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ** کے مطابق خود اس پودے کی آبیاری کرنے والے (منتظمینِ سلسلہ) کو اس کی مضبوطی پر تعجب ہوتا ہے۔ اور **لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ** کا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کفّار اس کی طاقت کو دیکھ کر غیظ وغضب سے بھرے جاتے ہیں مگر کچھ کرنہیں پاتے۔ بیشک اور لوگ بھی اس جماعت کی قوّت کا باعث بنے جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ لیکن یہ پیشگوئی اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے آپ کا روحانی فرزند ہونے کے ساتھ جسمانی فرزند بھی ہونا تھا۔ جیسے حدیث **يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُلَهٗ** میں اور حدیث **لَوْكَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ اَوْ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ** میں صرف اس کی صلبی اولاد کی پیشگوئی ہے۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ بعض بیجوں میں دو **COTYLADEN** ہوتے ہیں۔ اس صورت کو لیں تو اس آیت میں حضرت مسیح موعودؑ کے ان دو بیٹوں کی پیشگوئی کی گئی جنہیں آپؑ کی جماعت کی ترقّی میں زیادہ نمایاں خدمات بجالانے کا موقعہ ملا۔ اسی طرح بعض بیجوں میں ایک تیسرا جُز **ENDOSPERM** بھی ہوتا ہے۔ جو وہ بھی کونپل کو نشوونما دیتا ہے۔ اور اگر اسے بھی شامل کرلیا جائے تو یہ پیشگوئی آپؑ کے (خدمت کی عمر اور توفیق پانے والے) تینوں بیٹوں پر شامل ہوگی۔ لیکن چونکہ اکثر بیجوں میں صرف ایک **COTYLADEN** ہوتا ہے

اس لئے واضح طور پر اس جگہ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک بیٹے (حضرت المصلح الموعودؓ) ہی کی پیشگوئی ہے۔ جو اپنے الہام اَنَا الْمَسِیْحُ الْمُوْعُوْدُ وَمَثِیْلُهٗ وَ خَلِیْفَتُهٗ کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کا جزو بدن کہلانے کا اوّل نمبر پر مستحق تھا۔ اور جس کا دور ایک رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ ہی کا دور تھا۔

===============

سورۃ التحریم میں مہدیؑ کا ذکر

سورۃ الفتح کی طرح سورۃ التحریم میں بھی مہدیؑ کا ذکر آیا ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں پہلے کافروں کے سمجھانے کو دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک ''اِمرَأۃ نوحؑ'' کی اور دوسری ''اِمرَأۃ لوطؑ'' کی۔ اور دونوں کا ایک ہی جرم بتایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے جن بندوں کی وہ ماتحت تھیں ان کی انہوں نے خیانت کی۔ اور دونوں کے جرم کا نتیجہ بھی ایک ہی بیاں ہوا ہے۔ جب دونوں کا جرم بھی ایک ہی تھا اور اس کا نتیجہ بھی ایک ہی تھا تو بظاہر ان میں سے ایک ہی کا ذکر کافی تھا۔ مگر ذکر دونوں کا کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوحؑ صاحبِ شریعت نبی تھے۔ اور حضرت لوط غیر تشریعی نبی تھے۔ پس دونوں کا ذکر فرما کر اشارہ کیا کہ صاحب شریعت نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک غیر تشریعی نبی آنے والا ہے۔ اور اس کی خیانت کرنے والوں یعنی اس سے منافقانہ برتاؤ کرنے والوں کا بھی وہی انجام ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کرنے والوں کا ہوگا اور چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ایک عیسٰیؑ کے آنے کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ نَبِیٌّ۔ میں نبی ہوں اور وہ نبی ہوگا مگر ہمارے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔ اور لَاالْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی فرما کر اسی کو مہدی بھی قرار دیا ہے اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ جس نبی کے آنے کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ غیر تشریعی نبی ہوگا اس سے مہدی موعودؑ ہی مراد ہے اور یہ بتا کر کہ اس کی خیانت کا ویسا ہی نتیجہ ہوگا جیسا کہ آنحضورؐ کی خیانت کا یہ سمجھایا ہے کہ وہ آنحضورؐ کی لائی ہوئی شریعت ہی کو پیش کرے گا۔ یہی وجہ ہے جو آنحضورؐ نے فرمایا جس نے مہدی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے مہدی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

ان دو مثالوں کے بعد دو مثالیں مومنوں کے فائدہ کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ ایک ''اِمرَ اُةِ فرعون'' کی اور دوسری مریم بنت عمران کی جس کے الفاظ یہ ہیں:-

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ

(الحج ۲۲:۱۳)

اگرچہ لفظ **فرج** کے کئی معنی ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے قرآن کریم کی دوسری تمام آیات میں یہ لفظ صرف شرم گاہ کے معنٰی میں آیا ہے۔ اسی طرح ''**نفخِ روح** '' کے الفاظ ہیں یہ قرآن کریم میں الہام کے معنٰی میں بھی بیشک آئے ہیں۔ مثلاً فرمایا **فَاِذَاسَوَّيْتُه' وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِی فَقَعُوْالَه' سٰجِدِيْنَ۔** مگر حضرت مریمؑ کے تعلق میں یہ الفاظ صرف ایک اور آیت میں آئے ہیں۔ اور وہ آیت **وَالَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَافَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰالَمِيْن** ہے۔ اور اسمیں یہ واضح طور پر عیسٰی کا حمل ٹھہرانے کے معنی میں ہیں چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے خطبہ الہامیہ میں ہے'' **لَا شَکَّ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ رُوْحِ هٰهُنَا عِيْسٰی اِبْنُ مَرْيَمَ** '' (اسمیں شک نہیں کہ اس جگہ روح سے مراد عیسٰی ابن مریم ہے۔)

لہٰذا ہم ان معنوں کے مطابق دیکھیں گے کہ ان آیات میں کیا بتایا گیا ہے۔ مگر اس سے قبل چند باتوں کا مدِّ نظر رکھ لینا بھی ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہاں حفاظتِ فرج کے نہیں احصانِ فرج کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور یہ دو طرح ہوتا ہے۔ **مُحصَنٌ** کا لفظ جو اسم مفعول ہے اس کیلئے آتا ہے جس کی عصمت نکاح کے ذریعہ محفوظ ہو جائے اور **مُحْصِنٌ** (اسم فاعل) اس کیلئے جو بغیر نکاح اپنی عصمت کو محفوظ رکھے۔ یہاں چونکہ **احصنت فرجها** کے الفاظ ہیں یعنی حضرت مریم کو احصان کا فاعل قرار دیا گیا ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ **فَنَفَخْنَافِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا** میں ضمیر 'ہ' لائی گئی ہے جو مذکر کے لئے آتی ہے۔ مفسّرین نے کہا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ اشارہ گریبان کی طرف ہے یا فرج کی طرف لیکن نہ حمل گریبان میں یا گریبان کے راستہ ہوا کرتا ہے اور نہ حضرت مریم کا حمل ایسا تھا کہ دوسری توجیہ ہی درست جانی جاسکے۔ دراصل جیسا کہ الانبیاء ۹۲:۲۱ میں **فنفخنا فيها** فرمایا

جانا اس کا ثبوت ہے یہ ضمیر دراصل حضرت مریم ہی کے لئے ہے۔ پس ان کے لئے ایک جگہ مونث اور دوسری جگہ مذکر کی ضمیر لاکر یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں زنانہ کے علاوہ مردانہ جوہر بھی تھا یعنی وہ بغیر واسطہ مرد کے حاملہ ہونے کی استعداد رکھتی تھیں اور یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ صرف تبدیلی ضمیر کے ساتھ ایک اہم سائنسی نکتہ بیان کردیا ہے۔ حضرت مریم کے لئے مذکر کی ضمیر لانے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اس سے یہ اشارہ ہوگیا کہ جس مریم کی اس ذکر سے پیشگوئی مقصود ہے وہ عورت نہیں بلکہ مرد ہوگا۔

===============

یہ خبر کہ ایک حد تک ابن مریم بننے والے اُمّت میں بہت ہونگے مگر کامل طور پر ابن مریم بننے والا اور بنا برایں یہ نام پانیوالا ایک ہی ہوگا

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس آیت میں جو مومنوں کے لئے حضرت مریم کی مثال بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو خدا تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونک دی یعنی انہیں **روح منه** کے مصداق عیسٰی کا حمل ٹھہرادیا تو اس سے یہ مراد تو ہونہیں سکتی کہ مومنوں میں سے جو بھی کنوارا رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کرے گا اسے حمل ٹھہرادیا جائے گا اور وہ حمل بھی عیسٰی کا ہوگا بلکہ یہی مراد ہوسکتی ہے کہ مریم سے پیش آنے والی جو باتیں ان پر ظاہر میں اطلاق پاسکتی ہیں وہ ظاہر میں اطلاق پائیں گی اور دوسری مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اطلاق پائیں گی۔ تاہم اس رنگ میں بھی ہر مومن پر ان کا بتمام وکمال اطلاق پانا مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ جب نفخِ روح سے عیسٰیؑ کا حمل ٹھہرانا مراد ہؤا تو **صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ** سے بھی لامحالہ ان پیشگوئیوں کو پورا کرنا مراد ہوگا جو اس کی رسولانہ حیثیت کے بارہ میں خدا کے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ پہلے سے کی گئی تھیں اور ہر مومن کے حق میں ایسی پیشگوئیوں کا ہونا ہی ممکن نہیں چہ جائیکہ وہ ان کو پورا بھی کرسکے۔ بلکہ بوجہ اس کے کہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کا قائم مقام ہے اور سلسلہ موسویہ میں ایک ہی ابن مریم ہؤا تھا اور وہ اس سلسلہ کے آخرین میں ہؤا تھا اس سے یہی مراد ہوسکتی ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے آخرین میں آنے

والا کوئی ایک شخص ایسا ہوگا جس پر یہ سب باتیں صادق آئیں گی۔ یعنی بتمام وکمال اطلاق ان کا صرف اس ایک شخص پر ہوگا اگرچہ کسی حد تک اطلاق ہزاروں پر ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی فرمایا ہے ''ہر ایک مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے اور خدا اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو کہ ابن مریم بن جاتی ہے۔'' اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''اس سے یہی مراد ہے کہ اس اُمّت میں ایک ایسا انسان ہوگا جو پہلے .....صفت مریمیت سے موصوف ہوگا اور پھر اس میں نفخ ہوکر صفات عیسوی پیدا ہوں گی.....اگر اس آیت میں صرف مریم کا لفظ ہوتا تو بہت سے افراد ہوسکتے تھے مگر خداتعالیٰ نے احصان فرج اور نفخ روح کی قید لگا کر بتادیا ہے کہ ایک ہی شخص ہوگا'' دوسری جگہ فرماتے ہیں ''یہ ایک استعارہ تھا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا اس کیلئے یہی وقت مقدّر تھا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ مریم، نفخ روح اور میرا نام عیسٰی رکھنے کے الہاموں میں صرف ۹ یا ۱۰ ماہ کا فاصلہ ہے جو کہ مُدّتِ حمل ہے'' (ملفوظات جلد ۴ ص ۳۸۶۔)

پس وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا.... وَمَرْيَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ کا مطلب یہ ہے کہ مریم بنت عمران کے قصّہ کے پیرایہ میں اللہ تعالیٰ نے تمثیلی طور پر ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا ہے جس کے متعلق پہلے سے علم رکھنا مومنوں کے فائدہ میں ہے یعنی اس ذکر کی وجہ سے ان میں سے سعید الفطرت اس کے آنے پر ٹھوکر کھانے سے بچ سکتے ہیں۔ تاہم بمطابق آیت يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اکثر لوگ رسولوں کے ساتھ بالعموم استھزاء ہی کیا کرتے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ اس وقت بھی ایسا ہی ہو۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا ''لَمَّا اس محل پر آتا ہے جو کام ابھی تک نہ ہُوا ہو اور آئندہ ہونے کی توقع ہو''۔ اور ''اذا'' اس موقع پر لاتے ہیں جب کسی بات کے اچانک واقع ہونے کا اظہار مقصود ہو''۔ پس اس میں آنحضرتﷺ کو مخاطب کرکے بتایا گیا کہ جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے گی یعنی ایک شخص آکر کہے گا کہ جس طرح سلسلہ موسویہ کے آخر میں ابن مریم آیا تھا اسی طرح سلسلہ محمدیہ کے آخر میں میں آیا ہوں اور میں ہی موعود ابن مریم ہوں اور پہلے ابن مریم کا مثیل ہوں۔ تو غیر تو غیر خود تیری قوم (جو پہلے ابن مریم کی منتظر ہوگی اور اس کی

راہ تک رہی ہوگی اس کے دعوٰی پر) اچانک اپنے تیور بدل لے گی اور شور مچانا شروع کر دے گی (کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے)۔

ابن مریم کے لئے مثال دوسری جگہ یہ ایں الفاظ بیان ہوئی ہے کہ **اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ** ۔ یقیناً اللہ کے نزدیک عیسٰی یعنی ابن مریم کی مثال آدم کی سی ہے جسے خدا نے تراب سے پیدا کیا پھر کہا ہوجا تو **کونًا بعد کونٍ** وہ وجود میں آگیا۔ جس چیز سے انسان کی پیدائش ہوئی اس کے لئے قرآن میں دو لفظ آئے ہیں نمبرا **طین** (نم دار مٹّی) نمبر۲ **تراب** (خشک مٹّی)۔ یہاں **خَلَقَہٗ** اور **ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡن** فرمایا ہے۔ گویا پیدائش کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ تراب میں قوّتِ نمو نہیں ہوتی لیکن جب خدا نے چاہا ایسے تغیرات اس پر لایا کہ اس میں یہ قوّت پیدا ہوگئی۔ اور اس سے پہلے تو اس cell یا خلیہ کی تخلیق ہوئی جس میں آدم کا تمام تر نقشہ تھا یعنی آدم کی تمام صفات اس کے اندر latent حیثیت میں (یعنی بالقوہ) موجود تھیں۔ اور پھر اس خلیہ پر نئے تغیرات لایا جس کے نتیجہ میں آدم وجود میں آگیا۔ بعینہٖ اسی طرح اگرچہ عام طور پر عورت بغیر واسطہ مرد کے بچہ پیدا نہیں کرسکتی لیکن جب اللہ نے چاہا وہ اپنی قدرت کاملہ سے حضرت مریم کے رحم میں ایسا تغیّر لایا کہ وہ بغیر واسطہ مرد کے حاملہ ہونے کے لائق ہوگئیں اور انہیں عیسٰیؑ کا حمل ٹھہر گیا۔ اور پھر اس پر اور تغیّرات لایا جس کے نتیجہ میں عیسٰیؑ پیدا ہوگیا۔ پس اس آیت میں حضرت عیسٰی کو آدم سے تشبیہ دیا جانا بتاتا ہے کہ مقدر یہ تھا کہ موعود ابن مریم کو بھی آدم سے مشابہت ہوگی۔ لیکن جیسا کہ اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں قرآنی آیات کا ظہر بھی ہے اور بطن بھی۔ اگر ایک آیت ایک زمانہ میں ظاہری طور پر اطلاق پاتی ہے تو دوسرے زمانہ میں مجاز کے رنگ میں اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابوالبشر آدم کی پیدائش پر اس آیت کا اطلاق ظاہری رنگ میں ہوا اور موعود آدم مسیح موعودؑ پر اس کا اطلاق مجاز کے رنگ میں ہونا تھا۔ پس یہ مثال بیان کرکے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جس طرح عورت سے بغیر واسطہ مرد کے بچہ کی پیدائش ناممکن نظر آتی ہے لیکن حضرت مریم سے مسیح پیدا ہوگیا۔ اور مٹی سے انسان کی پیدائش تو اور بھی زیادہ ناممکن نظر آتی ہے لیکن مٹی سے آدم پیدا ہوگیا۔ اسی طرح موعود مسیح یا موعودؑ آدم کے وقت میں اس کی قوم اس بات سے نااُمید ہوچکی ہوگی کہ اس میں سے کسی عورت کے پیٹ سے مسیح پیدا ہوسکتا ہے بلکہ اس بات ہی سے نااُمید ہوچکی ہوگی کہ

اس کی زمین کی مٹی سے کوئی مسیح یا آدم پیدا ہوسکتا ہے اس لئے آنے والا آسمان سے آئے گا۔ اور جب کوئی شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہؤا اور اس زمین سے وجود میں آیا اور اس نے مثیلِ ابن مریم ہونے کا دعوٰی کیا تو وہ شور مچادے گی کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے۔

بہرصورت سورۃ تحریم کی اس آیت میں بتایا گیا کہ جو کچھ اس میں (حضرت) مریمؑ کے متعلق بیان ہؤا ہے وہ آئندہ پیدا ہونے والے شخص کا تمثیلی بیان ہے۔ یعنی جو باتیں ظاہر میں اطلاق پاسکتی ہیں وہ اس شخص پر ظاہر میں اطلاق پائیں گی اور جو ظاہر میں اطلاق نہیں پاسکتیں وہ مجاز کے رنگ میں اس پر اطلاق پائیں گی۔

==============

پہلی پیشگوئی

چنانچہ اس میں پہلی پیشگوئی یہ کی گئی کہ جسطرح حضرت مریم میں بغیر واسطہ مرد کے محض موھبتِ الٰہی سے حاملہ ہونے اور عیسٰی نبی اللہ کی ماں بننے کی استعداد تھی اور پھر وہ اسکی ماں بنیں بھی اسی طرح اُمّت محمدّیہ میں پیدا ہونے والے مریمی صفت موعود میں ہوگی۔ یعنی وہ کسی ما سوااللہ سے کسب فیض کئے بغیر مریمی حالت سے عیسوی حالت کی طرف انتقال کرسکے گا اور کریگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی موعود ابن مریم حضرت مرزا صاحبؑ کی ذات میں پوری ہوئی۔

==============

دوسری پیشگوئی

اس آیت میں حضرت مریمؑ کا ذکر انکے والد کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر اسکی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان کی شہرت ایسی ہے کہ انکے والد کو ان کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ ان کو ان کے والد کی وجہ سے نہیں جانا جاتا۔ لہٰذا ان کا ذکر انکے والد کے حوالے سے کرنا انکی بشریت کی طرف اشارہ کرنے ہی کے لئے ہوسکتا تھا۔ اور اسکی ضرورت اُسی صورت میں ہوسکتی تھی جو علم الٰہی میں یہ بات ہوتی کہ لوگ اسے اس سے زیادہ حیثیت دے رہے ہیں یا آئندہ دینے والے ہیں۔ لہٰذا اس میں یہ بتایا گیا کہ گو بعض لوگ حضرت مریم کو فوق البشر کی حیثیت دیتے ہیں یا دیں گے لیکن درحقیقت یہ انکی تصوّراتی مریم ہوگی۔ ورنہ اصل مریم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اور

چونکہ حضرت مریمؑ کا ذکر آئندہ پیدا ہونے والے ایک مریمی صفت شخص کیلئے بطور پیشگوئی کے ہے اسلئے مقصود اس سے یہ بتانا بھی تھا کہ اس موعودؑ کے زمانہ کے لوگ اپنے تصوّراتی موعود کو فوق البشر کی حیثیت دے رہے ہونگے۔ مگر اصل موعود بشر ہی ہو گا۔ اسکی زیادہ وضاحت ''سورۃ الجن'' میں ہے۔جسکے لئے دیکھیں صفحات ۴۱۲ تا ۴۲۱ کتاب ھٰذا چنانچہ اگرچہ موعود ابن مریم حضرت مرزا صاحب عام انسانوں کی طرح کے ایک انسان تھے۔اس زمانہ کے لوگ جس ابن مریم کے منتظر تھے انہیں وہ انیس سو سال سے آسمان پر بغیر حوائج بشریہ پورے کئے زندہ مان کر فوق البشر کی حیثیت دے رہے ہیں۔

===============

تیسری پیشگوئی

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کی نسبت انکے والد کی طرف ہی نہیں کی گئی اس کا نام بھی لیا گیا ہے۔ اور مریمؑ کے کنواری ہونے اور اسی حالت میں حاملہ ہونے اور پھر بیٹا جننے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔تو چونکہ انکے والد کا نام بھی ان کے جد امجد کی طرح عمران تھا لہٰذا اس سے یہ اشارہ ہؤا کہ مریمؑ کے آباء کا سلسلہ انکے والد پر آکر اپنے ابتدائی نقطہ سے جا ملا تھا۔ یعنی اس کا دائرہ مکمل ہو گیا تھا۔ اور مریم سے ایک نیا سلسلہ شروع ہؤا تھا۔ اور یہ تمام ذکر چونکہ بطور پیشگوئی ہے اس میں دراصل یہ بتایا گیا کہ موعود مریم کے آنے پر بھی ایسا ہی ہو گا یعنی اسکے آباء کا سلسلہ(ایک اعتبار سے)منقطع ہو جائے گا اور اس سے ایک نئے سلسلہ کا آغاز ہو گا۔
چنانچہ موعود ابن مریمؑ کو خود بھی پہلے سے الہامًا کہا گیا کہ:-

یَنْقَطِعُ ا بَآئُکَ وَ یُبْدَءُ مِنْکَ

تیرے باپ دادوں کا ذکر منقطع ہو جائے گا اور تیرے بعد سلسلہ خاندان کا تجھ سے چلے گا۔

اور پھر عملاً بھی ایسا ہی ہؤا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح پہلے عمران الِ عمران کے پہلے نبی حضرت موسیٰؑ کے والد تھے اس طرح یہ آخری عمران اس سلسلہ کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ کے ایک رنگ میں باپ تھے۔ کیونکہ عیسیٰؑ کے سلسلہ آباء میں وہی آخری مرد تھے۔ اوراس طرح الِ عمران کے نبی پیدا کرنے والے مردوں کا دائرہ ان کے وجود پر مکمل ہوگیا تھا۔

چوتھی پیشگوئی

پھر حضرت مریمؑ کے متعلق کہا گیا ہے **اَلَّتِی اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَھَا** مریم وہ عورت تھی جس نے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی یعنی ناجائز طریق سے تو درکنار جائز طریق سے یعنی عقد نکاح کر کے بھی کسی ماسوا اللہ کو قریب نہیں آنے دیا اور اپنی کنوارگی کو محفوظ رکھا۔ اور یہ سارا ذکر چونکہ بطور پیشگوئی ہے لہٰذا چوتھی بات اس آیت میں یہ بتائی گئی کہ جس طرح حضرت مریمؑ کسی کے عقدِ نکاح میں نہیں آئیں مگر انھوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اسی طرح اسکے ذکر کے پیرایہ میں جس شخص کے آنے کی پیشگوئی کی جارہی ہے وہ بھی مجازی معنٰی میں کنوارا ہی رہے گا یعنی نہ کسی سے عقدِ بیعت استوار کرے گا نہ ویسے کسی ما سوا اللہ سے علوم **لَدُنّی** اور فیوض روحانی حاصل کرے گا لیکن اس کے باوجود شروع ہی سے صحیح العقیدہ مسلمان ہوگا اور کبھی بھی اپنے عقائد کو خیالات فاسدہ سے آلودہ نہیں ہونے دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔

================

پانچویں پیشگوئی

اَلَّتِیۡ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَھَا کے بعد فرماتا ہے **فَنَفَخۡنَا فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا** (اسنے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی) تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اسکے ایک معنٰی تو یہ ہیں کہ اسے اپنے کلام و الہام سے نوازا اور دوسرے معنٰی یہ ہیں کہ اسے **رُوۡحٌ مِنۡهُ** کے مصداق وجود عیسٰی نبی اللہ کا حمل ٹھہرا دیا۔ پس اس ذکر میں اشارہ کیا گیا کہ موعود ابن مریم کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ جس طرح حضرت مریم کو خدا تعالیٰ نے (نفخ روح کے ایک مفہوم کے مطابق) صاحب الہام بنایا اسی طرح موعود مریم حضرت مرزا صاحب کو بھی حالت مریمی ہی میں اپنے مکالمہ مخاطبہ سے نوازا۔ اور جس طرح حضرت مریم کو نفخ روح کے دوسرے مفہوم کے مطابق عیسٰیؑ کا حمل ٹھہرایا گیا اور پھر آپ سے عیسٰی نبی اللہ پیدا ہوُا اسی طرح کا معاملہ روحانی طور پر حضرت مرزا صاحب سے ہوُا۔ اور اس طرح آپ عیسٰی ابن مریم ٹھہرے۔

================

چھٹی پیشگوئی

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِن رُّوْحِنا کے بعد ہے وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ اور مریم نے اپنے رب کے کلمات اور اسکی کتابوں کو سچا کیا۔

كَلِمَاتِ رَبِّهَا سے وہ باتیں بھی مراد ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود مریم سے کہیں اور وہ بھی مراد ہیں جو دوسرے بزرگوں سے (جو صاحب کتاب تھے یا نہیں تھے) کہیں اور کتبہٖ سے آسمانی صحیفے مراد ہیں۔اور یہ سارا ذکر چونکہ بطور پیشگوئی ہے نہ کہ بطور قصہ اسلئے اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ موعود مریم کے حق میں یہ باتیں بھی ظہور میں آئیں گی یعنی:۔

نمبر ۱ اس سے خدا تعالیٰ براہ راست کلام کرے گا اور اسے غیب کی خبروں سے نوازے گا۔

نمبر۲ اسکے بارہ میں دوسرے اولیاء اللہ کو بھی خبریں دے گا۔

نمبر۳ سابقہ الہامی صحیفوں میں بھی اس کے بارہ میں خبریں دی گئی ہیں اور وہ اپنے وجود سے ان سب خبروں کو سچا کرے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا:۔

موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو اس وقت جبکہ آپؑ ابھی حالت مریمی میں تھے سلسلہ الہام شروع ہوا۔ پھر آپؑ نبی بنائے گئے۔ اور آپؑ کو بذریعہ وحی بے شمار اخبارِ غیبیہ دی گئیں جو ایک ایک کر کے پوری ہوئیں اور ہوتی جا رہی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر اس کتاب میں دوسری جگہ پر کیا گیا ہے۔ آپؑ پر اترنے والی وحی قطعی اور یقینی تھی۔ جس کے بیشمار ثبوت ہیں اور آپؑ نے خود بھی فرمایا:۔

"میں شکی اور ظنّی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ میں اس پر ایسا ہی یقین رکھتا ہوں

جیسا کہ آفتاب اور مہتاب پر۔"

(تبلیغِ رسالت ہشتم صفحہ ۶۴۔۶۵)

جہاں تک دوسرے بزرگوں اور ولیوں کا تعلق ہے ان سب کے سردار تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپؐ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کے مصداق ہیں۔ اسلئے آپؐ نے موعود مریم یعنی حضرت مسیح ومہدی موعودؑ کے بارہ میں جو کچھ بھی فرمایا وہ سب بر بنائے وحی تھا۔ ان میں سے چند باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں حضورؐ نے فرمایا:-

نمبر ۱ اَلْمَهْدِیُّ مِنَّآ اَهْلِ الْبَیْت رجُلٌ من اُمَّتِی

(غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

اس حدیث میں آنحضورؐ نے مہدی کو اپنا اُمّتی اور اپنے اہل بیت میں سے قرار دیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے بارہ میں فرمایا **سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَیْتِ**۔

نمبر ۲ یُقِیْمُ النَّاسَ عَلٰی مِلَّتِی وَ شَرِیْعَتِی وَیَدْعُوْهُمْ اِلٰی کتاب اللّٰه عَزّ وَجَلَّ مَنْ اَطَاعَهٗ اَطَاعَنِی وَ مَنْ عَصَاهُ عَصَانِی

وہ لوگوں کو میرے دین اور میری شریعت پر قائم کرے گا اور انہیں اللہ عزّ وجل کی کتاب کی طرف بلائے گا۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی۔

نمبر ۳ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَبَایِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّهٗ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِی

جب تم مہدی کو دیکھو تو اسکی بیعت کرو خواہ گھٹنوں کے بل برف پر چلنا پڑے اسلئے کہ وہ خدا کا خلیفہ ہے جو خدا سے ہدایت یافتہ ہے۔

نمبر ۴ اَنَّ الْعِلْمَ بِکِتَابِ اللّٰه عَزّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِیِّهٖ لَیَنْبُتُ فِی مَهْدِیِّنَا کَمَا یَنْبُتُ الزَّرْعُ عَلٰی اَحْسَنِ نَبَاتِهٖ

(امام مہدی کا ظہور صفحہ ۳۳۹)

یعنی کتاب اللہ اور اسکے نبیؐ کی سنت کا علم ہمارے مہدی (کے دل) میں اس طرح اگتا چلا جائیگا جیسے خوبصورت کھیتی اگتی اور پنپتی ہے۔

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:-

”مجھے اس خدا کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔“ (سراج منیر صفحہ ۴۱)

پھر آپ نے قرآن دانی اور تفسیر نویسی میں ساری دنیا کو چیلنج دیا مگر کوئی مقابل پر ٹھہر نہ سکا۔ فرمایا:- ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

نمبر ۵ عصابَةٌ تَغزُوُ الهِندَ وَ هِیَ تَکُوْنُ مَعَ الْمَهْدِی اِسمُهُ اَحْمَد

(النجم الثاقب جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۴۱۔۴۲)

ایک جماعت ہندوستان میں جہاد کرے گی وہ مہدی کے ساتھ ہو گی اس کا نام احمد ہوگا۔

احمد نام جمالی شان کا مظہر ہے پس **اِسْمُهُ اَحْمَد** فرما کر حضورؐ نے وضاحت فرما دی کہ یہ جہاد تبلیغ کا جہاد ہو گا نہ کہ سیف کا۔

نمبر ۶ یَخْرُجُ الْمَهْدِیُّ مِنْ قَرْیَةٍ یُقَالُ لَهَا کَدِعَة

مہدی اس بستی سے خروج کریگا جسے کدعہ کہا جاتا ہے یا کہا جائیگا۔

(جواہر الاسرار قلمی از شیخ علی حمزہ بن علی تالیف ۸۴۰ ھ)

کدعة سے قادیان ہی مراد ہے۔ بات یہ ہے کہ اس بستی کا نام پہلے اسلام پور تھا اور چونکہ حضرت مرزا صاحب کے بعض اجداد کو شاہانِ مغلیہ نے قاضی کا عہدہ سونپا اسے اسلام پور قاضی کہا جانے لگا پھر صرف قاضی اس کا نام رہ گیا اور ضاد کا تلفظ چونکہ دواد سے بھی ادا کیا جاتا ہے اس لئے قاضی سے قادی بنا اور قادی سے قادیان ہوگیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے اسی حدیث کی بنا پر (جس میں یہ ذکر بھی ہے کہ مہدی موعود کے اصحاب کی تعداد اہل بدر کی تعداد

کے مطابق ۳۱۳ ہوگی جنکے نام ایک کتاب میں مندرج ہونگے) حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق فرمائی کیونکہ حضرت مرزا صاحبؑ کا خروج بھی **کَدِعَة** یعنی قادیان سے ہؤا اور آپ نے اپنی کتاب انجام آتھم میں اپنے مخلص ساتھیوں کے نام بھی لکھے ہیں اور وہ ۳۱۳ ہی ہیں۔(دیکھیں اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۷۰)

اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضورﷺ نے فرمایا۔ **یَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ وَّرَآءِ النَّهْرِ یُقَالُ لَهُ الْحَارِثُ حَرَّاثٌ** (مشکوٰۃ باب اول اشراط الساعۃ صفحہ ۴۷۱)۔ وراء کے معنی ورے کے بھی ہوتے ہیں اور پرے کے بھی ہوتے ہیں۔ پس مطلب حدیث کا یہ ہؤا کہ ایک مرد ایک دریا کے پرے کے اور ایک دریا کے ورے کے مقام، یعنی دو دریاؤں کے درمیان کے مقام سے ظاہر ہوگا اور زمیندار کہلائے گا۔ اور قادیان دو دریاؤں ستلج اور بیاس کے درمیان واقع ہے۔اور آپؑ کا تعلق زمیندار خاندان سے تھا۔

ایک اور روایت میں **کَدِعَة** کی بجائے **کَرعة** کا لفظ ہے اور جیسا کہ ہمنے اس کتاب کے صفحہ ۳۹۷ پر واضح کیا ہے یہ لفظ بھی قادیان پر مجازی معنوں میں پورے طور پر صادق آتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور روایت بھی قابل ذکر ہے۔ حضرت بابا گرونانک صاحبؒ سے انکے ایک مرید مردانے نے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی کبیر بھگت جیسا ہؤا ہے آپ نے فرمایا ''مردانیاں اک جٹیٹا ہوسی پر اساں تو پچھے چار سو برس توں بعد ہوسی۔'' پھر مردانے نے پوچھا کس جگہ ہوگا تو آپ نے فرمایا ''وٹالے دے پرگنے وچ ہوسی''۔ اور قادیان اسی تحصیل میں واقع ہے۔ یعنی بٹالہ کی تحصیل میں جسے پنجابی میں وٹالہ کہتے ہیں۔

نمبر ۷ آنحضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ'' **وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مریَمَ حَکَماً عَدلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَ یُفِیْضُ الْمَالَ حتّٰی لا یَقْبَلُهٗ اَحَدٌ۔**

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابنِ مریم نازل ہوگا۔ اس حال میں کہ وہ حکم عدل ہو گا صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ جزیہ موقوف کرے گا اور (حقائق

ومعارف کا)مال دیگا اور (اور دیتا چلا جائے گا) یہاں تک کہ کوئی اسے

لینے والانہیں ہو گا۔

یہ سب کی سب علامتیں حضرت مرزا صاحب میں بتمام وکمال پوری ہوئیں۔

نمبر ۸ آنحضورﷺ نے حضرت مہدی موعودؑ کے متعلق اور بھی کئی باتیں بیان فرمائیں مثلاً :-

نمبر۱: یہ کہ اسکا ظہورفلاں سنہ میں ہوگا۔(مختلف سن بتائے ہیں جو مختلف

اعتبار سے ہیں)۔

نمبر۲: یہ کہ اس کے وقت میں چاند اور سورج کو ایک ہی رمضان کی

معینہ تاریخوں میں گرہن لگے گااور یہ واقعہ دو بار ہوگا۔

نمبر۳: یہ کہ وہ فارسی اصل ہوگا۔

نمبر۴: یہ کہ وہ دو زرد چادروں میں ملبوس آئیگا۔علم تعبیر رویاکے

مطابق زرد چادر سے بیماری مراد ہوتی ہے۔ حضرت مہدی موعودؑ کو دو

امراض لاحق تھے۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہّ میں دوران سر کا مرض

اور دوسرا بدن کے اسفل حصہّ میں کثرت پیشاب کا مرض۔

نمبر ۵: آنحضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مہدی کا رنگ گندم گوں اور بال

سیدھے ہونگے (بخاری)۔

نمبر ۶: پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ دجال کوقتل کریگا یعنی فاسد مسیحی

عقائد کا رد کردیگا۔

یہ سب کی سب باتیں بھی آپؑ کے وجود میں پوری ہوئیں۔

اب ہم مہدی موعودؑ کے متعلق کچھ پیشگوئیاں بزرگان اُمّت کی بھی بیان کر دیتے ہیں

جن کا پورا ہونا اس بات کاقطعی ثبوت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے خبر پا کر ہی دی گئی تھیں۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا:-

نمبر ۱ وہ توام پیدا ہو گا اس سے پہلے ایک لڑکی پیدا ہوگی چنانچہ حضرت مرزا صاحبؑ

کی پیدائش بالکل اسی طرح ہوئی۔

نمبر ۲ وزراء مہدی سب عجمی ہوں گے ان میں سے کوئی عربی نہ ہوگا۔ انکے لئے

ایک حافظ قرآن ہو گا جو انکی جنس سے نہیں ہو گا کیونکہ اسنے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی ہوگی وہ اس کا خاص وزیر اور بہترین امین ہوگا۔ چنانچہ حضرت حکیم مولوی نورالدین کی ذات میں جو ان تمام خوبیوں کے حامل تھے یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اب تک حضرت مہدی موعود کے چار خلفاء ہو چکے ہیں جو سب کے سب عجمی ہیں۔

نمبر۳ جب مہدی آئے گا تو فقہا کے علاوہ کوئی اس کا کھلا دشمن نہیں ہوگا انکے الفاظ یہ ہیں۔ **اِذَا خَرَجَ هٰذَا الْاِمَامُ الْمَهْدِیُّ فَلَیْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً۔** (موعود اقوام عالم صفحہ۱۹۱ بحوالہ حجج الکرامۃ صفحہ۳۶۳)

نمبر۴ **وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ**

(تفسیر عرائس البیان صفحہ۳۶۴ مطبع مطبع نولکشور)

یعنی آخری زمانہ میں عیسیٰ کا نزول دوسرے بدن کے تعلق سے ہونا ضروری ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ''میں ایک عجیب بات خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور اسکے خبر دینے سے بتاتا ہوں...آنحضرت ﷺ کی رحلت سے ایک ہزار چند سال بعد ایک ایسا زمانہ آنا ہے جبکہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج کرکے حقیقت کعبہ سے متحد ہو جائیگی (کعبہ چونکہ **مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِناً** کا مصداق ہے مطلب یہ ہے کہ آنحضورؐ اپنی جمالی شان کی طرف لوٹینگے۔ ناقل)اور اسوقت حقیقت محمدی حقیقت احمدی کے نام سے موسوم ہوگی اوراحمدیت خدا تعالیٰ کی صفتِ احد کا مظہر ہوگی۔ (موعود اقوام عالم صفحہ ۱۳۵تا۱۳۷)

حضرت مولانا رومؒ آنے والے موعود کے متعلق فرماتے ہیں (مثنوی دفتر اول صفحہ ۸۶)

گفت پیغمبر کہ ہست از اُمّتم
کہ بوَد ہم گہر و ہم ہمّتم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ میری اُمّت سے ہوگا کیونکہ وہ میرا ہم گوہر اور ہم ہمّت ہوگا یعنی میرے جیسا اور میرا بروز ہوگا۔

==============

ساتویں پیشگوئی

اس زمانہ میں کلیسیا کی خدمت کے لئے زندگی وقف کرنے والی عورتیں شادی نہیں کیا کرتی تھیں اسلئے اس آیت میں جو حضرت مریمؑ کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ **اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** تو اسمیں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کررکھی تھی اور چونکہ یہ ذکر بطور پیشگوئی ہو رہا ہے اس میں یہ اشارہ تھا کہ موعود مریم کی زندگی بھی خدمت دین کے لئے وقف ہوگی۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی ذات میں پوری ہوئی۔ لیکن جائز اور ضروری تعلقات کو توڑ کر دین کی خدمت کے لئے وقت نکالنا کوئی بڑی خوبی نہیں۔ یہ تو رہبانیت کی ایک قسم ہے جسے اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ یہ تعلقات رکھتے ہوئے انسان ایسا بن جائے کہ گویا اسکا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اور چونکہ حضرت مرزا صاحب نے یہ جائز تعلقات بھی قائم کئے اور پھر دین کے لئے زندگی وقف بھی رکھی اسلئے اس سے آپؑ کی حضرت مریمؑ پر بلکہ حضرت مسیحؑ پر بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے بھی شادی نہیں کی۔ چنانچہ اولیاء اُمّت آپؑ کی اس فضیلت کے قائل تھے۔ **غایة المقصود** جلد ۲ صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے:-

افضلیت حضرت امام مهدی علیہ السلام بر حضرت مسیح علیہ اسلام
ثابت و واضح است

اس پیشگوئی کے موعود نے خود بھی فرمایا:-

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

===============

آٹھویں پیشگوئی

بظاہر یہاں **وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتَات** یا **وَكَانَ مِنَ الْقَانِتِيْن** کے الفاظ چاہیئے تھے مگر الفاظ **وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْن** کے ہیں۔ افسوس کہ مفسرین اسکے نحوی جواز کے پیچھے پڑے

ہیں مگر اسکی حکمت بیان نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ پہلی صورت ہوتی تو یہ الفاظ حضرت مریم سے اور دوسری صورت ہوتی تو ابن مریم سے خاص ہو جاتے اور قــانت کی بھی کوئی تخصیص نہ ہوتی لیکن **و کانت من القانتین** فرما کر جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت فرمانبردار مردوں میں شامل ہو گئی یہ اشارہ کیا گیا کہ وہ ان اعلیٰ درجہ کے فرمانبرداروں میں شامل ہوگئی جو صرف مرد ہؤا کرتے ہیں یعنی نبیوں میں۔ گویا یہ بتایا گیا کہ اسکا اپنے رب کے کلمات اور کتابوں کو سچا کرنا صرف اس معنٰی میں نہیں تھا جس میں ہر سچا مومن انکو سچا کرتا ہے بلکہ اس معنٰی میں تھا جس میں خواص بلکہ اخص یعنی نبی اسے سچا کرتے ہیں۔ لیکن سابقہ پیشگوئیوں کو سچا تو عیسٰیؑ نے کیا تھا اور نبیوں میں شامل بھی عیسٰیؑ ہی ہوا تھا لہٰذا یہاں جو ان باتوں کو مریمؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو اس میں کوئی خاص حکمت ہونی چاہیے۔

سو جاننا چاہیے کہ یہ سارا بیان چونکہ بطور پیشگوئی ہے اور ان باتوں کے حضرت مریمؑ کی طرف منسوب ہونے کا کوئی جواز بجز اسکے نہیں کہ عیسٰیؑ کا وجود مریمؑ ہی کے وجود کی PROJECTION تھا اور مریمؑ ہی نے اسکو جنم دیا تھا۔ اسلئے اس میں دراصل یہ بتایا گیا کہ جس شخص کے بارہ میں یہاں پیشگوئی کی جارہی ہے وہ خود ہی مریم ہو گا اور خود ہی ابن مریم یعنی ابتدائی حالت اس کی مریمی حالت ہو گی۔ پھر اس میں مجاز اور استعارہ کے رنگ میں عیسٰیؑ کی روح کا نفخ ہو گا اور پھر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اس سے عیسٰی پیدا ہوگا۔ یعنی نفخ روح کے بعد مدّت حمل پوری ہونے پر وہ حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کر جائے گا۔

اس موقع پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر **کَـانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْن** میں یہ بتانا مقصود تھا کہ اس طرح وہ نبیوں میں شامل ہو گئی تو **وَ کَـانَتْ مِنَ النَّبِیّیْن** ہی کیوں نہ فرما دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر **مِـنَ الـنَّبِیّیْـن** فرمایا جاتا تو اس سے یہ بات مفہوم نہ ہوتی کہ وہ کس قسم کے نبیوں میں شامل ہوئی۔ **من القانتین** فرمانے میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ وہ فرمانبردار (نبیوں) یعنی ایسے نبیوں میں شامل ہوئی جو اپنے سلسلوں کے تشریعی نبی کے تابع یعنی اُمتی ہوتے ہیں۔

حضرت مریمؑ کے متعلق **وکَـانَتْ مِنَ الْقَـانِتِینَ** فرما کر جو یہ پیشگوئی کی گئی کہ اس آیت کا موعود خود ہی مریم ہوگا۔ اور خود ہی ابن مریم۔ وہ بھی حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی ذات میں پوری ہوئی۔ کیونکہ ابتدائی حالت آپؑ کی مریمی تھی۔ اور الہامات میں بھی آپؑ کا یہی

نام رکھا گیا۔ اس حالت میں آپؑ کو مجاز اور استعارہ کے رنگ میں عیسٰی کا حمل ٹھہرایا گیا۔ اور پھر مدّت حمل (نودس ماہ) گزرنے پر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اس مریم نے عیسیٰ کو جنم دیا۔ یعنی آپؑ نے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کیا۔ اور ایسا کرکے ان فرمانبرداروں کے زمرہ میں شمولیت اختیار کی جو صرف مرد ہوا کرتے ہیں۔ یعنی زمرہ انبیاء میں۔ مگر جیسا کہ وَكَانَتْ مِنَ النَّبِيِّيْن کی بجائے وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِين فرمانے میں اشارہ تھا۔ ایسے انبیاء کے زمرہ میں جو اپنے سلسلہ کے صاحبِ شریعت نبی کے تابع ہوتے ہیں یعنی آپؑ نبی تو ہوئے مگر ایک لحاظ سے نبی اور ایک لحاظ سے اُمّتی۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم۔

آپ فرماتے ہیں کتاب براھینِ احمدیہ میں ''اوّل خدا نے میرا نام مریم رکھا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے اس مریم میں صدق کی روح پھونکنے کے بعد اس کا نام عیسٰی رکھ دیا۔ گویا مریمی حالت سے عیسیٰ پیدا ہوگیا۔ اور اس طرح میں خدا کے کلام میں ابنِ مریم کہلایا'' (اور یہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق ہوا جو) سورۃ تحریم میں خاص میرے لئے ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

''وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۷، صفحہ ۳۳۸)

آخر میں ایک اور نقطہ خاص بیان کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا سورۃ تحریم میں چار عورتوں کا ذکر ہے۔ دو بُری تھیں اور دو اچھی۔ ان دو بری عورتوں میں سے اِمرَاَتِ نوح زیادہ بری تھی۔ چنانچہ اس نے ابنِ نوح جیسے خراب بیٹے کو جنم دیا۔ گویا خود بھی خراب تھی اور خرابی کو آگے چلانے والی بھی تھی۔ اِمرَاَتِ لوط نسبتاً کم بری تھی۔ چنانچہ اسکے آگے کسی اور کو خراب کرنے کا ذکر نہیں آیا۔ اسی طرح نیک عورتوں میں سے اِمرَاَتِ فرعون کم نیک تھی۔ اور مریم بنت عمران زیادہ نیک تھی۔ چنانچہ ان میں سے پہلی نے آگے کوئی نیک پیدا نہیں کیا۔ جبکہ دوسری نے کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان مریم بنت عمران کی ہے آپؑ خود مومن تھے آپؑ سے نیک نسل آگے چلی اور آپؑ مومن گر بھی تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

''میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے
غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر

ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کرکے
اور خدا اور رسول سے سچی محبت رکھ کر میری پیروی کریگا وہ بھی
خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا۔'' (اربعین نمبر ا)

چنانچہ ہم نے دیکھا اور ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ حضورؑ کا یہ دعوٰی لفظ بلفظ درست تھا۔

مہدی موعودؑ سے متعلق سورۃ الصّف کی ابتدائی دس آیات میں مذکور اشارات کی وضاحت ہم اوپر کر چکے ہیں انکے بعد مندرجہ ذیل آیات آتی ہیں۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (۱۱) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ(۱۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں اس تجارت کی اطلاع دوں جو تمہیں درد ناک عذاب سے بچائے گی۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ(ایمان و جہاد)تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو(کہ اس میں کتنا فائدہ ہے تو کبھی اس سے گریز نہ کرو)۔

اس ساری سورۃ میں مخاطب صرف مومن ہیں۔ اگر درمیان میں روئے سخن کفار کی طرف بھی ہوجاتا تو اور بات تھی مگر جب مومن ہی مخاطب ہیں تو بظاہر ''**یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا**'' کے تکرار کی ضرورت نہیں تھی مگر یہ الفاظ اس پندرہ آیات کی مختصر سی سورۃ میں تین بار لائے گئے ہیں۔ جو بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی جگہ ان الفاظ کے مخاطبین کو متحد ہو کر قتال کرنے کی تحریض دلائی گئی ہے اور آخری جگہ حواریان عیسٰی کے طریق پر انصاراللہ بننے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی جگہ وہ لوگ مخاطب ہیں جو جلالی شان کے مظہر تھے اور جنکے لئے جہاد بالسیف رکھّا گیا تھا اور آخری جگہ وہ لوگ مخاطب ہیں جو جمالی شان کے مظہر بننے والے تھے اور جنکے لئے تبلیغ وتلقین کا جہاد رکھا گیا تھا یعنی پہلی جگہ اسلام کے ابتدائی دور

کے اور آخری جگہ آخری دور یعنی دورِ مسیح موعودؑ کے لوگ مخاطب ہیں کیونکہ جیسا کہ اوپر وضاحت آچکی ہے سورۃ الفتح کی آخری آیت میں اسی دور کو جمالی دور قرار دیا گیا ہے اور آنحضرتؐ نے بھی مسیح موعودؑ کے وقت ہی کے متعلق جہاد بالسَّیف کے رک جانے کی خبر دی ہے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہ سورۃ ۴ھ کی ہے اسلئے پہلے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مخاطب بہر حال ۴ھ کے مومن ہیں اور درمیانی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مخاطب مومنوں کو عذابِ الیم سے نجات پانے کا نسخہ بتایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے مخاطب خاص طور پر اس زمانہ کے مومن ہیں جس میں ان کے لئے عذابِ الیم کی صورت پیدا ہونے والی تھی اور یہ صورت جیسی وضاحت کیساتھ بغداد کی عبرتناک تباہی پر پیدا ہوئی اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ تباہی ۶۵۶ھ میں ہوئی اسلئے درمیانی زمانہ ۶۵۶ھ کا زمانہ ہوا اور ۴ھ سے ۶۵۶ھ تک ۶۵۲ سال ہوتے ہیں اسلئے آخری زمانہ جس کے مخاطب آخری یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مومن ہیں ۶۵۶+۶۵۲=۱۳۰۸ھ بمطابق ۱۸۹۰ء کا زمانہ ہوا اور ٹھیک یہی سال اس عیسٰی بن مریم کے دعوی مسیحیت کا سال ہے۔ جس کی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہونے والی آخری آیت میں خبر دی گئی۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

اس کے بعد ہم اس سورۃ کی آخری آیت کی طرف آتے ہیں جو یہ ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَاقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُاللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ (۱۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بنو جس طرح (جب) عیسٰی ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کون (لوگوں کو) اللہ کی طرف (لے جانے میں) میرا مدد گار (بنتا) ہے حواریوں نے (بلاتوّقف) کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ (عیسٰی پر) ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے کفر کیا (اور چونکہ ہم یہی چاہتے تھے کہ وہ ایمان لائیں)

اس لئے ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے انکے دشمنوں کے خلاف مدد
کی (دوسروں کی مدد نہیں کی) جسکے نتیجہ میں وہ غالب آ گئے۔

اس آیت میں کئی اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔

نمبر۱ باوجود اس کے کہ حضرت عیسٰیؑ کا ابنِ مریم ہونا اس سورۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے پھر عیسٰی ابنِ مریم کے الفاظ رکھے ہیں صرف عیسٰیؑ نہیں فرمایا اور اسطرح بتایا ہے کہ اس آیت میں عیسٰی ابنِ مریم کے ذکر سے جس آئندہ آنیوالے عیسٰی کا ذکر مقصود ہے وہ اس زمانہ میں کہ جس زمانہ کے مومن اس جگہ مخاطب ہیں یعنی ۱۳۰۸ھ میں مقامِ مریمی سے مقام عیسوی کی طرف انتقال کر چکا ہوگا چنانچہ عین اس سنہ میں موعود عیسٰیؑ نے دعویٰ مسیحیت کیا۔

نمبر۲ حضرت عیسٰیؑ کی دعوت کو خدا تعالیٰ نے من انصاری اِلی اللہ (کون لوگوں کو اللہ کی طرف لے جانے میں میرا مددگار ہوتا ہے) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے کون لوگوں کا مددگار ہوتا ہے نہیں فرمایا اور اسطرح اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے سپرد وہ کام تھا جو وہ خود ہی کر سکتے تھے دوسرے خواہ وہ حواریوں جیسے بلند مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں اس کام میں (اسکے پیغام کی اشاعت کر کے) صرف مددگار ہو سکتے تھے۔ اور وہ کام جو مِنْ دُوْنِ الْمومنین صرف نبی اللہ ہی کر سکتا ہے بندوں کو خدا تعالیٰ کی طرف راغب کرنے اور اس سے ملانے کا کام ہوتا ہے۔ کیونکہ خداتعالیٰ وراء الوراء ہستی ہے **لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَھُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارَ** آنکھیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں وہی آنکھوں تک پہنچتا ہے۔ اور آنکھوں تک پہنچنے کے لئے اس کا طریق یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی نبی بھیجتا ہے اور اسکے واسطہ سے اپنے قرب کی راہیں کھولتا ہے۔ پس اس آیت میں اس نے بتایا کہ حضرت عیسٰیؑ بندوں کا خدا تعالیٰ سے رشتہ استوار کرنے اور انہیں اس سے ملانے آئے تھے اور چونکہ اس سارے ذکر سے مقصود آئندہ آنے والے عیسٰی کے لئے پیشگوئی ہے اس لئے اس میں یہ بتایا گیا کہ موعود عیسٰیؑ بھی اسی غرض سے آئے گا اور اپنے وقت میں یہ کام صرف وہ ہی کر سکے گا دوسرے اسکے پیغام کی اشاعت میں اسکے مددگار تو ہو سکیں گے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے خواہ وہ حواریوں کے ہم مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا موعود عیسٰی نے ظاہر ہو کر فرمایا ''وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا میں

اور اسکی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں‘‘(لیکچر لاہور صفحہ ۴۷) پھر فرمایا’’خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا کہ تا میں حلم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہِ راست پر چلاؤں۔انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے دلائل اسکو ملیں جنکی رو سے اس کو یقین آجائے کہ خدا ہے‘‘(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۔۱۴)

نمبر۳ اس آیت میں صرف یہ نہیں کہا گیا کہ عیسیٰ ابنِ مریم نے آ کر **مَنْ اَنْصَارِی اِلَی اللّٰہ** کہا بلکہ اس سے پہلے **لِلْحَوَارِیّٖنَ** فرمایا ہے۔ حواری کے ایک معنی دھوبی یعنی کپڑوں کو پاک صاف کرنے والے کے ہیں(مفردات راغب) اور چونکہ تقویٰ بھی ایک لباس ہے **کِنایةً** اس سے تقویٰ کو خالص کر کے اپنے آپ کو پاک کرنے والے بھی مراد ہوتے ہیں۔ پھر اسکے معنٰی برگزیدہ احباب کے بھی ہیں(غریب القرآن) اسی طرح مددگار اور مرید بھی اسکے معنٰی ہیں (**فرائدالدُّریه**) پس خاص طور پر یہ فرما کر کہ انہوں نے حواریوں سے یہ بات کہی اشارہ کیا گیا کہ اس وقت سے پہلے ہی حضرت عیسٰیؑ کو ایسا بزرگی کا مقام حاصل تھا کہ کچھ برگزیدہ لوگ انہیں اپنے سے بزرگ تر جان کر اپنی مرضی سے انکے حواری یعنی عقیدت مند، مخلص محبّ، مددگار اور مرید بن چکے تھے لیکن مقام عیسویت پانے کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو ایک خاص طور سے مددگار ہونے کو کہا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنی دعوت کو اپنے ان ’’حواریوں‘‘ تک محدود نہیں رکھا جیسا کہ ان کے **مَنْ اَنْصَارِی اِلَی اللّٰہِ مِنْکُمْ** نہ فرمانے یعنی ’**مِنْکُمْ**‘ کی قید نہ لگانے سے ظاہر ہے۔ اور چونکہ اس ذکر سے آئندہ آنیوالے نبی کی پیشگوئی مقصود ہے اس میں یہ بتایا گیا کہ اسکے آنے پر بھی ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چند لوگ جن کے نام آگے آتے ہیں آپؑ کے دعویٰ سے پہلے ہی آپؑ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو چکے تھے لیکن جب آپؑ نے لوگوں کو نصرت کے لئے بلایا تو اپنی دعوت کو ان تک محدود نہیں رکھا۔

نمبر۴ اس آیت میں حواری کا لفظ دہرایا گیا ہے حالانکہ قرآن کریم کے عام طریق کے مطابق کہ وہ ضمائر کا استعمال کثرت سے فرماتا ہے دوسری جگہ بظاہر ضمیر لائی جانی چاہیے تھی۔اسکی بجائے حواری کا لفظ دوبارہ لا کر بتایا کہ اس دعوت پر انکے حواریوں میں سے جو دراصل

حواری تھے انہوں نے تو انکی آواز پر لبیک کہا جو کچےّ تھے وہ گر گئے۔ لیکن اگر حواریوں میں سے انکا ساتھ دینے والے تھوڑے ہوتے تو **قَالَ بعضھم** فرمایا جاتا۔ **قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ** فرما کر بتایا کہ ان میں سے اکثر نے حضرت عیسٰیؑ کی آواز پر لبیک کہی تھی پیچھے رہ جانے والے تھوڑے سے تھے۔ چونکہ اس ذکر کے پیرایہ میں موعود عیسٰیؑ کے بارہ میں پیشگوئی کی جارہی ہے اس میں اشارہ تھا کہ اسکے وقت میں بھی ایسا ہی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوُا دعویٰ سے پہلے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ، حضرت شیخ محمد حسن صاحب مراد آبادیؓ، حکیم فضل الدین صاحب بھیرویؓ، حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ، حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ، حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ، حضرت منشی اڑوڑے خان صاحبؓ ، حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ ، حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ، میر عباس علی صاحب، منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ اور منشی عبدالحق صاحب اکاؤنٹنٹ وغیرہ آپکے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ آپؑ کے دعوٰی مسیحیت پر ان میں سے اکثر نے حضور کے دعویٰ پر لبیک کہا مگر جن تین کے نام آخر میں لکھے گئے ہیں انہوں نے ٹھوکر بھی کھائی۔ اور اس طرح ماننے والوں کا بھی ایک گروہ ہوُا اور ٹھوکر کھانے والوں کا بھی ایک گروہ ہوُا لیکن حسب پیشگوئی ماننے والے بہت زیادہ ہوئے۔

نمبر ۵ حواریوں کے قول **نَحْنُ اَنْصَارُاللّٰهِ** کے بعد ہے **فَاٰمَنَتْ طَّائِفَةٌ مِنْ بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّائِفَةٌ**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی دعوت کے نتیجہ میں ان کے حواری ان کے پیغام کی تبلیغ میں لگ گئے تھے جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے اور کچھ کفر کے مرتکب ہوئے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صرف اپنے پیغام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے مدد مانگی تھی اور انکا جہاد تبلیغ کا جہاد تھا تلوار کا نہیں تھا کیونکہ اسی صورت میں یہ ہوسکتا تھا کہ کچھ لوگ اپنی مرضی سے ایمان لے آتے اور کچھ اپنی مرضی سے کفر کی راہ اختیار کرتے پس اس ذکر کے ذریعہ بتایا گیا کہ آئندہ آنے والا عیسٰی بھی لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرے گا تبلیغ تک اپنی کوششوں کو محدود رکھے گا۔ تاہم اپنے پیغام کی اشاعت کے لئے لوگوں کو نصرت کی دعوت دے گا اور اسکی اپنی اور ان لوگوں کی جو اس دعوت کو قبول کرینگے مساعی کے نتیجہ میں مثیلانِ بنی اسرائیل یعنی اس زمانہ کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اپنی مرضی سے اس پر ایمان لے آئیں گے اور کچھ کفر کے مرتکب ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی

ہوُا۔ تاہم خدا تعالیٰ کا عیسیٰ کے ماننے والوں اور انکا کفر کرنیوالوں دونوں کے لئے جملہ فعلیہ استعمال کرنا جو حدوث کے معنے دیتا ہے جملہ اسمیہ جو دوام کے معنے دیتا ہے استعمال نہ کرنا یعنی یہ فرمانا کہ وہ ایمان لائے یا انہوں نے کفر کیا مگر انکو مومن یا کافر قرار نہ دینا بتاتا ہے کہ وہ صاحبِ شریعت نبی نہیں تھے اور چونکہ انکے ذکر سے مقصود آنیوالے عیسیٰ کی پیشگوئی ہے اسلئے اسمیں یہ بتایا گیا کہ آئندہ آنیوالا عیسیٰ بھی صاحبِ شریعت نہیں ہوگا۔ مسلمانوں میں سے اسے نہ ماننے والوں کے بارہ میں یہ تو کہا جائے گا کہ انہوں نے کفر کیا مگر انکو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ موعود عیسیٰ نے آکر صاف صاف لکھا کہ میں نبی ہوں مگر صاحبِ شریعت نہیں بلکہ ایک پہلو سے نبی ہوں اور ایک پہلو سے اُمتی۔ نیز فرمایا:- ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہوسکتا۔ ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا۔''

(مرزا غلام احمد بحوالہ تریاق القلوب)

نمبر۶ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کی دعوت پر ایمان لے آنیوالوں اور کفر کرنیوالوں دونوں کیلئے طائفہ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی زندگیوں میں ان کی تبلیغ کا دائرہ محدود رہا تھا اتنا وسیع نہیں ہوُا تھا کہ ان سب لوگوں پر جن کی طرف وہ بھیجے گئے اتمام حجت ہو سکے اسلئے ایما ن لانے والے بھی ایک طائفہ کے حکم میں یعنی تھوڑے ہی لوگ تھے اور با قیوں میں سے (جو بہر حا ل ایک بڑی تعداد میں تھے) مرتکب کفر کہلانے کے لائق بھی تھو ڑ ے ہی لوگ تھے کیو نکہ بہت زیادہ لوگوں پر اتمام حجت نہیں ہوسکا تھا۔ اور آیت کے الفاظ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ بتاتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ اور انکے ابتدائی ساتھیوں کی زندگیوں میں تو بہت زیادہ لوگ ایمان نہیں لائے مگر انکے بعد انکے ذریعہ ایمان لانیوالوں کی خدا تعالیٰ نے مدد کی (دوسرے بنی اسرائیل کی مدد نہیں کی) اسلئے وہ اپنے دشمنوں پر غا لب آ گئے یعنی انکی کوششیں بارآور ہوئیں اور دشمن انکے مقا بلہ پر مید ا ن چھو ڑ گئے اور انکے عہد میں لوگ بکثرت ایما ن لے آئے اور اسطرح اشا رہ کیا کہ آئندہ آ نیو الے عیسیٰ کے آنے پر ان سب باتوں کا اعا دہ ہو گا۔ چنانچہ جب وہ عیسیٰؑ آیا تو اس کے ابتدائی حواریوں یعنی مخلص ساتھیوں میں سے اکثر کی زندگیوں میں اس کے ماننے والوں کی تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہوئی لیکن جب انکا زما نہ ختم ہوُا تو ان لوگوں کی تبلیغ کے نتیجہ

میں جو ان حواریوں کے ذریعہ ایمان لائے تھے آپؑ کے ماننے والوں کی تعداد میں یکلخت حیرت انگیز اضافہ شروع ہو گیا اور ان کے مقابلہ میں تو دشمنان اسلام ہر جگہ اور ہر موقع پر شکست پر شکست کھانے لگے لیکن دوسرے مسلمانوں کو نہ خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوئی نہ دشمنوں پر غلبہ ملا بلکہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں دن بدن ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔تاہم جیسا کہ مسیحؑ کے وقت ہؤا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کیا کہ انکے ماننے والوں کو بغیر کچھ کئے غلبہ دے دے بلکہ انکی کوششوں میں برکت ڈالی اور اسطرح دکھا دیا کہ مسلمانوں کا یہ خیال کہ عیسیٰؑ مسیح آکر ان کے سب دشمنوں کو ہلاک کر دیگا اور انکو بیٹھے بٹھائے غلبہ مل جائیگا درست نہیں تھا۔

آخر میں جاننا چاہیے کہ جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا باوجود اس کے کہ یہ ایک مختصر سی سورۃ ہے اور ساری سورۃ میں مومن ہی مخاطب ہیں اس میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ تین جگہ لائے گئے ہیں اور اسطرح اشارہ کیا گیا ہے کہ اس میں اسلام کے تین زمانوں یعنی اسکے ابتدائی زمانہ۔ درمیانی زمانہ۔ اور آخری زمانہ کے (جس کی ابتداء ۱۳۰۸ھ سے ہونا مقدر تھی) مومن مخاطب ہیں اور آخری جگہ مومنوں کو حواریان عیسیٰؑ کے طریق میں انصار اللہ بننے کا حکم فرما کر بتایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں ایک عیسیٰؑ کا ظہور ہو گا اور مومنوں کو چاہیے کہ اس کے انصار بن جائیں کیونکہ اسکی نصرت گویا خدا تعالیٰ کی نصرت ہوگی۔اس پر مزید یہ کہ ایک طرح سے اس عیسیٰؑ کا نام بھی بتا دیا گیا ہے۔ اور وہ اسطرح کہ قرآن کریم کا یہ طریق ہے اور سارے قرآن میں اس کا التزام ہے کہ وہ آخر سورۃ میں شروع سورۃ کے مضمون کی طرف ضرور عود کرتا ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں یہ بتایا گیا تھا کہ جس طرح ایک احمد رسول اس وقت (یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں) موجود ہے اسی طرح ایک احمد رسول آخری زمانہ میں بھی آئیگا۔ پس اس سورۃ کی اس آخری آیت میں اس زمانہ میں ایک عیسیٰؑ کے آنے کی خبر دے کر بتایا کہ موعود احمد ہی عیسیٰؑ ہو گا یعنی موعود عیسیٰؑ کا نام احمد ہو گا اور چونکہ یہ اشارہ بھی اس سورۃ کے شروع میں کیا گیا ہے کہ وہ احمد احمدِ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو گا اسلئے دوسرے لفظوں میں یہ بتایا کہ وہ عیسیٰؑ غلام احمد ہو گا۔ اور عجیب بات ہے کہ وہ عیسیٰؑ معناً ہی غلام احمد نہیں ہؤا بلکہ حکمت الٰہی نے اسکے والدین سے بھی اسکا نام غلام احمد رکھوایا۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

===============

سورۃ الجمعہ میں ذکر المہدیؑ

سورۃ الصّف کے بعد سورۃ الجمعہ آتی ہے اس کے شروع میں ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۲) هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْاعَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَوَاِنْ كَانُوْامِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳)

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بادشاہ، پاک ،غالب ،حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے اُمّیوں میں انہی میں سے سے ایک رسول کھڑا کیا ہے جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور انہیں پاک کرتا اور انہیں یہ عظیم کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔

سورۃ الصّف کے آخر میں مومنوں کو انصاراللہ بننے کو کہا گیا تھا اس پر مشرک کہہ سکتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کو بندوں کی مدد کی ضرورت ہوسکتی ہے تو ہمارے معبودوں کی بدرجہ اَولیٰ ہوگی اس لئے اس سے ہمارے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے اور اگر ایسا نہیں اور اس کے شریک ٹھہرا کر ہم بغاوت کے مرتکب ہورہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے بادشاہ تو اپنی بادشاہت میں کسی باغی کا وجود برداشت نہیں کرتے خداتعالیٰ ہمارا وجود برداشت کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ ان کا آنحضرت ﷺ کے (جوقیام توحید کے لئے آئے تھے) خلاف خفیہ مشورے کرنا اور پھر اپنے دلوں میں یہ کہنا کہ **لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ** (المجادلۃ ۹:۵۸) ایسے ہی خیالات کی بنا پر تھا۔ پس اس سورۃ کے شروع میں آیت **يُسَبِّحُ لِلّٰهِ** ... الخ لا کر خداتعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا اور بتایا کہ بیشک خداتعالیٰ کی بادشاہت جیسی آسمانوں پر ہے اس وقت زمین پر ویسی تسلیم نہیں کی جارہی اور اس کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اس کے ماسوا کو خدائی کا درجہ دے کر اس کے شریک ٹھہرایا جارہا ہے لیکن اگر کوئی دیکھے تو جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین میں ہے وہ

بھی بزبان حال اللہ کا ہر قسم کی کمزوری اور شرک سے پاک ہونا ثابت کر رہا ہے۔ رہا یہ کہ وہ اپنی بادشاہت میں باغیوں کا وجود کیوں برداشت کئے ہوئے ہے اور وہ کیوں سب سے اپنا واحد بادشاہ ہونا منوا نہیں لیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسا ملک یعنی بادشاہ ہے جو قدوس بھی ہے اور ایسا عزیز یعنی غالب ہے جو حکیم بھی ہے۔ مطلب یہ کہ دوسرے بادشاہ بغاوت کو اس لئے برداشت نہیں کرتے کہ ان کو اپنی بادشاہت کے ہاتھ سے نکل جانے اور پھر ذلیل بلکہ ہلاک تک کئے جانے کا ڈر ہوتا ہے جو ایک کمزوری اور عیب ہے مگر خداتعالیٰ میں کوئی کمزوری اور عیب نہیں اس لئے اسے ایسا ڈر نہیں ہوسکتا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ اس کی حکومت کو فی الحقیقت کوئی دوسرا چھین ہی نہیں سکتا رہا اس کا تسلیم نہ کیا جانا تو اس کی فکر بھی اسی کو ہوتی ہے جسے اس کی احتیاج ہو جو ایک نقص ہے مگر خداتعالیٰ اس سے پاک ہے وہ **غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْن** ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنی بادشاہت کبھی منواتا ہی نہیں۔ منواتا ہے۔ مگر حکمت کے ساتھ کیونکہ وہ ایسا عزیز ہے جو حکیم بھی ہے۔

یہ باتیں چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی جارہی تھیں جو مدعی رسالت تھے اس لئے اسی میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپؐ کا بھیجا جانا ہی وہ حکیمانہ اقدام ہے جو اس مقصد کے حصول کے لئے اس کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اس لئے کفّار کی طرف سے یہ سوال ہوسکتا تھا کہ کیا خدائے حکیم اپنی بادشاہت اور اپنا غلبہ منوانے کے لئے اُمّیوں کے اندر کسی اُمّی کو رسول بنا کر بھیج سکتا ہے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ کیا اسی نے محمد ﷺ کو بھیجا ہے؟ نمبر۲: یہ کہ اگر مذکورہ صفات اربعہ سے **مُتّصف** خدا ہی نے آپؐ کو بھیجا ہے تو آپؐ کی رسالت کا کیا ثبوت ہے۔ اور نمبر۳: یہ کہ سورۃ الصّف کی آیت **ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ** کے مطابق آپؐ کی بعثت کا تعلق تو تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنے یعنی ساری دنیا سے خداتعالیٰ کی بادشاہت منوانے سے ہے کیا یہ مقصد آپؐ کی زندگی میں حاصل ہوسکے گا اور اگر نہیں تو پھر کب اور کیسے حاصل ہوگا۔ اگلی آیت **ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ**......الخ میں ان میں سے پہلے دو سوالوں کا اور اس سے اگلی آیت **وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ**... الخ میں تیسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

فرمایا وہ خدا ہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ان میں سے رسول بھیجا ہے اور اس کا

ثبوت کہ اسی نے اسے بھیجا ہے اس کے کام ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** ۔ یہ ان امّیوں پر خدا تعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے اور بادشاہ کے احکام بادشاہ کا رسول ہی لایا کرتا ہے۔ **وَيُزَكِّيْهِمْ** پھر یہ ان کو پاک کرتا ہے۔ جو صدیوں کے بگڑے ہوئے تھے اس کے ہاتھ سے پاک ہو رہے ہیں چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے آپؐ کو ہی مخاطب کر کے عرض کی ؎

اَحْيَيْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ
مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ

اور قُوّتِ قُدسیہ یعنی پاک کرنے کی طاقت اُسی میں ہوسکتی ہے جو خدائے قُدّوس کا بھیجا ہؤا ہو۔ **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** ۔ پھر یہ ان کو الکتاب کی یعنی ان قوانین و احکام کی تعلیم دیتا ہے جن پر عمل پیرا ہوکر یہ سب اہل ادیان پر غالب آسکتے ہیں اور یہ کام وہی کرسکتا ہے جسے خدائے عزیز نے بھیجا ہو اور اسے اس کی تائید حاصل ہو۔ **وَالْحِكْمَةَ** پھر یہ حکمت کی باتیں سکھاتا ہے ہر حکم جو دیتا ہے مبنی برحکمت ہر تعلیم جو دیتا ہے حکمت سے پُر۔ جو اسی صورت میں ممکن ہے جو اسے خدائے حکیم نے بھیجا ہو ؎

اُمّیِ و درعلم و حکمت بے نظیر
زیں چہ باشد حجّتے روشن ترے

مطلب یہ کہ اُمّی ہوکر یہ سب کام کرنا تو اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ اسے تعلیم دیتا ہے یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ رہا یہ کہ اسے اُمّیوں کی طرف کیوں بھیجا گیا تو یہ بھی کوئی جائے اعتراض نہیں کیونکہ معلّم کی ضرورت اُمّیوں کو ہی ہوتی ہے اور اس کے معلّم برحق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے بیشک کھلی کھلی گمراہی میں (جو جہالت کا خاصہ ہے) پڑے ہوئے تھے لیکن اس رسول سے تعلیم پا کر ان کی حالت بدل چکی ہے اور اب یہ وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ چنانچہ وہی اُمّی ایک دنیا کے معلّم بنے۔

==============

مسلمانوں کے لئے حصول غلبہ کا واحد طریق

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے جو کام بیان ہوئے ہیں وہ علے الترتیب خداتعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات اربعہ الملک۔ القدوس۔ العزیز اور الحکیم کے بالمقابل بیان ہوئے ہیں اور چونکہ 'القدوس' کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے اس لئے اس کے بالمقابل ''وَيُزَكِّيهِمْ'' کو بھی دوسرے نمبر پر جگہ دی گئی ہے اور چونکہ **يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ** کا **الْمَلِك** کے **يُزَكِّيهِمْ** کا **الْقُدُّوس** کے اور **يُعَلِّمُهُمُ.... الْحِكْمَةَ** کا الحکیم کے بالمقابل آنا ہر شبہ سے بالا ہے۔ اس لئے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ** کے الفاظ ''العزیز'' کے بالمقابل آئے ہیں۔ پس **يُزَكِّيهِمْ** کو دوسرے نمبر پر رکھ کر جس سے **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ** کے الفاظ **العزیز** کے بالمقابل آگئے ہیں۔ اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے حصول غلبہ کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور قرآن کا علم صرف حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور چونکہ آپؐ کے لئے دو بعث مقدّر کئے گئے ہیں (جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے)۔ یعنی ایک حقیقی اور دوسرا بروزی۔ اس لئے علم قرآن آپؐ کے پہلے زمانہ بعث میں آپؐ سے براہ راست اور دوسرے زمانہ بعث میں آپؐ کے بروز کی وساطت سے حاصل ہوسکتا ہے اور بنابراں جس طرح آپؐ کے پہلے بعث میں آپؐ سے قرآن سیکھنا ضروری ہے آپؐ کے دوسرے بعث میں اس شخص سے قرآن سیکھنا ضروری ہوگا جس کے وجود میں آپؐ کا وہ بعث ہونے والا ہے۔

اس کے بعد تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:-

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ(۴)

لفظ **اٰخَرِيْنَ** کا عطف اُمّیّن پر بھی ہوسکتا ہے اور **يُعَلِّمُهُمْ** کی ضمیر منصوب پر بھی (بیضاوی)۔ پہلی صورت میں دو باتیں بتائیں۔ نمبر۱: یہ کہ اللہ ہی نے اُمّیوں میں ان میں سے رسول مبعوث کیا ہے جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور آخرین میں بھی (اس رسول کو) مبعوث کرے گا۔ نمبر۲: یہ کہ اللہ ہی نے اُمّیوں میں ان میں سے ایک رسول مبعوث کیا ہے جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے ..... اور ان کے آخرین میں

بھی ان میں سے ایک رسول مبعوث کرے گا اَیْ **هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّنَ رَسُولاً مِنَ الْاُمِّیّیْن وَبَعَثَ فِی آخَرِیْنَ رُسُلاً مِنْ آخَرِیْن. فَکُلُّ اُمّةٍ لَهَا رَسُوْلٌ مِّنْ نَفُسِهَا وَهٰوُلَاءِ الرُّسُلُ هُمْ رُسُلُ الْاِسْلَامِ فِی الْاُمَمِ مِثْلَ اَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ هُمْ رُسُلُ التَّوْرَاةِ فِی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ.** (کتاب فی حروف اوائل السوُّر مولفۃ موسٰی جاراللہ ص ۱۳۳)

ان میں سے پہلی صورت میں یہ بتایا کہ آنحضرتؐ کا ایک بعث آئندہ بھی ہونے والا ہے اور دوسری صورت میں یہ بتایا کہ آئندہ آنے والا رسول انہی لوگوں میں سے ہوگا جن کی طرف وہ مبعوث ہوگا۔ اور اس طرح بالکل کھول دیا کہ جو لوگ صحابہ کرامؓ سے نہیں ملے مگر آئندہ ملنے والے ہیں۔ ان سے جسمانی طور پر ان سے ملنے والے یعنی تابعین مراد نہیں ہوسکتے کہ ان میں حضورؐ کا دوسرا بعث نہیں ہؤا بلکہ روحانی طور پر ان سے ملنے والے مراد ہیں۔ چنانچہ امت کے ۷۳ فرقوں میں سے واحد ناجی فرقہ (انہی آخرین) کے متعلق آنحضورؐ نے فرمایا **مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ** یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جس چیز پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں وہ بھی اس پر قائم ہوں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میری زندگی ہی میں آئندہ اسلام لاکر میری صحبت اختیار کرنے والے مراد ہیں اور پھر **مَاعَلَیْهِ اَصْحَابِیْ** بھی نہیں فرمایا بلکہ **مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ** فرمایا اور اس طرح بتایا کہ مراد ان لوگوں سے ہے جن میں پہلے آپؐ کا کوئی بروز ظاہر ہوگا اور پھر اس سے فیض پانے والے صحابہؓ کے ہم رنگ ہوں گے۔ چنانچہ اگلی آیت **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** اس مفہوم پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے۔ **عَظِیْم** کا لفظ عرب اگر کسی چیز کے متعلق استعمال کریں تو اس سے اس نوع کی سب سے اعلیٰ چیز جس سے بڑھ کر متصور نہ ہوسکے مراد ہوتی ہے اور کسی نبی کے لئے بروزِ محمد رسول اللہ ﷺ ہونے سے اور اس کے متبعین کے لئے بروز صحابہ کرامؓ ہونے سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہوسکتا۔ پس یہ آیت حضرت مہدی موعودؑ اور آپؑ کے صحابہؓ دونوں کے نہایت بلند مقام پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سورۃ الجمعہ کے نزول کے وقت ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے۔ جب آپؐ اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے **وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ** پر پہنچے تو ایک شخص نے عرض کی **یَا رَسُوْلَ اللّٰه مَنْ هٰوٗلَاءِ الَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْابِنَا** یہ لوگ جو ابھی ہم میں شامل نہیں ہوئے (لیکن آئندہ ہونے والے ہیں) کون ہیں۔

آپؐ خاموش رہے پھر سوال کیا گیا پھر خاموش رہے۔ تیسری بار سوال کیا گیا تو آپؐ نے جواب دیا۔ (پہلے دوبار جواب کیوں نہیں دیا؟ بات یہ ہے کہ آپؐ آیت **مَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی** کے مصداق تھے۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہنا چاہتے تھے۔ خداتعالیٰ کی طرف جواب کے لئے متوجہ تھے۔ جب اس نے راہنمائی فرمادی تو آپؐ نے بھی جواب دے دیا۔ زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کروایا صرف دوبار کے سوال کا وقفہ ہؤا۔ اس سے آپؐ کے مقام قرب کا بھی کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے جو جواب دیا وہی بتاتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھا کیونکہ وہ عظیم الشان غیب کی باتوں پر مشتمل تھا اور پھر پورا بھی ہؤا۔) بہرحال تیسری بار سوال کیا گیا تو آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ کی (جو اس وقت پاس بیٹھے تھے) پشت پر رکھا اور فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا پر بھی چلاگیا تو ان (فارسی الاصل) لوگوں میں سے ایک شخص (یا اشخاص) اسے پالیں گے (یعنی پاکر واپس لے آئیں گے ورنہ صرف ان کے اسے پالینے سے اُمّت کو کیا حاصل)۔

اب دیکھئے بظاہر سوال گندم جواب چنا والی صورت نظر آتی ہے۔ پوچھا کچھ گیا تھا جواب آپؐ نے کچھ دیا۔ مگر ایسا نہیں آپؐ تو سب حکیموں سے بڑے حکیم ہیں۔ بات یہ تھی کہ اگرچہ سائل نے صرف ایک بات پوچھی مگر اس آیت پر کئی سوال پیدا ہوتے تھے۔ خداتعالیٰ نے آپؐ کی زبان حکمت ترجمان سے سب کا جواب دلوا دیا۔ اس آیت پر مندرجہ ذیل اہم سوال پیدا ہوتے تھے۔

نمبر۱ یہ کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دوبارہ مبعوث ہوں گے۔

نمبر۲ یہ کہ اگر آپؐ نہیں تو پھر کون مبعوث ہوگا

نمبر۳ یہ کہ وہ کس غرض سے اور کب آئے گا

نمبر۴ یہ کہ اسے کس حد تک کامیابی حاصل ہوگی اور

نمبر۵ یہ کہ وہ اکیلا ہی اپنا کام کرے گا یا اسے بھی مددگاروں کی ضرورت ہوگی۔

آپؐ نے جو کچھ اس شخص کو فرمایا اس میں ان سب باتوں کا جواب آجاتا ہے۔

یہ الفاظ فرما کر حضورؐ نے پانچ باتیں بتائیں۔

نمبر۱ یہ کہ آخرین میں آپؐ خود نہیں کوئی اور مبعوث ہوگا۔

نمبر۲ یہ کہ وہ مبعوث ہونے والا فارسی الاصل ہوگا مگر اسکا آنا آپؐ ہی کا آنا ہوگا۔

نمبر۳ یہ کہ وہ اس وقت آئے گا جب ایمان زمین پر سے اٹھ چکا ہوگا یعنی اس وقت جب حدیث لَایَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَایَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ (مشکوٰۃ کتاب العلم) کے مطابق قرآن کریم کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے عمل نہیں رہے گا۔

نمبر۴ یہ کہ آنے والا اسے دوبارہ زمین پر لائے گا۔اور

نمبر۵ یہ کہ اس کے ساتھ اس کی اولاد بھی اس کی مہمات میں شریک ہوگی۔

یہ پیشگوئی لفظاً بلفظاً پوری ہوئی ہے۔ اُمّتِ محمدیہ کے آخرین میں حضرت نبی کریم ﷺ خود مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپؐ کا ایک بروز مبعوث ہوا۔ وہ ابنائے فارس میں سے تھا۔ وہ ایسے وقت میں آیا جب قرآن پر سے عمل بالکل اُٹھ چکا تھا اور عملاً قرآن ثریا پر جاچکا تھا۔ وہ اسے دوبارہ زمین پر لانے میں کامیاب ہوا۔ اور اس کے ساتھ اس کی اولاد میں سے بھی کئی ایک اس کام میں اس کے شریک ہوئے ۔ چنانچہ تین کو تو خلافت کا منصب جلیل بھی عطا ہو چکا ہے۔

==============

مہدی موعودؑ کے کام

اس کے بعد سورۃ الجمعہ کی زیرنظر آیات کے بارہ میں ایک سوال باقی رہ جاتا تھا اور وہ یہ کہ حضرت اقدس محمدرسول اللہ ﷺ کے کام تو بیان ہوگئے آئندہ آنے والا رسول آکر کیا کام کرے گا۔ اس سوال کا جواب دینے کو اس آیت کے الفاظ ایسے رکھے کہ آخرین کا عطف جس طرح اُمّیّٖن پر ہوسکتا ہے اُسی طرح وَیُعَلِّمُھُمُ کی ضمیر ھُمُ پر بھی ہوسکتا ہے اور اس طرح بتایا کہ رسول موعود کے بھی وہی چار کام ہوں گے جو آنحضور ﷺ کے ہیں۔ یعنی اسے بھی خداتعالیٰ کی طرف سے براہ راست آیات یعنی نشان دیئے جائیں گے۔ جن کا وہ اعلان کرے گا۔ اسے بھی دلوں کو پاک کرنے کی قوّت بخشی جائے گی۔ جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گناہوں اور وساوس سے پاک کرے گا اور شک وشبہات کی تاریکیوں سے نکالے گا۔ وہ بھی لوگوں کو الکتاب یعنی قرآن اور قرآن کے وہ اصول جن پر عمل پیرا ہوکر وہ سر بلند ہوسکتے ہیں سکھائے گا اور حکمت کی باتیں تعلیم کرے گا۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی۔ اسے اس کے سر بستہ رازوں کا علم

دیا جائے گا اس کی حکمتوں پر آگاہی بخشی جائے گی اور یہ خزانے وہ آگے تقسیم کرے گا۔ اور جیسا کہ **ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا** سے یعنی **ھُوَ الَّذِیْ** کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا خداتعالیٰ خود گواہ ہے یعنی سابقہ الہامی کتب کی پیشگوئیاں اور تازہ بتازہ تائیدات سماوی اور خداتعالیٰ کی فعلی شہادت آپؐ کے حق میں ہیں اور آپؐ کو سچا ثابت کررہی ہیں اسی معیار پر رسولِ موعود کی صداقت کو پرکھا جاسکے گا۔

عجیب بات ہے کہ **اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** کے اعداد بحساب جُمل (**لَمَّا** کی مَشدَّ دُ مٗ کو دو بار شمار کرتے ہوئے پورے ۱۳۰۹ ہیں۔ اور جیسا کہ اوپر کے صفحات میں سورۃ الصّف کے حوالہ سے لکھا جاچکا ہے ۱۳۰۸ھ میں عیسیٰؑ ابن مریم کے ظہور کی خبر دی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس کا نام احمد ہوگا۔ پس اس آیت میں وہی زمانہ آنحضرتؐ کے دوسرے ظہور کا زمانہ بتا کر (جو حضوؐر کے اپنے ارشاد کے مطابق ایک فارسی الاصل شخص کے وجود میں ہونے والا تھا) نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثتِ ثانیہ اور عیسیٰؑ کا دوبارہ ظہور ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ **فسبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔**

رہا ۱۳۰۸ اور ۱۳۰۹ کا فرق تو یہ کوئی فرق نہیں کیونکہ اگرچہ اس پیشگوئی کے موعود کو اپنے مسیح موعود ہونے کی خبر ۱۳۰۸ھ میں دی گئی۔ مگر اس کا اعلان آپؑ نے اپنے رسالہ فتح اسلام میں کیا جو اس سال کے آخر میں چھپا اور ۱۳۰۹ھ تک لوگ اس سے پوری طرح متعارف ہوئے۔ پس یہ ایک ہی چیز کو دو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا فرق ہے نفس الامر میں کوئی فرق نہیں۔

الغرض اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے نہایت وضاحت سے بتایا کہ بیشک اس واسطے کہ اسکی بادشاہت جیسی آسمانوں پر ہے ویسی زمین پر بھی تسلیم کی جانے لگے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ اس غرض سے کہ دین حق کو تمام دنیا پر غلبہ حاصل ہو اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے لیکن اس نے مقدّر یہ بھی کیا ہے کہ یہ کام دو دوروں میں ہو۔ یعنی اس کا اتنا حصہ جو ابتداء میں ہونا ضروری ہے آپ کے اپنے ہاتھ سے ہو جائے اور باقی آخر میں آنیوالے آپؐ کے اس اُمتی اور بروز کے ذریعہ ہو جو آپؐ کی محبت اور اطاعت میں ایسا فنا ہو کہ اس کا آنا آپؐ ہی کا آنا ہو۔ یعنی تکمیل دین اور دین کا اتنا غلبہ کہ جس سے اسکی جڑیں مضبوطی سے قائم ہو جائیں آپؐ کے پہلے بعث کے دور میں ہو جائے۔ اور تکمیل اشاعت دین اور دین کا عالمگیر غلبہ آپؐ کے

دوسرے بعث کے دور میں ہو کیونکہ حکمت کا تقاضیٰ یہی ہے کہ آخری غلبہ عالمگیر غلبہ ہو۔ اور جب تک **اصلها ثَابِتٌ** والی بات نہ ہو جائے **فرُعها فی السَّمَآء** والی بات جس کا سورۃ ابراھیم ۱۴: ۲۵ میں ذکر ہے ممکن نہیں ۔

===============

مہدیؑ کو نہ ماننے والے علماء کی مثال گدھے کی ہوگی جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہو

آیت **ذٰلِکَ فضل اللّٰه....** کے بعد یہ آیت آتی ہے ۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰۃَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ (۶)

ان لوگوں کی مثال جن پر(عمل یا) التوراۃ کی ذمّہ داری ڈالی گئی پھر انہوں نے اسے نبھایا نہیں اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔ بہت ہی بری ہے حالت ان لوگوں کی جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

یہود کو تورات دی گئی تھی مگر اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اسے صرف ہاتھوں میں اٹھائے پھریں یا اونچے طاقوں کی زینت بنائیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس پر عمل کریں۔ لیکن انہوں نے اسے صرف ظاہر میں اٹھائے پھرنا کافی سمجھ لیا۔

اوپر کی آیت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے اور آئندہ بروزی رنگ میں دوبارہ مبعوث کئے جانے کا ذکر تھا اسکے بعد یہ آیت لا کر بتایا کہ جس طرح اوپر کی آیت میں (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر) آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے اسی طرح تورات میں بھی حضرت موسیٰؑ کے بعد نبیوں کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی ۔ بالخصوص سلسلہ موسویہ کے آخر میں ایک مسیح کے آنے کی اور اسکے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے کی مگر یہود نے مسیحؑ کو مانا نہ حضرتِ اقدس محمدرسول اللہ ﷺ کو مانا۔ جس کی وجہ سے انکی مثال گدھے کی

سی ہو گئی جو بعض دفعہ کتابیں تو اٹھائے پھرتا ہے مگر ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ پس اے مسلمانوں اگر تم نے بھی قرآنی پیشگوئیوں کے باوجود آئندہ آنیوالے نبی کو نہ مانا تو تمہاری مثال بھی گدھے جیسی ہوگی۔ چونکہ اوّل نمبر پر حامل کتاب علماء ہی ہؤا کرتے ہیں اسلئے اس آیت میں بتایا کہ آنیوالے نبی یعنی مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کو نہ ماننے والے مسلمان اور بالخصوص انکے علماء خدا تعالیٰ کے نزدیک حمار شمار ہونگے۔ اور اسکی نشانی یہ ہوگی کہ چونکہ وہ ایک مرسل من اللہ کا انکار کر کے ظلم کے یعنی وَضْعُ الشَّیْءِ عَلٰی غَیْرِ مَحَلِّهٖ کے مصداق بنیں گے اسلئے خدا انہیں اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔ یہ پیشگوئی اتنی وضاحت اور اتنی شان سے پوری ہوئی ہے کہ اندھا بھی اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے مخالف علماء میں سے کوئی ایک بھی نہیں جو صاحبِ کشف والہام ہو یا مستجاب الدعوات ہو بلکہ وہ تو وحی والہام کا دروازہ ہی کھلا نہیں مانتے۔ جو اس نعمت سے کلیۃً مایوس ہو جانے کی کھلی کھلی دلیل ہے۔ جبکہ آپؑ کے ماننے والوں میں ابتدا سے تاایں دم لاکھوں مستجاب الدعوات اور صاحبِ کشف والہام ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

===============

مہدی موعودؑ کی طرف سے علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا جائیگا اور وہ اس سے راہ فرار اختیار کرینگے

مندرجہ بالا آیت کے بعد ہے:-

قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ (۸،۷)

کہہ اے لوگو جو یہودی بنے ہو اگر تم زعم رکھتے ہو کہ لوگوں میں سے بس تمہی اللہ کے دوست ہو تو اس موت کی (جو مومن اور کافر میں فرق کر دیتی ہے) تمنّا کرو۔ اگر تم سچے ہو (تو تم ضرور ایسا ہی کرو گے)۔ لیکن (یاد رکھو) وہ اس کی کبھی تمنّا نہیں کریں گے بوجہ ان بدعملیوں کے جن کا

ارتکاب وہ کر چکے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہودی نبیوں کے انکار پر دلیری اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ انہیں خداتعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ **نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ** ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں اس لئے دوسرے لوگوں پر ہمارا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے خدا کی نافرمانی کریں تو بیشک سزا پائیں گے مگر ہم سے اس کا معاملہ دوستوں والا ہوگا۔ اس لئے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان کے اس خیالِ باطل کا رد فرمایا اور ایسا کرکے نبی موعود یعنی مہدی موعود علیہ السلام کے وقت کے علماء اور پیروں فقیروں کو سمجھایا کہ اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تم قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے نبی کو نہ مانو پھر بھی تم پر گرفت نہیں ہوگی تو اس کا فیصلہ اس آیت میں مذکور طریق پر کرلو۔ اس آیت کو قل کے لفظ سے شروع کیا گیا ہے یعنی آنحضورﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ یہودی بننے والوں کو یہ چیلنج دیں۔ عمومی رنگ میں تو چیلنج اس آیت کے ذریعہ ہوگیا لیکن خصوصیت کے ساتھ حضور کا مسیحیوں کے ایک وفد کو مباہلہ کا چیلنج دینا تو ثابت ہے مگر یہودیوں کو چیلنج دینا ثابت نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں آئندہ کے لئے پیشگوئی تھی۔ یعنی جب شروع سورۃ میں آنحضورؐ کے ایک بعث کا ذکر کیا گیا تو اس کے بعد اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اس بعث کے زمانہ میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو یہودی تو نہیں مگر یہودیوں والے کام کرنے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اُمّتِ محمدیہ کے وہ افراد مراد ہیں جن کے بارہ میں آنحضورﷺ کی زبان سے یہ پیشگوئی کروائی گئی کہ وہ بالکل یہود کے نقش قدم پر چلیں گے۔ پس قل کے لفظ سے اس آیت کو شروع کرکے یہ بتایا گیا کہ وہی زمانہ آپؐ کی بعثتِ ثانیہ کا زمانہ ہوگا اور جس شخص کے وجود میں آپؐ کا دوسرا بعث ہوگا آپؐ کا وہ بروز اس حکم کی تعمیل میں ان مسلمانوں کو یعنی ان کے علماء کو جو یہودی تو نہیں مگر یہودیوں جیسے بن چکے ہوں گے یہ چیلنج دے گا۔ مگر ان میں سے کم ہی کوئی مقابلہ پر آئے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یوں تو موت کی تمنا کرنا ایک ناپسندیدہ امر ہے اور حضرت نبی کریمﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور قرآن نے بھی **لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ** (البقرہ۲:۱۹۶) فرمایا ہے مگر یہاں اس کی آرزو کرنے کو کہا گیا ہے اس لئے یہاں **اَلْمَوْت** کا ال تخصیص کے لئے ہے اور مراد اس سے وہ موت ہے جو حق وباطل میں اور جھوٹے اور سچے میں تمیز

کردے خواہ مباہلہ ہو کہ فریقین مدِّ مقابل ہو کر دعا کریں یا ایک فریق اپنی جگہ یہ دعا کرے کہ خدایا اگر میں تیرے ولیوں میں سے نہیں اور تو جانتا ہے کہ میں درحقیقت گندے لوگوں میں سے ہوں تو تُو مجھے اس دنیا سے اُٹھا لے تا دنیا کسی دھوکہ میں پڑنے سے بچ جائے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے مخالف مسلمان علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا مگر کم ہی کوئی مقابلہ پر آیا اور اگر کسی نے بظاہر یہ چیلنج قبول بھی کیا تو ایسی شرائط لگا دیں کہ عملاً مباہلہ کا موقع نہ آئے۔ اس پر آپؑ نے یکطرفہ طور پر اپنے حق میں یہ دعا مانگی کہ

اے قدیر و خالقِ ارض وسما   اے رحیم و مہربان ورہنما!
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر   اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُرفسق و شر   گر تو دیداستی کہ ہستم بد گہر
پارا پارا کُن من بدکار را   شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
بردل شان ابر رحمت ہاببار   ہرمراد شاں بفضلِ خود برار
آتش افشاں بردرو دیوار من!   دشمنم باش وتبہ کن کارِمن
ور مرا از بند گانت یافتی   قبلۂِ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدہ   کز جہاں آں راز راپوشیدہ
بامن از روئے محبت کارکن   اند کے افشائے آں اسرارکُن!

’’یعنی اے قادر اور آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! اے رحیم مہربان اور رستہ دکھانے والے! اے وہ جو کہ دلوں پر نظر رکھتا ہے! اے وہ کہ تجھ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارتوں سے بھرا ہوُا دیکھتا ہے اور اگر تو نے دیکھ لیا ہے کہ میں بدگہر ہوں تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے دشمنوں کے گروہ کو خوش کردے ان کے دلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر میرے درودیوار پر آگ برسا میرا دشمن ہوجا۔ اور میرا کاروبار تباہ کردے۔ لیکن اگر تو نے مجھے اپنے بندوں میں شمار کیا ہے اور اپنی بارگاہ کو میرا قبلہ مقصود بنایا ہے اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے کہ دنیا سے تو نے اس راز کو چھپایا ہے تو محبت کی رو سے مجھ سے پیش آ اور ان اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کردے۔‘‘

آیت زیر نظر میں ''اے یہود'' کی بجائے اے لوگو جو یہودی ہوئے کے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ یہ اسی لئے ہے کہ اس آیت کا اطلاق مسیح موعودؑ کا انکار کر کے عملاً یہودی بن جانے والے مسلمانوں پر بھی ہو سکے۔

شاید کوئی کہے کہ اس آیت میں تو لَايَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا کے الفاظ ہیں اور حضرت مرزا صاحب کے مقابل پر آکر تو بعض لوگوں نے مَوت کی دعا کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ البقرہ میں جہاں عام موت کا ذکر ہے وہاں وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا کے الفاظ ہیں کیونکہ اس کی تمنّا انہوں نے کبھی نہیں کرنی تھی یہاں حرف لَنْ کی جگہ لا اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں استثنا ہو سکتی تھی۔

اگلی آیت میں یہ فرمانے کے بعد کہ تمہارا مباہلہ سے فرار دراصل موت سے فرار ہے لیکن تم موت سے بیشک بھاگو موت تمہیں بہرحال آلے گی۔ پھر تمہیں غیب اور حاضر کے جاننے والے خدا کے حضور حاضر کیا جائے گا جو تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو یعنی یہ بتائے گا کہ نبی وقت کی مخالفت کر کے جو تم سمجھتے تھے کہ بڑا کارِثواب کر رہے ہو۔ وہ کار ثواب تھا یا کارِ عذاب۔ فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن ''الصلوٰۃ'' کے لئے پکارا جائے تو ذکر اللہ کی طرف جلدی بڑھو اور بیع کو چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو (کہ کتنا بہتر ہے تو یقیناً ایسا ہی کرو)۔

لفظ صلوٰۃ سے صرف مسلمانوں کی معروف نماز ہی مراد نہیں بلکہ یہ لفظ ہر قسم کی عبادت پر شامل ہے چنانچہ آیت قُلْ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں صلوٰتِي کے بالمقابل مَحْيَايَ کا لفظ رکھ کر بتایا ہے کہ آنحضورﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ ہر سکون اور ہر حرکت ایک طرح کی نماز ہی تھی۔ اس آیت میں بھی اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلَيه نہیں فرمایا بلکہ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ فرمایا ہے اور اس

طرح بتا دیا ہے کہ اس وقت کی سب سے بڑی صلوٰۃ خدا کا ذکر بلند کرنا ہوگی اور اُسی کی طرف وہ موعود بلائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔ مزید دیکھیں زیرِ آیت ۱۱

اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ آئندہ بھی ایک رسول آنے والا ہے جس طرح یہود نے تورات میں مندرج پیشگوئیوں کے باوجود حضرت موسیٰؑ کے بعد آنے والے موعود رسولوں یعنی حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور ایسے گدھے کی مثل ہوگئے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں (نہ انہیں سمجھتا ہو نہ ان پر عمل کرتا ہو) تم موعود رسول کو (جو مثیل مسیح بھی ہوگا اور بروز محمد رسول اللہ ﷺ بھی) جھٹلا نہ بیٹھنا۔ اس کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کیا کہ نبی موعود کا وقت ایک یوم الجمعہ ہوگا۔ جس طرح جمعہ کے روز سارے شہر کے لوگ خدائے واحد کی عبادت کے لئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ وہ وقت ساری دنیا کے لوگوں کو دین واحد پر جمع کرنے کا وقت ہوگا۔ پس وہ نبی آ کر خدا کا نام بلند کرنے کے لئے جن دینی خدمات کی دعوت دے انکی طرف دوڑو۔ وَذَرُوا الْبَيْعَ اور بیع کو چھوڑ دو۔ اس کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ تجارتیں وغیرہ دنیا کے کاروبار اس کی آواز پر لبیک کہنے میں حائل نہ ہوں اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ نفع نقصان کے خیال سے بالا تر ہوکر صرف اس خیال سے کہ وہ خدا کا ذکر بلند کرنے کے لئے بلاتا ہے اس کی طرف دوڑو اور دیر نہ کرو۔

وَذَرُوا الْبَيْعَ کو فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کے بعد رکھا ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ جو کاروبار تمہیں خدا اور رسول کی باتوں سے روکے اسے ترک کردو اور قال اللہ اور قال الرسول کو مقدّم رکھو۔ یہ معنے بھی اس کے ہوسکتے ہیں کہ رسول کے مقابلہ پر اور سب بیعتیں توڑ دو۔ حضرت حافظؒ نے خوب کہا ہے:-

چوں عہد تو در بستم عہد ہماں بشکستم
بعد از تو روا باشد نقضِ ہماں پیماں ہا

صرف یہ ہے کہ انہوں نے ''روا باشد'' کہا ہے جبکہ اس آیت کی رو سے یہ فرض ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اس سورۃ کے شروع میں آنحضرت ﷺ کی دو بعثتوں کا ذکر تھا جس سے ظاہر ہے کہ لوگوں کے علےٰ دینِ واحد جمع کرنے کے لئے خداتعالیٰ کے مدِّنظر جو پروگرام تھا اس کے دو مرحلے تھے۔ پہلے مرحلہ میں جس کا تعلق آپؐ کی بعثتِ اُولیٰ سے ہے تکمیل دین ہوئی

اور اس کام کی بنیاد رکھ دی گئی لیکن تکمیلِ اشاعتِ دین کے لئے یعنی تمام متفرق دین رکھنے والوں کو ایک دینِ برحق پر جمع کرنے کے لئے دوسرا مرحلہ جس کا تعلق آپؐ کی بعثتِ ثانیہ سے ہے مقدر تھا چنانچہ آنحضرتﷺ جو جمعہ کے دن دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور ان دو کے درمیان بیٹھ جایا کرتے تھے تو اس سے کم از کم ایک غرض اسی اہم امر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ یہ کام دو مرحلوں میں ہونے والا ہے اور ان میں سے پہلے مرحلہ کے بعد آپؐ کچھ وقت کے لئے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوجائیں گے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۱)

اور جب الصلوٰۃ ادا ہوچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل چاہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

یہاں اِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فرمایا ہے اذا قضیتم الصلوٰۃ نہیں فرمایا یعنی یہ فرمایا ہے کہ جب صلوٰۃ ادا ہوجائے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم اسے ادا کرچکو۔ پس اس میں سمجھایا کہ ذکر اس کام کا ہو رہا ہے جو خصوصیت کے ساتھ خدا کے فضل سے سرانجام پائے گا تم اپنی طاقت سے وہ کام نہیں کرسکو گے۔ دراصل جیسا کہ اوپر لکھا گیا لفظ صلوٰۃ سے صرف نماز مراد نہیں ہوتی بلکہ ہر عبادت مراد ہوتی ہے۔ اور نبی کے وقت کی سب سے بڑی عبادت ذکر اللہ کا بلند کرنا ہوا کرتی ہے۔ جبھی حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود کو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں'' (تذکرہ صفحہ ۱۸۲) اور آپؑ نے اپنے متبعین سے فرمایا ''وَاِنَّ اَنْفَسَ الْقُرُبَاتِ اِعْلَاءُ كَلِمَةِ الْاِسْلَامِ وَهٰذَا وَقْتُهٗ فَلَا تُضَيِّعُوْا وَقْتَكُمْ وَقُوْمُوْا كَالْخَادِمِيْنَ'' یعنی سب الٰہی عملوں سے جو خداتعالیٰ کی قربت کے لئے کئے جاتے ہیں کلمہ اسلام کی بلندی چاہنا زیادہ ثواب کا موجب ہے پس اپنے وقتوں کو ضائع نہ کرو اور خادموں کی طرح اٹھ کھڑے ہو (روح العرفان صفحہ ۲۰۷ بحوالہ نور الحق حصہ اوّل) اور جس طرح حضرت مسیح نے آکر یہ کہا کہ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اسی طرح مسیح موعودؑ نے بھی آکر یہی کہنا تھا کہ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اس لئے اس آیت میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ جب نبی موعود آجائے اور اس کی زبانی تمہیں یہ بتایا جائے کہ اس وقت کی سب سے بڑی عبادت (الصلوٰۃ) کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کرنا ہے

یعنی ذکر اللہ کے بلند کرنے کے لئے تمہیں کیا طریق اختیار کرنا چاہیے تو اس سے ہدایت پا کر تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل چاہو۔ یعنی قریہ قریہ پھرو اور اس کے بتائے ہوئے طریق پر لوگوں کو حق کی طرف بلاؤ اور کوشش کرو کہ اللہ اپنے فضل سے اسلام کو غلبہ عطا کردے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ مطلب یہ کہ تمہاری کامیابی دعاؤں سے ہوگی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی بتایا گیا کہ ”جو کچھ ہوگا دعا سے ہوگا“۔ یہی الفاظ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا جہاد بالسیف کے تعلق میں بھی آئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے تبلیغ کا جہاد بالخصوص مراد ہے۔ آیت زیرِ نظر کے بعد ہے:-

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (۱۲)

اور جب انہوں نے تجارت یا لھو (کی کوئی بات) دیکھی تو متفرق ہوکر اس کی طرف اُٹھ بھاگے اور تجھے (کھڑے کا) کا کھڑا چھوڑ گئے (یعنی یقیناً ایسا کریں گے۔ انہیں) کہہ جو اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اس آیت کو وَاِذَا رَاَوْا سے شروع کیا گیا ہے اور اس کی ترکیب ظاہر کررہی ہے کہ جن لوگوں کا اس میں ذکر ہے ان کے متعلق پہلے کوئی بات کہی گئی ہے یا کہی جارہی ہے اور اس آیت میں اسے مکمل کیا گیا ہے لیکن کلام ماسبق میں ایسا کوئی جملہ نظر نہیں آتا جس کے ساتھ اس آیت کے الفاظ کا تسلسل قائم ہوسکے۔ گویا ایک طرف اس آیت کو حرفِ عطف سے شروع کیا گیا ہے اور دوسری طرف ماقبل میں ایسا کوئی جملہ نہیں جس پر اس کا عطف پڑسکے۔ اسی میں اس آیت کے حل کی کنجی ہے۔

بات یہ ہے کہ جس شخص سے گفتگو ہورہی ہو کبھی اس کے جملہ کے ساتھ بھی جملہ ملادیا جاتا ہے اور یہاں بھی یہی صورت اختیار کی گئی ہے جب اُوپر یہ کہا گیا کہ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو اس پر حضرت نبی

کریم ﷺ کے دل میں یہ خیال آنا ایک طبعی بات تھی کہ گو **فَاسْعَوْا** کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ ظاہراً دوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آؤ لیکن منافق جو **حَیُّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ** کے مصداق ہیں ضرور یہی کریں گے کہ اگر آپؐ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمانا ہوا تو اپنا اخلاص جتانے کے لئے دوڑ کر آئیں گے اور چونکہ خداتعالیٰ کے لئے انسان کے دل کا خیال ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ اس نے منہ سے بات کہہ دی اس لئے اس نے آپؐ کے دل کی اس آواز کے ساتھ اپنا یہ جملہ ملادیا کہ **وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً** اور اس طرح اظہار پیار کرنے اور اس بات کا تازہ ثبوت دینے کے علاوہ کہ وہ دل کے خیالات تک کو جانتا ہے یہ بھی بتادیا کہ اے رسول تیرا ڈر بجا ہے یہ واقعی ایسا کریں گے ’’اور (ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ) جب انہوں نے اچانک تجارۃ یا لہو (کی کوئی بات) دیکھی ہے تو اس کی طرف متفرق ہوکر دوڑ پڑے ہیں (یعنی ایک دوسرے کی بھی پرواہ نہیں کی) اور تجھے (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ گئے ہیں‘‘۔ مطلب یہ کہ یہ ضرور ایسا کریں گے۔ اس صورت میں ’’وٗ‘‘ حالانکہ کے معنیٰ میں بھی لی جاسکتی ہے۔ اور اس بات کا نہایت قوی قرینہ کہ ذکر منافقوں ہی کا ہے یہ ہے کہ اگلی سورۃ کو شروع ہی ان کے ذکر سے کیا گیا ہے اور یہ کہنے کی بجائے کہ منافق ایسا کہتے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ اے رسول منافق جب تیرے پاس آتے ہیں تو ایسا کہتے ہیں پس آیت زیر تفسیر دراصل پہلی آیات اور اگلی سورۃ کے درمیان ایک جملہ معترضہ یا برزخ کے طور پر ہے لیکن ایسا جملہ معترضہ جس نے اِس سورۃ کا اُس سورۃ سے ربط قائم کردیا ہے۔ اوپر مومنوں کو کہا گیا تھا کہ یوم الجمعہ میں یعنی دینِ واحد پر اجتماع کے وقت جب تمہیں تمہارے فرائضِ منصبی کی طرف بلایا جائے تو تم ذکر اللہ (یعنی نبی وقت) کی طرف دوڑو اور بیع کا خیال چھوڑ دو۔ چونکہ پہلے اس آنے والے کی بعثت کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت قرار دیا گیا تھا اور اس وقت آپؐ کے صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ آپؐ پر جان دیتے اور آپؐ کے ہر حکم کو دل وجان سے عزیز جانتے تھے اس لئے جب خاص طور پر **وَذَرُوا الْبَیْعَ** کہا گیا تو آنحضرت ﷺ کے دل میں اس سوال کا پیدا ہونا طبعی بات تھی کہ کیا اس وقت میری اُمّت کی یہ حالت ہوجائے گی کہ بیع جیسی حقیر چیز انکی توجہ کو اس شخص سے ہٹالے گی جس کا آنا میرا آنا ہوگا۔ اسلئے یہاں مومنوں کی بجائے آپؐ کو مخاطب کرکے فرمایا **وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا** (اس وقت تیری اُمّت کی حالت یہ ہوجائے گی کہ) اگر وہ تجارت بلکہ لہو (کی کوئی بات)

بھی دیکھیں گے تو اس کی طرف دوڑ پڑیں گے اور (تیرا بروز کیا) اگر تو خود بھی اس موقع پر موجود ہو تو تجھے کھڑے کا کھڑا چھوڑ جائیں گے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ کہ وہ تجھے نہیں پہچانیں گے۔ چنانچہ آجکل کے مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔

وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ: آخر میں یہ الفاظ رکھنا بتاتا ہے کہ پہلے جن دو باتوں کا ذکر ہؤا ہے وہ حصولِ رزق ہی کے ذرائع ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تجارۃ تو بیشک حصولِ رزق کا ذریعہ تھا مگر لہو نہیں تھا۔ ہاں آپؐ کی بعثتِ ثانیہ کے زمانہ یعنی ہمارے اس زمانہ میں ضرور یہ حصولِ رزق کا ذریعہ بننے والا تھا۔ پس یہ بھی ایک قرینہ ہے اس پر کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی بعثتِ ثانیہ کے زمانہ کے مومن کہلانے والوں کا حال بیان ہؤا ہے اور اس میں پیشگوئی ہے کہ اس زمانہ میں لوگ کھیل کود اور دیگر لہو کاموں سے بھی پیسے کمائیں گے۔ چنانچہ آجکل ایسا ہی ہورہا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پیشگوئی کا تعلق اسی زمانہ سے ہے۔

===============

اسلام کے عروج اسکے بعد زوال اور اسکے دوبارہ عروج کا پرحکمت تذکرہ، اور دوبارہ عروج سے مہدی موعودؑ کا تعلق

سورۃ الملک کے شروع میں ہے:-

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ (۲)

بڑی برکتوں والا ہے وہ (خدا) جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر (جو وہ کرنا چاہے) قادر ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے بعض جگہ **مَالِکُ الۡمُلۡکُ** بعض جگہ **لَہُ الۡمُلۡک** یا **لِلّٰہِ الۡمُلۡک** کے اور یہاں **بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ** کے الفاظ آئے ہیں۔ جہاں **مَالِکُ الۡمُلۡک** فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی **تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ وَ تَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ** (ال عمران ۳:۲۷) فرما کر واضح کردیا ہے کہ اس سے دنیوی بادشاہت مراد ہے۔ (جو بظاہر ہوتی ہی غیراللہ کے ہاتھ میں ہے)۔ اور جہاں **لَہُ الۡمُلۡک** (البقرہ۲۔۱۰۸) یا **لِلّٰہِ الۡمُلۡک** (ال عمران ۳:۱۹) فرمایا ہے وہاں آسمان اور زمین دونوں کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہاں اس

کائنات کے انتظام و انصرام کو بادشاہت کا نام دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بادشاہت اللہ کی ہے اور اس کا حق ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے۔ یعنی یہ الفاظ **لَهُ الْمُلْكُ** یا **لِلّٰهِ الْحَمْدُ** کی طرح کے ہیں۔ لیکن قرآن نے الانعام ۶:۷۴ میں **وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ** یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا بادشاہت اسکی ہوگی فرما کر اشارہ کردیا ہے کہ نفخ صور کا دن آنے سے قبل لوگ اس بادشاہت میں بھی **مَاسِوَى اللّٰه** کو شریک ٹھہراتے رہیں گے۔ لہٰذا یہاں جو **بِيَدِهِ الْمُلْكُ** فرمایا ہے تو اس سے وہ بادشاہت مراد ہے جو ان دونوں بادشاہتوں سے الگ ہے۔ جسے اللہ نے کلیتہً اپنے ہاتھ میں رکھا ہوًا ہے یعنی جسے وہ اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت ایسے وجودوں کے ذریعہ قائم کرتا ہے جو اس میں کلیتہً فنا ہونے کی وجہ سے اس کے غیر نہیں ہوتے۔ یعنی اس سے روحانی بادشاہت مراد ہے جو اللہ اپنے رسولوں کے ذریعہ قائم کرتا ہے اور جس میں کبھی ماسوااللہ کو شریک نہیں ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ سورۃ الحدید میں نبوّت کو خاص فضل الٰہی قرار دیتے ہوئے فرمایا **اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ** (الحدید ۵۷:۳۰) یہ عظیم فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے اس سے بہرہ ور کردیتا ہے۔ پس سورۃ الملک کی اس آیت میں یہی بتایا گیا کہ خداتعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک روحانی بادشاہت قائم کرنے والا ہے اور جو لوگ بحالتِ ایمان اس سے وابستہ ہو جائیں گے وہ بڑی بڑی برکتیں پائیں گے اور دوسرے ان سے محروم رہیں گے۔

چونکہ اس بادشاہت سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونیوالی کتاب قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق ایک پاک معاشرہ کا قیام تھا۔ لیکن جب بھی آسمانی کتاب کی بات ہو لوگوں کا ایک طبقہ کہہ دیا کرتا ہے کہ خداتعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ بندوں کے کاموں میں دخل دے (**مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ**۔ الانعام ۶:۹۲) اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب وتاب نازل نہیں کی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ (۳)

وہی ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا تمہیں آزمائے (اور ظاہر کرے) کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ (ایسا)

غالب (ہے جو) بخشنے والا (بھی) ہے۔

الَّذِیُ مبتداء محذوف اللہ یا **ھُوَ** کی خبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب خداتعالیٰ ہی نے تمہارے امتحان کے لئے موت وحیات کا عظیم سلسلہ قائم کیا ہے تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ تمہیں یہ بھی بتائے کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ پس یہی بتانے کو وہ پہلے بھی رسولوں کے ذریعہ اپنی کتب بھیجتا رہا ہے اور اب بھی اس نے قرآن بھیجا ہے۔

جب کتاب اور رسول کی ضرورت واضح کی تو اس پر کہا جاسکتا تھا کہ اگر اللہ کی طرف سے ہدایت نامہ اور رسول آنا تھا تو چونکہ اللہ انسان کی جملہ ضروریات اور حالات سے آگاہ ہے صرف ایک ہی رسول آنا اور ایک ہی مذہبی نظام قائم ہونا چاہیے تھا بار بار اور نئی نئی تعلیمات لے کر (جن میں درجات کا فرق بھی ہے) رسولوں کا آنا کیا معنی؟ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

اَلَّذِیُ خَلَقَ سَبُعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیُ خَلُقِ الرَّحُمٰنِ مِنُ تَفٰوُتٍ فَارُجِعِ الُبَصَرَ هَلُ تَرٰی مِنُ فُطُوُرٍ (۴) ثُمَّ ارُجِعِ البَصَرَ كَرَّتَيُنِ يَنُقَلِبُ اِلَيُكَ الُبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيُرٌ (۵)

وہی ہے جس نے سات آسمان درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے مطابق بنائے ہیں۔ تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی عدم تناسب نہیں پائے گا۔ اپنی نگاہ پھیر کیا تو (ان میں سے کسی میں) کوئی نقص پاتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ کو پھیر نگاہ تیری طرف خیرہ ہوکر لوٹ آئے گی درآنحالیکہ وہ درماندہ ہوگی۔

طِبَاقًا کے معنی ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے یا ایک کے اُوپر ایک کے ہیں۔ دوسرے مفہوم میں اس میں ان کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس میں بتایا کہ جس طرح اللہ نے کئی مادی آسمان درجہ بدرجہ بنائے ہیں لیکن اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور ان میں ایک توازن پایا جاتا ہے۔ بلکہ آسمان تو آسمان خدائے رحمٰن کی صنعت میں کوئی چیز بھی دوسری سے عدم مطابقت رکھنے والی نہیں۔ پھر انفرادی حیثیت میں بھی ان میں سے کسی میں کوئی نقص یا خلل نہیں۔ یہی حال اللہ کی طرف سے قائم ہونے والے روحانی نظاموں کا ہے گو ان میں درجات ہیں لیکن اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے ہر ایک بے نقص ہے

یعنی جس زمانہ میں جس تعلیم کی ضرورت تھی اسی پر مبنی کتاب اتاری گئی اور اسی کے مطابق روحانی نظام قائم کیا گیا لہٰذا یہی نہیں کہ ایسے نظاموں کا قائم کیا جانا قابلِ اعتراض نہیں بلکہ ضروری تھا۔

جب یہ ثابت کردیا کہ وقتاً فوقتاً کئی روحانی نظاموں کا قائم کیا جانا قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ ان میں کوئی تفاوت نہیں اور اپنی ذات میں بھی ان میں سے ہرایک بے نقص تھا تو اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر آخر میں اتاری جانے والی کتاب اور سابقہ کتب میں یا آخر میں قائم کئے جانے والے روحانی نظام اور سابقہ روحانی نظاموں میں مابہ الامتیاز کیا ہے اور اسے ان پر کیا فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (٦)

اور یقیناً زینت دی ہے ہم نے قریب ترین آسمان کو چراغوں سے اور انہیں شیطان کے لئے پتھراؤ (کا ذریعہ) بنایا ہے اور ہم نے ان کے لئے آگ کا عذاب تیار کیا ہے۔

مطلب یہ کہ اسلام کا سابقہ روحانی نظاموں سے مابہ الامتیاز جو اس کے لئے وجہ ترجیح ہے یہ ہے کہ جس طرح زینت دی ہے اللہ نے **السَّمَآءَ الدُّنْيَا** کو ایسے اجرام سے جو فی ذاتھا افروختہ اور روشن ہیں (اور یہ زینت دائمی ہے کیونکہ اگر ان میں سے کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو اس کی جگہ نئے ستارے پیدا ہوجاتے ہیں) اسی طرح اسلام کے روحانی نظام کو بھی اس نے ایسے وجودوں سے زینت دی ہے اور آئندہ بھی دیتا رہے گا جو **مصابیح** یعنی چراغوں کی طرح ہیں یعنی جو سرتا پا محبت ذاتیہ الٰیہ سے افروختہ ہوکر خود ہی منوّر نہیں ہیں (یا نہیں ہوں گے) بلکہ باذنہٖ تعالیٰ اپنے اس کمال کو کم کئے بغیر دوسروں کو بھی اس سے متّصِف کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ہیں (یاہوں گے) لیکن یہ چیز اب کسی سابقہ روحانی نظام کو حاصل نہیں ہے جو اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خداتعالیٰ کا ہاتھ اب صرف اسلام کی پیٹھ پر ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ **اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام** (ال عمران ۳:۲۰) اللہ کے نزدیک اب قابل اتباع دین صرف اسلام ہی ہے چنانچہ یہ وجود جو خداتعالیٰ نے اسلام کو دیئے ہیں شیاطین کے لئے مجسم پتھراؤ کے حکم میں ہیں۔ یعنی **اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار** کے مصداق بن کر یہ ان کے حملوں کا قلع قمع کرنے کو ہروقت مستعد

رہتے ہیں اور عملاً قلع قمع کرتے رہتے ہیں اور کسی دوسرے روحانی سلسلہ کو یہ سعادت حاصل نہیں۔

اس کے بعد اس روحانی سلسلہ سے وابستہ ہونے والوں کے انعام اور اس سے باہر رہنے والوں کی سزا کا ذکر کیا اور کچھ متعلقہ باتیں بیان کیں۔ مگر اس وقت کفّار محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہی سمجھتے تھے کہ یہ شخص صحیح راہ سے بھٹک گیا ہے نہ اس کے پاس مال ہے نہ جتّھہ ہے اسے غلبہ کیسے حاصل ہوسکتا ہے اس لئے آخر سورۃ میں فرمایا:-

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۰)

(اے رسول کفّار سے) کہو وہ رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ سوتم عنقریب جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے (تم یا ہم)۔

مطلب یہ کہ وہ خدا جس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے جس نے یہ قرآن اتارا ہے اور یہ رسولؐ بھیجا ہے وہ رحمٰن ہے۔ اپنی جن ضروریات کا مہیا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے وہ ضروریات وہ خود اس کے لئے مہیا کردیتا ہے پس بیشک ہمارے پاس غلبہ کے سامان نہیں ہیں مگر اس کے پاس تو ہیں اور ہمیں اس پر بھروسہ ہے۔کہ جب اس نے محض اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت یہ سلسلہ قائم کیا ہے تو اس کی مدد بھی کرے گا۔ فرمایا:-

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (۳۱)

اے رسولؐ انہیں کہہ بتاؤ تو سہی اگر تمہارا پانی سطح زمین سے بہت نیچے اتر جائے تو تمہیں سطح زمین پر بہنے والا تازہ پانی کون لا کر دے گا۔

مطلب یہ کہ قرآن کی صورت میں اترنے والے آسمانی پانی کا زمین میں جگہ پالینا یا بہ الفاظِ دیگر شروع سورۃ میں مذکور روحانی بادشاہت کا قائم ہوجانا تو ایک امر یقینی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ تم خود بھی اسے قبول کرلوگے لیکن اس کے بعد کہ تم اسے اپنا پانی یعنی اپنے لئے ذریعہ حیات یقین کرنے لگوگے تمہارا یہ پانی سطح زمین سے بہت نیچے چلا جائے گا یعنی تم میں اور اس

میں بُعد واقع ہوجائے گا۔تم خود ہی بتاؤ کہ اس وقت کون تمہیں سطح زمین پر بہنے والا تازہ پانی لا کر دے گا۔ مطلب یہ کہ اِس وقت تو تم اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ یہ آسمانی پانی زمین میں جگہ ہی نہیں پاسکتا اور اُس وقت تم اِس غلط فہمی میں ہوگے کہ تم ازخود اسے سطح زمین پر بہنے والے چشمہ کی صورت پر لاسکتے ہو۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ خدائے رحمٰن ہی ایسا سامان کرے تو کرے۔ بلکہ وہ ضرور اس کا سامان کرے گا کیونکہ اس کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے اگر اس کی منشاء یہ نہ ہوتی کہ آئندہ بھی بنی آدم کی روحانی زندگی کے لئے یہی پانی کام دے تو وہ اسے خشک کر دیتا **غوراً** کرنے پر اکتفا نہ کرتا۔

===============

اسلام کے مستقبل کے متعلق تین عظیم الشان پیشگوئیاں

پس اس آیت میں تین عظیم الشان پیشگوئیاں کی گئیں۔ پہلی پیشگوئی یہ کہ قرآن کو زمین میں مقبولیت حاصل ہوگی اسلام غالب آئے گا اور وہ روحانی بادشاہت جس کا اس سورۃ (الملک) کے شروع میں ذکر تھا قائم ہوگی۔ دوسری پیشگوئی یہ کہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ قرآن موجود تو ہوگا لیکن مسلمانوں تک کی دسترس سے دور ہوجائے گا یعنی اس میں اور مسلمانوں میں بُعد واقع ہوجائے گا یا بہ الفاظِ دیگر یہ کہ اس روحانی بادشاہت پر ضُعف کا زمانہ آجائے گا۔ اور تیسری پیشگوئی یہ کہ خداتعالیٰ اس وقت بھی محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم پر حرف نہیں آنے دے گا بلکہ اپنی صفتِ رحمانیت کے ماتحت ایسے سامان ضرور کردے گا کہ یہ آبِ حیات پھر چشمہ رواں کی صورت سطح زمین پر بہنے لگے اور اس سے استفادہ آسان ہوجائے۔ اور چونکہ ایسا سامان ہمیشہ مامور من اللہ کے ذریعہ ہؤا کرتا ہے اشارہ اس میں یہ ہؤا کہ وہ کسی کو مامور کرکے اس کام کے لئے کھڑا کرے گا۔ چنانچہ امام ابی عبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ **فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ** سے مراد یہ ہے کہ **فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِاِمَامٍ جَدِیۡدٍ** یعنی اس آیت میں **مَآءٍ مَّعِیۡنٍ** سے مراد امام جدید ہے۔ اور صاحب بحار الانوار اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ پانی کے لفظ کا علم کے لئے کنایہ ہونا محال نہیں کیونکہ ان دونوں میں زندگی دینے میں اشتراک ہے ایک جسم کی زندگی کا موجب ہے اور دوسرا روح کی زندگی کا (امام مہدی کا ظہور ص ۳۲۸)۔

سورۃ القلم میں مہدیؑ کا ذکر

سورۃ الملک کے بعد سورۃ القلم آتی ہے اس کے شروع میں ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ(۲) مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ (۳)

ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں (یا لکھیں گے)۔ اپنے رب کی نعمتِ (وحی) سے (مُتلبِّس) تو مجنون نہیں۔

مفسّرین نے 'ن' کو قسم میں شامل بھی کیا ہے اور اس سے باہر بھی رکھا ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز مانا ہے کہ ن کسی نام یا لفظ کا پہلا حرف ہو اور یہ بھی جائز مانا ہے کہ یہ آخری حرف ہو۔ یہ کوئی نئی اور عجیب بات نہیں قرآنی مقطعات کے بارہ میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا ہے اور اگر ن کو کسی نام یا لفظ کا پہلا یا آخری حرف سمجھا جائے تو اس سے بہرحال کوئی ایسا نام یا لفظ ہی مراد لیا جاسکتا ہے جس کا سیاق وسباق کلام کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ صرف یہ جان لینے سے کہ اس نام کے شروع یا آخر میں ن آتا ہے۔ ذہن کا انتقال اس کی طرف ہوسکے۔

ایسا پہلا نام جس کے آخر میں ن آتا ہے اور صرف اسی علامت سے اس کی طرف ذہن جاسکتا ہے بلاشبہ رحمٰن ہے کیونکہ سورۃ القلم سے پہلے سورۃ الملک ہے اور اس کے آخر میں بلکہ اس کی دوسری کئی آیتوں میں بھی یہ نام بار بار آیا ہے۔ اور اگر ن کو رحمٰن کا قائم مقام سمجھیں تو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا جس نے قرآن اتارا ہے رحمٰن ہے۔ مطلب یہ کہ گو اس میں شبہ نہیں کہ سورۃ سابقہ کے آخر میں مذکور اشارہ کے مطابق ایک زمانہ آئے گا کہ یہ روحانی پانی **غوراً** ہو جائیگا اور اس وقت کسی اور کی طاقت میں نہیں ہوگا کہ اسے چشمہ رواں کی صورت پر لا سکے لیکن وہ رحمٰن جو اس کا نازل کرنے والا ہے اپنی صفتِ رحمانیت کے ماتحت یعنی سراسر موہبت کے طور پر اس وقت اس کے لئے کوئی ایسا سامان کردے گا کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہوتا ہے نہ ہوسکتا ہے یعنی کوئی رسول مبعوث کردے گا۔

===============

قرآنی علوم کو پھیلانے کیلئے ایک سلطان القلم کے ظہور کی پیشگوئی

'ن' کے بعد ہے وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ : جس طرح تیغ خود کچھ نہیں کرتی جو کچھ کرتا ہے تیغ زن کرتا ہے۔ اسی طرح قلم کوئی چیز نہیں اصل چیز صاحب القلم ہوتا ہے۔ پس یہاں دراصل ایک صاحب القلم کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ امام رازی اور بعض دوسرے مفسّرین نے بھی اس جگہ قلم سے صاحب القلم مراد لیا ہے اور یہ جائے تعجب نہیں کیونکہ قرآن کریم میں حذفِ مضاف کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً فرمایا وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف ۸۲:۱۲) اَیْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ

پس اس میں بتایا کہ جب قرآن کی صورت میں اترنے والا پانی غوراً ہوجائے گا اس وقت خداتعالیٰ ایک ایسا صاحب القلم پیدا کردے گا جس کا نام لینے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ (بائبل کے الفاظ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے کے مطابق) اس کے کام خود بتادیں گے کہ یہی قرآن کا موعود ہے۔ اور (جیسا کہ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ فرمانے یعنی دو چیزوں کی قسم کھانے میں اشارہ ہے) اوّل اس کی ذات جو اب قسم میں مذکوراُمور پر شاھد ہوگی یعنی وہ صرف ایک صاحب القلم نہیں ہوگا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جو بمطابق آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال ۲۴:۸) روحانی زندگی بخشنے والے ہیں قُوّتِ قدسیہ کا جیتا جاگتا ثبوت بھی ہوگا یا بہ الفاظِ دیگر یہ کہ وہ آپؐ کا اُمّتی اور آپؐ ہی کے ہاتھوں بے مثال روحانی زندگی پانے والا اور اس طرح امور مذکورہ پر گواہ ہوگا۔ دوسرے گو وہ شروع میں اکیلا ہوگا لیکن خداتعالیٰ اسے اکیلا رہنے نہیں دے گا بلکہ ایک جماعت بنادے گا اور اس کی اور اس کے ساتھیوں کی تحریریں بھی اُمورِ مذکورہ پر گواہ ہوں گی۔ یعنی ان کے ذریعہ قرآنی علوم پھر دنیا میں پھیلیں گے پھر ان سے استفادہ آسان ہوجائے گا اور یہ ثابت ہوجائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جنھوں نے اسلام کے غلبہ کے بعد تنزل کی اور تنزل کے بعد دوبارہ غالب آنے کی پیشگوئیاں کیں اور یہ کتاب پیش کی جس میں یہ پیشگوئیاں ہیں وہ مجنون نہیں تھے۔ پھر ساری دنیا کے اصحاب القلم میں سے صرف ایک کا ذکر کرنا اور اس کا کام قرآنی علوم کو دوبارہ چشمہ رواں کی صورت میں زمین پر پھیلا دینا بیان کرنا بتاتا ہے کہ یہاں کسی معمولی صاحب القلم کا

نہیں بلکہ سلطان القلم کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے موعود حضرت مہدی مسعود علیہ السلام نے فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔'' (تذکرہ ص ۴۰۸)

لیکن اس کے بعد مَا یَسْطُرُوْنَ میں جمع کا صیغہ لانا بتاتا ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے متبعین بھی اس کی شاگردی میں یہ خدمت بجالائیں گے۔

اس جگہ پانی کے غوراً ہوجانے یعنی سطح زمین سے دور تک نیچے اتر جانے کے بعد اسے چشمہ رواں کی صورت سطح زمین پر لانے کے لئے ایک سلطان القلم کی پیشگوئی کا کیا جانا صاف بتاتا ہے کہ یہاں مَآء یعنی پانی کا لفظ علم کے لئے کنایہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اس وقت قرآن کے علوم میں اور مسلمانوں میں بُعد ہوجائے گا ورنہ اس کے الفاظ محفوظ ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ ''لَایَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَایَبْقٰی مِنَ الْقُرانِ اِلَّا رَسْمُهٗ '' اسلام میں سے سوائے اس کے نام کے کچھ باقی نہیں رہے گا اور قرآن میں سے سوائے رسم کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اور جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا صاحب بحارالانوار امام ابی عبداللہ نے بھی اس جگہ لفظ مَآء کو علم کے لئے کنایہ قرار دیا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ علم کے فقدان کے وقت ایسے فتنہ کی اصلاح کے لئے جو فقدان علم سے پیدا ہو کسی صاحب العلم ہی کو بھیجا جانا چاہیے اور چونکہ نزول قرآن کے وقت ہی یہ بتادیا گیا تھا کہ آئندہ علم قلم کے ذریعہ پھیلے گا (الَّذی عَلَّمَ بِالْقَلَم ۔العلق ۵:۹۶) اس لئے وہ صاحب العلم صاحب القلم ہی ہونا چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات میں اس کی پیشگوئی کی گئی۔

عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں ایک طرف قرآن کی صورت میں اترنے والا پانی غوراً ہوگیا یعنی اس میں اور مسلمانوں میں بعد واقع ہوگیا اور دوسری طرف خدا تعالیٰ نے ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو ''سلطان القلم'' بنا کر اور قرآنی علوم سے بہرہ ور کرکے کھڑا کردیا اور اس نے علی الاعلان فرمایا کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے روحانی زندگی پائی ہے ؎

اِنّی لَقَدْ اُحْیِیْتُ مِنْ اِحْیَائِہٖ
وَاھًا لِاِعْجَازٍ فَمَا اَحْیَانِی

اور ہر چند کہ دعویٰ کے وقت وہ بالکل اکیلا تھا خداتعالیٰ نے اس پیشگوئی کے عین مطابق اس کو اکیلا نہیں رہنے دیا بلکہ ایک جماعت دے دی اور جماعت بھی اسلام کی عظیم الشان علمی خدمات بجا لانے والی۔ چنانچہ اس کے اپنے وجود اور پھر اس کی اور اس کے شاگردوں کی تحریرات نے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت کردی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نعمت وحی سے **مُتلَبِّس** تھے مجنون نہیں (بلکہ نہایت دانشمند) تھے (کیونکہ نور وحی وہیں نازل ہوتا ہے جہاں نورِ عقل پہلے سے موجود ہو)۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **یخرج المھدی من قریۃٍ یقال لھا کرعَۃ** (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۹) مہدی اس بستی سے ظاہر ہوگا جسے **کرعَۃ** کہا جائے گا۔ **کَـرَعَ** ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں آسمان کا پانی جمع ہوجاتا ہے اور آگے لوگ اس پانی سے اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ مجمع البحار جلد ۳ ص ۲۰۷ پر ہے **اِنَّ رجلاً سَمِعَ قائلاً فِی سَحَابَۃٍ اِسقِ کَرَعَ فلان اَرَادَ موضِعًا یجتمِعُ فیہِ مَآءُ السَّمَآءِ فَیَسْقِیْ صاحِبُہٗ زَرْعَہٗ** یعنی ایک آدمی نے کسی کو بادل کو کہتے ہوئے سنا کہ تو فلاں کرعہ کو سیراب کر اور مراد اس کی کرعہ سے وہ جگہ تھی جس میں آسمان کا پانی جمع ہوتا تھا پھر اس کا مالک وہاں سے کھیتی کو پلاتا تھا۔ قادیان کی بستی جہاں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ نے مسیح اور مہدی اور سلطان القلم ہونے کا دعویٰ کیا آپؑ کے دعویٰ کے وقت ایک ایسی بستی تھی کہ اس پر ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے یہ پیشگوئی صادق آتی تھی۔ یعنی اس میں بڑی بڑی ڈھابیں بھی تھیں جن میں بارش کا مادی آسمانی پانی جمع ہوتا رہتا تھا اور علوم ومعرفت کے مجازی و روحانی پانی کے ذخائر تو اب بھی ہیں بلکہ اسی بناء پر ایک طرف عیسائی مَنَاد کھلم کھلم اعتراف کرچکے ہیں کہ اسلام اور مسیحیت کی جنگ قادیان کی بستی میں لڑی جائے گی۔ اور دوسری طرف بڑے بڑے علماء باوجود مخالفت کے قادیان سے پھوٹنے والے علوم چُرا چُرا کر اپنی تقریرون اور تحریروں میں پیش کررہے ہیں۔

’ن‘ کے ایک معنے **سَیْف** کے ہوتے ہیں۔ یہ معنے لیں اور ’ن‘ کو قسم میں شامل کریں تو چونکہ سورۃ سابقہ میں اسلام کے دو دوروں کے متعلق پیشگوئی تھی اس کے مدِّنظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کے پہلے دور میں تلوار اور دوسرے دور میں ایک صاحب القلم اور جو کچھ وہ اور اس کے ساتھی یا جو کچھ تمام لکھنے والے لکھیں گے جو اب قسم میں مذکور امور پر گواہ ہونگے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کے دورِ ثانی کا جہاد قلم کا جہاد ہونا مقدّر تھا نہ کہ

سیف کا۔چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مہدی کے بارہ میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ **تَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا** (طبرانی الاوسط والصغیر) اسکے وقت میں جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔ ایک دوسری روایت میں **وَيَضَعُ الْحَرْبَ** کے الفاظ ہیں۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم) یعنی یہ کہا گیا ہے کہ وہ جنگوں کا خاتمہ کردے گا۔ اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مہدی موعودؑ نے بھی فرمایا ؎

کیوں بھولتے ہوتم ''يَضَعُ الحَرْب'' کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر

===============

اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے ۵۰ سال اور دورِ ثانی کے پہلے ۲۰۱ سال میں عظیم ترقّیات کی پیشگوئی

عربی میں حروف کی عددی قیمت بھی ہوتی ہے۔ ن کے اعداد بحساب جُمل ۵۰ ہیں اور القلم کے اعداد ۲۰۱۔ چونکہ تحریر کا ذکر **وَمَا يَسْطُرُوْنَ** میں الگ آگیا ہے اس لئے اگر ہم **ن** سے اس کی عددی قیمت کی طرف اشارہ مراد لیں تو القلم سے بھی اس کی عددی قیمت کی طرف اشارہ مراد لیا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے ۵۰ سال اور دورِ ثانی کے پہلے ۲۰۱ سال اور جو کچھ ان ادوار کے متعلق لکھنے والے لکھیں گے وہ اس بات کو ثابت کرے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے غلبہ اسلام کے متعلق مذکورہ پیشگوئیاں کیں مجنون نہیں تھے بلکہ نہایت درجہ زیرک اور باخدا انسان تھے۔

===============

عظیم الشان بادشاہوں کے حلقہ بگوش احمدیت ہونیکی پیشگوئی

چونکہ 'ن' کی عددی قیمت کے مطابق جو ۵۰ ہے اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے پچاس سال میں اسلام دُور دُور پھیل گیا تھا اور اس کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوگئی تھیں۔ اس لئے القلم کی عددی قیمت کے لحاظ سے جو ۲۰۱ ہے اس کی قسم کھانے میں یہ پیشگوئی تھی کہ اسلام کے دورِ ثانی میں جو مسیح موعود علیہ السلام کا دور ہے (یعنی یہی دور جو اب گزر رہا ہے اور جس کے ابھی صرف سو سال بیتے ہیں) ۲۰۱ سال کے اندر احمدیت کو دور دراز کے ممالک تک غلبہ حاصل ہوچکا

ہوگا اور بہت سی عظیم الشان بادشاہتیں احمدیت میں داخل ہوچکی ہوں گی۔ راستہ میں ابتلاء آسکتے ہیں مصائب کی آندھیاں چل سکتی ہیں اموال و نفوس کے نقصان ہوسکتے ہیں۔ لیکن آسمان کے نوشتے ٹل نہیں سکتے ؎

ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے

اسی کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یہ اعلان تھا کہ احمدیت کی دوسری صدی غلبہ اسلام کی صدی ہوگی۔ چنانچہ صرف پچھلے صرف ایک دو سالوں میں کروڑوں لوگوں کے داخلِ احمدیت ہونے سے اس کے واضح آثار نظر آنے لگے ہیں۔

حضرت مہدی موعود کو الہام ہوُا میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اور آپؑ نے فرمایا عالم کشف میں مجھے وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور کہا گیا ’’یہ وہ ہیں جو اپنی گردنوں پر تیری اطاعت کا جوا اٹھائیں گے اور خدا انہیں برکت دے گا (تجلیات الٰہیہ ص ۳۱) ایک رویا میں آپؑ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان میں سے بعض اس ملک میں سے ہوں گے بعض بلاد شام میں سے بعض روم میں سے اور بعض ان بلاد میں سے جنہیں آپؑ پہچانتے نہیں اور پھر حضرتِ غیب سے آواز آئی ’’یہ وہ ہیں جو تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر درود بھیجیں گے اور میں تجھے برکت پہ برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت پائیں گے۔‘‘ (تذکرہ ص ۱۱)

===============

یاجوج ماجوج کے دنیا پر محیط ہوجانے کی پیشگوئی

حرف ’ن‘ کے معنے حوت کے بھی ہوتے ہیں روایات میں آیا ہے کہ اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کا سر مشرق میں اور دُم مغرب میں ہے۔ ن سے یہ مراد لیں تو اس میں دجّالی اقوام کی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جس طرح ن کا حلقہ اس کے نقطہ کے گرد محیط ہوجاتا ہے اور صرف ایک طرف سے اس کا منہ کھلا ہوتا ہے اسی طرح ایک زمانہ آئے گا کہ سمندروں میں بسنے والی اقوام ساری دنیا پر محیط ہوجائیں گی اور ان کی گرفت سے بچ نکلنے کا صرف ایک راستہ ہوگا اور وہ اسلام کا راستہ ہوگا۔ اس وقت خداتعالیٰ ایک عظیم صاحب القلم کو پیدا

کرے گا۔ اور اس صاحب القلم کا اپنا مقدّس وجود اور جو کچھ وہ اور اس کے ساتھی لکھیں گے وہ جوابِ قسم میں مذکور اُمور کو حق ثابت کردیں گے۔

ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کا ان اقوام کے دنیا پر محیط ہوجانے کا ذکر کرنا اور اس کے ساتھ ایک صاحب القلم کے پیدا کئے جانے کی پیشگوئی کرنا دراصل یہ بتانا تھا کہ یہ قومیں اسلام پر علمی رنگ میں حملہ آور ہوں گی۔ مسلمان ازخود ان کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اس لئے خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک شخص کو علومِ لُدنّی سے بہرہ ور کرکے کھڑا کرے گا اور وہ ان کا مقابلہ کرے گا۔ اور ان کو مغلوب کر دے گا۔ پس اس اعتبار سے بھی ان آیات میں ایک مسیح اور مہدی کی پیشگوئی کی گئی۔

بہرصورت سورۃ الملک میں اسلام کی روحانی بادشاہت کے قائم ہونے کی خبر دینے کے بعد یہ بتایا گیا تھا کہ قرآن کی صورت میں اترنے والا روحانی پانی زمین میں جگہ تو پالے گا لیکن اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا کہ یہ **غوراً** ہوجائے گا مگر خداتعالیٰ پھر اسے سطح زمین پر لانے کا سامان کرے گا اور سورۃ القلم کے شروع میں بتایا گیا کہ یہ پیشگوئیاں کرنے والے محمدرسول اللہ ﷺ مجنون نہیں ہیں۔ جس کے ثبوت میں منجملہ دوسری بہت سی پیشگوئیوں کے ایک پیشگوئی یہ کی گئی ہے کہ اس پانی کے غوراً ہوجانے کے وقت خداتعالیٰ ایک عظیم صاحب القلم کو پیدا کرے گا جو اس آبِ حیات کو پھر سطح زمین پر چشمہ رواں کی صورت بہائے گا اور اسلام کو ادیانِ باطلہ پر غالب کردے گا۔

نزول قرآن کے زمانہ میں ان پیشگوئیوں پر یقین اس سے ہوسکتا تھا کہ انہی آیات میں اسلام کے دور اوّل کے بارہ میں بھی غلبہ اسلام کی بنیاد بننے والے ایک عظیم واقعہ کی پیشگوئی کی گئی تھی جس کا پورا ہونا اس بات پر گواہ بننے والا تھا کہ دوسری پیشگوئیاں بھی جو ان آیات میں کی گئی ہیں یقیناً پوری ہوں گی۔

سورۃ القلم کی اگلی آیات میں خداتعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ان باتوں سے جو آسمانی بادشاہت کے قیام میں روک بن سکتیں تھیں پرہیز کرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد پہلے اصحاب الجنّۃ کی ایک تمثیل بیان کرکے سمجھایا کہ مکّہ والے مسلسل مختلف قسم کے عذابوں کا شکار ہوں گے جس کی وجہ سے بالآخر ان کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ ایمان لے آئیں گے اور پھر یہود کے

متعلق بتایا کہ وہ مبتلائے عذاب ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور آخر میں یہ بتایا کہ ان دونوں کو تدریجًا ان کے اس موعودہ انجام کی طرف لے جایا جائے گا۔ ان سب پیشگوئیوں کی تفصیل انشااللہ کتاب مخزن معارف کی متعلقہ جلد میں ملے گی۔

===============

سورۃ الحاقۃ میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورۃ القلم کے بعد سورۃ **الحاقہ** آتی ہے اس کے شروع میں خداتعالیٰ نے ان باتوں کو (جن کا اوپر ذکر ہوُا) ہوکر رہنے والی باتیں قرار دیا اور پھر **حکایة عن الغیر** کے پیرایہ میں مشرکین مکّہ اور یہود پر آنے والے عذابوں کی نوعیت بیان کی اور بتایا کہ ان کے بعد مشرکین میں سے کوئی دیکھنے کو نہیں ملے گا اور یہود بھی ایسے عذاب میں مبتلا ہوں گے جو بڑھتا ہی چلا جائے گا (آیات ۶۹:۲ تا ۱۱) ظاہر ہے کہ ان قوموں کا اس طرح عذاب اور ہلاکت کی طرف لے جایا جانا قرآن سے دور رہنے ہی کی وجہ سے ہونا تھا اور چونکہ اس سے پہلے یعنی سورۃ الملک کی آخری آیت **قُلْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا** میں یہ خبر دی گئی تھی کہ غلبہ کے بعد اسلام پر ضعف کا بھی ایک زمانہ آنے والا ہے۔ جب کہ قرآن اور مسلمانوں میں بُعد واقع ہوجائے گا اس لئے اس موقعہ پر خدا سے ڈرنے والے مومنوں کے دل میں لامحالہ یہ سوال پیدا ہونا تھا کہ جب یہ صورت پیدا ہوگی یعنی قرآن کی صورت میں اترنے والا آسمانی پانی **غورًا** ہوجائے گا (جس کے نتیجہ میں معصیت و گناہ کے ایک طوفانِ عظیم کا برپا ہونا لازمی بات ہے) اس وقت ان کے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔ ہرچند کہ اس کا جواب آیت **نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ** میں پہلے بھی آچکا تھا لیکن تاکید کا فائدہ حاصل کرنے اور کچھ زائد باتیں بتانے کے لئے فرمایا:-

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ(۱۲) لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (۱۳)

یقیناً جب پانی میں طغیانی آئی ہم نے تمہیں ایک مسلسل رواں دواں رہنے والی (کشتی) میں اُٹھا لیا تاکہ اسے تمہارے لئے یاد دہانی بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ **طَغَا** کے معنی حد سے گزر جانے کے ہیں جو افراط کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور تفریط کی طرف بھی (جیسا کہ الرحمٰن ۵۵:۹ میں) اور جہاں مادی پانی کا افراط اس کا **طَغَا** ہے وہاں روحانی پانی کی تفریط اس کا **طَغَا** ہے اور چونکہ سورۃ الملک کی محولہ بالا آیت میں قرآن کی صورت میں اترنے والے روحانی پانی کے **غوراً** ہوجانے یعنی اس کی تفریط کا ذکر کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں معصیت و گناہ کے ایک طوفان کا برپا ہونا لازمی تھا جس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس وقت مومنوں کے بچنے کی کیا صورت ہوگی اس لئے اس سوال کے جواب میں پانی کے **طَغَا** ہی کا ذکر کیا اور اس طرح اس آیت کے سورۃ الملک کی اس آیت سے ربط کی طرف بھی اشارہ کردیا۔ چنانچہ آگے **لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً** کے الفاظ لاکر بتایا کہ کچھ پہلے کوئی بات کہی گئی تھی۔ درمیان میں اور مضمون آگیا تھا اور یہاں سے پھر اس پہلی بات کی طرف کلام کا رُخ پھیر کر اس کی وجہ بتائی گئی ہے اور اس کے بعد **وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** کے الفاظ بڑھا کر بتایا کہ وہ بات ہے بھی آئندہ سے تعلق رکھنے والی بات۔

پس اس جگہ یہ آیت **اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ** رکھ کر خداتعالیٰ نے مومنوں کو تسلّی دلائی کہ بیشک ایک زمانہ میں مسلمان بگڑ جائیں گے اور آیت **قُلْ اَرَئَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْراً** ....الخ کے مطابق ان میں اور قرآن میں ایک بُعد واقع ہوجائے گا جسکے نتیجہ میں معصیت وگناہ کے طوفان کا برپا ہونا لازمی بات ہے لیکن تم مایوس نہ ہونا خداتعالیٰ اس وقت بھی تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ بلکہ جس طرح اس نے ایک گزشتہ زمانہ میں اس وقت جب پانی حد سے گزر گیا تھا تم کو الجاریہ یعنی کشتی نوح میں اُٹھا لیا تھا اُسی طرح اس آئندہ برپا ہونے والے طوفانِ معصیت وگناہ میں بھی وہ تم کو ایک جاریہ میں اُٹھا لے گا۔

===============

آئندہ زمانہ میں ایک نوح کے مبعوث ہونے اور اسکے ہاتھ سے ایک روحانی کشتی کے تیّار کئے جانیکی پیشگوئی

یاد رکھنا چاہیے کہ منقولہ بالا آیت کے لفظ جاریہ پر ال آیا ہوُا ہے جو تخصیص کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور کشتی نوح کی خصوصیات میں سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ''الواح'' اور ''دسر'' سے بنی ہوئی تھی (القمر ۵۴:۱۴) اور چونکہ اس وقت کا طوفان مادی تھا اسلئے وہ الواح ودسر بھی مادی ہی

تھے۔ اور اس کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اسے حضرت نوحؑ نے وحی الٰہی کے ماتحت بنایا تھا (ھود۱۱:۳۸)۔ اور تیسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ خدا کی حفاظت میں تھی (القمر۵۴:۱۵)۔ اور چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ''بسم اللہ'' کے ساتھ تھا (ھود۱۱:۴۲)۔ اور پانچویں خصوصیت یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے اسے ایک آیت بنایا تھا (العنکبوت۲۹:۱۶)۔ اور چھٹی خصوصیت یہ تھی کہ وہ پہاڑ جیسی موجوں میں سے سلامتی کے ساتھ گزرتی چلی جاتی تھی (ھود ۱۱:۴۳)۔ اور ساتویں خصوصیت یہ تھی کہ جب طوفان تھما وہ ایک بلند مقام پر مضبوطی سے قائم ہوچکی تھی (ھود ۱۱:۴۵)۔ پس اس میں بتایا کہ آنے والے طوفان سے بچانے کے لئے بھی خداتعالیٰ تمہارے لئے ایک کشتی مہیا کرے گا جو الواح ودسر سے مصنوع ہوگی (لیکن چونکہ وہ طوفان معصیت وگناہ کا طوفان ہوگا اس لئے ظاہر ہے کہ وہ الواح ودسر بھی روحانی ہوں گے) اور اس کشتی کو بھی ایک نوح ہی تیّار کرے گا اور وحی الٰہی کے ماتحت تیّار کرے گا اور وہ بھی خدا کی حفاظت میں ہوگی۔ اس کے راستہ میں پہاڑ جیسی عظیم روکیں آئیں گی لیکن وہ ان سے بخیریت گزر جائے گی۔ وہ خدا کا ایک مجسم نشان ہوگی اور شروع سے آخر تک اس کے ساتھ ''بسم اللہ'' کا تعلق ہوگا اور مذکورہ طوفان کے تھمنے تک وہ ایک بلند مقام پر مضبوطی سے قائم ہوچکی ہوگی۔ پس اس میں صراحت سے یہ پیشگوئی کی گئی کہ آئندہ زمانہ میں جب بشمولیت مسلمانوں کے تمام انسانوں اور قرآن میں بُعد واقع ہوجانے کی وجہ سے ایک عالمگیر طوفانِ معصیت وگناہ برپا ہوگا اس وقت خداتعالیٰ ایک نوح کو مبعوث کرے گا اور اپنی وحی کے ماتحت اس کے ہاتھ سے ایک روحانی کشتی تیّار کروائے گا۔ اور چونکہ اس سے پہلے اُسی زمانہ کے متعلق ایک ''سلطان القلم'' کے مبعوث کئے جانے کی پیشگوئی کی گئی ہے اس لئے اس میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ **موعود ''سلطان القلم'' کا ایک نام نوح بھی ہوگا۔**

چنانچہ ایسا ہی ہوُا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو مبعوث کیا۔ انہیں سلطان القلم قرار دیا اور نوح بھی ان کا نام رکھا اور ان کے ہاتھ سے اپنی وحی کے ماتحت ایک کشتی تیّار کروائی جو روحانی الواح ودُسَر سے تیّار ہوئی کیونکہ اسے قرآن کریم کی واضح ہدایات کو (جنہیں الواح الھدیٰ کہنا چاہیے) دلائل وبراہین کی میخوں کے ساتھ جوڑ کر بنایا گیا تھا اس کشتی کی (جو نوحِ وقت کے الفاظ میں خالص اسلام کی کشتی تھی) ابتداء بھی بسم اللہ سے تھی اور انتہا بھی

بسم اللہ سے بلکہ ہمیشہ ہی اس کے ساتھ بسم اللہ کا تعلق رہا کیونکہ اس کی اصل قرآن کریم ہے جس کی ہر سورۃ کے شروع میں ''بسم اللہ'' کے الفاظ آتے ہیں اور جس کی تعلیم کا لب لباب اللہ ہی اللہ ہے۔ اس کشتی کی راہ میں پہاڑوں جیسی بڑی بڑی رکاوٹیں آئیں مگر یہ ان میں سے سلامتی کے ساتھ گزرتی گئی اور گزرتی چلی جاتی ہے۔ یہ کشتی خداتعالیٰ کی ایک مجسم ''آیت'' ہے اور اس کے لئے یہی مقدّر ہے کہ جس طوفان سے بچانے کے لئے یہ بنائی گئی ہے اس کے تھمنے تک یہ ایک بلند مقام پر مضبوطی سے قائم ہوجائے کیونکہ اس کے صّناع کو خداتعالیٰ نے اس کے مبعوث ہونے سے بھی قبل بطور پیشگوئی کے الہامًا فرمایا تھا ع

وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم اُفتاد

==============

اس زمانہ کی کشتی نوح سے مراد خالص اسلام کی کشتی

یہ باتیں جو اوپر بیان کی گئیں ذوقی نہیں بلکہ ان پیشگوئیوں کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو خداتعالیٰ نے اپنے الہام سے یہ مذکورہ نام دیئے اور آپؑ نے خود فرمایا:

''اس (خدا) نے سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمیں میں طوفان ضلالت برپا ہے تو اس طوفان کے وقت یہ کشتی تیّار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے بچایا جائے گا اور جو انکار میں رہے گا اس کے لئے موت درپیش ہے۔'' (فتح اسلام ص ۴۲)

نیز فرمایا:-

''اس طوفان کے وقت خداتعالیٰ نے اس عاجز کو مامور کیا اور فرمایا **وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا** یعنی تو ہمارے حکم سے اور ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی تیّار کر۔ اس کشتی کو اس طوفان سے کچھ خطرہ نہ ہوگا اور خدا کا ہاتھ اس پر ہوگا۔ سو وہ **خالص اسلام کی کشتی** یہی ہے جس پر سوار ہونے کے لئے میں لوگوں کو بلاتا ہوں۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۴۱ حاشیہ)

حضورؑ نے جو اس کشتی کو ''خالص اسلام کی کشتی'' قرار دیا اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں سفینہ کے عام لفظ کی جگہ جاریہ کا لفظ رکھا گیا کیونکہ اس لفظ میں تیزی کے ساتھ چلنے اور جاری رہنے یعنی Continuity کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اسلام نے رہتی دنیا تک چلتے چلے جانا ہے۔

پس یہ لفظ رکھ کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ بیشک سورۃ الحاقۃ ہی کی آیات **وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً** (۱۱،۱۰:۶۹) کے مطابق جب بھی لوگ خطاکار ہوجاتے رہے ہیں خدا تعالیٰ ان کی طرف اپنا رسول بھیجتا رہا ہے۔ لیکن جو ہدایت وہ رسول لے کر آتے تھے وہ دائمی ہدایت نہیں ہوتی تھی (حتّٰی کہ حضرت نوحؑ کی شریعت بھی صرف ہزار سال تک کے لئے تھی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جو ہدایت لے کر آئے ہیں وہ دائمی ہدایت ہے اس لئے آئندہ جو رسول آئے گا وہ اسی جاریہ پر لوگوں کو سوار کرائے گا۔ پس اس کا روحانی کشتی بنانا اسلام کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کرکے خالص شکل میں پیش کرنا ہوگا نہ کہ کسی الگ دین کی راہ دکھانا۔

بہرصورت جب یہ بتایا کہ اسلام کے ضُعف کے زمانہ میں یعنی اس وقت جب قرآن کریم کی صورت میں اترنے والا روحانی پانی **غوراً** ہو جائے گا یعنی سطح زمین سے بہت دور نیچے اتر جائے گا اس وقت خداتعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کے ماتحت ایک عظیم صاحب القلم کو پیدا کرے گا تا اس آبِ حیات کو پھر سے چشمہ رواں کی صورت سطح زمین پر لے آئے اور وہ اس صاحب القلم کو اکیلا نہیں رہنے دے گا بلکہ ایک جماعت بنا دے گا اور نیز یہ بتایا کہ اس آسمانی پانی کے غوراً ہوجانے کے نتیجہ میں جو طوفان معصیت وگناہ برپا ہونے والا ہے اس کے برپا ہونے کے وقت خداتعالیٰ مومنوں کو بچانے کے لئے اپنے الہام کے ماتحت ایک کشتی تیّار کروائے گا۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا اس صاحب القلم کے جو نوحِ وقت بھی ہوگا آنے کے ساتھ ہی اسلام کو غلبہ حاصل ہوجائے گا یا اس پر کچھ وقت لگے گا اور اگر وقت لگے گا تو پھر یہ غلبہ کب اور کیسے واقع ہوگا۔ آگے اس کا جواب ہے

==============

اسلام کا عالمگیر غلبہ عالمگیر ایٹمی جنگ سے وابستہ ہے

فرمایا:-

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۴) وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (۱۵) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱۶)

پھر جب یکا یک (جنگ کا) بگل بجایا جائے گا۔ اور زمین اور پہاڑ اُٹھائے جائیں گے۔ پھر یکبارگی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ تو اس دن واقعہ ہونے والی موعودہ بات واقع ہوجائے گی۔

لفظ الصُّورِ صورۃٌ کی جمع ہے اور اس کے معنٰی اس بگل کے بھی ہیں جو جنگ کے وقت بجایا جاتا ہے۔ پس نُفِخَ فِي الصُّورِ سے نفوس میں نئی روح کا پھونکا جانا بھی مراد ہوسکتا ہے اور لشکر کشی کیا جانا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

سورۃ الواقعہ کے شروع میں ہے اِذَاوَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (جب واقعہ ہونے والی موعودہ بات واقع ہوجائے گی تو اس کے واقعہ ہونے کو کوئی جھٹلا نہیں سکے گا۔) اس سے ظاہر ہے کہ الواقعہ سے کوئی ایسی چیز مراد ہے کہ گو خود اس چیز کو جھٹلانے والے تو اس کے واقع ہو جانے پر بھی ہونے تھے۔ لیکن اس کے واقعہ ہوجانے کو جھٹلانے والا کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ لہٰذا الواقعہ سے غلبہ اسلام مراد ہے۔ پس ان آیتوں میں بتایا گیا کہ جب وہ روحانی کشتی جس کا اُوپر ذکر ہوُا بن چکے گی تو کچھ عرصہ کے بعد یعنی اس کشتی میں سوار ہونے والوں کو اس میں سوار ہونے کا موقعہ ملنے اور دوسروں پر اتمام حُجّت ہوجانے کے بعد اچانک ایک جنگ کا بگل بجایا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور اس کے بعد اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔

پہاڑوں اور زمین کا اپنی جگہ سے اٹھایا جانا یا تو ان کے نیچے دھماکہ ہونے سے ممکن ہے یا ان کے اوپر خلا واقع ہوجانے سے جس کے نتیجہ میں یہ اوپر **Suck** کر لئے یعنی کھینچ لئے جائیں۔ بہرحال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل وہ جنگ اچانک ہوگی دوسرے وہ ایسے

ہتھیاروں سے ہوگی جو زمین کے بڑے بڑے حصّوں بلکہ پہاڑوں تک کو اپنی جگہ سے اُٹھا اُٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں اس زمانہ کے ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعہ ممکن ہوچکی ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کبھی ممکن نہیں تھیں۔ پس اس میں اس زمانہ کی متوقع ایٹمی جنگ ہی کی پیشگوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ **اس جنگ کا آخری دن عالمگیر غلبہ اسلام کا پہلا دن ہوگا**۔ یعنی لوگوں کا افواجًا اسلام میں داخل ہونا اس کے بعد شروع ہوگا۔ چنانچہ گو ان آیات سے استدلال کر کے تو نہیں لیکن یوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بھی اپنے ایک سفر یورپ میں بالکل یہی بات بیان فرمائی تھی دیکھیں کتابچہ ایک حرفِ انتباہ۔ بہرحال **فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ** کے بعد ہے:-

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (۱۷) وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (۱۸)

اور آسمان پھٹ جائے گا سو اس دن وہ بودا (ثابت) ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن تیرے رب کے عرش کو (آٹھ) اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔

یہاں آسمان کے پھٹنے کا ذکر پہلے ہے اور بودا ہونے کا بعد میں لہٰذا مراد یہ ہے کہ اس دن اس کا بودا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

===============

یہ پیشگوئی کہ آخری زمانہ میں مہدی موعودؑ اور اسکے سات خلیفوں کے ذریعہ شانِ خداوندی کا ظہور ہوگا

اس سے پہلے سورۃ رحمٰن میں اسلام کے روحانی نظام کو ''**السَّمَآءُ**'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں **السَّمَآءُ** سے کفّار کا جھوٹا مذہب مراد ہے جو اس وقت ان کے اور خداتعالیٰ کے درمیان حائل ہو رہا ہوگا اور بتایا یہ گیا ہے کہ غلبہ اسلام کے مذکورہ وقت کے آنے پر اس مذہب کا پردہ چاک ہوجائے گا اور گو اس سے پہلے اس میں بڑی قُوّت وصلابت نظر آتی ہوگی مگر اس وقت

وہ بودا ثابت ہوگا یعنی نہایت آسانی سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا (حضرت المصلح الموعودؓ نے اس آیت کے تحت فرمایا اس وقت کا روحانی نظام درہم برہم ہوچکا ہوگا۔ الفضل ۳۰؍مارچ ۱۹۲۸)۔ **وَالْمَلَکُ عَلٰی اَرْجَآءِ هَآ** اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔ یعنی ادھر جھوٹے مذہب یا مذاہب وتوہمات کا پردہ چاک ہوگا اُدھر فرشتے جو گویا پاس ہی موجود ہوں گے دلوں میں اسلام کے حق میں تحریک کرنا شروع کردیں گے اور ان کو اس کی طرف لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا ''فرشتے اس لئے آسمان کے کناروں پر کھڑے نہ ہوں گے کہ درمیان میں کھڑا رہنے کی جگہ نہ رہے گی بلکہ اس لئے کہ دوبارہ اس نظام کو قائم کریں۔'' (الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۸)۔ **وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ** اوراے محمدؐ اس وقت یعنی اس زمانہ میں تیرے رب کے عرش کو (جس سے اسلام بھی مراد ہوسکتا ہے کہ بادشاہوں کے عرش کی طرح یہ بھی خداتعالیٰ کی جلالی و جمالی صفات کی جلوہ گاہ ہے) آٹھ اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خداتعالیٰ کی بنیادی صفات جو قرآنِ کریم میں بیان ہوئیں چار ہیں اور ہر صفت کے اظہار پر ایک فرشتہ مقرّر ہے۔ پس یہ جو فرمایا کہ اس دن خدا کے عرش کو آٹھ اُٹھائے ہوئے ہوں گے تو اگر یہ آٹھ فرشتے ہوں تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس دن خداتعالیٰ کی ان صفاتِ اربعہ کا دوہرا ظہور ہوگا (ایک مادی رنگ میں اور ایک روحانی رنگ میں) اور اگر انسان مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت دینِ اسلام کی سربلندی کا سہرا آٹھ وجودوں کے سر ہوگا۔ اور چونکہ مہدی موعودؑ کا کام جو خدا نے انہیں سونپا یہ تھا کہ **يُحْيِ الدِّيْنَ وَيُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ** وہ دین کو زندہ کریگا اور شریعت کو قائم کرے گا اس لئے وہ آٹھ مہدی اور اس کے خلیفے ہی ہوسکتے ہیں۔ جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اُمّت کے مشہور بزرگ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کو کشف میں مہدی موعود علیہ السلام کے سات وزرا کے کوائف بتائے گئے۔ پس آٹھ سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام اور آپؑ کے سات موعود خلفاء ہیں۔

==============

مہدی موعودؑ کے وقت میں آنیوالے عالمگیر عذاب کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کی تشویش اور اسکے بارہ میں خداتعالیٰ کا جواب

اب ہم ایک بار پھر پہلے کلام کی طرف عود کرتے ہیں۔ سورۃ القلم میں دو عذابوں کی خبر تھی ایک مشرکین مکّہ پر آنے والے عذاب کی اور دوسرے یہود پر آنے والے عذاب کی۔ مکّہ والوں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ عذاب آنے پر ایمان لے آئیں گے گویا عذاب کا آنا ان کے لئے اچھا ہوگا۔ اور یہود کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ حقیقتِ اسلام کے بالکل کھل جانے پر اور عذاب کے آنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگلی سورۃ **الحاقة** میں ان آنے والے عذابوں کی کیفیت پر روشنی ڈالی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک تیسرے عالمگیر عذاب کی خبر دی گئی تھی۔ چونکہ مشرکین مکّہ نے عذاب آنے پر ایمان لے آنا تھا اور یہود نے آخر تک ایمان نہیں لانا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کو زیادہ فکر آخری زمانے میں آنے والی عذاب ہی کی ہوسکتی تھی چنانچہ اگلی سورۃ ''المعارج'' کی ابتداء میں اس عذاب کے بارہ میں حضورؐ کی تشویش کا جواب ہے۔ فرمایا:-

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (۲) لِلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ(۳) مِنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ (۴) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ(۵) فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (۶)

ایک سائل نے واقع ہوکر رہنے والے عذاب کے بارہ میں سوال کیا ہے
(ہمارا جواب یہ ہے کہ) کافروں کیلئے کوئی بھی اسکا دور کرنیوالا نہیں ہے۔

قرآن میں کفّار کی طرف سے مطالبہ عذاب کا ذکر بہت جگہ آیا ہے اور ہر مقام پر سائل کا ذکر بصیغہ جمع آیا ہے۔ اس کے برعکس یہاں اس کا ذکر بصیغہ واحد ہے اور لفظ سائل کو نکرہ رکھا گیا ہے۔ جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہاں کوئی ایسا منفرد حیثیت رکھنے والا سائل مراد ہے کہ جواب سن کر خود بخود ذہن اس کی طرف جاسکتا ہے اور چونکہ جواب اس کے سوال کا یہ دیا گیا ہے کہ کافروں سے اس عذاب کا ٹلانے والا کوئی نہیں۔ اس لئے اس سے ظاہر ہے کہ سائل نے

پوچھا یہ ہے کہ کیا کوئی اس عذاب کو ٹلانے والا بھی ہوسکتا ہے؟۔ (گویا ایک لطیف پیرایہ میں اس نے شفاعت کی اجازت چاہی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ سائل سے رحمت اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں)۔ اور جواب یہ دیا گیا کہ ہے کہ کافروں سے اس کا ٹلانے والا کوئی نہیں۔ یعنی اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ لوگ رجوع الی اللہ کریں اور کفر سے باز آجائیں۔ آگے اس کی وجہ بتائی ہے کہ ملائکہ اور الرّوح یعنی وہ روحِ انسانی جو ثواب و عذاب کی مورد ہوسکتی ہے خداتعالیٰ کی طرف یعنی اس کے مقصد کی تکمیل کی طرف آہستہ آہستہ چڑھتی ہے۔ ایسے وقت یا زمانہ میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ بات یہ ہے کہ جیسے ہمارے آدم سے شروع ہونے والا یہ دور سات ہزار سالہ دور ہے ایسے سات سات ہزار سال کے سات دوروں یعنی قمری لحاظ سے پچاس ہزار سال کا یا شمسی اعتبار سے قریباً اُنچاس ہزار سال کا ایک بڑا دور ہوتا ہے۔ پس اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو کام کرنے کا خداتعالیٰ نے ارادہ کیا ہے وہ اس (یا اسی قسم کی) آسمانی سکیم کا حصّہ ہے جو پچاس ہزار سال میں جاکر پوری ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ وہ عذاب جس کا آنا بمطابق ارشاد ربانی **فَاِذَانُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَادَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ** (الحاقۃ ۶۹:۱۴ تا ۱۶) اس مقصد کی تکمیل کے لئے بطور ایک شرط کے ہے ٹل جائے (سوائے اس کے کہ لوگ کفر سے باز آجائیں)۔ اس لئے اے رسول تو اس الٰہی فیصلہ پر صبرِ جمیل سے کام لے۔ چونکہ اس عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ تھی اور وہ راہ کفر سے باز آجانے کی راہ تھی اس لئے اس کے بعد اس کی ہیبت طاری کرنے کیلئے خداتعالیٰ نے اس کے یقینی ہونے پر زور دیا اور اس کی کچھ تفاصیل بیان کیں اور آخر سورۃ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دلائی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو خدا تعالیٰ ان سے بہتر لوگ لے آئیگا۔ اسلام بہرحال مشارق ومغارب میں پھیل جائیگا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا **وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا** (الزُّمر ۳۹:۷۰) اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی۔

==============

سورۃ نوح میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورۃ المعارج کے بعد سورۃ نوح آتی ہے۔ اس میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ:-

موعود عالمگیر عذاب کے آنے سے پہلے ایک نوح کو بھیجا جائیگا لوگوں کو حالت غفلت میں پکڑا نہیں جائیگا

فرمایا:-

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (۲)

یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس حکم کے ساتھ) کہ تو اپنی قوم کو ہوشیار کر اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے۔

مطلب یہ کہ اے محمدرسول اللہ ﷺ بیشک اس عالمگیر عذاب کو جس کا پچھلی سورۃ (المعارج) میں ذکر ہؤا کوئی ٹلا نہیں سکتا اور اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ لوگ کفر سے باز آجائیں۔ تاہم ہمیں تیری تشویش کا پاس ہے اور تیری تسلی کیلئے ہم بتائے دیتے ہیں کہ جس طرح ابتدائی زمانہ کے عالمگیر عذاب سے قبل ہم نے نوحؑ کو بھیجا تھا تاکہ اپنی قوم کو ہوشیار کردے اسی طرح ہم اس موعودہ عالمگیر عذاب سے پہلے بھی ایک نوحؑ کو بھیجیں گے انہیں حالت غفلت میں نہیں پکڑیں گے۔ پس سورۃ الحاقۃ کی آیت **اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰکُمۡ فِی الۡجَارِیَۃِ** میں خداتعالیٰ نے جو بات اشارۃً بتائی تھی یہاں کھول کر بیان کردی۔ فرق یہ ہے کہ وہاں تو یہ بتایا تھا کہ معصیت وگناہ کے طوفان سے بچانے کے لئے خداتعالیٰ تمہیں ایک کشتی میں اُٹھا لے گا۔ یعنی ایک نوح کو بھیج کر تمہارے لئے بچنے کا سامان فراہم کردے گا اور یہاں یہ بتایا ہے کہ جسمانی تباہی سے بچاؤ کا موقعہ دینے کیلئے وہ ایک نوح کو بھیجے گا اور اس طرح واضح کردیا ہے کہ اُس زمانہ میں معصیت وگناہ کے طوفان سے بچنے کی بھی اور جسمانی تباہی سے بچنے کی بھی ایک ہی راہ ہوگی اور وہ راہ نوحِ وقت کی اطاعت کی راہ ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے موعود

حضرت مہدی معہود نے مبعوث ہو کر فرمایا ع

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

نیز فرمایا:-

''اس تاریکی کے زمانہ کا نور میں ہوں جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لئے تیار کیئے ہیں۔'' (مسیح ہندوستان میں)

اس سے اگلی آیات میں حضرت نوحؑ ہی کی زبانی یہ بتایا کہ انہوں نے اپنی قوم کو کس طرح تبلیغ کی اور قوم کا کیا ردِّعمل رہا تا اشارہ ہو کہ آنے والا نوح بھی وہی رنگِ تبلیغ اختیار کرے گا اور اس کی قوم کا بھی قوم نوح والا ردِّعمل ہوگا۔ فرمایا:-

قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۙ(۳) اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ وَاَطِیۡعُوۡنِ(۴)

نوح نے کہا اے میری قوم یقیناً میں تمہارے لئے (خدا کی طرف سے) ایک کھلا کھلا نذیر ہوں (یعنی جو انذاری خبریں میں دیتا ہوں وہ پوری ہوتی جاتی ہیں اس لئے میرے اس منصب میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا اور میں تمہیں کہتا ہوں) کہ اللہ کی عبادت کرو اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

نذیر کا منصب تو بُری باتوں کے بد انجام سے ڈرانا ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اپنے نذیر ہونے کے ذکر کے معًا بعد جو یہ کہا کہ تم اللہ کی عبادت کرو تو اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ جس طرح تم اس وقت اس کی عبادت کر رہے ہو وہ موجبِ ثواب ہونے کی بجائے موجبِ عذاب دارین ہے سچی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ تم خدا سے ڈرو (یعنی اس کے ڈر سے مجھ پر جو اس کا فرستادہ ہوں ایمان لاؤ) اور (نہ صرف ایمان بلکہ) میری اطاعت کرو (پھر سچی عبادت ہوسکے گی یعنی میں تمہیں بتاؤں گا کہ عبادت کیا ہوتی ہے اور کس طرح ہوسکتی ہے)۔

یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَیُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ

اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۵)

(اگر تم میری اطاعت کرو گے تو اسی دنیا میں دیکھ لو گے کہ) خدا تمہیں گناہوں اور لغزشوں سے مغفرت عطا کر دے گا (یعنی تمہاری نجات یقینی بنا دے گا) اور تمہیں عمر کی آخری مقررہ حد تک مہلت دے گا (یعنی تمہاری عمر بھی ممکنہ حد تک لمبی کردے گا تاکہ اور زیادہ زادِ راہِ آخرت اکٹھا کرسکو تاہم تم کو ایمان لانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ) یقیناً اللہ کی (طرف سے آنے والی) اجل (یعنی ساعتِ موت) جب آجائے تو موخّر نہیں کی جاتی۔ کاش کہ تم جانو (کہ یہی سنت اللہ ہے)۔

فرمایا اس کے باوجود اس کی قوم نے اس کی نہ سنی تو!

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا (٦) فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا (۷) وَ اِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا (۸)

نوح نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی پکارا اور دن کو بھی (یعنی ہماں وقت اس کام میں لگا رہا لیکن انہوں نے سمجھا کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض ہے) سو میرے پکارنے نے ان کو دور بھاگنے کے علاوہ کسی بات میں زیادہ نہیں کیا (یعنی جتنا زیادہ میں نے ان کو ہدایت کی طرف بلایا اتنا ہی زیادہ وہ بدظنی کا شکار ہوکر مجھ سے متنفر ہوتے چلے گئے) اور جب کبھی میں نے ان کو پکارا (اپنے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ) اس لئے کہ تو ان کو مغفرت عطا کرے انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور (کفر پر) اصرار کیا اور بہت بڑے تکبر سے کام لیا۔

ان لوگوں کے کانوں میں انگلیاں دے لینے کے ذکر سے ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ پہلے بھی ان کو اونچی آواز ہی میں سمجھایا کرتے تھے۔ اس لئے اس ذکر کے بعد جو انہوں نے یہ کہا کہ

’’پھر میں نے ان کو جہراً پکارا تو یہ اونچی آواز میں پکارنے کے معنی میں نہیں ہوسکتا۔ بات یہ ہے کہ تجاہر بالامر کے اصل معنی کھلے طور پر ظاہر کردینے کے ہوتے ہیں۔ پس یہ لفظ بتارہا ہے کہ کوئی بات تھی جو ان کی دعوت سے متعلق تھی وہ بات بھی انہوں نے قوم سے کہی تو تھی مگر زیادہ کھول کر نہیں کہی تھی لیکن جب ان کی قوم نے انکار پر اصرار کیا تو (سنت انبیاء کے مطابق کہ مخالفت زیادہ ہونے پر وہ قدم اور آگے بڑھاتے ہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی مصلح موعود کے متعلق جب یہ شور پڑا کہ یہ پیشگوئی غلط نکلی ہے تو آپؑ نے انہی دنوں میں لوگوں کو بیعت کی دعوت دی) انہوں نے وہ بات بھی جس پر پہلے زور نہیں دے رہے تھے کھول کر کہہ دی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ بات کیا تھی؟ اس آیت کے ماقبل سے ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے آپ کو نذیر اور بشیر کے طور پر پیش کیا قوم کو عبادت الٰہی تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ جس میں ان کے نبی ہونے کی طرف بھی اشارہ تھا کیونکہ بشیر ونذیر ہونے کا منصب اوّل نمبر پر انبیاء ہی کا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے نبی ہونے پر زور نہیں دیا یہی بتانے کو خداتعالیٰ نے اس بات کو جو انہوں نے کہی اِنِّی لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اِنِّی لَکُم مِنۡهُ نِذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ کے الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ لہٰذا ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا کے الفاظ ان کی طرف منسوب کرکے خداتعالیٰ نے یہی بتایا کہ اگرچہ اپنا نذیر وبشیر ہونا بیان کرکے انہوں نے اپنے نبی ہونے کا اشارہ تو قوم کو پہلے بھی دیا تھا مگر زیادہ زور اس پر نہیں دیا تھا لیکن جب ان کی قوم نے ان کی طرف توجہ نہ دی تو انہوں نے اپنی نبوّت کا بھی کھول کر اظہار کردیا۔

ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا (۱۰)

پھر ان کے فائدہ کے لئے میں نے اس کا اعلان بھی کیا۔ (یعنی اس کی تشہیر بھی کردی تاکہ سب تک بات پہنچ جائے اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ اس سے محروم نہ رہیں)۔ پھر میں نے ان کے فائدہ کے لئے رازداری سے بھی کام لیا (یعنی اگر کسی نے چاہا کہ اس کے ایمان لانے کو مخفی رکھا جائے تو یہ سہولت بھی اس کو دے دی)۔

یہ سارا ذکر چونکہ آئندہ آنے والی نوح (یعنی مہدی موعودؑ کے لئے بطور پیشگوئی ہے اس لئے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ سب باتیں اس موعود پر بھی صادق آئیں گی چنانچہ ان میں سے

ایک ایک آپؑ پر صادق آئی۔

نمبر۱ آپؑ بھی حضرت نوحؑ کی طرح نذیر مبین ہوکر آئے جو جو غیب کی خبریں آپ دیتے پوری ہوتی جاتی تھیں جس کی وجہ سے آپؑ کے نذیر ہونے میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہوسکتا تھا سوائے اس کے کہ کوئی نری ہٹ دھری سے کام لے۔

نمبر۲ آپؑ نے لوگوں کو عبادت کی حقیقت سمجھائی۔ نمونے کے طور پر صرف ایک اقتباس پیش ہے۔ فرمایا:-

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہوسکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستار الٰہی کہلا سکتے ہیں؟ بلکہ پرستش اس سے ہوسکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اس کا اپنا وجود درمیان سے اُٹھ جائے۔ اوّل خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حسن واحسان پر پوری اطلاع ہو۔ اور پھر اس محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزِش محبت ہروقت سینہ میں موجود ہو۔ اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی محبت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اس ہستی کے آگے مُردہ متصوّر ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو۔ اور اس کی درد میں لذّت ہو اور اس کی خلوت میں راحت ہو اور اس کے بغیر دل کو کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ اگرایسی حالت ہوجائے تو اس کا نام پرستش ہے۔ مگر یہ حالت بغیر خداتعالیٰ کی خاص مدد کے کیونکر پیدا ہو اسی لئے خدا نے یہ دعا سکھلائی **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** یعنی ہم تیری پرستش تو کرتے ہیں۔ مگر کہاں حق پرستش ادا کرسکتے ہیں جب تک تیری طرف سے خاص مدد نہ ہو۔ خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دے کر اُس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد

کے حاصل نہیں ہوسکتا اس کے حاصل ہونے کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے اور خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے۔ اور دل اس پر توکل کرے اور اُسی کو پسند کرے اور ہر چیز پر اس کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اُسی کی یاد کو سمجھے اور اگر ابراہیمؑ کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد کو ذبح کرنے کا حکم ہویا اپنے تیئں آگ میں ڈالنے کا اشارہ ہو تو ایسے سخت احکام کو بھی محبت کے جوش سے بجالائے اور رضا جوئی اپنے آقا کریم میں اس حد تک کوشش کرے کہ اس کی اطاعت میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ یہ بہت تنگ دروازہ ہے اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے۔ تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں اور اس شربت کو پیتے ہیں۔ زنا سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں اور کسی کو ناحق قتل نہ کرنا بڑا کام نہیں۔ اور جھوٹی گواہی نہ دینا کوئی بڑا ہنر نہیں مگر ہر ایک چیز پر خدا کو اختیار کرلینا اور اس کی سچی محبت اور سچے جوش سے دنیا کی تمام تلخیوں کو اختیار کرنا بلکہ اپنے ہاتھ سے تلخیاں پیدا کر لینا یہ وہ مرتبہ ہے کہ بغیر صدّیقوں کے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے ادا کرنے کے لئے انسان مامور ہے۔‘‘ (حقیقۃ الوحی۔صفحہ ۵۱۔۵۲)

نمبر۳ حضرت نوحؑ کی طرح آپؑ نے بھی صرف آخرت میں نجات دلانے کے وعدے ہی نہیں کئے بلکہ اپنے ماننے والوں کو دنیا ہی میں گناہوں سے مغفرت کی نہ صرف بشارت دی بلکہ گناہوں سے پاک کرکے دکھا بھی دیا۔

نمبر۴ آپ بھی دعوت الی اللہ کا فرض منصبی ادا کرنے میں ساری عمر دن رات کوشاں رہے مگر بدظنی کرنے والوں نے یہ سمجھا کہ اس میں آپؑ کی کوئی ذاتی غرض ہے اس لئے وہ دور سے دور ہٹتے گئے کفر پر اصرار کیا اور نہایت درجہ تکبر کا مظاہرہ کیا۔

نمبر۵ اگرچہ آپؑ کو ماموریت کی ابتداء ہی سے نبی بنایا گیا تھا اور آپؑ نے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا مگر اس پر زیادہ زور نہیں دیا تھا لیکن جب خدا نے آپؑ پر آپؑ کے مسیح ہونے

کا انکشاف فرمایا اور آپؑ نے اس کا اعلان کیا اور اس پر آپؑ کی پُرزور مخالفت شروع ہوئی تو گھبرا جانے یا قدم پیچھے ہٹانے کی بجائے آپؑ نے قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے اپنی نبوّت کا بھی اعلان فرما دیا۔

===============

یہ پیشگوئی کہ آنیوالے نوحؑ یعنی مہدی موعودؑ کے وقت میں لوگ کسی مامور من اللہ کے مبعوث کئے جانے سے مایوس ہوچکے ہونگے اور انکی مذمّت

چونکہ حضرت نوحؑ کی دعوت پر ان کی قوم کی اکثریت کا ردّعمل وہ نہیں تھا جو ہونا چاہیے تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کے آنے ہی سے مایوس تھے اور علم الٰہی میں تھا کہ آئندہ آنے والے نوح کے زمانہ کے لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا اس لئے اس کے بعد اس نے نوحِ موعود کی قوم سے جو اس کی نگاہ میں حاضر کی طرح تھی مخاطب ہوکر فرمایا:-

مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (۱۴) وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا (۱۵)

(اے لوگو) تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ سے ''وقار'' کی اُمّید نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تمہیں طورًا بعد طور پیدا کیا ہے۔

'لِ' مِنْ کی جگہ بھی آجاتا ہے اس لئے ایک معنے اس کے یہ ہیں کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اس وقار کی اُمّید نہیں رکھتے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ یوں تو اگر ایک شخص مثلاً ناجائز ذرائع سے روپیہ حاصل کرکے امیر بن جاتا ہے تو جو وقار اسے دولت پاکر ملتا ہے بوجہ اس کے **عِلّتُ الْعِلَل** ہونے کے وہ بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کا سامان اس نے نہیں کیا ہوتا وہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا لہٰذا یہاں اس قسم کا وقار مراد نہیں بلکہ وقار کا مضاف محذوف ہے اور معنے یہ ہیں کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اس متاعِ وقار یعنی سامانِ عزّت وشرف کی اُمّید نہیں رکھتے جو صرف خداتعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے ماسواللہ کا اس میں مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ اور جیسا کہ ارشاد ربّانی **تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ** سے اور اسی طرح آیت **اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ** سے سمجھا جاسکتا ہے آسمانی بادشاہت یعنی رسالت ہی ایسی

چیز ہے جسے خداتعالیٰ نے کلیۃً اپنے ہاتھ میں رکھا ہؤا ہے۔ وہ سامانِ شرف بھی ہے اور اس قوم کیلئے کہ جس میں سے رسول چُنا جاتا ہے مجسم شرف بھی۔ لیکن جیسا کہ سورۃ یونس کی آیت اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ سے سمجھا جا سکتا ہے جب کسی نبی کے آنے کا وقت ہوتا ہے اس وقت خود وہ قوم جس میں سے اس نے آنا ہوتا ہے اپنے میں سے نبی کے آنے سے مایوس ہوچکی ہوتی ہے۔ اور یہی حال آنے والے نوح کے وقت قوموں کا ہونا تھا اس لئے خداتعالیٰ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم اللہ سے اس سامانِ شرف کی کیوں اُمّید نہیں رکھتے جو اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہؤا ہے۔ حالانکہ اس نے تمہیں طوراً بعد طورٍ یعنی بار بار پیدا کیا ہے۔ بار بار پیدا ہونا بار بار مرنے کو چاہتا ہے اور عام معنٰی میں انسان ایک ہی دفعہ مرتا ہے۔ پس یہاں مجازی موت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تم روحانی طور پر کئی بار مرے اور ہر بار خداتعالیٰ نے اپنی طرف سے سامان وقار مہیا کرکے یعنی رسول بھیج کر تمہیں پھر زندہ ہونے اور عزّت کا مقام حاصل کرنے کا موقعہ دیا ہے تو اب اس سے مایوس کیوں ہوتے ہو۔ اس پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ اگر روحانی عزّت و شرف کا سامان خداتعالیٰ ہی کی طرف سے ہؤا کرتا ہے تو پھر مختلف وقتوں میں مختلف روحانی نظام کیوں قائم کئے گئے اور اگر کئے بھی گئے تو کم از کم اب تو کہ قرآن کریم کے مطابق دین مکمل ہوچکا ہے یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے پھر آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کیوں کی گئی ہے؟ آگے اس سوال کا جواب ہے۔ فرمایا:-

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (۱۶) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۱۷)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ نے سات آسمان ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے بنائے ہیں۔ اور ان میں چاند کو مستعار روشنی والا بنایا ہے اور سورج کو (بمنزلہ) چراغ بنایا ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح مادی عالم میں اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ سات یا کئی آسمان بنائے ہیں (سات کا عدد کثرت کے لئے بھی آتا ہے) جو ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے ہیں اور اس وجہ سے ان کی کثرت پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اسی طرح اس نے درجہ بدرجہ کئی روحانی نظام بھی قائم کئے ہیں لیکن چونکہ وہ بھی ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے ہیں اس لئے ان

پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ رہا آئندہ نبی کا آنا تو جس طرح مادی آسمانوں میں اس نے چاند کو مستعار روشنی والا اور سورج کو بمنزلہ چراغ بنایا ہے اسی طرح جو روحانی سلسلے اس نے قائم کئے ہیں ان میں سے ہر ایک میں بھی آخری رسول کو بمنزلہ قمر اور پہلے رسول کو بمنزلہ شمس بنایا ہے۔ پس جب ہمیشہ سے یہ سلسلہ جاری ہے تو اب اس سنت اللہ میں تبدیلی کیونکر ہوسکتی ہے۔

شمس سے ہم نے پہلا رسول اس لئے مراد لیا ہے کہ اس کے بغیر قمر کی کوئی حیثیت نہیں اور قمر سے آخری اس لئے مراد لیا ہے کہ یہاں صرف دو رسولوں کا ذکر ہے جو اسی صورت میں مناسب ہوسکتا ہے جو ان میں سے ایک سلسلہ کا پہلا اور دوسرا آخری رسول ہو کیونکہ ان دو کا ذکر ہوجائے تو درمیانی رسل اس میں خود ہی آجاتے ہیں۔ رہا قمر کو شمس سے مقدّم رکھنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل ذکر ہی اس رسول کا ہورہا ہے جس نے شمسِ سَمَآءِ روحانیت (محمد رسول اللہ ﷺ) کے لئے بمنزلہ قمر کے ہونا تھا۔ اور اس رسول کو قمر قرار دے کر یہ بھی بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ تکمیلِ ہدایت ہوجانے کے بعد اس کا آنا تکمیل اشاعتِ ہدایت کے لئے ہوگا اور وہ اپنی طرف سے دنیا کو کچھ نہیں دے گا جو کچھ دے گا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا مال ہوگا چنانچہ اس موعود نے آکر یہی کہا کہ ؎

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ زبحرِ کمال محمدؐ است
ایں آتشم زآتشِ مہرِ محمّدی است
وایں آبِ من زِ آبِ زلال محمد است

(درثمین ۱۳۰)

اس نبی کو چاند قرار دے کر یہ بھی بتایا کہ **اس کا دور جمالی دور ہوگا۔**

===============

نوح موعودؑ اور آپکی جماعت کے بارہ میں ہجرت کی پیشگوئی جو پہلی دفعہ آپؑ کے بیٹے مثیل اور دوسرے خلیفہ کے وقت میں پوری ہوئی

اوپر کی آیات میں ایک نبی کے آنے کی خبر دینے کے بعد فرمایا:-

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا(۲۰) لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۲۱)

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو وسیع بنایا ہے۔ تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔

لفظ **سبل سبیل** کی جمع ہے جس کے معنے بنے ہوئے راستے کے ہوتے ہیں اور وسیع اور بنے ہوئے راستوں کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب چلنے والے بہت ہوں اور ایسی سواریوں پر سفر کرنے والے ہوں جو صرف بنے ہوئے راستوں پر چل سکتی ہوں۔ پس اس میں یہ اشارہ کیا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جس سامانِ وقار کے مہیا کئے جانے یعنی جس نوح کے آئندہ مبعوث کئے جانے کی پیشگوئی کی جارہی ہے اسے مان کر فورًا ہی تمہاری ساری مصیبتیں دور نہیں ہو جائیں گی۔ بلکہ تمہیں ہجرت بھی کرنا پڑے گی۔ ہجرت بہت سے لوگ کریں گے جو مختلف راستوں پر سے سفر کریں گے اور ایسی سواریاں بھی استعمال کریں گے جو صرف بنے ہوئے راستوں پر چل سکتی ہیں۔ چنانچہ نوحِ موعود یعنی حضرت مہدی مسعودؑ کے زمانہ میں بھی ان کے اپنے الہام داغِ ہجرت (تذکرہ ص ۷۷۲) کے ذریعہ ہجرت مقدّر کی گئی اور آپؑ کے دوسرے خلیفہ کے (جسے الہامِ الٰہی نے آپ کا مثیل قرار دیا ہے) وقت میں آپؑ کی جماعت کو جس کا بڑا حصہ ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں بستا تھا بالکل اسی طرح پر ہجرت کرنا پڑی جس طرح پر کہ اس آیت میں بتایا گیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا:-

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِىْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا(۲۲) وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا (۲۴) وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ

وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (۲۴)
نوح نے کہا اے میرے رب یقیناً انہوں نے میرا کہا نہیں مانا اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انہیں گھاٹے کے سوا کسی چیز میں نہیں بڑھایا۔ اور (وہ اس طرح کہ) ان (مال و اولاد والے) لوگوں نے (مال و اولاد کے زور پر) بہت بڑی تدبیر کی۔ اور کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ’’وُدّ‘‘ کو چھوڑنا اور نہ ’’سواع‘‘ کو اور نہ ’’یغوث‘‘ کو اور نہ ’’یعوق‘‘ کو اور نہ ’’نسر‘‘ کو۔

===============

ان آیات میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ نوح موعودؑ جہاں مبعوث ہو گا وہاں کے لوگ ظاہراً یا معناً پانچ قسم کے بتوں کو پوج رہے ہونگے

جیسا کہ آیت **اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا** (النجم۵۳:۲۴) سے ظاہر ہے بُت پرست اپنے بتوں کے جو نام رکھتے ہیں وہ ان صفات کی بنا پر رکھتے ہیں جو وہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس یہ ذکر کرکے یہ اشارہ کیا گیا کہ نوح موعود کے مخاطب بھی ان صفات والے بتوں کو پوجنے والے ہوں گے۔

لفظ ’’وَدُ‘‘ ’’وَدَّ‘‘ سے ہے **وَدَّهٗ** کے معنے ہیں اس نے فلاں سے محبت کی۔ **ودّ** محبت اور خواہش کا دیوتا تھا یہ دیوتا مرد کی شکل پر تھا۔

سواعٌ سَاعَ سے ہے۔ **سَاعَ الشَّيْءُ** کے معنے ہوتے ہیں چیز ضائع ہوگئی یہ دیوتا عورت کی شکل پر تھا۔ زنانہ حسن کے اظہار کے لئے۔

یغوث اَغَاثَهٗ سے ہے۔ **اغاثَهٗ** کے معنے ہیں اس نے اس کی مدد کی۔ یہ حاجت روائی اور فریاد رسی کا دیوتا تھا۔

یعوق عَاقَ سے ہے **عاق عن کذا** کے معنے ہیں اس نے اسے فلاں چیز سے بچایا۔ یہ مصیبتوں اور دشمنوں کو روکنے کا بُت تھا۔

نسرًا نَسَرَ سے ہے نَسَرَ الطَّیْرُ کے معنے ہیں پرندے نے اسے چونچ سے پھاڑ دیا۔ یہ طویل عمر کا دیوتا تھا جو عقاب کی شکل پر تھا لمبی زندگی اور تیز نظر کے اظہار کے لئے۔ پس یہ سارے نام لے کر خداتعالیٰ نے دراصل یہ بتایا کہ قصّہِ نوح کے پیرایہ میں جس نوح کے آئندہ زمانہ میں آنے کی پیشگوئی کی جارہی ہے اس کے زمانہ میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں اسی قسم کے بُت پائے جائیں گے اور اَئِمَّةُ الْکُفر بزبانِ قال یا حال ان سے چمٹے رہنے کی تلقین کر کے لوگوں کو اس کی اتباع سے روکیں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات ظاہرًا و مجازًا ہر دو اعتبار سے پوری ہوئی ہے۔ نوحِ موعودؑ کا ظہور ہندوستان میں ہوا جس کی آبادی کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے اور ہندوؤں کے ہاں ودّ سواع یغوث یعوق اور نسرًا میں سے ہر ایک کے ہم صفت ایک بُت موجود ہے جن کے نام جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا انہوں نے اپنی زبان میں علی الترتیب ۱۔ برہما،۲۔ بشن،۳۔ اندر،۴۔ شنگھ اوتار وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

گذشتہ نوح کی طرح اس زمانے کے نوح نے بھی لوگوں کو اُعْبُدُ واللہ کہا یعنی خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا مگر ہندو پنڈتوں نے اپنے قول وعمل سے لوگوں کو اس کا کہا نہ ماننے اور اپنے ان بتوں سے چمٹے رہنے کی تلقین کی۔

نوحِ موعود کے دوسرے بڑے مخاطب مسلمان کہلانے والے تھے جو ظاہری طور پر تو بُت پرست نہیں تھے لیکن ان کے صحن سینہ میں معنوی یا مجازی بتوں کی کوئی کمی بھی نہیں تھی چنانچہ ان میں سے ائمة الکفر نے اس نوحؑ کے خلاف تدبیر یہ کی کہ عوام کالانام کو یہ کہہ کر اس کی اتباع سے روکا کہ لَاتَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ دیکھو اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا۔ یعنی (خواہ وہ ٹھیک کہیں یا غلط) تم اس بات پر اڑے رہنا جو تمہارے بڑے مولوی یا پیر وغیرہ کہیں وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا اور محبت کے دیوتا کو چھوڑنا نہ عورت کو۔ یعنی اگر تم اس شخص کے ساتھ تعلق قائم کروگے تو تمہیں اپنے سب پیاروں سے حتّٰی کہ اپنی بیویوں بلکہ جانوں تک سے ہاتھ دھونا پڑے گا مگر دیکھنا ایسا نہ کرنا۔ (نوح موعود کے ماننے والوں کے بارہ میں مولویوں کا یہ کہنا کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ ان کی بیویوں کو ان پر حرام ٹھہرانا اور ان کے واجب القتل ہونے کے فتوے دینا اس پیشگوئی کے عین مطابق ہے) وَلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا اور نہ ان کو چھوڑنا جو تمہارے فریاد رس ہیں اور نہ ان کو جو تمہارے محافظ یا تمہارے لئے سواری کی طرح ہیں۔ یعنی تمہارا بوجھ اُٹھانے

والے ہیں اور نہ ان کو جو باز کی طرح ہمہ وقت تم پر نگاہ رکھتے ہیں مطلب یہ کہ وہ لوگوں کو افسروں کی ناراضگی سے بھی ڈرائیں گے اور ماتحتوں اور عوام النّاس کی ناراضگی سے بھی۔ یہ مطلب نہیں کہ لازمًا منہ ہی سے ایسا کہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کردیں گے کہ اگر کوئی ماتحت اس نوحؑ پر ایمان لانا چاہے تو اسے ڈر ہو کہ اس کے افسر اسے تنگ کریں گے اور کوئی افسر ایمان لانا چاہے تو اسے ماتحتوں کا ڈر ہو اور اسی طرح ہر ایک کو عام پبلک کی لعن طعن کا ڈر بھی ہو۔

نوحِ موعود کے تیسرے بڑے مخاطب عیسائی تھے اور یہ لوگ روح القدس مسیح اور مریم وغیرہ کو معبود سمجھنے والے ہیں پس ان کے پادریوں نے اس نوحؑ کے خلاف تدبیر کے طور پر ایک طرف لوگوں کو اپنے ان معبودوں سے چمٹے رہنے کی تلقین کی اور دوسری طرف گندے لٹریچر وغیرہ کے ذریعہ ایسی فضا پیدا کی کہ مسلمان بھی اور عیسائی بھی ماسوااللہ کی محبت میں گرفتار اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوجائیں اور گویا **وَدّ** اور **سواع** سے ایسا تمسک اختیار کرلیں کہ نوحِ موعودؑ کی طرف ان کی توجہ ہی نہ ہو اور پھر **لَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا** کے مطابق انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش بھی کی کہ ان کے اصل فریاد رس محافظ وخادم اور نگران تو عیسائی حکومتیں ہیں لہٰذا انہیں ہر قیمت پر ان سے چمٹے رہنا چاہیے۔ جس خدا کی طرف انہیں بلانے والا بلا رہا ہے اس سے انہیں کیا ملے گا۔

چونکہ شرک بنیادی گناہ ہے اور جو اس کا مرتکب ہو اور نبی کے سمجھانے پر بھی اس سے باز نہ آئے وہ ان بہت سی غلط باتوں سے جس میں وہ مبتلا ہوتا ہے نجات نہیں پاسکتا۔ اس لئے اگلی آیات میں یہ ذکر کیا کہ نوح کے مخاطب اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کئے گئے اور پھر آگ میں ڈالے گئے یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کئے گئے جس میں پانی کی کثرت کا بھی تعلق تھا اور آگ کا بھی تا اشارہ ہو کہ آنے والے نوح کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوگا سیلاب بھی آئیں گے اور زلزلے بھی جن کے نتیجہ میں زمین سے لاوا نکلے گا اور آگ برسے گی لیکن زلازل کا صاف طور پر ذکر نہیں کیا تا اشارہ ہو کہ نوح موعود کے زمانہ میں صرف زلازل کے ذریعہ ہی نہیں اور ذرائع سے بھی آگ کا عذاب نازل ہوگا۔

===============

یہ پیشگوئی کہ گو نوح موعودؑ کی قوم شرک میں مبتلا ہو گی لیکن وہ خود مُوَحِّد گھرانے کا فرد اور پیدائشی مسلمان ہو گا

جب نوح گذشتہ کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ آنے والا نوح ایسے ملک میں مبعوث ہو گا جس کے بسنے والے اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہوں گے تو اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ وہ خود کن لوگوں میں سے ہو گا؟ اس لئے اگلی آیات میں نوح گذشتہ کی ایک دعا کا ذکر کر کے نہایت لطیف پیرایہ میں اس سوال کا جواب دیا۔ فرمایا عذاب آ کر ختم ہو جانے کے بعد جب قوم از سرِ نو آباد ہونے لگی تو حضرت نوحؑ نے پہلے تو یہ دعا کی کہ خدایا اس جگہ ایسے **ائمة الکفر** کو جو دوسروں کو بھی گمراہ کیا کرتے ہیں بسنے نہ دینا لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات سنت اللہ کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں سے ساری دنیا پاک ہو جائے اس لئے اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسے لوگوں کی شرارتوں سے بچنے کے لئے یہ دعا بھی کی کہ

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا (۲۹)

اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور جو میرے گھر میں مومن ہونے کی حالت میں داخل ہو (اسے) اور (تمام) مومنوں اور مومنات کو مغفرت عطا کر لیکن ان ظالموں کو سوائے تباہی کے کسی چیز میں نہ بڑھانا۔

کسی کے بارہ میں **اِغفرلهٗ** کہا جائے تو اس کے دو معنے ہوتے ہیں ایک یہ کہ خود اسے مستقبل کی لغزشوں سے یا ماضی کی لغزشوں کے بدنتائج سے بچا لیا جائے اور دوسرے یہ کہ اس کی خاطر دوسروں کو مغفرت عطا ہو یعنی وہ اسکے بارہ میں کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔ **اَئِمَّةُ الْکُفر** کی شرارتوں سے بچنے کے لئے یہ دعا دوسرے معنٰی میں تھی لیکن نبی کے پیشِ نظر آخرت، ہر وقت رہتی ہے اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ پڑھنے والا اس دعا سے بہرحال یہ مفہوم لے سکتا تھا کہ حضرت نوحؑ نے اپنے والد کی مغفرت کے لئے یعنی اگلے جہاں میں بخشے جانے کے لئے دعا کی خداتعالیٰ کا اس دعا کو نقل کرنا اور حضرت نوحؑ کے والد کا ذکر ان کے اور مومنوں کے ذکر کے

درمیان رکھنا بتاتا ہے کہ گو انہیں حضرت نوحؑ پر عملاً ایمان لانے کا موقعہ تو نہیں ملا تھا تاہم وہ غیر مومن بھی نہیں تھے جو اسی صورت میں ممکن ہے جو وہ حضرت نوح کے دعویٰ سے پہلے فوت ہوگئے ہوں لیکن ان سے پہلے کے نبی کو ماننے والے ہوں یا اگر ان سے پہلے کوئی نبی وہاں نہیں ہوا تو کم از کم مُوَحِّد ہوں۔ اور چونکہ توحید نبی سے حاصل ہوتی ہے اور **کافة للنّاس** کی طرف مبعوث ہونے والے نبی کے بعد کوئی شخص اس سے باہر رہ کر صحیح معنی میں مُوَحِّد نہیں ہوسکتا اور یہاں گزشتہ نوحؑ کا ذکر کرکے آئندہ آنے والے نوحؑ کے متعلق پیشگوئی کی جارہی ہے اس لئے ثابت ہؤا کہ اس ذکر میں یہ اشارہ تھا کہ نوح موعود یعنی مہدی مسعودؑ کے والد بھی گو اس کے دعویٰ سے پہلے فوت ہوچکے ہوں گے تاہم ان کا شمار مومنوں میں ہوگا یعنی وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں میں سے ہوں گے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ نوحؑ پیدائشی طور پر مسلمان ہوگا اور اس کا تعلق کسی مشرک گھرانہ سے نہیں ہوگا۔

===============

یہ خبر کہ نوح موعودؑ کے (روحانی) اہل بیت عذاب کے وقت خدا کی پناہ میں رہیں گے اور بچائے جائینگے

مذکورہ بالا دعا کے الفاظ **وَمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا** سے یہ بھی اشارہ ہوتا ہے کہ (باوجود یکہ نوح موعودؑ کی بہت مخالفت ہوگی لیکن) ایسے بھی ہوں گے جو اسے قبول کریں گے اور باہر سے آکر اس کے روحانی اہل بیت میں شامل ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ اس کی دعائے مغفرت سے مستفید ہوں گے۔ اور عذاب کے وقت بچائے جائیں گے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے ملک میں سخت طاعون پھیلنے کی پیش از وقت خبر دی اور اس کے ساتھ فرمایا۔ اس (خدا) نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ

> ''میں ہر ایک ایسے شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو (تیرے) اس گھر کی چاردیواری میں ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے تمام مخالفانہ ارادوں سے دست کش ہوکر پورے اخلاص اور اطاعت اور انکسار سے سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔'' (کشتی نوح)

چنانچہ ایسا ہی ہؤا کہ آپؑ کے متبعین بمقابلہ دوسروں کے طاعون سے بچائے گئے۔ جہاں دوسروں میں ہزارہا اموات طاعون سے ہوئیں ان میں شاذونادر کے علاوہ کوئی موت نہیں ہوئی۔

===============

نوح وقت مہدی موعودؑ کی سیرت کے درخشاں پہلوؤں میں سے ایک

تائیدِ الٰہی پر یقینِ کامل

چونکہ حضرت مہدی موعودؑ کو خداتعالیٰ نے نوح وقت قرار دیا ہے اس لئے ضرور تھا کہ آپؑ کی سیرت اور حضرت نوحؑ کی سیرت میں کوئی مناسبت اور قدرِ مشترک ہو۔ سورۃ یونس کی ایک آیت سے حضرت نوحؑ کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ انہیں خدا پر پورا توکل تھا اور یقین تھا کہ دشمن ان کے خلاف جتنی چاہیں کوششیں کرلیں بالآخر وہی کامیاب ہوں گے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوْحٍ اِذْقَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُ كُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْآ اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ

اے رسول انہیں وہ عظیم الشان خبر سنا جب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگرتم پر میرا (خداداد) مرتبہ اور میرا تمہیں آیات اللہ کے ذریعہ نصیحت کرنا گراں ہے تو (یاد رکھو) میں اللہ پر توکل رکھتا ہوں (اور وہ میرا مدد گار ہوگا) لہٰذا تم اور تمہارے معبود (میرے خلاف) اپنے تمام مخالفانہ منصوبے جمع کرلو۔ اور یہی نہیں اس بات کا اہتمام بھی کر لو کہ تمہاری تدبیر کا کوئی پہلوتم پر مبہم نہ رہ جائے پھر اسے مجھ پر وارد کردو اور مجھے (کچھ بھی) مہلت نہ دو۔ (پھر دیکھو خدا تمہیں کیسا ناکام اور مجھے کیسا کامیاب کرتا ہے)۔

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کا بھی بالکل یہی حال تھا۔ آپؑ نے دشمنوں کو للکار کر کہا کہ تم

جتنی مرضی بددعائیں میرے خلاف کرلو وہ تمہارے ہی منہ پر ماری جائیں گی۔ (اصل حوالہ دوسری جگہ درج کردیا گیا ہے)۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ:-

"ہر ایک مخالف کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو اس سلسلہ کو نابود کرنے کے لئے کوشش کرے اور ناخنوں تک زور لگاوے اور پھر دیکھے کہ انجام کار وہ غالب ہوُا یا خدا.... پس یقیناً سمجھو کہ صادق ضائع نہیں ہوسکتا۔

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹)

===============

کثرتِ نو مبائعین کی خوشی کے ساتھ موجودہ وقت بہت بڑی فکر کا وقت بھی ہے

چونکہ نوح اوّل کے ذکر کے پیرایہ میں نوح ثانی حضرت مہدی موعودؑ کے بارہ میں پیشگوئیوں کا بیان ہورہا ہے اسلئے ایک پیشگوئی کا جو اسی طریق پر سورۃ ہود میں کی گئی ہے ذکر بھی اس جگہ کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ اس سورۃ کی آیت ۳۷۔۳۸ میں ہے کہ" نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو ایمان لاچکے ہیں اب کوئی اور ایمان نہیں لائیگا۔ سو جن لوگوں نے ظلم کیا انکے بارہ میں مجھے مخاطب (کرکے رحم کی اپیل) نہ کرنا وہ ضرور غرق کئے جائینگے" یعنی اُنپر ضرور عذاب آئیگا۔

چونکہ دنیا میں عذاب آتا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگ بھی کہ جو عذاب دیکھے بغیر ایمان لانے والے نہیں ایمان لے آئیں جیسا کہ سورۃ ھود ہی کی آیت ۴۹ میں طوفان کے تھم جانے پر سلامتی کے ساتھ کشتی نوح سے اُترنے کا حکم پانے والوں کو "اُمتیں" قرار دے کر اسکی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ دوسروں کے اُن میں شامل ہو جانے سے وہ ایک ایک سے کئی کئی بن جائینگے اسلئے آیات ۳۷۔۳۸ میں جو کچھ کہا گیا اسمیں یہ اشارہ تھا کہ جس طرح نوح اوّلؑ کے زمانہ میں ایک وقت آگیا تھا کہ جتنے لوگ عذاب سے پہلے ایمان لانے والے تھے ایمان لے آئے تھے اور مزید لوگوں کے دائرہ ایمان میں داخل ہونے کا دروازہ بند ہو گیا تھا اور دوبارہ عذاب کے بعد کھلا تھا ایسا ہی نوح ثانیؑ کے وقت میں ہوگا۔

چنانچہ اس وقت جو نوح ثانی حضرت مہدی موعودؑ کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے کا سامان کرکے خدا تعالیٰ تمام بنی نوع انسان پر اتمام حُجت کررہا ہے اور کثرت سے لوگ آپؑ پر ایمان لارہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت بھی بالکل نزدیک آگیا ہے۔ جو لوگ عذاب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں وہ سب اب جلد ایمان لے آئینگے اور اسکے بعد رحمت کا یہ دروازہ بند ہوجائیگا اور پھر اس عالمگیر عذاب کے آنے کے بعد کھلی گا جس کے ساتھ عالمگیر غلبہ اسلام وابستہ کیا گیا ہے۔ پس یہ وقت جہاں خوشی کا وقت ہے کہ لوگ بکثرت ایمان لارہے ہیں وہاں حد درجہ فکر کا وقت بھی ہے کہ یہ عالمگیر عذاب کی آمد آمد کی خبر دے رہا ہے۔

===============

سورۃ الجن میں مہدیؑ کا ذکر

نوح موعود ہی مسیح اور مہدی ہوگا۔ کسرِ صلیب اسکا ایک خاص کام ہوگا۔ اور یہ کام وہ دلائل و براہین کی تلوار سے سرانجام دیگا

جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے سورۃ نوح میں گذشتہ نوح کے ذکر کے پیرایہ میں آئندہ زمانہ میں ایک نوح کے آنے کی پیشگوئی تھی اور جہاں یہ بتایا گیا تھا کہ باوجود اس کی مخالفت کے کئی لوگ اسے مانیں گے اور باہر سے آکر اس کے روحانی اہل بیت میں شامل ہوں گے وہاں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ بعض لوگ آخر تک ظالمانہ روّیہ اختیار کئے رہیں گے۔ اس کے معًا بعد سورۃ الجّن آتی ہے۔ اس کے شروع ہی میں یہ بتا کر کہ آئندہ زمانہ میں مسیحیوں کے بڑے بڑے لوگ ایمان لائیں گے اور ایمان لاکر برملا یہ اظہار کریں گے کہ الوہیتِ مسیحؑ کا عقیدہ احمقانہ عقیدہ تھا جو ایک شخصِ واحد کی اختراع تھا۔ یہ اشارہ کیا گیا کہ جس موعود کو سورۃ نوح میں نوح قرار دیا گیا ہے وہ رائج الوقت مسیحی مذہب کا ردّ کرے گا اور اس کام میں اسے کامیابی ہوگی۔ یعنی گو نوحِ گذشتہ کی طرح اس کا عمومی مشن لوگوں کو اللہ کی عبادت اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دینا ہی ہوگا۔لیکن اس کا خاص مشن کسرِ صلیب ہوگا یا بہ الفاظِ دیگر یہ کہ وہی وہ موعود مسیح اور

مہدی ہوگا (علیہ السلام) جس کے آنے کی حضرت نبی کریم ﷺ نے پیشگوئی کی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ **یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ** وہ صلیب کو توڑیگا۔ اور چونکہ اس سے پہلے سورۃ القلم میں اسے صاحب القلم قرار دیا گیا ہے اس لئے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا صلیب کو توڑنا دلائل وبراہین کی تلوار سے ہوگا نہ کہ لوہے کی تلوار سے جیسا کہ آج کل کے علما کہلانے والے جُہلاء کا خیال ہے۔

اس سورۃ (الجن) میں ہے:۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْآ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (۲) یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (۳) وَّاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا مَااتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا (۴) وَاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْھُنَا عَلَے اللّٰہِ شَطَطًا (۵) وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِ نْسُ وَ الْجِنُّ عَلَے اللّٰہِ کَذِبًا (٦) وَّاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَّ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا (۷)

(اے رسول) کہہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنّوں کے ایک گروہ نے (اسے) سنا پھر (اس سے متاثر ہوکر اپنی قوم سے کہا) ہم نے یقیناً ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے اور (آئندہ) ہم کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور حق یہ ہے کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے نہ اس نے کوئی بیوی اختیار کی ہے نہ بیٹا۔ اور یقیناً ہمارے بیوقوف اللہ کے متعلق دور از حقیقت باتیں کیا کرتے تھے اور (ہم ان کی باتوں میں اس لئے آگئے کہ) ہم یہ گمان رکھتے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹ نہیں بولیں گے (مگر انہوں نے جھوٹ بولا)۔ اور انسانوں میں سے بعض مرد جنوں میں سے بعض مردوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو اس بات نے انہیں سرکشی میں بڑھا دیا۔

سورۃ الاحقاف میں بھی جنّوں کا ذکر ہے مگر وہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں جس سے ظاہر ہو کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو ان جنّوں کے آنے کا علم نہیں تھا۔ بلکہ **صَرَفْنَا اِلَیْکَ** اور **یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآن** ۔ اور **فَلَمَّا حَضَرُوْهُ** کے الفاظ سے جو ان کے متعلق لائے گئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن پڑھنے کے مقام پر جہاں آپؐ اس وقت عملاً قرآن پڑھ رہے تھے آپؐ کے پاس آئے تھے۔ اور چونکہ یوں تو قرآن پڑھنے کا کوئی خاص مقام مقرّر نہیں لیکن مساجد میں یہ خاص طور پر پڑھا جاتا ہے اس لئے اس کے پڑھے جانے کے مقام کے ذکر سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے پاس کسی مسجد میں آئے تھے اور اس وقت آئے تھے جب آپؐ با آواز بلند تلاوت قرآن فرما رہے تھے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضوؐر کے وقت میں مساجد ہی میں وفود سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ پس گمانِ غالب یہی ہوسکتا ہے کہ نہ صرف آپؐ نے بلکہ دوسرے حاضرین نے بھی ان کو دیکھا ہوگا۔ لیکن جن جنّات کا یہاں ذکر ہے نہ تو ان کے آپؐ کے پاس آنے کا ذکر ہے اور نہ کوئی اور قرینہ ہی ایسا رکھا گیا ہے جس سے معلوم ہو کہ آپؐ کو ان کے قرآن سننے کا علم تھا۔ اس کے برعکس **قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ** کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ آپؐ کو علم نہیں تھا۔ خداتعالیٰ نے علم دیا۔ پھر سورۃ الاحقاف والے جنّوں نے جو باتیں کیں وہ ان سے جو اس سورۃ میں مذکور جنّوں نے کیں مختلف ہیں۔ نیز سورۃ الاحقاف والے جن تاریخی شہادتوں کی رُو سے بھی اور سورۃ کی اندرونی شہادتوں کی رُو سے بھی یقینی طور پر یہودی تھے لیکن اس سورۃ میں جن جنّوں کا ذکر ہے ان کے مذکورہ عقائد ان کا مسیحی ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ گو قرآن نے کہا ہے کہ یہود عزیر کو ابن اللہ قرار دیتے تھے لیکن **اِتِّخَاذِ وَلَدْ** کے الفاظ جو یہاں آئے ہیں قرآن نے بلا استثناء ہر جگہ صرف اور صرف مسیحیوں کے لئے استعمال کئے ہیں۔ اسی طرح خداتعالیٰ کی صاحبہ ہونے کا عقیدہ بھی مسیحی عقیدہ ہے کیونکہ انہی کے ہاں خدا باپ خدا بیٹے اور خدا ماں (MOTHER OF GOD) کا تصوّر پایا جاتا ہے۔ یہود کے ہاں ایسا کوئی تصوّر نہیں ملتا۔

ان دلائل سے ثابت ہے کہ سورۃ الاحقاف میں اور جنّوں کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں اور جنّوں کا ذکر ہے۔ وہاں یہودی جنّوں کا ذکر تھا اور یہاں مسیحی جنّوں کا ذکر ہے۔ اور چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس نصیبین کے یہود میں سے بڑے لوگوں کے ایک وفد کا آنا۔ قرآن

سننا اور واپس جاکر اپنی قوم میں اس کی تبلیغ کرنا تاریخ سے ثابت ہے لیکن مسیحیوں کے بڑے آدمیوں (جنّات) کے کسی وفد کے متعلق یہ باتیں ہرگز ثابت نہیں اسلئے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جنّات سے متعلق سورۃ الاحقاف کی آیات تو ایک واقعہ شدہ بات کے بیان پر مشتمل ہیں لیکن سورۃ الجن کی یہ آیات بطور پیشگوئی کے تھیں اور ان میں ماضی کا صیغہ یقینی مستقبل کی خبر دینے کیلئے لایا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے وقت میں مشرکینِ مکّہ کے بعد یہودی اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اس لئے سورۃ الاحقاف میں یہود میں سے بعض کے قرآن سننے کا ذکر کیا گیا لیکن آئندہ زمانہ یعنی نوح موعودؑ یا مہدی موعودؑ کے زمانہ میں اسلام کے بڑے دشمن مسیحیوں نے ہونا تھا اس لئے اُس سورۃ کے بعد میں رکھی جانے والی اِس سورۃ میں یہ بتایا گیا کہ ایک دن وہ بھی قرآن کی خوبیوں کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔

نَـفَـرٌ کا لفظ انسانوں کے گروہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس اس لفظ اور رِجَالٌ کے لفظ کا استعمال اور ان کے قرآن پر ایمان لانے کا ذکر (جبکہ قرآن **هُـدًىً لِـلـنَّـاس** ہے) بتاتا ہے کہ یہاں جنّوں سے انسان ہی مراد ہیں نہ کہ کوئی غیر مَرئی مخلوق اور بتایا یہ گیا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں گے اور اس کی خوبیوں کا اقرار کریں گے اور یہ اقرار بھی کریں گے کہ ایمان لانے سے پہلے وہ شرک میں مبتلا رہے تھے اور خدا کی صاحبہ اور بیٹا ہونے کے قائل تھے۔ اور یہ عقیدہ ان میں ایک بیوقوف شخص سے آیا تھا۔ چنانچہ یہ بات اس زمانہ میں کھلی ہے کہ تثلیث کا عقیدہ شخصِ واحد پولوس کی اختراع ہے۔

چونکہ ان کے مندرجہ بالا قول پر ان جِنّوں سے سوال ہوسکتا تھا کہ اگر تثلیث کا عقیدہ ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ تم اب کہہ رہے ہو تو پہلے تم خود اسے کیوں مانتے رہے ہو اس لئے وہ جن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ **وَاَنَّـا ظَنَنَّآ اَنْ لَّـنْ تَـقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَے اللّٰهِ كَذِبًا. وَاَنَّه، كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۔**

لفظ جن کے برعکس جس کے معنے پوشیدہ ہونے کے ہیں اَنس کے معنے ظاہر ہونے کے ہیں۔ بعض نے ’’ انسان‘‘ کو’’ اُنس‘‘ سے مانا ہے جس کے معنے محبت اور ملنساری کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ دراصل انسیان بروزنِ افعلان ہے۔ اس کو ذمہ دار بنایا گیا تھا مگر وہ اپنی ذمہ داری کو بھول گیا اس لئے انسان کہلایا۔

لہٰذا ان کے قول کا مطلب یہ ہؤا کہ ہم تو حسنِ ظن میں مارے گئے ہمارا خیال تھا کہ انس ہوں یا جن یعنی عوام ہوں یا خواص۔ وہ لوگ ہوں جن پر شریعت کی ذمہ داری ڈالی گئی اور وہ اسے بھول گئے یا شریعت سے سرکشی برتنے والے ہوں یعنی مسلمان ہوں یا عیسائی خدا پر دانستہ جھوٹ بہرحال نہیں بولیں گے۔ لیکن ان دونوں نے جھوٹ بولا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ **رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ** یعنی شریعت سے انس رکھنے والے یعنی مسلمانوں میں سے کچھ لوگ **رِجَالٌ مِّنَ الْجِنِّ** یعنی شریعت سے سرکشی کرنے والوں (یعنی مسیحیوں) میں سے کچھ لوگوں کی (دینی ودنیوی معاملات میں) پناہ لینے لگ گئے تھے۔ پس اس بات نے ان جنّوں کو سرکشی میں بڑھا دیا۔

===============

یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کے وقت میں مسیحی بھی اور مسلمان بھی یہ سمجھ رہے ہونگے کہ مسیح ناصری آسمان سے اُتریگا۔ زمین پر سے اب کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ مگر خود مسیحیوں کی تحقیق اس خیال کو غلط ثابت کریگی

اوپر کی آیات کے بعد ہے:-

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَداً (۸)

اور ان لوگوں (رجالٌ من الانس یعنی مسلمانوں) نے (بھی) گمان کیا جیسا کہ تم (رجال من الجن) گمان کرتے ہو کہ (آئندہ) اللہ اس زمین سے) کسی کو بھی (نبی بنا کر) کھڑا نہیں کرے گا۔

مطلب یہ کہ جس طرح تم (مسیحی) یہ سمجھتے ہو کہ مسیح آسمان پر بیٹھا ہے اور وہاں سے دوبارہ اُترے گا ورنہ اس زمین کے باسیوں میں سے اب کسی کو نبی بنا کر کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ بعینہٖ یہی عقیدہ ان مسلمانوں کا ہے۔

چنانچہ دیکھ لیجئے مسلمانوں کا یہی باطل عقیدہ تھا جس کی وجہ سے مسیحی ان پر چھا گئے اور انہوں نے ان میں سے لاکھوں کو عیسائی بنا لیا۔ اور جب خداتعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اب مسلمان اس ذلّت سے بچ جائیں تو اس نے مسیحؑ ہی کے نام پر اپنا مامور بھیجا جس نے آکر مسلمانوں کو

سمجھایا کہ ’’مسیح کو مرنے دو تا اسلام زندہ ہو‘‘۔ نیز فرمایا ’’خوب یاد رکھو کہ بجز موت مسیح صلیبی عقیدہ پر موت نہیں آسکتی .... اس کو مرنے دو تا یہ دین زندہ ہو‘‘۔ (کشتی نوح ص ۱۷) اسی طرح فرمایا ’’تم عیسٰی کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے‘‘۔ (ملفوظات جلد ۱۰ ص ۴۵۸)
خدا فرماتا ہے اس کے بعد وہ جن کہیں گے:-

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (۹)

لیکن ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے زبردست محافظوں اور شُہُب سے بھرا ہوا پایا۔

یوں تو ہر متلاشی اور جستجو کرنے والے کو ملتمس کہہ دیتے ہیں لیکن لمس کے اصل معنے ہاتھ سے چھونے کے ہیں اور چونکہ آسمان کے حالات کی جستجو بھی جیسے اس زمانہ میں ہوئی کہ کروڑوں میل پر واقع اجرام فلکی تک انسان کے بنائے ہوئے آلات نے پہنچ کر وہاں کی تصویریں بھیجی ہیں اور مختلف معلومات فراہم کی ہیں یہاں تک کہ چھُونے والی بات میں بھی کسر نہیں رہی کہ چاند تک تو انسان بنفسِ نفیس بھی پہنچا ہے اسلئے جہاں تک ان کے ظہر کا تعلق ہے یہ آیات جیسی ہمارے اس زمانہ پر چسپاں ہوتی ہیں اور کسی زمانہ پر چسپاں نہیں ہوتیں۔ بہرصورت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ جن کہیں گے کہ بیشک مسیحی اور مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اب کوئی پیغمبر زمین سے مبعوث نہیں ہوگا اور نبی کی ضرورت پورا کرنے کیلئے آسمان پر سے مسیح اُتریگا لیکن ہم نے آسمان کے حالات معلوم کئے ہیں بلکہ ایک طرح سے اس کو چھُو کر دیکھ لیا ہے وہ تو زبردست پہرے داروں یعنی شہب سے بھرا ہوُا ہے یعنی وہاں کے حالات ایسے ہیں کہ کسی انسان کا (بغیر اس قسم کے انتظامات کے جس قسم کے انتظام کرکے ہم گئے ہیں) وہاں تک جانا بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ وہ وہاں پہنچ کر سینکڑوں سال سے زندہ سلامت بیٹھا ہوُا ہو۔ پس جب کسی کا بغیر خاص انتظامات کے وہاں رہنا بلکہ جانا بھی ممکن نہیں تو پھر وہاں سے اُترنے کا عقیدہ کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

وَ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْلَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (۱۰)

اور (وہ جن یہ کہیں گے کہ) پہلے تو ہم سننے کے لئے اس کی بیٹھنے کی

جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے (اور کچھ باتیں سن لیا کرتے تھے لیکن اب حالات بدل چکے ہیں) سو جو اب سنتا ہے وہ ایک شہاب کو گھات میں پاتا ہے۔

بریکٹ کے اندر کی عبارت محذوف ہے جس پر اگلے الفاظ **فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ** دال ہیں۔ **مِنْهَا** کی ضمیر **سَمَآء** کی طرف جاتی ہے جس کا ذکر سابقہ آیت میں تھا لیکن اس سے پہلی آیت میں ان جنوں ہی کی زبانی یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ انسان کا (بغیر خاص سامانوں کے) آسمانوں تک جانا ممکن نہیں ہے اس لئے یہاں **مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ** سے مجازی آسمان کے مقامات یا وہ مقامات ہی مراد ہوسکتے ہیں جنہیں محاورہ میں آسمان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے بھی لکھا ہے **لِلسَّمْعِ** کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں پہلی یہ کہ یہ **نَقْعُدُ** سے متعلق ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ **لِاَجْلِ السَّمْعِ** یعنی سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری یہ کہ یہ مضمر سے جو مقاعد کی صفت ہے متعلق ہو۔ اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ ان مقامات پر بیٹھا کرتے تھے جو سننے کے لئے مقرّر ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ الحجر میں ہے **وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ. وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ. اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ** (۱۷ تا ۱۹) اور سورۃ الصافات میں ہے **اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ. وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ. لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ. دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ. اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ** (۷ تا ۱۱) ان آیات میں اس زمانہ کا ذکر ہے جس میں ایک شہاب جس سے نبی مراد ہے موجود ہوتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے وقت میں اگر شیاطین **اَلْمَلَاِ الْاَعْلٰى** کی باتوں میں سے کوئی بات چُرا لیں تو شہاب اسکے پیچھے لگ جاتا ہے یعنی ان کی چوری کا پردہ فاش کر دیتا اور انہیں اس بات کے غلط استعمال میں کامیاب ہونے سے روک دیتا ہے لیکن زیرِ نظر آیات میں دو زمانوں کا ذکر ہے ایک نبی کے آنے سے کچھ پہلے کے زمانہ کا جس میں **اَلْمَلَاِ الْاَعْلٰى** کی باتیں چرانے والوں پر پکڑ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور دوسرے اس زمانہ کا جس میں ایک نبی موجود ہوتا ہے۔ اور نبی سے کچھ پہلے کا جو زمانہ

ہوتا ہے اس میں سابقہ اھلِ کتاب میں سے دو قسم کے لوگ دنیا میں پائے جایا کرتے ہیں۔ ایک وہ جو روحانیت سے بالکل کورے ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے تئیں ریاکاری کی راہ سے ظاہر روحانی اور بزرگ آدمی کرتے ہیں اور دوسرے وہ جنہیں ایک حد تک روحانیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس آیت کے الفاظ ایسے رکھے گئے ہیں کہ اس میں ان ہر دو قسم کے لوگوں کا ذکر آگیا ہے۔ **لِلسَّمۡعِ** کی جو دو صورتیں اُوپر بیان کی گئیں ہیں ان میں سے پہلی صورت (**لِاَجۡلِ السَّمۡع**) کے مطابق اس میں اوّل الذّکر قسم کے لوگوں کا ذکر ہے اور دوسری صورت کے مطابق موخر الذّکر قسم کے لوگوں کا۔ اور ایسا ہی ہونے چاہیے تھا کیونکہ آیت **وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَ مِنَّا دُوۡنَ ذٰلِکَ** سے ان میں دونوں قسم کے لوگوں کا پایا جانا ثابت ہے۔

بہرحال ان الفاظ کے پہلے مفہوم کے مطابق ان جنوں نے اپنے شیاطین کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے تو ہم آسمان کی بیٹھنے کی جگہوں پر یعنی عبادت گاہوں میں جو اللہ کے گھر کہلاتی ہیں اور اس طرح آسمان کی طرف منسوب ہوتی ہیں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے (اور وہاں بیٹھنے والوں سے **اَلۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی** کی کوئی سنی سنائی بات سن لیا کرتے تھے) لیکن جو اب سنتا ہے وہ ایک شھاب کو گھات میں پاتا ہے یعنی وہ دیکھتا ہے کہ ایک ایسا وجود جسے شھاب کہنا چاہیئے اس کا پول کھولنے اور اس کے پلید ارادوں کو ناکام بنانے کے لئے تیاّر بیٹھا ہے۔ یعنی ایک نبی موجود ہے جس کی وجہ سے ہماری دال گلنے نہیں پاتی۔

رہا الفاظ زیرِ تفسیر کا دوسرا مفہوم تو اس کے مطابق ان جنّوں نے اپنے نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قوم سے یہ کہا (یعنی کہیں گے) کہ پہلے تو ہم آسمان کی ان جگہوں پر جو **اَلۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی** کی باتیں سننے کے لئے مقرّر ہیں بیٹھا کرتے تھے۔ یعنی ہمیں وہ روحانی مقامات حاصل تھے جن کے حاصل ہونے سے لوگ خدا کا الہام پالیتے ہیں اور مذہبی اصطلاح میں مختلف آسمانوں پر یا آسمان کے مختلف مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ (آنحضورؐ نے جو کشفِ معراج میں مختلف نبیوں کو مختلف آسمانوں پر دیکھا اس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے) لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ لہٰذا جو اب سننے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک شھاب کو نگران پاتا ہے یعنی یہ دیکھ لیتا ہے کہ ایک ایسا وجود جسے شھاب کہنا چاہیے بطور نگران کے بیٹھا ہے۔ جب تک ہم اس سے پروانہ حاصل نہ کریں ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ یعنی جو بھی پہلے صلحاء یا اولیاء صاحب

کشف والہام و رویاء تھے موعود مسیحؑ کا انکار کرنے سے وہ اس نعمتِ مکالمہ مخاطبہ سے محروم ہوجائیں گے۔صرف ماننے والوں کو یہ انعام ملے گا۔

پس جہاں سابقہ آیت کے الفاظ میں ان جنّوں نے اپنی قوم کو یہ کہا (یعنی کہیں گے) کہ انسان کا بجسد عُنصری (بغیر خاص سامانوں کے) آسمانوں تک پہنچنا محال ہے (چہ جائیکہ وہ وہاں جاکر صدیوں رہے اور پھر لوگوں کی ہدایت کے لئے نزول کرے) وہاں اس آیت کے الفاظ میں یہ بتایا کہ اب ان کے لئے روحانی اعتبار سے آسمانوں تک پہنچنے کے راستے بھی مسدود ہوچکے ہیں بلکہ وہ چوری چھپے بھی **مَلَاِ اَعْلٰی** کی باتیں سن کر کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔اب ان کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ اس شخص کا دامن پکڑیں جسے خداتعالیٰ نے شھاب بنا کر کھڑا کیا ہے۔

الغرض ان آیات میں جہاں یہ بتایا گیا کہ آئندہ زمانہ میں مسیحی اقوام میں سے بڑے بڑے لوگ بھی اسلام لائیں گے وہاں یہ بھی بتایا گیا کہ اس وقت مسلمان یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کی ہدایت کے لئے آسمان سے کوئی شخص (یعنی مسیح) آئے گا زمین سے کوئی مبعوث نہیں ہوگا لیکن ان کا اس خیال کو خود مسیحیوں کی سائنسی تحقیق غلط ثابت کردے گی۔

===============

یہ خبر کہ جو مسیحی مسیح موعودؑ کی اتباع کریں گے ان میں سے بھی صاحبِ الہام ہوں گے

اس سورۃ (الجن) کی اگلی آیات (۱۳ تا ۱۸) میں پہلے یہ ذکر ہے کہ وہ جن اپنی قوم کو سمجھائیں گے کہ اس ملک میں اللہ کی مرضی بہرحال پوری ہوگی۔جن کو وہ ہدایت دینا چاہتا ہے وہ ہدایت پائیں گے اور جن کو وہ سزا دینا چاہتا ہے وہ سزا سے بچ نہیں سکیں گے لیکن ہم نے ان باتوں کا انتظار نہیں کیا بلکہ ہدایت کی طرف بلانے والے کی آواز سنتے ہی اسے مان لیا ہے۔اور پھر بتایا گیا ہے کہ ان مسیحوں میں سے بھی ان کو جو طریق اسلام پر استقامت دکھائیں گے آسمانی پانی یعنی وحی والہام سے حصّہ وافر دیا جائے گا۔مگر اس میں ان کی آزمائش بھی ہوگی اور جو اس پر پورے نہیں اُتریں گے وہ مبتلائے عذاب کئے جائیں گے پھر یہ فرما کر کہ: **اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا** یہ اشارہ کیا ہے کہ ان کے ممالک میں بھی مساجد تعمیر ہوں گی۔

اور چونکہ بعض لوگوں کو یہ خیال بھی ہوسکتا تھا کہ جب قرآن موجود ہے تو اب کسی رسول کی ضرورت نہیں اور صرف قرآن کی تبلیغ واشاعت سے یہ جنّات وغیرہ ایمان لے آئیں گے۔ اس لئے آخر سورۃ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کو فرمایا عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ اپنے غیب کو یعنی غیب کی ان باتوں کو جو انسان کے لئے خدا نمائی کا کام دیتی اور خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہیں خدا ہی جانتا ہے۔ ہرکس وناکس جان نہیں سکتا۔ اور اس کی سُنَّت یہی ہے کہ وہ اپنے غیب پر یعنی غیب کی ان مذکورہ باتوں پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اسے جسے (اس کام کے لئے) پسند کرے یعنی جو اس کا رسول ہو۔ لہٰذا صرف کتاب کافی نہیں ہوا کرتی اس کے ساتھ ایک رسول کی بھی حاجت ہوتی ہے۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو آئے ہوئے عرصہ گزر چکا ہوگا اس لئے ایک رسول کا آنا ضروری ہوگا۔

اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہ الخ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں مساجد کے اندر بھی ماسواللہ سے مانگا جائے گا۔ اور ایسے دوسرے کام بھی کئے جائیں گے جو خدا کو پسند نہیں اور مساجد میں ان کا کرنا خصوصیت کے ساتھ منع کیا گیا ہے مثلاً انہیں خالصۃً عبادتِ الٰہی کے لئے استعمال کرنے کی بجائے فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنایا جائے گا۔ چنانچہ آثار میں یہ سب باتیں مہدی کے وقت کی علامات کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔

مساجد میں نماز ختم ہوتے ہی بعض لوگوں کا کھڑے ہوکر با آواز بلند بھیک مانگنا تو ہر کسی کا ذاتی مشاہدہ ہوگا۔ فساد کے متعلق ایک حوالہ پیش ہے۔ لکھا ہے:-

''مساجد میں دنگے ہورہے ہیں جوتے چل رہے ہیں گتھم گتھی ہورہی ہے۔''

(مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ صفحہ ۱۱۸ از سید ناظر حسین)

اور اب تو مساجد میں اندھا دھند فائرنگ اور قتل وغارت کے بے شمار واقعات بھی آئے دن ہونے لگے ہیں۔ بلکہ بد کاری اور فاحشہ عورتوں کے رقص بھی بعض جگہ ہوئے ہیں۔

===============

سورۃ المزمّل میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورۃ الجن کے بعد سورۃ المزمّل آتی ہے اسے یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے الفاظ سے شروع کیا گیا ہے۔ مُزَّمِّل کے کئی معانی ہیں۔ لین نے اس کے معنے بارگراں اٹھانے والے کے لکھے ہیں اور صاحبِ کشاف نے عکرمہ کے حوالہ سے اس سے امرِعظیم اُٹھانے والا اور صاحب روح المعانی نے بارِنبوّت اُٹھانے والا مراد لی ہے۔ زَمَلَہ' عَلَی الْبَعِیْر کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اس نے اُونٹ پر اپنے پیچھے اپنے جیسے شخص کو بٹھایا تاکہ اس پر متوازن بوجھ پڑے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زم ل کے مادہ میں اُٹھانے کے علاوہ جمع کرنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا خداتعالیٰ نے آنحضرتﷺ کو یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا کے الفاظ میں مخاطب کیا تو گویا یہ کہا کہ اے نبوّت کے بارِعظیم اُٹھانے والے اور اقوام عالم کو ایک نقطہ (یعنی نقطہ توحید) پر جمع کرنے والے تو ناقہ اُمّت کی پیٹھ پر اپنے پیچھے اپنی مثل ایک اور وجود کو بٹھانے والا ہے۔ پس بیشک تو نے نبوّت وشریعت کا بارِگراں اُٹھالیا ہے لیکن اقوامِ عالم کوتوحید پر جمع کرنے کا سارا کام اکیلے تو نے ہی نہیں کرنا بلکہ کچھ تو نے اور کچھ اس نے کرنا ہے جو تیری تربیت کے نتیجہ میں تیرے بعد آنے والا ہے اس لئے قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا تو قیامِ لیل کی مشقّت بیشک اُٹھایا کر مگر کچھ دیر آرام بھی کرلیا کر۔

===============

مسیح موعودؑ کا کام تکمیل اشاعت ہدایت ہے

جو کچھ اُوپر لکھا گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ سورۃ الجن کے بعد اس سورۃ کا لایا جانا اور اس کا ان مذکورہ الفاظ سے شروع کیا جانا یہ بتانے کو تھا کہ سابقہ سورتوں میں جس شخص کے آئندہ زمانہ میں آنے کی قرآن نے خبر دی اور جسے سورۃ القلم میں صاحب القلم اور سورۃ نوح میں نوح اور سورۃ الجن میں مسیح قرار دیا گیا۔ اس کے لئے یہ بھی مقدر تھا کہ وہ محمد رسول اللہﷺ سے تربیت پاکر اور آپؐ کے رنگ میں رنگین ہوکر آپؐ ہی کے مشن کی تکمیل کے لئے اور آپؐ کا بوجھ بٹانے کے لئے آئے گا۔ اور چونکہ تکمیل ہدایت کا کام آنحضرتﷺ کے اپنے حینِ حیات ہی میں

بتمام وکمال پورا ہوچکا تھا۔ جیسا کہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵:۴) اس پر شاہد ناطق ہے۔ اس لئے اس موعودؑ کا آنا تکمیل اشاعتِ ہدایت ہی کے لئے ہوسکتا تھا نہ کسی اور کام کے لئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا آنا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا شاگرد ہو اور آپؐ کے مشن کی خدمت وتکمیل کے لئے آپؐ کے چاکر کی حیثیت میں آئے نبوّتِ محمدؐیہ کی شان کے اظہار کا موجب تو یقیناً ہوگا لیکن اس کی ہتک کا موجب نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے جو (ایک روایت کے مطابق) خود آنحضرت ﷺ نے اسے سلام کہنے کی اور دوسری روایت کے مطابق اس کی بیعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَبَایِعُوْهُ وَلَو حَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ فَاِنَّه' خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِی (بحار الانوار جلد۱۳ صفحہ ۲۱) یعنی جب تم اس کو دیکھو تو اس کی بیعت کرو اگرچہ گھٹنوں کے بل برف پر چلنا پڑے اسلئے کہ وہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے۔ نیز فرمایا یُقِیْمُ النَّاسَ عَلٰی مِلَّتِی وَشَرِیْعَتِی وَیَدْعُوْهُمْ اِلٰی کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مَنْ اَطَاعَه' اَطَاعَنِی وَمَنْ عَصَاهُ عَصَانِی (بحار الانوار جلد۱۳ صفحہ ۱۷) وہ لوگوں کو میرے دین اور میری شریعت پر قائم کرے گا اور انہیں اللہ عزّ وجلّ کی کتاب کی طرف بلائے گا جس نے اس کی اطاعت کی میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی۔

اگلی آیات میں کفّار مکّہ کے عوام وخواص کی طاقت کے ٹوٹ کر ختم ہوجانے کا ذکر ہے اور پھر فرمایا ہے:-

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۱۶) فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا (۱۷) فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا (۱۸)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ چنانچہ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس پر نہایت سخت گرفت کی سو تم کیسے بچوگے اگر تم نے کفر کیا۔ اس دن جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔

اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ میں کُمۡ کی ضمیر کافروں کی طرف بھی پھر سکتی ہے اور مسلمانوں کی طرف بھی۔ پہلی صورت ہوتو ان آیات میں کفّارِ مکّہ کو یہ بتایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰؑ ہیں اور اسی طرح تم پر گواہ ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ فرعون پر گواہ تھے۔ لہٰذا جب فرعون باوجود بادشاہ ہونے کے موسیٰؑ کی نافرمانی کرکے سزا سے بچ نہیں سکا (کیونکہ موسیٰ کی شہادت اس کے خلاف تھی) تو اگر تم کُفر پر قائم رہے تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچوگے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے کفر کے گواہ ہوں گے۔ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ کے ایک معنٰی یہ ہیں کہ اِنۡ بَقِیۡتُمۡ عَلٰی کُفۡرِکُمۡ۔ فتح القدیر)۔

اگر دوسری صورت ہو یعنی الیکم کی ضمیر کا مرجع مسلمان ہوں تو شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کے قرینہ سے کَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا کے بعد وَهُوَ شَاهِدٌ عَلٰی قَوۡمِهٖ (یا عَلٰی بَنِیۡ اِسۡرَآءِیۡلَ) کے الفاظ محذوف سمجھے جائینگے اور ان آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے مسلمانو ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا جو بنی اسرائیل پر گواہ تھا۔ مطلب یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰؑ ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ کی بعثت کا اصل مقصد بنی اسرائیل کی نیکی بدی پر گواہ ہونا اور ان کی نگرانی کرنا تھا اور بنا بریں فرعون کی ہلاکت کے بعد بھی ان کا یہ کام خلفاء کے ذریعہ جاری رہا اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم پر شاہد ہونے کا سلسلہ بھی انکے روحانی خلفاء کے ذریعہ جاری رہے گا۔

فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا: اس میں یہ فرمانا کہ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ ''اگر تم نے کفر کیا''۔ ظاہر کرتا ہے کہ آئندہ زمانہ میں ان آیات کے مخاطبین کے لئے (جو مسلمان تھے) پھر کفر و ایمان کا سوال پیدا ہوگا۔ یعنی پھر کوئی نبی مبعوث ہوگا اور یہ فرمانا کہ فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا تم کیسے بچو گے اگر تم نے اس دن کفر کیا۔ ظاہر کرتا ہے کہ اس زمانہ کے کفر کی شناعت اس سے متصل پہلے کے زمانہ کے کفر سے زیادہ ہوگی۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس نبی کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مسیح موعود کے بارہ میں یہی فرمایا کہ لَیۡسَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَهٗ نَبِیٌّ ۔ اور یہ جو فرمایا کہ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا تو اسکے متعلق جاننا چاہیے کہ ضرب کی طرح جعل کا لفظ قریباً ہر فعل کیلئے استعمال ہوجاتا ہے اور اسکے معنے موقع اور محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

یہاں اس کے تین معنے ہوسکتے ہیں۔

نمبر ۱: وہ دن بچوں کو بوڑھا بنادے گا (بوجہ زیادتی علم کے)

نمبر ۲: وہ دن بچوں کو بوڑھوں میں شامل کردے گا (بوجہ مرورِ زمانہ کے)

نمبر ۳: وہ دن بچوں کو بوڑھا کردے گا (بوجہ اپنے ہول کے)۔

پس اس میں بتایا کہ اوّل وہ ایسی علمی ترقّی کا زمانہ ہوگا کہ جو باتیں اس سے پہلے زمانہ میں لوگ عمریں گزار کر سیکھتے تھے اس وقت بچوں کو معلوم ہوں گی۔ یعنی وہ علوم ظاہری کی انتہائی ترقّی کا زمانہ ہوگا اور علوم باطنی کی بھی انتہائی ترقّی کا زمانہ یا بہ الفاظ دیگر ایک نبی کا زمانہ ہوگا۔

دوم وہ اُمّتِ محمدیہ کا آخری زمانہ ہوگا اور بنابرایں افراد اُمّت جو اپنی قومی زندگی کے اعتبار سے اِس وقت گویا بچّے ہیں اُس وقت بڑھاپے کو پہنچ چکے ہوں گے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی نگاہ سلسلہ انبیاء کے اوّل وآخر پر زیادہ ہوا کرتی ہے جیسا کہ آیات **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** سے اور **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** سے اور آیت **هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ** سے سمجھا جاسکتا ہے اس لئے اس زمانہ کے کفر کی شناعت زیادہ ہوگی اور سوئم وہ زمانہ انسانی قویٰ کو اس شدّت سے متاثر کرنے والی آفات کا زمانہ ہوگا جو بچّوں کو گویا بوڑھا کر دیں گی۔ یعنی خداتعالیٰ کا غضب اس زمانہ میں بھڑک رہا ہوگا۔ اس لئے بھی اس زمانہ کے کفر کی شناعت اس سے پہلے کے زمانوں سے زیادہ ہوگی۔

===============

اُمّتِ محمدیہ کے آخری زمانہ میں عیسیٰؑ بن مریم کے آنیکی پیشگوئی اور یہ اشارہ کہ اسکے منکر مرتکب کفر تو ہونگے کافر نہیں کہلائیں گے

پس **سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل** کی زیرنظر آیت میں خداتعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اُمّتِ محمدیہ کے آخری زمانہ میں جو ایک طرف علوم ظاہری وباطنی کی انتہائی ترقّی کا زمانہ ہوگا۔ اور دوسری طرف انتہائی بڑے عذاب کا زمانہ بھی ہوگا۔ (جس سے ظاہر ہے کہ وہ انتہائی اخلاقی انحطاط کا زمانہ بھی ہوگا)۔ تمہارے لئے پھر کفروایمان کا سوال پیدا ہوگا یعنی پھر ایک نبی مبعوث ہوگا جو ظاہر ہے کہ محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے آخری ہوگا۔ اور چونکہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کا مثیل

ٹھہرایا گیا ہے۔ جس طرح اس سلسلہ کے پہلے نبی سلسلہ موسویہ کے پہلے نبی کے مثیل ہیں اسی طرح وہ آخری نبی سلسلہ موسویہ کے آخری نبی کا مثیل ہوگا۔ اور اس کے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر دی ہے اور **اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** کے الفاظ میں اسے اُمتی قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ **لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ نَبِیٌّ** میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں اس لئے اس میں **لاریب عیسیٰ** بن مریم کا نام پاکر آنے والے نبی ہی کی خبر دی گئی۔ جس پر ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے ایک نبی کا زمانہ پانے والوں کے بارہ میں یہ اشارہ تو کیا ہے کہ ان میں سے بعض کفر کے مرتکب ہوں گے مگر انہیں کافر قرار نہیں دیا۔ اور بعینہٖ یہی صورت سورۃ الصّف میں بنی اسرائیل کے متعلق اختیار کی گئی ہے یعنی یہ تو کہا گیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم کے آنے پر ان میں سے کچھ اس پر ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا مگر ان کو کافر کا لقب نہیں دیا گیا (کیونکہ وہ اپنے سلسلہ کے تشریعی نبی حضرت موسیٰؑ کو ماننے والے تھے) اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبی موعود سے مراد مثیل عیسیٰ بن مریم ہے جو عیسیٰ بن مریم کی طرح غیر تشریعی نبی ہوگا اور بنا بریں اس کے منکر کفر کے مرتکب تو ہوں گے مگر انہیں کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ اپنے سلسلہ کے صاحبِ شریعت نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ہوں گے۔ چنانچہ خود حضرت مہدی موعود نے فرمایا:-

> ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔ ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا۔'' (تریاق القلوب)

اس جگہ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قرآن کریم کی نصِ صریح ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی عذاب آنا ہوتا ہے تو اس سے پہلے رسول ضرور آتا ہے (**مَاکُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا**) پس ان آیات میں جو انتہائی بڑے عذاب کی خبر دی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے بھی کفر کرنے یا ایمان لانے کا سوال پیدا ہوگا۔ تو اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ ان میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس وقت خدا کا کوئی رسول آئے گا۔ پس ان آیات میں کئی طریق پر اُمّتِ محمدیہ کے اندر آخری زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی۔

مثلاً ایک مقام پر خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے:-

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَشَاهِدٌمِّنْۢ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ؏

(الاحقاف۴۶:۱۱)

"اے رسول ان سے کہہ کیا تم نے غور کیا اگر یہ رسول اللہ کی طرف سے ہؤا اورتم نے اسکا کفر کیا (تو حشر کے دن تمھارا کیا عذر ہوگا) بالخصوص جبکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ (یعنی موسیٰ) نے گواہی دی کہ اس جیسا ایک رسول آنیوالا ہے پس وہ تو اس پر ایمان لایا اورتم نے تکبر (کی راہ سے اسکا انکار) کیا یقیناً اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔"

ظاہر ہے کہ اس آیت میں اِنْ كَانَ اظہار شک کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ بتانے کیلئے ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہی وہ رسول ہیں جن کے آنے کی حضرت موسیٰؑ نے خبر دی تھی۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس آیت میں علٰى مِثْلِهٖ سے مماثلت تامہ مراد ہے نہ کہ مماثلت ناقصہ کیونکہ مماثلتِ ناقصہ تو سب نبیوں کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھی۔ اور بنا برایں اس کا ذکر خالی از فائدہ تھا۔ اور مماثلت تامہ چاہتی تھی کہ مماثلت صرف مماثلت فی الذّات نہ ہو۔ بلکہ مماثلت فی الانعامات بھی ہو۔ یعنی یہی نہ ہو کہ حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰؑ کی طرح صاحب شریعت اور جلالی نبی ہوں جنکی دشمنوں سے جنگیں ہوں اور فتح پائیں بلکہ یہ بھی چاہتی تھی کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد ملہم من اللہ خلفاء کا ایک لمبا سلسلہ چلا اور آخر میں مسیح ابن مریم آئے جو جمالی رنگ کے نبی تھے ایسا ہی یہاں بھی ہو۔

(مفہوم تفسیر حضرت اقدّس صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۲)

سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل کے بعد **سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر** آتی ہے۔ اس کے شروع میں خداتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حضورؐ کی عظیم ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ ایک دن جنگ کا بگل بجے گا یعنی کفار کے خلاف جنگ کا آغاز ہوگا اور اُس کے بعد اُن کی مشکلات بڑھتی ہی چلی جائیں گے اور اس کے بعد فرمایا ہے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا (۱۲)

مجھے اور اس (دشمن) کو جسے میں نے منفرد پیدا کیا ہے (آپس میں نپٹنے کے لئے) تنہا چھوڑ دے۔

===============

آئندہ زمانہ میں ایک بےمثل دشمنِ اسلام کے پیدا ہونیکی پیشگوئی

مفسرین نے زیرِنظر آیات میں مذکور دشمنِ وحید سے وحید بن مغیرہ یا بعض دوسرے **اَئِمَّۃُ الْکُفْر** مراد لئے ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ کسی ایک شخص کی تعیین نہیں ہے اور **لَوَّاحَۃٌ لِّلْبَشَر** کے الفاظ بھی جو اس دشمنِ وحید پر آنے والے عذاب کے لئے استعمال ہوئے ہیں عموم کو چاہتے ہیں اس لئے اگر **خَلَقْتُ وَحِیْدًا** کے الفاظ کو زمانہ نزول قرآن ہی سے متعلق سمجھیں تو ان سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن یعنی مشرکینِ مکّہ بحیثیتِ مجموعی مراد ہوں گے لیکن اس صورت میں بھی لفظ بشر کو جو اسم جنس ہے ایک حد تک محدود کرنا پڑے گا اور سقر کا لفظ بھی مجازی معنی میں لینا پڑے گا کیونکہ اُس زمانہ میں کوئی ظاہری آگ ایسی نہیں تھی جو ساری جنس بشر کو یا کم از کم تمام مشرکینِ مکّہ ہی کو جھلس سکے۔ لیکن ایسا کرنے کا جواز تو صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جو ایسی ظاہری آگ کا جو جنسِ بشر کو جھلس کر رکھ دے آئندہ بھی وجود میں آنا ممکن نہ ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایٹمی ہتھیاروں اور مہلک شعاؤں کی صورت میں ایسی آگ کا سامان عملاً وجود میں آچکا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے عہد نبّوت کے اندر ہی وجود میں آچکا ہے کیونکہ آپؐ کا عہد قیامت تک ہے اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ **وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا** کے الفاظ بطور پیشگوئی

بھی ہیں یعنی گو ان کا اطلاق اُس وقت کے مشرکینِ مکّہ پر بھی ہوسکتا ہے لیکن ان میں آئندہ کے متعلق بھی خبر دی گئی اور **خَلَقْتُ** کا لفظ بصیغہ ماضی اس لئے لایا گیا کہ خداتعالیٰ کے علم میں وہ مستقبل بھی واقعہ شدہ امر کی طرح تھا اور نیز اس لئے کہ مشرکینِ مکّہ پر بھی اس آیت کا اطلاق ہوسکے۔ لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں کس کے بارہ میں پیشگوئی تھی اور یہ پیشگوئی اس موقعہ پر کس وجہ سے بیان کی گئی۔ سو جاننا چاہیے کہ سابقہ آیات میں یہ فرمانے کے ساتھ کہ آئندہ ایک دن آئے گا کہ جنگ کا بگل بجایا جائے گا یعنی عہدِ نبوی کی جنگوں کا آغاز ہوگا یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ **فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ غَیْرُیَسِیْرٍ**۔ وہ دن بڑی مشکل کا دن ہوگا اور کافروں کے لئے آسان نہ ہونے والا دن ہوگا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا آئندہ کفر کبھی سر نہیں اُٹھائے گا اور اگر اُٹھائے گا تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس لئے اس آیت سے شروع کرکے خداتعالیٰ نے اس اہم سوال کا جواب دیا اور بتایا کہ کفر آئندہ بھی سر اُٹھائے گا بلکہ ایک ایسا دشمنِ اسلام پیدا ہوگا کہ پہلے زمانوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ اس سے نپٹنا اُمّتِ محمدیہ کے اپنے بس کی بات نہیں ہوگی مگر خداتعالیٰ خود اس سے نپٹ لے گا۔ اگلی آیات میں اس کی حالت کا بیان ہے اور اس کے انکار کی وجوہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر فرمایا ہے:-

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ(۲۷) وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سَقَرُ(۲۸) لَا تُبْقِیْ وَلَاتَذَرُ(۲۹) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (۳۰)

میں اسے سقر میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا چیز سمجھائے کہ وہ سقر کیا ہے (یعنی اس وقت تک ایسی کوئی چیز وجود میں نہیں آئی جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی جاسکے) نہ تو وہ (کسی کو جو اس میں پڑے علےٰ حالہٖ) باقی رہنے دے گی اور نہ وہ (کسی کو جو اس کا مستحق ہو اپنی لپیٹ میں لئے بغیر) چھوڑے گی۔ وہ جنسِ بشر کو جھلس دینے والی (آگ) ہوگی۔

یہاں جنس بشر کو جھلس دینے والی آگ کے ذکر سے ظاہر ہے کہ وہ دشمن وحید جس کا اُوپر ذکر ہؤا ساری دنیا کے لوگوں کو اپنے زیرِ اثر ایسے کاموں میں لگانے والا ہوگا جو ان کو موردِ قہر الٰہی بنادیں گے۔ اور چونکہ ارشاد ربانی **حتّٰی اِذَافُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ** (الانبیاء ۲۱:۹۷) کے مطابق ایک زمانہ میں یاجوج ماجوج کا دنیا پر چھا جانا

مقدّر تھا۔ اور اس نے زمین کو فساد سے بھر دینا تھا اور آیت وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِي بَعْضٍ (الکہف ۱۸:۱۰۰) کے مطابق انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنی تھی اور اس جنگ کے بعد ایک انقلاب عظیم برپا ہونا تھا اور اس کے بعد ان سب کو جمع کیا جانا تھا۔ لہٰذا وہی زمانہ عالمگیر عذاب کا زمانہ ہوسکتا ہے پس وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا سے دراصل یاجوج وماجوج ہی مراد ہیں کیونکہ یہی قومیں ہیں جو سب سے زیادہ آگ سے کام لینے والی ہیں اور یہی قومیں ہیں جو سب سے زیادہ آگ کے عذاب کی مستحق ہو چکی ہیں اور انہی کے خروج کی طرف سورۃ القلم کے شروع میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ بہرحال سورۃ المدثّر کی ان آیات کے بعد ہے:-

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ

اس پر اُنیس ہوں گے۔

===============

یہ پیشگوئی کہ عالمگیر ایٹمی جنگ اُنیس ایٹمی طاقتوں کے وجود میں آنے پر ہوگی

یہ اُنیس جن کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہے کون ہوں گے؟ مفسّرین نے ان سے مراد فرشتے لئے ہیں لیکن اس آیت میں اس کی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اُنیس انسان بھی ہوسکتے ہیں اور اس سے اُنیس کا عدد بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد ہے:-

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اس میں سقر کا لفظ نہیں ہے النّار کا لفظ ہے۔ یعنی لفظ بدل دیا گیا ہے اور قرآن میں تبدیلی الفاظ ہمیشہ تبدیلی مفہوم کے لئے ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا سقر سے اور عذاب مراد ہے اور النّار سے اور۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے النّار کے داروغے فرشتوں کو بنایا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ فرشتوں کے علاوہ کسی کو نہیں بنایا۔ پس اس میں اشارہ کیا کہ جہاں ''النّار'' یعنی اس آگ پر جس میں کفّارِ مکّہ پڑنے والے ہیں صرف فرشتوں کا کنٹرول ہوگا وہاں ''سقر'' یعنی اس ''آگ'' پر جس میں آئندہ زمانہ کے مخالفینِ اسلام نے پڑنا ہے (اور جس کے متعلق لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ کے قرینہ سے اور ان دوسری باتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جو اس عذاب

کے متعلق سورۃ الحاقہ میں اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر بیان ہوئی ہیں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس سے ہمارے اس زمانہ کے ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعہ آنے والا عالمگیر عذاب مراد ہے) باطناً فرشتوں کا کنٹرول ہونے کے علاوہ ظاہرًا اُنیس غیر فرشتوں کا کنٹرول ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کے علاوہ اس قسم کے کام کا اختیار انسان ہی کو ہوسکتا ہے۔ لیکن ساری دنیا کو جھلس دینے والی آگ پر کسی ایک انسان کا کنٹرول ممکن نہیں۔ لہٰذا اس سے اُنیس حکومتیں یا اُنیس حکومتوں کے سربراہ ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ پس عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ کے الفاظ یہ بتانے کے لئے رکھے گئے ہیں کہ جب تک دنیا میں اُنیس ایٹمی طاقتیں پیدا نہ ہوجائیں اس وقت تک موعود عالمگیر عذاب نہیں آئے گا لیکن جب اُنیس ایٹمی طاقتیں پیدا ہوجائیں گی تو پھر سمجھو کہ اب وہ عذاب آیا کہ آیا۔ کیونکہ بیسویں ایٹمی طاقت ابھی وجود میں نہیں آئے گی کہ وہ جنگ شروع ہوجائے گی۔ پس خداتعالیٰ نے بار بار سمجھانے کے علاوہ اس عذاب کی آخری علامت بھی بیان کردی تاکہ جب لوگ دنیا کو اس علامت کی طرف بڑھتے ہوُا دیکھیں تو اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوں یا کم ازکم جب وہ علامت ظہور میں آجائے تو اس وقت ہی رجوع الی الحق کرکے اس عذاب سے بچ جائیں۔ پس عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ میں ایک بہت ہی بڑا حرف انتباہ ہے کاش کہ دنیا سمجھ جائے۔ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ بندے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف مخلصانہ رجوع کریں ورنہ جیسا کہ المعارج ۷۰:۱۸ کے الفاظ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى میں جن کے معنے یہ ہیں کہ وہ ہر اس شخص کو اپنی طرف کھینچ لے گی جو اس سے بھاگنا چاہے گا۔ اور اِس سورۃ کی آیت ۲۹ کے الفاظ لَا تُبْقِىْ وَلَا تَذَرُ میں جس کے معنے یہ ہیں کہ نہ وہ کسی کو جسے وہ چھوئے گی زندہ رہنے دے گی نہ کسی قابلِ سزا کو چھوئے بغیر چھوڑے گی اور سورۃ المعارج کے الفاظ لِلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ میں کھول کر بتادیا گیا ہے کفر پر اصرار کرنے والوں کے لئے اس عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ جب یہ جنگ خدا کی طرف سے عذاب بن کر آنے والی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان اپنی تدابیر کے ساتھ اس سے بچ جائے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا کی تمام حکومتیں اس سے بچاؤ کی صرف ظاہری تدابیر پر زور دے رہی ہیں اور کرنے کا جو اصل کام ہے یعنی تقویٰ اللہ سے کام لینا اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔

==============

ایٹمی جنگ سے پہلے آنیوالے موعود نبی کا نہایت بلند مقام

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کی نصِ صریح ہے کہ نبی بھیجے بغیر خداتعالیٰ عذاب نہیں بھیجتا (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا بنی اسرائیل۱۷:۱۶) لہٰذا جب ایک عالمگیر عذاب کی خبر دی گئی تو اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس وقت ایک عالمگیر مشن رکھنے والا نبی بھی بھیجا جائے گا۔ اور بنا برایں لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اس بشرِ کامل کی خاطر وہ آگ (دنیا کو) جلا دینے والی ہوگی۔ مطلب یہ کہ وہ ایسے بلند پایا کا نبی اور خداتعالیٰ کا ایسا مقرب ہوگا کہ اس ایک کی خاطر وہ ساری دنیا کو آگ میں جھونک دینے سے بھی نہیں ہچکچائے گا۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا اور اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے گا کہ ان پر کیا گزرتی ہے اور ان کے پسماندگان کا کیا انجام ہوتا ہے۔

===============

ایک مزید اشارہ کہ نبی موعود عیسٰیؑ بن مریم کا نام پائیگا اور نیز یہ اشارہ کہ وہ اُنیسویں صدی میں ظہور کریگا

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں تِسْعَةَ عَشَرَ سے اُنیس کا عدد بھی مراد ہوسکتا ہے اور اگر اس سے اُنیس کا عدد مراد لیں تو چونکہ (صفحہ۵۶۹ پر مندرج وضاحت کے مطابق) سورۃ الفجر میں اسلام کے دورِ اوّل کے ہرسال کے بالمقابل دورِ ثانی کے ہرسوسال کو رکھا گیا ہے اسلئے عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ میں جہاں اسلام کے دورِ اوّل سے متعلق اُنیسویں سال کی طرف اشارہ ہوگا وہاں اس کے دورِ ثانی سے متعلق اُنیسویں صدی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور چونکہ اسلام کے دورِ اوّل کے اُنیسویں سال میں (صلح حدیبیہ کی صورت میں) صلح وآشتی سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا عظیم واقعہ ہؤا جو جنگوں کو معرض التواء میں ڈال کر اسلام کی یوماً فیوماً ترقّی کا اور کفّار کے بالآخر (کامل مغلوبیت کے) عذاب سقر میں (یعنی ایسے عذاب میں جسے مجازاً سقر کہا جاسکتا ہے) پڑنے کا ذریعہ بنا اس لئے اس کے مطابق اسلام کے دورِ ثانی کی اُنیسویں صدی میں بھی صلح وآشتی سے تعلق رکھنے والا ہی کوئی ایسا واقعہ ہونا چاہیے تھا جو مذہبی جنگوں کا خاتمہ کرکے اسلام کی

یومًا فیومًا ترقّی اور کفار کے مغلوب ہونے اور (اس لفظ کے مجازی معنوں کے مطابق) سقر میں پڑنے کا ذریعہ بنے۔ اور چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے تمام خلفاء میں سے صرف عیسٰی بن مریم کے نام پر آنے والے خلیفہ ہی کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ **یَضَعُ الْحَرْبُ** (بخاری)۔ وہ جنگ کو روک دے گا۔ اس لئے یہ واقعہ اسی کے ظہور کا واقعہ ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا کہ اُنّیسوی صدی کے اندر ہی خداتعالیٰ نے عیسٰیؑ بن مریم کے نام پر ایک رسول کو مبعوث کیا اور اس نے آکر یہ اعلان فرمایا کہ ع

دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اور پھر اس کے دعویٰ کے دن ہی سے اسلام یومًا فیومًا ترقّی کررہا ہے اور کفر کی فوجیں شکست کھاتی ہوئی پناہ گاہیں ڈھونڈتی پھررہی ہیں اور کفار اسلام کو ترقّی کرتا ہوُا دیکھتے ہیں مگر ان کی کچھ پیش نہیں جاتی اور یہ صورتِ حال ان کے لئے سقر میں پڑنے سے کسی صورت کم نہیں۔ لیکن اگر اسی پر بات ختم ہو جاتی اور اسلام کے دونوں دوروں میں کفّار کا سقر میں پڑنا صرف مجازی رنگ میں ہوتا تو اس پیشگوئی پر انگشت اعتراض اُٹھ سکتی تھی۔ اس لئے خداتعالیٰ نے یہی مقدّر کیا کہ اسلام کے اس دورِ ثانی میں وہ ظاہری سقر میں بھی ڈالے جائیں۔ چنانچہ اب اس کے سامان پیدا ہورہے ہیں۔ جس میں سے پہلا تو یہی ہے کہ خدا کا ایک رسول مبعوث ہوگیا ہے جس کے آنے سے خدا کے غضب کے مخفی ارادے ظاہر ہو گئے ہیں اور اس کی حکومت کے باغیوں پر عذاب کا آنا واجب ہوگیا ہے چنانچہ اس نبی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ظاہر ہوکر فرمایا:-

> ''وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی ...... یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہوجاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک مُدّت سے مخفی تھے ظاہر ہوگئے ہیں۔''
>
> (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۸)

اور عجیب بات ہے کہ وہ رسول جس کا آنا عذاب کا گویا ظاہری سبب بن رہا ہے(یعنی

مہدی موعودؑ) وہ **عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** کے عین مطابق اُنیسویں صدی میں ظاہر ہؤا ہے اور اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ **تِسْعَةَ عَشَرَ** کے الفاظ سے جو یہ اشارہ ہے کہ اس آگ پر اُنیس ایٹمی طاقتیں کا کنٹرول ہوگا وہ بھی پورا ہوگا۔

بہرصورت جب ان آیات میں کفار کے سقر میں ڈالے جانے کی خبر دی گئی اور یہ فرمایا گیا کہ **عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** تو جیسا کہ اس سورۃ کی آیت **وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَاللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا** میں ایسی صورت کا ذکر بھی ہے اس پر کفار نے اعتراض کرنا اور کہنا تھا کہ ایسی (نعوذباللہ) مہمل بات کہنے سے کیا حاصل ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

كَلَّا وَالْقَمَرِ (۳۳) وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ (۳۴) وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (۳۵) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (۳۶) نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (۳۷) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (۳۸)

ان کا خیال ہرگز درست نہیں قسم ہے موعود قمر کی۔ اور (قسم ہے) رات کی جب وہ پیٹھ پھیر لے۔ اور صبح کی جب وہ اچانک روشن ہوجائے۔ یقیناً یہ بڑی بڑی خبروں میں سے ایک منفرد خبر ہے۔ انسان کو ہوشیار کرنے والی۔ (یعنی) اس شخص کے لئے جو قدم آگے بڑھانا چاہے۔ یا جو پیچھے رہنا چاہے۔

قمر رات کو روشن تو بیشک کرتا ہے مگر رات کے پیٹھ پھیرنے کا تعلق شمس سے ہی ہوتا ہے قمر سے نہیں ہوتا مگر یہاں قمر کے ساتھ رات کے پیٹھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح رات کا پیٹھ پھیرنا اور صبح کا روشن ہونا ساتھ ساتھ واقع ہؤا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن یہاں ان میں سے پہلی بات کو ''اذ'' اور دوسری کو ''اذا'' کے ساتھ بیان کرکے ان میں وقفہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں کسی مجازی قمر اور مجازی رات ہی کا ذکر ہے یعنی قمر سے مراد کوئی ایسا وجود ہے جو ایک پہلو سے قمر اور ایک پہلو سے شمس ہوگا اور لیل سے مراد ضلالت اور مصائب کی رات ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ یہ خبر دی گئی ہے کہ اسلام کو ترقّی اور غلبہ

حاصل ہوگا مگر اس کے بعد اس پر ایک تنزل کا دور آئے گا جس میں گمراہی پھیل جائے گی اور اس کے بعد اسے دوبارہ غلبہ حاصل ہوگا جو عالمگیر غلبہ ہوگا چنانچہ اس ضمن میں سورۃ الفجر میں اسلام کی پہلی تین صدیوں کو فجر کا زمانہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد دس تاریک راتیں یعنی مصائب ومشکلات کی دس صدیاں آئیں گی اور چونکہ ان میں کسی وقفہ کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان سے ایک لمبی رات بھی مراد ہوسکتی ہے۔ چنانچہ سورۃ الفجر ہی میں اس زمانہ کو ایک رات بھی شمار کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ رات رخصت ہوجائے گی۔ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو **سِرَاجًا مُّنِيرًا** (الاحزاب ۳۳:۴۷) یعنی آسمانِ روحانیت کا شمس قرار دیا گیا ہے اور سورۃ الرحمٰن میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس آسمان کے آپؐ شمس ہیں اس پر ایک قمر بھی جلوہ نما ہوگا یعنی ایک ایسا وجود بھی اسلام کو ملے گا جو محمدی انوار کو جمالی رنگ میں یعنی نرمی کے ساتھ دنیا میں پھیلائیگا اور جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں واضح کرآئے ہیں **يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ** کے الفاظ میں بھی اس کی طرف اشارہ تھا۔ پس ان آیات میں **الّيل** سے اسلام پر آنے والی مصائب کی دس سو سالہ رات اور القمر سے وہ موعود مراد ہے جس کے ذریعہ اس رات میں محمدی انوار کا دنیا میں دوبارہ پھیلنا مقدّر کیا گیا ہے۔ اور ان میں بتایا یہ گیا ہے کہ کفّار کا خیال کہ **عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** میں کوئی اہم خبر نہیں دی گئی بالکل غلط ہے آئندہ ایک قمر یعنی وہ شخص جسے دوسری جگہ آسمانِ روحانیت کے شمس محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قمر کی نسبت دی گئی ہے ظاہر ہوگا اور اس کے آنے سے اسلام کے مصائب کی رات پیٹھ پھیرلے گی لیکن غلبہ اسلام کی صبح کے روشن ہونے میں ابھی کچھ وقت ہوگا۔ اس وقفہ میں ایک ایسی بات ہوگی جس کے واقع ہونے پر غلبہ اسلام کی صبح اچانک روشن ہوجائے گی اور ثابت ہوجائے گا کہ **عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** میں جو خبر دی گئی وہ بڑی بڑی خبروں میں سے بھی ایک منفرد خبر تھی معمولی خبر نہیں تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں القمر کے ظہور کا زمانہ اور اس دوسری چیز کی (جس کے ساتھ اسلام کا غلبہ وابستہ کیا گیا ہے) علامت بتائی گئی ہے اور جیسا کہ ہم اُوپر واضح کرآئے ہیں سورۃ الحاقۃ کی آیات **فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ. وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَّ قَعَتِ الْوَاقِعَةُ** ۔ کے مطابق اسلام کا عالمگیر غلبہ ایک بہت بڑی جنگ یعنی ایٹمی جنگ سے وابستہ کیا گیا ہے اس لئے ان الفاظ میں اسی کے

قرب کی علامت بتائی گئی ہے اور سقر سے وہی جنگ مراد ہے یعنی ایک اشارہ اس میں اس جنگ کی طرف بھی ہے اور چونکہ نبی جہاں رحمت ہوتا ہے وہاں اس کا وجود قرب عذاب کی پہلی علامت بھی ہوتا ہے کہ اس کے آنے سے اتمام حُجّت ہوکر عذاب کا آنا واجب ہوجایا کرتا ہے اور مسیح موعودؑ کے متعلق تو واضح طور پر اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَۃِ (الزخرف ۴۳:۶۲) کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ یعنی یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ قیامت کا نشان ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کا لفظ انقلابِ عظیم کے لئے بھی آتا ہے۔ نبی کے وقت میں قوموں کا احیاء اور اماتت ہوتی ہے اسی لئے مہدی علیہ السلام کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے بلکہ صاحب نور الانوار نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جو اکثر علاماتِ قیامت بیان ہوئی ہیں وہ زمانہ مہدی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ مہدی کا زمانہ قیامتِ صغریٰ کا زمانہ ہے۔ اس لئے جیسا کہ ہم نے اُوپر لکھا ہے عَلَیْھَا تِسْعَۃَ عَشَرَ میں نبی موعود یعنی القمر کا زمانہ بتایا گیا کہ وہ اُنیسویں صدی عیسوی میں آئے گا اور دوسرے اس کے زمانہ کے عالمگیر عذاب کی علامت بتائی گئی کہ اُنیس ایٹمی طاقتیں وجود میں آنے تک وہ عذاب رُکا رہے گا اور بیسویں طاقت کے وجود میں آنے سے قبل وارد ہوجائے گا اور اس میں کیا شبہ ہے کہ اِنَّھَا لَاِحْدَی الْکُبَرِ یہ خبر بڑی بڑی خبروں میں سے ایک منفرد خبر ہے جو نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ یعنی تمام بنی نوع انسان کو ہوشیار کر دینے والی ہے۔ کیونکہ جب انسان دیکھے گا کہ وعدوں کے مطابق اُنیسویں صدی میں مسیح بھی آ گیا اور وہ چیز جو پہلے کبھی انسان کے واہمہ میں بھی نہیں آئی تھی یعنی ایٹم بم بھی بن گئے ہیں اور باوجودیکہ دنیا کئی بار ایٹمی جنگ کے کنارے پر پہنچی ہے اٹھارہ ایٹمی طاقتوں کے وجود میں آنے تک جنگ نہیں ہوئی اور اب اُنیسویں طاقت بھی وجود میں آگئی ہے تو اس سے ساری دنیا کے لوگوں میں ایک ہلچل مچ جائے گی کہ جب باقی سب خبریں ایک ایک کرکے پوری ہوگئیں تو اگر اب بھی انہوں نے داعی الی اللہ کی بات نہ سنی تو عالمگیر ایٹمی جنگ والی آخری بات بھی پوری ہوجائے گی اس لئے عذاب سے پہلے ایمان لانے کی استعداد رکھنے والے ایمان لے آئیں گے اور اس کے بعد وہ جنگ دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

سورۃ المدثر کی اگلی آیات میں نبی وقت کو مان کر اصحاب الْیَمِیْن یعنی اس کے داہنے ہاتھ والے (جس سے مددگار مراد ہیں) بننے والوں کا اجر بتایا ہے اور اس سے الگ رہنے والوں کے بدانجام کی خبر دی ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے:-

فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ (۵۰) كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ (۵۱) فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ.

سو انہیں کیا ہے کہ وہ اس تذکرہ سے اعراض کرنے والے ہیں گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگے ہوں۔

===============

مہدی موعود شیرِ خدا ہوگا اور اس کے مخالف کَالْحِمَار

مندرجہ بالا آیت کے الفاظ **فَمَالَهُمْ** یعنی انہیں کیا ہے۔ یا ان پر کیا آفت آئی ہے۔ ظاہر کر رہے ہیں کہ ذکر ان لوگوں کا ہورہا ہے جن سے اُمّید یہ کی جاتی تھی کہ وہ تذکرہ سے اعراض نہیں کریں گے مگر اس کے باوجود انہوں نے اعراض کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص احیاءِ اسلام کے لئے آئے گا اسے ماننے کی سب سے زیادہ توقع مسلمانوں اور ان میں سے بھی ان کے علماء ہی سے ہوسکتی تھی۔ اس لئے اس میں یہ بتایا کہ اس زمانہ کے مسلمان بالعموم اور ان کے **اَئِمَّة** بالخصوص ماننے کی بجائے اس سے اس طرح بھاگیں گے جیسے وہ گدھے ہوں جو شیر کو دیکھ کر بھاگے ہوں۔

اس میں نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بتایا کہ جہاں مسیح موعودؑ کی حیثیت خدا کے شیر کی ہوگی وہاں اس کے زمانہ کے علماء کی مثال گدھے کی ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے ایک خاص موقعہ پر فرمایا ”میں شکار نہیں ہوں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا“۔ (حیاتِ طیبہ ص ۳۳۸) اور چونکہ سورۃ الجمعہ آیت۲ میں یہود کے متعلق کہا گیا ہے کہ انکی مثال گدھے کی ہے جس نے کتابیں اُٹھا رکھی ہوں۔ اسلئے اس میں جہاں یہ بتایا ہے کہ باوجود کتابیں پڑھے ہوئے ہونے کے وہ مغزِ دین سے بالکل ناواقف اور جاہل محض ہوں گے وہاں یہ بھی بتایا کہ وہ مسیح ناصریؑ کا انکار کرنے والے یہود کے ہمرنگ ہوں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے علماء کی صدفی صد یہی حالت ہے۔تقویٰ نام کی کسی چیز سے یہ آشنا نہیں۔ جھوٹ بولنا فریب دینا اور دینی کتب میں تحریف کرنا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ حدیث مسلم کتاب الفتن میں آنیوالے ابن مریم کو چار بار نبی اللہ کہا گیا ہے مگر اب اس کتاب کا ایک

ایڈیشن شائع کیا گیا ہے جس میں نبی اللہ کے الفاظ حذف کردیئے گئے ہیں۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ مسیح موعودؑ کو ماننا نہیں چاہتے خواہ اس کیلئے محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی چھوڑنا پڑے۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ اس طرح تحریف کے مرتکب ہوکر یہ اپنے مثیلانِ یہود ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ لیکن جہاں ہمیں ان علما کی حالت پر افسوس ہے وہاں یہ بات ہمارے ایمانوں کو بڑھاتی بھی ہے کیونکہ یہ باتیں قرآن کریم اور آنحضورؐ نے سینکڑوں سال پہلے ہی سے بتا دی تھیں۔ صدق اللہ ورسولہٗ۔

ائمہ سلف نے بھی یہ خبر دی تھی کہ علماء وقت مہدی کا انکار کریں گے چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں "وَاِذَا خَرَجَ هٰذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً فَاِنَّهٗ لَايَبْقٰى لَهُم رِيَاسَةٌ وَّلَاتَمِيْزٌعَنِ الْعَامَّةِ" (فتوحاتِ مکیہ جلد۲ ص۳۷۴) یعنی جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو ان کے کھلے کھلے دشمن اس زمانہ کے علماء اور فقہاء کے سوا کوئی نہ ہوگا اور وہ اس لئے دشمن ہوں گے کہ اگر وہ مہدی کو مان لیں تو انہیں عوام پر سرداری اور امتیاز باقی نہ رہے گا۔

===============

مہدی موعودؑ پر یہ اعتراض ہوگا کہ اسکے متعلق صحفِ سابقہ میں کوئی واضح پیشگوئی نہیں ہے حالانکہ پیشگوئیاں تو ہونگی مگر اہلِ نظر کیلئے

فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (المدثر ۷۴:۵۰،۵۱) کے بعد ہے :-

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (۵۳)
كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (۵۴)

(بات یہ نہیں ہوگی کہ انہیں آنے والے نبی کی پہلے سے خبر نہیں دی گئی ہوگی) بلکہ (بات یہ ہوگی کہ) ان میں سے ہر کوئی چاہے گا کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں (لیکن اصل وجہ انکار یہ بھی نہیں ہوگی) بلکہ (یہ ہوگی کہ) وہ آخرۃ کا خوف رکھنے والے نہیں ہوں گے۔

مطلب یہ کہ آنے والے نبی کے متعلق قرآن اور دوسرے صحیفوں میں پیشگوئیاں تو موجود

ہوں گی مگر ان میں سے ہرایک کے لئے کھلے ہوئے صحیفوں کی طرح نہیں ہوں گی۔ یعنی تقویٰ شعار **رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْم** یا جن پر خدا کا خاص فضل ہوجائے۔ ان کوتو یہ پیشگوئیاں نظر آجائیں گی (جس کا ایک ثبوت یہ کتاب ہے) مگر ہرکسی کو نظر نہیں آئیں گی۔ لیکن ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ ایسی پیشگوئیاں دکھائی جائیں جو ان میں سے ہرکسی کے لئے کھلے ہوئے صحیفوں کی طرح ہوں حالانکہ ایسا ہوتا تو ایمان کی کوئی قیمت ہی نہ رہتی۔ فرمایا ان کے انکار کی اصل وجہ یہ نہیں کہ انہیں اس موعود کے متعلق واضح پیشگوئیاں نہیں ملیں گی بلکہ اصل وجہ آخرۃ کے خوف کا نہ ہونا ہوگی۔ مطلب یہ کہ ایسی پیشگوئیوں کا مطالبہ وہ آخرت کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے کریں گے۔

اب دیکھ لیجئے یہ پیشگوئی بھی کس صفائی سے پوری ہوئی ہے آخرت سے ڈرنے والے بہتوں نے قرآن حدیث اور دوسرے صحیفوں میں مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کے متعلق پیشگوئیوں کو دیکھا اور جان لیا کہ ان کا مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ ہی ہیں لیکن جو آخرت کا خوف نہیں رکھتے وہ دیکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے **یَـنْـظُـرُوْنَ اِلَیْکَ وَهُـمْ لَا یُبْـصِـرُوْنَ** (الاعراف ۷:۱۹۹) کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:-

كَلَّآ اِنَّـهٗ تَـذْكِرَةٌ (۵۵) فَـمَـنْ شَـآءَ ذَكَرَهٗ (۵۶) وَمَا يَـذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَـآءَ اللّٰـهُ هُوَ اَهْـلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (۵۷)

(ان کا یہ خیال کہ قرآن میں آنے والے نبی کے متعلق کوئی یاد دہانی یعنی پیشگوئی اور کوئی نصیحت موجود نہیں) ہرگز (درست) نہیں یقیناً یہ ایک مجسّم یاد دہانی ہے۔ اس لئے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرسکتا ہے (ہاں یہ ضرور ہے کہ نصیحت حاصل کرنا خدا کا ایک فضل اور انعام ہے اسلئے) سوائے اسکے کہ اللہ چاہے (یعنی وہ انہیں ہدایت کا اہل پائے) وہ نصیحت حاصل نہیں کرسکیں گے وہ اس بات کا اہل ہے کہ اس کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور وہی اس بات کا اہل ہے کہ اس سے مغفرت طلب کی جائے۔

مطلب یہ کہ جو تقویٰ شعار ہوتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں وہ ان کی کمزوریاں ڈھانپ دیتا ہے اور انہیں قبول ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے لیکن جو تقویٰ شعار نہیں ہوتے انہیں وہ اس

سعادت سے محروم رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں ہوتے یہی وجہ ہے جو قرآن کو صرف متقیوں کے لئے ہدایت قرار دیا گیا (البقرہ ۲:۳)۔ چنانچہ ان پیشگوئیوں کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے فرمایا۔ ع

جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

===============

سورۃ القیامۃ میں ذکر المہدیؑ

جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے سورۃ المدثر کی مندرجہ بالا آیات میں بتایا گیا تھا کہ قرآن میں آنے والی یاد دہانیوں اور نصائح کے باوجود بعض مسلمان کہلانے والے بھی آنے والے رسول کو نہیں مانیں گے اور ان کا یہ ماننا آخرت کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ چونکہ عدم خوف عدم یقین کی وجہ سے ہوُا کرتا ہے اس لئے اگلی سورۃ القیامۃ کے شروع میں فرمایا:-

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۲)

نہیں میں قسم کھاتا ہوں القیامۃ کے دن کی۔

جب کسی چیز کا ذکر ہورہا ہو اور آپ کہیں کہ نہیں میں قسم کھاتا ہوں فلاں چیز کی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی وہ اس پر شاہد ہے کہ حقیقت اس بات کے برعکس ہے جس کی نفی کی گئی۔ لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوُا کہ لوگوں کا یہ خیال کہ کوئی قیامت نہیں آنی غلط ہے میں دنیا میں برپا ہونے والی قیامت کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ اُخروی قیامت بھی ضرور آئیگی۔

اس پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ دنیا میں برپا ہونے والی قیامت سے کیا مراد ہے اور کیا لوگ اس دلیل کو مان لیں گے یعنی یہ یقین کرلیں گے کہ دنیا میں ایسی قیامت برپا ہونے والی ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (۴) بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (۵)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔ بیشک (ہم ضرور کریں گے) ہم قادر ہیں کہ اس کی پور پور کو درست کردیں۔

یہاں ہڈیوں کے جمع کرنے اور (جیسا کہ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ سے ظاہر ہے) بغرضِ اصلاح جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن اُخروی قیامت کے دن تک تو انسان کی ہڈیاں موجود ہی نہیں ہوں گی اس لئے یہ جمع کرنا اس دن نہیں ہوسکتا اور دنیا میں جب انسان کی حالت ایسی ہوجائے کہ اس کی صرف ہڈیاں رہ جائیں اور وہ بھی بکھر جائیں تو اس وقت وہ یقیناً مرچکا ہوتا ہے اور اس کی کسی اصلاح اور درستی کا سوال باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا یہاں **عظام** یعنی ہڈیوں کے الفاظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں اور ہر فرد کی ہڈیوں کے بکھر کر الگ الگ ہوجانے کا ذکر نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کے مختلف افراد کا ایک دوسرے سے الگ الگ ہوجانا یعنی ان میں افتراق وانتشار کا پیدا ہوجانا مراد ہے۔ اور بتایا یہ گیا ہے کہ جس طرح اس وقت (یعنی ان آیات کے نزول کے وقت) انسان اپنی اصلاح سے مایوس ہوچکا ہے ایسا ہی آئندہ ایک زمانہ میں بھی ہوگا۔ یعنی اس زمانہ میں بھی جنس انسان کے روحانی جسم کا گوشت پوست جس سے اس کا سارا حسن ہوتا ہے بالکل اتر چکا ہوگا۔ اور جو ہڈیاں رہ جائیں گی وہ بھی بکھر چکی ہوں گی یعنی لوگوں میں روحانی واخلاقی انحطاط کے علاوہ باہمی افتراق وانتشار بھی واقع ہوچکا ہوگا۔ اور وہ اپنی اصلاح سے اس حد تک مایوس ہوچکے ہوں گے کہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ اب ان کی اصلاح ممکن ہی نہیں۔ جو دراصل خدا تعالیٰ کے اس پر قادر ہونے میں شک کے مترادف ہو گا۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہوگی کیونکہ خداتعالیٰ ان کی ہڈیوں کو جمع ہی نہیں کرے گا وہ ان کی پور پور کو درست کرنے پر بھی قادر ہے۔ یعنی جہاں وہ معاشرہ کی عمومی اصلاح کا سامان کرے گا وہاں بعض افراد معاشرہ کو کامل انسان بھی بنادے گا۔ گویا جس طرح سورۃ البقرہ کی آیت اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۔ میں ایک مردہ بستی کے زندہ کرنے کا ذکر ہے اور اسے ہڈیوں کے جمع کرنے اور پھر ان پر گوشت چڑھانے سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح ان آیتوں میں ہڈیوں کے جمع کرنے اور انسان کی پور پور کے درست کرنے سے روحانی اور اخلاقی طور پر مردہ لوگوں کو زندہ کرنا اور ان کا تسویہ کرنا مراد ہے۔ فرمایا:-

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ(٦)

بات یہ نہیں بلکہ بات یہ ہوگی کہ انسان چاہیگا کہ اس (قیامت کے آنے) سے پہلے فسق و فجور ہی میں مبتلا رہے۔

ظہور مہدیؑ کی ایک علامت جنسی بے راہ روی کا حد سے گزرنا

ان آیتوں میں بتایا گیا کہ گو اس وقت انسان بظاہر خداتعالیٰ کی طرف سے اپنے اِحْیاء اور اصلاح معاشرہ کے سامان ہونے سے مایوسی کا اظہار کرے گا لیکن درحقیقت وہ اصلاح چاہے گا ہی نہیں۔ وہ چاہے گا کہ آئندہ بھی فسق وفجور میں مبتلا رہے۔ دوسرے معنے اس کے یہ ہیں کہ وہ چاہے گا کہ جو موقعہ اس وقت اسے میّسر ہے اس میں فسق وفجور میں مبتلاء رہے اور اپنی اصلاح کو فردا پر اٹھا رکھے۔ یہ بھی اس کے معنے ہیں کہ اس وقت انسان بدیوں اور بے حیایوں کا ارتکاب چھپ کر نہیں کرے گا۔ انسان انسان کے سامنے کھلم کھلم بدیاں کرے گا اور شرمائے گا نہیں۔ یعنی قوم لوط کی طرح وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (العنکبوت ۲۹:۳۰) کا مصداق ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لیجیے اس زمانہ میں یورپین ممالک میں بلکہ ہمارے یہاں بھی بعض ہوٹلوں وغیرہ میں کھلے بندوں شرابیں پی جاتی ہیں اور بدکاریاں ہوتیں ہیں۔ مردوں کے مردوں سے بیاہ گرجوں میں ہورہے ہیں۔ SWINGING CLUBS بنی ہوئی ہیں جن میں لوگ وقتی طور پر اپنی بیویاں دوسروں سے بدل لیتے ہیں۔ ہم جنسی کے حق میں جلوس نکل رہے ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ہم جنس پرستوں کے ''اس حق'' کے تحفظ کی باتیں ہورہی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہئے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے

امریکہ کی ایک عورت نے ان حالات کو اپنی سمجھ کے مطابق بہ ایں الفاظ بیان کیا ہے کہ ''اگر اہل امریکہ پر عذاب نہ آیا تو خداتعالیٰ کو سدوم کی بستی سے معذرت کرنا پڑے گی۔'' مطلب یہ کہ وہ بدی جو اہل سدوم یعنی قوم لوط میں پائی جاتی تھی ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مگر امریکہ پر بس نہیں دوسرے بہت سے ممالک کی جنسی بے راہ روی کا اس وقت یہی حال ہے۔ پس یہ بھی ایک علامت ظہور مہدیؑ کی تھی جو پوری ہوچکی ہے۔

فرمایا جب اخروی قیامت کے ثبوت میں دنیا ایک قیامت کے برپا ہونے کی تحدی کی جائیگی تو

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ (۷)

انسان پوچھے گا وہ قیامت کا دن کب آئیگا؟

فَاِذَابَرِقَ الْبَصَرُ (٨) وَخَسَفَ القَمَرُ (٩) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (١٠)

سوجب آنکھ چندھیا جائے گی اور چاند گہنا جائے گا اور سورج اور چاند جمع کیئے جائیں گے (اس وقت وہ قیامت آئے گی)۔

===============

مہدی موعود کے وقت میں شمس وقمر کو گرہن میں جمع کیئے جانیکی پیشگوئی

بَـرِقَ بَصَرُہٗ کے معنے ہوتے ہیں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور حیرت ودہشت کے باعث یا تیز روشنی کے باعث وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہا۔ پس مندرجہ بالا آیت میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ ایک طرف دنیا میں نہایت محیرالعقول اور دہشت ناک واقعات ہوں گے اور دوسری طرف ایک ایسی تیز روشنی نمودار ہوگی کہ نظریں اسے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکیں گی اس وقت قمر کو گرہن لگے گا اور شمس وقمر جمع کیئے جائیں گے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بمطابق آیت **لَاالشَّـمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ** (یٰـسٓ ۴۱:۳۶) ظاہر میں سورج اور چاند جمع نہیں ہوسکتے لہٰذا یہ جمع ہونا گرہن ہی میں ہوسکتا ہے۔ لیکن قانونِ قدرت یہ ہے کہ چاند کو ہمیشہ قمری مہینہ کی تیرھویں چودھیں یا پندرھویں رات کو اور سورج کو بھی قمری مہینہ کی ہی ستائیسویں اٹھائیسویں اور اُنیسویں دن میں سے ایک دن گرہن لگا کرتا ہے۔ اس لئے اس اجماع سے یہ مراد بھی نہیں ہوسکتی کہ ایک ہی دن گرہن لگے گا۔ ہاں کسی ایک ہی مہینہ میں دونوں کو گرہن لگنا مراد ہوسکتا ہے۔ لیکن کوئی بھی مہینہ ایسا نہیں ہوگا جس میں چاند اور سورج کبھی نہ کبھی گرہن میں جمع نہ کیئے گئے ہوں اس لئے یہ اجماع بھی قرب قیامت کی علامت صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جو اس کے ساتھ کوئی اور شرط بھی وابستہ ہو۔ اور وہ شرط **اِذَابَـرِقَ البَصَـرُ** میں موجود ہے۔ چونکہ اس میں ایسے زمانہ کی خبر دی گئی ہے جس میں ایک طرف نہایت **مُحَيِّرُ العقول** اور دہشت ناک واقعات ہوں گے اور دوسری طرف ایسی تیز روشنی بھی نمودار ہوگی جو جنس انسان کی آنکھوں کو خیرہ کردے گی۔ مادی روشنی تو کوئی ایسی ممکن نہیں جو ساری دنیا کی آنکھیں بیک وقت خیرہ کردے اور اگر ہو بھی تو وہ محیر العقول واقعات میں

شامل ہوگی اس لئے اس سے روحانی روشنی ہی مراد ہوسکتی ہے۔ اور سب سے زیادہ روحانی روشنی یعنی نور کے حامل وجود انبیاء ہی کے ہوتے ہیں پس اس میں ایک عالمگیر نبی کی خبر ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد صرف ایک نبی کے آنے کی خبر دی ہے اور اس کا نام مہدی رکھا ہے اس لئے یہ خبر اسی کے بارہ میں ہوسکتی ہے اور بتایا یہ گیا ہے کہ پہلے مہدی کا ظہور ہوگا پھر قمر اور شمس کے گرہن میں جمع کیئے جانے کا واقع ہوگا اور اس کے بعد قیامت برپا ہوگی یعنی عالمگیر سطح پر روحانی مُردوں کا اِحیاء ہوگا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا کہ **اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ۔** (امام مہدی کا ظہور بحوالہ بحارالانوار داکمال الدین و دارقطنی) کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں۔ جب سے زمین و آسمان بنے یہ نشانیاں کسی اور زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئیں اور وہ نشانیاں یہ ہیں کہ قمر کو رمضان میں گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات اور سورج کو گرہن کے دنوں میں سے درمیانے دن گرہن لگے گا۔ یہ واقعہ دو دفعہ ہوگا اور محمدی مہدی کے وقت میں ہوگا اس سے پہلے کسی مہدی کے وقت میں کبھی نہیں ہوا۔

عجیب بات ہے کہ ۱۸۸۹ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے موعود مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد ۱۳۱۱ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں یہ نشان مشرق میں اور ۱۸۹۵ء میں مغرب میں ظاہر ہوا۔ ازہر یونیورسٹی کے ایک نابغۂ روزگار علّامہ محمد حسین نے اپنی کتاب **المَهْدَوِيَّة فی الاسلام** کے صفحہ ۱۷۱ پر تسلیم کیا ہے کہ چاند سورج کے گرہن کا یہ نشان اگر کسی مدعی مہدویت کے زمانہ میں پورا ہوا تو وہ بانی سلسلہ احمدیہ ہیں۔ (جدید علم کلام کے عالمی اثرات صفحہ ۳۲) **جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** کے یہ معنی بھی ہیں کہ یہ باتیں اس وقت ہوں گی جب ایک ہی وجود میں شمس وقمر جمع ہوں گے یعنی ایک ایسا شخص ظاہر ہوگا جو ایک اعتبار سے شمس اور ایک اعتبار سے قمر ہوگا۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو آفتاب روحانیت کے شمس ہیں اسے قمر کی نسبت ہوئی لیکن بوجہ نبی اللہ ہونے کے وہ شمس بھی ہوگا۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کے وجود میں یہ پیشگوئی بتمام وکمال پوری ہوئی اور آپ نے خود بھی فرمایا ؏

می درخشم چوں قمر تابم چوں قرصِ آفتاب

مہدی کے وقت لوگ سمجھیں گے کہ وہ آزاد ہیں جو چاہیں کریں

اگلی آیات میں کچھ ضمنی مگر نہایت ضروری باتیں بیان کرنے کے بعد سورۃ کے اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی (۳۷)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے۔

مطلب یہ کہ نزولِ قرآن کے زمانہ کے انسان کی طرح اُس زمانہ کا انسان بھی جو بمطابق آیت **بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَهٗ** بے حیائی میں اتنا بڑھ چکا ہوگا کہ کھلے بندوں بدیوں کا ارتکاب کرے گا اور شرمائے گا نہیں۔ وہ سمجھے گا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے کسی ہادی کے آنے اور اس پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی سوال نہیں وہ آزاد ہے جو چاہے کرے مگر یہ اس کی غلطی ہوگی بے مہار تو اُونٹ کو بھی نہیں چھوڑا جاتا انسان کو بے قید کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیات میں اُمّتِ محمدیہ کے اندر رسول کے آنے کی ضرورت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا:-

اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی (۳۸) ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی (۳۹) فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی (۴۰)

کیا انسان قطرہَ منی نہیں تھا جو (رحمِ مادر میں) ڈالا گیا۔ پھر وہ عَلَقہ بنا تو اس نے اس کی تشکیل کی پھر اس کا تسویہ کیا۔ پھر اس میں سے دو صنفیں بنائیں نر اور مادہ۔

فرمایا انسان کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ ایک قطرہ منی نہیں تھا جو ڈالا گیا۔ ''ڈالا گیا'' کے الفاظ ڈالنے والے کو چاہتے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ پہلی دفعہ نطفہ کا ڈالنے والا خود نطفہ کی پیدائش نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا **یُّمۡنٰی** کا لفظ رکھ کر جو مضارع کا صیغہ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے جہاں یہ بتایا کہ جب ایک دفعہ نطفہ سے انسان کی پیدائش ہوئی تو اس وقت سے یہی طریق

پیدائش جاری ہے وہاں اس میں انسان کی پیدائش کے طریق میں تبدیلی کی طرف بھی اشارہ کیا اور بتایا کہ پہلے جو انسان وجود میں آیا وہ کسی کا نطفہ نہیں تھا۔ مگر بعد میں نطفہ سے پیدائش ہونے لگی۔ پھر اس میں یہ اشارہ بھی کیا کہ گو نطفہ میں انسان بننے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے لیکن نہ تو یہ صلاحیت کسی کو نظر آتی ہے اور نہ وہ ازخود انسان بن سکتا ہے بلکہ وہ اس مقام کی طرف جو اس کی ابتدائی نشوونما کے لئے ضروری ہے یعنی رحمِ مادر کی طرف ازخود ذراسی حرکت بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ پہلی بار بھی یہی ہؤا کہ نطفہ کو ڈالا گیا یعنی اس مقام تک جو اس کی نشوونما کے لئے ضروری تھا لے جایا گیا جو ظاہر ہے کہ ابوالبشر آدم ہی کے ذریعہ (جو خود نطفہ کی پیدائش نہیں تھا) ہؤا پھر وہ **عَلَقَة** بنا۔ نطفہ کا **عَلَقَة** میں تبدیل ہونا دراصل خداتعالیٰ کے فعل سے ہوتا ہے جیسا کہ قرآنی الفاظ **خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً** (المومنون ۲۳:۱۵) سے ظاہر ہے لیکن یہاں اسے انسان کی طرف منسوب کیا ہے تا اشارہ ہو کہ یہاں جسمانی سلسلہ سے روحانی سلسلہ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کیونکہ روحانی سلسلہ میں اس کے مقابل پر جو مرحلہ ہے اس میں انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال اس میں بتایا کہ جب وہ نطفہ **عَلَقَة** بن گیا یعنی اس نے اس مقام سے جو اس کی نشوونما کے لئے ضروری تھا اتّصال پکڑلیا **فَخَلَقَ فَسَوّٰى** تو خداتعالیٰ نے (سورۃ المومنون کے مطابق مختلف مراحل میں سے گزار کر) اسے پیدا کیا (یعنی انسانی صورت دی) پھر اس کا تسوّیہ کیا۔ یا یہ کہ جب اس نے اس مقام سے اتّصال پکڑ لیا تو خداتعالیٰ نے اس کی استعدادوں کا جو اس میں ہونی چاہئیں اندازہ کیا اور اس کے مطابق اسے تکمیل کو پہنچایا۔ (لفظ **خَلَقَ** کے معنی اندازہ کرنے کے بھی ہوتے ہیں)۔ **فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى** پھر اس میں سے دونوں صنفیں پیدا کیں مرد بھی اور عورت بھی۔ یہی حال انسان کی روحانی پیدائش کے اس سلسلہ کا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے شروع ہؤا۔ جس طرح وہاں ابتداء میں ایک مرد تھا جو کسی کا نطفہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد جو انسان پیدا ہوئے وہ نطفہ سے پیدا ہونے لگے۔ یہاں بھی ابتداء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے یعنی ایسے رجل سے ہوئی جو روحانی اعتبار سے کسی کا نطفہ نہیں یعنی وہ اپنا روحانی وجود پانے کے لئے کسی اور کا مرہونِ منّت نہیں ہؤا لیکن اس کے بعد اس کی روحانی نسل بھی اس کی نرینہ روحانی اولاد ہی سے چلی اور وہ لوگ جو روحانی اعتبار سے بمنزلہ اناث کے تھے زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں صرف مددگار ہوسکے تو پھر یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ اس

زمانہ میں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی نسل کے ساری دنیا میں پھیلا دینے اور غالب کردینے کا زمانہ ہے وہ صرف ان لوگوں پر جو روحانی اعتبار سے زمرہ اناث میں سے ہیں اس کام کو چھوڑ دیتا اور کوئی مرد کھڑا نہ کرتا۔ یا کھڑا تو کرتا لیکن وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی نسل میں سے نہ ہوتا۔ بلکہ ضرور تھا کہ وہ اس کام کے لئے آپؐ کی روحانی اولاد میں سے کوئی مرد کھڑا کرتا بلکہ مرد ہی کھڑا نہ کرتا کام کی وسعت اور اہمیت کے مدِّنظر کوئی غیر معمولی طاقتوں والا مرد یعنی رجل کامل یا بہ الفاظِ دیگر عظیم الشان نبی کھڑا کرتا۔

===============

مہدی موعود محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمّتی اور روحانی فرزند ہوگا

پس ان آیات میں انسانی نسل کی جسمانی پیدائش کی مثال دیتے ہوئے نہایت خوبصورت پیرایہ میں یہ سمجھایا گیا کہ گو اسلام کے روحانی سلسلہ کے ابتدائی نبی محمد رسول اللہ ﷺ کسی کے اُمّتی نہیں تھے لیکن آئندہ کے لئے حکمتِ الٰہی نے یہی چاہا ہے کہ اس سلسلہ کی اصلاح اور ترقی آپؐ کی روحانی نرینہ اولاد کے ذریعہ ہو۔ یعنی جو شخص بھی اس مقصد کے لئے کھڑا کیا جائے وہ آپؐ کا اُمّتی اور روحانی فرزند ہو۔

چنانچہ سورۃ الکوثر میں بھی آنحضرت ﷺ کو ایک عظیم روحانی فرزند کا وعدہ دیا گیا (دیکھیں صفحہ ۷۰۲ کتاب ہذا) بلکہ آنحضرت ﷺ نے صاف فرمایا ہے **اَلْمَهْدِیُّ وَلَدِیْ اِسْمُهٗ اِسْمِیْ وَ کُنْیَتُهٗ کُنْیَتِیْ** ۔ یعنی مہدی میرا بیٹا ہے اس کا نام میرا نام ہے اور اس کی کنیت میری کنیت ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کا جو مہدی موعود بن کر آئے اصل نام آنحضرت ﷺ کے نام کی طرح احمد تھا۔ رہی کنیت تو آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی اور مہدی کے متعلق آپؐ ہی نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ اتنا مال تقسیم کرے گا کہ لینے والے تھک جائیں گے اور اس اعتبار سے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ یقیناً ابو القاسم تھے۔ یہی نہیں کہ حدیث میں مہدی موعودؑ کا اپنا نام بتایا گیا بلکہ آپ کے والد کا نام بھی بتایا گیا۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام سے داؤد (راوی) نے پوچھا **مَا اِسْمُهٗ** مہدی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا **اِسْمُهٗ اِسْمُ النَّبِیِّ وَاسْمُ اَبِیْهِ اِسْمُ الْوَصِیِّ** اس کا نام نبی کریم ﷺ کے نام ہے یعنی محمد اور

احمد اور اس کے والد کا نام وصی یعنی حضرت مولا مرتضیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ اس حدیث کے مطابق آپؑ کے والد کا نام مرتضیٰ ثابت ہوتا ہے اور خاندانی نام غلام ساتھ ملا لیں تو غلام مرتضیٰ اور یہی ان کا نام تھا۔

(موعود اقوام عالم ۱۷)

پس یہ خیال کہ گذشتہ مسیح ابن مریم آکر اُمّتِ محمدیہ کی اصلاح کرے گا صریحاً غلط ہے۔ جس نے آنا تھا اُمّت میں سے آنا تھا۔ چنانچہ آنحضرتﷺ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاف فرمایا **اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** تمہارا امام تم میں سے ہوگا باہر سے نہیں آئے گا۔

===============

سورۃ الدھر میں مہدی موعودؑ کا ذکر

ظہور مہدی کے وقت کی بعض علامتیں

جب اُمّتِ محمدیہؐ میں رسول کے آنے کی ضرورت کو واضح کردیا گیا (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) تو اس کے بعد یہ بتانے کو کہ جہاں اُس زمانہ میں بعض لوگ نبی کی ضرورت کے قائل نہیں ہوں گے وہاں بعض دوسرے لوگ جو اس کی ضرورت کے قائل ہوں گے یا ان دلائل کو سُن کر قائل ہو جائیں گے وہ اس کے آنے کے لئے بے قراری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ نبی موعود کب آئے گا وہ آتا کیوں نہیں ۔ نیز یہ جاننا چاہیں گے کہ وہ کن لوگوں میں سے آئے گا ان میں سے پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے اگلی سورۃ یعنی سورۃ **الدھر** کے شروع ہی میں فرمایا:-

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (۲)

کیا اس لمبے زمانہ میں جو انسان کی پیدائش پر گزرا ہے اس پر وہ وقت آگیا ہے جب وہ کوئی شی مذکور نہیں رہا۔

مطلب یہ کہ جب انسان بحیثیت جنس ایسا **کَالْاَنْعَام بَلْ هُمْ اَضَلُّ** کا مصداق ہو جائیگا کہ اسے دوسرے جانداروں پر کوئی شرف حاصل نہیں رہے گا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ بنی نوع انسان کی اکثریت روحانی اعتبار سے مردہ ہوجائیگی تو وہ وقت موعود رسول کے آنے کا وقت ہوگا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ. نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (۳)

اگر وہ وقت آگیا ہے تو سمجھ لو کہ **اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** .... ہم نے اس انسان کو بھی (جو شمس بھی ہوگا اور قمر بھی اور مہدی موعود بھی اور جس کے ہاتھ پر روحانی مردوں کا احیاء مقدّر ہے یعنی موعودہ قیامت برپا ہونی ہے) پیدا کردیا ہے (مطلب یہ کہ وہ وقت آنے پر ہم اسے ضرور بالضرور پیدا کریں گے)۔ ....

گویا پہلی آیت میں **اَلْاِنْسَانِ** سے مراد جنسِ انسان ہے اور دوسری آیت میں اس سے مراد وہ حاشر ہے جس کے ہاتھ پر آئندہ زمانہ میں روحانی مردوں کا احیاء مقدّر کیا گیا۔ چنانچہ جب اس موعود نے ظہور کیا تو اس پیشگوئی کی تصدیق میں اسے الہام ہؤا "**اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ یَوْمٍ مَوْعُوْد**" (تذکرہ طبع سوم صفحہ ۲۱۲) یقیناً ہم نے **اَلْاِنْسَانَ** کو یوم موعود میں پیدا کیا ہے۔ اور چونکہ اصل حاشر حضرت نبی کریم ﷺ ہی ہیں جیسا کہ حضوؐر کے قول **اَنَا الْحَاشِر الَّذِی یُحْشَرُ النَّاس عَلٰی قَدَمِی** سے ظاہر ہے اس لئے رجل موعود کو یہ نام دینے میں اس کے بروز محمد رسول اللہ ﷺ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدثؒ دھلوی نے جو مجدد صدی تھے ان کے متعلق فرمایا "**هُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَنُسْخَتُهٗ مُنْتَسَخَةٌ مِنْهُ** (الخیر الکثیر) کہ وہ اسم جامع محمدی کی شرح ہوگا اور اس کے نسخہ کی نقل ہوگا۔ پھر فرمایا **یَنْعَكِسُ فِیْهِ اَنْوَارُ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ** (ﷺ)۔ اس میں سیدالمرسلین (ﷺ) کے انوار منعکس ہوں گے۔"

چونکہ اس جگہ لفظ انسان کو دہرایا گیا ہے دوسری آیت میں ضمیر نہیں لائی گئی اس لئے ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلی آیت میں **اَلْاِنْسَانَ** سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہوں (یہ مفہوم مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوری نے اپنی تفسیر سورۃ القیامۃ والدھر میں لیا ہے) اور

دوسری آیت میں اس سے مراد وہی موعود ہو جس کے ہاتھ پر آئندہ زمانہ میں روحانی مُردوں کا احیاء مقدّر کیا گیا۔ اور استفہام کے پیرایہ میں یہ بتایا گیا ہو کہ جب ایسا وقت آجائے گا کہ انسانِ کامل محمد رسول اللہ ﷺ شی مذکور نہیں رہیں گے یعنی وہ مقام شرف جو آپؐ کو درحقیقت سب اوّلین وآخرین سے زیادہ حاصل ہے دشمنوں کے جھوٹے پراپیگنڈہ کی وجہ سے دنیا کی نگاہ میں حاصل نہیں رہے گا۔ یعنی بمطابق آیت **اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ** اس سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور مسلمان بھی تبلیغ سے غافل ہوکر آپؐ کی شخصیت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا اس بات کو بھول جائے گی کہ آپؐ ہی وہ موعود ہیں جن کا تمام سابقہ کتب ساوی میں ذکر تھا۔ تو سمجھ لو کہ خداتعالیٰ نے وہ شخص بھی پیدا کردیا ہے (یعنی ضرور پیدا کردے گا) جس کے ہاتھ پر سورۃ سابقہ میں مذکور روحانی انقلاب کا جو ایک قیامت کا نمونہ ہوگا آنا مقدّر ہے اور جس کے آنے پر **اَلۡاِنۡسَان** یعنی انسان کامل محمد رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کا صحیح مقام دوبارہ مل جائے گا۔

===============

مہدی موعودؑ کا تعلق مختلف خاندانوں سے ہوگا اور اسکے وجود میں تمام نبی جمع ہونگے

دوسرا سوال یہ تھا کہ نبی موعود کن لوگوں میں سے ہوگا اس کا جواب **مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ** کے الفاظ میں دیا گیا۔ **اَمۡشَاجٍ مَشِيۡج** کی جمع ہے جس کے معنے مرکب کے ہیں۔ پس **نُطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ** کے معنے مرکبات سے مرکب نطفہ کے ہوئے۔ اس میں بتایا کہ اس موعود کے شجرہ نسب میں مختلف خاندانوں کا پیوند ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ایک طرف فارسی الاصل تھے دوسری طرف آپؑ کی بعض نانیاں اور دادیاں سادات میں سے تھیں۔ تیسری طرف آپؑ کے شجرہ طیّبہ کی شاخیں ترکی اقوام کے خاندانِ مغلیہ تک پھیلی ہوئیں تھیں۔

لفظ نطفہ کا استعمال مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہوتو **مِنۡ نُطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ** کے الفاظ میں یہ اشارہ کیا گیا کہ رجلِ موعود میں تمام نبیوں کے خواص جمع ہوں گے۔ چنانچہ اسی کے مطابق خداتعالیٰ نے اپنے الہام میں اسے "**جَرِيُ اللّٰهِ فِيۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِيَاء**" قرار دیا یعنی خدا کا رسول

نبیوں کے پیرایوں میں۔ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں بھی اسی طرف اشارۂ قرآنی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوجعفرؓ کی ایک لمبی روایت میں ہے کہ مہدی جب آئے گا تو آدمؑ ،نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد رسول اللہﷺ اور دیگر کئی نبیوں کے نام لے کر کہے گا کہ جو ان کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مجھے دیکھ لے کہ میں وہی ہوں۔ چنانچہ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے آکر یہی فرمایا کہ:-

آنکہ داد است ہر نبی راجام
داد آں جام را مرا بتمام
زندہ شد ہر نبی بہ آمدنم
ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

بہرحال اس آیت کے یہ معنے لیں تو نَبْتَلِیْهِ کا مطلب یہ ہوگا کہ موعود انسان کو خداتعالیٰ نے **نطفہ امشاجٌ** سے اس ارادہ کے ساتھ پیدا کرے گا کہ پہلے اسے آزمائے اور جب وہ اس آزمائش پر پورا اُترے تو اسے سمیع وبصیر بنا دے یعنی صاحب الہام بنا کر صاحب بصیرت بنا دے۔ چنانچہ جب وہ موعود یعنی مہدی مسعود علیہ السلام ظاہر ہؤا تو اس نے خود لکھا کہ ’’میں خداتعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ (جسمانی و روحانی) دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان لیا گیا۔‘‘
رہا سمیع و بصیر ہونا تو اس کے متعلق آپؑ فرماتے ہیں

’’میں شکّی اور ظنّی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں ...... مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے دلائل قاطعہ سے یہ علم دیا گیا ہے اور ہر ایک وقت دیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی القاء ہوتا ہے اور جو وحی میرے پر نازل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے نہ شیطان کی طرف سے میں اس پر ایسا ہی یقین رکھتا ہوں جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب کے وجود پر۔‘‘

===============

مہدیؑ کو مان کر استقامت دکھانے والے سمیع وبصیر یعنی صاحب کشف والہام بنائے جائیں گے

نَبْتَلِیْہِ کے یہ معنے بھی ہیں کہ ہم موعود انسان کامل کو اس ارادہ سے پیدا کریں گے کہ جنسِ انسان کو آزمائیں اور اگر وہ آزمائش میں پورا اُترے تو اسے سمیع وبصیر یعنی براہ راست کلامِ الٰہی کو سننے والا صاحب بصیرت بنا دیں۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

> ’’میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خداتعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کرکے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خداتعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں پر یہ دروازہ بند ہے۔‘‘

اور پھر آپؑ کے ذریعہ عملاً سینکڑوں نہیں ہزاروں جو پہلے بہرے تھے سننے لگے اور جو پہلے اندھے تھے دیکھنے لگے اور ایسے ایسے صاحب کشف والہام پیدا ہوئے کہ اگر انہیں آسمان روحانیت کے ستارے قرار دیا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔ وہ یقیناً حدیث نبوی **عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِیٓ اِسْرَائِیْلَ** کے مصداق تھے۔

===============

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت میں مہدی موعودؑ کا ذکر

یہ خبر کہ اسلام کے دونوں موعود غلبے ضرور واقع ہوں گے اور دوسرا غلبہ ایک ایسے رسول کے ذریعہ حاصل ہوگا جو بہت سے رسولوں کا نام پاکر آئے گا۔ سورۃ الدھر اور اس سے پہلی سورتوں کے علاوہ سورۃ المرسلٰت میں بھی بیان ہوئی ہے اور اس میں بھی آنے والے رسول کے آنے کو تمام رسولوں کا آنا قرار دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں ہے:-

وَالْـمُرْسَلٰتِ عُرْفًا (۲) فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا (۳) وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا (۴) فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا (۵) فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا (۶) عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (۷) اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ (۸)

قسم ہے نرمی اور بھلائی کے ساتھ بھیجی جانے والی پھر تیزی سے (خس وخاشاک کو) اُڑا دینے والی ہستیوں کی۔ (پھر) قسم ہے (خیر کو دور دور) پھیلا دینے والی پھر حق و باطل میں اچھی طرح فرق کر دینے والی۔ پھر موجبِ نصیحت باتوں کو (لوگوں تک) پہنچا دینے والی ہستیوں کی۔ خواہ (یہ پہنچانا) اتمام حُجّت کیلئے ہو یا اس لئے کہ لوگ اپنی روشِ بد کے انجام سے آگاہ ہوجائیں۔ یقیناً جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ پورا ہونے والا ہے۔

اس جگہ حرفِ قسم 'وَ' کے ساتھ صرف دو آیتیں شروع ہوئی ہیں۔ وَالْـمُرْسَلٰتِ عُرْفًا میں ایک قسم ہے اور فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا اسکے تابع ہے یعنی اس میں المرسلات کی بعد کی حالت بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا میں دوسری قسم ہے اور عبارت فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا اس کے تابع ہے اور اس میں النٰشرٰت کی بعد کی حالتوں کا بیان ہے۔ جواب قسم میں یہ کہا گیا ہے کہ جس بات کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے وہ واقع ہوکر رہے گی جس سے صاف ظاہر ہے کہ سابقہ آیات میں کوئی وعدہ دیا گیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ وعدہ کیا تھا۔

سو جاننا چاہیے کہ سورۃ سابقہ کی آخری آیات میں سے ایک آیت نمبر ۲۹ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا میں یہ بتایا گیا تھا کہ خداتعالیٰ جب چاہے گا (زمانہ نبوی کے) کفار کی حالت کو تبدیل کردے گا یعنی جہاں اس وقت وہ کفر پر فخر کرتے ہیں پھر اسلام پر فخر کرنے لگیں گے۔ ایک تو یہ وعدہ تھا۔ پس ان آیات میں بتایا گیا کہ یہ وعدہ کیسے پورا ہوگا۔ دوسرے جیسا کہ ہم بار بار وضاحت کرچکے ہیں کئی سورتوں میں اور انتیسویں پارہ کی (جس کی یہ سورۃ ہے) تو ہر سورۃ ہی میں اسلام کے دو غلبوں کا ذکر ہو رہا ہے ایک اس کا جو اسلام کے دورِ اوّل میں واقع ہونا تھا اور دوسرا اس کا جو اس کے آخری دور میں ہونا مقدّر تھا پس ان آیات میں دو الگ لگ قسمیں کھا کر ان دو غلبوں کے واقع ہونے کے لئے شہادتیں پیش کی گئیں۔ جس کا ثبوت ایک اہم تاریخی واقعہ سے بھی ملتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا کہنا ہے کہ ایک دن وہ اور کچھ اور صحابہؓ مقام منٰی پر ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ پر اس سورۃ (المرسلٰت) کا نزول ہؤا۔ اس وقت ایک سانپ نمودار ہؤا اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ اسے مار دو۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اسے مار ڈالتے وہ غائب ہوگیا اس پر حضورؐ نے فرمایا وہ تمہارے ''شر'' سے محفوظ رہا ہے جس طرح تم اس کے ''شر'' سے محفوظ رہے ہو۔'' (فتح القدیر) یہ واقعہ محض اتّفاقی نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعہ خداتعالیٰ نے ایک تمثیلی زبان میں صحابہؓ کو یہ سمجھایا تھا کہ ان کا ایک دشمن ہے جس کا تعلق اس سورۃ کے مضمون یعنی غلبہ اسلام سے ہے۔ وہ ان کے وقت میں بھی سر نکالے گا اور انہیں چاہیئے کہ پورے طور پر اس کا قلع قمع کر دیں لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو جس طرح وہ اس سے محفوظ رہیں گے اسی طرح وہ دشمن بھی ان سے محفوظ رہے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آئندہ کسی وقت دوبارہ اپنا سر نکالے گا اور اس چیز میں جس کا اس سورۃ میں خصوصیت سے ذکر ہے یعنی غلبہ اسلام کی مہم میں مزاحِم ہوگا۔ پس اس میں ہمارے اس زمانہ کے مسیحی فتنہ کی طرف اشارہ تھا۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے اس سانپ کو مارنے کا صحابہؓ کو حکم دیا تھا اور محبوبِ خدا کا حکم دینا بے کار نہیں جاسکتا تھا اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس دشمن کے دوبارہ سر نکالنے کے وقت صحابہؓ کے مثیل دنیا میں موجود ہوں گے جو اس ''سانپ'' کو مارنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کے رنگ میں صحیفہ قدرت کے بدیہات کو شریعت کے اسرارِ دقیقہ کے حل کرنے کے لئے اور اسی طرح ان اُمور کے ثبوت میں جو کفار کے نزدیک محل نظر تھے بار بار پیش کیا ہے اس لئے اگر **الْمُرْسَلٰت** اور **الْعَاصِفَات** وغیرہ سے ہوائیں مراد لیں تو یہ بھی درست ہے اور چونکہ ملائکہ کے ذریعہ ہمیشہ ہی انبیاء کی تائید ہوتی رہی ہے اس لئے اگر ان سے ملائکہ مراد لیں تو اس میں بھی حرج نہیں لیکن اگر کسی خاص بات کا وقوع پذیر ہونا ثابت کرنا مقصود ہو اور وہ بات ایسی ہو کہ اس کی مثل کوئی اور بات دنیا میں پہلے بھی واقع ہوتی رہی ہو تو اس بات پر یقین دلانے کے لئے کہ وہ ضرور واقع ہوگی اس سے بہتر طریق اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ ماضی میں جو اسی قسم کی بات بار بار واقع ہوتی رہی ہو اس کی مثال پیش کی جاوے۔ یا اسے گواہ بنایا جائے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ 'عرف' کے معنی نرمی کے بھی ہیں اور بھلائی کے بھی ہیں

اور اس لفظ میں یکے بعد دیگرے اور پیہم آنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں **جاء القوم عرفًا عرفًا** اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ یکے بعد دیگرے آئے۔'' (لین) اور اللہ تعالیٰ نے جو رسول دنیا میں بھیجے ہیں وہ بھی سب کے سب بھلائی کے ساتھ اور بھلائی کے قیام کے لئے آتے رہے ہیں اور گو ابتداء میں ان میں سے ہر ایک کے سلسلہ کو آہستہ آہستہ ترقّی ملی ہے لیکن پھر ایک ایسا وقت بھی آ گیا ہے کہ اس نے یکلخت بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے اور اس کی صورت اکثر یہ ہوتی رہی ہے کہ اگرچہ ابتداء میں ان سب رسولوں نے نرمی کا طریق اختیار کیا ہے لیکن جب لوگوں نے ان کے مشن کو بزورِ شمشیر مٹا دینے کی کوشش کی ہے تو کچھ عرصہ گزرنے پر خدا تعالیٰ نے انہیں تلوار کے مقابل پر تلوار اُٹھانے کی اجازت دے دی ہے اور اس کے ساتھ ہی انہیں ایسی طاقت بخش دی ہے کہ اِن **مُرْسَلَاتِ عُرْفًا** نے **عَاصِفَاتِ عَصْفًا** بن کر کفر کے خس وخاشاک کو آن کی آن میں اُڑا دیا ہے۔ پس **وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا** میں گزشتہ رسولوں کی زندگیوں کو کفّار کے سامنے پیش کر کے یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ بھی سابقہ رُسل کی طرح کے ایک رسول ہیں۔ بھلائی کا پیغام لے کر اور بھلائی کے قیام کے لئے آئے ہیں اور نرمی سے پیغامِ حق پہنچا رہے ہیں لیکن اگر تم نے بزورِ شمشیر ان کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کی تو جس طرح سابقہ رُسل کے زمانوں میں ہوتا رہا ہے ایک وقت آئے گا کہ خدا تعالیٰ انہیں بھی تلوار کے مقابل پر تلوار اُٹھانے کی اجازت دے دے گا اور اس کے ساتھ غیر معمولی قوّت بھی عطا کر دے گا اور تم دیکھو گے کہ جس طرح آندھی آن کی آن میں خس وخاشاک کو اُڑا دیتی اور بھوسے کو دانوں سے الگ کر دیتی ہے اسی طرح یہ بھی تمہارے بے بنیاد کفریہ عقائد کو تھوڑے ہی عرصہ میں **هَبَاءً مَّنْثُوْرًا** بنا دیں گے اور پھر حق ہی حق جو بھاری اور غیر متزلزل ہوتا ہے باقی رہ جائے گا اور اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام دنیا میں قائم ہو جائیگا (**اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ**۔ الذاریات ۵۱:۷)۔ رہا اسلام کے دوسرے غلبہ کا سوال تو اس کے متعلق سنو۔ **وَالنّٰشِرَاتِ نَشْرًا فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ**۔

نَاشِرَاتٌ کے معنے کھول دینے والی یا پھیلا دینے والی یا حیات تازہ بخشنے والی ہستیوں کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے عرف کے ساتھ انسان کی طرف بھیجے جانے والے سب سے

اوّل درجہ پر حامل شریعت انبیاء خود ہوتے ہیں مگر سنت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ ان کا کام ابھی ادھورا سا ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ ان کو واپس بلا لیتا ہے اور ان کے پیغام کی پورے طور پر اشاعت ان کے بعد ان کے خلفاء کے ذریعہ ہوتی ہے جن میں سے بعض مامور اور بعض غیر مامور ہوتے ہیں گویا اصل نَاشِرَاتٌ شارع نبی کے روحانی خلفاء ہی ہوتے ہیں۔ بیشک شارع نبی خود بھی خدا کا پیغام نشر کرتے ہیں لیکن اوّل ان کا بنیادی کام صرف تخم ریزی کرنا ہوتا ہے دوسرے یہ کبھی نہیں ہوُا کہ وہ عَاصِفَاتِ عَصْفًا بن کر ضلالت وگمراہی کے خس وخاشاک کو تو پہلے اُڑا دیں اور خداتعالیٰ کا پیغام بعد میں نشر کرنے لگیں۔ مگر ان آیات میں وَالنّٰشِرَاتِ نَشْرًا کے الفاظ فَالعَاصِفَاتِ عَصْفًا کے بعد رکھے گئے ہیں اس لئے ان میں نَاشِرَاتٌ سے خود شریعت والے انبیاء بہرحال مراد نہیں ہوسکتے بلکہ ان کے خلفاء ہی مراد ہوں گے اور خصوصیت کے ساتھ اسلام کے دورِتنزّل کے آخر میں آنے والے خلفاء کیونکہ ناشرات دراصل ان زندگی بخش ہوٗاؤں کو کہتے ہیں جو خزاں کے بعد چلتی اور بہارِنو کی نوید لاتی ہیں چنانچہ نَشَرَتِ الْاَرْضُ نُشُورًا کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ موسمِ بہار آنے سے مردہ زمین میں پھر سے جان آگئی۔

الغرض وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا میں گزشتہ حاملِ شریعت نبیوں کو اور وَالنّٰشِرَاتِ نَشْرًا میں ان نبیوں کے روحانی خلفاء کو (جن میں انہی کی شریعت کو پیش کرنے والے مامور بھی شامل ہیں) اس بات پر گواہ ٹھہرایا گیا کہ اسلام کے دونوں موعود غلبے ضرور واقع ہوں گے اور یہ اشارہ کیا گیا کہ ان میں سے پہلا غلبہ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے حینِ حیات ہی میں واقع ہوجائے گا لیکن دوسرا غلبہ آپؐ کے بعد آپؐ کے کسی خلیفہ کے ذریعہ واقع ہوگا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ

اسلام کا دوسرا غلبہ کب اور کس خلیفہ کے ذریعہ حاصل ہوگا

اگلی آیات میں اس کا جواب ہے فرمایا:-

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (۹) وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (۱۰)

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۱۱) وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (۱۲)

جب ستارے مانند کئے جائیں گے اور جب آسمان پھاڑا جائے گا اور

جب پہاڑ اُڑائے جائیں گے اور جب رُسُل وقتِ مقررہ پر لائے جائیں

گے (اس وقت یہ بات ہوگی)۔

اس موقعہ پر یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ ہم نے اسی کتاب میں اس سے پہلے واضح کیا ہے جس پارہ کی یہ سورۃ ہے اس کی پہلی سورۃ یعنی سورۃ الملک میں روحانی نظاموں کو سمٰوٰت۔ اور قرآن کے ذریعہ قائم ہونے والے روحانی نظام کو ان میں سے قریب ترین سمآء قرار دیا گیا ہے۔ اور سورۃ رحمٰن میں آنحضرت ﷺ کو اس سمآءِ روحانی کا شمس اور مسیح موعودؑ کو اس کا قمر بتایا گیا ہے۔ اس لئے جب روحانی نظاموں کو مجموعی حیثیت میں لیا جائے گا تو کواکب (یعنی افروختہ بڑے بڑے ستاروں) سے مراد سابقہ تشریعی نبی اور نجوم سے مراد سابقہ غیر تشریعی نبی ہوں گے۔ اور چونکہ بمطابق حدیث نبوی **عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْل** علماء اُمّتِ محمدیہ سابقہ نبیوں کی مانند ہیں۔ اس لئے جب قریب ترین روحانی آسمان (یعنی اسلام کے روحانی نظام) کا ذکر ہوگا تو نجوم سے مراد علماء اُمّت لئے جائیں گے۔ یعنی **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ** کے مصداق علماء اور ظاہر ہے کہ یہی علما اولیاء اللہ بھی ہوں گے۔ حدیث **اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ** سے اس کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ نجوم کے بالمقابل جو آسمانوں میں ہوتے ہیں۔ جبال یعنی پہاڑ زمین میں ہوتے ہیں اس لئے جب نجوم سے علماء اور اولیاءِ اُمّت مراد ہوئے تو جبال سے علماء ظاہر اور دنیوی رنگ میں بڑے لوگ یعنی بادشاہ اور امراء وغیرہ مراد ہوں گے۔

طَمَسَ کے معنے ہیں وہ مٹا دیا گیا۔ **طَمَسَ النجم** کہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ ستارہ اپنی روشنی کھو بیٹھا یا اس سے محروم کردیا گیا اور **طَمَسَ الغَیْمُ النُّجُوْمَ** کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ بادلوں نے ستاروں کو ڈھانپ لیا (لین واقرب)۔

پس ان آیات میں بتایا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں اولیاء اور علماءِ اُمّت میں سے بعض مٹا دیئے جائیں گے۔ یعنی شہید کردیئے جائیں گے بعض اپنی روشنی خود کھوبیٹھیں گے یا انہیں اس سے محروم کردیا جائے گا اور بعض کی روشنی اور دیکھنے والوں کے درمیان ایک قسم کا بادل حائل ہوجائے گا۔ یعنی ضلالت و گمراہی کی ایسی گھٹا آئے گی کہ گو اس وقت بھی کچھ ربّانی لوگ موجود تو ہوں گے مگر اس گھٹا کی موجودگی میں ان کی روشنی لوگوں کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہوگی۔ دوسری اہم بات یہ ہوگی کہ اس آسمان روحانی یعنی اسلام کے روحانی نظام کو پھاڑا جائے گا

اور تیسری بات یہ ہوگی کہ اس وقت مسلمان بادشاہوں اور امراء کو ان کی جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا۔ جب یہ سب مصیبتیں اسلام کے لئے اکٹھی ہوجائیں گی تو وہ وقت تمام ان رسولوں کے جن کے دوبارہ دنیا میں آنے کی پیشگوئیاں ہیں ظاہر ہونے کا وقتِ مقررہ ہوگا۔ چنانچہ اس وقت وہ سب رسول دنیا میں لائے جائیں گے اور وہی وقت اسلام کے دوسرے اور عالمگیر غلبہ کا وقت ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ رُسُل (بصیغہ جمع) کے وقت مقررہ پر آنے کے ذکر سے یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی کہ اس وقت تمام رسول بنفسِ نفیس ظاہر ہوجائیں گے۔ کیونکہ مقصود اسلام کے لئے بشارت ہے اور اگر تمام ادیان کے حامل رسول ایک ہی وقت میں ظاہر ہوجائیں تو بجائے فائدہ کے اسلام کو نقصان پہنچے گا کیونکہ اس صورت میں رسولوں کا آپس میں مقابلہ شروع ہوجائے گا۔ لہٰذا اس پیشگوئی سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک رسول جو اسلام کو دوبارہ سربلند کرنے کے لئے آئے گا اسے تمام رسولوں کا نام دیا جائے گا۔ اور تمام رسولوں کے اوصاف اس میں جمع کئے جائیں گے۔ چنانچہ بحارالانوار جلد ۵۱ صفحہ ۵۲ پر لکھا ہے **ظُهُوْرُهٗ بِمَنْزِلَةِ ظُهُوْرِ الْجَمِيْعِ** یعنی اس کا ظہور بمنزلہ تمام انبیاء کے ظہور کے ہوگا۔ مزید دیکھیں موعود آخرالزماں مصنفّہ محمد عثمان شاہد ص ۱۰،۱۱۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ وہ تمام عیوب وگناہ جن کی اصلاح کے لئے متفرق انبیاء دنیا میں آئے اس ایک ہی زمانہ میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ مثلاً قومِ ابراہیمؑ کی طرح بت پرستی بھی ہو رہی ہوگی، قومِ شعیبؑ کی طرح لین دین کے معاملات بھی خراب ہوچکے ہوں گے، قومِ لوطؑ کی طرح ہم جنسی کا عیب بھی عام ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق اٹھارویں صدی کے اواخر میں ملک ہند میں جو تمام مذاہب کے ماننے والوں کی آماجگاہ ہے یہ سب باتیں ظاہر ہوگئیں۔ بلکہ اب تو ساری دنیا میں یہ باتیں عام ہوچکی ہیں۔ اسی طرح ایک طرف بعض بڑے بڑے اولیاء اُمّت کو شہید کیا گیا۔ سینکڑوں علماء دین اپنی کسی اندرونی بیماری کی وجہ سے ایمان کھو کر اسلام سے مرتد ہوگئے یا انہیں لالچ دے کر مرتد کروایا گیا۔ جو سابق اولیاء اُمّت تھے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ذاتی مفادات۔ دنیا پرستی اور حرص و ہوا کا غبار اس طرح بادل بن کر حائل ہؤا کہ وہ ان کے پھیلائے ہوئے نور سے بھی محروم ہوگئے اور اس طرح **اِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ** میں مذکور ساری باتیں ایک ایک کرکے پوری

ہوگئیں۔ اِذَاالسَّمَآءُ فُرِجَت کے مطابق اسلام کے روحانی نظام یعنی قریب ترین روحانی آسمان کا سینہ اس بری طرح سے چاک کیا گیا کہ اس کی مثال کسی سابقہ زمانہ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ ایک طرف مسیحیوں اور آریہ لوگوں نے سینکڑوں نہیں ہزاروں اعتراضات قرآن کریم کی پاک تعلیمات اور بانی اسلام ﷺ کی پاک ذات پر کر کے انہیں بکثرت شائع کیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے قرآن کی من مانی تاویلات شروع کر دیں۔ یہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اپنے عقائد ہی کو اصل قرآنی تعلیم قرار دینے لگا اور اس طرح خود مسلمان اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِیْن (الحجر ۱۵:۹۲) اور کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (الرّوم ۳۰:۳۳) کے مصداق بن کر قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے یا بہ الفاظ دیگر اسلام کے روحانی نظام یعنی قریب ترین روحانی آسمان کو پھاڑنے والے ٹھہرے۔ پھر وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ کے مطابق ان مصائب کے ساتھ ایک اور مصیبت یہ جمع ہوگئی کہ مسلمان بادشاہوں اور رؤساء کو بھی مخالفوں نے جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیا اور دنیوی اعتبار سے بھی مسلمان ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔ مگر اس وقت خداتعالیٰ نے جو اَصْدَقُ الْوَعْد ہے اور جس کا سورۃ الضحیٰ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے وعدہ تھا کہ جب اسلام پر مصائب کا زمانہ آئے گا اس زمانہ میں بھی وہ آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا اپنا وعدہ پورا کیا اور وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ کے مطابق ان تمام مصائب کے جمع ہو جانے اور تمام تاریکیوں کے چھا جانے کے وقت اپنے ایک برگزیدہ بندے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمّتی اور غلام مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جَرِیُ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ بنا کر یعنی تمام نبیوں کا جامہ پہنا کر کھڑا کر دیا اور اسلام کے دوسرے اور عالمگیر غلبہ کی داغ بیل ڈال دی۔ جس کی وضاحت اگلی آیات میں یوں آتی ہے۔

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ (۱۳) لِیَوْمِ الْفَصْلِ (۱۴)

یعنی اس وقت اسلام پر ایسے ایسے مصائب آئیں گے کہ ہر دردمند دل رکھنے والا پکار اُٹھے گا کہ نبی موعود یعنی مہدی موعود کی آمد کے وعدوں کو آخر کس دن پر اُٹھا رکھا گیا ہے۔ وہ آ کیوں نہیں چکتا؟ سو سنو لِیَوْمِ الْفَصْل اس کے آنے کو فیصلہ کے دن پر اُٹھا رکھا گیا ہوگا۔ یعنی وہ حق وباطل کی آخری جنگ اور طاغوتی طاقتوں اور سچائی کی قوّتوں کے درمیان آخری اور فیصلہ کن معرکہ کے وقت ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب

قادیانیؑ ظاہر ہوئے تو آپ نے فرمایا:-

''یہ ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ شیطان اپنے تمام ذرّیات کے ساتھ ناخنوں تک زور لگا رہا ہے کہ اسلام کو نابود کردیا جائے۔ اور چونکہ بلاشبہ سچائی کا جھوٹ کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے اس لئے یہ زمانہ بھی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اس کی اصلاح کے لئے خدا کا مامور آوے۔ پس وہ مسیح موعود ہے جو موجود ہے۔'' (چشمہ معرفت صفحہ ۹۴:۹۵)

وَمَآ اَدۡرٰکَ مَایَوۡمُ الۡفَصۡلِ (۱۴) وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ (۱۵)

اور تجھے کیا چیز سمجھائے کہ یوم الفصل کی کیا شان ہے۔ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے حسرت (ہی حسرت) ہوگی۔

مطلب یہ کہ بیشک وہ موعود بڑے انتظار کے بعد آئے گا لیکن جس دن کا آنا اس کے آنے سے وابستہ ہے یعنی یوم الفصل وہ ایسا عظیم دن ہوگا کہ اس کی شان کا الفاظ احاطہ نہیں کرسکتے اور نہ کوئی دن اس کی مثل اس دنیا میں پہلے آیا ہے جو اس سے اسے تشبیہہ دی جائے کیونکہ اس دن تمام ادیان عالم کے باہمی تنازعات کا فیصلہ ہوجائے گا۔ **جَآءَ الۡحَقُّ وَزَھَقَ الۡبَاطِلُ** (بنی اسرائیل ۸۲:۱۷) حق آجائے گا اور باطل بھاگ جائیگا اور **اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّھَا** (الزمر ۳۹:۷۰) کے مطابق ساری زمین اپنے رب کے نور یعنی نورِ اسلام سے جگمگانے لگے گی۔ اور اس دن جھٹلانے والوں کے لئے سوائے حسرت اور ندامت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اے کاش اے کاش کہ ہم بھی وہ دن دیکھیں۔

===============

سورۃُ النَّبَا میں اسلام کے دو غلبوں کی تحدّی۔ درمیانی زمانہ ضعف اور اسکے اسباب کا ذکر۔ یہ بیان کہ اس ضعف کا علاج عام علماءِ دین یا ولیوں سے نہیں ہوگا بلکہ ایک نبی اللہ کے ہاتھ سے ہوگا اور وہ نبی آکر روحانی عیش کا سامان فراہم کریگا

سورۃُ النَّبا سے پہلے کئی سورتوں میں اسلام کے دو غلبوں کی خبر دی گئی ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ کو چونکہ اس وقت نہ اقتدار حاصل تھا نہ جتھا نہ مال ودولت اس لئے کفار کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپؐ کو غلبہ کیسے حاصل ہوجائے گا اور اگر بفرضِ محال ایک دفعہ حاصل ہوبھی گیا تو اس کے پیچھے آنے والے زمانہ ضعف کے بعد (جس کی خبریں خود قرآن نے دی ہیں) اسے دوبارہ غلبہ کیسے ملے گا۔ کیا آپؐ کے مخالف ان باتوں کا سدِّ باب نہیں کرلیں گے۔ جس کی وجہ سے آپؐ کو پہلی دفعہ غلبہ حاصل ہؤا ہوگا۔ اس سورۃ میں خداتعالیٰ نے ان کے سوالوں کا جو استفہام انکاری کا رنگ رکھتے تھے ذکر فرما کر انکا رد کیا فرمایا:-

عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ (۲) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ (۳) الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (۴) كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (۵) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (۶)

النَّبَاِ بڑی خبر کو کہتے ہیں یہاں اس کے ساتھ عظیم کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس لئے مراد بڑی خبروں میں سے بڑی خبر ہے۔ یوں تو خداتعالیٰ کی طرف سے غلبہ ہر نبی کا مقدّر ہوتا ہے ۔ (**كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِى**۔ المجادلۃ ۲۲:۵۸) اور اس کی پہلے سے خبریں بھی دی جاتی ہیں ورنہ یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ یہ غلبہ خدا کی طرف سے ملا ہے کوئی امرِ اتفاقی نہیں۔ مگر اسلام کے بارہ میں نہایت نامساعد حالات میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ غالب آئے گا۔ اس کے بعد اس پر ضعف کا ایک لمبا زمانہ آئے گا اور اسکے بعد اسے پھر غلبہ حاصل ہوگا۔ جو عالمگیر غلبہ ہوگا۔ اور یہ خبر بلا شبہ ایک نباء عظیم یعنی بڑیوں میں سے بڑی خبر تھی۔ پس ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداتعالیٰ نے فرمایا **عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ** وہ کس چیز کا سوال کے پیرایہ میں انکار

کرتے ہیں کیا (اسلام کے دو زمانوں میں غالب آنے کی) بڑیوں میں سے بڑی خبر کے بارہ میں جس کے بارہ میں وہ خود مختلف الخیال ہیں۔ یعنی اگرچہ بعض اسے ناممکن خیال کرتے ہیں۔ بعض اس سے خائف بھی ہیں یا یہ کہ مومن اور کافر مختلف الخیال ہیں۔ مومن اسے یقینی جانتے ہیں اور کافر ناممکن۔ فرمایا۔ **کَلَّا** کفار کا یہ خیال کہ اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا ہرگز درست نہیں **سَيَعْلَمُوْنَ** وہ عنقریب جان لیں گے کہ یہ خبر سچی تھی۔ **ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ** پھر دوسرے غلبہ کا وقت آنے پر بھی وہ جلد جان لیں گی کہ ضرور وہ واقع ہونے والا ہے۔

اس پر بات ختم کردی جاتی تو کفار کہہ سکتے تھے کہ یہ تو پہلے دعویٰ کے ثبوت میں ایک اور دعویٰ کردیا گیا ہے۔ جس کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس کے بعد ان قرائن کی طرف متوجہ کرنے کو جنہیں دیکھ کر اس دعویٰ پر یقین آسکتا تھا فرمایا:-

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (۷) وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا (۸)

کیا ہم نے اس زمین کو تیاّر کی ہوئی جگہ کی طرح نہیں بنایا اور (کیا ہم نے)ان پہاڑوں کو میخوں کی طرح (مضبوطی سے گڑے ہوئے)نہیں بنایا۔

کسی بڑے اور نیک انقلاب کے واقع ہونے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نمبر۱ تائید الٰہی کی نمبر۲ اس بات کی کہ اس انقلاب کے لئے زمین ہموار ہو اور نمبر۳ اس بات کی کہ وہ لوگ کہ جن کے ہاتھ سے اس انقلاب کا برپا کیا جانا مقدر ہے صاحب عزمِ صمیم ہوں۔ چنانچہ **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا** میں یہی بتایا گیا کہ غلبہ اسلام کے لئے یہ تینوں باتیں میسر ہیں۔ یعنی **فِعْل جَعَلَ** کی نسبت خداتعالیٰ کی طرف کرکے یہ سمجھایا کہ منشا الٰہی یہ ہے کہ یہ انقلاب برپا ہو۔ اور **مِهٰدًا** کے لفظ میں یہ بتایا کہ زمین اس مقصد کیلئے تیاّر ہے کیونکہ **مَهْدٌ** کے معنیٰ تیّار کرنے کے ہیں۔ جیسے ارشاد ربانی **وَمَهَّدتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا** میں اور **اَلْمِهَادُ** تیّار کی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور **اَلْمَهْدُ** گہوارے کو۔ اِسی طرح **وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا** میں جس کے معنی یہ ہیں کہ ''اور کیا ہم نے پہاڑوں کو مضبوطی سے نہیں گاڑا'' یہ بتایا کہ اگرتم آنکھوں سے کام لو تو جہاں تمہیں یہ نظر آجائے گا کہ اس وقت خداتعالیٰ کی منشاء ہی یہ ہے کہ وہ باتیں قبول کی جائیں جن کی طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں اور اس نے انہیں قبول کرنے کے لئے زمین تیّار کر رکھی ہے وہاں یہ بھی نظر آئیگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ

اور آپؐ کے ساتھی اپنی شخصیت وکردار و اخلاق کی بلندی اور فیض رسانی اور ثبات قدم یعنی عزم واستقلال میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ جس کی وجہ سے کوئی لالچ انہیں اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے نہ خوف۔ اس لئے ضرور ہے کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ اور انہی کے ہاتھوں پر حاصل ہو۔

===============

پہلی بار کے غلبہ اسلام کے بعد مسلمانوں پر تنزل کا دور آنیکی وجہ کا اور اس دور کی کیفیت کا بیان

اگلی آیات یہ ہیں:-

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا(۹) وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا(۱۰)
وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا(۱۱) وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۲)

اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور راحت کا سامان بنایا ہے۔ اور ہم نے رات کو لباس بنایا ہے۔ اور ہم نے دن کو طلبِ معاش (اور عیش) کا وقت بنایا ہے۔

یہ ساری آیتیں اندازِ بیان کے اعتبار سے ایک ہی قسم کی ہیں مگر ان کی ترتیب بظاہر عجیب ہے پہلی آیت میں انسان کے ازواجًا پیدا کئے جانے کا ذکر ہے۔ دوسری میں نوم یعنی نیند کا۔ حالانکہ بظاہر ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اس سے اگلی آیت میں رات کا ذکر ہے حالانکہ بظاہر اس کا ذکر نیند سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ مگر یہی ترتیب ان آیات کے صحیح مفہوم کی نشان دہی کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ازواجًا یعنی جوڑا جوڑا پیدا کرنے کا اصل مقصد (جیسا کہ سورۃ النساء کی دوسری آیت سے واضح ہے) افزائش نسل ہے پس پہلی دو آیتوں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا. وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا میں ان باتوں کی طرف متوجہ کرنے کے بعد جن سے ہر چشم بینا رکھنے والا سمجھ سکتا تھا کہ اسلام کو ضرور غلبہ حاصل ہوجائے گا۔ یہ آیات لاکر مسلمانوں کو بتایا کہ اس غلبہ کے بعد تمہاری تعداد میں یوماً فیوماً اضافہ ہوتا جائے گا لیکن ساتھ ہی ساتھ تم پر ایک قسم کی نیند بھی طاری ہوتی جائے گی یعنی تم اپنے فرائض منصبی سے غافل ہوتے جاؤ گے۔ جس کی وجہ سے تم پر تنزل اور مصائب کی ایک رات چھا جائے گی۔ اس کا سبب کیا ہوگا؟ اس کی طرف اشارہ بھی

انہی آیات میں کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ:

مسلمانوں پر تنزل آنے کا ایک بڑا سبب دعوۃِ اِلَی اللہ سے غفلت ہوگی

بات یہ ہے کہ نبی کے متبعین کی تعداد دو طرح بڑھتی ہے۔ ایک تو تناسل کے عام طریق پر اور دوسرے اس طرح کہ اس کے متبعین میں سے قوتِ مؤثرہ رکھنے والوں کی تبلیغ سے دوسرے لوگوں میں سے جو قوتِ متاثرہ رکھنے والے ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں میں شامل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے اوّل الذکر بمنزلہ رجل کے اور موخرالذکر بمنزلہ ان کی زَوج کے ہوتے ہیں۔ گویا ان کا ازواجًا پیدا کیا جانا ظاہراً بھی ہوتا ہے اور مجازاً بھی۔ تبلیغ کرنے والے کو چونکہ اپنا نمونہ بھی اچھا بنانا پڑتا ہے اور اپنی اولاد اور دوسرے زیرِ اثر لوگوں کی تربیت کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ جب تک کسی نبی کے متبعین اپنی تعداد میں اضافہ کے اس دوسرے طریق سے غافل نہیں ہوتے ان کی اعلیٰ روحانی اقدار ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان کی اعلیٰ حالت کا زمانہ لمبا ہوجاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس طرف سے غافل ہوجاتے ہیں تو ان میں کمزوری آجاتی ہے۔ پس ان آیات میں یہی اشارہ کیا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم اپنی افزائشِ تعداد کے اس اعلیٰ طریق سے غافل ہوجاؤ گے یعنی تم پر ایک طرح کی نیند طاری ہوجائے گی۔ لیکن قومیں جب اپنے فرائض منصبی سے غافل ہوجاتی ہیں اور ان پر ایک قسم کی نیند طاری ہوجاتی ہے تو کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ یہ حالت نیند اتنی لمبی ہوجاتی ہے کہ ان کے قوائے روحانیہ بالکل مر جاتے ہیں۔ اور کبھی جیسے مادی جسم نیند سے ایک طاقت حاصل کرتا اور وہ پھر کام کے قابل ہوجاتا ہے۔ وہ بھی از سرِنو روحانی ترقیات کے قابل ہوجاتی ہیں۔ اس لئے اس کے بعد مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ان کی نیند کا کیا نتیجہ نکلے گا فرمایا:-

وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا۔ ''**وَّ جَعَلْنَا النَّوْمَ سُبَاتًا**'' نہیں فرمایا بلکہ **نَوْمَكُمْ** فرمایا ہے تا اشارہ ہو کہ اگرچہ بعض قومیں جب سوتی ہیں تو سوتی ہی رہ جاتی ہیں۔ یعنی اسی حالت میں مر جاتی ہیں۔ (**فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ۔** الزمر ۳۹:۴۳) لیکن تمہیں خداتعالیٰ

مرنے نہیں دے گا تمہاری نیند صرف آرام پانے کا ذریعہ ہوگی۔ اور وہ اندر ہی اندر تم میں از سَرِ نَو دین کی خاطر قربانیاں دینے اور روحانی ترقّیات حاصل کرنیکی طاقت پیدا کر دیگا۔ تاہم لفظ **سباتًا** کے ایک معنٰی چونکہ دھر کے بھی ہوتے ہیں اس میں یہ اشارہ بھی کیا کہ تمہاری نیند کا یہ زمانہ اس سے پہلے کی بیداری کے زمانہ سے بہت زیادہ لمبا ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پہلی ترقیات کا زمانہ ۳۰۰ سال کا اور اس کے بعد کا ضعف کا زمانہ ہزار سال کا ہؤا۔ اور یہ دوسری جگہوں پر دی جانے والی خبروں کے عین مطابق تھا (دیکھیں نوٹ زیرِ سورۃ الفجر صفحہ ۵۶۹)۔ اس کے بعد ہے **وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا** اور ہم نے رات کو لباس بنایا ہے۔ رات کا ذکر نیند کے ذکر کے بعد کر کے بتایا کہ یہاں نیند سے مجازی نیند یعنی حالت غفلت مراد ہے جس کے نتیجہ میں قوموں پر رات یعنی مصائب کا زمانہ آجاتا ہے اور اسے لباس یعنی پردہ پوش قرار دے کر یہ اشارہ کیا کہ اس وقت دوسری قوموں کا بھی تمہارے جیسا حال ہی ہو گا۔ اس لئے تمہاری کمزوریوں پر پردہ پڑا رہے گا۔

جب کوئی قوم صرف غافل ہی نہیں ہوتی۔ صرف سوتی ہی نہیں بلکہ اتنی دیر تک سوئی رہتی ہے کہ مر ہی جاتی ہے۔ اس وقت خداتعالیٰ اپنا انعام نبوّت اس سے لے کر کسی دوسری قوم کی طرف منتقل کر دیا کرتا ہے۔ جیسے نبی اسحاق سے نبی اسماعیل کی طرف منتقل کیا اور اس سے اس قوم کے سب پردے چاک ہوجاتے ہیں یعنی یہ بات بالکل کھل جاتی ہے کہ اس میں روحانیت کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔ اس لئے **وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا** کے بعد آیت **وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا** رکھ کر یعنی یہ فرما کر کہ ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ہے۔ مسلمانوں کو یہ بتایا کہ تمہاری حالت نوم چونکہ اتنی لمبی نہیں ہوگی کہ تمہارے قوائے روحانیہ بالکل مردہ ہوجائیں اس لئے تمہاری اس حالت میں بھی انعام نبوّت کسی اور قوم کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ اسلام کی جگہ کوئی دوسرا دین لے لے یا اِحْیَاءِ اسلام کے لئے باہر سے کوئی نبی آئے۔

===============

آئندہ ایک نبی کے آنیکی پیشگوئی اور یہ اشارہ کہ اسکا آنا ایک طرح سے محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا آنا ہوگا

وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا کے بعد ہے **وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا**۔ جب نوم اور لیل کے الفاظ مجازی معنٰی میں آئے تو **نہار** اور **معاش** کا لفظ بھی مجازی معنٰی ہی میں سمجھا جائے گا۔ پس اس میں بتایا کہ مسلمانوں پر چھا جانے والی رات مستقل نہیں ہوگی۔ اس کے بعد خداتعالیٰ پھر ایک دن نکالے گا یعنی پھر ایک نبی بھیجے گا جس کا آنا ایک طرح سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا آنا ہوگا۔ (کیونکہ رات کے بعد جب دن چڑھتا ہے تو وہی پہلے والا سورج پھر چڑھتا ہے) لیکن مجازی سورج یعنی آنحضرتؐ کے لئے بوجہ بشر ہونے کے یہ امر محال تھا کہ دنیا سے جانے کے بعد بنفسِ نفیس پھر دنیا میں آئیں اس لئے اس سے آپؐ کی رجعتِ شخصی نہیں۔ رجعتِ بروز ہی مراد ہوسکتی تھی اور چونکہ سورۃ الجمعہ میں جب آپؐ کے ایک بروزی ظہور کی خبر دی گئی تو اس پر آپؐ نے یہ اشارہ فرمایا کہ یہ ظہور ایک فارسی الاصل شخص کے وجود میں ہوگا جس سے مراد دوسرے اشارات کی روشنی میں (جس کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ کی گئی ہے) مہدی مسعود المسیح الموعودؑ سے تھی۔ اس لئے یہاں وہی مراد ہے۔

===============

آئندہ آنیوالے نبی مہدی موعودؑ کی آمد سے لوگوں کیلئے روحانی عیش کا سامان مہیا ہوگا اور اسکا وقت ضائع نہیں کیا جائیگا

یہاں **نہار** کی صفت میں معاش کا لفظ لاکر جس کے معنے **مُلْتَمِسًا لِلْعَيْش** کے بھی ہیں (اقرب) یہ اشارہ بھی فرمایا کہ جس طرح مادی دن مادی سامان زندگی یا مادی عیش کے سامان حاصل کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ ایسا ہی اس روحانی دن میں جو نبی موعود کے ظہور سے چڑھے گا روحانی زندگی اور روحانی عیش کے سامان فراہم ہوں گے۔ یعنی جو شخص اس نبی کی اتباع کرے گا۔ اسے حقائق ومعارف کا رزق دیا جائے گا۔ اور اتنا دیا جائے گا کہ وہ عیش کرے گا۔

چنانچہ اس بارہ میں کہ نبی موعود روحانی عیش کا سامان فراہم کرنے آیا اس موعودؑ ہی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:-

''میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہؤا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے سچا خدا اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پاکر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور میں عیش کروں یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل ان کے فقروفاقہ کو دیکھ کر کباب ہوجاتا ہے ان کی تاریکی اور تنگ گزرانی پر میری جان گھٹتی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہر ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامنِ استعداد پر ہوجائیں۔'' (اربعین نمبر ا صفحہ ۳۴۴-۳۴۵)

چونکہ نبی کی بعثت کے مقصد کا پورا ہونا ضرورت ہوتا ہے اس لئے مہدی موعودؑ کے وقت کو روحانی عیش کا وقت قرار دے کر ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی کیا گیا کہ اس کا وقت ضائع نہیں جائے گا چنانچہ آپؑ کا اپنا الہام ہے **اَنْتَ الشَّيْخُ الْمَسِيْحُ الَّذِیْ لَا يُضَاعُ وَقْتُهٗ** تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔

اور چونکہ تھوڑے سے مال سے عیش نہیں ہؤا کرتی۔ اسلئے اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ نبی لوگوں کو بہت دیگا۔ اسی کے مطابق حدیث نبوی میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ وہ اتنا دے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ اور نبی موعود حضرت مہدی علیہ السلام نے خود بھی فرمایا:-

''جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارف الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہٖ تعالیٰ اتنے دوں گا کہ لوگ

لیتے لیتے تھک جائیں گے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ ۴۶۶)

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کے بعد ہے:-

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا(۱۳) وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجاً(۱۴)

اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط(......) بنائے ہیں اور ہم نے (سورج کو) تیز روشنی اور حرارت دینے والا (جلتا ہوُا) چراغ بنایا ہے۔

ان آیتوں کوحرف عطف 'وُ' سے شروع کیا گیاہے جس سے ظاہر ہے کہ انکا مضمون سابقہ آیات کے تسلسل میں ہے لہٰذا ان سے وہی مفہوم لینا چاہیے جسکا سابقہ آیات کے مضمون کے ساتھ ربط ہو۔

لفظ شِدَادًا شدید کی جمع ہے جس کے بہت سے معانی ہیں نمبرا: رفیع۔نمبر۲: قوی۔ نمبر۳: وثیق۔ نمبر۴: شجاع۔ نمبر۵: بخیل اور نمبر۶: شیر۔ سَبْعًا شِدَادًا سے سات آسمان بھی مراد لئے گئے ہیں اور ہمارے نظام شمسی کے سات معروف سیّارے بھی۔ اور چونکہ زمانہ نزول قرآن میں رات کے سفروں میں رہنمائی انہی سیّاروں سے حاصل کی جاتی تھی اور قرآن نے بھی وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْن (النمل ۱۶:۱۷) فرمایا ہے۔ اس لئے جہاں تک رہنمائی کے مضمون کا تعلق ہے سَبْعًا شِدَادًا سے یہ سیّارے ہی مراد لئے جائیں گے۔ چونکہ سِرَاجًا وَّهَّاجاً یعنی سورج آسمانوں کا ایک جز ہے۔لیکن یہاں اسے سَبْعًا شِدَادًا سے الگ کیا گیا ہے۔ اس لئے بھی یہاں سَبْعًا شِدَادًا سے آسمانوں کی بجائے سیّاروں کا مراد لینا ہی اَوْلیٰ ہے۔

لفظ سِرَاج کے معنی چراغ کے ہیں نیز سورج کے اور وَهَجٌ ایسے گرم اور روشن وجود کو کہتے ہیں جس کی گرمی اور روشنی دور سے محسوس ہوسکے۔ وَهَّاج اس سے مبالغہ کا صیغہ ہے اسلئے سِرَاجًا وَّهَّاجاً سے مراد ایسا چراغ یا سورج ہے جو اپنی ذات میں بہت روشن اور بہت گرم ہو اور جس کی روشنی اور گرمی بہت دور سے بھی محسوس ہوسکے۔

سَبْعًا شِدَادًا سے معروف سیارے مراد لیں تو لفظ شِدَادًا کے پہلے تین معنے (قوی، رفیع اور وثیق) تو ان پر بیشک صادق آتے ہیں لیکن بقیہ معانی ان پر صادق نہیں آتے صرف انسانوں پر صادق آسکتے ہیں۔ پس سَبْعًا کی صفت شِدَادًا بیان ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہاں

سیاروں کا ذکر بطور مثال کے ہے اور مقصود اس سے انسانوں کے بارہ میں کوئی استدلال کرنا ہے۔ یہ بھی مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ زیرِنظر دو آیتوں میں سے پہلی میں **بَنَیْنَا** کا لفظ ہے اور دوسری میں **جَعَلَ** کا۔ **جَعَلَ** کا لفظ **بَنَیْنَا** سے وسیع تر مفہوم دیتا ہے۔ مثلاً اس کے معنی **فَعَلَ** یا **صَنَعَ** کے علاوہ کسی کو ایک خاص حیثیت دینے کے بھی آتے ہیں جیسے خدا کے قول **اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا** میں۔ اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو عنقریب یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں غلبہ مل جائے گا۔ اس کے بعد ان کی تعداد تو بڑھتی رہے گی لیکن یومًا فیومًا وہ اپنے فرائضِ منصبی سے غافل ہوتے جائیں گے اور ان کی یہ حالتِ نیند مصائب کی ایک رات پر منتج ہوگی تاہم خداتعالیٰ ان کی حالتِ نیند کو اتنا لمبا نہیں ہونے دے گا کہ وہ اسی حالت میں مرجائیں اور پھر کبھی دن کا منہ نہ دیکھیں۔ چنانچہ وہ اس رات کو دن میں بدلے گا انہیں ایک بار پھر بیدار کرنے کا سامان کرے گا اور ان کے لئے پھر ترقیات کا زمانہ لائے گا۔

===============

اس غلط فہمی کا ازالہ کہ مسلمانوں کی دوبارہ ترقی کیلئے انکے علماء کی رہنمائی ہی کافی ہوگی

چونکہ اس زمانہ میں بعض لوگوں کو خیال ہونا تھا کہ ان کے علماء ہی سے ان کی رہنمائی اور تجدید دین کا کام ہوجائے گا۔ اور انہی کی رہنمائی سے وہ دوبارہ ترقیات حاصل کرلیں گے۔ اس لئے اس غلط فہمی کے دور کرنے کو فرمایا اور (دیکھو) ہم نے تمہارے اوپر سات رفیع قوی اور وثیق (ستارے) بنائے ہیں۔ یعنی اگرچہ ستارے تو جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے ان گنت ہیں مگر اس وقت ہم تمہیں ان میں سے ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ **وَبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ** کہنے کے ساتھ صرف ان کی تعداد کا ذکر کردیا جائے کہ وہ سات ہیں تو تمہارا ذہن انہی کی طرف جائے گا یعنی اس نظام شمسی کے معروف سیاروں کی طرف بیشک ان میں رفعت بھی ہے۔ مضبوطی بھی ہے مگر وہ وثیق یعنی (ایک طرح سے) بندھے ہوئے بھی ہیں۔ اپنے مدار سے باہر نہیں نکل سکتے یہی حال علماء وحکماء کا ہوتا ہے۔ بیشک ان میں (علم کی) ایک رفعت ہوتی ہے۔ قوّت بھی ہوتی ہے (جو علم کا لازمہ ہے) اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے تم ان کے مقابلہ سے اس طرح ڈرتے ہو کہ گویا وہ کوئی

شیر ہیں۔ پھر رات کی تاریکی کے وقت یعنی زمانہ فترت وحی میں تم ان سے کسی قدر رہنمائی بھی حاصل کرتے ہو۔ لیکن بہ ایں ہماں ان کی اپنی LIMITATIONS یعنی حد بندیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے دائرہ علم سے (جو بہرحال محدود ہوتا ہے) باہر نہیں نکل سکتے (کیونکہ انہیں صرف عقل کی دود آمیز اور ناکافی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ وحی کی مصفّٰی اور کامل روشنی حاصل نہیں ہوتی) پس اس لئے کہ خود ان کے پاس محدود علم ہوتا ہے۔ وہ آگے اس کے دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور **عَمَدًا** ایسا نہ بھی کریں پھر بھی ان کی رہنمائی ایک بخیل کی رہنمائی کی طرح ہوتی ہے۔ اور تمہاری ضروریات کو پورا نہیں کرسکتی۔ ان کے بالمقابل بعض انسانوں کو ہم اپنی قوم یا بستی کے لئے **سِرَاجًا وَّهَّاجاً** کی حیثیت دے دیتے ہیں یعنی تیز گرمی اور روشنی والے ایسے وجود کی حیثیت جو فطری طور پر خدا کے عشق کی آگ اور بندوں کے عشق کی آگ میں (یعنی ان کی ایسی سچی ہمدردی و غمخواری میں جو عشق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو) اس طرح جل رہے ہوتے ہیں جس طرح سورج اپنی ہی آگ میں جل رہا ہے (یعنی ہم انہیں نبی بنا دیتے ہیں جیسا کہ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو **سِرَاجًا مُّنِيْرًا** قرار دینے سے تم بخوبی سمجھ سکتے ہو پس ان کے وجود سے جو ہدایت کی روشنی اور روحانی زندگی کی حرارت مل سکتی ہے وہ عام علماء وحکماء سے ہرگز نہیں مل سکتی اور چونکہ وہ براہ راست خداتعالیٰ سے پاتے ہیں جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ وہ ہدایت کے دینے میں بخیل بھی نہیں ہوتے جیسا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہو کہ **مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ**) لہٰذا دنیا میں لاکھ علماء وحکماء ہوں وہ ان کا بدل نہیں ہوسکتے۔ بیشک یہ آیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہے مگر اس سے دوسرے نبیوں کے بارہ میں بھی استدلال ہوسکتا ہے کیونکہ سب نبیوں کا فطری جوہر ایک سا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

''نبیوں میں روحانی طور پر نہایت درجہ پر اتحاد ہوتا ہے اور جوہر ایمانی کی مناسبت انمیں غایت درجہ پر ہے۔'' (تفسیر حضرت اقدس سورۃ انبیاء صفحہ ۲۹۱)

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (۱۵) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا (۱۶) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (۱۷)

اور ہم نے ہمیشہ پانی سے لدے ہوئے بادلوں ہی سے بہنے والا پانی

برسایا ہے تا کہ ہم اس کے ذریعہ دانے اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغات بھی۔

اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ جب قوموں کی غفلت کی وجہ سے ان پر ایک قسم کی رات چھا جاتی ہے تو اس وقت علماء ظاہر کی رہنمائی ان کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اس لئے نبی کی ضرورت ہوتی ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس پر دو سوال ہوسکتے تھے ایک یہ کہ دنیا میں صاحب الہام بھی تو کئی ہوتے ہیں ان میں سے بعض کے سینکڑوں مرید بھی ہوتے ہیں جن کی وہ رہنمائی کرتے ہیں مگر نبی اکثر کسی گمنام شخص کو بنا دیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ یعنی انتخاب نبوّت میں کس خاص بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے؟ دوسرا یہ کہ اگر پہلے زمانوں میں انبیاء کی ضرورت تھی بھی تو چونکہ اب دین کی تکمیل ہوچکی ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا عہد نبوّت تا قیامت ہے اس لئے آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ ان آیتوں میں ان سوالات کا جواب دیا گیا۔

فرمایا دیکھو جب زمین ایک دفعہ آسمانی پانی سے سیراب ہونے کے بعد خشک ہوجائے تو دوبارہ آسمانی پانی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور خداتعالیٰ زور سے بہہ پڑنے والا پانی ہمیشہ **مُعْصِرٰتِ** یعنی ایسے بادلوں ہی سے برساتا ہے جو پانی سے ایسے لدے ہوئے ہوتے ہیں کہ پانی خود بخود ان سے ٹپک پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ اور وہ ان بادلوں سے پانی اس لئے برساتا ہے کہ زمین سے حب اور نبات اور گھنے باغات یعنی ہر وہ چیز اگائے جس کے اگانے کی اس میں قابلیت ہوتی ہے۔ اور جس کی انسانوں کو ضرورت ہو۔ اسی طرح جب وہ کسی قوم کے بارہ میں اس کے مبتلائے غفلت ہوجانے کے بعد یہ ارادہ فرماتا ہے کہ دوبارہ اس کی تمام صلاحیتوں کا ظہور ہو اور وہ نشوونما پائیں تو وہ ہمیشہ ایسے وجودوں کے ذریعہ روحانی پانی زمین پر اتار کر بہاتا ہے جو اس پانی سے ایسے لدے ہوئے یعنی **SATURATED** ہوں کہ پانی خود بخود ان سے ٹپک پڑنے کے قریب ہو یعنی جو عام درجہ کے **مُلْھَم** جنہیں کبھی کبھار کوئی الہام ہوجاتا ہو نہ ہوں بلکہ کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوں یعنی نبی ہوں کیونکہ کلام الٰہی اکثر امورِ غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اپنے غیب یعنی غیب کی ان باتوں پر جو انسان کو خدا کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں وہ ہمیشہ اپنے نبیوں ہی کو غالب کرتا ہے یعنی انہی کو اس سے بکثرت حصہ دیتا ہے لہٰذا

آئندہ بھی وہ اس کام کیلئے کوئی نبی ہی بھیجے گا۔ بلکہ آئندہ چونکہ ہر ملک وقوم کے لوگوں حتیٰ کہ خود مسلمانوں میں بھی خرابی واقع ہوجانے والی ہے۔ اس لئے جس طرح اس وقت (یعنی زمانہ نزول قرآن میں) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کی کیفیت پیدا ہونے پر اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کَافَّةً لِّلنَّاس کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اس وقت بھی کوئی عالمگیر مشن رکھنے والا رسول بھیجے گا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے رسول ہیں اس لئے ضرور ہے کہ وہ موعود آپؐ کا اُمتی اور غلام ہو اور اس کی نبوت آپؐ ہی کی نبوّت کا ظل ہو اس کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ جس طرح مادی بارش کا اثر مختلف زمینوں پر ان کی حسبِ قابلیت مختلف ہوتا ہے کوئی زمین حب اگاتی ہے کوئی نبات کوئی گھنے باغات اسی طرح وحی الٰہی کے پانی کا اثر بھی مختلف قوموں یا افراد پر ان کی حسب استعداد مختلف ہوتا ہے سب پر یکساں اثر نہیں ہوتا (اس کی مزید وضاحت سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۵ میں ہے)۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

> ''جب دنیا میں کوئی امام الزّماں آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور انتشار روحانیت اور نورانیت ہوکر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اس کو الہام شروع ہوجاتا ہے اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے اس کے تدبر اور سوچنے کی قوّت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو اس کو تعبد اور پرستش میں لذّت عطا کی جاتی ہے اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اس کو استدلال اور اتمامِ حُجّت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔'' (ضرورۃ الامام ۴۷۴۔۴۷۵)

اس آیت میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ خدا کی تازہ وحی کے نتیجہ میں جو مہدی موعود پر ہوگی بعض علاقوں سے ایسے لوگ ایمان لائیں گے جو اگرچہ تھوڑے ہوں یا بظاہر بے حیثیت ہوں مگر وہ بیج کے مانند ہوں گے یعنی ان سے آگے ان جیسے کئی صاحب ایمان پیدا ہوسکیں گے اور

بعض صورتوں میں تو ان سے شان وعظمت میں بہت بڑھے ہوئے وجود بھی پیدا ہوں گے جیسے بعض چھوٹے چھوٹے بیجوں سے بڑے بڑے درخت پیدا ہوجاتے ہیں (خواہ ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں ایسا ہو یا ان کی اولاد میں ایسے لوگ جنم لیں) اسی طرح بعض ایسے لوگ ایمان لائیں گے جو نبات کے مشابہ ہوں گے یعنی اگرچہ روحانی اعتبار سے بہت زیادہ قد آور نہ ہوں مگر جیسے نباتات کا سبزہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے وہ بھی اپنے حسنِ روحانی اور حسنِ اخلاق وکردار سے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والے ہوں گے۔ اور بعض علاقوں سے تو **جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا** نکلیں گے۔ یعنی بکثرت ایسے لوگ ایمان لائیں گے جو روحانی اعتبار سے بہت قد آور بھی ہوں گے اور ایک دوسرے سے پوری طرح ہم آہنگ بھی اور ایک دنیا کے لئے سایہ رحمت بھی۔ یہ سب باتیں اس زمانہ میں پوری ہورہی ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آخر میں فرمایا:-

اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا(۱۸)

یقیناً حق وباطل میں تمیز کرنے والا دن اپنے وقتِ مقررہ پر آنیوالا ہے۔

یَوۡمُ الۡفَصۡلِ کے معنی حق وباطل میں تمیز کردینے والے دن کے ہیں۔ اور **مِیۡقَاتًا** کے معنی ایسے وعدہ کے ہیں جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہو۔ اوپر کی آیات میں آئندہ ایک نبی کے آنے کی ضرورت واضح کی گئی تھی اور اس کے فوائد بتائے گئے تھے نبی آئے اور اس بات میں تمیز نہ ہوکہ اس میں اور اس کے مخالفوں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر تو اس کا آنا بے کار ہوجائے اور یہ تمیز کھلے کھلے طور پر اسے غلبہ کے ملنے پر ہی ہوسکتی ہے اس لئے اُن آیات کے بعد یہ آیات رکھ کر بتایا کہ نبی موعودؑ کے آنے پر غلبہ اسلام کا دن ضرور آئے گا اور اپنے وقتِ مقررہ پر آئے گا اس میں تاخیر نہیں ہوگی۔ حضرت مہدی موعود فرماتے ہیں:-

> "اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے ان سب کو آسمانی سیف اللہ دوٹکڑے کرے گی اور یہودیت کی خصلت مٹادی جائے گی۔ اور ہر ایک حق پوش دجّال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور سچائی کی فتح ہوگی۔ اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو

پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے
ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔“

(فتح اسلام صفحہ ۹، ۱۰)

===============

سورۃ التکویر میں

مہدی موعودؑ کے وقت کی بعض اہم علامتوں کا ذکر

سورۃُ النّبا میں خداتعالیٰ نے آئندہ زمانہ میں نبی کے آنے کی ضرورت بیان کی تھی اور سورۃُ التکویر میں نبی موعود کے وقت کی بعض نشانیاں بیان کی ہیں فرمایا:۔

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ(۲)

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

اس آیت میں **شمس** کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے کیونکہ اگر یہ واقعہ ظاہر میں ہو تو اگلی آیات میں مذکور بہت سی باتوں کا ظہور ممکن ہی نہیں رہتا۔

قرآن میں آنحضرتؐ کو **سِرَاجٍ مُّنِیۡر** کہا گیا ہے جو شمس ہی کا دوسرا نام ہے بلکہ سورۃ رحمٰن میں آپؐ کے لئے شمس کا لفظ بھی آیا ہے اس لئے یہاں بھی اس سے آنحضورؐ مراد ہیں اور چونکہ خداتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم دونوں کیلئے ایک ہی لفظ 'ذکر' استعمال فرمایا ہے اسلئے جس طرح شمس سے آنحضورؐ مراد ہیں اس سے قرآن کریم یا وحی الٰہی بھی مراد ہوسکتی ہے۔

کُوِّرَتۡ کَوَّرَ سے مجہول کا صیغہ ہے جس کے معنے لپیٹنے یا گرا دینے کے ہوتے ہیں اور **کَوَّرَ الۡمَتَاعَ** کہیں تو مراد گٹھری کی طرح باندھ کر رکھ دینا ہوتی ہے۔

شمس کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی تمام اطراف سے یکساں روشن ہے اور اس کی روشنی ذاتی ہے چاند کی طرح مستعار نہیں پس اس آیت میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ ایک وقت آئے گا کہ

نمبرا باوجودیکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کا ہر پہلو حسین ہے۔ اس سورج کو لپیٹ دیا جائے گا یعنی دشمنوں کی طرف سے آپؐ کی ہر خوبی پر پردہ ڈالنے اور آپؐ کو آپؐ

کے مقامِ بلند سے گرانے کی کوشش کی جائے گی۔(ظاہری طور پر اس سے خاص گرہن بھی مراد ہوسکتا ہے)

نمبر۲ قرآن مجید کو گٹھری کی طرح باندھ کر رکھ دیا جائے گا یعنی ظاہر میں اس کی حفاظت اور احترام کیا جائے گا مگر عمل اس پر نہیں رہے گا۔

نمبر۳ آفتاب وحی کو لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ وحی جو اُترنی تھی اُتر چکی آئندہ کے لئے اس کا دروازہ بند ہے۔

نمبر۴ چونکہ صداقت بھی ایک آفتاب ہے کہ اس کی روشنی میں چلنے والا ٹھوکروں سے بچ جاتا ہے اس لئے یہ مراد بھی اس آیت سے ہے اس وقت آفتابِ صداقت کو لپیٹ دیا جائے گا یعنی ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا معاشرہ کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہوگی۔

وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ (۳)

اور جب ستارے دھندلے ہوجائیں گے۔

نجم کے معنی ستارہ کے یا بے جڑ کی بوٹی کے اور کسی چیز کی اصل کے ہوتے ہیں۔

اِنۡکَدَرَ کسی چیز کے بکھر جانے والے تغیّر کو کہتے ہیں۔

اوپر کی آیت میں مجہول کا صیغہ تھا مگر اس آیت میں معروف کا صیغہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں شمس کے لفظ سے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ تھا اور اس میں نجوم کے لفظ سے علماء قوم کی طرف اشارہ ہے۔ پس یہ فرق رکھ کر بتایا کہ آنحضرتؐ میں حقیقتاً کوئی خرابی واقع نہیں ہوگی آپؐ کی طرف جھوٹے طور پر خرابی منسوب کی جائے گی مگر اس وقت کے آنے پر جس کا یہاں ذکر ہے علماء خود بگڑ جائیں گے ان کی باطنی حالت مکدّر ہوجائے گی۔ وہ تیزی سے نیچے کی طرف جھکنے (یعنی تقویٰ کی بلندیوں کی بجائے دنیا داری کی پستیوں کو اپنے لئے پسند کرنے) لگیں گے۔ اعلیٰ اخلاق اور کردار کی جگہ ادنیٰ اخلاق اور گھٹیا کردار اپنانے لگیں گے۔ کہلائیں گے عالم لیکن باتیں جاہلوں والی کریں گے اور حدیث نبوی **عُلَمَاؤُ هُمۡ شَرٌّ مَنۡ تَحۡتَ اَدِيۡمِ السَّمَآءِ** کے مصداق ہوجائیں گے۔ نیز یہ کہ وہ بکھر جائیں گے یعنی مختلف فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ یہ سب باتیں اس زمانہ کے علماء پر صادق آتی ہیں۔

انکَدَرَتۡ کے معنی تناثرت کے بھی ہوتے ہیں اس لئے یہ مراد بھی ہے کہ اُس وقت

بکثرت سقوطِ شُہب ہوگا۔ چنانچہ ۲۸؍نومبر ۱۸۸۲ء کی رات اس کثرت سے شہب گرے کہ اخباروں نے ایک عجوبہ سمجھ کر اس کا بکثرت ذکر کیا۔ احادیث نبویہ کے مطابق بھی یہ مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی نشانی تھی۔

لفظ **نــجــم** بمعنی 'اصل' ہو تو اس میں بتایا کہ اس زمانہ میں ''اصل'' میں بگاڑ آجائے گا یعنی اونچی ذاتوں والے اپنی بد کرداریوں کی وجہ سے ذلیل ہوجائیں گے اور نیچی ذاتوں والے جھوٹے طور پر اونچی ذات والے بن بیٹھیں گے۔ چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ میراثی قریشی اور ایک وردی والے خواہ ذات کے جولاہے ہی کیوں نہ ہوں شاہ یعنی سید کہلانے لگ جاتے ہیں۔

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۴)

اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

جبل کے معنی پہاڑ کے ہیں۔ نیز سردارِقوم یا بڑے آدمی کے **سُيِّرَت سَيّر** سے ہے جس کے معنی چلانے کے ہیں۔ **سَيَّرهٗ مِنْ بَلَدِهٖ** کہا جائے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ اسے اس کے شہر سے نکال دیا۔ پس اس میں بتایا کہ ایک تو اس زمانہ میں پہاڑوں کو اڑایا جائے گا۔ چنانچہ آجکل ڈائنا مائیٹ سے ان کو اڑا کر سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ دوسرے بڑے لوگوں کو چھوٹا کیا جائے گا (اور چھوٹوں کو بڑا۔ دوسری جگہ **خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ** آیا ہے) تیسرے بعض سردارانِ قوم یا بادشاہوں کو ان کے ملکوں سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ وہ پھر بھی بادشاہ یا سردار ہی کہلائیں گے۔ پہلی باتوں کے علاوہ یہ بات بھی ہمارے اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنے ملک سے نکالا جاتا ہے تو وہ دوسری جگہ جا کر جلا وطن حکومت بنا لیتا ہے اور بادشاہ ہی کہلاتا رہتا ہے۔

وَاِذَاالْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۵)

اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔

زمانہ نزول قرآن میں اونٹ عرب میں باربرداری نقل وحمل گوشت اور دودھ کے لئے بہت اہمیت کا حامل تھا اور بنا بریں عشار یعنی دس ماہ کی گابھن اونٹنی کی خاص قدر تھی۔

عَطَلَ کے معنے کسی چیز کو ضائع ہونے کے لئے چھوڑ دینے کے ہیں پس اس آیت میں بتایا کہ اس زمانہ میں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے:-

نمبر۱ عشار کو بے کار کرنے والی تیز رفتار سواریاں نکل آئیں گی۔

نمبر۲ ایسی سواریاں نکل آئیں گی جو ہر قسم کی خوراک باہر سے عرب میں لائیں گی اس لئے گوشت اور دودھ کے لئے بھی اونٹ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

نمبر۳ ''اس زمانہ کی سواریاں ہر لحاظ سے اونٹ سے بہتر ہوں گی۔ کیونکہ جو بدل اختیار کیا جائے **مُبَدَّل مِنْهُ** سے بہتر ہوتا ہے۔'' (حضرت مسیح موعودؑ)

حدیث مسلم میں مسیح موعودؑ کے وقت کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ **يُتْرَكُ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا** (اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی اور کوئی ان پر سوار نہیں ہوگا)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں مہدی مسعود المسیح الموعودؑ ہی کے زمانہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے کہ اس میں ایک طرف ایک مہدی اور مسیح ہونے کا دعوے دار کھڑا ہؤا اور دوسری طرف یہ بات وقوع میں آئی۔

لفظ مسیح کے معنی سیاح کے ہیں۔ اگرچہ مسیح ناصریؑ نے بھی سیاحت کی۔ فلسطین سے چل کر کشمیر تک آئے مگر ان کا مشن بہرحال بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے تک محدود تھا۔ جبکہ مسیح موعودؑ نے تمام اقوام عالم کے لئے نبی ہوکر آنا تھا اس لئے اس کے زمانہ کے لئے تیز رفتار سواریوں کا ایجاد ہونا مقدر کیا گیا۔ پس جس طرح خسوف کسوف مہدی موعود کے وقت کا ایک آسمانی نشان ہے اس طرح اونٹوں کا بے کار ہونا اور تیز رفتار سواریوں کی ایجاد اس کے وقت کا ایک زمینی نشان ہے۔

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (٦)

اور جب وحوش کو اکٹھا کیا جائے گا۔

وحوش ان جنگلی جانوروں یا چوپایوں کو کہتے ہیں جو انسان سے مانوس نہ ہوں۔ اوپر کی آیات میں ایک معروف پالتو چوپائے اونٹنی کے بے کار چھوڑے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے برعکس یہاں جنگلی چوپایوں کے اکٹھے کئے جانے کا ذکر ہے پس اس میں جہاں اس زمانہ میں چڑیا گھروں کے وجود میں آنے کی طرف اشارہ ہے وہاں اس زمانہ کی سواریوں کے ایسی بڑی بڑی اور زوردار ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ وحشی جانوروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکیں۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں

گی اور اراذل دنیوی مراتب اور عزّت سے ممتاز ہوں گے اور بباعث دنیوی علوم وفنون پھیلنے کے شریفوں اور رزیلوں میں کچھ فرق نہیں رہے گا اور رزیل غالب آئیں گے یہاں تک کہ کلید دولت اورعنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔'' (شہادت القرآن)

حشر کے معنے ہلاک کرنے کے بھی ہیں اور جلا وطن کرنے کے بھی۔ اس اعتبار سے اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وحشی انسانوں کو ہلاک کردیا جائے گا یا جلا وطن کیا جائے گا چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی ہمارے اس زمانہ میں وقوع پذیر ہوچکی ہیں۔

وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ (۷)

اور جب سمندر پھاڑے (یا ملائے) جائیں گے۔

بحر کے معنے ہیں سمندر۔ بڑا یا کسی بھی اعتبار سے وسعت رکھنے والا وجود یا وسیع العلم شخص، اور سُجِّرَتۡ سَجَّرَ سے ہے جس کے معنے ہیں پھاڑنا ملانا بھر دینا۔ اس میں نبی موعود کے زمانہ کی کچھ اور علامتیں بیان کیں اور بتایا کہ اس زمانہ میں

نمبر۱ دریاؤں کو پھاڑ کر ان سے نہریں نکالی جائیں گی۔

نمبر۲ سمندروں کو آپس میں ملایا جائے گا۔ چنانچہ یہ ہمارا زمانہ ہی ہے کہ اس میں دریاؤں سے نہریں بکثرت نکالی گئی ہیں اورنہر سویز کے ذریعہ بحر قلزم اور بحر روم کو اور نہر پانامہ کے ذریعہ بحراوقیانوس اور بحرالکاہل کو آپس میں ملایا گیا ہے اور اسی زمانہ میں مہدی موعود کا ظہور ہؤا ہے۔

بحر سے وسیع العلم شخص مراد ہو تو اس میں بتایا کہ اس زمانہ میں وسیع العلم لوگوں کے باہمی رابطوں کے سامان کئے جائیں گے یا یہ کہ ایسے سامان ہوں گے کہ ایسے لوگ خواہ کتنے ہی دور دور ہوں ایک دوسرے کے علمی کارناموں سے استفادہ کرسکیں گے نیز یہ کہ انہیں علوم سے بھر دیا جائے گا۔ چنانچہ آجکل مختلف موضوعات پر معلومات کو اکٹھا کرنے کے مختلف طریق رائج ہوئے ہیں۔ جن میں سرِ فہرست کمپیوٹر ہے ببلیوگرافیاں انسائیکلوپیڈیا وغیرہ ہیں اور اب انٹرنیٹ ہے ان سے علمی ذوق رکھنے والے گویا علم سے بھر دیئے جاتے ہیں۔

وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ (۸)

اور جب لوگوں کو آپس میں ملا دیا جائے گا۔

فرمایا: اس زمانہ میں ایسے سامان میسر ہوں گے کہ دور دور سے آنے والے لوگ آپس میں مل سکیں گے چنانچہ پہلے ریلوں دخانی جہازوں اور ہوائی جہازوں سے یہ بات میسر آئی پھر فون سے پھر ریڈیو اور ٹیلیویژن سے پھر ڈش انٹینا اور سیٹا لائٹس۔ انٹرنیٹ، **E-MAIL** وغیرہ سے اور بھی زیادہ لوگ قریب ہوگئے ہیں اور اب تو یہ بھی ہوگیا ہے کہ ایک شخص ایک بات لکھ کر مشین میں ڈالتا ہے تو دنیا کے دوسرے کونے میں بیٹھا ہوا شخص اسی وقت اسی کے خط میں وہ تحریر اپنے سامنے پاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ اور سن بھی سکتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس زمانہ میں مختلف مذاہب اور مختلف اقوام کے لوگوں کی آپس میں شادیاں ہوں گی۔ نیز یہ کہ ہم خیال لوگوں کے جتھے اور پارٹیاں بنیں گی۔ یہ آخری معنے سیدنا حضرت عمرؓ کے بیان فرمودہ ہیں۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ(۹) بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ(۱۰)

اور جب زندہ درگور کی جانے والی کے بارہ میں پوچھا جائے گا کہ اسے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔

آیت وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کے بعد یہ آیتیں لاکر خداتعالیٰ نے بتایا کہ جب مختلف اقوام وملل کے لوگوں کا آپس میں ملاپ ہوگا تو حقوقِ انسانی کا سوال پیدا ہوگا اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ میری لڑکی تھی اگر میں نے اسے زندہ دفن کردیا ہے تو تم پوچھنے والے کون ہو بلکہ اس فعل کا مرتکب مجرم گردانا جائے گا اور اس سے اس جرم کی بازپرس ہوگی چنانچہ ۱۸۷۲ء میں انگریزوں کی حکومت نے اس کے خلاف باقاعدہ قانون بھی بنایا۔

مَوْءٗدَةُ زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کو کہتے ہیں زمانہ نزول قرآن میں بھی لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لئے قابلِ شرم سمجھنے والے سب لوگ انہیں زندہ دفن نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اکثر پہلے انہیں مار کر پھر قبر میں ڈالتے تھے۔ یہاں زندہ درگور کی جانے والیوں کا ذکر ایک تو اس جرم کے مرتکب ہونے والوں کی انتہا درجہ کی شقاوتِ قلبی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے دوسرے یہ بتانے کو کہ اس زمانہ میں جس کا ذکر ہورہا ہے ظاہری رنگ ہی میں نہیں اور طرح بھی انہیں زندہ درگور کیا جائے گا۔ چنانچہ جو لوگ بچیوں کو گھروں میں بند رکھتے ہیں اور حصول تعلیم کے لئے بھی باہر نکلنے نہیں دیتے۔ ادلے بدلے کے بے معنی اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہیں

ناموزوں رشتوں میں باندھ دیتے ہیں وہ انہیں زندہ درگور ہی کرتے ہیں۔ پھر جو لوگ کم سن بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں وہ بھی انہیں زندہ درگور ہی کرتے ہیں۔ پس اس آیت میں خداتعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس زمانہ میں یہ باتیں بکثرت ہوں گی۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۱۱)

اور جب صحیفے (دنیا میں) پھیلائے جائیں گے۔

نُشِرَتْ نَشَرَ سے ہے **نَشَرَالْبَحُر نشرًا** کے معنے ہیں **اَذَاعَهٗ** اسے پھیلا دیا۔ **نشرالکتب** کے معنے ہیں اس نے کتابوں کو کھولا اور **نَشَرالمَوْتَ** کے معنی ہیں اس نے مردہ کو زندہ کیا لہٰذا اس آیت میں بتایا کہ اُس زمانہ میں

نمبرا صحیفوں کی اشاعت بکثرت ہوگی۔

نمبر۲ صحیفے کھولے جائیں گے اور

نمبر۳ مردہ صحیفے زندہ کیئے جائیں گے۔ چنانچہ اِس زمانہ میں یہ ساری باتیں پوری ہوئی ہیں جدید مطبع خانوں فوٹوسٹیٹ مشینوں اور مائیکروفلم وغیرہ کی ایجاد سے اور ذرائع رسل وسائل کی کثرت کے نتیجہ میں پرانی کتب پر ریسرچ ہورہی ہے اور ان کے مندرجات کی چھان پھٹک ہورہی ہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ انہیں کھولا جارہا ہے۔ اور آثارِ قدیمہ والوں نے تو پرانی اور ایک طرح سے مردہ کتب ہی نہیں لائبریریاں تک باہر نکال کر رکھ دی ہیں۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (۱۲)

اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی۔

اس میں دو باتیں بتائیں۔ نمبرا یہ کہ اس وقت علم ہیئت میں غیر معمولی ترقّی ہوگی نمبر۲ یہ کہ اس وقت آسمانی مذاہبِ عالم کی بات بات پر تنقیدی نظر ڈالی جائے گی یعنی جب آیت **وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ** کے مطابق اشاعت کتب بہت ہوگی اور علوم پھیلیں گے اور نئ نئ باتیں لوگوں کے سامنے آئیں گی تو ان کی روشنی میں آسمانی کہلائے جانے والے مذاہب کی چھان پھٹک بھی ہوگی۔

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (۱۳)

اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔

جہنّم کوئی خارجی چیز نہیں ہے انسانی بداعمالیاں ہی دنیا یا آخرت میں جہنّم کی صورت اختیار کر لیتی ہیں پس اس میں بتایا کہ اس زمانہ میں جہنّمی کام یعنی خداتعالیٰ کے غضب کی آگ کو بھڑکانے والے کام بکثرت ہوں گے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کھلے عام بدکاری شراب نوشی دوسری منشیات کا استعمال۔ اَکلِ حرام۔ دنگا فساد۔ رشوت ستانی دروغ گوئی دوسروں کی حقوق تلفی طرح طرح کا شرک جس کثرت سے آجکل ہے پچھلے کئی سو سالوں میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی لہٰذا یہی زمانہ ہے جس کی ان آیات میں خبر دی گئی۔

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (۱۴)

اور جب جنّت قریب کردی جائے گی۔

نماز روزے وغیرہ عام نیکیاں تو اس وقت لوگ پہلے بھی بجا لا رہے ہوں گے اس بات کو اذا کے ساتھ بیان کرنا بتاتا ہے کہ کسی ایسی بات کے بجالانے کا موقع اس وقت پیدا ہوگا جس کے بجالانے کا موقع اس سے پہلے کے لمبے زمانہ میں ویسا پیدا نہیں ہؤا ہوگا جیسا کہ اس وقت ہوگا۔ پس اس میں دین کے لئے غیرت دکھانے اور اس کی خاص خدمات بجالانے کے مواقع میسر آنے کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت اسلام پر کثرت اعتراضات کی وجہ سے اور اسلام کے دفاع کیلئے ایک نبی کے آنے سے پیدا ہونے والا تھا۔فرمایا:۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (۱۵)

ہر شخص جان لے گا جو (لے کر وہ) حاضر ہؤا۔

اس آیت کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآعَمِلَتْ بلکہ یہ ہیں کہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۔ مَّآ اَحْضَرَتْ کے یہ معنے نہیں کہ جو اعمال اس نے حاضر کئے بلکہ معنے یہ ہیں کہ جو کچھ لے کر وہ خود حاضر ہؤا۔ حاضر ہونے کا لفظ بھی اس لئے استعمال کیا گیا کہ یہاں نبی کی حضوری کا ذکر ہے۔

چونکہ نتیجہ اعمال کے بتمام وکمال نکلنے کے لئے اگلا جہان رکھا گیا ہے۔ جو شخص جہنّم بھڑکانے والے کام کرتا ہے اس کو بھی یقین نہیں ہوتا کہ جو کام وہ کر رہا ہے وہ اسے جہنّم میں لے جائیں گے اور جو شخص نیک کام کررہا ہوتا ہے اسے بھی یقین نہیں ہوتا کہ اس کے کام واقعی ہر پہلو سے قابل قبول ہیں اور وہ ضرور ہی جنّت کو پالے گا لیکن نبی کے آنے پر ایک نمونہ قیامت کا دنیا

ہی میں قائم کیا جاتا ہے اور یہ دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیتے ہیں۔ بالخصوص نبی کی مخالفت پر کمر بستہ ہونے والے اور اس کے انصار میں شامل ہونے والے تو ضرور ہی اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتے ہیں پس اس آیت میں جو جواب اذا کے طور پر آئی ہے صاف طور پر بتادیا گیا کہ جب یہ سب باتیں وقوع میں آجائیں گی تو سمجھ لو کہ خداتعالیٰ کا کوئی فرستادہ ظاہر ہوچکا ہے اور کسی پاک وجود پر الہام کی بارش ہوگئی ہے چنانچہ حضرت مہدی موعود آئے تو آپؑ نے فرمایا:-

''وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی ...... اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہوجاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدّت سے مخفی تھے ظاہر ہوگئے وہ واحدو یگانہ مدّت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔''

پھر اس کے بعد وہ مخفی ارادے کبھی زلازل اور کبھی طاعون اور کبھی سیلابوں اور کبھی جنگوں کی صورت میں عملاً ظاہر ہوگئے۔ اسی طرح جنّت کے قریب کئے جانے کی پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ آپؑ نے تازہ بتازہ نشانات دکھا کر خدا کی ہستی پر یقین پیدا کیا۔ اس کے حسن واحسان کی طرف متوجہ کرکے اس کی محبت سے دلوں کو گرمایا۔ یہ بتاکر کہ ''وہ لعل لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے'' اس کے پانے کا شوق دلوں میں پیدا کیا۔ یہ فرما کر کہ ''تمہیں خوشخبری ہوکہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔'' نااُمیّدیوں کو امید میں بدلا۔ اور پھر وہ راہیں بتائیں جن پر چل کر اس کا قرب حاصل ہوسکتا ہے اور اس طرح یہ حقیقی جنّت آپؑ کے آنے سے قریب کر دی گئی۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ(۱۶) الْجَوَارِ الْكُنَّسِ(۱۷) وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ(۱۸) وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ(۱۹) اِنَّهٗ لَقَوْلُ

رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ (۲۰)

ان آیتوں کی ابتدا فَـلَا یعنی ف اور لا سے کی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان سے پہلی آیتوں میں جو بات بیان ہوئی اس کی بنا پر یعنی اس سے نتیجہ نکالتے ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کی جس سے وہ آیات متعلق ہیں خیال کی نفی کی گئی ہے۔ اور جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے ان آیتوں میں ایک آنے والے نبی کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور اس کے وقت کی علامتیں بیان کی گئی تھیں پس اس کے بعد یہ لفظ (فَـلَا) لاکر بتایا کہ باوجود نبی کے آجانے کے اس زمانہ کے لوگ سمجھیں گے کہ کوئی نبی آ ہی نہیں سکتا لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں ہوگا۔ بات یہ ہے کہ جب ایک بات عملاً ظہور میں آجائے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتی سراسر حُمق ہوتا ہے۔ لیکن دیکھ لیجیے اس پیشگوئی کے عین مطابق باوجودیکہ اس زمانہ میں ایک نبی (مہدی موعودؑ) مبعوث ہو چکا اور قرآن کریم اور آنحضرتﷺ کی حدیث اِنَّـا لِمَهْـدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ میں مذکور اس کے ظہور کی علامتیں مدّت ہوئی ظاہر ہو چکیں اور اس کا سلسلہ ایک چھوٹی سی گمنام بستی سے نکل کر دنیا کے ۱۶۹ سے زیادہ ممالک میں پھیل چکا اور ہر دن ترقّی پذیر ہے مگر پھر بھی اس زمانہ کے علماء کہلانے والے (جنہیں قرآن کریم نے ان کی جاہلانہ باتوں کی وجہ سے حِمار قرار دیا ہے) یہی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور چونکہ محمد رسول اللہﷺ خَاتَمُ النَّبِيِّن ہیں اس لئے کوئی نبی آ ہی نہیں سکتا (جبکہ اسی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک سابقہ نبی مسیح ابن مریم نے دوبارہ آنا ہے) حالانکہ عقلمند کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص دعویٰ نبوّت کرے تو اسے نبوّت کی کسوٹی پر پرکھے اگر سچا ثابت ہو تو قبول کر لے اور اپنے ظنون فاسدہ کی پیروی نہ کرے جیسا کہ سورۃ المومن ۴۰:۳۸ میں حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے ایک رَجُلِ مومن کا ذکر فرما کر خدا تعالیٰ نے سمجھایا ہوُا ہے اور حضرت حکیم مولانا نورالدینؓ جیسے عالِمِ بے بدل اور ولی کامل کے ایک مشہور ارشاد سے بھی ثابت ہے۔

بہرحال چونکہ اس زمانہ کے لوگوں نے اس خیال کا اظہار کرنا اور اپنے اس خیال باطل کو تقویت دینے کے لئے کہ نبی آ ہی نہیں سکتا یہ کہنا تھا کہ نبی کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ضرورت ہے بھی تو کم از کم یہ شخص جو اس وقت مدعی نبوّت بن کر میدان میں اترا ہے نبی نہیں کیونکہ اس کے آنے سے نہ تو مسلمانوں پر چھائی ہوئی مصائب کی رات رخصت ہوئی ہے اور نہ ان کی نشاۃ

ثانیہ کا دن چڑھا ہے۔ حالانکہ بمطابق ارشاد ربانی **لِكُلِّ نَبَآءٍ مُّسْتَقَرٌّ** ہر اہم خبر کے پورا ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے اور ہر نبی کا سلسلہ کمزوری اور غربت کی حالت ہی سے ابتداء کر کے آہستہ آہستہ ترقّی پایا کرتا ہے۔ اور پھر دنیا کے ۱۶۹ سے زائد ممالک میں حضرت مہدی موعود کے غلاموں کی جماعتوں کا قائم ہوجانا۔ مسیحی پادریوں کا آپؑ کے غلاموں کے ہاتھوں پر شکست پر شکست کھانا اور آپؑ کی اتباع سے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں ایک پاک انقلاب کا آجانا صاف طور پر بتارہا ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہے۔ بہرحال چونکہ یہ اعتراض ہونے تھے اس لئے پہلے تو '**فَـلَا**' فرما کر خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے خیالات کو غلط قرار دیا اور اس کے بعد ان آیات میں پہلے تو نبی کی ضرورت بیان کی اور پھر یہ بتایا کہ (نبی موعودؑ کے آنے سے) مسلمانوں پر چھا جانے والی رات ضرور رخصت ہوگی اور ان کی ترقّیات کا دن بھی ضرور چڑھے گا اور جب یہ باتیں پوری ہوں گی تو ان سے اس بات کا ثبوت ملے گا کہ قرآن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نہیں رسول کریم کا قول ہے یعنی وہ باتیں ہیں جو خدا کے منہ سے نکلیں اور آنحضور ﷺ نے بطور اس کے رسول بلکہ رسول کریم ہونے کے بیان کیں۔ کریم کا لفظ جب کسی شخص کے لئے آئے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس منصب کے شخص میں جتنے بھی کمالات ہونے چاہئیں وہ سب اس میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ رسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مُرسِل کی بات بخوبی سمجھنے والا، اسے یاد رکھنے والا اور من وعن آگے پہنچانے والا ہو اس لئے قرآن کو رسول کریم کا قول قرار دے کر بتایا گیا کہ ان باتوں کا پورا ہونا ثابت کرے گا کہ یہ باتیں جس طرح قرآن میں بیان شدہ ہیں بالکل اسی طرح خدا تعالیٰ نے وحی فرمائی تھیں یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ قرآن لفظ بلفظ خدا کا کلام ہے کیونکہ ایسا نہ ہوتا تو اس میں ۱۳۰۰ سال پہلے بیان ہونے والی باتیں مِن وعَن پوری نہیں ہوسکتی تھیں پس اس طرح نہایت خوبصورت انداز میں بتایا کہ نبی موعود یعنی مہدی مسعودؑ کوئی نئی کتاب لے کر نہیں آئے گا۔ قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی اور اس کے بھیجے جانے کی غرض یہی ہوگی کہ قرآن کے ہر لفظ کا کلام اللہ ہونا اور حضرت اقدس محمد ﷺ کا رسولِ کریم ہونا ثابت ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ **خُـنَّـسُ خانِس**ؔ کی جمع ہے اور **خَـنّـاس** کی بھی جمع ہے **خانِس**ؔ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو (مقابلہ کے وقت) پیچھے ہٹ جاتا یا چھپ جاتا یا بُری باتیں

کہنے لگ جاتا ہے۔ اور پیچھے ہٹنے والے ستاروں کو بھی **خُنَّس** کہتے ہیں۔

الجوار جاریہ کی جمع ہے اس کے کئی معنے ہیں نمبر۱ کشتیاں۔ نمبر۲ لونڈیاں۔ نمبر۳ لڑکیاں۔ نمبر۴ سورج۔ اور نمبر۵ سانپ

کُنَّسٌ کانسٌ کی جمع ہے۔ **الْکَانِسُ** اس ہرن کو کہتے ہیں جو اپنی غار میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہ لفظ **کَنِیسِیَة** کا اسم منسوب بھی ہے۔ **کَنَس البیتَ** کے معنی ہیں گھر میں جھاڑو دیا۔

===============

آئندہ زمانہ میں نبی کی ضرورت پر ایک محکم دلیل اور یہ اشارہ کہ آنے والا مسیح موعودؑ ہوگا

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور سے ثابت ہے لفظ **خُنَّسُ** کے ایک معنٰی پیچھے ہٹ جانے والے کے الجوار کے معنٰی آگے بڑھتے چلی جانے والی ہستیوں کے اور **کُنَّسُ** کے معنی اپنی پناہ گاہ میں گھس جانے والوں کے ہیں۔ مفسرین نے ان سب سے ستارے مراد لئے ہیں۔ مگر پناہ گاہ میں گھس جانا ظاہری ستاروں کا کام نہیں اور نہ وہ کبھی آگے چلتے چلتے پیچھے ہٹتے ہیں۔ اس لئے یہ معنے لیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ سب الفاظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں اور ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں جس کا اوپر ذکر ہؤا ہے مسلمانوں کی یہ حالت ہوجائے گی کہ ایک طرف ان کے ستارے یعنی علماء اپنے اصل مقام سے (جو تمسک بالقرآن کا مقام ہے) پیچھے ہٹ جائیں گے یعنی قرآن سے استدلال واستنباط چھوڑ دیں گے۔ دوسری طرف بغیر سوچ سمجھے آگے بڑھتے جائیں گے یعنی قرآن کے مغز کو چھوڑ کر قِشر پر زور دینے لگیں گے اور رسمی اسلام کو پیش کرتے چلے جائیں گے۔ اور تیسری طرف جب دشمن قرآن پر اعتراضات کرے گا تو ان کا مردانہ وار جواب دینے کی بجائے ڈر کر گھروں میں گھس جائیں گے۔ اس لئے ضرورت ہوگی کہ خداتعالیٰ اپنا کوئی مامور بھیجے جو قرآن کا زندہ اور قابلِ عمل کلامِ الٰہی ہونا ثابت کرے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا لفظ **خُنَّس خَنَّاس** کی بھی جمع ہے۔ الجوار کے معنے بڑی بڑی کشتیوں والوں کے ہیں۔ اور **کَنَسَ کَنِیسِیَة** کا اسم منسوب ہے یعنی **کنیسیه** والا۔ ''عربی

میں اسم منسوب عام طور پر تو یائے نسبی لگانے سے بنتا ہے جیسے عرب سے عربی مدینہ سے مدنی مگر کبھی اسم جامد کو فاعل کے وزن پر لانے سے بھی اسم منسوب بنالیا جاتا ہے جیسے لبن سے لابن حطب سے حاطب جمل سے جامل اس لحاظ سے **کنیسیه** کا اسم منسوب کانس اور اس کی جمع کنس ہے'' (حضرت مولوی عبداللطیف بہاولپوریؒ) ان معنوں کے اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اس زمانہ میں جس کا اوپر ذکر ہؤا خنّاس یعنی شیطان کے بہت سے مظاہر (**خُنَّس**) وجود میں آجائیں گے۔ ان کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ اصحاب الجوار یعنی بڑی بڑی کشتیوں والے، ذوات الکناس یعنی گرجوں والے اور (مسلمانوں کے حق میں) سراسر سانپ ہوں گے۔ یعنی وہ وہ اژدہا ہوں گے جس کا مکاشفہ یوحنّا میں ذکر آیا ہے۔ یا یہ کہ وہ لڑکیاں ہوں گی جو مسلمان نوجوانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس کر گمراہ کریں گی۔''**اَلْجَوارِ الْکُنَّسِ** سے مراد ایسی جدید سواریاں (جو چلتے ہوئے پیچھے جھاڑو دیتی چلی جاتی ہیں یعنی ان کے پیچھے ہؤا کے شدید دباؤ یا خلاء کی وجہ سے گردو غبار اُڑتا ہے جیسے موٹر کار وغیرہ) بھی ہوسکتی ہیں'' (پروفیسر محمد سلطان اکبر)۔ پس ان آیات میں دجّال کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بڑی گھناؤنی چالیں چلنے والا دھوکہ سے کام لینے والا اور اس کے ساتھ اتنی بڑی مادی طاقت کا حامل ہوگا کہ تمام سمندروں پر اس کا قبضہ ہوگا (جیسا کہ صرف اس کو صاحب الجوار قرار دینے سے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے)۔ اس اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا کہ اس زمانہ میں مسلمان مادی ذرائع سے اپنے دشمنوں کا (جو مسیحی ہوں گے) مقابلہ نہیں کرسکیں گے صرف روحانی ذرائع سے کرسکیں گے۔ لیکن ان کے علماء چونکہ خود دشمن سے خوف زدہ اور اس کے مقابلہ سے گریز کرنے والے ہوں گے اس لئے ضرورت ہوگی کہ خداتعالیٰ اس کام کے لئے اپنا کوئی مامور بھیجے۔ پس ہر دو معنوں کے اعتبار سے ان آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ اس وقت نبی کی ضرورت ہوگی اور اس وقت کے بڑے دشمنوں کا مسیحی ہونا ظاہر کرکے یہ اشارہ بھی کردیا گیا کہ آنے والا نبی مسیح موعودؑ ہوگا اور نیز یہ کہ وہ مسیح ناصری سے افضل ہوگا کیونکہ مسیحی فتنہ یعنی مسیحیوں کے مسیح کو ابن اللہ قرار دینے سے غرض اسے محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ثابت کرنا ہے۔ اور اس کا رد اس سے بہتر کسی اور طریق سے نہیں ہوسکتا تھا کہ آنحضرتؐ کے کسی غلام کو مسیح اور مسیحِ ناصری سے افضل مسیح بنا دیا جاتا۔

ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ (۲۱) مُّطَاعٍ ثَمَّ

اَمِیۡنٍ(۲۲)

(جو) قوت والا (خدائے) ذوالعرش کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔

مطاع ہے وہاں امین (شمار ہوتا) ہے۔

ذِیۡ قُـوَّۃٍ کے معنے موصوف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں مثلاً پہلوان کیلئے آئے تو اس لفظ کے اور معنے ہوں گے۔ جرنیل کے لئے آئے تو اور بادشاہ کے لئے آئے تو اور۔ خدا کے رسول کا کام چونکہ اس کا پیغام پہنچانے کے علاہ تزکیہ نفوس کرنا بھی ہوتا ہے اسے قُوّتِ جاذبہ اور قُوّتِ قدسیہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ دلوں کو اپنی طرف کھینچے اور پاک کرے اس لئے آنحضرتؐ کے حق میں اس کے یہی معنے ہیں کہ آپ کو قُوّتِ قدسیہ (غیر معمولی) دی گئی۔

ذِیۡ قُوَّۃٍ کے بعد ہے عِـنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ اس میں ثُمَّ کا لفظ نہیں ثَــمَّ کا لفظ ہے جو اسم مکان ہے اور اس سے پہلے جس مقام کا ذکر ہؤا وہ عرش ہے اس لئے ثَمَّ اَمِیۡنٍ کا مطلب یہ ہؤا کہ عرش پر وہ امین شمار ہوتا ہے یعنی خدا ہی نہیں ملائک بھی اسے امین سمجھتے ہیں۔ یہاں ثَـمَّ مُـطَاعٍ اَمِیۡنٍ نہیں فرمایا بلکہ مُـطَـاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ فرمایا ہے پس مُـطَاع کا لفظ ذِیۡ قُـوَّۃٍ سے متعلق ہے اور امین کا لفظ دوسرے جملہ سے متعلق ہے اور ترکیب عبارت یوں ہے کہ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ اَمِیۡنٍ

سورۃ یوسف میں یہ ذکر ہے کہ حضرت یوسف کو بادشاہ نے اپنے پاس بلایا اور کہا اِنَّکَ الۡیَـوۡمَ لَـدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ۔آج تو ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ اور امین ہے اور جیسا کہ حضرت یوسف کے جواب سے ظاہر ہے اس نے ساتھ ہی یہ اشارہ کیا کہ وہ انہیں اپنی حکومت کا کوئی اونچا عہدہ دینا چاہتا ہے اور انہی سے یہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ کونسا عہدہ پسند کریں گے چنانچہ حضرت یوسف نے کہا اجۡـعَلۡنِی عَلٰی خزائِنِ الۡاَ رۡضِ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے (یعنی ان کی حفاظت اور ان کا استعمال میرے ذمہ لگا دیجئے) یقیناً میں حفیظ وعلیم ہوں (یعنی ان کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہوں اور ان کا صحیح مصرف بھی جانتا ہوں) بالکل وہی الفاظ یہاں آسمانی بادشاہ خداتعالیٰ نے حضرت اقدس محمدرسول اللہ ﷺ کے بارہ میں استعمال فرمائے ہیں۔ وہ بادشاہ ایک زمینی بادشاہ تھا اور اپنے محدود علم کی بنیاد پر خود حضرت یوسفؑ سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے لئے کیا پسند کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اُس کی توفیق کے مطابق اس

سے خزائن الارض پر اختیار مانگا لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اپنے آسمانی بادشاہ سے تھا جو **عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر** ہے اور خوب جانتا تھا کہ آپؐ خزائن **السَّمَآ** ہی کو پسند کرنے والے ہیں ان کی حفاظت کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں کہاں اور کیسے خرچ کرنا ہے۔ (بائبل کے محاورہ کے مطابق) موتیوں کو سُوروں کے سامنے ڈالنے والے نہیں ہیں۔ اس لئے اس نے آپؐ سے اس بارہ میں کوئی سوال تو نہیں کیا لیکن وہی الفاظ جو بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے کہے تھے آپؐ کے بارہ میں بصیغہ غائب فرماکر قارئین قرآن کو یہ سمجھادیا کہ آپؐ اس کے حضور ایسے صاحبِ مرتبہ ہیں اور اس کے اور اس کے فرشتوں کے نزدیک ایسے امین ہیں کہ اس نے آپؐ کو آسمانی خزانوں یعنی اپنی معرفت اور اپنے غیب (یعنی اپنی طرف رہنمائی کرنے والے غیب) کے خزانوں کا امین بنادیا ہے پس آئندہ جو کوئی بھی ان خزانوں کو حاصل کرنا چاہے آپؐ ہی کی وساطت سے حاصل کرسکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ ؎

وَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا کَرِدَافَۃٍ
وَبِہِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّۃِ السُّلْطَانِ

===============

مہدی موعودؑ کا آنا آنحضرتؐ کی قُوّتِ قدسیہ کا ثبوت ہوگا اور آپؐ ہی اس کے مطاع ہوں گے

پس جہاں آیت **اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ** میں خداتعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ قرآن میں پہلے سے دی جانے والی خبروں کے مطابق تغیرات کا واقع ہونا اور ایک نبی کی ضرورت کا پیش آنا اور ضرورت کے وقت اس کا بھیجا جانا اور اس کے آنے پر مسلمانوں کے مصائب کی رات کا رخصت ہونے لگنا اور ان کی ترقّیات کی صبح کا نمودار ہونا اس امر کی دلیل ہوگی کہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا کلام نہیں بلکہ خدا کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں جو آپؐ نے رسولِ کریم ہونے کی حیثیت میں مِنْ وَعَنْ بیان کی ہیں وہاں اسکے بعد **ذِیْ قُوَّۃٍ** (مُطَاع) فرما کر یہ بتایا کہ نبی موعود کا آنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبردست قوّتِ قدسیہ کا ثبوت ہوگا یعنی وہ آپؐ ہی سے فیض یاب ہوکر مقامِ نبوّت پائے گا اور آپؐ ہی اس کے مُطَاع ہوں گے۔ چنانچہ اس

نبی مہدی مسعود المسیح الموعودؑ نے خود اس حقیقت کا اعتراف بہ ایں الفاظ کیا کہ ؎

ہم ہوئے خیرِ اُمَم تجھ سے ہی اے خیرِ رسلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

پھر اس کے ساتھ یہ بتا کر کہ آپؐ کو اس کی معرفت کے اور غیب کے خزانوں کا امین بنایا گیا ہے خداتعالیٰ نے یہ سمجھایا کہ یہی نہیں کہ آپؐ کی اتباع سے ایک شخص مقام نبوّت پالے گا بلکہ یہ بھی ہے کہ آئندہ آپؐ سے فیض حاصل کئے بغیر کوئی شخص خداتعالیٰ کے ان خزانوں میں سے کچھ حاصل نہیں کرسکتا۔ دوسرے تو دوسرے خود اہلِ کتاب کے بارہ میں فرمایا:-

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (المائدہ ۵:۶۹)

کہہ اے اہلِ کتاب جب تک تم تورات اور انجیل پر اور اس وحی پر جو (بصورتِ قرآن) تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتری ہے قائم نہیں ہوتے تمہارے ایمان کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس کے بعد فرمایا:-

وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ (۲۳)

اور (یاد رکھو) تمہارا صاحب مجنون نہیں۔

جب کسی اچھے بھلے آدمی کے بارہ میں کسی بدی کا نام لے کر کہا جائے کہ وہ ایسا نہیں مثلاً یہ کہا جائے کہ وہ کوئی دروغ گو نہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا حال تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ پس اس آیت میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہماں وقت تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ مجنون نہیں ہیں بلکہ حددرجہ کے زیرک انتہائی با اخلاق اور سچے انسان ہیں اس لئے یہ سب باتیں جو آپؐ عالم الغیب خدا کی طرف منسوب کرکے بیان کررہے ہیں اپنے وقت پر ضرور پوری ہوں گی۔

==============

مہدی موعودؑ کا ظہور مکّہ کے مشرق میں واقع مقام سے ہوگا

چونکہ زیرک آدمی کو بھی بعض باتوں میں غلط فہمی ہوسکتی ہے اس لئے **وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ** کے بعد فرمایا:-

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (۲۴)

اور یقیناً اس نے اس (ہونے والے واقع) کو افق مبین پر دیکھا ہے۔

افق اس مقام کو کہتے ہیں جہاں حدِّ نظر آسمان اور زمین کو ملتے ہوئے دیکھتی ہے۔ ایسی ہرجگہ افق تو ہوتی ہے افق مبین نہیں ہوتی۔ افق مبین صرف مشرقی افق ہی ہوتی ہے جدھر سے سورج نکلتا ہے پس جہاں اوپر کی آیات میں زمانہ بعید کی طرف اشارہ تھا اس آیت میں مشرق بعید کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ جس نبی کے آئندہ زمانہ میں آنے کی پیشگوئی پہلی آیات میں کی گئی تھی اس کا ظہور اس سورۃ کی جائے نزول یعنی مکّہ سے مشرق کی طرف کے ایک مقام پر ہوگا۔ حدیث نبویؐ **عِصَابَةٌ تَغْزُوْ الْهِنْدَ وَهِيَ تَكُوْنُ مَعَ الْمَهْدِي اِسْمُهٗ اَحْمَدُ** عین اس کے مطابق ہے۔ (مزید دیکھیں صفحہ ۳۱۱)

سورۃ النجم میں ہے **وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى** خداتعالیٰ افق اعلیٰ پر تھا پس افق اعلیٰ اور افق مبین کے الفاظ ایک دوسرے کے مفسر ہیں۔ سورۃ النجم میں یہ بھی آتا ہے کہ **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى**۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (یعنی قرآن کریم، جبرائیل یا خداتعالیٰ کو ایک اور بار۔ یا یہ کہ ایک اور ہی شان میں) بھی نازل ہوتے دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ (پر یا اس) کے پاس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ **وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى** کے ایک معنٰی **عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى** کے ہیں یا سدرۃ المنتہیٰ کے ایک معنٰی افق مبین پر ہونے والی تجلی الٰہی کے ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وہ جگہ تک دکھا دی گئی ہے جہاں آئندہ نبی نے مبعوث ہونا قرآن کریم نے دوبارہ نازل ہونا اور خداتعالیٰ نے پھر تجلی کناں ہونا ہے پس آپؐ تو علیٰ وجہ البصیرت ہوکر بات کررہے ہیں اور تم بغیر دیکھے اور بغیر جانے ان پر اعتراض کر رہے ہو۔ (**هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ** کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں)۔

وَما هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ

اور وہ غیب کے معاملے میں بخیل نہیں۔

جس طرح حضورؐ کے بارہ میں یہ فرما کر کہ آپؐ مجنوں نہیں یہ بتایا تھا کہ اس کے برعکس آپؐ نہایت زیرک انسان ہیں اسی طرح یہاں یہ فرما کر کہ آپؐ الغیب کے معاملہ میں بخیل نہیں یہ بتایا کہ اس معاملہ میں آپؐ بہت سخی ہیں۔ مگر اس سے پہلے آپؐ کو خدا تعالیٰ کے غیب کے خزانوں کا امین بھی قرار دیا گیا۔ اور امین کا فرض ہوتا ہے کہ جس چیز کا اسے امین بنایا گیا ہو وہ چیز مناسب جگہ پر اور مناسب مقدار میں خرچ کرے لہٰذا اس سے پہلے آنے والے الفاظ **ذی قوّۃٍ** اور مُطَاع کے ساتھ ملا کر اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی قوّتِ قدسیہ کے فیض سے ہر اس شخص کو جو آپؐ کا مطیع ہو (خواہ اس کا تعلق زمانۂ حال سے ہو یا آئندہ کے کسی زمانہ سے **بِـاِذْنِـهٖ تَـعَالٰی**) بقدر اس کی اطاعت و استعداد کے اس نعمت سے بہرہ ورفرمانے والے ہیں۔ یعنی جو سب سے زیادہ آپؐ کا مطیع ہوگا (بشرطِ استعداد) وہ سب سے زیادہ اس نعمت سے حصّہ پائے گا یا۔ یعنی اظہار علی الغیب سے سرفراز کیا جائے گا یعنی (نبی کا وقت نہ ہونے کی صورت میں نبی کا نام پانے والا بیشک نہ ہومگر) مقام نبوت پانے والا ضرور ہوگا۔ اور نبی کا وقت ہوتو نبی کا نام بھی پائے گا۔ یعنی نعمت اظہار علی الغیب پانے کی وجہ سے نبی اللہ کہلائے گا اور اس کی طفیل دوسرے بھی اس نعمت سے حصّہ پائیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اُمّتِ مسلمہ میں ظاہر ہونے والے نبی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

> ’’اے نادانو! میری مراد نبوّت سے یہ نہیں ہے کہ نعوذُ بِاللہ میں آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہوکر نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوّت سے کثرت مکالمت ومخاطبہ الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے‘‘۔ اسی طرح فرمایا: ’’میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کرکے اور خدا اور رسول پر سچّی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا مگر یاد رکھو تمام مخالفوں

کے لئے یہ دروازہ بند ہے اور اگر دروازہ بند نہیں تو کوئی آسمانی نشانوں میں مجھ سے مقابلہ کرے اور یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں کرسکیں گے پس یہ اسلامی حقیت اور میری حقانیت کی ایک زندہ دلیل ہے‘‘ (اربعین نمبر ا)

===============

سورۃ الانفطار میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورۃ التکویر کے بعد سورۃ الانفطار آتی ہے۔

سورۃ مریم میں فرمایا گیا تھا کہ **تَکَادُالسَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّالْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا** قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر جائیں اس وجہ سے کہ انہوں نے (خدائے) رحمٰن کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے اس وقت کا ذکر کیا ہے جب آسمان عملاً پھٹ جائے گا اور اس کو سورۃ تکویر کے بعد رکھا ہے (جس میں مسیحی فتنہ کا بھی ذکر ہے اور ایک نبی کے آنے کا بھی ذکر ہے) اس لئے اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس نبی کے آنے اور خدا کا بیٹا قرار دینے والوں پرا تمام حجت ہوجانے کے بعد وہ عذاب جسے آسمانوں کے پھٹنے سے تعبیر کیا گیا عملاً وارد ہوجائے گا۔ آگے اس عذاب کی تفاصیل ہیں اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ **عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ**۔ ظاہر ہے کہ اس میں نفسٌ کی تنکیر تحقیر کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب آنے پر ان انتہائی گندے لوگوں کو جن کا نام لئے بغیر ان کی طرف ذہن جا سکتا ہے یعنی خدا کا بیٹا قرار دینے والے مسیحیوں کو سمجھ آجائے گی کہ انہیں کیا نہیں کرنا چاہیے تھا جو انہوں نے کیا اور کیا کرنا چاہیے تھا جو انہوں نے نہیں کیا یعنی ان کو شرک کرنے اور توحید اختیار نہ کرنے یا مسیح ؑ کے مقام میں غلو سے کام لینے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام کو نہ پہچاننے کی غلطی کا احساس ہوجائے گا اور وہ دینِ توحید اسلام کی طرف رجوع کریں گے۔

===============

آخری زمانہ میں ایک جلالی شبیہ کی صورت میں مسیحؑ کے تیسرے ظہور کی پیشگوئی

جاننا چاہیے کہ انفطار کے معنے صرف پھٹنے کے نہیں بلکہ پہلی بار پھٹنے کے ہیں۔ لہٰذا اِذَالسَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ کے الفاظ میں صرف آسمان کے پھٹنے ہی کی پیشگوئی نہیں کی گئی بلکہ یہ پیشگوئی بھی کی گئی تھی کہ یہ واقعہ ایک دفعہ ظہور پذیر ہونے کے بعد کسی وقت دوبارہ بھی ہوگا اور چونکہ اس کا سبب خدائے رحمٰن کا بیٹا قرار دینا بتایا گیا اس لئے اس میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ مذکورہ عذاب آنے کے بعد بے شک مسیحی قوم کو خدا کا بیٹا قرار دینے کی اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا اور وہ دینِ توحید اسلام کی طرف رجوع کرے گی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ فتنہ پھر سر اٹھائے گا پھر شرک دنیا میں پھیلے گا اور پھر اسی قسم کا مگر پہلے سے بڑھ کر عذاب آئے گا۔ تاہم چونکہ خداتعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا اس لئے اس عذاب سے پہلے بھی ایک رسول آئے گا۔ اور چونکہ دنیا میں جب بھی کسی نبی کے نام پر شرک پھیلے تو اس کی روحانیت اپنے ایک بروز کا ظہور چاہتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ اس ظلم کا ازالہ ہو اس لئے جس طرح پہلی بار مسیح کے نام پر شرک پھیلا اور مسیح کی روحانیت کے اپنے بروز کا ظہور چاہنے پر حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوُا (جو جامع جلال وجمال نبی تھے) اور دوسری دفعہ ایسی ہی صورت کے پیدا ہونے پر مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کا ایک جمالی رنگ میں ظہور مقدر کیا گیا (جو اب ہوچکا ہے) اسی طرح اس وقت جب تیسری بار مسیح کے نام پر شرک پھیلے گا تو تیسری بار مسیح کی روحانیت بروزی رنگ میں اپنا ظہور چاہے گی جو ایک جلالی شبیہ کی صورت میں ہوگا کیونکہ جب جمالی مسیح کے سنوارے ہوئے بگڑے تو حکمت جلالی مسیح کے ظہور کی مقتضی ہوگی۔ اور اس کے ذریعہ اِتمامِ حجتّ ہوجانے کے بعد وہ عذاب وارد ہوجائے گا چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:-

”.... خداتعالیٰ کی طرف سے یہ بات بھی مجھ پر کھلی ہے کہ ایک زمانہ
گزرنے کے بعد کہ خیر اور صلاح اور غلبہ توحید کا زمانہ ہوگا پھر دنیا میں
فساد شرک اور ظلم عَود کر آئے گا اور بعض بعض کو کیڑوں کی طرح

کھائیں گے اور جاہلیت غلبہ کرے گی اور دوبارہ مسیح کی پرستش شروع
ہوجائے گی اور مخلوقِ خدا کو خدا بنانے کی جہالت پھر سے زور سے پھیلے گی
اور یہ سب فساد عیسائی مذہب سے اس آخری زمانہ کے آخری حِصّہ میں
دنیا میں پھیلیں گے۔ تب پھر مسیح کی روحانیت جوش میں آکر جلالی طور پر
اپنا نزول چاہے گی تب ایک قہری شبیہ میں اس کا یعنی مسیح کا نزول ہو
کر اس زمانہ کا خاتمہ ہوجائے گا تب آخر ہوگا اور دنیا کی صف لپیٹ دی
جائے گی۔'' (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۳۴۶)

===============

سورۃ الُمُطَفِّفِین میں ایک پیشگوئی مہدی موعودؑ کے متعلق

سورۃ انفطار کے بعد سورۃ الُمُطَفِّفِین آتی ہے۔ اس میں ابرار کے لئے یہ بشارت ہے
کہ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْکٌ۔ انہیں سربمہر شراب پلائی جائیگی۔ جس
کی مہر مشک کی ہوگی۔ (یا جس کے آخر پر مشک ہوگی)۔

اس تعلق میں جاننا چاہیے کہ بعض دفعہ کسی چیز کے بکثرت استعمال کرنے والے کو اس
چیز کا نام دے دیا جاتا ہے محاروہ زبان میں بھی اور رویا میں بھی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے رویا میں
دیکھا کہ مسجد میں دو حُقّے پڑے ہیں اور مراد اس سے دو بکثرت حُقّہ پینے والے مہمانوں سے تھی۔
اس اعتبار سے یہ فرما کر کہ اس (شراب) کی مہر مشک کی ہو گی یا یہ کہ اس کے آخر میں مشک کی
ہوگی۔ یہ اشارہ فرمایا کہ آخری زمانہ میں قرآن کا محافظ وہ شخص ہوگا جو بکثرت مشک استعمال کرنے
والا ہوگا۔ اور چونکہ آنحضرتﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ اُمّت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جس کے
شروع میں مِیں ہوں اور آخر پر ابن مریم (جس سے مسیح و مہدیؑ مراد ہیں) اس لئے اس میں
دراصل موعود مہدی یا مسیح کی ایک ظاہری علامت بتائی گئی کہ وہ مشک کا بکثرت استعمال کرنے والا
ہوگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کے وجود میں پوری ہوئی۔

===============

سورۃ الانشقاق میں ذکر المہدیؑ

سورۃالانفطار میں مسیحیوں کے اس ظلم کا ذکر تھا جو وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر اس کے بارہ میں روا رکھتے تھے اور سمجھایا گیا تھا کہ آئندہ زمانہ میں وہ اس میں اتنی شدّت اختیار کر لیں گے کہ آسمان (جو بمطابق آیت **تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ** انکے اس ظلم کی وجہ سے پھٹنے کے قریب ہے عملاً) پھٹ جائے گا۔ یعنی عذابِ الٰہی کے وعدے ان کے حق میں پورے ہوجائیں گے۔ اگلی سورۃ **اَلْمُطَفِّفِیْن** کے شروع میں یہ ذکر فرما کر کہ **مُطَفِّفِین** کے لئے عذاب ہے یہ سمجھایا گیا تھا کہ یہ قوم خدا تعالیٰ ہی کی حق تلفی کی نہیں بندوں کی حق تلفی کی بھی مرتکب ہوگی اور اس وجہ سے بھی مستحق عذاب ہوگی اور چونکہ اُس سورۃ میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ عذاب آنے پر ہی ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہوگا کہ کیا کام نہ کرنے کے تھے جو انہوں نے کئے اور کیا کام کرنے کے تھے جو انہوں نے نہیں کئے یعنی اس کے بعد ہی انہیں خداتعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ نہ ہونے کی غلطی کا احساس ہوگا اور اس کے بعد ہی وہ اسلام لائیں گے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ تو تمام انسانوں کی طرف رسول ہوکر آئے ہیں مسیحی تو انسانی آبادی کے ایک چوتھائی حصّہ سے بھی کم ہیں۔ اگر وہ عذاب آنے سے پہلے ایمان لانے والے نہیں تو نہ سہی دوسرے لوگ جو بھاری اکثریت میں ہیں یا بہ الفاظ دیگر انسان بحثیت جنس کب ایمان لائے گا؟ اسلئے سورۃُ **الْمُطَفِّفِیْنَ** کے بعد سورۃ الانشقاق لائی گئی اور اس کی آیات ۲ تا ۶ کو حرف 'اذا' سے شروع کرکے اس سوال کا جواب دیا گیا۔ اور چونکہ یہ آیات ایک مُعَیَّن سوال کے جواب میں لائی گئی تھیں بوجہ ضرورت بیان نہ ہونے کے جواب اذا کو مخدوف رکھا گیا۔ فرمایا:-

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے رب کی طرف کان دھرے گا اور اس کا حکم بجا لائے گا۔

اگر ظاہری آسمان پھٹ جائے تو نظامِ عالم قائم نہیں رہ سکتا اوراگلی آیات میں جو باتیں کہی گئیں وہ پوری نہیں ہوسکتی تھیں اس لئے **اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ** میں **سَمَآء** کا لفظ مجازاً

استعمال ہوُا ہے۔ **سَمَآء** کے معنے چھت کے ہیں اور چھت پھٹے تو جو کچھ اسکے اوپر ہوتا ہے نیچے آجاتا ہے۔ چونکہ دوسری جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ **وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکم وَمَا تُوعَدُوْن** (آسمانوں میں تمہارے لئے رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب بھی) اس لئے آسمان کے پھٹنے کا ذکر کنایہ ہے خدا کے رحم اور اس کے عذاب (اور بہت بڑے عذاب) کے لئے۔ یوں تو مکافاتِ عمل کا سلسلہ ہر وقت جاری ہے اور ایک حد تک خدا کا رحم بھی اور اس کا عذاب بھی ہر وقت ہی نازل ہوتا رہتا ہے لیکن یہاں چونکہ انشقاق سماء کا ذکر 'اذا' کے ساتھ کیا گیا ہے اس لئے اس سے ہر وقت نازل ہونے والی رحمت یا عذاب مراد نہیں ہوسکتا بلکہ رحمت خاص اور عذابِ خاص کا نزول یا رحمت اور عذاب کا خصوصی نزول جو وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے مراد ہے اور یہ نزول ہمیشہ نبی کے آنے پر ہوُا کرتا ہے چنانچہ عذاب کے بارہ میں آیت **وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً** اور رحمت کے بارہ میں سورۃ القدر کی آیات اور آیت **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْن** اور دوسری کئی آیات دلیل ہیں۔ اس لئے ان آیات کو جو 'اذا' کے ساتھ شروع کیا گیا تو اس سے مقصود سوائے یہ سمجھانے کے اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ بے شک ایک نبی بلکہ افضل الانبیاء ﷺ ان آیات کے نزول کے وقت بھی موجود ہیں اور خدا تعالیٰ کی رحمتِ خاص کا نزول ہو رہا ہے اور اس کے عذابِ خاص کا نزول بھی (جیسا کہ دوسری آیات میں بوضاحت ذکر ہے) ہونے والا ہے لیکن اس کے بعد رحمتِ خاص اور عذابِ خاص کا یہ نزول یا رحمت اور عذاب کا خصوصی نزول ایک مدّت تک کے لئے رک جائے گا۔ اس کے بعد پھر اچانک ایک نبی برپا ہوگا اور اس کے آنے پر پھر یہ سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ چھت پھٹنے پر جو کچھ اوپر ہو وہ نیچے تو بے شک آجاتا ہے لیکن بے ہنگم طور پر آتا ہے یعنی ضروری نہیں ہوتا کہ جس چیز کو جہاں آکر ٹھہرنا چاہیے وہ وہیں آکر ٹھہرے اس لئے **اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ** کے بعد فرمایا **وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ** ۔ اور وہ یعنی آسمان یعنی آسمان والے یعنی فرشتے اپنے رب کی طرف کان دھرینگے اور اس کا حکم بجا لائینگے یعنی جس تک وہ چاہے گا اسی تک اس کی رحمت اور جس تک وہ چاہے گا اسی تک اس کا عذاب پہنچائینگے۔ اسی طرح اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ملائکہ نبی وقت کی تائید میں اور اس کے دشمنوں کو ناکام ونامراد کرنے میں لگ جائینگے کیونکہ ان پر یہی فرض ہے (کہ اپنے رب کی مرضی کریں)۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا **یَنۡصُرُہُ الۡمَلآ ئِکَۃُ۔ ملائکۃ** اس کی مدد کریں گے اور آپؑ نے خود بھی فرمایا:-

''مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کردیا جائے سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اترا ہوں ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرا کام پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا بلکہ کر رہا ہے اور اگر میں چپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اترے ہیں اپنا کام بند نہیں کرسکتے۔''

اس کے بعد ہے:-

وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ(۴) وَاَلۡقَتۡ مَا فِیۡهَا وَتَخَلَّتۡ(۵) وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتۡ (٦)

لفظ مُدَّتۡ مدَّ سے ہے جس کے کئی معانی ہیں۔ پھیلانا، فریاد سننا، مدد دینا، کھاد ڈالنا وغیرہ۔ الا رض کا ال جنس کا بھی ہوسکتا ہے اور تخصیص کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ارض سے یہ زمین بھی مراد ہوسکتی ہے اور اہلِ ارض بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ ظاہری معنٰی میں آیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجازی معنٰی میں آیا ہو۔

پس پہلی بات اس آیت میں (الارض کے ال کو جنس کا لے کر) یہ بتائی گئی کہ آئندہ ایک زمانہ آئے گا کہ یہ زمین پھیلا دی جائے گی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا یہ زمانہ ہی وہ زمانہ ہے جس میں سمندروں کو خشک کرکے اور جنگلوں کو صاف کرکے قابلِ رہائش بنایا جا رہا ہے اور اس طرح زمین وسیع کی جارہی ہے۔ پھر یہی وہ زمانہ ہے کہ زمینی سامانوں کے ساتھ انسان چاند پر جا پہنچا ہے۔ اور ستاروں تک اس کی بنائی ہوئی مشینیں پہنچنا شروع ہوگئی ہیں۔ اور اس طرح بھی زمین وسیع ہورہی ہے۔ پھر یہی وہ زمانہ ہے جس میں ذرائع رسل و رسائل کی ایسی ترقّی ہوگئی ہے کہ ایک آدمی دنیا کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوُا دنیا کے دوسرے کنارہ کے انسان سے باتیں کرسکتا

ہے۔ ساتھ ساتھ اسے دیکھ بھی سکتا ہے اور چند گھنٹوں میں اس تک پہنچ بھی سکتا ہے اور اس طرح اس کے رہنے کی زمین دنیا کے دوسرے کنارہ تک وسیع ہوگئی ہے۔ پس اس میں اسی زمانہ کا ذکر ہے اور یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ ان باتوں کے ظہور میں آنے سے پہلے نبی موعود کا ظہور ہو چکا ہے۔

اس کے بعد **وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ** کے الفاظ میں بتایا کہ وہ زمانہ آنے پر جس کا اس سے پہلی آیتوں میں ذکر ہے زمین اپنے خزانے اس کثرت کے ساتھ اُگلے گی کہ یوں لگے گا کہ وہ خالی ہوگئی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے پٹرول ،گیس،یورینیم اور دوسری ریڈیو ایکٹو (RADIOACTIVE) دھاتیں جن سے ایٹمی ایندھن تیاّر ہوتا ہے اسی زمانہ میں زمین سے نکلی ہیں۔ پھر انسان کی ذہنی استعدادوں نے جو کمالات اور جولانیاں اس زمانہ میں دکھائی ہیں اور سائنسی اور دوسرے علوم نے جو ترقّیات اس زمانہ میں کی ہیں وہ پہلے کہاں تھیں۔

چونکہ لفظ مدّ کے معنٰی فریاد رسی کے بھی ہوتے ہیں اور یہ آیت اس آیت کے معاً بعد لائی گئی ہے جس میں آئندہ زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی اس لئے اس آیت میں دوسری بات (الارض سے اہل الارض مراد لے کر) یہ بتائی گئی کہ آئندہ ایک زمانہ آئے گا کہ اہل الارض روحانی بھوک اور پیاس سے پریشان ہوکر آسمانی مائدہ کے لئے فریاد کریں گے۔ جسے سن کر خدا تعالیٰ اس مائدہ کو ان تک پہنچانے کا سامان کردے گا جو اس نے اس نبی کو (جس کا اس سے پہلی آیت میں ذکر ہوا) دے کر بھیجا ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اگرچہ ریڈیو اور T.V پہلے بھی تھے مگر اب اچانک جماعتِ احمدیہ کو ان کے استعمال کی سہولت جو پہلے نہیں تھی حاصل ہوگئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ڈش انٹینا ، فیکس اور کمپیوٹر وغیرہ کی ایجاد اور جماعت کو ان سے استفادہ کی سہولت بھی میسر آگئی ہے اور اس طرح اس آسمانی مائدہ کو ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانے کا سامان میسر آگیا ہے۔اور ساری دنیا کی مذہبی جماعتوں میں سے صرف جماعتِ احمدیہ کو اس بات کی توفیق کا ملنا کہ ان سامانوں کو اشاعتِ اسلام کے لئے استعمال کر سکے اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ سب سامان اوّل نمبر پر جماعتِ احمدیہ ہی کے لئے کئے گئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی یہی منشاء ہے کہ اب اس کے ذریعہ اسلام پھیلے۔

لفظ مدّ کے معنے زمین میں نئی مٹی اور کھاد ڈالنے کے بھی ہوتے ہیں پس (الارض کو

مجازی معنٰی میں لے کر) اس آیت میں بتایا گیا کہ آئندہ کے اس زمانہ میں جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا جارہا ہے۔ اسلام کی زمین میں نئی مٹی اور کھاد ڈالی جائے گی۔ نئی مٹی اور کھاد کی ضرورت چونکہ پہلی مٹی اور کھاد کے کم یا خراب ہوجانے پر ہی ہؤا کرتی ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہؤا کہ اس وقت ایک طرف اسلام کی اصل تعلیم کو بگاڑ دیا جائے گا اور دوسری طرف کچھ پرانے لوگ تو دائرہ اسلام سے نکل ہی جائیں گے اور کچھ اس کے لئے کھاد کا کام دینا یعنی اس کے احیاء کے لئے اپنا سب کچھ کھو دینا چھوڑ دیں گے سو ان کی جگہ خدا تعالیٰ نئے لوگ لائے گا جو یہ کام کریں گے۔ اور وہ ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں ہونے دے گا بلکہ جس طرح کسی زمین میں جب نئی مٹی اور کھاد پڑے تو وہ بہتر فصل دینے لگ جاتی ہے اسی طرح اس وقت ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو جب اس زمانہ میں کئی لوگ اسلام سے مرتد ہو کر دہریہ، مسیحی یا ہندو وغیرہ ہو گئے تو کس طرح خدا تعالیٰ نے حقیقی اسلام یعنی احمدیت میں کئی نئے لوگ داخل بھی کئے پھر کس طرح ان کو جانی اور مالی قربانیوں کی توفیق دی اور کس طرح ان کی قربانیوں سے کہیں بڑھ کر عمدہ پھل ان کو عطا کئے۔

چونکہ ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ بنی نوع انسان کی اکثریت کب اسلام لائے گی اور زیرِ نظر آیت کو ان آیتوں کے بعد رکھا گیا ہے جن میں آئندہ ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کی غرض اس آیت کو اس موقع پر لانے سے یہ بتانا تھی کہ نبی موعود کے آنے کے ساتھ ہی لوگوں کی اکثریت اسلام میں داخل نہیں ہوجائے گی بلکہ پہلے وہ باتیں جو اس آیت اور اگلی آیتوں میں بیان کی گئی ہیں ظہور میں آئیں گی اس کے بعد عالمگیر عذاب آئے گا (کیونکہ اس کے آنے سے پہلے اتمامِ حجّت ضروری ہے) اور اس کے بعد لوگوں کی اکثریت اسلام لائے گی۔

جو باتیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے کچھ کی تفصیل تو اوپر آچکی ہے اور کچھ کی آگے بیان کی جاتی ہے۔

اگر الارض کا اَلْ تخصیص کا ہو تو چونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے الارض سے اس نبی کی جائے ظہور قادیان بھی مراد ہوسکتی ہے۔ اس اعتبار سے **وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّت وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ** میں لفظ مُدَّت کے مختلف معانی کے (جو اوپر بیان ہو چکے ہیں) مدِّ نظر یہ بتایا گیا کہ بنی نوع انسان کی اکثریت کا ایمان لانا ارضِ

قادیان کے وسیع ہوجانے یعنی اس کی حدود کے پھیل جانے اور اس کی برکات اور اس کے باسیوں اور اس سے بلند ہونے والی آواز کے ساری دنیا تک پہنچ جانے اور اس کے باسیوں اور ان لوگوں کے جو خواہ بظاہر کسی اور جگہ پر رہ رہے ہوں مگر ان کے دل اسی زمین میں اٹکے ہوئے ہوں یعنی احمدیوں کے اپنی تمام استعدادیں ظہور اور بروز میں لے آنے اور اپنی ساری جان اور سارے دل کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو جانے اور اپنا سب کچھ اس راہ میں قربان کردینے اور کچھ باقی نہ رکھنے کے ساتھ وابستہ ہوگا۔اس کے مطابق سیدنا حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے جو بعد میں حضورؑ کے خلیفۂ اوّل منتخب ہوئے حضرت مہدی موعودؑ کو لکھا کہ ’’میرا جو کچھ ہے وہ میرا نہیں آپؑ کا ہے‘‘ اور حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب نے نہایت دلیری کے ساتھ آپؑ کی راہ میں جان قربان کی اور ان کے بعد اور بہت لوگوں نے بے نظیر قربانیاں جان،مال ،وقت اور عزّت کی پیش کیں۔نبی موعود یعنی حضرت مہدی موعودؑ نے جو اشاعتِ اسلام ہی کے لئے مبعوث کئے گئے خود فرمایا:-

> ’’اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ سخت محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہوجائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزازِ اسلام کے لئے ساری ذِلّتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔‘‘ (فتح اسلام صفحہ ۱۰)

وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ کے بعد ہے۔ **وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّت** یعنی اپنی تمام استعدادیں ظہور و بروز میں لے آنے کے بعد بھی وہ لوگ اپنے رب کی رضا کے لئے اس کے رسول (یا خلیفۃ الرسول) کی طرف کان دھرنے والے ہوں گے یعنی اس بات کے منتظر رہیں گے کہ کب کسی نئی خدمت کے لئے بلایا جاتا ہے تا وہ اسے بھی فی الفور بجالاسکیں۔

وَحُقَّتْ کے دو معنے ہیں!

نمبر۱ یہ کہ ان پر یہی فرض ہوگا یعنی خدا نے جو فضل نبی بھیج کر ان پر کیا اس کا تقاضی یہی ہوگا۔

نمبر۲ یہ کہ وہ اس حکم کو جو انہیں ملے گا بجا لائینگے (**اے وَجُعِلَتْ حَقِیْقَةً بِالْاِسْتِمَاعِ وَالْاِنْقِیَادِ. بیضاوی**)

===============

اَرضِ حرم کے قادیان تک وسیع ہونے کی پیشگوئی

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ میں اَلْ تخصیص کا ہو تو الارض سے ارضِ حرم بھی مراد ہوسکتی ہے اور اگر وہ مراد ہو تو اس آیت کو اس موقع پر لا کر یہ بتایا گیا کہ بنی نوع انسان کی اکثریت اس وقت اسلام میں داخل ہوگی جب علاوہ ان دوسری باتوں کہ جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں یہ بات بھی واقع ہو جائے گی کہ اچانک اَرضِ حرم وسیع ہو جائے گی۔ اور چونکہ ارضِ حرم کی اصل حُرمَت اس سے حاصل ہونے والی برکات کی وجہ سے ہے اس لئے مطلب یہ ہؤا کہ یہ بات اس وقت ہوگی جب دنیا کے کسی اور مقام سے بھی ویسی ہی برکات حاصل ہونے لگیں گی جیسی اس وقت (کہ محمد رسول اللہ ﷺ موجود ہیں) اَرضِ حرم سے حاصل ہورہی ہیں۔ مگر اَرضِ حرم کی برکات دو طرح کی تھیں ایک وہ جو اس لئے تھیں کہ مثلاً وہاں بیت اللہ ہے۔ مقامِ ابراہیمؑ ہے۔ آنحضرتؐ کے مبارک قدم اس پر پڑے ہیں۔ وہاں آپ کی بعثت ہوئی یہ برکات دائمی اور ارضِ حرم کے ساتھ خاص تھیں نہ کسی دوسرے مقام تک پھیل سکتی تھیں اور نہ کبھی اَرضِ حرم ان سے خالی ہوسکتی تھی۔ دوسری برکات وہ تھیں جو تازہ بتازہ وحی الٰہی کے نزول کی وجہ سے تھیں جس کا مہبط اس وقت آنحضور ﷺ تھے۔ یہی برکات تھیں جو کسی دوسرے مقام تک وسیع بھی ہوسکتی تھیں اور جن سے ارضِ حرم کسی آئندہ زمانہ میں (آنحضرتؐ سے بُعد کی وجہ سے) خالی بھی ہوسکتی تھی۔ اور چونکہ اگلی آیت میں اس کے ان سے خالی ہونے کا بوضاحت ذکر ہے اس لئے اس آیت میں انہی برکات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس میں بتایا یہ گیا کہ آئندہ کسی زمانہ میں اچانک ویسی ہی برکات جیسی اس وقت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر تازہ بتازہ وحی کے نازل ہونے کی وجہ

سے اَرضِ حرم سے حاصل ہو رہی ہیں دنیا کے کسی اور مقام سے حاصل ہونے لگیں گی۔ یعنی کسی اور مقام سے بھی کوئی ایسا شخص ظاہر ہوگا جس پر وحی نبوّت نازل ہوگی۔ جس کی وجہ سے اس کی جائے ظہور سے بھی اَرضِ حرم سے حاصل ہونے والی برکات جیسی برکات حاصل ہونے لگیں گی اور اس طرح ارض حرم اُس نبی کی جائے ظہور تک پھیل جائے گی۔ مگر یہ کہنا کہ ارض حرم اس نبی کی جائے ظہور تک پھیل جائے گی اسی صورت میں درست ہوسکتا تھا جو مقدّر یہ ہوتا کہ نبی موعودؑ آنحضرتؐ کا غلام اور روحانی فرزند اور حضورؐ ہی کے فیض سے مقامِ نبوّت پانے والا ہو۔ نیز اس صورت میں جو اس نبی کے مبعوث ہونے کے وقت تک ارضِ حرم سے بھی ایک حد تازہ بتازہ وحی کی برکات حاصل ہونے کا سلسلہ جاری ہوتا یعنی اس وقت تک اس میں بھی کچھ نہ کچھ صاحبِ الہام لوگوں نے پایا جانا ہوتا۔ کیونکہ اگر اس وقت وہاں صاحبِ الہام لوگ بالکل ہی موجود نہ ہوتے تو نبی موعود کی برکات ظاہر کرنے والے مقام کو ارضِ حرم کی **EXTENSION** کہنا درست نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اگر اس وقت اس میں کثرت سے صاحبِ الہام لوگ ہوتے تو نبی کی ضرورت ہی نہیں ہوسکتی تھی۔

پس اگر الارض سے ارضِ حرم مراد ہو تو آیت **وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ** میں دو پیشگوئیاں کی گئیں۔ ایک یہ کہ کسی آیندہ زمانہ میں کسی اور مقام کے کسی شخص پر جو آنحضرتؐ کا غلام اور حضورؐ ہی سے فیض یاب ہوگا وحیِ نبوّت نازل ہونے لگے گی جس کی وجہ سے اس مقام سے بھی ویسی ہی برکات حاصل ہونے لگیں گی جیسی اس وقت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے کی وجہ سے اَرضِ حرم سے حاصل ہو رہی ہیں اور دوسری یہ کہ اس کے ظہور کے وقت تک ارضِ حرم میں بھی کچھ نہ کچھ صاحبِ الہام لوگ پائے جاتے ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مثلاً حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کے (جو بعد میں خلیفۃ المسیح اوّل ہوئے) مکّہ میں ایک مرشد شاہ عبدالغنی صاحب تھے جو صاحبِ الہام تھے اور اس کے بعد آیت **وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ** رکھ کر بتایا کہ لیکن جب یہ بات ظہور میں آجائے گی تو اس کے بعد ارضِ حرم جو کچھ (اس جنس یعنی تازہ بتازہ وحی کی برکات میں سے) اس کے اندر باقی ہوگا اسے (باہر) پھینک دے گی اور (خود) اس سے خالی ہوجائے گی۔ بظاہر '**وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ**' میں سے ایک بات فرمانا کافی تھا مگر فرمائی دو باتیں گئی ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ بہ مجبوریٔ حالات مُلہمین ارض حرم میں سے وہاں جا

بسنے والے یا اس کی برکت سے وہیں رہتے ہوئے یہ مقام پالینے والے خال خال صاحبِ الہام لوگ تو باہر کے دوسرے مقامات پر پھر بھی پائے جائیں گے مگر خود ارضِ حرم ان سے خالی ہوجائے گی۔ یہ بلا وجہ نہیں ہوگا بلکہ اس میں ایک خاص حکمت ہوگی اور وہ یہ کہ ایک طرف دنیا یہ جان لے کہ اب منشاء الٰہی یہی ہے کہ آنحضرتؐ کی برکات جو اب تک ارضِ حرم سے حاصل ہورہی تھیں آئندہ نبی موعودؑ کے واسطہ سے اس کے مقام ظہور سے حاصل ہوں گی اور دوسری طرف ارضِ حرم سے باہر جو صاحبِ الہام لوگ ہوں وہ بربنائے الہام اس نبی کے بارہ میں بشارتیں اور گواہیاں دیں۔ چنانچہ نبی موعود یعنی حضرت مہدی معبود کو الہام ہؤا **یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ** ایسے جوانمرد تیری مدد کریں گے جنہیں ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا اس کے بعد ارضِ حرم صاحبِ الہام وجودوں سے ہمیشہ خالی ہی رہے گی اور آئندہ کبھی اس سے براہِ راست برکات حاصل نہیں ہوں گی؟ اس لئے اس کے بعد **وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ** فرما کر اس کا جواب دیا اور بتایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ارضِ حرم یعنی اس کے باشندے اپنے رب کی طرف کان دھریں گے یعنی اس کے مرسل نبی موعود حضرت مہدی علیہ السلام کی آواز سنیں گے اور اس کا حکم بجا لائینگے اور چونکہ اس کی نبوّت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی نبوّت کے ثابت کرنے اور اسی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے ہوگی ان لوگوں کو خدا تعالیٰ پر اور آنحضرتؐ پر ایک نیا ایمان حاصل ہوگا اور پھر سے ان میں صاحبِ الہام لوگ پیدا ہونے لگ جائیں گے اور ارضِ حرم سے براہِ راست برکات کے حاصل ہونے کا سلسلہ پھر سے جاری ہوجائے گا۔

اگر الارض سے مادی زمین مراد ہو اور اس کا ال جنس کا ہو تو **وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ** کے بعد جو **وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ** کے الفاظ لائے گئے ہیں ان کا ایک اور اہم مفہوم بھی ہوگا۔ اگر ساری زمین جو کچھ اس کے اندر ہے وہ سب اگل دے اور خالی ہوجائے تو پھر یہ انسان کے رہنے کے قابل نہیں رہ سکتی اس لئے اس صورت میں **مَا فِيْهَا** کو محدود کرنا پڑے گا یعنی **وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ** کے قرینہ کے مدِّ نظر اس سے مراد وہ چیز لی جائے گی جو اہل الارض کو حکم الٰہی سننے اور اسے بجا لانے کی طرف مائل کرنے والی ہوگی اور چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم بنیادی طور پر اس کی توحید اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم ہؤا کرتا ہے اور نبی قیام توحید ہی کے

لئے آتا ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شرک کی جس قسم کا ازالہ نبی موعود کا خاص کام ہونا ہے اس کے (یعنی مسیحی عقائد کے) خلاف پڑنے والا بہت سا مواد زمین میں دفن پڑا ہے جو اس وقت سارے کا سارا اس سے برآمد ہوجائے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں ایک طرف ایک شخص کو مسیح بنا کر اس زمین سے کھڑا کیا گیا اور دوسری طرف زمین کے اندر دفن صحائف قمران نکل آئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ناصری نے جسے مسیحی خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں خود اپنے آپ کو خدا کا عبد قرار دیا ہے۔ اسی طرح سری نگر کشمیر کے محلّہ خانیار میں موجود قبرِ مسیح دریافت ہوئی ہے جس سے ثابت ہوگیا ہے کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوُا بلکہ اس سے زندہ اترا اور کشمیر میں آکر طبعی موت مرا اور ان باتوں کے ثابت ہوجانے سے الوہیت مسیح اور مسیح کے کفارہ ہونے کے عقیدہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ علاوہ ازیں یہ باتیں مسلمانوں میں رائج حیاتِ مسیح کے مشرکانہ عقیدہ کو بھی غلط ثابت کرنے والی اور مسیح موعودؑ پر ایمان کی راہ ہموار کرنے والی ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ (۷)

اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ انسان بحیثیت جنس اس وقت اسلام میں داخل ہوگا جب آئندہ ایک نبی آئے گا اور وہ دوسری باتیں بھی وقوع میں آ جائیں گی جو ان آیات میں بیان ہوئیں۔ اس کے بعد یہ آیات لا کر خدا تعالیٰ نے اس نبی کے زمانہ کے انسانوں کو جو اس کی نظر میں حاضر کی طرح تھے مخاطب کیا اور بتایا کہ تمہارا صرف نبی وقت پر ایمان لے آنا کافی نہیں ہوگا بلکہ مقصدِ حیات پانے کے لئے (جو قربِ الٰہی اور نجات کا حصول ہے) کدح یعنی سخت محنت اور مشقت سے کام لینا بھی ضروری ہوگا۔ چنانچہ اس نبی مہدی موعود علیہ السلام نے ایمان لانے والوں کو بار بار سمجھایا کہ صرف بیعت کر لینے سے تم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا جب تک ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن محنت خواہ کیسی ہی سخت ہو اگر وہ صحیح رنگ اور صحیح جہت میں اور موقع اور محل کے مطابق نہ ہو تو منزلِ مقصود تک پہنچانے کی بجائے اس سے دور لے جایا کرتی ہے اس لئے کدح سے کام لینے کی تلقین کے ساتھ ہی وضاحت کردی کہ یہ کدح **اِلٰی رَبِّکَ** ہونی چاہیے یعنی:

نمبر۱ مقصود صرف اور صرف اپنے رب کے قرب کا حصول ہونا چاہیے۔

نمبر۲ یہ کدح اپنے رب کی منشاء کے مطابق ہونی چاہیے جیسے **قَالَ اِنِّیۡ مُهَاجِرٌ**

اِلٰی ربیّ میں اِلٰی کا استعمال اسی معنٰی میں ہوا ہے۔

مطلب یہ کہ ایک تو کدح خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریق کے مطابق ہونی چاہیے دوسرے جس بات کو وہ زیادہ اہمیت دینا پسند کرے اسے زیادہ اہمیت دینی چاہیے اور جسے کم اہمیت دینا پسند کرے اسے نسبتاً کم اہمیت دینی چاہیے۔ جیسے جہاد کے وقت روزہ نہ رکھنے کو آنحضرتؐ نے روزہ رکھنے سے بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ مہدی موعودؑ کے وقت کا جہاد چونکہ تبلیغِ اسلام کا جہاد ہے اس لئے اس کے وقت کی بڑی نیکی اسلام کی تبلیغ کرنے اور اس کی اشاعت کے لئے کوشاں ہونا ہے۔

چونکہ انسان ضعیف البُنیان ہے۔ باوجود سخت محنت اور کوشش کے اس کے عمل میں خامیاں رہ جاتیں ہیں اس لئے اگلی آیتوں میں اسے تسلّی دلانے کو فرمایا:-

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ (۸) فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَاباً یَّسِیْرًا (۹) وَّیَنْقَلِبُ اِلٰی اَھْلِہٖ مَسْرُوْراً (۱۰)

اسلام نے نیک اور پاک کاموں کے لئے دائیں ہاتھ کے استعمال پر زور دیا ہے۔ اور دائیں ہاتھ کا استعمال قوّت کے استعمال پر بھی کنایہ ہوتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ اسی کو دیا جائے گا جو دائیں ہاتھ کو برمحل استعمال کرنے والا ہوگا۔ پس اس میں بتایا کہ جو شخص اپنی ساری قوّت منشاء الٰہی کے مطابق نبی وقت کی مدد کرنے یعنی اس کے انصار میں سے بننے اور نیک نمونہ پیش کرنے اور تبلیغ اسلام کرنے میں صرف کرے گا اس کا حساب آسان لیا جائیگا۔ یعنی اس کی کوتاہیوں اور بشری کمزوریوں سے خدا تعالیٰ صرفِ نظر فرمائے گا۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی جزاا عمال سے مناسبت رکھنے والی ہوتی ہے آخری آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تلوار کے جہاد کا تقاضٰی ہو تو وہ شخص اس کے لئے اور اگر تبلیغ کے جہاد کا تقاضٰی ہو تو اس کے لئے اپنے اہل کو چھوڑ کر چلے جانے والا ہوگا اس لئے جَزَاءً وِّفَاقاً کے طور پر حشر کے دن اسے ایسی خوشی پہنچائی جائے گی جیسے انسان جب کہیں باہر سے کامیاب ہو کر اپنے اہل کے پاس لوٹے تو اس وقت اسے خوشی ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا:-

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ (۱۱) فَسَوْفَ

يَدْعُوا ثُبُوْرًا (۱۲) وَّيَصْلٰى سَعِيرًا (۱۳)

جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا (وہ جان لیگا کہ اسے سزا ملنے والی ہے) سو وہ ہلاکت کو پکارے گا (مگر ہلاک کیا نہیں جائیگا) بلکہ آگ میں داخل کیا جائیگا۔

مطلب یہ کہ جو نبیٔ وقت اور اسکے پیغام کی طرف پیٹھ پھیرے گا **جَزَآءً وِّفَاقاً** کے طور پر اس سے یہ سلوک ہوگا۔ پس ان آیات میں نبیٔ موعود کے آنے پر اسکے انصار بننے کی زبردست تلقین کی گئی۔ مگر خداتعالیٰ کو معلوم تھا کہ اسکے زمانہ کے مسلمان کچھ تو اپنے قومی حالات کے سنورنے سے ناامید ہونے کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ اگر یہ مدعی نبوّت سچا ہے تو اسکے آتے ہی اسلام کو ترقّی اور غلبہ کیوں حاصل نہیں ہوگیا اس کی طرف التفات نہیں کریں گے۔ اسلئے اگلی آیات میں اس نے ان کے خیالات کا رد فرمایا اور یقین دلانے کو قسم کھاکر بتایا کہ اس نبی کے ذریعہ اسلام کا نور لازماً دوبارہ دنیا میں پھیلے گا اور مسلمانوں کے حالات لازماً بدلیں گے۔ فرمایا:-

فَلاَ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۱۷) وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (۱۸)
وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (۱۹) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ (۲۰)

جیسا کہ پہلے سورۃ یٰسٓ کے حوالہ سے بتایا جاچکا ہے آنحضرت ﷺ کے بعد دوقسم کی خلافت (یعنی آسمان روحانیت کے اس آفتاب کے لئے دوقسم کے چاندوں کا ظہور مقدّر تھا)۔ ایک خلافتِ منتخبہ کے چاند کا اور دوسرے خلافتِ ماموریت کے چاند کا جسنے آنحضورؐ کے بعد آنیوالی چوتھی صدی شروع ہونے تک چوتھی رات کا ہوچکا ہونا یعنی ہلال سے قمر بن چکا ہونا تھا۔

اِتَّسَقَ الْقَمَرُ کے معنے ہوتے ہیں چاند نے اپنی روشنی پوری کرلی اور وہ چودھویں رات کا یعنی بدر ہوگیا۔

چونکہ اِتّساق قمر کی ابتدا تیرھویں رات سے ہوتی ہے لیکن قمر کے معنٰے چودھویں رات کے چاند کے بھی ہیں۔ اور اِتساق قمر کا زمانہ سولھویں رات تک چلتا ہے اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں مامور خلیفوں میں سے اس خلیفہ کا ذکر ہے جس نے تیرھویں رات یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والی تیرھویں صدی کے آخر میں ظاہر ہوکر چودھویں رات یعنی چودھویں صدی ہجری میں چودس کا چاند بن کر آسمان روحانیت پر چمکنا تھا اور اس کی روشنی نے۔

آب وتاب میں کمی آئے بغیر۔ سولہویں رات یعنی سولہویں صدی کے آخر تک دنیا کو منوّر کرتے رہنا تھا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی شخص یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں جنہوں نے ۱۸۸۲ء یعنی ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں ماموریت کا پہلا الہام پایا اور چودھویں کا چاند بن کر آسمانِ روحانیت پر جلوہ گر ہوئے اور خدا سے خبر پا کر یہ اعلان فرمایا کہ سولہویں صدی کے آخر تک آپؑ کا سلسلہ پوری دنیا پر چھا جائے گا۔ آپؑ کے الفاظ یہ ہیں:

> ”ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰؑ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت ناامید اور بد ظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دینگے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے کے لئے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“

پس آپ ہی اس قرآنی پیشگوئی کے مصداق اور مہدی موعودؑ ہیں۔ اور **فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ** سے شروع ہونے والی زیرِ نظر آیتوں میں خدا تعالیٰ نے آپؑ ہی کے زمانہ کے مسلمانوں کے ان غلط خیالات کا جو وہ آپؑ کے بارہ میں رکھنے والے ہوں گے رد کیا ہے یعنی پہلے تو 'فلا' کہہ کر یہ بتایا ہے کہ جب اس کے انصار بننے والوں سے خداتعالیٰ نرم سلوک کرنے والا ہے اور اس کی طرف پیٹھ پھیرنے والوں کو آگ میں داخل کرنے والا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا یہ فیصلہ پڑھ کر ہی ان کو سمجھ جانا چاہیے کہ اس کے بارہ میں ان کے خیالات صحیح نہیں۔ اور اس کے بعد فرمایا:-

> میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان سب چیزوں کی جنہیں اس نے اکٹھا کر لیا (یعنی کریگی) اور قمر کی جب وہ اپنا نور مکمل کرلے کہ تم حَالاً بعد حالٍ ارتقاء کی منازل طے کرو گے۔(ترجمہ آیات ۱۷ تا ۲۰)

مطلب یہ کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن میں پہلے سے یہ خبر نہیں دے دی تھی کہ پہلے ایک شفق کا زمانہ آئے گا یعنی آسمان روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی لائی ہوئی روشنی میں کمی آجائے گی اور ایسی حالت

ہوجائے گی جیسے غروبِ آفتاب کے بعد شفق کے وقت ہوتی ہے (یہ زمانہ سورۃ الفجر میں دی جانے والی خبر کے مطابق تین سو سال چلے گا)۔ پھر یہ شفق بھی نہیں رہے گی اور رات چھا جائے گی یعنی فیج اعوج کا زمانہ آجائے گا (جو سورۃ الفجر کے مطابق ہزار سال چلے گا) اور یہ رات ان تمام مصائب کو جمع کرلے گی جو رات کا خاصہ ہیں۔ پس مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت کا بگڑ جانا اور ان کا مصائب میں گرفتار ہوجانا تو اسلام کی صداقت کا ثبوت ہے نہ کہ اس سے بددل ہونے کی کوئی وجہ۔ جس وقت یہ تنزّل اورادبار کی خبریں دی گئیں اس وقت کون سوچ سکتا تھا کہ کبھی یہ پوری بھی ہوں گی لیکن پوری ہوئیں کیونکہ یہ عالم الغیب خدا کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں تھیں پس جس طرح یہ خبریں پوری ہوئیں یہ خبر بھی کہ اس زمانہ میں ظاہر ہونے والا چودھویں کا چاند سولہویں رات یعنی سولہویں صدی کے اختتام سے پہلے پہلے ساری دنیا کو منوّر کردیگا ضرور پوری ہوگی۔ کیونکہ اِتّساقِ قمر تیرھویں رات سے شروع ہوکر سولہویں رات تک چلتا ہے۔ جو قومیں ایک رات یا ایک سال یا ایک سو سال سوتی رہیں اور انہوں نے اس چاند کو نہ دیکھا وہ اس کے بعد کے سوسال کے عرصہ میں دیکھ لینگی اور جو اس عرصہ میں بھی نہ دیکھ پائیں وہ اس کے بعد کے سو سال میں دیکھ لینگی اور اسے پہچان لیں گی اور اس کے بعد تو صرف لاعلاج اندھے ہی اس سے محروم رہ سکیں گے۔ پس نہ کسی کے مایوس ہونے کی کوئی وجہ ہے اور نہ کسی کے لئے اس اعتراض کی کوئی گنجائش کہ اس نبی کے آتے ہی محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ساری دنیا میں کیوں پھیل نہیں گیا اس لئے کہ خداتعالیٰ نے اس کے لئے تین سو سال کا زمانہ پہلے سے مقدّر کررکھا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پورے کے پورے تین سو سال گزر جانے کے بعد ہی یہ کام ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تین سوسال آخری حد ہے اس وقت تک اس نبی کے مشن کو جتنی ترقّی ملنی ہے بتمام وکمال مل چکی ہوگی۔

زیرِ نظر آیات کے بعد ہے:-

فَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲۱) وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُوْنَ (۲۲)

سو انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے وہ سجدہ بجا نہیں لاتے۔

قرآن پڑھا جانے پر ظاہراً وباطناً سجدہ بجا لانے کا حکم جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے چونکہ مسلمانوں کے لئے ہے اس لئے یہ آیتیں اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اوپر کی آیتوں میں مسلمانوں ہی کے غلط خیالات کا رد ہورہا تھا اور انہی کو سمجھایا جا رہا تھا۔

فرمایا جب اس نبی کے انصار میں سے بننے کا فائدہ اور اس کی طرف پیٹھ پھیرنے کا نقصان بھی بیان ہوچکااور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ اسے ماننے کے سلسلہ میں جو عُذر کئے جاتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہیں تو پھر ان لوگوں کو کیا ہے کہ(اس پر) ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت میں **اِذَا یَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ** نہیں فرمایا بلکہ **وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْآنُ** فرمایا۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جب وہ قرآن پڑھیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جب ان پر قرآن پڑھا جائے گا پس اس میں یہ اشارہ کیا کہ نبی موعودؑ کے زمانہ کے مسلمان اَوّل قرآن پڑھیں گے نہیں اور پڑھیں گے تو سمجھیں گے نہیں مگر خدا تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اسے سمجھیں گے اور انہیں اس قسم کی باتیں جیسی اوپر کی آیات میں بیان ہوئیں اس میں سے نکال نکال کر دکھائینگے اور اس طرح ان پر اتمامِ حُجّت ہوجائیگا۔

وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْآنُ لَا یَسْجُدُوْنَ میں بتایا کہ جب نبی موعود کے بارہ میں قرآن نے خبریں دے رکھی تھیں اور اگر وہ خود انہیں سمجھ نہیں بھی پائے تھے تو اہلِ علم نے انہیں قرآن سے وہ خبریں نکال کر دکھا دی تھیں تو ان کا فرض تھا کہ :-

نمبر ا اس کی ایسی اطاعت کرتے کہ گویا سجدہ کررہے ہیں اور

نمبر۲ خدا تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجا لاتے کہ اسنے عین ضرورت کے وقت ان کا ہاتھ تھام لیا ہے۔اور انہیں غرق ہونے سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:-

”اگر تم ایماندار ہو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ
زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے....
وہ وقت تم نے پالیا۔“ (فتح اسلام)

آگے ہے:-

بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ (۲۳)

بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکذیب کرتے ہیں۔

مہدی موعودؑ کے منکر دراصل آنحضرؐت کے مکذِّب ہوں گے

جو شخص کسی مدعی نبوّت کو نہیں مانتا فی الحقیقت وہ اسے جھوٹا ہی جانتا ہے اور یہ بات ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اس لئے یہ فرمانا کہ **بَلِ الَّـذِیْـنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ** بلا ضرورت ہوتا سوائے اس کے کہ کفر کسی اور کا ہو اور اس کے نتیجہ میں تکذیب کسی اور کی ہو رہی ہو۔ پس یہ بات کہہ کر اور اسے حرفُ 'بل' سے شروع فرما کر قرآن نے یہ بتایا کہ جو لوگ قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کا کفر کریں گے وہ اس کا کفر نہیں کریں گے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو جن پر قرآن نازل ہوُا جھٹلائیں گے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

''جس شخص پر میرے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں خدا کے نزدیک اتمامِ حُجّت ہو چکا وہ قابلِ مواخذہ ہوگا کیونکہ خدا کے فرستادوں سے دانستہ منہ پھیرنا ایسا امر نہیں ہے کہ اس پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اس گناہ کا داد خواہ میں نہیں ہوں بلکہ ایک ہی ہے جس کی تائید کے لئے میں بھیجا گیا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ میرا نہیں بلکہ اس کا نافرمان ہے جس نے میرے آنے کی پیشگوئی کی۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۸۔۱۷۹)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ (۲۳)

اور اللہ اسے جو وہ (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہیں خوب جانتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ اس نبی کے انکار کا بہانہ اور بنائیںگے اور اصل سبب اس کا جو وہ ظاہر نہیں کریں گے اور ہوگا۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ مہدی کے زمانہ کے علماء اس لئے اس کا انکار کریں گے کہ انہیں اپنی گدی کے چھننے کا ڈر ہوگا (**وَاِذَا خَـرَجَ هٰذَا الْاِمَـامُ الْـمَهْـدِیُّ فَلَیْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اِلَّا الْفُقُهَاء خَاصَّـةً فَاِنَّهٗ لَا یَبْقٰی لَهُمْ رِیَاسَةٌ وَّلَا تَـمِیْزٌ عَنِ الْعَامَّةِ** ۔فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۴) یعنی جب یہ امام مہدی ظاہر ہوگا تو سوائے علماء وفقہا کے کوئی اس کا کھلا کھلا دشمن نہیں ہوگا (اور ان کی دشمنی اس لئے ہوگی کہ) ان کی عوام پر سرداری اور حکومت باقی نہیں رہے گی۔

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ ظاہر ہوئے تو اس پیشگوئی کے عین مطابق آپؑ کو فرمانا پڑا

"اے نفسانی مولویو! اور خشک زاہدو! تم پر افسوس کہ تم آسمانی دروازوں کا کھلنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہو کہ ہمیشہ بند ہی رہیں اور تم پیر مغاں بنے رہو" (ازالہ اوہام حصہ اوّل صفحہ ۵)

ایک آیت میں یہود کے بارہ میں آتا ہے کہ **اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّن دُوْنِ اللّٰهِ** ۔یعنی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔ جس کی تشریح آنحضورؐ سے یہ مروی ہے کہ جس غلط بات کو وہ درست کہتے تھے یہ بھی درست کہنے لگتے تھے اور جس صحیح بات کو وہ غلط کہتے تھے یہ بھی غلط کہنے لگتے تھے۔ یعنی ان کی اندھی تقلید کرنے کو انہیں **اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** بنانے سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے متعلق آنحضورؐ نے یہ خبر دی تھی کہ وہ بالکل یہود کے مشابہ ہوجائیں گے اور ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ اس لئے اس آیت کے مطابق دوسرا سبب ان کے انکارِ موعود کا اپنے علماء ومشائخ کی اندھی تقلید ہوگی۔

تیسرا سبب قربانی سے دریغ اور کسل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ مسیح آئے گا تو کفار کو قتل کردے گا اور انہیں بیٹھے بٹھائے بغیر کچھ کئے کفار پر غلبہ مل جائے گا۔ لیکن جب اس کی بجائے ایسا مسیح آگیا جس نے ان سے قربانیوں کا مطالبہ کیا تو انہوں نے اس کا انکار کردیا مگر منہ سے یہ نہیں کہا کہ وہ قربانیوں سے ڈرتے ہیں بلکہ اور اور بہانے بنائے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ مسیح نے تو آسمان سے آنا تھا یہ زمین سے کھڑا ہونے والا مسیح کیسے ہوگیا۔ یا یہ کہہ دیا کہ اس کے والد کا نام تو عبد اللہ ہونا تھا اور اس نے تو آنحضورﷺ کی قبر میں دفن ہونا تھا حالانکہ یہ سب استعارے تھے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ میں یہ بھی بتایا کہ خدا ان کے ان ارادوں کو بھی جانتا ہے جو اس کے موعود کے بارہ میں وہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ(۳۵)

سو انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے

اس خدا کی طرف سے جس کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔ رحمت للعالمینﷺ کے ذریعہ

مجسم رحمت کتاب قرآن کریم کی زبان میں عذاب کی وعید پہنچائی جا رہی ہے اور اس کے لئے لفظ بشارت کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس طرح بتایا ہے کہ جسے خدا ئے رحمٰن نے رحمت للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کو پھیلانے کے لئے اور قرآن کی تعلیم ان تک پہنچانے کے لئے بھیجا ہے اس کے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ یہ لوگ اس کی اتباع کر کے خداتعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں سے حصّہ پائیں لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر ان کو عذابِ الیم کی بشارت ہو۔ یعنی جس طرح ایک بیمار کے فائدہ کے لئے طبیب کو اس کے جسم کی چیڑ پھاڑ کرنا پڑتی ہے اسی طرح انہیں دردناک عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا تا کہ اگر وہ پیار کی زبان نہیں سمجھتے تو یہ سختی کی زبان ہی سمجھ لیں اور اُخرَوی زندگی کے جو دائمی ہے عذاب سے بچ جائیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے مہدی موعودؑ کے آنے کے بعد سے مسلمان کس طرح کبھی طاعون اور کبھی زلازل اور کبھی جنگوں اور کبھی خانہ جنگیوں وغیرہ کے دردناک عذابوں میں مبتلا کئے جارہے ہیں۔ تا کسی طرح ہوش کے ناخن لیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ وہ ان مصائب کے ظاہری اسباب کی تلاش اور ان کے ازالہ کی طرف تو متوجہ ہوتے ہیں لیکن اصل سبب اور اس کے علاج کی طرف ان کی چنداں توجہ نہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۳۴)

سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجا لائے کہ ان کے لئے غیر منقطع اجر ہے۔

اس میں نبی موعودؑ کے ماننے والوں کو جہاں بشارت دی وہاں یہ بھی سمجھایا کہ صرف منہ کا ایمان کافی نہیں ہوگا اس کے ساتھ نیک اور مناسبِ حال اعمال کا بجا لانا بھی ضروری ہوگا۔ ہاں اگر اس شرط کو انہوں نے پورا کیا تو پھر انہیں اس دنیا میں بھی اجر ملے گا اور مرنے کے بعد بھی اس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ چنانچہ اس نبی نے آکر خود بھی اس بات پر بار بار زور دیا کہ صرف بیعت کر لینا کسی کام نہ آئے گا جب تک کہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا نہیں کی جاتی اور مناسبِ حال اعمال بجا لائے نہیں جاتے۔ مشتے از خروارے کے طور پر صرف ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

”یہ مت خیال کرو کہ صرف بیعت کر لینے سے ہی خدا راضی ہوجاتا

ہے۔ یہ تو صرف پوست ہے۔ مغز تو اس کے اندر ہے..... پس نرے دعویٰ پر ہرگز کفایت نہ کرو اور خوش نہ ہوجاؤ وہ ہرگز ہرگز فائدہ رساں چیز نہیں۔ جب تک انسان اپنے آپ پر بہت سی مَوتیں وارد نہ کرے اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے وہ انسانیت کے اصل مقصد کو نہیں پاسکتا۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۴۱۶)

===============

سورۃ البروج میں ذکر المہدیؑ

سورۃ الانشقاق کے بعد سورۃ البروج آتی ہے۔ اس میں خداتعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ(۲) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ(۳) وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ (۴) قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ (۵) النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ (۶) اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ (۷)

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور موعود دن کی اور شاہد اور مشہود کی کہ خندقوں والے ہلاک ہوگئے یعنی سلگتے ہوئے ایندھن والی آگ (والے) جب وہ اس پر (دھرنا مار کر) بیٹھ رہتے تھے۔

پچھلی سورۃ کے آخر میں ان لوگوں کے لئے جو نبی موعود کے بارہ میں بد ارادے دلوں میں چھپائے ہوئے ہوں گے عذابِ الیم کی بشارت دی گئی تھی اس کے بعد یہ آیت لا کر سمجھایا کہ اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انبیاء کے دشمنوں کے اور بالخصوص سلسلہ کے پہلے اور آخری نبی کے دشمنوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی معاملہ ہوتا رہا ہے۔

بروج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کواکب مراد لئے اور قرآن نے بھی کواکب ہی مراد لئے ہیں۔

کوکب ایسے ستارے کو کہتے ہیں جو فی ذاتہٖ روشن ہو۔ چونکہ **اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد** کے اس انجام سے جو جواب قسم میں بیان ہوا ہے ظاہری کواکب کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہاں بروج یعنی کواکب کا لفظ مجازی معنٰی میں استعمال ہوا ہے اور مراد اس سے انبیا ہیں۔ پس اس جگہ بروج یعنی کواکب والے آسمان کی یوم موعود کی اور شاہد اور مشہود کی قسم کھا

کر اور جوابِ قسم میں **قُتِلَ اَصۡحَابُ الۡاُخۡدُوۡدِ** فرما کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ آسمان روحانیت کے کواکب یعنی انبیاء میں سے جب بھی کوئی نبی دنیا میں آتا ہے تو اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ اور مخالفت دو طرح کی ہوتی ہے۔ کچھ تو مخفی جیسے کوئی خندق میں بیٹھ کر دوسرے پر وار کرے اور کچھ ظاہر جیسے کوئی جنگ کی یا دوسری آگ بھڑکا کر اپنے حریف کو اس میں پڑنے پر مجبور کردے۔ مگر نہ تو نبی کے مخالف فوراً پکڑے جاتے ہیں اور نہ اس کے ماننے والوں کو فورًا ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے بلکہ ان باتوں کے لئے ایک خاص وقت مقرّر کیا جاتا ہے ہاں اس یوم موعود کے آنے پر کافروں کو ہلاک کرکے ان میں اور مومنوں میں ضرور فرق کردیا جاتا ہے اور یہ معاملہ ہر صاحبِ شریعت نبی کے عہد میں کھلے کھلے طور پر دو دفعہ پیش آتا ہے۔ ایک دفعہ اس کے عہدِ نبوّت کے ابتدائی زمانہ میں جو اس کا اپنا حینِ حیات یا اس کے قریب کا زمانہ ہوتا ہے اور دوسری دفعہ اس کے عہد کے آخری حصّہ میں جب ایک ایسا نبی مبعوث ہوتا ہے جس کا اس صاحبِ شریعت نبی کے ساتھ شاہد اور مشہود کا تعلق ہوتا ہے یعنی ایک اعتبار سے ان میں سے دوسرا مشہود اور پہلا شاہد ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے ان میں سے دوسرا شاہد اور پہلا مشہود ہوتا ہے۔ پس ان آیات میں بتایا گیا کہ چونکہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے ضرور ہے کہ حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسا ہو۔ یعنی پہلے آپؐ کے حینِ حیات کے کافروں سے ایسا ہی سلوک ہو پھر آپؐ کے عہد کے آخرین میں ایک نبی مبعوث ہو اور اس کے مخالفین سے بھی ایسا ہی سلوک ہو۔ چنانچہ سورۃ ہود کی آیت ۱۸ (**یَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰۤى**) میں بتایا گیا کہ آنحضرتؐ کے بعد بھی ایک نبی آئے گا جس کی سچائی پر آپؐ شاہد ہوں گے اور جو اپنے وجود میں آپؐ کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا اور آپؐ کی صداقت کا شاہد ہوگا۔ چنانچہ جس طرح آنے والے نبی کے شاہد ہونے کا ذکر سورۃ ہود کی محولہ بالا آیت میں کیا گیا ہے اسی طرح آنحضرتؐ کے شاہد ہونے کا واضح ذکر آیت **اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا** (الفتح ۹:۴۸) میں کیا گیا ہے۔

چونکہ مہدی موعود حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے شاہد بن کر آئے ہیں اور آپؐ کے مشہود بھی ہیں یعنی آنحضورؐ نے بھی آپؑ کی صداقت پر گواہی دی ہے اس لئے ضرور تھا کہ جس طرح آنحضورؐ کے کھلے اور مخفی دونوں قسم کے دشمن ہلاک ہوئے مہدی موعودؑ کے دونوں

قسم کے دشمن بھی ہلاک ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دوسری جگہ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** بھی آیا ہے اس لئے شاہد سے خداتعالیٰ اور مشہود سے نبی موعود یا اس کے برعکس صورت بھی مراد ہوسکتی ہے۔ اس اعتبار سے اس میں بتایا کہ جس طرح وہ نبی آکر خداتعالیٰ کی ہستی اور صفاتِ حسنہ پر ایک زندہ گواہ ہوگا اسی طرح خداتعالیٰ بھی اس کی صداقت پر گواہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے عین مطابق اس پیشگوئی کے موعود حضرت احمدِ قادیانیؑ کو خداتعالیٰ نے الہاماً فرمایا ''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا مگر خدا اسے قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا'' اور اس کے بعد طاعون۔اور زلازل اور جنگوں اور آپؑ کے مقابل پر آنے والے دشمنوں کی ہلاکتوں کے ذریعہ اور آپؑ کو دی جانے والی اخبارِ غیبیہ کو پورا کرنے کے ذریعہ اس نے بار بار آپؑ کی سچائی کو ظاہر فرمایا:-

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (۸)

اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کرتے ہیں اس پر وہ خود گواہ ہوتے ہیں۔

مطلب یہ کہ:-

نمبر۱ وہ مومنوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ زیادتی کر رہے ہیں۔

نمبر۲ وہ مومنوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے پھرتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا ہے۔

نمبر۳ وہ مومنوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں (اور کریں گے) اور اس کا نتیجہ بچشم خود دیکھ لیں گے۔

یفعلون مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل کے لئے آتا ہے پس اس میں اشارہ کیا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حینِ حیات کے دشمنوں کا بھی یہ وطیرہ ہے اور آنے والے شاہد کے دشمنوں کا بھی یہی وطیرہ ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو شاہدِ موعود حضرت مہدی علیہ السلام کے آنے پر آپؑ اور آپؑ کی جماعت پر یہ الزام لگایا گیا کہ یہ لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو **خَاتَمُ النَّبِيِّيْن** نہیں مانتے۔ یا یہ الزام لگایا گیا کہ یہ لوگ جب **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کہتے ہیں تو ان کے دل میں مرزا غلام احمد ہوتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ دونوں

الزام سراسر من گھڑت اوربکواس محض ہیں۔ اسی طرح وہ احمدیوں پر زیادتیاں کرتے ہیں اور پھر لوگوں کے سامنے فخر سے ان کا ذکر کرتے ہیں جیسے بھٹونے احمدیوں کو اسمبلی سے Not Muslim for the purpose of law قرار دلوایا اور پھر بار بار ہر جگہ یہ کہتا پھرتا رہا کہ میں نے (احمدیوں کا) نوّے سالہ مسئلہ حل کردیا ہے۔ مگر یہ مسئلہ ایسا حل ہؤا کہ بھٹو صاحب تو تختہ دار پر لٹکائے گئے اور احمدی اس وقت سے اب تک کیا بلحاظ تعداد اور کیا بلحاظ وسائل اور کیا بلحاظ ساکھ کے پہلے سے کئی گناہ ترقی پا چکے ہیں۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ(۹) الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (۱۰)

اور انہوں نے مومنوں کے ساتھ سوائے اس کے کسی وجہ سے دشمنی نہیں کی کہ وہ عزیزو حمیداللہ پر ایمان لائے۔ جس کی (اور جس کے لئے) آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے مگر اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔

اوپر کی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ ہر سلسلہ کے دو نبیوں (شاہد اورمشہود) کے زمانہ میں یہ بات خصوصیت سے دیکھی جاتی ہے کہ ان کے متبعین کوصرف اس وجہ سے دکھ دئے جاتے ہیں کہ وہ عزیزوحمید خدا پر ایمان لائے اور اسی کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت والا جانا اور ایسا ہی زمانہ اسلام میں ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے سارے زمانہ اسلام میں صرف دو دور ایسے آئے ہیں کہ صرف اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ کوعزیز یعنی سب پر غالب اور حمید یعنی تمام تعریف کے لائق سمجھا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے ایسا سمجھنے والوں کو مصائب اور جبروتشدّد کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ ایک حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حینِ حیات میں اور ایک مہدی موعودؑ کے آنے پر۔ اُس پہلے دور میں بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے اور اس پر ایمان رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنایا جاتا تھا اور اس دوسرے دور یعنی حضرت مہدی موعودؑ کے دور میں بھی آپؑ کو ماننے والوں میں سے بہت ساروں پر صرف اسی وجہ سے مظالم ڈھائے گئے اور ڈھائے جارہے ہیں۔ مگر جس طرح اس پہلے دور میں ثابت ہو گیا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی یعنی دین اور دنیا کی بادشاہت اللہ ہی کی

ہے یعنی دینی لحاظ سے بھی مسلمان غالب آ گئے تھے اور دنیوی بادشاہتیں بھی ان کے قبضہ میں آ گئیں تھیں اسی طرح اس دوسرے دور میں بھی ہوگا۔ زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدائی تقدیریں ٹل نہیں سکتیں۔

بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے اقتدار کے نشہ میں مومنوں سے یہ چاہنے لگتے ہیں کہ وہ (باوجود کراہت کے) ایسے عقائد رکھنے کا اظہار کردیں جو وہ لوگ ان کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ اور جن باتوں کو وہ جزو ایمان سمجھ کر ان پر عمل کررہے ہوتے ہیں ان پر عمل چھوڑ دیں۔ لیکن مومن چونکہ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عزیز ہے ہر شخص پر خواہ وہ کیسا ہی صاحبِ اقتدار ہو غالب ہے اس لئے وہ اس کے حکم کے خلاف ان لوگوں کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ اور چونکہ وہ یہ ایمان بھی رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حمید یعنی حمد کے لائق ہے اس لئے جو احکام بجا لانے کا اس نے ان کو حکم دیا ہے وہ یقیناً ان کے لئے مفید ہوں گے اس لئے وہ ان احکام پر عمل ترک کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔ پھر اس کی یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ ان کو یہ ایمان بھی حاصل ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا تعالیٰ کی ہے۔ اسی کے لئے ہے اور اسی کے اختیار میں ہے۔ آج نہیں تو کل وہ صاحبِ اقتدار لوگوں کے (جو اپنے آپ کو ناحق مالک الملک سمجھے بیٹھے ہیں) ہاتھ سے اقتدار چھین کر مومنوں کو دے دیگا اور آسمانی اور زمینی یعنی دینی ودنیوی دونوں بادشاہتیں ان کے ہاتھ میں ہوں گی کیونکہ اللہ ان صاحبِ اقتدار لوگوں کے بد اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے اور مومنوں کے نیک اعمال کا مشاہدہ بھی کر رہا ہے۔ مگر مومنوں کی یہی روش ان لوگوں کو غصّہ دلاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ایک صاحبِ اقتدار نے مخالفت کی تو اسی وجہ سے کہ خدا نے اسے بادشاہت دی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی فرعون نے مخالفت کی تو بادشاہت کے نشہ میں۔ آنحضرت ﷺ اور حضورؐ کے ماننے والوں کی ابوجہل اور ابو لہب وغیرہ نے مخالفت کی تو طاقت ہی کے زعم میں۔ اور ان آیات میں یہ اشارہ کیا گیا کہ آئندہ آنے والے نبی کے (جس کو آنحضورؐ سے شاہد اور مشہود کی نسبت ہوگی یعنی مہدی موعودؑ کے) وقت میں بھی کچھ صاحبِ اقتدار لوگ اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر اس کی یا اس کے ماننے والوں کی مخالفت کرینگے جو انہی وجوہ کی بناء پر ہوگی۔ چنانچہ بھٹو اور ضیاء الحق نے احمدیوں سے جو کچھ کیا وہ طاقت کے نشہ میں اور انہی وجوہ کی بناپر کیا۔ اس کے بعد ہے:-

اِنَّ الَّـذِیۡـنَ فَتَـنُـوا الۡـمُـؤۡمِـنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ (۱۱)

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو مبتلائے عذاب کیا اور پھر (باوجود مہلت پانے کے) توبہ بھی نہیں کی تو ان کے لئے (آخرت میں) جہنّم کا عذاب ہے اور ان کے لئے (دنیا میں بھی) جلتے رہنے کا عذاب ہے۔

اگرچہ صرف کفر کرنے کی سزا آخرت میں ملتی ہے لیکن مخالفتِ انبیاء کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے بالخصوص ائمۃالکفر کو تا کہ دوسرں کو عبرت حاصل ہو۔ آنحضرتﷺ کے حینِ حیات میں ائمۃالکفر نے دیکھا کہ انہوں نے اشاعتِ اسلام کوروکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر اسلام پھیلتا ہی گیا اور یہ بات ان کے لئے عذابُ الحریق سے کم نہ تھی۔ جنگوں میں جو ہزیمیت ان کو اٹھانا پڑی۔ اسی طرح شاہ حبشہ کے دربار میں جو نامرادی ان کے حصّہ میں آئی یہ سب باتیں ان کے لئے عذاب الحریق ہی تو تھیں۔ اور چونکہ ان آیات میں یہ اشارہ تھا کہ شاہد اور مشہود دونوں کے وقت میں ان کے دشمنوں سے ایسے معاملات ہوتے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ مہدی موعودؑ کے وقت میں بھی جس کو آنحضرتؐ کے ساتھ شاہد اور مشہود کی نسبت تھی ایسا ہی ہوتا۔ چنانچہ عملاً بھی ایسا ہی ہؤا۔ آپؑ کے حینِ حیات میں دشمنوں کی تمام تر مخالفانہ کوششوں کے باوجود آپؑ کو خدا نے ترقّی پر ترقّی دی۔ آپؑ کے دشمن ہلاک ہوئے۔ آپؑ کے غلاموں پر ان گنت فضل ہوئے۔ آپؑ کے خلفاء کے زمانہ میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے زمانہ میں احرار کا انجام، خلیفہ ثالث کے زمانہ میں بھٹوکا انجام اور خلیفہ رابع کے زمانہ میں ضیاء الحق کا انجام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

مسٹر بھٹو نے احمدیوں کو **Not Muslim for the purpose of law** تو قرار دلوا دیا لیکن پھر اس کے ساتھ کیا ہؤا۔ حضرت مہدی موعودؑ کے ایک غلام حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری نے اس راقم الحروف کو بتایا کہ ان کو الہام ہؤا ہے۔ ''بھٹو بھٹی میں''۔ اس الہام کو خدا تعالیٰ نے ایسی شہرت دی کہ میں جس شہر میں جاتا وہاں اس الہام کا تذکرہ سنتا۔ اس کے بعد بھٹو نہ صرف کرسی اقتدار سے اتارا گیا بلکہ جیل میں ڈالا گیا اور پھر جیل کی کال

کوٹھری میں منتقل کیا گیا جو اس کے لئے بھٹی سے کم نہ تھی اور ایک عرصہ تک اس میں پڑا رہنے کے بعد (بھی اس نے توبہ نہ کی تو) تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ **فَاعْتَبِرُوا یٰٓا اُولِی الْاَبْصَارِ**۔ اسی طرح ضیاء الحق کو حضرت امام جماعتِ احمدیہ رابع نے بار بار اپنی روش بد سے رجوع کرنے کی طرف توجہ دلائی مگر وہ باز نہ آیا تو بالآخر ہوائی حادثہ میں جل کر مرا یہاں تک کہ اس کے جبڑے کے علاوہ کچھ بھی نہ بچا۔ اور مرنے سے پہلے اس نے دیکھ لیا کہ خلافت احمدیہ کے مٹانے اور جماعت احمدیہ کی ترقّی کو روکنے کیلئے جتنی بھی کوششیں اس نے کی تھیں سب کی سب ناکام ہوگئیں اور اس طرح وہ جل جل کے جیا اور جل کر ہی مرا۔ اور ''**وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ**'' کی وعید ظاہری لحاظ سے بھی پوری ہوئی۔ کیونکہ اس ظالم نے احمدیوں کو نہ صرف تنگ کیا، بلکہ اذانیں بند کیں۔ کلمہ طیبہ مٹایا۔ خلیفۂ وقت کو ہلاک کرنیکی منظّم شازش کی اور حضرت مسیح موعودؑ کے الہام **ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی. فَلْیَدْعُ رَبَّهٗ** کے مطابق فرعونِ وقت ثابت ہوُا۔

===============

سورۃ الطارق میں ذکرالمھدیؑ

سورۃ البروج کے بعد سورۃ الطارق آتی ہے۔ اس کے شروع میں ہے:-

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (۲) وَمَآ اَدْرٰكَ مَاالطَّارِقُ (۳)
اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ (۴) اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (۵)

لفظ طارق کے کئی معنے ہیں ۔ نمبر ا: کوکب الصبح۔ نمبر۲: رات کو آنے والا۔ (پہلے معنٰی کو ساتھ ملا لیں تو رات کے آخری حصّہ میں آنے والا)۔ نمبر۳: مارنے پیٹنے والا (**اَلْمِطْرَقَةُ** اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ رُوئی دھنکی جاتی ہے۔ نیز ہتھوڑے کو) ۔ نمبر۴: کھٹکھٹانے والا۔ کیونکہ **طَرَقَ الْبَابَ** کہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نمبر ۵: بڑا آدمی یا سردارِ قوم ۔ اور نمبر ٦: نجومی جو کنکر مار کر نتائج اخذ کرے۔

النجم الثاقب کے معنے ہیں تیز روشنی والا ستارہ جو تاریکی کو چھید دے۔

یہاں پہلے طارق کی قسم کھائی ہے اور پھر اسے النجمّ الثاقب قرار دیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں النجم الثاقب ہی کی قسم نہیں کھالی گئی؟ تو جاننا چاہیے کہ جیسا کہ اگلی سطور سے واضح

ہوجائے گا جو صورت اختیار کی گئی ہے اس سے جہاں طارق کے ایک معنٰی مِنہا ہوگئے ہیں وہاں دوسرے معانی میں بہت وسعت بھی پیدا ہوگئی ہے۔

طارق کی قسم کھا کر اور اسے النجم الثاقب قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہاں طارق کے معانی میں سے نجم والے معنٰی مراد ہیں یا بڑے آدمی یا سردار والے معنٰی (کیونکہ ان کو بھی نجم کہتے ہیں) نجومی والے معنٰی مراد نہیں۔ جیسا کہ آگے وضاحت آئے گی یہاں الطَّارِق سے نبی وقت مہدی موعودؑ مراد ہے اور نبیوں کو لوگ کاہن یا نجومی بھی کہا کرتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے طارق کے نجومی والے معنوں کی نفی فرما دی۔تا اشارہ ہو کہ مہدی موعودؑ پر نجومی ہونے کا الزام لگایا جائے گا مگر وہ درست نہیں ہوگا۔

سورۃ البروج میں آخری روحانی نظام کو جو خدا کی طرف سے قائم کیا گیا السَّمَآء قرار دیا گیا تھا اور آخر سورۃ میں بتایا گیا تھا کہ قرآن (جس پر یہ آسمان مبنی ہے) لوحِ محفوظ میں ہے لہٰذا اس کے بعد آنے والی اس سورۃ کے شروع میں جو **وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ** فرمایا گیا تو اس میں بھی **اَلسَّمَآء** سے وہی آسمان مراد ہے جس کا وہاں ذکر تھا یعنی قرآن پر مبنی آخری شرعی نظام۔ اس آسمان کے آفتاب حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت زندہ، سلامت موجود تھے اس لئے اس آیت میں جو الطارق یعنی صبح کے ستارہ کی قسم کھائی گئی تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے آئندہ آنے والے کسی وجود کی پیشگوئی مقصود ہے اور اسی آنے والے کی قسم کھائی گئی ہے۔

پس **السَّمَآء** اور **الطَّارق** کی قسم کھا کر اور طارق کو النجم الثاقب قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جب عالمِ اسلام پر ایک رات چھا جائے گی تو اس رات کے آخری حصّہ میں ایک ستارہ ظاہر ہوگا۔ مگر وہ عام معنٰی میں ستارہ نہیں ہوگا بلکہ ایک ایسا بڑا آدمی اور سردارِ اُمّت ہوگا جو اُس معصیت و مصائب کی رات میں نجوم کی طرح لوگوں کے لئے رہنما ہوگا اور بوجہ صبح کا ستارہ ہونے کے یہ نوید لائے گا کہ اب پھر سے آسمانِ روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روشنی دنیا کو منوّر کرنے والی ہے۔ اور اگرچہ اِس آفتاب کے مقابل پر اس کی حیثیت ایک نجم کی ہوگی مگر وہ خود بھی ظلمات کو چھید دینے والا یعنی نبی اللہ ہوگا (کیونکہ پردہِ ظلمات کو سب سے زیادہ پھاڑنے والا وجود نبی ہی کا ہوتا ہے)۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مہدی موعودؑ سورۃ الفجر میں بیان ہونے والی دس راتوں کے یعنی تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں بلکہ

ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں خلعتِ ماموریت سے سرفراز کئے گئے۔ اور آپؑ نے آکر بابانگِ دہل یہ اعلان کیا کہ اب محمد رسول اللہ ﷺ کا بول بالا ہوگا۔ آپؑ کی آنحضورؐ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو سورج کے ساتھ ستاروں کی یا چاند کی ہوتی ہے مگر بہ ایں ہماں آپؑ نبی اللہ بھی تھے۔

چونکہ طارق کے ایک معنٰی مارنے پیٹنے والے کے بھی ہوتے ہیں اور سورۃ الصّٰفّٰت میں بتایا ہے قریب ترین (روحانی) آسمان کو کواکب کے ساتھ مزّین کیا جاتا ہے اور ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنایا جاتا ہے ....لیکن اگر کوئی خَطْفَةَ یعنی سیاق وسباق سے کٹی ہوئی بات کو اُچک لے یعنی اسے لے کر غلط فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کے پیچھے ایک شہابِ ثاقب لگ جاتا ہے۔ اس لئے یہاں جو طارق کو (جس کے معنے کوکب کے بھی ہیں) النجم الثَّاقِب قرار دیا گیا تو اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ وہ موعود ایسے وقت میں آئے گا جب شریر لوگ (مسلمانوں کی قرآن وحدیث سے ناواقفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اور قرآن کریم کی سیاق وسباق سے کٹی ہوئی باتیں پیش کرکے ان میں گمراہی پھیلائیں گے۔ اور اس آسمانی نظام کو نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ مگر وہ موعود تیزی کے ساتھ ان کا تعاقب کرکے ان کی سرکوبی کرے گا اور انہیں بھسم کردے گا۔ (یعنی سورۃ فتح کی آخری آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مطابق وہ آنحضورؐ کی معیت رکھنے والا اور اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار کا مصداق ہوگا)۔

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں تو شہابٌ ثاقب کے الفاظ ہیں یہاں النجم الثاقب کے الفاظ کیوں لائے گئے یعنی شہاب کی جگہ نجم کا لفظ کیوں رکھا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الشھب ایسے سفید رنگ کو کہتے ہیں جس میں کسی قدر سیاہی کی آمیزش ہوجبکہ نجم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ سورۃ الصّٰفّٰت کی محولہ بالا آیت میں چونکہ ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ جب بھی شیاطین اس جرم کے مرتکب ہوں تو ایک شعلہ یا ستارہ ان کے پیچھے لگ جاتا ہے اس لئے وہاں شہابِ ثاقب کے الفاظ رکھے تھے اور یہاں چونکہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب تاریکی نے انتہا کو پہنچ چکی ہونا تھا اور بنا بر ایں شیاطین کی کاروائیاں بھی حد سے بڑھ چکی ہونی تھیں اس لئے یہاں النجم الثاقب کے الفاظ رکھے ہیں تا اشارہ ہو کہ تقاضائے حکمت کے عین مطابق جب تاریکی نسبتاً کم ہو اس وقت اسے دور کرنے کے لئے کھڑے کئے جانے والے وجود نسبتاً کم درجہ

کے یعنی عام ولی یا مجدّد وغیرہ ہوتے ہیں جن کے دامن پر ذنوب کے قلیل داغ ہونا ممکن ہے مگر تاریکی کے انتہا کو پہنچ جانے کے وقت جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے کھڑا کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ نبی اللہ ہوتا ہے جو گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور جس کے آنے کی ان آیات میں پیشگوئی کی جارہی ہے وہ بھی نبی اللہ ہوگا۔ سبحان اللہ کیسا عجیب کلام ہے کہ اس میں چھوٹی سے چھوٹی بات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ایک اور لطیف بات بھی ان آیات میں بتائی گئی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے **طَرَقَ الْبَابَ** کے معنے دروازہ کھٹکھٹانے کے ہوتے ہیں۔ اس لئے طارق کے ایک معنٰی کھٹکھٹانے والے کے بھی ہیں۔ اور چونکہ یہاں اس کے ساتھ آسمان کا ذکر ہے اس جگہ اس کے معنٰی آسمان کا دروازہ کھٹکھٹانے والے کے بھی ہوسکتے ہیں۔ ان معنوں کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان آیات میں ہی یہ اشارہ موجود ہے کہ موعود طارق نبی اللہ ہوگا۔ اور آسمان کا یا بہ الفاظ دیگر خدا تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے والے سب سے بڑھ کر انبیاء ہی ہوتے ہیں۔ اور انبیاء خدا تعالیٰ کی طرف سے معلّم بنا کر بھیجے جاتے ہیں تا جو باتیں خدا تعالیٰ انہیں سکھائے وہ آگے دوسروں کو سکھائیں ۔ چنانچہ آنحضورؐ کے متعلق لکھا ہے **یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ**۔ وہ انہیں کتاب سکھاتا ہے اور وہ حکیمانہ طریقے سکھاتا ہے جن سے وہ کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں ۔ لہٰذا ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا کہ موعود طارق یعنی مہدی موعودؑ خود بھی ہر ضرورت کے وقت اور بار بار خدا کا دروازہ کھٹکھٹانے والا ہوگا اور اپنے متبعین کو بھی اس کی تعلیم دے گا اور اس کا طریق سکھائے گا۔ چنانچہ آپؑ نے ساری عمر مختلف طریق سے بار بار یہ تعلیم دی کہ ’’جو کچھ ہوگا دعا سے ہوگا۔‘‘ اور ساتھ ہی قبولیتِ دعا کے گُر بھی سکھائے۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ فرمایا کرتے تھے کہ ’’ہم نے تو پہلے ہی خدا تعالیٰ کو پہچانا تھا اور یہاں تک کہ خدا کے دروازہ کی کنڈی بھی کھٹکھٹائی تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ ....نے ہمیں ترکیب کھٹکھٹانے کی بتلا دی ہے ... کہ اس طرح کھٹکھٹاؤ گے تو کھولا جائے گا۔‘‘ (حضرت شہزادہ سید عبداللطیف شہید مرتبہ مولانا دوست محمد شاہد صفحہ ۹۸)

سورۃ الطارق کی زیرِ نظر آیات میں **السَّمَآءِ** اور الطارق کی قسم کھا کر جواب قسم میں یہ فرمایا ہے کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر محافظ (مقرّر) نہ ہو۔ یعنی ہر اس وجود پر کہ جس پر لفظِ نفس

کا اطلاق ہوتا ہے محافظ مقرر ہوتا ہے اور چونکہ لفظ نفس کا اطلاق سماء اور طارق پر بھی ہوتا ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ جس طرح **اَلسَّمَآء** یعنی **سَمَآءُ الدُّنیَا** یعنی قریب ترین روحانی آسمان یعنی آخری شرعی نظام کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح انتہائی تاریکی کے زمانہ میں اس آسمان کی خصوصی حفاظت کرنے والے وجود الطارق کی بھی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور چونکہ طارق صبح کے ستارے کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کی نوید لاتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ہر روحانی سلسلہ کے آفتاب یعنی پہلے نبی کی بدرجہ اَوْلیٰ حفاظت ہو۔ لہٰذا ان آیات سے اشارہ یہ نکلا کہ ہر نئے شرعی نظام کے پہلے اور آخری نبی کی ضرور حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ اگر پہلے نبی کی حفاظت نہ ہوتو وہ نظام قائم ہی نہ ہو اور اگر آخری نبی کی حفاظت نہ ہوتو وہ باغ دوبارہ سرسبز ہونے سے رہ جائے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

> ”اگرچہ قتل ہونا مومن کے لئے شہادت ہے لیکن عادت اللہ اسی طرح ہے کہ دو قسم کے مُرسَل من اللہ قتل نہیں ہوا کرتے ۔ ایک وہ نبی جو سلسلہ کے اوّل پر آتے ہیں جیسا کہ سلسلہ موسویہ میں حضرت موسیٰؑ اور سلسلہ محمدیہ میں ہمارے سید ومولیٰ آنحضرت ﷺ دوسرے وہ نبی اور مامور من اللہ جو سلسلہ کے آخر پر آتے ہیں جیسے سلسلہ موسویہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اور سلسلہ محمدیہ میں یہ عاجز۔“
>
> (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۹۔۷۰)

چنانچہ جس طرح آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے خداتعالیٰ نے قرآن میں یہ فرمایا کہ **وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** اسی طرح سورۃ الطارق کی اس آیت میں مذکور وعدہ کے مطابق حضرت مہدی موعودؑ کو بھی اس نے الہاماً یہ بشارت دی کہ **یَعْصِمُکَ اللّٰہُ**۔ اللہ تجھے (دشمنوں سے) بچائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یوں تو ہر زمانہ ہی میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو وحی کی ضرورت کے قائل نہیں ہوتے اور عقل ہی کو اپنی رہنمائی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن جس نبی کے آئندہ زمانہ میں آنے کی اوپر کی آیات میں پیشگوئی کی گئی اس کے زمانہ میں بنی نوع انسان کی اکثریت نے اس غلطی میں مبتلا ہونا تھا اس لئے یہ بتانے کو کہ روحانی ترقّیات تو الگ رہیں روحانی

پیدائش بھی نبی کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ یعنی اس منزل کی طرف پہلا قدم بھی اس کے بغیر نہیں اُٹھ سکتا۔ فرمایا:-

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (٦) خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (٧)
يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (٨)

سو انسان کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا۔ جو پیٹھ اور چھاتیوں کے درمیان میں سے (ہوکر) نکلتا ہے۔

خُلِقَ مِنْ فلانٍ محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ پس مطلب یہ ہوُا کہ اچھل کر اوپر اٹھنا یا آگے بڑھنا انسان کی فطرت میں ہے اس لئے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے اس طبعی تقاضےٰ کی تسکین کا سامان کیا ہو۔ لیکن جس طرح جسمانی پیدائش کے لئے انسانی تخم کو ایک خاص راستہ سے جو صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے گزرنا پڑتا ہے۔ جب تک وہ پانی (مَآءٍ دَافِقٍ) جس میں وہ تخم ہوتا ہے موجود نہ ہو یا وہ پانی تو موجود ہو مگر اس راستہ سے نہ گزرا ہو اس وقت تک انسان وجود میں نہیں آسکتا کیونکہ خدا نے اس کی پیدائش کے لئے یہی طریق وضع کیا ہے اسی طرح جب تک انسان کی اس روحانی پانی پر بنیاد نہ ہو جو خدا تعالیٰ نے اس کی روحانی پیدائش کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے اور پھر اس پانی کو اس راہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو جو خدا تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کی ہے اس وقت تک وہ روحانی وجود حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ روحانی پانی آسمانی شریعت ہے اور اس پانی سے استفادہ کی راہ مامورِ وقت کی اتباع کی راہ ہے۔ پس جو اس روحانی پانی کے بغیر یا اسے اس راہ سے حاصل کیے بغیر روحانی ترقّی کرنا چاہے وہ کبھی با مراد نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو یہ راہ اختیار کرے وہ جلدی جلدی ترقّیات حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی کی اتباع کرنے والوں نے قرب کے بڑے بڑے مراتب پائے ہیں جبکہ آپؑ سے دور رہنے والے خدا تعالیٰ کی جناب سے بہت دور کر دیئے گئے ہیں۔

يَخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ سے یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ انسان مرد کے صلب سے نکلتا اور ماں کی چھاتیوں سے پرورش پاتا ہے۔ چونکہ نبی بمنزلہ رجل کے اور اس

کے خلفاء اس کے لئے بمنزلہ زوج کے ہوتے ہیں اس آیت میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ روحانی سلسلہ کا آغاز نبی کے ذریعہ ہوتا ہے اوراس کی نشونما خلفاء کے ذریعہ ہوتی ہے اور آئندہ (یعنی مہدی موعودؑ کے وقت میں) بھی ایسا ہی ہوگا۔ لہٰذا اگر مہدی موعود علیہ السلام کی جماعت ترقّی کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ نظامِ خلافت کے ساتھ مخلصانہ وابستگی میں کبھی جھول نہ آنے دے۔

===============

سورۃ الاعلیٰ میں ذکر المہدیؑ

اس اعتراض کا جواب کہ آنحضرتؐ کے بعد نبی کا آنا آپؐ کیلئے موجب توہین ہوگا اور یہ اشارہ کہ موجب توہین نہیں موجب افتخار ہوگا

پچھلی سورۃ (الطارق) میں آئندہ زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ قرآن قولِ فصل ہے یعنی ایسا کلام ہے جو سب سے اعلیٰ اور فائق ہے اور جس کے بعد کسی اور کلام کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ہر کتاب جو خداتعالیٰ کی طرف سے نازل ہو اپنے زمانہ کے لئے ایسی ہی ہوتی ہے لیکن قرآن کریم کے بارہ میں **اِنَّـهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ** کے بعد **وَمَا هُوَ بِـالْهَـزْلِ** کے الفاظ بھی لائے گئے تھے۔ یعنی یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ (سابقہ الہامی کتب کے برعکس) یہ کتاب کبھی ناکارہ نہیں ہوگی اور ہر زمانہ کی ضرورت کو پورا کرتی رہے گی۔ بالفاظ دیگر اسے آخری الہامی کتاب قرار دیا گیا تھا مگر اسی بات کو بہانہ بنا کر نبی موعود کے زمانہ کے لوگوں نے (جو خداتعالیٰ کی نظر میں حاضر کی طرح تھے) اعتراض کرنا اور کہنا تھا کہ جس نبی پر آخری کتاب نازل ہوئی وہ آخری نبی ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کے بعد بھی کوئی نبی آئے گا اس کی توہین ہے اس لئے خدتعالیٰ نے اس سورۃ کو اس اعتراض کے جواب سے شروع کیا۔ فرمایا:۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (۲)

اس کے دو معنے ہیں نمبر۱ یہ کہ اے رسول اپنے رب کے اعلیٰ نام کی تسبیح کر اور نمبر۲ یہ کہ

اے رسول اپنے رب کے نام کی جو اعلیٰ ہے تسبیح کر۔ چونکہ جھوٹے نبی کو تو خدا تعالیٰ بمطابق آیت لَوْتَقَوَّلَ عَلَيْنَا (الحاقۃ ۶۹:۴۵) تباہ کردیا کرتا ہے اور سچا نبی اپنے آپ نہیں آسکتا خداتعالیٰ کے بھیجنے سے ہی آسکتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اور نبی کا آنا بھی خدا تعالیٰ ہی نے مقدّر کیا تھا اس لئے اس آیت کے پہلے معنوں کی رو سے اس میں یہ بتایا کہ جب نبی کا آنا خداتعالیٰ نے مقدّر کیا ہے تو یہ اعتراض اس کے آنے کا عقیدہ رکھنے والوں پر نہیں خود خدا پر پڑتا ہے مگر خدا ہر عیب سے پاک ہے اس لئے یہ اعتراض سراسر کم فہمی بلکہ کج فہمی ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ جب نبی موعود ظاہر ہؤا اور لوگوں نے اس کے دعویٰ پر یہی مذکورہ بالا اعتراض کیا تو اس نے اپنے معترضین کو یہی جواب دیا کہ ؎

ماامورم و مراچہ درایں کار اختیار
رَو ایں سُخُن بگو بہ خداوندِ آمرم

میں مامور ہوں میرا اس معاملہ میں کیا اختیار ہے جاؤ یہ بات میرے خدا سے کہو جس نے مجھے مامور کیا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی کے دوسرے معنوں کے اعتبار سے خداتعالیٰ نے اس آیت میں یہ اشارہ فرمایا کہ اے رسول ان معترضین کو کہہ کہ رب تو اصل میں میرا رب ہے اور پھر میرے ساتھ اس کا سلوک بھی صرف رب کا نہیں رَبِ اعلیٰ کا ہے یعنی ایک تو اس نے یہ ساری کائنات میرے ہی لئے پیدا کی ہے دوسرے وہ میری ربوبیت اس اعلیٰ درجہ کی فرمارہا ہے کہ کسی اور کی ربوبیت اس نے اس طرح کی نہیں کی اور نہ کوئی اور ربوبیت کرنے والا ایسی ربوبیت کرسکتا ہے لیکن اگر ایک طرف وہ میری ایسی عزت افزائی کرے کہ مجھے آخری کتاب دے اور دوسری طرف کوئی ایسا قدم اٹھائے جو میرے لئے موجب توہین ہو تو اس سے اس کی شان ربوبیت پر حرف آئے گا مگر وہ ہر عیب سے پاک ہے اس لئے اس کی طرف سے ایسا اقدام ممکن نہیں پس میرے بعد نبی کا آنا چونکہ خود اس نے مقدر فرمایا ہے اس لئے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کا آنا میری توہین کا باعث ہو۔ وہ تو لازمًا میرے لئے باعث افتخار ہی ہوگا۔

یہ بات چونکہ اسی صورت میں ممکن تھی جو ایک تو آنے والا نبی کوئی نئی شریعت لے کر آنے والے نہ ہو اور دوسرے باہر سے آنے والا نہ ہو بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں میں سے

ہو اس لئے اس آیت میں نہایت خوبصورت پیرایہ میں ایک تو یہ بتایا کہ آئندہ آنے والا نبی کوئی نئی کتاب لے کر نہیں آئے گا قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی اور دوسرے یہ بتایا کہ نہ تو وہ پہلے سے نبی ہوگا اور نہ محمد رسول اللہ ﷺ سے فیض حاصل کئے بغیر مقامِ نبوّت پائے گا بلکہ آپؐ کا غلام اور آپؐ ہی کی اتباع کی برکت سے یہ مقام پانے والا ہوگا چنانچہ اس نبی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرمایا کہ قرآن آخری کتاب ہے آپؑ اسی کی خدمت کے لئے مامور ہوئے ہیں۔ اور آپؑ نے جو کچھ پایا ہے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے پایا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:-

> ''میں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصّہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی راہوں کی پیروی نہ کرتا سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۷ تا ۶۸)

الغرض اس آیت میں خود حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان سے اس بات کا رد کرایا گیا کہ آپؐ کے بعد نبی کے آنے کا عقیدہ آپؐ کے لئے موجب توہین ہے اور اس طرح بتایا گیا کہ جب وہ رسول ﷺ جس کے لئے تم اس عقیدہ کو موجب توہین قرار دیتے ہو اسے موجب توہین نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں اس کی عِزّت افزائی ہے تو تم اسے موجب توہین قرار دینے والے کون ہو۔

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى** تو اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ اے رسول لوگوں کو بتا کہ نبی موعودؑ تیرے رب کا اسم اعلیٰ ہوگا اور جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہو یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے منصب کے لحاظ سے اس میں کوئی عیب ہو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ لوگوں کو اپنی صفات کا علم ہمیشہ اپنے نبیوں کے ذریعہ دیتا ہے اور اُنہی کے فیض سے وہ صفات الٰہیہ پر ایمان لاتے ہیں (جبھی کہا جاتا ہے کہ توحید کی ماں نبوّت ہے) اور اہل علم جانتے ہیں کہ جو کوئی کسی چیز کا بطور خاص سبب بنے بعض دفعہ اسے اس

چیز کا نام دے دیا جاتا ہے جیسے دوسرے بتوں کے توڑے جانے کا سبب بننے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ان میں سے بڑے بت کے بارہ میں فرمایا کہ **بَلْ فَعَلَهٗ** یعنی اسے ان کا توڑنے والا قرار دیا۔ لہٰذا آئندہ آنیوالے نبی مسیح موعودؑ کو جو خدا تعالیٰ نے اپنا اسم اعلیٰ (جو اَحَد ہے) قرار دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسکی صفت اَحَدِیَّت کا مظہر ہوگا اور اس کے منوانے کا ذریعہ یعنی اس کا مظہر بنے گا۔ مگر قیام توحید تو تمام نبیوں کی بعثت کا بنیادی مقصد ہوُا کرتا ہے اس لئے خاص طور پر جو مسیح موعودؑ کے بارہ میں یہ بات کہی گئی تو اسکا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ اسکے وقت میں شرک بہت زیادہ پھیل چکا ہوگا اور اسکے پھیلانے والے بھی بڑے طاقتور لوگ ہوں گے۔ اس لئے وہ اس کام کیلئے خدا کی طرف سے غیر معمولی قوّت دیا جائیگا۔ چنانچہ وہ آ کر اس شرک کو مٹائیگا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی توحید کو قائم کریگا اور یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کی صفت اَحَدِیَّت کو لوگوں سے وہی منوا سکتا ہے جس کے دل میں اس کیلئے بے پناہ جوش ہو اور ایسا جوش اسی کے دل میں ہوسکتا ہے جسے اس صفت سے ایسا پیار ہو جیسا خود خدا کو ہے اور جو صفات الٰہیہ کے بارہ میں ایسا ہو اسے خدا تعالیٰ اپنی ان صفات کا حامل قرار دے دیا کرتا ہے جیسا کہ اسکے آنخضورؐ کو نور اور ھادی اور رؤف و رحیم اور رحمۃ للعٰلمین وغیرہ قرار دینے سے سمجھا جا سکتا ہے پس خدا تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو اپنا اسمِ اعلیٰ (جو اَحَد ہے) قرار دیکر یہ اشارہ بھی فرمایا کہ اسے خدا تعالیٰ کی صفت اَحَدِیَّت ایسی پیاری ہوگی جیسی خود اسے پیاری ہے اور بنا برایں وہ خدا کے نزدیک بمنزلہ اسکی توحید و تفرید کے ہوگا۔

عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ اس قرآنی آیت کے نزول کے سینکڑوں سال بعد حضرت مہدیٔ موعودؑ کا ظہور ہوُا اور آپؑ کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے بعینہٖ یہی الفاظ فرمائے کہ **اَنْتَ اِسْمِیَ الْاَعْلٰی** تو میرا اسم اعلیٰ ہے اور پھر یہ فرمایا کہ **اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ** تو میرے لئے بمنزلہ میری توحید اور تفرید کے ہے اور اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ **اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ** تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

==============

ارسالِ رُسُل کے بارہ میں سنت اللہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت رسول ضرور آتا ہے نئی شریعت کی ضرورت ہوتو شریعت لے کر اور موجود شریعت کی یاد دہانی کی ضرورت ہوتو اسکی یاد دہانی کیلئے

دائمی قول فصل کے آنے بعد نبی کے آنے پر اعتراض کے مندرجہ بالا جواب کے بعد اگلی دو آیتوں میں کلامِ الٰہی اور انبیاء کے بارہ میں سنت اللہ کا ذکر کیا تا اشارہ ہو کہ خداتعالیٰ نے ہمیشہ ہی انسان کی استعداد اور ضرورت کے مطابق اس کے لئے ہدایت بھیجی ہے اس لئے ضرور تھا کہ آئندہ بھی یہی طریق جاری رہے فرمایا:- (اپنے اس رب کی تسبیح کر)

اَلَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی (۳) وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی (۴)

جس نے (انسان کو) پیدا کیا پھر اس کا تسویہ کیا اور جس نے اندازہ کیا (یا تعیین کی) پھر ہدایت دی۔

لفظ سَوّٰی کے معنٰی کسی چیز کو تقاضائے حکمت کے مطابق تکمیل تک پہنچانے کے ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ سوّٰی کو لفظ خلق کے بعد رکھا گیا ہے اس لئے اس سے اعضائے بدن کا مکمل کرنا مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ تخلیق میں شامل ہے بلکہ پروان چڑھاتے ہوئے اس مقام تک پہنچا دینا ہی مراد ہوسکتا ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنی تخلیق کا مقصد حاصل کرنے کے لائق ہوجائے۔ اور انسان کی پیدائش کا مقصد جو اس کے خالق نے مقرر کیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ وہ اس کا عبد بنے یعنی اس کی صفات کا نقش اپنے اندر لے اور اس کا قرب حاصل کرے) اور اس مقصد کا حصول بغیر سچی معرفت کے ممکن نہیں اور سچی معرفت بغیر الہام کے ممکن نہیں۔ اس لئے مقصدِ تخلیق پانے کے لئے انسان کے واسطے خدا کا الہام پانے کے لائق ہونا ضروری ہوُا اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ اَلَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی میں یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے درجہ بدرجہ ترقّی دیتے ہوئے اس مقام تک پہنچا دیا کہ وہ بحیثیت جنس اس کا الہام پانے کے لائق ہوگیا۔ دوسری جگہ اپنے قول فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ میں تسویہ کے بعد نفخ روح یعنی الہام کا ذکر فرما کر خداتعالیٰ نے اس

مضمون کو اور بھی کھول دیا ہے۔ لیکن صرف اپنی اس استعداد کے بل پر کوئی انسان اپنی پیدائش کے مقصد کو پا نہیں سکتا تھا بلکہ اس کے ساتھ اسے خداتعالیٰ کی رہنمائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اگلی آیت میں اس نے اسے ہدایت دینے کا ذکر فرمایا لیکن درمیان میں **قدّرَ** کا لفظ بھی رکھ دیا تا اشارہ ہو کہ ہدایت ہمیشہ بقدر تسویہ دی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان بقدر اپنے تسویہ یعنی بقدر اپنی الہام پانے کی استعداد کے ہی خدا کا قرب حاصل کرسکتا تھا اور کسی زمانہ میں جتنا قرب پانے کی استعداد اس میں تھی اُسی کے مطابق اسے ہدایت دی جانی چاہیے تھی لیکن ہر دوسرے روز نیا ہدایت نامہ بھیجنا بھی قرین حکمت نہیں تھا اس لئے جب تک اس کی یہ استعداد کامل نہ ہوجاتی یا یوں کہہ لیجے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خداتعالیٰ کا قرب پانے کے لائق نہ ہوجاتا اس وقت تک یہی ہوسکتا تھا کہ خداتعالیٰ اس کے لئے جو ہدایت نامہ بھیجے وہ محدود مُدّت تک کے لئے ہو لیکن اس محدود مدّت تک تمام ضروریات کو پوری کرنے والا ہو اور اس مدّت تک محفوظ بھی رہے۔ البتہ اگر لوگ اس پر عمل چھوڑ دیں یا اس کے احکام کی حقیقت کو بھلا دیں یعنی قِشر سے چمٹے رہیں لیکن مغز کو نظر انداز کردیں تو جس طرح اس نے اس ہدایت نامہ کے لئے نبی بھیجا تھا اس کے اِحیاء کے لئے بھی نبی بھیجے۔ لیکن جب وہ ہدایت نامہ انسان کی بڑھی ہوئی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ رہے تو اسے منسوخ کرکے اس کی جگہ نیا ہدایت نامہ نازل فرمادے۔ اس لئے جب ایک حد تک انسان کا تسویہ ہوگیا یعنی اس میں الہام الٰہی پانے کی استعداد پیدا ہوگئی تو چونکہ اس استعداد ہی کی نسبت سے وہ خدا کا قرب حاصل کرسکتا تھا اور جتنا قرب حاصل کرسکتا تھا اسی کے مطابق ہدایت اسے ملنی چاہیے تھی خداتعالیٰ نے جب بھی اس کے لئے ہدایت نامہ بھیجنے کا ارادہ کیا تو پہلے اس کے تسویہ کا بھی اندازہ کیا اور ہدایت کا بھی اندازہ کیا۔ یعنی ایک طرف یہ دیکھا کہ اس کا تسویہ کس درجہ کا ہے اور کب تک ایسی سطح پر قائم رہنے والا ہے کہ جو ہدایت نامہ اسے آج دیا جائے وہ اس مدّت تک کے لئے موزوں ومناسب ہو۔ اور دوسری طرف یہ دیکھا کہ اس درجہ کے تسویہ والے انسان کو کن باتوں پر مشتمل ہدایت نامہ کی ضرورت ہے اور اگر وہ اس مدّت کے اندر جس کے لئے اسے ہدایت نامہ دیا جا رہا ہے اس کی حقیقت کو بھلا دے تو اسے اس کی طرف واپس لانے کے لئے کیا تعلیم دی جانی چاہیے اور کس مجسم ہدایت وجود کے ذریعہ دی جانی چاہیے کیونکہ **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ** (الانعام ۶:۱۲۵) اللہ ہی بہتر

جانتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے۔ پس جب تک انسان کی الہام پانے کی استعداد ترقّی پذیر رہی خداتعالیٰ محدود مدّت کے لئے ہدایت نامے بھیجتا رہا اور جب اس مدّت کے اندر کہ جس کے لئے کوئی ہدایت نامہ بھیجا گیا لوگوں نے اس کی حقیقت کو بھلا دیا تو انہیں اس کی طرف واپس لانے کے لئے اس نے اپنا کوئی نبی بھیج دیا لیکن جب اس کی یہ استعداد کامل ہوگئی یعنی وہ خداتعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب پانے کے لائق ہوگیا تو اس نے اس کے لئے سب سے کامل اور ہمیشہ کار آمد رہنے والا ہدایت نامہ بھیج دیا۔ اور جب محدود مدّت تک کے لئے بھیجے جانے والے ہدایت ناموں کی یاد دہانی کے لئے بوجہ اس کے کہ اپنے اپنے زمانہ کے لئے وہ بھی کامل اور قولِ فَصل تھے اس نے نبی بھیجے تو ایسے قول فَصل کی یاد دہانی کے لئے جو ہمیشہ قولِ فصل رہنے والا تھا (اگر لوگ اسے بھلا دیں) نبی بھیجنا تو اور بھی ضروری تھا اس لئے قرآن کریم کے خاتم الکتب ہونے کی بنا پر اس کے زمانہ کے اندر جو قیامت تک ہے اور نبی کے آنے پر اعتراض نری جہالت ہے اور کچھ نہیں۔

اس حقیقت کو آیت **مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا** (البقرۃ ۲:۱۰۷) میں زیادہ کھول کر بیان کیا گیا ہے اِس میں **نَاْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا** کے الفاظ **مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ** کے مقابل پر اور **مِثْلِهَا** کے الفاظ **نُنْسِهَا** کے مقابل پر لائے گئے ہیں۔ **اٰيَة** سے شریعت مراد ہے جو مجموعہ آیات ہونے کی وجہ سے ایک عظیم آیت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے لفظ **اٰيَة** کو نکرہ لاکر اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ فرما کر کہ ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے مگر اس سے بہتر لے آتے ہیں یہ بتایا کہ خداتعالیٰ کسی شریعت کو اس وقت تک کہ اس سے بہتر کی ضرورت نہ پڑے یعنی اس وقت تک کہ وہ ضرورت زمانہ کو پوری کرنے کے ناقابل نہ ہوجائے منسوخ نہیں کرتا اسی وقت منسوخ کرتا ہے جب وہ ضرورت پوری نہ کر سکے۔ اسی طرح جب وہ کسی آیت یعنی شریعت کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مثل لے آتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کو دوبارہ لے آتا ہے تا ایک تو یہ اشارہ ہوکہ جس مدّت تک کے لئے کوئی شریعت بھیجی جاتی ہے اس مدّت تک اس کے الفاظ کی حفاظت کی جاتی ہے اس لئے اسی کو دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ اشارہ ہوکہ اس مدّت کے اندر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ لوگ اس کے قشر سے تو چمٹے رہتے ہیں مگر اس کے مغز سے دور جا پڑتے ہیں۔ ظاہر میں تو اس پر

عمل کر رہے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں عمل نہیں کر رہے ہوتے بلکہ اس کے خلاف چل رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی مثل ہو بعینہٖ وہی نہ ہو۔ یعنی ایسی تعلیم کی جو ظاہر میں اس شریعت کی تعلیم سے مختلف نظر آئے لیکن دراصل مختلف نہ ہو بلکہ اسی مقصد کو پورا کرنے والی ہو جس کو وہ شریعت پورا کرتی تھی یعنی وہ اس چیز کے خلاف ہو جسے اس وقت کے لوگ نادانی سے شریعت حقّہ کا نام دے رہے ہوتے ہیں لیکن اصل شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کی دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک کی تعلیم سے حضرت مسیح ؑ کی ایک گال پر تھپڑ پڑنے کی صورت میں دوسرا گال آگے کر دینے کی تعلیم بظاہر مختلف تھی لیکن درحقیقت مختلف نہیں تھی۔ کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنی طبائع کو اعتدال پر لانا اس لئے حضرت مسیح ؑ نے فرمایا کہ میں نوشتوں کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ اسی طرح زمانہ اسلام میں جب مسلمانوں نے جہاد بِالسَّیف کا غلط مفہوم لینا شروع کیا تو خداتعالیٰ نے مہدی مسعود حضرت مسیح موعودؑ کو بھیج کر اس کے التواء کی اور اس کی بجائے جہاد بالقلم کی تعلیم دی جو بظاہر پہلی تعلیم کے مخالف تھی لیکن درحقیقت مخالف نہیں تھی۔ کیونکہ غرض دونوں سے یہ تھی کہ لوگوں کو خود سوچ سمجھ کر اپنی مرضی سے جو دین وہ چاہیں اختیار کرنے کا موقع دیا جائے۔

زیرِ نظر آیتوں کے بعد ہے:-

وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی (۵) فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحۡوٰی (۶)

اور جس نے چارہ نکالا پھر اسے سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔

مرعٰی کے معنٰی جانوروں کے چارہ یا چراہ گاہ کے ہوتے ہیں۔ اوپر ذکر ہدایت (نامہ) کا ہؤا تھا جس کا تعلق بہرحال انسان سے ہے اس کے معاً بعد چارہ کا (جس کا تعلق جانورں سے ہے اور جو ایک خوراک ہے) ذکر کیوں آگیا؟ بات یہ ہے کہ اس سورۃ میں پچھلی سورۃ پر پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب دیا جارہا ہے۔ اُس سورۃ میں قرآن کے بارہ میں **اِنَّـہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ وَ مَا ھُوَ بِالۡھَزۡلِ** فرمانے کے بعد یہ فرمایا گیا تھا کہ **اِنَّھُمۡ یَکِیۡدُوۡنَ کَیۡدًاوَّ اَ کِیۡدُ کَیۡدًا فَمَھِّلِ الۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡھِلۡھُمۡ رُوَیۡدًا** یعنی کافروں کی مخالفانہ تدابیر کا ذکر کرکے یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ انہیں کچھ مدّت تک اپنی کاروائیاں کرنے کی مہلت دی جائے گی لیکن انہیں مہلت دینے کا مطلب چونکہ بظاہر یہ تھا کہ قول فصل کی اشاعت میں روک پڑے اس لئے سوال پیدا ہوتا

تھا کہ انہیں مہلت دینے کا فیصلہ کیوں کیا گیا؟ ان آیات میں خداتعالیٰ نے اس کا جواب دیااور بتایا کہ آسمانی ھدایت نامہ بھی مومنوں کے لئے بمنزلہ روحانی غذا کے ہوتا ہے۔ لیکن خداتعالیٰ چونکہ جانوروں کا بھی رب ہے اس لئے جب وہ مومنوں کے لئے ہدایت نامہ بھیجتا ہے تو کفّار **کَالْاَنْعَام** کیلئے بھی ایک قسم کا چارہ نکالتاہے یعنی مخالفتوں اور جھوٹے اعتراضات اور تکذیب کا موقع پیدا کردیتا ہے۔ (**دَلَّ عَلَیْہِ قَوْلُہٗ تعالیٰ. وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ۔ الواقعة ۵۶:۸۳**) مگر اس لئے نہیں کہ اس سے نبی وقت کو یا اس ہدایت نامہ کو جو وہ لے کر آتا ہے کوئی نقصان پہنچے بلکہ اس لئے کہ جس طرح چارہ جب گل سڑ جاتا ہے تو کھاد بن جاتا ہے اس طرح وہ مخالفتیں بے نتیجہ رہ کر اور وہ اعتراضات جھوٹے ثابت ہو کر نبی کے سلسلہ کے لئے کھاد کا کام دیں یعنی اس کی ترقّی کا موجب ہوں۔

===============

آنحضرتؐ اور نبی موعودؑ کے مخالفین کے بارہ میں یہ زبردست پیشگوئی کہ ان میں سے جو زیادہ گندے ہیں وہ گھسے پٹے اعتراضات پیش کرتے چلے جائیں گے

اس میں ایک لطیفہ بھی ہے اور وہ یہ کہ **غُثَآءً اَحْوٰی** کا بھی آخر کچھ نہ کچھ وجود تو ہوتا ہے لہٰذا ان آیتوں میں جو ان باتوں کو جو جانوروں کی خوراک بننے والے چارہ کی طرح کفّار کالانعام کی روح کی غذا ہوتی ہیں بالکل معدوم کئے جانے کا ذکرنہیں کیا گیا بلکہ **غُثَآءً اَحْوٰی** بنائے جانے کا ذکر کیا گیا تو اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے اور یقیناً ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ **غُثَآءً اَحْوٰی** یعنی گل سڑ کر سیاہ ہوجانیوالا کوڑا کرکٹ گندگی کے کیڑوں کی غذا ہوتا ہے پس اس میں بتایا کہ اگرچہ ان باتوں کا جن سے کفّار کالانعام نبیوں پر اعتراضات کرنے اور انکے خلاف شرارتیں کرنے کا فائدہ اٹھاتے ہیں ناقابلِ اعتراضات ہونا جلد کھل جاتاہے اور اس سے انکے اعتراضات اپنے منہ کی رونق کھو بیٹھتے ہیں اور نبیوں کی صداقت پر مہر لگ جاتی ہے مگر کفار میں سے جو زیادہ ذلیل اور بالکل گندگی پر پلنے والے کیڑوں کی طرح ہوتے ہیں پھر بھی شرارتوں سے باز نہیں آتے

بلکہ وہ اپنے ان گھسے پٹے اعتراضات کو اس کے بعد بھی پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں اشارہ تھا کہ یہی کچھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لوگ اور یہی کچھ آئندہ آنے والے نبی کے زمانہ کے لوگ کریں گے۔ چنانچہ اس کے عین مطابق سَیدُ المطہرین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضرت زینبؓ سے نکاح پر یا حضرت عائشہؓ کے ایک جنگی قافلہ سے پیچھے رہ جانے پر (حالانکہ خداتعالیٰ نے خود ان کی بریت کردی تھی)۔ مسیحی لوگ اب تک اعتراض کرنے سے باز نہیں آتے۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ جس پر وہ اعتراض کرتے ہیں اس نے تو شادی شدہ ہونے کے باوجود کسی بچہ کو جنم نہیں دیا اور جس کو وہ خدا تعالیٰ کی ماں بنائے بیٹھے ہیں اس نے باوجود شادی شدہ نہ ہونے کے بچہ جنا۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم حضرت مریمؑ کے بارہ میں حسنِ ظن سے کام لیں تو وہ کیوں حضرت عائشہؓ کے بارہ میں جو ہمارے لئے ہماری ماؤں سے اور حضرت مریمؑ سے زیادہ معزّز ہیں حسنِ ظن سے کام نہیں لیتے۔ مہدی موعودؑ کے زمانہ کے کفّار کا بھی یہی حال ہے چنانچہ دیکھ لیجئے عبداللہ آتھم کی ہلاکت کے بارہ میں یا محمدی بیگم سے نکاح کے بارہ میں یا المصلح الموعود کے نو سال کے اندر پیدا ہونے کے بارہ میں جو پیشگوئیاں تھیں درمیان میں پیش آنے والے بعض واقعات کی بنا پر دشمن نے ان پر اعتراض کیا تاہم وہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور ثابت ہوگیا کہ وہ سچی اور منجاب اللہ تھیں لیکن آپؑ کے دشمنوں میں سے جو زیادہ ذلیل لوگ ہیں وہ اب تک پہلے والے اعتراضات جن کا بودا ہونا اور بے بنیاد ہونا **اظہر مِنَ الشّمس** ہوچکا ہے پیش کرکے خلقِ خدا کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

===============

آنخضرتؐ کو یہ بتایا جانا کہ آپؐ کے بعد عملاً نبی کی ضرورت پیش آنیوالی ہے مگر آپؐ کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپؐ کی اُمّت کے قرآن پرعمل ترک کردینے کی وجہ سے

اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد نبی کا آنا آپؐ کے لئے موجبِ توہین نہیں ہوگا اور ضرورت پڑنے پر نبی آسکتا ہے اس کے بعد یہ بتانے کو کہ یہ ضرورت پیش آنے والی ہے یا نہیں اوراگر پیش آنے والی ہے تو کس وجہ سے فرمایا:-

سَنُقۡرِئُکَ فَلَاتَنۡسٰٓی(۷)

اے رسول ہم تجھے (قرآن) پڑھائینگے سو تُو بھولے گا نہیں۔

فاء نتیجہ کے لئے ہوتا ہے۔ مگر ہم تجھے پڑھائینگے سے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا گیا کہ تُو بھولے گا نہیں؟ بات یہ ہے کہ معلم یا متعلم دونوں میں یا ان میں سے ایک میں کوئی نقص ہونے کی وجہ سے پڑھنے والا بھولتا ہے چونکہ پڑھانے والا خدا تعالیٰ تھا اور پڑھنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لئے یہ نتیجہ نکال کر بتایا کہ استاد بھی کامل ہے اور شاگرد بھی کامل اس لئے وہ پڑھا ہؤا بھولے گا نہیں۔

نسیان حفظ کے مقابل کا لفظ ہے جس چیز کا خیال رکھنا انسان کے سپرد کیا جائے اسے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے بھول جانا بھی اس سے مراد ہوتا ہے اور دانستہ اس کا خیال ذہن میں نہ آنے دینا اور اس پر عمل ترک کردینا بھی اس سے مراد ہوتا ہے پس **فَلَا تَنۡسٰی** کے دو معنے ہیں یہ بھی کہ تو اس کے الفاظ نہیں بھولے گا اور یہ بھی کہ تُو اس پر عمل ترک نہیں کرے گا۔

سَنُقۡرِئُکَ فَلَاتَنۡسٰٓی کے بعد ہے **اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ**۔ بالعموم اس کے معنے یہ کئے گئے ہیں کہ ''سوائے اس کے جو اللہ چاہے''۔ یہ معنے لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے رسول ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے اور تو اسے بھولے گا نہیں لیکن جو (الفاظ) اللہ چاہے وہ بھول جائے گا یا یہ کہ اس میں سے جس بات پر عمل کا ترک کرنا اللہ تجھ سے چاہے گا اس پر تو عمل ترک کردے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں درست نہیں ہوسکتیں کیونکہ الفاظ کا بھلانا اللہ اس لئے نہیں چاہ سکتا تھا کہ اس نے خود حفاظتِ قرآن کا ذمّہ لے رکھا ہے۔ اور آنحضورؐ کے لئے اس پر عمل کا ترک کرنا اس لئے نہیں چاہ سکتا تھا کہ اس نے قرآن پر عمل کو سب سے زیادہ آنحضورؐ پر ہی فرض کیا تھا اور اس بارہ میں آپؐ کو اسوہ حسنہ ٹھہرایا تھا۔

بات یہ ہے کہ **اِلَّا** کے معنٰی صرف 'سوائے' کے نہیں ہوتے 'مگر' کے بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے یہاں **اِلَّامَایَشَآءَ اللّٰہُ** نہیں فرمایا **اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ** فرمایا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جو اللہ چاہے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو اللہ نے (پہلے سے) چاہا ہؤا ہے۔ پس **سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰٓی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ** کے معنے یہ ہیں کہ اے رسول ہم تجھے (قرآن) پڑھائیں گے سو تُو اسے بھولے گا نہیں (یعنی نہ اس کے الفاظ بھولے گا نہ اس پر عمل ترک کرے گا) مگر جو اللہ نے چاہا ہؤا ہے

(وہ بھی ضرور پورا ہوگا) یعنی خدا نے جو چاہا ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّامَا سَعٰی یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ مکافاتِ عمل کا جو قانون اس نے جاری فرمایا ہؤا ہے وہ بھی اپنا رنگ ضرور دکھائے گا یعنی جب تک تیرے ماننے والے ظاہرًا و باطنًا قرآن سے وابستہ رہیں گے قرآن کا بھی ظہر وبطن دونوں ان کے ہاتھ میں رہیں گے لیکن جب ان کا اس سے تعلق صرف ظاہر میں رہ جائے گا اس وقت خدا بھی اس کے الفاظ ان کے پاس رہنے دے گا اس کی روح کو ان کے اندر سے اٹھا لے گا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تُو نہیں مگر ایک وقت آئے گا کہ تیری اُمّت قرآن پر عمل چھوڑ دے گی اس وقت قرآن بھی ان کو چھوڑ دے گا یعنی جیسا کہ قُلْ اَرَئَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ (الملک ۶۷: ۳۱) میں اشارہ کیا گیا ہے یہ روحانی پانی غورًا ہوجائے گا یعنی سطح زمین سے اتنی دور نیچے اتر جائے گا کہ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ خود اس کا سامان کرے کسی کے لئے ممکن نہیں ہوگا کہ اسے پھر سے سطح زمین پر لا کر چشمہ کی صورت بہا دے یعنی پھر اس سے استفادہ آسان بنا دے۔ پس اس میں بتایا کہ آپؐ کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں مگر آپؐ کی اُمّت کے عمل بالقرآن کو ترک کردینے کی وجہ سے نبی کی ضرورت پیش آئے گی۔ ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی خداتعالیٰ اپنا نبی بھیجے گا بھی کیونکہ اگر اس نے اس روحانی پانی کو پھر سے سطح زمین پر نہ لانا ہوتا تو اسے خشک کردیتا غوراً نہ کرتا۔ اس کے بعد ہے:-

وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی (۹)

اور ہم تیرے لئے آسانی میسر کریں گے۔

اوپر سَنُقْرِئُکَ فَلَاتَنْسٰی فرمایا تھا یعنی یہ کہ اے رسول ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے سو تُو نہ اسکے الفاظ بھلائے گا نہ اس پر عمل چھوڑے گا اور آیت بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ کے مطابق دوسروں تک قرآن کا پہنچانا اور ان کے ذہن نشین کرادینا بھی آپؐ پر فرض کیا گیا تھا جو نہایت مشکل کام تھا اس لئے بظاہر آسانی میسر کرنے کا ذکر اس سے پہلے ہونا چاہیے تھا مگر اسے بیان میں موخر کیا گیا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ خواہ کیسی ہی مشکلات پیش آئیں تو قرآنی احکام پر عمل کرتا رہے گا لیکن ہم تجھے مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے (مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی۔ طٰہٰ ۲۰: ۳) اس لئے ہم تیرے لئے ہر قدم پر آسانی میسر کردیں گے چنانچہ خدا تعالیٰ نے پہلے آپؐ کو نہایت مخلص انصار کی ایک جماعت دے

دی پھر سارے عرب کو آپؐ کے ہاتھ پر فتح کرادیا پھر خلفاء کرام کے زمانہ میں اسلامی حکومت کو اور بھی وسعت دے دی۔ اس کے بعد مجددین کا سلسلہ جاری فرما دیا اور اس زمانہ میں جب آپؐ کی اُمّت قرآن سے زیادہ ہی دور جاپڑی تو اس نے بروزی رنگ میں آپؐ ہی کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا یعنی ایک ایسے وجود کو جو آپؐ کی محبت اور اطاعت اور غلامی میں بالکل فنا تھا آپؐ کی طفیل نبی اور مہدی وقت بنا کر آپؐ کے مشن کی خدمت کے لئے مبعوث فرمادیا۔

===============

آنحضرتؐ کو یہ حکم کہ آئندہ آنے والے نبی کو ماننے کی اُمّت کو تاکید فرمادیں

آگے ہے:-

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى

فَذَكِّرْ سے عمومی رنگ میں نصیحت کرنا بے شک مراد ہے لیکن ماقبل کی روشنی میں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں آنحضورؐ کو آئندہ آنے والے نبی (مہدی موعودؑ) کو ماننے کی نصیحت کرنے اور اس کی یاددہانی کرواتے رہنے کا حکم بالخصوص فرمایا گیااور بتایا گیا کہ یہ نصیحت کرنا ضرور فائدہ مند ہوگا۔ یہی وجہ ہے جو حضورﷺ نے اس نبی کے بارہ میں بار بار اور تواتر سے ذکر فرمایا اور یہاں تک حکم دیا کہ اگر اس تک پہنچنے کے لئے برف پر گھٹنوں کے بل چل کر بھی جانا پڑے تو جاؤ (اس پر ایمان لاؤ) اور اسے میرا سلام کہو۔ فرمایا:-

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (۱۱) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (۱۲) الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (۱۳) ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (۱۴)

جو خشیت (اللہ) رکھتا ہے وہ ضرور نصیحت حاصل کرے گا اور وہی اس سے اجتناب کرے گا جو (ازلی) بد بخت ہے اور اس کے لئے بڑی آگ میں داخل ہونا مقدّر ہے۔ پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا۔

یعنی چونکہ دنیا میں وہ بظاہر (روحانی) زندوں میں تھا کہ محمد رسول اللہﷺ کو مانتا تھا

لیکن دراصل مردہ تھا کیونکہ اس نے نبی وقت کونہیں مانا اس لئے وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیئے گا۔
فرمایا:-

قَدۡاَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى(۱۵) وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى(۱۶)

نبی وقت کوصرف مان لینا کافی نہیں ہوگا۔ فلاح وہی پائے گا جو اس کی نصائح پر عمل کرکے اپنے نفس کو اونچا اُٹھائے گا اور اپنے رب کے نام کی تبلیغ کریگا اور اس کے ساتھ دُعائیں بھی کریگا۔ فرمایا! اے لوگو!جو اس پر ایمان نہیں لاتے یا اس کی تعلیم کے مطابق خدا کا نام بلند کرنے کی کوشش نہیں کرتے یہ نہیں کہ تمہارے پاس اسکے لئے کوئی جائز عذر ہے۔

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيَاةَ الدُّنۡيَا(۱۷) وَالۡاٰخِرَةُخَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى(۱۸)

بلکہ بات یہ ہے کہ تم دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت(اس سے) بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے (جبکہ دنیا فانی ہے)

===============

سورۃ الغاشیہ میں مہدیؑ کا ذکر

غلبہ اسلام کی نوعیت اور وسعت اور اسکے اثرات اور امام الزمان کی ضرورت اور اس کی پہچان کا بیان

سورۃ الطارق اور اس سے پہلی سورتوں میں آنحضرتﷺ کے بعد ایک نبی (مہدی علیہ السلام) کے آنے کی خبریں دی گئی تھیں۔ ان خبروں پر پیدا ہونے والے سوالات کا جواب پچھلی سورۃ (الاعلیٰ) میں دیا گیا تھا اور آخر سورۃ میں آنحضورؐ کو فرمایا گیا تھا کہ آنے والے نبی کو ماننے کی نصیحت اُمّت کو کرتے رہیں۔ چونکہ بمطابق آیت كَتَبَ اللّٰهُ لَاَ غۡلِبَنَّ اَنَاوَرُسُلِيۡ غلبہ ہر نبی کا مقدر ہوتا ہے۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا تھا کہ حضرت اقدس محمدرسول اللہﷺ کو اور نبی موعود کو ملنے والے غلبوں کی کیا نوعیت ہوگی اور ان کی مخالفت کرنے والوں پر ان غلبوں کے کیا اثرات مرتب ہوں گے اور ان کے لئے سعی کرنے والوں پر کیا۔ اور یہ سوال سب سے پہلے آنحضورؐ ہی کے دل میں پیدا ہونا تھا اس لئے اس سورۃ کو اس سوال کے جواب سے شروع کیا گیا اور حضورؐ ہی کو مخاطب کرکے فرمایا گیا کہ:-

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (۲)

(اے رسول) کیا تیرے پاس الغاشیہ کی خبر نہیں آئی۔

مطلب یہ کہ تو تصدیق کرے گا کہ یہ خبر آچکی ہے اور تیرے سوال کے جواب میں ہم تجھے اس خبر ہی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

سورۃ یوسف میں ہے **اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** (آیت ۱۰۸) کیا انہوں نے اطمینان حاصل کرلیا ہے کہ ان پر اس کے عذابوں میں سے غاشیہ نہیں آجائے گا یا **السَّاعَةُ** اچانک نہیں آجائے گی اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ ہو۔ غاشیہ اور الساعۃ کا اکٹھا ذکر ان میں مناسبت کو چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر الساعۃ سے قیامت مراد ہوتو **الْغَاشِيَةُ** سے بھی ایک قسم کی قیامت ہی مراد ہوگی یعنی ایسی چیز جو وسیع پیمانہ پر لوگوں کو متاثر کرے اور کفّار کے لئے عذاب کے حکم میں ہو۔ اور اگر **السَّاعَةُ** سے فتح مکّہ کی گھڑی مراد ہوتو **الْغَاشِيَةُ** سے بھی کوئی اسی قسم کی چیز مراد ہوگی پس دونوں صورتوں میں اس سے غلبہ اسلام مراد ہے۔

غاشیہ کے معنی ڈھانپ لینے والی چیز کے ہیں یہاں اس بات کی تعیین نہیں کی گئی کہ موعودہ غاشیہ کس کو ڈھانپ لینے والی ہوگی ہاں الساعۃ سے مناسبت کی وجہ سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ایک رنگ میں سب کو ڈھانپ لینے والی ہوگی۔ بات یہ ہے کہ پچھلی سورتوں سے ذکر دو نبیوں کا شروع ہے ایک حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دوسرے آئندہ زمانہ میں حضورؐ کی غلامی میں مقام نبوّت پانے والے شخص مہدی موعودؑ کا۔ آنحضورؐ کا حینِ حیات تکمیل ہدایت اور قیامِ ہدایت کا زمانہ تھا اور مہدی موعودؑ کا زمانہ تکمیل اشاعتِ ہدایت کا زمانہ ہونا تھا ان میں سے پہلے مقصد کے لئے اسلام کا ملک عرب میں پورے طور پر غالب آجانا کافی تھا لیکن دوسرے مقصد کے لئے اس کا تمام دنیا پر غلبہ ضروری تھا اس لئے ان غلبوں کو غاشیہ کے لفظ سے تعبیر کیا جس کا اطلاق ان ہر دو غلبوں پر ہوسکتا ہے۔ دو زمانوں میں حاصل ہونے والے ان غلبوں کے لئے ایک ہی لفظ رکھ کر ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی کیا گیا کہ یہ دونوں غلبے ایک ہی غلبہ کے دو جز اور ایک ہی رسول (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دو غلبے ہوں گے۔ اس کے بعد ہے:-

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (٣) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (٤) تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (٥) تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (٦) لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ (٧) لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (٨)

اس دن (غلبہ اسلام کو نزدیک دیکھ کر کچھ) بڑے بڑے لوگوں (ائمۃ الکفر) کی آنکھیں (فرط ندامت سے) جھکی ہوئی ہوں گی (مگر پھر بھی اسے روکنے کے لئے) وہ ہاتھ پاؤں مارنے والے (لیکن بالآخر) تھک ہار جانے والے ہوں گے۔ (اس وقت وہ حسد کی) دہکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔ وہ کھولتے ہوئے چشمہ سے پلائے جائیں گے۔ (یعنی وہ منتظر تو یہ خبر سننے کے ہوں گے کہ اسلام کو فلاں جگہ ذک پہنچی اور فلاں جگہ نقصان ہؤا لیکن جس طرح چشمہ کا پانی کبھی دور سے آتا ہے اور کبھی دور تک چلا جاتا ہے اسی طرح اسلامی فتوحات کی خبریں دور دور سے آئیں گی یا وہ اسلام کو ایسی فتوحات ملتی دیکھیں گے جو دور دور تک پھیلتی چلی جائیں گی اور یہ امر ان کے لئے ایسا ہوگا جیسے کسی ٹھنڈے پانی کی اشتہا والے کو کھولتا ہؤا پانی پینے کو ملے)۔ ان کیلئے کوئی طعام بجز ضریع یعنی تھوہر کے نہیں ہوگا جو نہ تو موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک ہی مٹاتا ہے۔

طعام کا پہلا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ جزو بدن بن کر قوّت دے یا کم از کم ضائع شدہ قوّت کو بحال کرے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بھوک مٹائے۔ اور طعام کبھی تو انسان اپنی محنت سے حاصل کر لیتا ہے اور کبھی اس کو کسی کی طرف سے مل جاتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ اس وقت نہ وہ اپنی محنت سے اپنی قوّت کو بحال کرسکیں گے اور نہ کسی خارجی مدد کے نتیجہ میں ایسا کرسکیں گے۔

===============

غلبہ اسلام کے وقت مسلمانوں کو ملنے والی روحانی جنّت کا نقشہ

آگے مومنوں کی حالت اور جنّت کا بیان ہے۔ فرمایا:-

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (٩) لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (١٠)

کچھ چہرے اسدن ہشاش بشاش ہونگے۔ اپنی سعی (کے ثمرات) پر راضی۔

اوپر فرمایا تھا وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ اس لئے بظاہر یہاں وَوُجُوۡہٌ کے الفاظ چاہیئے تھے۔ لیکن ابتداء میں 'وٗ' نہیں ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگرچہ اوّل الذکر بھی ظاہری وجاہت کی وجہ سے وجوہ کہلا سکتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت وجوہ یعنی قابل عِزّت واحترام وہ مومن ہی ہوں گے۔ جو اس دن اس آیت اور اگلی آیات کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات ۴۹:۱۴) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ قابل اکرام وہ ہے جو زیادہ متّقی ہے۔

نَاعِمَۃٌ کے معنے ہشاش بشاش کے علاوہ صاحبِ نعماء کے اور حسین کے بھی ہوتے ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ اس دن مسلمان اپنے اخلاق وکردار کی وجہ سے بظاہر خوبصورت نہ بھی ہوں تو خوبصورت نظر آئیں گے۔ اور بظاہر صاحبِ دولت نہ بھی ہوں تو روحانی نعمتوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر رونق وبشاشت ہوگی۔ صحابہؓ پر ایک زمانہ ایسا آیا تھا کہ ان کے اموال لوٹ لئے گئے تھے مگر قرآنی حقائق ومعارف پاکر وہ اتنے خوش تھے جیسے انہیں سب کچھ مل گیا ہو۔

نَهَبَ اللِّئَامُ نُشُوۡ بَهُمۡ وَعَقَارَهُمۡ فَتَهَلَّلُوۡ بِجَوَا هِرِالۡفُرۡقَانِ

اس میں بتایا کہ یہی حال مہدی موعود کے مخلصین کا ہوگا۔ انسان اپنی سعی پر پوری طرح راضی اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس مقصد کو پالے جس کے لئے اس نے سعی کی۔ پس یہ فرما کر کہ اس دن (جس دن الغاشیہ وقوع پذیر ہوگی) وہ اپنی سعی پر راضی ہوں گے۔ خداتعالیٰ نے بتایا کہ ان کی سعی الغاشیہ کے وقوع پذیر ہونے کے لئے ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ اُخروی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی کوشش کوئی نہیں کیا کرتا اس لئے جہاں تک دُنیا کا تعلق ہے الغاشیہ سے غلبہ اسلام ہی مراد ہے۔ ہاں قیامت کے دن سرخ رو ہونے کی کوشش ہر عقلمند انسان ضرور کرتا ہے۔ اس لئے اگر الغاشیہ سے اُخروی قیامت مراد ہو تو اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا کہ سچے مومنوں کا غلبہ اسلام کے لئے کوشش کرنا بھی حکومت یا دولت کی حرص میں نہیں ہوگا بلکہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے ہوگا۔ یعنی وہ سَعٰی لَهَا سَعۡیَهَا (الاسراء ۱۷:۲۰) کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ قیامت کے دن انہیں اس کا اجر ملے گا اور اتنا ملے گا کہ وہ اس پر راضی ہوں گے اور اگر ان میں سے کوئی غلبہ اسلام کو دیکھ لینے سے پہلے فوت ہوجائے تو بھی اس دن وہ اپنی سعی پر خوش ہوگا۔ چنانچہ ایک صحابیؓ شہید ہوئے تو خداتعالیٰ نے انہیں کہا مانگ جو کچھ مانگنا ہے تو انہوں نے عرض

کی کہ مجھے پھر زندہ کرتا میں تیری راہ میں پھر مارا جاؤں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اپنی سعی پر خوش ہوجانے ہی کی وجہ سے ہوسکتی تھی۔ دوسری جگہ فرمایا فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (ال عمران ۳:۱۷۱)

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۱۱) لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (۱۲)

بلند (شان) جنّت میں۔ جس میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔

جَنَّةٍ عَالِيَةٍ سے یہاں عالی مرتبہ یعنی روحانی جنّت مراد ہے کیونکہ مادی جنّت کے ساتھ لغو نہ سننے کا کوئی تعلق نہیں۔ پس اگرچہ مسلمانوں کو باغات اور چشموں والے علاقے بھی ملے مگر جہاں تک دُنیا کا سوال ہے یہاں اسلام کا کامل غلبہ جو دراصل روحانی اقدار ہی کا غلبہ ہونا تھا مراد ہے۔ چنانچہ جب سارے عرب میں اسلام غالب آگیا تو ایک تو اس وجہ سے کہ اس وقت اکثر لوگ اسلام لے آئے تھے اور اسلامی تعلیم لغویات سے روکتی ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ مسلمان حاکم ہوگئے تھے غیر بھی ان کے سامنے لغو باتیں کرنے سے ڈرتے تھے اس لئے ان میں سے کوئی لغو بات نہیں سنتا تھا۔ ضمناً اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کو بھی کم ازکم پبلک مقامات پر لغو باتوں کے ارتکاب سے روکا جانا چاہیے۔

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۱۳) فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ (۱۴)
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ (۱۵) وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (۱۶)
وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ (۱۷)

اس میں ایک جاری چشمہ ہوگا۔ اس میں عالیشان تخت بھی ہوں گے۔ اور سلیقے سے رکھے ہوئے جام اور قطار در قطار لگے ہوئے تکیے اور بچھی ہوئی مسندیں۔

ان آیات میں پہلے ایک چشمہ کا ذکر ہے پھر تختوں کا پھر اکواب کا پھر نمارق یعنی تکیوں کا اور پھر زرابی یعنی مسندوں کا حالانکہ بظاہر اکواب کا ذکر چشمہ کے ساتھ اور نمارق کا ذکر سُرُر کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔ یہ ترتیب بتا رہی ہے کہ یہاں مادی چیزوں کا ذکر نہیں بلکہ استعارۃً بعض چیزوں کے یہ نام رکھے گئے ہیں۔ پس عین سے قرآنی علوم ومعارف کا چشمہ مراد ہے اور اسے جاریہ قرار دے کر بتایا گیا کہ یہ چشمہ کبھی خشک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فِيْهَا سُرُرٌ کے الفاظ ہیں

حالانکہ بظاہر چشمہ کے ساتھ تختوں کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تخت سے صاحبِ تخت مراد لینا عام محاورہ ہے پس اس موقع پر یہ الفاظ لاکر بتایا کہ مذکورہ چشمہ جن لوگوں کے ہونٹوں سے بہہ رہا ہوگا انہیں قوم میں عزّت کا ایک خاص مقام حاصل ہوگا۔ اور وہ لوگ گویا دلوں پر حکومت کریں گے۔ مگر ایک حدتک عزّت کا مقام تو دنیوی علوم رکھنے والوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے خداتعالیٰ نے سرر کے ساتھ مَّرْفُوْعَةٌ کا لفظ (جو مجہول کا صیغہ ہے) بھی بڑھا دیا اور اس طرح بتایا کہ ان کو جو بلند مقام حاصل ہوگا وہ خاص خداتعالیٰ کی طرف سے ہوگا یعنی ان کا علم کشفی والہامی ہوگا کسبی نہیں ہوگا۔

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ کے بعد وَاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ کے الفاظ ہیں۔ کُوب بغیر دستی کے پیالہ کو کہتے ہیں۔ دستی والا پیالہ وہاں رکھا جاتا ہے جہاں یہ اشارہ مقصود ہو کہ یہ شراب سے بھرا ہوا برتن پڑا ہے اس میں سے جو چاہے اپنا پیالہ خود بھر لے لیکن بغیر دستی کا پیالہ ہوتو انگلیاں مشروب کو آلودہ کرسکتی ہیں اس لئے جہاں ایسے پیالے رکھے جائیں وہاں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ تم اپنے پیالے لے کر آؤ اور ساقی سے بھروا لو۔ پس فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ کے بعد فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ فرما کر تو یہ بتایا تھا کہ مومنوں کو ملنے والی روحانی جنّت میں قرآنی علوم ومعارف کا ایک چشمہ جاریہ ہوگا۔ اور جن لوگوں کے ہونٹوں سے یہ چشمہ جاری ہوگا انہیں خدا داد عالی مرتبہ حاصل ہوگا اور وہ دلوں پر حکومت کریں گے اور اس کے بعد وَاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ کے الفاظ لاکر بتایا کہ وہ لوگ بخیل نہیں ہوں گے کہ اپنے علم کو اپنے تک ہی محدود رکھیں بلکہ وہ خود لوگوں کو موقع دیں گے کہ ان سے کسب فیض کریں۔ ہاں یہ لوگوں کا کام ہوگا کہ ان سے فائدہ اُٹھائیں۔ یعنی اپنے خالی پیالے لے کر ان کے پاس جائیں ورنہ ان میں ایک شاہانہ استغنا بھی ہوگا۔ ان میں سے پہلے مضمون کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہاں فلاح پانے والوں کا ذکر ہے اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر ۵۹:۱۰)۔

وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ کے بعد ہے وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ. وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ میں یہ اشارہ تھا کہ موعودہ جنّت میں مومنوں کے لئے قرآنی علوم ومعارف حاصل کرنے کے مواقع ارزاں ہوں گے۔ اس کے بعد یہ آیت کیوں لائی گئی؟ بات یہ ہے کہ نمارق یعنی تکیے سہارا لینے

کے لئے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ جب کسی کو کوئی علمی نکتہ سمجھانا ہوتا ہے تو سند کی ضرورت پیش آتی ہے گویا اس کا سہارا لینا پڑتا ہے اور علمی امور میں سند کتب ہی سے ملا کرتی ہے اس لئے اس آیت کا مطلب یہ ہؤا کہ اس جنّت میں ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئی کتب ہوں گی۔ جس کا سہارا لے کر وہ **اصحابِ سُرُر** لوگوں کی علمی پیاس بجھائیں گے۔ گویا اس میں لائبریریوں کے میّسر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اپنے غلبہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے بڑے بڑے کتب خانے اور لائبریریاں بنائیں۔ اس کے بعد **زَرَابِــیُّ مَبْثُـوْثَةٌ** کے الفاظ ہیں۔ مسند پہلے بچھائی جاتی ہے۔ اور تکیے اس کے اوپر رکھے جاتے ہیں مگر یہاں تکیوں کا ذکر پہلے ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں مجاز کا کلام ہے۔ مسندیں وہاں بچھائی جاتی ہیں جہاں معزز لوگوں نے بیٹھنا ہو پس **وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ** میں تو یہ بتایا تھا کہ اس جنّت میں مومنوں کے لئے لائبریریاں میّسر ہوں گی اور اس آیت میں یہ بتایا کہ علمی مباحث کے لئے معززین کے اجتماع کا سامان بھی اس میں ہوگا۔ یہ سب باتیں غلبہ اسلام کے زمانہ میں بالخصوص جب اسلام عرب سے باہر پھیلا مسلمانوں کو میّسر تھیں اور اس کے غلبہ ثانیہ کے زمانہ میں جس کی بنیاد حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے رکھی جاچکی ہے تو یہ اور بھی زیادہ میّسر ہیں۔

===============

ضرورۃ الامام کا بیان اور سچے امام کی پہچان

اوپر والی آیات کے بعد ہے:-

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (۱۸) وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ (۱۹) وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ (۲۰) وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ (۲۱)

کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسا پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ اسے کیسی رفعت دی گئی ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ انہیں کیسا گاڑا گیا ہے۔ اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ اسے کیسا بچھایا گیا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ یعنی کیا وہ دیکھتے نہیں کے الفاظ سے ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے پھر غیب کا صیغہ بھی اسی کا غمّاز ہے۔ پس ان الفاظ کا اشارہ کمزور ایمان والوں کی طرف ہے۔

بات یہ ہے کہ اوپر کی آیات میں کامل غلبہ اسلام کا ذکر تھا جو آنحضرتؐ کے حین حیات میں سارے عرب پر اور مہدی موعودؑ کے زمانہ میں ساری دنیا پر محیط ہونے والا تھا اسی لئے اسے الغاشیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن غلبہ بغیر جہاد کے ممکن نہیں اور کامیاب جہاد (خواہ سیف کا ہو یا قلم کا) بغیر اطاعتِ امام کے ممکن نہیں۔ بلکہ جہاد ہے ہی نہیں کیونکہ ارشاد نبوی **اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِہٖ** کے خلاف ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ امام کی ضرورت تسلیم نہیں کرتے یا امام وقت کو امام ماننے کو تیار نہیں ہوتے اور یہ کمزوری مہدی موعودؑ کے وقت میں (جس نے خاص طور پر امام کا نام پا کر آنا تھا) خود مسلمانوں میں پائی جانی تھی۔ اس لئے ان آیات میں خداتعالیٰ نے **ضرورۃ الامام** پر روشنی ڈالی اور سچے امام یا بالفاظ دیگر مہدی موعودؑ کی پہچان بتائی۔ اور اس غرض کیلئے اونٹوں کی مثال اس لئے دی کہ زمانہ نزول قرآن میں صحرا کے سفر اونٹوں پر کیئے جاتے تھے اور قرآن کے پہلے مخاطب جن سے باقی دنیا نے قرآن سیکھنا تھا اونٹوں کی عادات وخصائل سے خوب واقف تھے اور اونٹوں میں اطاعتِ امام کا مادہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمایا باوجود اس کے کہ عربی میں اونٹ کے لئے ہزار سے زیادہ الفاظ ہیں۔ یہاں خدتعالیٰ نے ابل کا لفظ جو اسم جمع ہے رکھا۔ ”اونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے ان کے آگے بطور امام اور پیش رو وہ اونٹ ہوتا ہے جو راستہ سے واقف ہوتا ہے اور دوسرے سب اس کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے چلے جاتے ہیں اور کوئی قطار توڑ کر دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ گویا جس طرح ان کا امام ان کو چلاتا ہے اسی طرح وہ اس کے پیچھے چلتے چلے جاتے ہیں حتّٰی کہ منزل پر پہنچ جاتے ہیں .... دوسرے اونٹ میں مشقت برداشت کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ تیسرے اس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے غافل نہیں ہوتا۔ پس **کَیْفَ خُلِقَتْ** میں خداتعالیٰ نے اسکی ان تمام خصوصیات کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ جس طرح اونٹوں کی سرشت میں اطاعت امام کا مادہ ہے اور وہ اپنے امام کے پیچھے جو راستہ سے واقف ہو بلا چون وچرا چلتے چلے جاتے ہیں جس سے وہ صحرا کے مشکل ترین راستوں کو قطع کر لیتے ہیں۔“ اور صرف وہی اونٹ جس کا دماغ چل گیا ہو اپنے

امام کی ضرورت تسلیم نہیں کرتا اور اس سے الگ راستہ اختیار کرتا ہے اسی طرح سوائے اس شخص کے جس کی فطرت مسخ ہوچکی ہو کوئی دوسرا اپنے روحانی سفر کے لئے امام کی ضرورت کا انکار نہیں کرسکتا۔

اونٹوں کی جو صحرا کے مسافر ہیں مثال اس لئے بھی دی کہ صحرا کے سفر اور انسان کے روحانی سفر میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ دونوں سفر جہاں ازحد مفید ہوتے ہیں وہاں ازحد خطرناک بھی ہوتے ہیں کیونکہ جس طرح اُس زمانہ میں صحرا کا سفر اکثر پانی والے مقام کی طرف پانی کی تلاش میں کیا جاتا تھا جو مادی زندگی کا سرچشمہ ہے اسی طرح روحانی سفر خداتعالیٰ کے قرب کے روحانی مقام کی طرف جو اس کے الہام وکلام کا مقام ہے یعنی روحانی پانی کی طرف جو روحانی زندگی کا سرچشمہ ہے اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح صحرا کا سفر انسان پورا نہ کر پائے (خواہ راستہ بھٹک جانے کی وجہ سے یا زادِ راہ نہ ہونے کی وجہ سے) تو یقینی ہلاکت کا سامنا ہوتا ہے اسی طرح روحانی سفر بھی اگر منزل پر پہنچنے سے پہلے چھوڑ دیا جائے تو یقینی ہلاکت پر منتج ہوتا ہے۔ اس لئے ان سفروں کے لئے امام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ راستہ سے بھٹکنے نہ دے۔ اپنا نمونہ دکھا کر زادِ راہ ہمراہ لے کر چلنے اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کی تلقین کرتا رہے اور ہمت بڑھا بڑھا کر راستہ میں رہ جانے سے محفوظ رکھے۔ مگر ایسے امام کی ضرورت ہوتی ہے جسے خداتعالیٰ نے خاص اس غرض کے لئے پیدا کیا ہو کیونکہ یہ سفر خدا کی طرف اختیار کیئے جاتے ہیں اور ان میں رہنمائی بھی وہی کرسکتا ہے جو خود خدا تک پہنچا ہؤا ہو اور اسے دوسروں کو اپنے ساتھ اس شاہ کے دربار میں لے جانے کا پروانہ بھی حاصل ہو۔

اگرچہ آیت **اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ** میں خداتعالیٰ کی طرف سے آنے والے امام کی ضرورت اور اہمیت وافادیت واضح کردی گئی لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ امام کی ضرورت کو تو تسلیم کرلیتے ہیں لیکن امام وقت کے بارہ میں انہیں تسلی نہیں ہوتی کہ یہ واقعی خدا کا فرستادہ ہے۔ اس لئے اگلی آیت **وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ** میں سچے امام کی پہچان بیان کی اور بتایا کہ دیکھو جس طرح خداتعالیٰ نے آسمان کو (تمہاری حفاظت کا اور تمہیں روشنی اور گرمی اور رزق مہیا کرنے کا ذریعہ بنانے کا ارادہ کیا تو اسے) زمین کے مقابل پر ظاہری ومعنوی رفعت بھی عطا کی (کیونکہ اس کے بغیر یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا) اسی طرح وہ جسے تمہارا

امام بناتا ہے اسے دوسرے سب لوگوں پر ظاہری و باطنی رفعت بھی عطا کرتا ہے۔ یعنی اسے خاندانی وجاہت اخلاقِ فاضلہ۔ دیانت و امانت۔ تقوی اللہ۔ زہد و عبادت۔ خدا کی محبت مخلوق کی ہمدردی۔ نورعقل۔ نور وحی۔ قوّت قدسی۔ علم وحکمت۔ استجابتِ دعا معارف کتاب اللہ۔ قوت امامت۔ بسطت علم ۔ قوّت عزم وغیرہ سب ضروری چیزوں میں دوسرے سب ہم عصروں پر برتری بھی عطا کرتا ہے اور اسی علامت سے تم اس کو پہچان سکتے ہو۔

یہاں آسمان کی (جس کا فیض سارے جہان اور سارے زمانہ کو پہنچتا ہے) مثال چونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے لئے بیان ہوئی ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ان دونوں کے امام الزمان ہونے کی طرف بھی ہے۔ بعض لوگ خدا کی طرف سے امام کے بھیجے جانے کی ضرورت بھی تسلیم کرلیتے ہیں اور ان کے دل یہ گواہی بھی دے رہے ہوتے ہیں کہ فلاں مدعی امامت واقعی خدا کا فرستادہ ہے لیکن اس کی شدید مخالفت اور ظاہری کمزور حالت کو دیکھ کر وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص طوفانِ مخالفت کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور ہم اس کے ساتھ لگ کر مارے جائیں اور اس وجہ سے وہ اس پر ایمان نہیں لاتے (یا اگر ایمان لے بھی آئیں تو کھل کر اس کے انصار میں سے نہیں بنتے) اس لئے اگلی آیت میں پہاڑوں کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ کیا یہ لوگ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے (مضبوطی کے ساتھ) گاڑے گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ خداتعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ قائم رہیں اور لوگوں کو ان سے فوائد حاصل ہوتے رہیں اس نے انہیں اپنی جگہوں پر مضبوطی سے قائم کیا ہے۔ اسی طرح ہر امام کو جسے خدا امام بناتا ہے اور اس کے ساتھیوں کو وہ پہاڑوں جیسا غیر معمولی ثباتِ قدم عطا کرتا ہے اور یہ استقامت بذات خود ایک کرامت اور ایک بڑی دلیل اس کی صداقت کی ہوتی ہے۔ پس اس کی زبردست مخالفت تو (اگر وہ اس کے قدم ڈگمگا نہ سکے) تمہیں اس کی طرف کھینچنے کا موجب ہونی چاہیئے نہ کہ اس سے دور رکھنے کا موجب۔ یہ بھی اشارہ اس میں ہے کہ تمہارے ساتھ نہ دینے سے اس کے قدم ڈگمگا نہیں جائیں گے چنانچہ اس تعلق میں نبی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

"اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو آخر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے

چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعا
کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل
ہوجائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا اور نہیں رکے گا جب
تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کرلے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی
میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے اور اگر تم
گواہی چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لئے گواہی دیں۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵۰)

بعض لوگ ضرورتِ امام کو بھی مان لیتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ جو شخص مدعی امامت ہے وہ سچا ہے۔ اس کے فوق العادت عزم واستقلال سے بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن (اس کے ابتدائی زمانہ میں) یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگوں کی اکثریت اس پر ایمان نہیں لائی اس سے دور رہتے ہیں اس لئے آخر میں یہ فرما کر کہ **وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ** اور کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (یا کیسی) بچھائی (یا ہموار کی) گئی ہے بتایا کہ جس خدا نے آسمان کو رفعت دی اور پہاڑوں کو اپنی جگہوں پر مظبوطی سے قائم کیا تا زمین کو ان سے فیوض پہنچیں اس نے زمین کو بھی بچھایا اور ہموار کیا تا کہ وہ ان فیوض کو حاصل کر سکے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ یہ بچھانا اور ہموار کرنا عمومی رنگ میں ہوتا ہے ہر ٹکڑۂ زمین اس قابل نہیں ہوتا یا نہیں رہتا کہ وہ ان فیوض کو حاصل کر سکے۔ اور جو ٹکرے ان کو حاصل کر سکتے اور کرتے ہیں وہ سب بھی نہ یکساں مقدار میں حاصل کرتے ہیں اور نہ ایک جیسی مدّت میں حاصل کرتے ہیں اسی طرح جب خداتعالیٰ اپنی طرف سے کسی کو امام النّاس بنا کر بھیجتا ہے تو دلوں کی زمین کو بھی اس کے قبول کرنے کو بچھا دیتا ہے لیکن یہ عمل عمومی رنگ ہی میں ہوتا ہے نہ تو سب لوگ اس سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں اور نہ فائدہ اٹھانے والے سب ایک جیسا اور ایک جیسی مدّت کے اندر فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اگر شروع میں اس امام پر زیادہ لوگ ایمان نہ لائیں تو اس کی وجہ سے اس سے بدگمان ہونا یا اس کا حلقہ بگوش نہ ہونا درست نہیں ہوسکتا لیکن **وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ** میں آنیوالے لفظ الارض (جو اسم جنس ہے) سے تمہیں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی موعود پر لوگ بکثرت ایمان لائیں گے۔ چنانچہ اس نبی نے آ کر فرمایا:-

’’میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خداتعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دوربین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ دوئم ص ۳۰۳)

آگے ہے:-

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (۲۲) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۲۳)

اے رسول جب ہم نے امام الزمان کی ضرورت بھی بیان کردی اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے پہچانا کیسے جاسکتا ہے تو اب تیرا کام صرف یہ ہے کہ اُمّت کو اسے ماننے کی نصیحت کردے تو ان پر داروغہ نہیں۔

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ (۲۴) فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (۲۵)

مگر یہ بھی نہیں کہ ان کا امام وقت کو ماننا نہ ماننا برابر ہوگا۔ جس نے اس سے روگردانی کی اور ایسا کرکے تیرا کفر کیا اللہ اسے دنیا میں بہت بڑا عذاب دے گا۔

اس میں تولّٰی کو پہلے رکھا ہے اور وَکفر کو بعد میں پس مطلب یہ ہے کہ جس نے نبی موعود سے روگردانی کی اس نے دراصل محمد رسول اللہ ﷺ کا کفر کیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے انکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ’’اس گناہ کا وادخواہ میں نہیں ہوں بلکہ ایک ہی ہے جس کی تائید کیلئے میں بھیجا گیا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جوشخص مجھے نہیں مانتا وہ میرا نہیں بلکہ اس کا نافرمان ہے جس نے میرے آنے کی پیشگوئی کی۔‘‘

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (۲۶) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (۲۷)

(یاد رہے کہ) ان کا لوٹنا ہماری طرف ہے پھر ان کا حساب (بھی) ہمارے ذِمّہ ہے۔

مطلب یہ کہ جس کا حساب دنیا میں نہ چکایا گیا آخرت میں چکا دیا جائے گا۔

==============

ان مراحل کا ذکر جن میں سے گزر کر غلبہ اسلام حاصل ہونا مقدر کیا گیا

سورۃ الغاشیہ کے بعد سورۃ الفجر آتی ہے جس کی ابتداء میں ہے:-

وَالْفَجْرِ (۲) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۳) وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۴) وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (۵)

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور شفع اور وتر کی اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے (کہ الغاشیہ یعنی غلبہ اسلام کی خبر ضرور پوری ہوگی)

یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی فجر ایسی نہیں ہوتی جس کے بعد مسلسل دس راتیں آئیں اور نہ کوئی دس راتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بعد شفع اور وتر کا کوئی واقعہ ہو پس جس ترتیب سے زیر نظر آیات رکھی گئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہے کہ ان میں استعارہ کا استعمال ہوا ہے یعنی ظاہری فجر یا راتیں مراد نہیں بلکہ استعارۃً کسی زمانہ کو فجر اور کسی کو **لَيَالٍ عَشْرٍ** قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ سابقہ میں الغاشیہ یعنی سب کو ڈھانپ لینے والی چیز یعنی کامل غلبہ اسلام کے وقوع پذیر ہونے کی پیشگوئی کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ میں کہ جن سے اصل میں غلبہ کا وعدہ ہے اور آپؐ کے ساتھیوں میں جو آپؐ کے ہمرنگ ہیں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو حصول غلبہ کے لئے ضروری ہیں اور دلوں کی زمین بھی قبول اسلام کے لئے تیّار ہے اور اس کے ساتھ **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ** فرما کر یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ یہ غلبہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حین حیات میں واقع ہوجائے گا اور ایسا کامل غلبہ ہوگا کہ اگر چاہیں تو آپؐ کفّار پر جبر بھی کرسکیں گے۔ تاہم چونکہ اس سورۃ کے (جو ابتدائی زمانہ نبوی کی ہے) نزول کے وقت کفار کو اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے وہ ان باتوں کی وجہ سے آنحضور ﷺ کو (نعوذباللہ) مجنون قرار دیتے تھے اس لئے اس کے بعد زیر نظر آیات لا کر ان میں پہلے ایک ایسی چیز (یعنی الفجر) کو بطور گواہ پیش کیا جو اس وقت وقوع میں آچکی تھی اور اِس کے بعد ان چیزوں کو پیش کیا جو یکے بعد دیگرے وقوع میں آنے والی تھیں تا کہ وہ سمجھ سکیں کہ جب ہر وہ بات جو پہلے بتائی گئی تھی من

وعن پوری ہوگئی تو غلبہ اسلام والی پیشگوئی بھی ضرور پوری ہوگی۔ اور چونکہ ان چیزوں کی قسم غلبہ اسلام کی پیشگوئی ہی کے ضمن میں کھائی گئی تھی۔ یعنی انہیں اس کے لئے گواہ ٹھہرایا گیا تھا اس لئے جواب قسم کو (کہ الغاشیہ یعنی غلبہ اسلام کا وقوع ضرور ہوگا) محذوف رکھا گیا۔

محققین کے نزدیک یہ سورۃ آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوّت کے تیسرے سال کے آخر یا چوتھے سال کے شروع میں نازل ہوئی اور چونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن نے سراجًا منیراً کہہ کر آسمانِ روحانیت کا آفتاب قرار دیا ہے اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں آپؐ کی بعثت کے ان پہلے تین سالوں کو فجر کا زمانہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ آپؐ کے ظہور کے ساتھ ہی شرک اور معصیت کی تاریکی کے خلاف اور توحید اور نیکی کے حق میں ایک ہوٗا چلنے لگی ہے جو اس بات پر شاہد ہے کہ اب شرک کے مٹنے اور توحید کے دن کے زیادہ سے زیادہ روشن ہوتے چلے جانے کا یا بالفاظ دیگر غلبہ اسلام کا جو خالص توحید کا دین ہے وقت آرہا ہے۔ کیونکہ سورج جب طلوع ہو تو اس کا نصفُ النَّہار تک پہنچنا یقینی ہوتا ہے۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ : قرآن کریم میں یوم کا لفظ ایک دن کے لئے بھی آیا ہے ایک سال کے لئے بھی۔ سو سال کے لئے بھی اور اس سے زیادہ عرصہ کے لئے بھی۔ چونکہ سورۃ الغاشیہ میں بتایا گیا تھا کہ غلبہ اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حین حیات ہی میں واقع ہوجائے گا اس لئے جہاں تک حضوؐر کی بعثتِ اُولیٰ کے زمانہ اور حضوؐر کے حین حیات کا تعلق ہے **لَيَالٍ عَشْرٍ** کے الفاظ میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کو مذکورہ غلبہ پھولوں کی سیج پر چل کر اور فوراً ہی حاصل نہیں ہوگا بلکہ دس سال ان کے لئے ایسی سخت مصیبت کے سال ہوں گے کہ انہیں دن کی بجائے راتیں کہنا زیادہ برمحل ہوگا۔ بلکہ یہ ایسے سال ہوں گے کہ ان میں مصائب بڑھتے ہی چلے جائیں گے (یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آگے رات کے رخصت ہونے کا ذکر ہے اور رات ہمیشہ اپنی انتہا کو پہنچ کر ہی رخصت ہوٗا کرتی ہے)۔ اور چونکہ ہر نبی کی شروع میں سب سے زیادہ مخالفت اس کے ہم وطنوں ہی کی طرف سے ہوٗا کرتی ہے جبھی مسیح علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ ''نبی رسوا نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں۔'' اور صاحب شریعت انبیاء کے ساتھ خداتعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ جب اپنے وطن میں انہیں زیادہ تکالیف دی جائیں اور ان کے مصائب حد سے گزر جائیں تو وہ انہیں اذن ہجرت فرما دیتا ہے اور یہی ہجرت ان کے مصائب کے اختتام اور ان کی ترقّیات کا پیش خیمہ بن جاتی

ہے اس لئے وَلَيَالٍ عَشْرٍ اور وَالَّيْلِ اِذَايَسْرِ کے الفاظ کے درمیان یعنی مصائب کی راتوں اور ان کے رخصت ہونے کے ذکر کے درمیان جو وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کے الفاظ لائے گئے تو ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ان کا تعلق آنحضورؐ کی ہجرت سے تھا۔

وتر اکیلے یعنی طاق کو کہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَتْرٌ وَيُحِبُّ الْوَتْرَ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ 'شفع' کے معنی زوج یعنی جفت کے ہوتے ہیں۔ اور امام راغب کے نزدیک شفع کسی چیز کو اسی جیسی کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے کو کہتے ہیں۔ پس وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کی آیت اس موقع پر لاکر خداتعالیٰ نے بتایا کہ مکّہ والوں کی طرف سے تکالیف دہی کے حد سے گزر جانے پر محمد رسول اللہ ﷺ کو مکّہ سے ہجرت کرنا پڑے گی سفر ہجرت میں آپؐ کا ایک ساتھی ہوگا جو آپؐ کا ہم مزاج اور ہم خیال اور آپؐ کی طرح اللہ کا برگزیدہ بندہ ہوگا ان دونوں کو جو شفع کے حکم میں ہوں گے ایک وتر یعنی خداتعالیٰ کی مَعِیَّت حاصل ہوگی (اس لئے اگرچہ یہ سفر نہایت خطرناک ہوگا مگر یہ دونوں ہر شر سے محفوظ رہیں گے اور یہ سفر بخیریت تمام ہوگا) اس کے بعد مصائب کی رات رخصت ہونا شروع ہوجائے گی۔ چونکہ اس سے پہلے گزرنے والے مصائب کے دس سال جنہیں دس راتیں قرار دیا گیا بوجہ مسلسل ہونے کے ایک لمبی رات کے حکم میں تھے اس لئے وَالَّيْلِ اِذَايَسْرِ میں لیل سے یہ سارا زمانہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور ایک الگ سال بھی مراد ہوسکتا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوُا کہ ایک اعتبار سے سفر ہجرت کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی مصائب کا دس سالہ زمانہ جسے لَيَالٍ عَشْرٍ قرار دیا گیا ہے رخصت ہونا شروع ہوجائے گا اور ایک اعتبار سے مصائب کا ایک سال اور آئے گا اور اس کے بعد یہ رات رخصت ہونے لگ جائے گی اور اسلام یومًا فیومًا ترقّی کرتا چلا جائے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجیے اگرچہ اس وقت کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں یعنی تیسرے سال نبوّت کے آخر تک حضورؐ کی کوئی خاص مخالفت نہیں ہورہی تھی مگر ان آیات کے نزول کے بعد جب آپؐ کو فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کا حکم ہوُا اور آپؐ نے اپنا پیغام عام کرنا شروع کیا تو مکّہ والے آپؐ کے دشمن ہوگئے اور آپؐ کے ساتھیوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے اور یہ مصائب بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ دس سال گزرنے پر آنحضورؐ کو خداتعالیٰ نے مکّہ سے ہجرت کا اذن فرما دیا اور جب آپؐ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے ساتھ ہجرت کیلئے تیار تھے۔ آنحضورؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے

مزاج اور خیالات کی کامل ہم آہنگی کسی سے ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ پس ان دونوں پر شفع کا لفظ ان کی ہمرنگی کی وجہ سے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ سفر ہجرت کے دوران جو ایک نادر سفر تھا یہ دونوں بزرگ ہستیاں غار ثور میں اکٹھی تھیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کیلئے ثانی اثنین یعنی دو میں سے دوسرے☆ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ بظاہر یہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کیلئے آنے چاہیئے تھے کیونکہ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ ہونا ان کیلئے زیادہ موجبِ شرف تھا حضورؐ کے ساتھ ان کا ہونا حضورؐ کے لئے ویسا موجبِ شرف نہیں تھا۔ لیکن یہ الفاظ حضورؐ کیلئے اس لئے لائے گئے کہ ان کے اطلاق میں کسی غلطی کی گنجائش نہ رہے۔ کیونکہ جب یہ فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ غار میں دو میں سے دوسرے تھے تو اس سے یہ اشارہ ہوگیا کہ آپؐ سے پہلے کوئی اور اس میں داخل ہوچکا تھا اور چونکہ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور اس میں آپؐ سے پہلے داخل نہیں ہؤا تھا اس لئے اس سے پہلے کی تعیین بھی ہوگئی اور اس موقع پر جو حضورؐ نے اپنے ساتھی سے یہ فرمایا کہ **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** غم نہ کھا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے تو اس سے حضرت ابوبکرؓ کے کامل فی الایمان ہونے اور آنحضرتؐ کے ہمرنگ ہونے کی طرف اشارہ بھی ہوگیا۔ اور چونکہ مستقبل کیلئے خوف کا لفظ آتا ہے حزن کا لفظ ماضی کے لئے آتا ہے اس لئے اس موقع پر جو حضورؐ کے منہ میں **لَاتَخَفْ** کے نہیں **لَاتَحْزَنْ** کے الفاظ ڈالے گئے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو نہ تو آنحضرتؐ کے بارہ میں یہ خوف تھا کہ کہیں دشمن آپؐ کو شہید نہ کردے۔ (کیونکہ آپؐ کی حفاظت کے خدائی وعدوں پر ان کو کامل یقین تھا) اور نہ ہی اپنی موت کا خوف تھا بلکہ ماضی کی باتوں کے متعلق ایک غم تھا (جو خدا کا پسندیدہ غم تھا جبھی اس نے آپؓ کے ساتھ بھی معیت کا اظہار فرمایا) یعنی آپؓ کو یہ فکر نہیں تھی کہ اب دشمن مجھے قتل کر دیگا۔ بلکہ فکر یہ تھی کہ میں حضور ﷺ کی اور اسلام کی وہ خدمت بجا نہیں لاسکا جو ان کا حق تھا اور یہ ایسا غم تھا جو آپ کی اعلیٰ شان کو ظاہر کرنے والا تھا۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کے مومن ہی کی شان ہے کہ سب کچھ کرکے بھی یہی سمجھتا رہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ ؏ **ہر کہ عارف تراست ترساں تر۔**

==============

☆ ثانی اثنین کا بامحاورہ ترجمہ ''دو میں سے ایک'' ہے۔ دو میں سے دوسرا ان الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ یہ بھی اہل علم نے اختیار کیا ہے۔ اور اس سے آنحضورؐ کے بلند مرتبہ کا استدلال کیا ہے۔ (تفسیر انگریزی)

ابتدائے اسلام میں ہونیوالے واقعات کے اعادہ اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق عظیم الشان پیشگوئیاں

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ کے بعد ہے:-

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ (٦)

کیا اس میں عقلمندوں کے لئے شہادت ہے یا نہیں۔

قسم شہادت کے لئے ہوتی ہے اور شہادت سے مقصود ایک چیز کو پیش کرکے دوسری کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اور چونکہ مستقبل میں ہونے والے امور بھی خداتعالیٰ کی نظر میں حاضر کی طرح ہوتے ہیں وہ مستقبل میں واقع ہونے والی بعض چیزوں کی قسم بھی کھا لیتا ہے۔ پس اس آیت میں اس نے بتایا کہ جو باتیں اس سے پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں وہ ایک رنگ میں پوری ہوکر گواہی دیں گی کہ ایک دوسرے رنگ میں وہ آئندہ بھی پوری ہونے والی ہیں۔ یعنی ان سے مشابہ حالات آئندہ بھی مسلمانوں کو پیش آئیں گے۔ اور انہیں عقلمندوں کے لئے قسم قرار دے کر سمجھایا کہ مصائب کی جو راتیں آئندہ آنے والی ہیں ان میں مسلمانوں کی اپنی غفلتوں اور حماقتوں کا دخل ہوگا۔ اور یہ باتیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حینِ حیات سے بُعد کو چاہتی تھیں اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ ان آیات میں مذکور پیشگوئی کا دوسرا اطلاق حضور ﷺ کی قومی زندگی پر کیا جانا چاہیے۔ لیکن قومی زندگی کا پیمانہ شخصی زندگی والا نہیں ہوا کرتا اور آنحضرتؐ کا عہدِ نبوّت تو قیامت تک کے لئے ہے اور آپؐ نے خود اپنی قومی زندگی کا شمار صدیوں میں کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث **خیر القرون قَرْنِی** اس پر دال ہے لہٰذا اگر ان آیات کو حضورؐ کی قومی زندگی پر چسپاں کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان میں سے پہلی تین صدیوں کو فجر کا زمانہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ اس کے بعد مسلسل دس راتیں آئیں گی یعنی دس صدیاں ایسی آئیں گی جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مصائب اور تاریکی کی صدیاں ہوں گی۔ اس کے بعد شفع اور وتر کا ایک واقعہ ہوگا۔ ایک رات یعنی شدید مشکلات کی ایک صدی تو اس کے بعد بھی رہ جائے گی لیکن وہ آخری صدی ہوگی اور اس کے ختم ہونے پر مصائب کی وہ شدت جس کو رات سے تعبیر کیا جاسکے

باقی نہیں رہے گی اور غلبہ اسلام کا دن روشن سے روشن تر ہونا شروع ہوجائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والی دس راتوں سے دس صدیاں مراد لینا اس لئے بھی درست ہے کہ سورۃ سجدہ کی آیت نمبر۶ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کے مطابق علم الٰہی میں تھا کہ امر شریعت زمین میں قائم ہوگا اور پھر آہستہ آہستہ آسمان کی طرف اٹھنا (یعنی دلوں کی زمین سے محو ہونا) شروع ہوجائے گا اور انحطاط کا یہ عمل ہزار سال یعنی دس صدیاں جاری رہے گا۔ اور چونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ کہ بہترین صدی میری صدی ہے اس کے بعد تابعین کی اور اس کے بعد تبع تابعین کی اس لئے دس صدیوں کا شمار پہلی تین صدیوں کے قریبًا اختتام سے ہوگا جس پر خود لفظ فجر کے اعداد جو بحساب جُمل ۲۸۳ بنتے ہیں شاہد ہیں۔ اور چونکہ اسلامی سن کا شمار ہجرت سے ہوتا ہے۔ اور ہجرت حضورؐ کے دعویٰ نبوّت کے قریباً ۱۳ سال بعد ہوئی اس لئے ۲۸۳ کے عدد کا مطلب ۲۷۰ھ ہوا۔ گویا فجر کے لفظ میں ہی بتادیا گیا تھا کہ جس فجر کا یہاں ذکر ہے وہ مُعیّن طور پر ۲۷۰ھ تک چلے گی۔ اور عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ عین ۲۷۰ھ کا سال ختم ہونے پر یعنی ۲۷۱ھ میں سپین کے مسلمان بادشاہ نے ایک عیسائی حکومت کے ساتھ معاہدہ کیا کہ وہ بغداد کی اسلامی حکومت کو کچلنے کے لئے اس کا ساتھ دے گا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے زوال کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

یہی بات سورۃ الرّعد میں بیان کی گئی وہ سورۃ سخت انذاری خبروں پر مشتمل ہے۔اور اسکے شروع میں آنیوالے مقطعہ الٓمّٓرٰ کے اعداد بھی ۲۷۱ ہیں۔ اور ۲۷۱ھ میں مسلمانوں کے تنزّل کی بنیاد پڑی۔ یعنی قرآن کی رو سے فجر کا زمانہ مُعیّن طور پر ۲۷۱ھ تک یعنی آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوّت سے شروع ہوکر پورے ۲۸۳ سال تک رہا (جو لفظ فجر کے اعداد بلحاظ جمل ہیں) یعنی قریباً تین صدیاں۔

الغرض سورۃ الفجر کی ان آیات میں بتایا گیا کہ اسلام کی پہلی تین صدیوں کے بعد جو (اچھی صدیاں ہوں گی) دس صدیاں مصیبت وگمراہی کی آئیں گی اور ان کے بعد شفع اور وتر کا ایک واقعہ ہوگا جس کے بعد اسلام کے دن پھرنا شروع ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر چھا جانے والی مصائب کی رات رخصت ہونے لگ جائے گی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی ایک رات یعنی ایک صدی مشکلات کی ہوسکتی ہے مگر وہ ایک ہی صدی ہوگی جس کے بعد اسلام کا قدم ترقّی پر ترقّی اور

غلبہ ہی کی طرف اُٹھے گا یہاں تک کہ وہ ساری دنیا پر محیط ہوجائے گا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا شفع کے معنے زوج یعنی جُفت کے ہوتے ہیں اور جیسا کہ مفردات راغب سے ثابت ہے کسی چیز کو اسی جیسی دوسری چیز سے ملا دینے کو شفع کہتے ہیں لہٰذا اس میں بتایا گیا کہ اُس وقت ایک ایسا شخص ظاہر ہوگا جو وتر ہونے کے باوجود حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شفع کی نسبت رکھنے والا ہوگا۔ یعنی ہوگا تو وہ الگ وجود لیکن اپنی خوبو اور اپنے مقصدِ حیات اور اپنے کاموں کے لحاظ سے آنحضورؐ کے ساتھ کامل ہم آہنگی رکھنے والا اور ایسا فنافی الرّسولؐ ہوگا کہ اس کا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا باہمی تعلق ایک جان دو قالب والا ہوگا۔ چنانچہ خطبہ الہامیہ میں اس موعودؑ کی زبان سے یہ الفاظ بھی ادا ہوئے کہ **مَن فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی فَمَا عَرَفَنِی وَمَا رَاٰی** ص ۳۵۹) جس نے مجھ میں اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ میں فرق کیا اس نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ دیکھا۔

یہ بھی اس میں بتایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اور اس موعود کو جو آپس میں شفع کی نسبت رکھنے والے ہوں گے ایک وتر یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی المسیح الموعودؑ کی خداتعالیٰ نے ہر قدم پر نصرت فرمائی اور آپؑ پر چڑھنے والے ہرنئے دن نے آپؑ کو پہلے دن کی نسبت ترقّی کے زینہ پر اوپر ہی اوپر جاتے ہوئے پایا۔ پس ان آیات میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ایک بروزِ کامل کی یا بالفاظ دیگر آپؐ ہی کی بعثتِ ثانیہ کی خبر دی گئی اور اس طرح جو پیشگوئی سورۃ الجمعہ کی آیت **وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ** میں آئی ہے اس کے ظہور کا ٹھیک ٹھیک وقت بتلا دیا گیا۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز ہوکر ظہور فرمایا اور ایک حد تک آپؑ کے ظہور کے ساتھ ہی اس سے پہلے کی دس سو سالہ رات رخصت ہونی شروع ہوگئی یعنی اسلام پر بہار کے دن آنے لگ گئے جس کا اعتراف آپؑ کے کئی مخالفوں نے بھی کھلے لفظوں میں کیا اور اب تو باوجود اس کے کہ ابھی آپؑ کے ظہور پر صرف سو سال گزرے ہیں۔ **وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ** کا نظّارہ اور بھی شان کے ساتھ ہونے لگا ہے چنانچہ ایک طرف دیوار برلن ٹوٹی ہے جس سے اسلام کے روس میں نفاذ کا راستہ کھُلا ہے دوسری طرف روسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل ہؤا ہے۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح رابع کے خطبات کو ساری دنیا میں **LIVE** دیکھنے اور سننے کے سامان ہوگئے ہیں۔ کم وبیش۱۶۹ ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہوچکی ہے۔ اور بہت سی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہوچکے ہیں نئے نئے مشن کھل رہے ہیں۔ گزشتہ ایک سال میں چار کروڑ سے زیادہ لوگ حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے ہیں۔ غرض آپؑ کے سلسلہ کو غیر معمولی ترقّی کے ملنے کے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ غلبہ اسلام کے آثار یومًا فیومًا واضح سے واضح تر ہوتے جارہے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رات کا رخصت ہونا طلوع آفتاب کو چاہتا ہے اس لئے ان آیات کے مطابق ابتدائے اسلام سے ۱۳۰۰ سال گزرنے پر آنے والے نبی کا نام آسمان پر شمس رکھا گیا لیکن چونکہ اوّل درجہ پر اس نام کا مستحق صرف ایک ہی ہے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود باجود اور نبی موعودؑ نے آپؐ ہی کی روشنی کو دنیا میں پھیلانا تھا اس لئے قرآن میں اسکا نام قمر بھی رکھا گیا اور آیت **وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ** میں بتایا گیا کہ آئندہ ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے وجود میں شمس وقمر جمع کیئے جائیں گے۔ یعنی وہ ایک پہلو سے شمس اور ایک پہلو سے قمر ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام میں ”الشّمس“ کہہ کر بھی پکارا اور ”قمر“ کہہ کر بھی پکارا۔

سورۃ الفجر کی اگلی آیات میں بعض گزشتہ مخالفین انبیاء کی ہلاکت کا ذکر ہے تا اشارہ ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا بھی ایسا ہی انجام ہوسکتا ہے اور آخر سورۃ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ (۲۸) ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً (۲۹) فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ (۳۰) وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ (۳۱)

اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو (اس سے) راضی ہے اور (اس کا) رضا یافتہ بھی ہے۔ سو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنّت میں داخل ہوجا۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ کے آخر کا اس کے شروع کے ساتھ خوبصورت ربط ضرور ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں (ان کے ایک مفہوم کے مطابق)

غلبہ اسلام کا مضمون تھا اس لئے ان آخری آیات کا بھی (ان کے ایک مفہوم کے اعتبار سے) غلبہ اسلام سے تعلق ضروری ہے۔ پس ان میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں جو سب سے زیادہ صاحبِ نَفْسِ مُطْمَئِنَّہ اور ان آیات کے پہلے مخاطب تھے خداتعالیٰ نے بتایا کہ (غلبہ اسلام کے بارہ میں آپؐ کی بے قراری اس سے مخفی نہیں) وہ آپؐ پر ایسا فضل فرمائے گا کہ آپؐ اس کے بارہ میں مطمئن دل لے کر دنیا سے جائیں گے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضرتؐ کَآفَّةً لِّلنَّاس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے (سَبَا ۳۴:۲۹)۔ اس لئے ضرور تھا کہ آپؐ ساری دنیا میں غلبہ اسلام چاہیں چنانچہ آیت قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام ۶:۱۶۳) سے ظاہر ہے کہ آپؐ کی نماز اور قربانی یعنی دعائیں اور طرح طرح کی قربانیاں صرف اس لئے نہیں تھیں کہ ملک عرب مسلمان ہوجائے بلکہ اس لئے تھیں کہ ساری دنیا اپنے رب کو پہچاننے لگے یعنی عالمگیر غلبہ اسلام کے لئے تھیں۔

مگر اسی آیت سے یعنی اس کے الفاظ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ سے ظاہر ہے کہ یہ کام بتمام وکمال آپؐ کی زندگی میں پورا ہونے والا نہیں تھا۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی کام کے بارہ میں کہے کہ میرا تو جینا ہی اس کیلئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کام کو اپنی زندگی میں پورا ہوتے دیکھ لینا چاہتا ہوں لہٰذا اگر قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ کے بعد صرف وَمَحْيَایَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کے الفاظ ہوتے تو چونکہ یہ الفاظ خداتعالیٰ نے آپؐ سے کہلوائے ان کا مطلب لازمًا یہ ہوتا کہ یہ کام آپؐ کی زندگی ہی میں پورا ہوجائے گا۔ لیکن اس آیت میں وَمَحْيَایَ کے بعد وَمَمَاتِیْ کے الفاظ بھی ہیں یعنی حضورؐ کی زبان حق ترجمان سے یہ بھی کہلوایا گیا کہ میرا جینا ہی نہیں مرنا بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے ہے حالانکہ اگر یہ مقصد آپؐ کی زندگی ہی میں حاصل ہوجانے والا تھا تو ان الفاظ کا اضافہ درست نہیں ہوسکتا تھا پس یہ الفاظ بڑھا کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ یہ کام ایک حد تک آپؐ کی زندگی میں ہوجائے گا لیکن مکمل آپؐ کے بعد ہوگا یعنی آیت اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص ۲۸:۸۶) کے مطابق ملک عرب میں تو اسلام کا غلبہ آپؐ کی زندگی میں واقع ہوجائے گا لیکن اس کا عالمگیر غلبہ آپؐ کے دنیا سے جانے کو چاہے گا اور آپؐ کے بعد واقع ہوگا۔ لیکن مرنا تو انسان کے

اختیار میں نہیں (وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ ال عمران ۳:۱۴۶) لہٰذا خداتعالیٰ نے جو آپؐ سے یہ کہلوایا کہ میرا مرنا بھی اس مقصد کے لئے ہے تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ آپؐ کو موت اور زندگی میں سے جو چیز چاہیں منتخب کرنے کا اختیار دیا جائے گا۔ اس وقت آپؐ موت کو پسند کریں گے اور یہ پسند کرنا بھی اللہ رب العالمین کے لئے ہوگا۔ یعنی اس لئے ہوگا کہ اس کے دین کو عالمگیر غلبہ حاصل ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوسکتا تھا جو اس وقت آپؐ قرآنی اشارات سے سمجھ چکے ہوں کہ جتنا کام آپؐ کی شخصی زندگی میں ہونے والا تھا وہ ہوچکا ہے اور باقی ماندہ کام الٰہی سکیم کے مطابق آپؐ کے بعد ہونا مقدّر ہے اور اس کا آغاز آپؐ کے دنیا سے جائے بغیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ فتح مکّہ کے بعد جب لوگ افواجًا اسلام میں داخل ہونے لگ گئے اور سارے عرب میں اسلام غالب آگیا تو خداتعالیٰ نے آپؐ سے یہ فرمایا کہ چاہیں تو کچھ عرصہ اور دنیا میں رہ لیں اور چاہیں تو اپنے رب کے پاس واپس آجائیں تو اس وقت آپؐ نے دوسری صورت کو پسند فرمایا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو اپنے قرب وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا سو اے عزیزو ..... ”تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو ...... کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے ...... اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں ......سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔“

(رسالہ الوصیت صفحہ ۳۰۵)

بہرحال اس آیت قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہونے کی اتنی خواہش رکھتے تھے کہ آپؐ کی تمام تر تضرّعات اور قربانیاں اسی غرض سے تھیں اور آپؐ کی شدید آرزو تھی کہ یہ کام جتنا زیادہ ممکن ہے اپنی زندگی ہی میں ہوتا دیکھ لیں مگر آپؐ یہ بھی جان چکے تھے کہ عالمگیر غلبہ اسلام کے متعلق الٰہی سکیم یہ ہے کہ وہ آپؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حاصل ہو اور آپؐ نے اسی میں خداتعالیٰ کی مرضی دیکھتے ہوئے راضیہ بن کر اس صورت کو قبول کرلیا ہوا تھا اس لئے اس بارہ میں آپؐ کے اطمینان کے لئے ضروری تھا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بشارتیں ملتیں وہاں جتنا کام آپؐ کی

زندگی میں ہونے والا تھا اس کے بارہ میں بتایا جاتا کہ وہ فلاں فلاں مراحل میں سے گزر کر پورا ہوگا اور جو کام آپؐ کے بعد ہونے والا تھا اس کے بارہ میں بھی بتا دیا جاتا کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزر کر سرانجام پائے گا اور پھر آپؐ کی زندگی میں ہونے والا کام اس اطلاع کے عین مطابق ہوتا چلا جاتا تا آپؐ کو تسلی ہوتی کہ جس طرح وہ تمام پیشگوئیاں جو آپؐ کی زندگی سے تعلق رکھتی تھیں یکے بعد دیگرے پوری ہوگئیں اسی طرح وہ پیشگوئیاں بھی جو آپؐ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آجائے گا۔

اب دیکھئے جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں اس غلبہ اسلام کی خبر بھی دی گئی تھی جو آنحضرتؐ کے حینِ حیات میں حاصل ہونیوالا تھا اور بتایا گیا تھا کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزر کر حاصل ہوگا اور پھر انہی آیات میں (انکے دوسرے مفہوم کے مطابق) اسلام کے عالمگیر غلبہ کی بھی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزر کر اور کس زمانہ میں اور کس کے ہاتھ پر حاصل ہوگا پس اُن آیات کے بالمقابل آخر سورۃ میں آیت یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً لا کر بتایا گیا کہ غلبہ اسلام کے تعلق میں جن باتوں کے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حینِ حیات میں وقوع پذیر ہونے کی اطلاع شروع سورۃ میں دی گئی وہ سب کی سب آپؐ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل پوری ہوجائیں گی حتّٰی کہ جتنا غلبہ آپؐ کی زندگی میں ہونا مقدّر کیا گیا وہ بھی حاصل ہوجائیگا تو آپؐ کو اطمینان ہوجائے گا کہ جو باتیں آپؐ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی ضرور پوری ہوں گی اور اپنے وقت پر اسلام کو عالمگیر غلبہ بھی حاصل ہوجائیگا (بالخصوص جبکہ جن آیات میں آپ کے حینِ حیات سے تعلق رکھنے والی خبریں دی گئیں اور سب کی سب پوری ہوئیں انہی میں آپؐ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھنے والی خبریں بھی دی گئیں) اسلئے اس کے بعد خداتعالیٰ آپؐ کو کہے گا اے نَفْسِ مُطْمَئِنَّة یعنی اے اطمینان یافتہ نفس (جس کام کیلئے تجھے دنیا میں بھیجا گیا تھا اسکی تکمیل کے بارہ میں تجھے پوری طرح مطمئن کردیا گیا ہے اسلئے اب) تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ راضیۃً مرضیۃً (اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی)۔

==============

فتح مکّہ سے لے کر مہدی موعودؑ کے ظہور تک مسلمانوں پر آنیوالے مختلف ادوار کی خبر

سورۃ الفجر کی (ابتدائی) آیات میں اسلام کے دورِ اوّل کے غلبہ اور دورِ دوم کے غلبہ کے متعلق بتایا گیا تھا کہ یہ غلبے کن کن مراحل میں سے گزر کر حاصل ہوں گے۔ اور آخر سورۃ میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ ان میں سے پہلے غلبہ کے متعلق جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ ساری کی ساری حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے حینِ حیات ہی میں پوری ہوجائیں گی جس کی وجہ سے آپؐ دوسرے غلبہ کے بارہ میں مطمئن دل لے کر اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔ چونکہ سورۃ الفجر کی ابتدائی آیات کے جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے ایک سے زیادہ ممکنہ مفہوم ہوسکتے تھے۔ ایک وہ جن کے مطابق بتایا گیا تھا کہ اگلے دس سال سخت مصائب کے آئیں گے یہاں تک کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مکّہ سے ہجرت کرنا پڑے گی اور دوسرے وہ جن کے مطابق ان آیات میں مصائب اور ہجرت کی طرف اشارہ نہیں تھا بلکہ اور اشارات تھے اور اس وقت کے حالات اور مکّہ مکرّمہ کی محبت کی وجہ سے بتقاضائے بشریت آنحضورؐ یا آپؐ کے صحابہؓ ان آیات کا پہلے مفہوم کی بجائے کوئی دوسرا مفہوم لینے کی طرف مائل ہوسکتے تھے۔ اس لئے اگلی سورۃ البلد کو حرف 'لا' سے شروع فرما کر خداتعالیٰ نے انہیں اس میلان سے روکا اور بتایا کہ وہ آیات مصائب اور ہجرت والے مفہوم ہی میں پوری ہونے والی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ آپؐ کو مکّہ سے ہجرت تو بیشک کرنا پڑے گی مگر آپؐ اس میں فاتحانہ واپس بھی آئیں گے البتہ اس کے لئے آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو محنت شاقہ سے کام لینے اور جگر خون کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح یہ اشارہ کیا کہ ہجرت کے بعد کفّار کے ساتھ جنگیں بھی ہوں گی جن کے نتیجہ میں کچھ معذور اور کچھ یتیم وجود میں آئیں گے اور مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ان کی کفالت اپنے ذمّہ لیں۔ گویا فتح مکّہ تک پیش آنے والے حالات کی خبر دی تھی۔ اس کے بعد سورۃ الشّمس آتی ہے اس میں فتح مکّہ سے لے کر آنحضورؐ کی مہدی موعودؑ کے وجود میں ہونے والی بعثتِ ثانیہ تک کے حالات کی خبر دی گئی فرمایا:-

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا (۲) وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۳) وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (۴) وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا (۵) وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (۶) وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا (۷) وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (۸) فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰهَا (۹) قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا (۱۰) وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا (۱۱)

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب وہ اسے ظاہر کردے۔ اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لے۔ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا۔ اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے (ان سب کے) برابر بنایا۔ پھر اس کی بدی اور اس کے تقویٰ کا علم دیا۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ اور خائب وخاسر رہا جس نے اسے (سفلی خواہشات میں) گاڑ دیا۔

وَما بَنٰـهَا کے معنے بیضاوی نے **ومن بَنٰـهَا** کئے ہیں

فَاَلۡهَمَهَا کے معنے ہیں **بَيَّنَ. عَلَّمَ. عَرَّف** (ابن عباس ومجاہد)

قَـدۡ اَفـلَـحَ: حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تزکیہ نفس حسبِ ہدایت نبی کریم ﷺ کرنے سے آخرت میں نجات ملتی ہے اور دنیا میں بھی آرام ملتا ہے۔

وَالشَّـمۡـسِ وَضُحٰهَا کے الفاظ میں خداتعالیٰ نے یہ بتایا کہ جس طرح سورج اپنے وجود پر خود دلیل ہوتا ہے اور جب چڑھے تو یہ بات یقینی ہوتی ہے کہ وہ اپنی پوری بلندی تک بھی پہنچے گا۔ اسی طرح آسمانِ روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی آپ اپنی سچائی کی دلیل ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ آپؐ کو پورا عروج حاصل ہوگا (مگر جیسا کہ اگلی آیات سے ظاہر ہے مادی سورج کی طرح جس کا عروج بلافصل ہوتا ہے نہیں بلکہ مختلف مراحل میں سے گزرتے ہوئے)۔

پھر سورج کے ساتھ اس کی دھوپ کی قسم کھا کر اور قسم میں ان دونوں کو اکٹھا رکھ کر اشارہ کیا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو براہ راست اس سورج کے سامنے نہیں آئیں گے مگر

اس کی دھوپ یعنی برکات سے اسی طرح فیض یاب ہوں گے جس طرح خود اس کے سامنے آنے والے (گویا حضرت اویس قرنیؒ اور حضرت مہدی موعودؑ جیسے لوگ اُمّت میں پیدا ہونے کی پیشگوئی فرمائی)۔

پھر دھوپ کیلئے **ضُحٰی** کا لفظ رکھ کر جو سورج کے نصف النّہار تک پہنچنے سے پہلے پہلے کا وقت ہوتا ہے اور اس کے معاً بعد چاند کے نکلنے کا ذکر **وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا** کے الفاظ میں فرما کر بتایا کہ ابھی یہ سورج نصف النّہار تک نہیں پہنچا ہوگا یعنی اسلام کو غلبہ تو حاصل ہو چکا ہوگا مگر عالمگیر غلبہ ابھی حاصل نہیں ہؤا ہوگا کہ یہ سورج لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا اور ایسا ہوتے ہی ایک ایسا چاند افق سماء پر ابھرے گا جو اس سورج کی پوری اتباع کرنے والا۔ اس کی روشنی کو دنیا میں پھیلانے والا اور اس کے بعد بلافصل آنے والا ہوگا۔ (ظاہر ہے کہ مراد اس سے مجازی چاند یعنی خلافتِ راشدہ کے چاند سے تھی)۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا اس کے بعد ایک دن چڑھے گا جو اس سورج کو نمایاں کرکے دکھا دے گا۔ یعنی مسلمانوں کو ایسی عظیم الشان ترقّیات حاصل ہوں گی۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور برکات کا واضح ثبوت ہوں گی (مراد اس سے اسلامی بادشاہتوں کا زمانہ ہے جو اس بات کو ثابت کرنے والا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود کے ساتھ روحانی ہی نہیں مادی برکات بھی وابستہ ہیں۔ کما فی قولہٖ .... **لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** (الحدید ۵۷:۳۰) اللہ تمہیں اپنی رحمت سے اس لئے نوازے گا کہ تا اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو اللہ کے فضلوں میں سے کچھ میسر نہیں اور یہ جان لیں کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے اس میں سے حصّہ دیتا ہے۔ **وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا** اس کے بعد ایک رات آئے گی جو اس سورج (محمد رسول اللہ ﷺ) کے حسین چہرہ پر پردے ڈال دے گی (مراد اس سے فَیجِ اعوج کا زمانہ ہے جس کا دورانیہ سورۃ الفجر اور سورۃ السجدہ میں مذکور اشارات کے مطابق ہزار سال ہونا مقدّر تھا)۔

اس کے بعد ہے **وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا** قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا۔ چونکہ اس سے پہلے شمس اور قمر وغیرہ الفاظ مجازی معنوں میں آئے ہیں **السَّمَآ** اور **اَلْاَرْض** کے الفاظ بھی مجازی

معنوں ہی میں لئے جائیں گے پس مطلب یہ ہے کہ فَیجِ اعوج کا زمانہ گزرنے پر وہ روحانی آسمان جس کے شمس اور قمر کا اوپر ذکر ہؤا اور اس کے مقابل کی زمین ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوں گے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ تائید اسلام میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلّیات ظاہر ہوں گی۔ یعنی ایک نبی (مہدی موعودؑ) کا ظہور ہوگا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو ایسی مُصَفّٰی صورت میں پیش کرے گا کہ لوگوں کو اس پر ایک نئے دین کا گمان ہونے لگے گا۔ اور انسان کا نفس اور خداتعالیٰ جس نے اسے نیکی اور بدی کی برابر استعداد دی اور اسے اس کے فجور اور تقویٰ پر آگاہی بخشی۔ اس بات پر گواہ ہوں گے کہ ان مختلف ادوار میں سے ہر دور میں جس نے (اس نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ذریعہ) اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی اسے پاک کیا اور اس کی نشوونما کی وہ اپنے مقصدِ حیات کو پا گیا اور جس نے اس کے برخلاف اپنے نفس کو سفلی خواہشات میں گاڑ دیا وہ نامراد رہا۔ بہ الفاظِ دیگر یہ کہ ان مختلف ادوار میں سے ہر دور اس بات پر شاہد ہوگا کہ محمد مصطفٰے ﷺ زندہ نبی ہیں اور آپؐ کا افاضہ روحانیہ جاری ہے۔ جس نے آپؐ کا دامن پکڑا فلاح پا گیا اور جو آپؐ سے دور رہا وہ خدا سے بھی دور رہا۔

چونکہ سورۃ الفجر میں اسلام کے دونوں دوروں کے بارہ میں یہ خبر دی گئی تھی کہ ترقّی سے پہلے مصائب کی رات آئے گی۔ (پہلے دور میں یہ رات دس سال لمبی اور دوسرے دور میں دس صدیاں لمبی ہوگی)۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب خداتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اپنے نبی کے ماننے والوں پر مصائب کے زمانے آنے ہی کیوں دیتا ہے۔ اس لئے اگلی سورۃ یعنی سورۃ الیل میں خداتعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کی اور بتایا کہ ایسا وہ اس لئے کرتا ہے کہ اچھے اور برے دونوں قسم کے حالات میں مومنوں کے اعمال واخلاق کی کفار کے اعمال واخلاق پر برتری ظاہر ہوجائے۔ چنانچہ مومنوں میں سے جو بھی **اِبۡتِغَآءَ لِوَجۡهِ اللّٰهِ** نیکیاں کرے گا **فَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی** ۔ خداتعالیٰ اس سے راضی ہوجائے گا۔ یا یہ کہ وہ بندہ اس سے راضی ہوجائے گا۔ بوجہ اس کے انعام واکرام کے۔

جن سے خداتعالیٰ ناراض ہو ان کے بارہ میں قرآن فرماتا ہے **وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ** (ال عمران ۳:۷۸) اللہ قیامت کے دن نہ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ جس سے ظاہر ہے کہ جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان سے وہ کلام بھی

کرتا ہے اور انہیں محبت کی نظر سے دیکھتا بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

اب بھی جس کو چاہتا ہے وہ بناتا ہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

لہٰذا **فَلَسَوْفَ یَرْضٰی** کا یہی مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کو خداتعالیٰ اپنی ہم کلامی سے مُشرّف فرمائے گا اور یہ نعمت عظمٰی پاکر وہ راضی ہوجائیں گے یعنی انہیں کسی اور چیز کی طلب نہیں رہے گی۔

===============

سورۃ الضحیٰ میں مہدیؑ کا ذکر

چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایک دو سورتیں نازل ہوجانے کے بعد ایک دفعہ نزول وحی رک گیا تھا اس لئے سورۃ الّیل کی ان آیات پر دشمن کہہ سکتا تھا کہ خود پر تو وحی ہونا بند ہوچکی ہے اور اپنے متبعین کو اس کی بشارتیں دے رہے ہیں اسلئے اس کے معاً بعد **سورۃ الضُّحیٰ** رکھ کر اور اسے **وَالضُّحٰی وَالَّیلِ اِذَا سَجٰی مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَاقَلٰی** کے الفاظ سے شروع فرما کر خداتعالیٰ نے یہ بتایا کہ نزولِ وحی میں تعطل محض ایک عارضی بات تھی ورنہ اب سے یہ اس کثرت سے شروع ہو رہا ہے کہ دن چڑھ جائے گا۔ البتہ اس کے بعد ایک رات یعنی ایک لمبا زمانہ فترتِ وحی کا پھر آنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ زمانہ مستقل ہوتا تو کفار کا مذکورہ اعتراض باقی رہتا اور اس امر کا ذکر کرنا اس اعتراض کو تسلیم کرلینے والی بات ہوتی سوائے اس کے کہ جس طرح مادی رات کی تاریکی کے انتہا کو پہنچ جانے پر دن ضرور چڑھتا ہے اسی طرح اس روحانی رات کی تاریکی کے انتہا کو پہنچنے پر بھی دوبارہ نزول وحیِ نبوت کے دن کا چڑھنا مقدّر ہوتا چنانچہ اس بارہ میں اپنے محبوب ﷺ کی تسلی کے لئے خدا نے فرمایا:-

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (۵)

(اے رسول) تیرے لئے آخرت اُولیٰ سے بہتر ہوگی۔

اس آیت کے بہت سے معانی ہیں لیکن آگے پیچھے چونکہ وحی کا مضمون ہے اس لئے یہ

معنے اسکے بطور خاص ہیں کہ وَحیُ (زَمَنِ) الْاٰخِرَۃ تیرے لئے وَحیُ (زَمَنِ) الْاُوْلیٰ سے بہتر ہوگی۔ لیکن حضوؐر افضل الانبیاء ہیں۔ حضوؐر پر دینِ کامل نازل ہوُا اور نعمتِ وحی کا اتمام ہوُا اس لئے یہ مطلب تو اس قول کا ہو نہیں سکتا تھا کہ آخری زمانہ میں کسی اور پر نازل ہونے والی وحی خود حضورﷺ پر نازل ہونے والی وحی سے حضورؐ کیلئے بہتر ہوگی۔ بالخصوص جبکہ حضوؐر کا عہد نبّوت شروع ہوجانے کے بعد بابِ وحی حضورؐ کے غلاموں کے علاوہ اور ہر کسی پر بند ہوچکا تھا۔ پس بلاشبہ اس سے حضورؐ کے متبعین پر نازل ہونے والی وحی ہی مراد ہوسکتی تھی۔ یعنی وہ وحی جس کی طرف سورۃ الَّیل کے آخر میں اشارہ کیا گیا۔ پس اس میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ آخری زمانہ میں حضورﷺ کے کسی مُتَّبِع پر نازل ہونے والی وحی حضورؐ کے ابتدائی زمانہ کے متبعین پر نازل ہونے والی وحی کی نسبت حضورؐ کے لئے بہتر ہوگی۔ یعنی وہ وحی حضورؐ کی شان افاضئہ روحانی کو زیادہ ظاہر کرنے والی ہوگی۔ اور چونکہ وحی دلایت تو حضوؐر کی بعثتِ اولیٰ کے زمانہ میں حضورؐ کے متبعین پر نازل ہونے والی وحی بھی تھی اس لئے آخری زمانہ کی وحی کو حضورؐ کے لئے بہتر قرار دے کر خداتعالیٰ نے دراصل یہ بتایا کہ وہ وحی وحیِٔ نبّوت ہوگی۔ پس اس میں حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ کے متبعین میں سے کسی صاحبِ وحیِٔ نبّوت کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی جو حضرت مہدی موعودؑ کے وجود میں پوری ہوئی۔ کیونکہ حدیث نبوی لَیْسَ بَیْنِی وَبَیْنَہٗ نبیٌّ کے مطابق آنحضورؐ اور موعود عیسٰی ابن مریم کے درمیان اور کوئی نبی نہیں اور حدیث لَا الْمَھْدِی اِلَّا عِیْسٰی کے مطابق موعود عیسٰی اور موعود مہدی ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضورؐ کے ذریعہ بنیادی طور پر دو کام ہونا مقدّر تھے ایک تکمیل ہدایت، دوسرا تکمیل اشاعتِ ہدایت، ان میں سے پہلا کام حضوؐر کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا اور حضورؐ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (الْمآئدہ۵:۴) کی صدا سن لی تھی لیکن دوسرے کام کے لئے اس وقت ذرائع میسر نہیں تھے اس لئے اس کام یعنی تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کے کام کے بارہ میں خداتعالیٰ نے مقدّر یہ کیا تھا کہ وہ حضوؐر کی بعثتِ ثانیہ کے وقت میں جو مہدی موعودؑ کے وجود میں ہونے والی تھی ہو (جیسا کہ آیت ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ میں اس کا واضح ذکر ہے اور مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ یہ بات مہدی

موعودؑ کے زمانہ سے متعلق ہے)۔ لہٰذا خداتعالیٰ نے جو آنحضورؐ کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی تو اس کے ایک معنٰی قطعی اور یقینی طور پر یہ بھی تھے کہ تکمیل اشاعتِ ہدایت کے بارہ میں آخری زمانہ آپؐ کے لئے پہلے زمانہ سے بہتر ہوگا۔ اور تکمیل اشاعتِ ہدایت اور اسلام کا تمام ادیان عالم پر غالب آنا لازم وملزوم ہیں۔ اس لئے ان معنوں کی رو سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کا عالمگیر غلبہ آخری زمانہ میں ہوگا جبکہ پہلے معنوں کے اعتبار سے اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک صاحبِ وَحیِؐ نبوّت شخص (جس سے جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے مہدی موعودؑ مراد ہے) ظاہر ہوگا۔ اس لئے ہر آدمی جس میں قرآن کریم سے استدلال واستنباط کی ادنیٰ سی استعداد بھی ہو سمجھ سکتا ہے کہ اس پاک کتاب میں خداتعالیٰ نے پہلے سے خبر دے دی تھی کہ:-

نمبر۱ مہدی موعود نبی اللہ ہوگا۔

نمبر۲ وہ آخری زمانہ اسلام میں ظاہر ہوگا۔

نمبر۳ اس پر وحی اترا کرے گی۔

نمبر۴ اسلام کو تمام ادیان عالم پر غلبہ اس کے وقت میں حاصل ہوگا۔

نمبر۵ اس کے وجود سے آنحضورؐ کی شان افاضۂ روحانیہ دوسرے تمام بزرگانِ اُمّت کی نسبت زیادہ ظاہر ہوگی۔

نمبر۶ وہ آنحضورؐ کا غلام ہوگا اور حضورؐ ہی کی اتباع سے تمام مدارج روحانیہ حاصل کرے گا۔

چونکہ آپؐ کو وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی میں دی جانے والی بشارت کا تعلق آخری زمانہ سے تھا اس کے بعد وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو زمانہ قریب میں حاصل ہونے والے غلبہ اور فتوحات کی خبر دی تاکہ اس کے پورا ہونے پر حضورؐ کو مزید تسلی ہو کہ آئندہ زمانہ سے تعلق رکھنے والی خبریں بھی ضرور پوری ہوں گی۔ اور آپؐ سورۃ الفجر کے آخر میں دی جانے والی خبر کے مطابق اپنے رب کے بلاوے پر اپنے مشن کی کامیابی کے بارہ میں مطمئن دل لے کر اور رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ہونے کی حالت میں (پورے اعزاز کے ساتھ) اس کے حضور حاضر ہوں۔

جب غلبہ اسلام کی خبر دی تو اس کے بعد غلبہ کے جِلَو میں آنیوالے مسائل کا حل بتانے کو فرمایا:-

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (۷) وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی(۸) وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (۹) فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ (۱۰) وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ (۱۱) وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (۱۲)

لفظ یتیم کے بنیادی معنٰی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ اوپر غلبہ کی خبر دی تھی اور غلبہ کے ملنے پر آنحضورؐ یا آپؐ کے نائبین کے پاس کثرت سے لوگوں نے آنا تھا اور لوگوں میں سے بعض ایسے عجیب مزاج کے حامل ہوتے ہیں کہ انسان کو ان کی بات پر غصّہ آجاتا اور وہ انہیں دبانا چاہتا ہے لیکن آنحضرتؐ معلم اخلاق بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے **اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی** کے بالمقابل **فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ** کے الفاظ رکھ کر خدا نے بتایا کہ اے رسول **تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ** کا تقاضٰی تو یہی ہے کہ یتیم کو پناہ دی جائے۔ لیکن جن یتامٰی کی اپنی حالت اس میں مانع ہو ان کے بارہ میں بھی ہمارا حکم یہ ہے کہ کم از کم ان کو دبایا نہ جائے۔ پھر غلبہ کے وقت ایسے لوگوں نے بھی حضورؐ یا آپؐ کے نائبین کے پاس آنا تھا جنہوں نے ظاہر تو یہ کرنا تھا کہ وہ خداتعالیٰ کے قرب کے سوالی ہوکر آئے ہیں لیکن درحقیقت ان کی غرض کوئی اور (مثلاً دنیوی مفاد حاصل کرنا یا حضورؐ کو پریشان کرنا) ہونی تھی۔ اور آنحضورؐ کے لئے جو سب سے زیرک انسان تھے اس بات کو سمجھنا مشکل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسلئے آگے **وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی** کے الفاظ رکھ کر اور ان کے مقابل آیت **وَاَمَّاالسَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ** لا کر بتایا کہ اے رسول ہم نے تجھے اپنی محبت میں سرگرداں پایا تو تجھے اپنی راہ دکھا دی اس لئے تیرے پاس جب کوئی ہمارے قرب کا سوالی بن کر آئے تو فرض تو تیرا بھی یہی ہے کہ اسے ہماری راہ دکھائے لیکن اگر تو دیکھے کہ اس کے آنے کی اصل غرض کوئی اور ہے تو پھر بھی کم از کم اسے جھڑکیو نہیں کیونکہ آخر وہ دعویدار تو ہمارے قرب کا متلاشی ہونے ہی کا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ؎

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعوٰی حُبِّ پیمبرمؐ

پھر غلبہ کے بعد چونکہ تلوار کے جہاد کی بجائے اس سے بڑے جہاد یعنی دعوت الی اللہ

کے جہاد کی طرف زیادہ توجہ ہوجاتی تھی۔ اور اس کے نتیجہ میں مبلغینِ اسلام نے (نومسلموں کے آنے سے جو ان کے لئے بمنزلہ روحانی اولاد کے ہونے تھے) کثیر العیال بن جانا تھا۔ اور ایسے لوگ جتنے زیادہ ہوتے اتنے زیادہ مختلف النوع مسائل اور سوال بھی پیدا ہونے تھے۔ اور ان داعیان الی اللہ نے ان عقدوں کے حل کے لئے آنحضورؐ کی طرف رجوع کرنا تھا۔ اس لئے آخر میں **وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى** کے الفاظ رکھے اور ان کے بالمقابل فرمایا **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** اور اس طرح بتایا کہ اے رسول جس طرح ہم نے تجھے کثیر العیال پا کر غنی بنادیا۔ یعنی ایسی کتاب اور ایسا عرفان عطا کیا کہ تو ہر اک حاجت مند کی روحانی ضرورت پوری کرسکے اس طرح تیرا بھی فرض ہے کہ جب ایسے کثیر العیال (داعیان الی اللہ) تیرے پاس آئیں تو اپنے رب کی اس عظیم نعمت کی جس کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ یعنی قرآن کی تحدیث کرے یعنی انہیں بتائے کہ مجھے جو علم خدا نے دیا ہے وہ سب قرآن میں موجود ہے اس لئے تم قرآن کی طرف توجہ کرو کہ اس میں تمہارے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اور یہ فرمانے کی بجائے کہ اے رسول تو ان کی حاجت روائی کرنا جو یہ فرمایا کہ تو انہیں قرآن کی طرف متوجہ کرنا تو اس کی وجہ یہ تھی غلبہ حاصل ہونے کے بعد آنحضورؐ نے خود تھوڑا ہی عرصہ دنیا میں رہنا تھا مگر قرآن نے ہمیشہ رہنا تھا اور آپؐ کے سب نائبین بشمولیت مہدی موعودؑ کے اس سے استفادہ کرسکتے تھے۔

کثیر العیال لوگ روٹی پانی کے لئے کسی کے پاس آئیں اور وہ ان کے سامنے قرآن رکھ دے تو اس سے ان کا پیٹ تو نہیں بھرے گا پس اس جگہ قرآن کی طرف متوجہ کرنے کا حکم فرما کر بالکل کھول دیا کہ اس جگہ عائل کا لفظ مجازی معنوں میں آیا ہے۔

قرآن کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے اس آخری حکم کی وجہ سے آئندہ نبی کے آنے کی خبر پر جو اس سے پہلے دی گئی کئی سوال پیدا ہوتے تھے۔

پہلا سوال یہ کہ کیا باوجود اس کے کہ قرآن کریم کی تحدیث کا حکم دیا گیا ہے مسلمان اسے بھول جائیں گے جو پھر نبی کی ضرورت پیش آئے گی؟۔

دوسرا سوال یہ کہ آنے والا نبی کون ہوگا اور اسکی آنخضرتؐ سے کیا نسبت ہوگی؟۔

تیسرا سوال یہ کہ پہلے صحیفوں کی طرح مرورِ زمانہ سے قرآن میں بھی تغیر وتبدل تو نہیں ہوجائے گا؟

چوتھا سوال یہ کہ کسی کتاب میں تغیر و تبدل نہ ہو پھر بھی تو بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے نئی کتاب کی ضرورت پیش آسکتی ہے کیا وہ نبی قرآن ہی پیش کریگا یا نئی کتاب لائیگا؟۔

اور

پانچواں سوال یہ کہ اسوقت اسلام کو ساری دنیا پر غالب کرنے کے لئے خداتعالیٰ کیا تدبیر بروئے کار لائیگا؟۔

اگلی سورۃ یعنی سورۃ الانشراح میں ان سوالوں کا جواب دیا گیا۔

==============

سورۃ الانشراح میں مذکورہ بالا سوالوں کا جواب

اس سورۃ کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:-

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ(۲)

کیا ہم نے تیرا شرح صدر نہیں کردیا۔

مستند روایات اور احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کو دوبار ایک واقعہ پیش آیا جو شقِ صدر یا شرح صدر کے نام سے موسوم ہے (بعض روایات میں اس سے زیادہ بار یہ واقعہ پیش آنے کا ذکر بھی آتا ہے لیکن جیسا کہ علامہ شبلی کی تصنیف سیرۃ النبیؐ میں ثابت کیا گیا ہے وہ روایات کمزور اور ناقابل قبول ہیں)۔

پہلی بار یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضورﷺ کی عمر چار یا پانچ سال کی تھی اور حضورؐ اپنی دایہ حضرت حلیمہ کے پاس رہا کرتے تھے اور دوسری بار معراج کی رات یعنی قریباً چھٹے سال نبوّت میں۔ پہلی بار کے واقعہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ فرشتے آئے انہوں نے حضورؐ کو لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا۔ اس میں سے دل باہر نکالا اور اسے دھو کر پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ حضورؐ کے رضاعی بھائی اور ساتھ کھیلنے والے دوسرے بچوں نے بھی یہ نظّارہ دیکھا اور جب حضورؐ کی دایہ کو اس کی اطلاع ہوئی اور انہوں نے آکر حضورؐ سے پوچھا کہ کیا ہوُا ہے تو حضورؐ نے ساری بات بتائی اور فرمایا وہ میرے دل میں کوئی چیز ڈھونڈتے تھے جسے انہوں نے نکال دیا اور کہا کہ یہ شیطان کی آلائش تھی جو اب آپؐ سے دور کردی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک کشفی نظّارہ تھا جسے

حضورؐ کے ساتھ کے بچوں نے اسی طرح دیکھا جیسے ایک دفعہ جبرائیلؑ حضورؐ کے پاس آئے تو حاضرِ مجلس صحابہؓ نے بھی ان کو دیکھا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ دل کو دھونے کی ضرورت آلودگی کو چاہتی ہے جو روحانی ہی ہوسکتی تھی کیونکہ یہ روحانی نظّارہ تھا اور خود فرشتہ نے حضوؐر کو یہ کہا کہ جو چیز اس نے دور کر دی ہے وہ شیطانی آلودگی تھی۔ لیکن نبی گناہ کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے اس لئے اس سے گناہ سے ورے کی کوئی آلودگی ہی مراد ہوسکتی تھی۔ یعنی وہ چیز جو گناہ تو نہیں تھی مگر پنپنے دی جاتی تو گناہ پر منتج ہوسکتی تھی۔ بات یہ ہے کہ وہ عمر جس میں آنحضوؐر نے پہلی دفعہ یہ نظارہ دیکھا ایسی نہیں ہوتی کہ اس عمر کے انسان کا کوئی فعل گناہ کہلا سکے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس عمر سے ہی شیطان اسے اپنی راہ پر ڈالنے کی کوشش شروع کردیتا ہے۔ یعنی اگرچہ اسے گناہ کی بیماری تو اس عمر میں نہیں لگتی لیکن ایسے ''جراثیم'' شیطان اس کے اندر ضرور داخل کرنے لگ جاتا ہے جنہیں اگر ختم نہ کیا جائے تو آئندہ چل کر اسے گناہ کی بیماری لگ سکتی ہے۔ لہٰذا اس کشف کے پیرایہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ شیطان جو کاروائی اس عمر کے سب انسانوں پر کرتا ہے وہ اس نے آنحضورؐ پر بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یعنی وہ جراثیم جو اگر بڑھنے دیئے جاتے تو گناہ کی بیماری کا موجب ہوسکتے تھے اس نے آپؐ کے دل میں بھی داخل کیئے تھے مگر خداتعالیٰ نے آپؐ کو ان کے شر سے نجات دے دی ہے اس لئے آپؐ کو گناہ کی بیماری نہیں لگ سکتی۔ اسی حقیقت کو آنحضورﷺ نے بہ ایں الفاظ بیان فرمایا کہ **اِنَ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ**۔اللہ نے شیطان کے خلاف میری مدد کی سو وہ مسلمان ہوگیا ہے اس لئے سوائے خیر کے مجھے کسی بات کی تحریک نہیں کرتا۔ لیکن خیر کی تحریک کرنا تو شیطان کا منصب ہی نہیں اس لئے اس قول سے حضورؐ کی مراد یہی ہوسکتی تھی کہ اس کی ہر تحریک مُنتج خیر ہی پر ہوگی۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دھونے سے پہلے فرشتہ نے حضورؐ کے دل کو سینہ سے باہر کیوں نکالا اور اگر وہاں اس کے لئے کوئی خطرہ تھا تو پھر اسے وہاں واپس کیوں رکھا؟ سو جاننا چاہیئے کہ دل کو سینہ سے باہر نکالنے میں یہ اشارہ تھا کہ گناہ سے بچنے کے لئے اس ماحول سے جو گناہ کی طرف لے جا سکتا ہو نکلنا ضروری ہوتا ہے (یہی وجہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے

نہیں۔‘‘) اور دھونے کے بعد اسے سینے میں واپس رکھ دینے میں یہ اشارہ تھا کہ دھونے کے عمل سے جراثیم کی اس آلودگی میں جو آپؐ کے دل کو لگ گئی تھی کوئی ایسی تبدیلی آگئی ہے کہ آئندہ آپؐ کے دل کو نہ ان پہلے جراثیم سے کوئی خطرہ رہا ہے اور نہ نئے جراثیم سے کوئی خطرہ۔ یعنی وہ پہلے جراثیم نہ صرف یہ کہ مردہ ہوگئے ہیں بلکہ نئے جراثیم کے لئے اینٹی باڈی یعنی مہلک بھی بن گئے ہیں۔

دوسری بار کے واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ آپؐ کے پاس آئے آپؐ کو زمزم کے پاس لے گئے یا بہ اختلاف روایت زمزم کا پانی آپؐ کے پاس لائے۔ آپؐ کا سینہ مبارک کھول کر دل باہر نکالا اور اسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر سونے کی ایک طشتری لائی گئی (یعنی کوئی اور لایا نہ کہ حضرت جبرائیلؑ) جو ایمان وحکمت سے پُر تھی اور حضرت جبرائیلؑ نے ایمان وحکمت کے اس خزانہ سے آپؐ کے دل کو بھرا اور پھر واپس رکھ کر سینہ کو بند کردیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کے سینہ مبارک کو دھونے سے حضرت جبرائیلؑ کی غرض یہ تھی کہ ایمان وحکمت کی باتوں (یعنی قرآنی تعلیمات) کے ساتھ بھرنے سے پہلے اسے مانع ایمان وحکمت باتوں سے پاک کرلیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں دل کو دھونے کی ضرورت آلودگی کو چاہتی ہے اور جیسا کہ شرح صدر کے پہلے واقعہ سے ظاہر ہے آنحضورؐ کے دل کو بچپن ہی میں دھو کر شیطانی آلودگی سے نہ صرف پاک کر دیا گیا تھا بلکہ آئندہ کے لئے اس سے مامون بھی بنا دیا گیا تھا۔ لہٰذا آپؐ کے عہد نبوّت میں اور اس عہد کے بھی چند سال گزر جانے پر جو آپؐ کو ویسا ہی نظارہ دوبارہ کرایا گیا یعنی آپؐ کے دل کو دوبارہ دھویا گیا تو ماننا پڑے گا کہ اس دوسرے کشف میں حضور ﷺ سے حضورؐ خود نہیں بلکہ حضورؐ کی اُمّت مراد تھی اور یہ نظارہ دکھایا جانا بطور پیشگوئی کے تھا۔ یعنی اس سے مراد یہ تھی کہ کسی آئندہ زمانہ میں آپؐ کی اُمّت کا دل شیطانی باتوں یعنی مانع ایمان وحکمت باتوں سے آلودہ ہوجائے گا اور اسے دھوکر پاک کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ چنانچہ حضرت جبرائیلؑ پہلے اسے دھوئیں گے اور اس کے بعد ایمان وحکمت سے بھریں گے۔ مگر اس سے یہ مراد بہرحال نہیں ہوسکتی تھی کہ حضرت جبرائیل یہ کام بلاواسطہ ہی کریں گے بلکہ مراد یہ تھی کہ بتائید ملائکہ اس زمانہ میں آنے والے نبی کے ہاتھ سے یہ کام ہوگا۔ کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ وہ

یہ کام ہمیشہ نبی وقت کے ہاتھ سے کرواتا ہے اگرچہ اُس کے فرشتوں کی تائید اُسے حاصل ہوتی ہے۔ جبھی حضرت ابراہیمؑ نے مکّہ والوں کے لئے یہ دعا نہیں کہ الٰہی ان کو پاک کرنا اور کتاب اور حکمت سکھانا بلکہ یہ دعا کی کہ ان میں نبی مبعوث کرنا جو یہ کام کرے اور جبھی زیرِ نظر کشف میں وہ ایمان وحکمت سے بھری ہوئی سینی بھی کہ جس کا اس میں ذکر ہے جبرائیلؑ خود نہیں لائے بلکہ وہ ''لائی گئی'' یعنی کوئی اور لایا۔

اس کشف کی دوسری خاص چیز ایمان اور حکمت سے پر سونے کی طشتری تھی اور تیسری خاص چیز زمزم کا پانی تھا جس کے ساتھ (ایمان وحکمت کے ساتھ بھرنے سے پہلے) فرشتہ نے آپؐ کے دل کو دھویا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس پانی سے وہ پانی مراد ہے جس میں دل کو مانع ایمان وحکمت باتوں سے پاک کرنے کی صلاحیت تھی۔ مگر یہ صلاحیت کسی مادی پانی میں نہیں ہوتی اس لئے اس سے کوئی روحانی پانی ہی مراد ہوسکتا ہے۔ اور سورۃ الجمعہ کی آیت **هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ تعلیم کتاب وحکمت کے پانے سے پہلے تزکیہ نفوس یعنی دلوں کا پاک ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مگر یہ پاکیزگی بھی آیات اللہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے (جو کتاب اللہ کا حصّہ بھی ہوسکتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی ہوسکتی ہیں)۔ لہٰذا اس کشف میں دکھائے جانے والے آب زمزم سے وہ آیات مراد ہیں جن سے پیشتر اس کے کہ کتاب وحکمت کی تعلیم دی جائے ظاہر میں نبی وقت اور در پردہ حضرت جبرائیلؑ لوگوں کے دلوں کو شبہات سے پاک کرنے کا کام لیتے ہیں۔

سونے کی طشتری یا سینی سے قرآن مراد ہے جسے بوجہ سونے کی طرح خارجی اثرات سے محفوظ ہونے کے سونے سے بنی ہوئی دکھایا گیا اور بوجہ کھلی کتاب یعنی کتاب مبین ہونے کے طشتری کی شکل میں دکھایا گیا اور بوجہ ایمان سے متعلق تمام ضروری امور پر مشتمل اور سراسر حکمت ہونے کے سونے کی ایسی طشتری کی صورت میں دکھایا گیا جو ایمان وحکمت سے پر تھی۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایمان وحکمت سے قرآنی تعلیمات ہی مراد تھیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زمزم کا تعلق حضرت اسماعیلؑ سے ہے جو ایک عظیم نبی اللہ کے بیٹے اور آئندہ چل کر خود بھی نبی بننے والے تھے۔ لیکن اس پانی کے زمین سے نکلنے کے وقت ابھی

بالغ نہیں ہوئے تھے اور یہ تعلق اس وقت سے تھا جب وہ شدّتِ پیاس کی وجہ سے شدید بیقراری دکھا رہے اور زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے (جو ایک بچّہ کی زبان میں ایک صورت مضطّرانہ دعا کی تھی) اور خداتعالیٰ نے (ان کی اس دعا کو قبول کرکے) ان کے پاؤں کے نیچے سے وافر پانی کا چشمہ پھوڑ دیا تھا (جس کی وجہ سے وہ زمزم کہلایا) جو اس وقت سے ان کے نبی بننے تک بلکہ تا ایں دم جاری ہے اور ایک عالم اس سے سیراب ہؤا اور ہو رہا ہے۔ لیکن وہ پانی ان کے پاؤں کی رگڑ سے پیدا نہیں ہو گیا تھا بلکہ وہ پہلے سے وہاں موجود تھا گو اس کی موجودگی کا کسی کو احساس نہ ہو۔ ہؤا صرف یہ تھا کہ ان کے زمین پر ایڑیاں رگڑنے سے جو بچہ کی زبان میں ایک رنگ مضطرّانہ دعا کا تھا وہ پانی اسی طرح اوپر کھنچ آیا تھا جیسے اگر ماں دودھ محسوس نہ بھی کررہی ہو تو بچّے کے بھوک سے رونے اور چلّانے پر اس کی چھاتیوں میں دودھ اُبھر آتا ہے۔

پس اس کشف کی طرف متوجہ کرکے خداتعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ پر پیدا ہونے والے سوالات مندرجہ صفحہ ۵۸۴ - ۵۸۵ کا جواب دیتے ہوئے مندرجہ ذیل باتیں بتائیں۔

نمبر ۱ یہ کہ بیشک آئندہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں مسلمان کہلانے والوں کے دل مانع ایمان وحکمت باتوں سے اس قدر آلودہ ہوجائیں گے کہ انمیں اور قرآن کی صورت میں اترنے والے روحانی پانی میں (جو ایمان وحکمت ہی کا دوسرا نام ہے) ایسا بُعد واقع ہوجائے گا کہ گویا وہ سطح زمین سے نیچے اتر جائے گا۔ یعنی اگرچہ دنیا میں موجود تو ہوگا مگر لوگوں کے لئے اس سے استفادہ مشکل ہوجائے گا اور (جیسا کہ آیت **قُلْ اَرَئَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ** ۔ الملک ۶۷:۳۱ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے) سوائے اس شخص کے جس پر خداتعالیٰ کی خاص نظرکرم ہو اور خدا اس سے یہ کام لینا چاہیے کسی بھی انسان میں یہ طاقت نہیں ہوگی کہ اس پانی کو **مَـآءٍ مَعِيْن** کی صورت میں سطح زمین پر لاکر اس سے استفادہ آسان بنا دے۔ ہاں ایسے شخص سے خدا تعالیٰ ضرور یہ کام لیگا۔ کیونکہ اگر اس نے اس پانی کو پھر سطح زمین پر نہ لانا ہوتا تو اسے خشک کر دیتا **غَوْرًا** نہ کرتا۔

نمبر ۲ یہ کہ اس وقت خدا تعالیٰ جس شخص کو کھڑا کرے گا وہ جو حضرت اسماعیلؑ کی طرح ایک بزرگ نبی کا بیٹا اور آئندہ چل کر خود بھی نبی بننے والا ہوگا یعنی آنحضورؐ کا روحانی بیٹا ہوگا (کیونکہ آپؐ **خاتَمُ النَبِيّن** ہیں اور آیت **خاتَمُ النَبِيّن** کی رو سے آپؐ کی جسمانی اولاد کے اور

دوسرے نبیوں کی روحانی اولاد کے سلسلہ کے چلنے کی نفی ہو چکی ہے)۔ اور

نمبر۳ یہ کہ قرآن میں تغیر و تبدل نہیں ہوگا تاہم چونکہ یہ روحانی پانی اس وقت مسلمانوں کی دسترس سے دور ہو چکا ہوگا (گویا سطح زمین سے بہت نیچے چلا گیا ہوگا) اسے پھر سے اوپر لاکر اس سے استفادہ آسان بنادینے یا بہ الفاظ دیگر اسکی تعلیمات کے احیاء کے لئے آپؐ کا ربّ اس شخص کے دل میں شدید تڑپ پیدا کردے گا جو حضرت اسماعیلؑ کی مادی پانی کے لئے تڑپ کی طرح بالکل فطری ہوگی اور اس کی اس تڑپ یا مضطرّانہ دعا کو قبول فرماتے ہوئے جو وہ (اسی طرح جس طرح حضرت اسماعیلؑ اپنے زمانہ قبل از نبوّت میں اپنی اس وقت کی زبان میں مادی پانی کے لئے کر رہے تھے) اپنے زمانہ قبل از نبوّت سے کر رہا ہوگا۔ خداتعالیٰ اس کے پاؤں کے نیچے سے یعنی اس خوش قسمت زمین سے کہ جس پر اس کے بیقرار مبارک قدم بار بار پڑے ہوں گے اس روحانی پانی یعنی قرآنی علوم ومعجزات و برکات کا چشمہ پھوڑ دے گا اور اسے پھر سے سطح زمین پر لاکر اس سے استفادہ آسان بنا دے گا۔ اور

نمبر۴ یہ کہ اس وقت حضرت جبرائیل اُمّتِ محمدیہ کے ان افراد کے سینہ کو ہدایت کے لئے کھول دیں گے (جو باوجود اپنی کمزور ایمانی یا عملی حالت کے اس لائق ہوں گے کیونکہ آنحضورؐ کے ساتھ تھوڑی بہت مناسبت ان کو ہوگی جیسا کہ اس کشف میں ان کے حضورؐ کی صورت میں دکھائے جانے سے ظاہر ہے) اور ان کے سینہ کو کھولنے کے بعد ان کے دلوں کو اپنی مخفی تحریکات کے ذریعہ اس چشمہ کے پاس جو اس نبی کے ذریعہ پھوٹا ہوگا لے جائیں گے یا پھر اس چشمہ کو ان کے پاس لے آئیں گے یعنی یا تو ان لوگوں کو اس نبی کی جائے ظہور تک جہاں سے وہ چشمہ پھوٹا ہوگا یعنی قادیان مقدس تک لے جائیں گے اور اس چشمہ کے پانی یعنی قرآنی براہین وبرکات ومعجزات اور تاثیرات کے ساتھ ان کو قرآن کریم اور حضورؐ کی صداقت یا اسلام کے از سرِنو احیاء وغیرہ کے بارہ میں شُبہات سے پاک کریں گے یا پھر اس چشمہ کو ان لوگوں کے پاس لے جائیں گے یعنی کسی ترکیب سے اس نبی یا اس کے صحابہ یا اس کی تحریرات کو ان تک پہنچائیں گے اور اس طرح ان کے شُبہات کے ازالہ کا سامان کریں گے۔ اور

نمبر۵ یہ کہ اس کے بعد وہ ان کے دلوں کو وسیع تر قرآنی علوم اور حکمتوں سے بھر کر اوپر سے ان کا سینہ سی دیں گے یعنی انہیں مضر خارجی اثرات سے جو ان کے لئے ٹھوکر وارتداد کا

موجب ہو سکتے ہوں محفوظ کر دیں گے۔

آنحضورﷺ کے شرح صدر والے کشف کی یہ تعبیر کرتے ہوئے ہم نے زمزم کے پانی اور سونے کی طشتری یا سینی دونوں کا اطلاق قرآن کریم پر کیا ہے جو **شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ** ہے اور اس میں آنحضورؐ کے کشف والے زمزم کے پانی کی طرح دلوں کو شبہات سے پاک کرنے والی آیات بھی ہیں اور ایمان اور حکمت بخشنے والی آیات بھی ہیں۔ لیکن اگر زمزم اور سونے کی طشتری کو دو بالکل الگ الگ چیزیں سمجھا جائے تو چونکہ ہر نبی کے بارہ میں پہلے بزرگوں اور کتب کی پیشگوئیاں بھی ہوتی ہیں اور ان کے زمانہ کے بعض لوگوں کو بھی ان کے بارہ میں خدا کی طرف سے اشارات ہُوا کرتے ہیں اور جن لوگوں کو ہدایت دینا منظور ہو بعض دفعہ خود ان کو بھی خداتعالیٰ رویا وغیرہ میں اشارے فرما دیا کرتا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کیلئے تو **یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ** کا الہام بھی تھا۔ اس لئے اس صورت میں اس کشف سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت جبرائیل بعض لوگوں کو نبی وقت کے بارہ میں پہلے بزرگوں کی پیشگوئیوں کی طرف متوجہ کریں گے یا موجود الوقت بزرگوں کے پاس لے جائیں گے یا ان کی طرف متوجہ کر دیں گے جو خدائی اشاروں کی بنا پر اس نبی کی تصدیق کریں گے یا پھر اس زمزم کو ان کے پاس لے آئیں گے یعنی خود ان کو رویا وکشوف وغیرہ کے ذریعہ اس کی صداقت کی طرف متوجہ کردیں گے اور جب انہیں ان کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں رہے گا تو ان کے دلوں کو قرآن کریم میں مذکور ایمان اور حکمت کی باتوں سے جو وہ نبی ظاہر فرمائے گا بھر دیں گے۔

آگے آنے والی آیات **اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا** میں اس مضمون کی تاکید کی گئی اور بتایا گیا کہ جس طرح اس زمانہ (یعنی نزول قرآن کے ابتدائی زمانہ میں) روحانی اعتبار سے عسر کے حالات ہیں جو اب محمد رسول اللہﷺ کے آنے سے یسر میں بدلنے والے ہیں اسی طرح آئندہ پھر عسر کے حالات پیدا ہوں گے (جو اگرچہ دوسری آیات میں مذکور اشارات کے مطابق لمبا عرصہ رہیں گے) مگر ہوں گے وہ بھی عارضی ہی اور ایک نبی کے جو حضرت اسماعیلؑ کی طرح بیٹا بھی ایک نبی اللہ کا ہوگا آنے کے ساتھ یسر میں بدل جائیں گے۔ چنانچہ اس نبی حضرت مہدی علیہ السلام نے جنہیں النبی حضرت محمد رسول اللہﷺ نے اپنا بیٹا قرار دیا آکر خود فرمایا:-

''اسلام نے بڑے بڑے مصائب کے دن گزارے ہیں۔ اب اس کا خزاں گزر چکا ہے اور اب اس کے واسطے موسم بہار ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِیُسْرًا ۔'' (تفسیر حضرت اقدسؑ صفحہ ۴۱۳)

گویا آپ نے بھی اس آیت سے یہی استدلال کیا اور پھر فرمایا خداتعالیٰ ہمارے مخالف علما کے حال پر رحم فرمائے:-

''وہ زمانہ ان کو بھول گیا جب وہ منبروں پر چڑھ کر تیرھویں صدی کی مَذَمَّت کرتے تھے .... اور آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِیُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِیُسْرًا پڑھ کر اس سے استدلال کیا کرتے تھے کہ اس عسر کے مقابل پر چودھویں صدی یسر کی آئے گی۔ لیکن جب انتظار کرتے کرتے چودھویں صدی آ گئی اور عین صدی کے سر پر خداتعالیٰ کی طرف سے ایک شخص بدعویٰ مسیح موعودؑ پیدا ہوگیا اور نشان ظاہر ہوئے اور زمین وآسمان نے گواہی دی تو اوّل المنکرین یہی علماء ہوگئے۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۳۵)

بہرحال جب یہ خبریں دی گئیں تو ان پر کئی سوال پیدا ہوتے تھے۔ پہلا سوال یہ کہ کیا انسان گندی فطرت لے کر دنیا میں آتا ہے جو خداتعالیٰ کو اس کی طرف بار بار رسول بھیجنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسرا سوال یہ کہ اگر واقعی خدا ہی بار بار رسول بھیجتا ہے تو ان کی تعلیمات میں فرق کیوں پایا جاتا ہے؟۔ اور تیسرا سوال یہ کہ جب ایک صاحبِ شریعت نبی (موسیٰؑ) کچھ ہی عرصہ پہلے آچکا ہے اور اس کی کتاب بھی موجود ہے تو کسی اور صاحبِ شریعت نبی کی کیا ضرورت تھی۔ اور چوتھا سوال یہ کہ جس رسول کے آئندہ آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ کب آئے گا۔ اس کی کیا خصوصیات ہوں گی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کی کیا نسبت ہوگی اور اس کا اُمّت میں کیا مقام ہوگا۔ اگلی سورۃ یعنی سورۃ التّین میں خداتعالیٰ نے ان سوالوں کا جواب دیا۔

==============

سورۃ التّین میں مہدیؑ کا ذکر اور مذکورہ بالا سوالوں کے جواب

فرمایا:-

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ﴿۲﴾ وَطُوۡرِسِیۡنِیۡنَ ﴿۳﴾ وَهٰذَاالۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ﴿۴﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سَافِلِیۡنَ ﴿۶﴾ اِلَّاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۷﴾ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ﴿۸﴾ اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۹﴾

قسم ہے تین اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر (مکّہ) کی۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہت عمدہ سرشت دے کر پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ادنیٰ سے ادنیٰ حالت کی طرف لوٹا دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اور مناسبِ حال عمل کیئے۔ سو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ سو اس کے بعد کون سی چیز تجھے دین کے بارہ میں جھٹلائے گی۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں۔

طُوۡرِسِیۡنِیۡنَ اور **اَلۡبَلَدُ الۡاَمِیۡن** یعنی مکّہ مکرمہ بلاشبہ دو نبیوں حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جائے ظہور ہیں اس لئے ضرور ہے کہ تین اور زیتون بھی نبیوں کی بلکہ (بوجہ اسکے کہ دوسرے دو مقامات **طُوۡرِسِیۡنِیۡنَ** اور **اَلۡبَلَدُ الۡاَمِیۡن** کے برعکس انہیں ایک آیت میں جمع کیا گیا ہے یہ) کسی ایک نبی کی جائے ظہور ہی کے نام ہوں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا ہے کہ یہ یروشلم کی ان دو پہاڑیوں کے نام ہیں جو حضرت مسیحؑ کی جائے ظہور ہیں۔ ان دونوں کے مجموعہ کا نام ساعیر ہے۔ (دیکھیں حقائق الفرقان ص۴۱۹)

اگر ان آیتوں میں پہلے طور سینین پھر تین اور زیتون کی اور آخر میں **بَلَدُ الۡاَمِیۡن** کی قسم کھائی گئی ہوتی یعنی پہلے حضرت موسیٰؑ پھر حضرت مسیحؑ اور آخر میں حضرت نبی کریم ﷺ کی جائے ظہور کا ذکر ہوتا تو چونکہ یہ انبیا اسی ترتیب سے ظاہر ہوئے یہ ایک سیدھی سطر بنتی۔ لیکن پہلے تین اور زیتون کی۔ پھر طور سینین کی اور پھر بلدالامین کی قسم کھانا بتاتا ہے کہ یہاں ایک قسم کی تکون

بنائی گئی ہے جس کے ایک سرے پر حضرت مسیحؑ کا دوسرے پر حضرت موسیٰؑ کا اور تیسرے سرے پر آنحضرتؐ کا نام ہے اور اس طرح حضورؐ کا نام ایک طرف حضرت موسیٰؑ اور دوسری طرح حضرت مسیحؑ کے ساتھ ملا کر یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ ان دونوں کے (جن میں سے ایک جلالی اور دوسرے جمالی نبی تھے) مثیل ہیں یعنی آپؐ جامع جلال وجمال نبی ہیں اور آپؐ کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اب اس تعلیم کا وقت آ گیا تھا جو افراط وتفریط سے پاک ہو۔ نہ موسوی تعلیم کی طرح حد سے زیادہ سختی کی حامل ہو نہ مسیحی تعلیم کی طرح حد سے زیادہ نرمی کی حامل ہو۔ اور مسیحؑ کا نام ایک طرف حضرت موسیٰؑ کے اور دوسری طرف آنحضرتﷺ کے نام کے ساتھ ملا کر بتایا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد قریباً ۱۳۰۰ سال گزر جانے پر یعنی ان کے سلسلہ کے آخرین میں ایک مسیح آیا جو موسوی سلسلہ ہی کا نبی تھا اور تورات ہی کی تعلیم دینے کو آیا تھا اسی طرح آنحضورؐ کے سلسلہ کے آخرین میں بھی ویسی ہی مدّت گزرنے پر ایک مسیح آئے گا جو محمدی سلسلہ کا نبی ہوگا اور قرآن ہی کی تعلیم دینے کو آئے گا۔ اور چونکہ آنحضورﷺ نے واضح طور پر فرما دیا ہؤا ہے کہ **لامھدی اِلَّا عیسٰی** (عیسٰی کے سوا کوئی مہدی نہیں) اس لئے اس طریق پر ان آیات میں مہدی موعودؑ کی بعثت کا وقت اور اس کی آنحضورؐ کے ساتھ نسبت بیان کردی گئی ہے۔

تین نبیوں کے ظہور کے ان مقامات کی قسم کھا کر جواب قسم میں فرمایا **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ**. **اَلتَّقْوِیم** کے معنٰی ہیں التعدیل (اقرب) یہ الفاظ انسان کے لئے بھی بطور حال ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ **حَالَ کَوْنِہٖ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْم** انسان کو ایسا بنایا ہے کہ تعدیل واصلاح کرنے میں بے نظیر ہے۔ لیکن اگر احسن تقویم کو اللہ کے لئے حال سمجھا جائے تو معنے یہ ہوں گے کہ ہم نے اپنی تعدیل کی صفت کامل طور پر انسان کی پیدائش میں ظاہر کی ہے۔ پہلی صورت میں الانسان سے کاملین مراد ہیں جن کا قسم والی آیتوں میں بطور مثال ذکر ہؤا اور دوسری صورت میں جنس انسان مراد ہے۔

چونکہ پچھلی سورۃ پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ خداتعالیٰ بار بار نبی کیوں بھیجتا ہے اور اگر بھیجتا ہے تو ان کی تعلیم میں فرق کیوں ہوتا ہے۔ یہاں اس کا جواب دیا اور بتایا کہ ان کی تعلیم میں جو فرق نظر آتا ہے وہ تو خوبی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کاملین انسان کی تعدیل کرنے میں بے نظیر ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو تین اور زیتون پہاڑوں پر ظاہر ہونے والے نبی حضرت مسیحؑ نے جو

حد درجہ نرمی کی تعلیم دی تو اس لئے کہ اس وقت اُسی تعلیم کی ضرورت تھی کیونکہ ان سے پہلے آنے والے نبی حضرت موسیٰ ؑ نے دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک وغیرہ کی جو تعلیم دی تھی اس کی وجہ سے بنی اسرائیل میں حد سے زیادہ سختی آگئی تھی اور مسیح کے بعد آنے والے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو میانہ روی کی تعلیم دی تو اس لئے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ مسیحؑ کی حد سے زیادہ نرمی کی تعلیم بھی برے نتائج پیدا کرنے لگ گئی تھی اور اس کے نتیجہ میں اس تعلیم کے اختیار کرنے والوں میں بے غیرتی اور دَیّوثی اور بزدلی آگئی تھی۔ پس مختلف وقتوں میں نبیوں کا آنا اور بظاہر مختلف تعلیم لے کر آنا قابل اعتراض نہیں کیونکہ ان سب کی تعلیم ایک ہی مقصد کی طرف لے جانے والی تھی۔ البتہ جب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سختی کے وقت سختی اور نرمی کے وقت نرمی سے کام لینے کی تعلیم آگئی تو اس کے بعد کسی نئی کتاب کی ضرورت نہ رہی۔ لیکن انسان چونکہ خطا اور نسیان سے مرکب ہے اس تعلیم کی یاددہانی کی ضرورت ضرور پڑنے والی تھی اس لئے آئندہ بھی نبی کا آنا مقدر کیا گیا۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ فرمایا جہاں خداتعالیٰ انسان کو ترقّی دیتے دیتے اس مقام بلند تک لے جاتا ہے کہ وہ (خود ہی تعدیل پر قائم نہیں ہوتا بلکہ) دوسروں کی تعدیل کرنے میں (بھی) بے نظیر ہوجاتا ہے وہاں اگر وہ تنزّل کی طرف رخ کرے تو پھر اسے اسفل سافلین میں بھی خدا ہی لے جاتا ہے۔ لیکن بلا نوٹس نہیں بلکہ موسیٰؑ کے بعد عیسیٰ ؑ کو بھیجنے کی طرح پہلے نبی بھیج کر تجدید دین کرتا اور انسان کو عقائد واعمال میں اصلاح کا موقع دیتا ہے اور جو لوگ اس پر ایمان لے آئیں اور اعمال صالحہ بجالائیں یعنی نبی کی ہدایت پر عمل بھی کریں صرف انبیاء پر ایمان کو کافی نہ سمجھ لیں ان کے لئے (اس کی طرف سے) غیر منقطع اجر ہوتا ہے۔ اس میں نہایت لطیف طریق سے بتایا کہ خداتعالیٰ کسی کو اسفل سافلین میں لے جانا نہیں چاہتا۔ بات صرف یہ ہے کہ جو شخص تعدیل کی راہ کو چھوڑتا ہے وہ اس اجر سے جو اس راہ پر چلنے کا اسے مل رہا تھا محروم ہوجاتا ہے جس کا طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسفل سافلین میں جا پڑتا ہے۔ پس اصل میں وہ خود ہی اپنے تئیں اسفل سافلین میں لے جاتا ہے مگر اعمال کا نتیجہ چونکہ خدا نکالتا ہے اس لئے اسے اس کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس کے بعد فرمایا:-

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ

اوپر کی آیات میں خداتعالیٰ نے پہلے تو نبیوں کے آنے کی غرض بیان کی تھی۔ پھر ان سے استفادہ نہ کرنے کا نقصان بتایا تھا اور آخر میں آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... الخ لا کر ان لوگوں کے ذریعہ جن سے ایمان کا تعلق ہوتا ہے یعنی نبیوں کے ذریعہ تجدید دین کی ضرورت واضح کی تھی اس لئے اس کے بعد جو یہ فرمایا کہ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ تو ظاہر ہے کہ اس میں حذفِ مضاف ہے اور دین سے تجدید دین مراد ہے اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو کہا یہ گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی عقلمند (نبی کے ذریعہ) تجدید دین کی ضرورت کے بارہ میں تجھے جھٹلا نہیں سکتا۔ البتہ نبی کے آنے پر بعض لوگوں کو یہ خیال ضرور ہوسکتا ہے کہ فلاں شخص کو نبی کیوں بنایا فلاں کو کیوں نہیں بنایا (جیسا کہ آیت وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ الزخرف ۴۳:۳۲) اور آئندہ آنے والے نبی مہدی موعود علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہی ہوگا اس لئے ہم پوچھتے ہیں کہ

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ

کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں۔

یعنی جب وہ احکم الحاکمین ہے تو پھر یہ فیصلہ کرنا کہ کس کے سپرد یہ ذمہ داری کرے کس کے سپرد نہ کرے اس کا کام ہے۔ چونکہ یہ موقع یہ کہنے کا تھا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ. اللہ ہی جانتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے۔ اس لئے بظاہر یہ کہا جانا چاہیے تھا کہ کیا اللہ اَفْضَلُ الْمُرْسِلِيْن نہیں ہے مگر کہا یہ گیا ہے کہ کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ یہاں تجدید دین کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جب دین موجود ہو تو اس کی تجدید کے لئے آنے والے کا اصل منصب حکم کا ہوتا ہے اس لئے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْن فرما کر یہ اشارہ کیا کہ آنے والا حکم **وقت** ہوگا اور جو شخص سب سے زیادہ اس منصب کے لئے موزوں ہوگا اللہ اسی کے سپرد یہ منصب کرے گا۔ اور چونکہ اس سے پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے تعدیل کی صفت میں سب انسانوں سے بڑھے ہوئے کاملین ہوتے ہیں اور ان میں سے کامل ترین انبیاء ہوتے ہیں اس لئے یہ اشارہ بھی اس سورۃ سے نکلتا ہے کہ مہدی موعود صرف حکم ہی نہیں بلکہ حکم عدل ہوکر آئے گا۔ چنانچہ حدیث نبوی میں بھی یہی فرمایا گیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کا منبع یہی سورۃ ہو۔

یہی بات کہ مہدی موعودؑ حکم ہوکر آئے گا ایک اور طریق پر بھی بتائی گئی۔ ہر سورۃ کا شروع سورۃ سے ایک تعلق ضرور ہوتا ہے۔ شروع سورۃ میں آئندہ ایک مسیح کے آنے کی خبر دی گئی تھی۔ لہٰذا آخر سورۃ میں جو یہ بتایا کہ حکم بنانا خدا کا کام ہے تو اس سے صاف طور پر یہ اشارہ ہوتا ہے کہ مسیح موعود حَکَم وقت ہوگا۔

===============

سورۃ القدر میں مہدیؑ کا ذکر

سورۃ القدر میں ہے:-

اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰـهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ (۲)

یقیناً ہم نے اس (کتاب) کو شبِ قدر میں اتارا ہے۔

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ نزول قرآن نے اس رات کو جس میں اس کا نزول ہؤا قابل قدر بنادیا ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اسے قابل قدر رات میں اتارا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس وقت میں کوئی اہم واقعہ ہو بعض دفعہ اس وقت کو اس واقعہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اسے **تَسۡمِيَةُ الشَّیءِ بِاِسۡمِ سَبَبِهٖ** کہتے ہیں مثلاً **اِنِّـی اَخَـافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ** میں کبیر کو جو عذاب کی صفت ہے یوم کی صفت قرار دیا گیا ہے پس یہاں **اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰـهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡـقَـدۡرِ** کے الفاظ اس لئے رکھے کہ ان الفاظ میں یہ مفہوم بھی کہ نزول قرآن نے اس لیل کو **لیلۃ القدر** بنادیا ہے آجاتا ہے اور یہ زائد مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس رات کا مقتضٰی یہ تھا کہ اس میں کلامِ الٰہی کا نزول ہو۔ یعنی اس وقت ظلمتِ معصیت وگناہ اتنی بڑھ گئی تھی کہ آفتابِ ہدایت کا طلوع ضروری ہوگیا تھا۔ اور جب ضرورتِ زمانہ کو نزول کلام الٰہی کا موجب ٹھہرایا تو اِسی میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ جب بھی ایسی ضرورت پیش آئے گی یہی عمل دہرایا جائے گا۔ چنانچہ آگے **تَـنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا** میں مضارع کا صیغہ لاکر جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اس مضمون کو اور بھی کھول دیا اور بتادیا کہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اب بھی ہؤا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کا دوبارہ نزول پہلے اس کے آسمان پر اٹھ جانے کو چاہتا ہے۔ پس اس میں نہایت وضاحت سے یہ پیشگوئی کی گئی کہ آئندہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا میں پھر

تاریکی پھیل جائے گی اور (اگرچہ وعدہ الٰہی اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوۡنَ۔ الحجر ۱۵:۱۰) کے مطابق قرآنی الفاظ محفوظ رہیں گے مگر معنًا یہ آسمان پر چلا جائے گا چنانچہ حدیث نبوی لَوۡ کَانَ الۡاِیۡمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا میں اس کی طرف واضح اشارہ ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ یہ بات اُمّت کے قرآن پر عمل ترک کر دینے ہی کی وجہ سے ہوسکتی تھی اور جیسا کہ آیت یَارَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا (الفرقان ۲۵:۳۱) سے سمجھا جا سکتا ہے اُمّت کی اس حالت کی خبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دی جانی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ آپؐ کی روح اپنی اُمَّت کی اصلاح کے لئے بے قرار ہو اور اس کے لئے زمین پر اپنا بروزی ظہور چاہے۔ چنانچہ جیسا کہ ایسے وقت میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اور آگے آنے والی آیت تَنَزَّلُ الۡمَلَائِکَۃُ وَالرُّوۡحُ فِیۡھَا میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اس وقت بھی خداتعالیٰ آپؐ کی اس دلی تڑپ کو دیکھ کر کسی شخص کو آپؐ کا بروز بنا کر مبعوث فرمادے گا۔ گویا آپؐ کی روح ایک نئے قالب میں زمین پر اترے گی۔ اور خداتعالیٰ اس پر دوبارہ قرآن نازل فرمائے گا۔ یعنی سورۃ رحمٰن کی آیات خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ کے مطابق خداتعالیٰ ایک انسانِ کامل پیدا کر کے اسے قرآن کے حقائق ومعارف اور اس کی تفسیر کا علم دے گا۔ گویا جس طرح نزول قرآن کے وقت ضرورت زمانہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بلایا۔ اس وقت بھی زمانہ ہی اس موعود کو بلائے گا۔ چنانچہ اس موعود نے آکر بعینہٖ یہی بات کہی کہ:-

”نہ صرف یہ کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف
بلاتا ہوں بلکہ خود زمانہ نے مجھے بلایا ہے۔“

(پیغام صلح آخری سطور)

آگے ہے:-

وَمَا اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ(۳) لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ(۴)

اور تجھے کیا چیز سمجھائے کہ لیلۃ القدر (کی) کیا (شان) ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

یہاں عام طرز سے ہٹ کر اس رات کو ہزار راتوں یا ہزار سالوں سے بہتر قرار نہیں دیا

گیا۔ بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور شَھْر کا لفظ جس کے معنی مہینہ کے ہیں نکرہ لایا گیا ہے۔ نکرہ میں کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ لیکن بعض دفعہ یہ تحقیر کے لئے اور بعض دفعہ تعظیم کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کی عظمت یا اہمیت کی وجہ سے بغیر اس کا نام لئے اس کی طرف ذہن جاسکے۔ پس اگر پہلی صورت ہو یعنی لفظ شَھْر کی تنکیر تحقیر کے لئے ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ لیلۃ القدر ہزار عام مہینوں یعنی سوا چوراسی سالوں سے بہتر ہے اور اگر اس کا نکرہ لایا جانا تعظیم کے لئے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایسے عظیم ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن کا نام لئے بغیر خود بخود ذہن ان کی طرف جا سکتا ہے۔ یعنی ہزار رمضان سے بہتر ہے (کیونکہ جس طرح خداتعالیٰ نے یہاں لیلۃ القدر کو نزولِ قرآن کا زمانہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ میں رمضان کے مہینہ کو نزول قرآن کا مہینہ قرار دیا ہے)۔ اور چونکہ بمطابق آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات ۵۱:۵۷) انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور رمضان کی عبادت باقی سارے سال کی عبادت پر بھاری ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس آیت میں بتایا گیا کہ لیلۃ القدر ہزار سال سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہزار رمضان ہزار سالوں میں آتے ہیں چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے بھی فرمایا ”الف شھر سے مراد یہاں الف سنۃ ہے۔“ (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۴۹۸) اور چونکہ عربوں کے ہاں ہزار آخری عدد ہے۔ اس لئے اس سے یہ مراد بھی ہوئی کہ لیلۃ القدر تمام زمانوں سے بہتر ہے۔ گویا اس آیت میں ایک اعتبار سے یہ بتایا کہ لیلۃ القدر ہزار ماہ یعنی ۸۳/۳ سال سے بہتر ہے۔ دوسرے اعتبار سے یہ بتایا کہ یہ ہزار رمضان سے اور بنا برایں ہزار سال سے بہتر ہے اور تیسرے اعتبار سے یہ بتایا کہ یہ تمام زمانوں سے بہتر ہے۔

قاری قرآن ضرور حیران ہوگا کہ یہ تین باتیں کیوں کہی گئی ہیں۔ اور ان میں سے کس کو درست سمجھنا چاہیے؟ سو جاننا چاہیے کہ جیسا کہ اوپر وضاحت آچکی ہے آیت اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں ظلمت کے زمانہ کو نزولِ قرآن کی وجہ ٹھہرا کر یہ سمجھایا گیا تھا کہ جب بھی دنیا میں معصیت وگناہ کی ظلمت چھا جاتی ہے نزول قرآن ہوتا ہے۔ پہلے بھی ہوتا رہا ہے (مختلف کتب سماوی کی صورت میں کیونکہ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ کے مطابق وہ بھی قرآن ہی کا جز تھیں اور قرآن کے جز کے لئے بھی قرآن کا لفظ آجاتا ہے جیسے خدا کے قول وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ

میں) اب بھی ہؤا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔

چنانچہ قرآن کریم کا ایک نزول تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ہؤا۔ دوسرا نزول سورۃ الجمعۃ کے مطابق حضورؐ کی بعثتِ ثانیہ کے وقت (مہدی موعودؑ پر) ہونا مقدر تھا اور تیسرا نزول حضورؐ کے ارشاد اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنۡ یُّجَدِّدُلَھَا دِیۡنَھَا کے مطابق ہر صدی کے سر پر آنے والے مجددین پر ہونے والا تھا۔ گویا ایک لیلۃ القدر آنحضرتؐ کے ظہور کا زمانہ تھا۔ دوسری لیلۃ القدر مہدی موعودؑ کا زمانہ اور تیسری لیلۃ القدر ہر صدی کے مجدد کے ظہور کا زمانہ۔ پس قرآن کریم نے لیلۃ القدر کو ۸۳ ۱/۴ سال سے۔ ہزار سال سے۔ اور تمام زمانوں سے بہتر قرار دے کر ان میں سے ہر لیلۃ القدر کی نسبتی قدر بیان فرما دی اور بتایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا زمانہ تمام پہلے اور پچھلے زمانوں سے بہتر ہے۔ مہدی موعودؑ کا زمانہ اپنے سے پہلے کے ہزار سال اور بعد کے ہزار سالوں سے بہتر ہوگا اور مجددین میں سے ہر ایک کا زمانہ اپنے سے پہلے اور بعد کے ۸۳ ۱/۴ سال سے بہتر ہوگا۔

اس آخری خبر سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ نمبر۱ یہ کہ جس طرح انسان کے (نبی ہو یا غیر نبی) جسمانی قویٰ میں ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال کے قریب عرصہ میں زوال آنا شروع ہوجاتا ہے اسی طرح نبی کے قومی وجود یعنی اس کی قوم پر بھی اس عرصہ میں انحطاط کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور اس کے روحانی حواس الوداع کی خبر دینے لگ جاتے ہیں لیکن ان سالوں کا شمار نبی کی وفات سے ہوتا ہے اور نمبر۲ یہ کہ نبی کے روحانی قائم مقام یعنی ایک مجدّد کی وفات اور دوسرے مجدّد کی جو صدی کے سر پر ظاہر ہونے والا ہوتا ہے تخم ریزی کے درمیان قریباً ہزار ماہ یعنی ۸۳-۱/۴ سال کا وقفہ ہوتا ہے یعنی اتنے عرصہ میں آنے والا مصلح پیدا ہوکر سِنِّ بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تاکہ صدی کا سر آنے پر وہ خِلعتِ ماموریت سے سرفراز ہوسکے۔ عجیب بات ہے کہ مجدّد اَلفِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سِنِّ بلوغ کو پہنچے تو ایک مجذوب سائیں گلاب شاہ صاحب کو اس کی خبر دی گئی اور انہوں نے میاں کریم بخش صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ ''عیسیٰؑ اب جوان ہوگیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور قرآن کی رو سے فیصلہ کرے گا اور.... مولوی اس سے انکار کریں گے۔'' سائیں صاحب مذکور کے یہ الفاظ کہ وہ ''قرآن کی رو سے فیصلہ کرے گا'' صاف بتا رہے ہیں کہ موعود عیسیٰ کے نزدیک قرآن قابلِ عمل

ہوگا لہٰذا یہ جو انہوں نے کہا کہ ''وہ قرآن کی غلطیاں نکالے گا'' تو اس سے ان کی مراد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتی تھی کہ جو غلط عقائد لوگ قرآن کی طرف منسوب کررہے ہوں گے ان کی وہ اصلاح کرے گا۔ چنانچہ اس بارہ میں ان کا اپنا جواب بھی ہمارے اس خیال کا موید ہے۔ ان کے یہ فرمانے پر کہ ''وہ قرآن کی غلطیاں نکالے گا'' میاں کریم بخش صاحب نے تعجب سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ''تفسیروں پر تفسیریں ہوگئیں اور شاعری زبان پھیل گئی''... پھر میاں کریم بخش صاحب نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ''بیچ قادیان کے۔'' پھر انہوں نے صاف صاف یہ بھی بتایا کہ ''اس عیسیٰؑ کا نام غلام احمد ہے۔'' (حیات طیبہ صفحہ ۸۵-۸۶)

جب لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی تو اس کے بعد وجہ فضیلت ظاہر کرنے کو اور نیز یہ بتانے کو لیلۃ القدر میں جس شخص پر قرآن کا نزول ہوتا ہے اور آئندہ بھی ہونے والا ہے اس کے ظہور کی کیا علامتیں ہیں فرمایا:-

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ (۵)
سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۶)

اس (رات) میں ملائکہ اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر (ضروری) امر کے ساتھ اترتے ہیں۔ سلامتی (کی راہیں کھولنے کو۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے) یہاں تک کہ (ظلمتِ غفلت دور ہوکر) صبح (ہدایت نمودار) ہوجاتی ہے۔

اس معنٰی میں کہ وہ اپنا مقام چھوڑ کر زمین پر اتر آئیں ملائکہ کا نزول کبھی بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اس معنٰی میں کہ وہ تمام کاموں کے وسائط ہیں اور عالم کا نظام انہی کے تصرف سے چل رہا ہے ان کا نزول ہر لحظہ و ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہاں جو خاص لیلۃ القدر میں ان کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا گیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت ان کا امورِ دنیا میں غیر معمولی اور نمایاں دخل ہوتا ہے۔ مگر ملائکہ تو غیر مرئی ہستیاں ہیں اس لئے یہ دخل ان کے کاموں ہی سے جانا جاسکتا ہے۔ اور ان کے مرتبہ کے مطابق ان کا بڑا کام نیکیوں کی تحریک کرنا اور پاک تغیرات پیدا کرنا ہی ہوسکتا ہے۔ کم از کم یہاں اسی کا ذکر ہے جیسا کہ ان کے نزول کے لئے لیلۃ القدر کی قید اور

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ کے الفاظ سے صاف طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔
پس یہ فرما کر کہ اس رات میں ملائکہ اور اَلرُّوح کا نزول ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ اترتے ہیں تا کہ اس رات میں اترنے والے خدا کے نور یعنی مامور من اللہ کو قبول کرنے کے لئے مُستعد اور رشید لوگوں کو تیاّر کریں۔ نیک تحریکات ان کے دلوں میں ڈالیں۔ اور توحید کی طرف لے جانے والی ہوائیں چلائیں۔ اور اَلرُّوح یعنی جبرائیلؑ اترتے ہیں کہ مامور من اللہ تک خدا کی وحی پہنچائیں۔ من کل امرٍ ہر ضروری امر کے ساتھ یعنی جیسی کسی زمانہ میں خرابی ہوتی ہے اس کی اصلاح کے لئے جس ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے وہ لے کر آتے ہیں۔ اور ملائکہ کا لفظ اَلرُّوح سے پہلے رکھ کر بتایا کہ مامورِ وقت کے ظہور سے کچھ پہلے ہی ملائکہ اتر کر اپنا کام شروع کردیتے ہیں تا ہم اس کے ظاہر ہونے پر ان کے کاموں میں طبعاً شِدَّت آجاتی ہے لٰہذا جیسا کہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:-

''جب تم دیکھو کہ سخت ضلالت اور غفلت کے زمانہ میں یک دفعہ ایک خارق عادت طور پر انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوئی ہے تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہوگیا ہے۔ کیونکہ بغیر روحُ القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں۔''

پس یاد رکھیں کہ:-

''جب اللہ تعالیٰ کسی مصلح یعنی رسول نبی یا محدث کو دنیا میں مبعوث کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ فرشتوں کے نزول کو قوّت دیتا ہے اور لوگوں کی استعدادوں کو قبولِ حق کے قریب کردیتا ہے اور انہیں عقل فہم ہمت اور مصائب کو برداشت کرنے والی قوّت عطا کرتا ہے اور فہمِ قرآن کا وہ نور بخشتا ہے جو اس مصلح کے ظہور سے قبل انہیں حاصل نہیں تھا۔ پس ذہن صاف ہوجاتے ہیں اور عقلیں تقوّیت پکڑتی ہیں اور ہمتیں بلند ہوجاتی ہیں اور ہر شخص یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اسے نیند سے بیدار کردیا گیا ہے اور یہ کہ غیب سے ایک نور اس کے قلب پر نازل ہورہا ہے اور کوئی

مُعلّم خود اس کے اندر سے کھڑا ہوگیا ہے اور لوگوں کی حالت ایسی ہوجاتی
ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے مزاج اور ان کی طبیعت کو بدل دیا
ہے..... پس جب یہ علامات ظاہر ہوجائیں اور سب کی سب جمع ہوجائیں
تو وہ اس بات پر قطعی دلالت کریں گی کہ مجدّد اعظم ظاہر ہوگیا ہے‘‘

(ترجمہ حمامۃ البشریٰ از تفسیر حضرت اقدسؑ صفحہ ۴۲۹۔۴۳۰)

حضرت مہدی موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے وقت میں یہ ساری کی ساری علامتیں ظاہر ہوگئی تھیں اس لئے یہ ایک قطعی دلیل آپؑ کے منجانب اللہ ہونے اور مجدّدِ اعظم ہونے پر ہے اور انہی علامتوں سے آپؑ کو پہچانا جاسکتا ہے۔

یہاں ایک نکتۂ خاص اور بھی یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ کہ ملائکہ اور اَلرُّوح یعنی روح القدس یعنی جبرائیلؑ کا نزول تو لوگوں کی ربوبیت کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ ان کی اپنی ربوبیت کی خاطر مگر یہاں **باذن ربھم** فرمایا گیا ہے یعنی اس کا ان کی اپنی ربوبیت کی خاطر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس میں دراصل یہ اشارہ ہے کہ جس زمانہ میں تاریکی حد سے زیادہ پھیل جاتی ہے اس زمانہ میں ملائکہ کے بارہ میں بھی غلط تصورات ذہنوں میں جگہ پالیتے ہیں اور اگرچہ خدا تعالیٰ انہیں مامورِ وقت کی تائید کے لئے اتارتا ہے لیکن بالواسطہ اس سے ان کے اپنے مقام اور مرتبہ کے بارہ میں غلط فہمیوں کے ازالہ کا سامان بھی ہو جاتا ہے اور آئندہ (یعنی زمانۂ نزول قرآن کے بعد) جو لیلتہ القدر آنے والی ہے اس میں بھی ایسا ہی ہوگا یعنی

جو مامور من اللہ آئے گا وہ یعنی مہدی موعودؑ ملائکہ کے بارہ میں
غلط فہمیوں کو دور کرے گا اور ان کے اصل مقام اور مرتبہ سے
لوگوں کو آگاہی بخشے گا۔

چنانچہ آپؑ نے ظاہر ہوکر یہ کام نہایت خوبی اور نہایت بسط کے ساتھ سرانجام دیا۔ اس تعلق میں آپؑ کی کتاب توضیح مرام کا متعلقہ حصہ دیکھنے کے لائق لاجواب تحریر ہے۔ پس آپؑ کے حق میں کی جانے والی یہ قرآنی پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔

چونکہ روح القدس یا جبرائیل بھی ایک فرشتہ ہی ہے۔ اگر اسے ملائکہ کے لفظ میں شامل سمجھا جائے تو الرُّوح سے کچھ اور مراد لینا ہوگا۔ جبرائیل اور کلامِ الٰہی کے علاوہ روح کا لفظ

قرآن میں روح انسانی کے لئے یا بزرگ انسانوں کے لئے آیا ہے زندہ انسانوں کی روح کے نزول کا تو سوال ہی نہیں۔ رہے گزرے ہوئے انسان تو ان کی روح بھی بمطابق آیت فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡھَا الۡمَوۡتَ (الزمر ۳۹:۴۳) بنفسِ نفیس دنیا میں واپس نہیں آتی اور نہ وہ خود ہی واپس آتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کا بروزی رنگ میں ظہور ہی مراد ہوسکتا ہے نہ کچھ اور۔ لیکن لیلۃ القدر سے اس نزول کو خاص کرنا اور اسے سلامتی کا موجب قرار دینا بتاتا ہے کہ یہاں کسی نیک روح کا ذکر ہے۔ اور ملائکہ کے بعد اس کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ اس سے عام درجہ کی نیک روح کا بھی نہیں ایسی نیک روح کا ذکر ہے جو ملائکہ سے بزرگ تر ہو کیونکہ قرآن خدائے حکیم کا کلام ہے اور ارسال خیر کا ذکر جب بطور بشارت ہو تو چھوٹی خیر سے بڑی خیر کی طرف انتقال ہی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے چنانچہ اَلرُّوح سے حضرت جبرائیل مراد ہوں پھر بھی ان کا ملائکہ کے بعد ذکر اسی اصل کے ماتحت ہے۔ اور جس روح یا صاحبِ روح کو بلاشبہ ملائکہ سے افضل قرار دیا جاسکتا ہے وہ نبی کی روح یا نبی ہے۔ پس اس آیت میں بتایا گیا کہ لیلۃ القدر میں ہمیشہ ہی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور کسی سابقہ نبی کا بروزی ظہور بھی ہوتا ہے۔ اس لئے آئندہ آنے والی لیلۃ القدر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں صرف دو نبیوں کے لئے خاص طور پر روح کا لفظ آیا ہے۔ ایک حضرت مسیحؑ کے لئے ارشادِ ربانی وَرُوۡحٌ مِّنۡہُ (النساء۴:۱۷۲) میں اور دوسرے آنحضرت ﷺ کے لئے آیت وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۶) میں*۔ اور ان دونوں کی ضرورت آئندہ آنے والی لیلۃ القدر میں پڑنے والی تھی۔ نہ صرف یہ کہ ان کی ضرورت پڑنے والی تھی بلکہ ان کو اُن حالات کی اطلاع بھی دی جانی تھی جس کی وجہ سے یہ ضرورت پیش آنی تھی اور اس ضرورت کو محسوس کرکے خود ان کی روحوں نے اپنے بروزی ظہور کا تقاضٰی بھی کرنا تھا۔ جیسا کہ خود قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

سورۃ الفرقان میں ہے وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ

---

* اس آیت میں اس روح کا ذکر ہے جس کے بارہ میں آنحضورؐ سے سوال کیا جاتا تھا یا آئندہ کیا جانے والا تھا۔ اوراس سوال کا تعلق ایک تو روح انسانی سے تھا۔ دوسرے کلام الٰہی سے (اس کیلئے بھی روح کا لفظ آتا ہے) اور تیسرے اس روح سے جسے بائبل میں روحِ حق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی خود حضور ﷺ سے۔

مَهۡجُوۡرًا (الفرقان ۲۵:۳۱) اور رسول نے کہا اے میرے رب یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ حضورؐ کی زندگی میں تو حضورؐ کی قوم قرآن پہ قربان ہوتی تھی۔ پس اس آیت میں آئندہ زمانہ کی خبر دی گئی اور ماضی کے صیغے اس لئے لائے گئے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں یہ باتیں ایسی یقینی تھیں کہ گویا واقع ہو چکی ہوں۔ لیکن اب چونکہ وہ زمانہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے آچکا ہے اس لئے ہم اسی کے مدِّنظر گفتگو کریں گے۔ حضورؐ کا خدا تعالیٰ کو ان الفاظ میں مخاطب کرنا بتاتا ہے کہ یہ اطلاع اس نے حضورؐ کو بلاواسطہ نہیں دی بلکہ ملائکہ سے دلوائی۔ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ اطلاع حضورؐ پر سخت گراں گزرے گی پس اس نے نہیں چاہا کہ اپنے محبوب ﷺ کو خود یہ اطلاع دے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اطلاع اس نے حضورؐ کو دی ہی کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس سے سوائے اس کے کوئی غرض نہیں ہوسکتی تھی کہ حضورؐ کی روح میں اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے جوش پیدا ہو اور وہ دنیا میں اپنا بروزی ظہور چاہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

”یہ ایک عرفانی بھید ہے کہ بعض گذشتہ کاملوں کا ان بعض پر جو زمین پر زندہ موجود ہوں عکس توجہ پڑکر اور اتّحادِ خیالات ہو کر ایسا تعلق ہوجاتا ہے کہ وہ ان کے ظہور کو اپنا ظہور سمجھ لیتے ہیں اور ان کے ارادات جیسے آسمان پر ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ویسا ہی باذنہٖ تعالیٰ اس کے دل میں جو زمین پر ہے پیدا ہوجاتے ہیں.... غرض یہ سنت اللہ ہے کہ کبھی گذشتہ انبیاء و اولیاء اس طور سے نزول فرماتے ہیں۔“

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۵۴۔۲۵۶)

بہرصورت یہ مذکورہ اطلاع پا کر حضورؐ نے عرض کی۔ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو (جو تو نے میرے ذریعہ ان کو دیا) چھوڑ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تو میرا رب ہے۔ تجھے میرے مقاصد کا درجہ بدرجہ تکمیل کی طرف بڑھانا منظور ہے اور میرے مقاصد کی تکمیل ہو نہیں سکتی جب تک میری اپنی قوم قرآن پر عمل کرنے والی نہ ہو۔ لیکن یہ اس قرآن کو چھوڑ بیٹھی ہے۔ قوم میری ہے اور چھوڑ اس کتاب کو بیٹھی ہے جو تو نے میرے ذریعہ اس کو دی یا بہ الفاظِ دیگر یہ کہ

جس کا مُعلّم تو نے مجھے بنایا ہے۔ اس لئے انہیں اس کتاب کی طرف واپس لانا بھی میری ذمّہ داری ہے لیکن میرے خود دنیا میں واپس جانے میں تیرا یہ فیصلہ کہ کوئی اس جہان سے اس جہان میں نہیں جائے گا مانع ہے اس لئے تو میرا کوئی بروز دنیا میں بھیج دے کہ اس میں ہوکر میں یہ کام کرسکوں۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے آپؐ کا ایک اور بعث مقدّر کیا جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں اس کا واضح ذکر ہے۔

اس کے بعد ہم مسیح علیہ السلام کی طرف آتے ہیں۔ سورۃ المآئدہ میں ہے:-

وَاِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ق بِحَقٍّ ط اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ط تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ ط اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۱۱۷)

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ ابنِ مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بناؤ۔ اس نے کہا تو پاک ہے (شرک سے اور اس سے کہ کسی ایسے شخص کو قیامِ توحید کے لئے مامور کرے جو تیرے ساتھ اپنے آپ کو بھی بطور معبود پیش کرنے لگے)۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تُو نے ضرور جان لیا ہوتا۔ تُو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے لیکن میں اسے نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے یقیناً تُو تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔

خدا تعالیٰ تو جانتا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے یہ بات نہیں کہی پھر جو اس نے ان سے سوال کیا تو ظاہر ہے کہ اس لئے کیا کہ اُن کے دل میں اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے جوش پیدا ہو اور وہ دنیا میں اپنا بروزی ظہور چاہیں۔ چنانچہ ان آیات کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ غرض پوری ہوئی۔ بلکہ ان کے بروز نے ظاہر ہوکر خود بھی فرمایا کہ:-

''ضرور تھا کہ مجدّد وقت مسیح کے نام پر آوے کیونکہ بنیاد فساد مسیح ہی کی

اُمّتْ ہے۔ اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہر ناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی حضرت عیسٰیؑ کو اس کی خبر دی گئی۔ تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی اور اس نے.... زمین پر اپنا قائم مقام اور شبیہ چاہا جو اس کا ایسا ہم طبع ہو کہ گویا وہی ہو۔ سو اس کو خداتعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کیا۔ اور اس میں مسیح کی ہمّت اور سیرت اور روحانیت نازل ہوئی.... اور مسیحؑ کی توجہات نے اس کے دل کو اپنا قرار گاہ بنایا اور اس میں ہو کر اپنا تقاضی پورا کرنا چاہا۔ پس ان معنوں سے اس کا وجود مسیح کا وجود ٹھہرا۔"

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت مسیحؑ سے پوچھا تو ملفوظ کلام کے متعلق گیا تھا اور اس کا انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کردیا تھا۔ لہٰذا اس کے بعد جو انہوں نے دل کی بات شروع کردی اور یہ کہا کہ **تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِکَ** تو یہ الفاظ ماضی کے متعلق نہیں ہوسکتے بلکہ خداتعالیٰ سے ہونے والے اس مکالمہ کے وقت ہی سے متعلق ہیں۔ حضرت مسیح کہتے ہیں اے خدا تُو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے یعنی قیامِ توحید کے لئے کیسی غیرت اور تڑپ ہے اور اپنی قوم کے اس فعل کی اطلاع پا کر میرے دل میں اس کے اس فعل کے خلاف کیسی شدید نفرت اور اس کی اصلاح کے لئے کسی صورت میں اس تک پہنچنے کے لئے کیسا شدید جوش پیدا ہوا ہے۔ **وَلَا اَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِکَ** لیکن میں نہیں جانتا کہ تیرے جی میں کیا ہے؟ یعنی تُو اس کی اصلاح کے لئے کس شخص کو مامور کرنا چاہتا ہے۔ **اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ** (ہاں اتنا جانتا ہوں کہ) یقیناً تُو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ یعنی تجھے خوب معلوم ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے۔ کن لوگوں میں مبعوث کرے اور کیا ہدایت دے کر بھیجے۔ (**اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ.** اس لئے تیرا فیصلہ بہرحال درست ہوگا)۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ نے صرف اپنا بروزی ظہور ہی نہیں چاہا بلکہ یہ جاننا بھی چاہا کہ کسے ان کا بروز بنا کر بھیجا جارہا ہے۔ تا کہ وہ اپنی روحانی توجہات کے ذریعہ اس کے دل میں بھی اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے ویسا ہی جوش پیدا کرسکیں جیسا ان کے اپنے دل میں تھا یعنی اس میں ہو کر اپنی قوم کی اصلاح کا کام کرسکیں۔

چونکہ حضرت عیسیٰؑ اپنا بروزی ظہور چاہتے تھے اس کے بعد انہوں نے اپنی گذشتہ کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:-

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ج وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ج فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ط وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ (۱۱۸)

میں نے انہیں سوائے اس بات کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا کچھ نہیں کہا۔ یعنی صرف یہ کہا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب۔ اور میں ان پر اس وقت تک نگران تھا جب تک کہ ان میں رہا (یعنی اس وقت تک وہ مبتلائے شرک نہیں ہوئے)۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر شاہد ہے۔

یعنی تجھے خوب علم ہے کہ میری تعلیم و تربیت کے کسی نقص کی وجہ سے ان میں شرک کا عیب پیدا نہیں ہوا بلکہ اور عوامل تھے جو اس کا موجب ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا:-

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۱۱۹)

نبی اپنے ماننے والوں کے لئے نجات دہندہ بن کر آتا ہے اس لئے ان کے الفاظ **اِنْ تُعَذِّبْهُمْ** بھی رحم کی اپیل کے طور پر ہی ہو سکتے تھے۔ پس مطلب ان کا یہ تھا کہ وہ تیرے بندے ہیں سزا سے بچ کر کہیں بھاگ تو نہیں سکتے جو اس کی جلدی ہو لہٰذا اپنے کرم سے تو ان کو پہلے اصلاح کا موقع دے۔ **وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ** اور اگر تو (ایسا کرنا چاہے یعنی شرک سے) انہیں مغفرت عطا کرنا چاہے تو تو عزیز و حکیم ہے۔ بوجہ عزیز یعنی ان پر غالب ہونے کے جبراً بھی ایسا کر سکتا ہے لیکن تو حکیم بھی ہے اس لئے تجھ سے امید یہی کی جاتی ہے کہ تو تقاضائے حکمت کے مطابق یہ کام کرے گا۔ یعنی نبی بھیج کر اور اس پر ایمان لانے کی توفیق دے کر انہیں اس شرک سے نجات دلائے گا تا کہ ان کو ثواب بھی ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جو جواب ان کو دیا وہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے اسی مفہوم میں یہ الفاظ کہے تھے۔ کیونکہ:-

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۲۰)

اللہ نے فرمایا آج کے دن صادقوں کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ یہ اس نے نہیں فرمایا کہ آج کے دن صادقین فائدہ میں رہیں گے اور نہ یہ فرمایا کہ لوگوں کو ان کا صدق فائدہ دے گا بلکہ یہ فرمایا کہ صادقوں کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ یہ الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے آنحضورؐ کے یہ الفاظ کہ جو کفر میں اچھا ہے وہی (حالتِ)ایمان میں اچھا ہوگا۔ پس اس میں بتایا کہ جو لوگ پہلے سے صدق کے عادی ہیں اس زمانہ میں کہ نبی کا زمانہ ہے۔ انہی کو عمدہ ایمان کی توفیق ملے گی۔ لیکن صرف ایمان لانا کافی نہیں ہوگا۔ ایمان کے بعد ان کے صدق فی الایمان کا امتحان بھی ہوگا۔ اگر وہ اس میں پورے اترے تو پھر ان کو فائدہ ہوگا صرف منہ سے اظہارِ ایمان کسی کام نہ آئے گا۔ (اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ العنکبوت ۲۹:۳) لیکن اگر وہ صدق دکھاتے ہوئے نیک اور مناسبِ حال اعمال بجا لانے والے اور اپنے ایمان کے درختوں کی اعمال حسنہ کے پانی سے آبیاری کرتے رہنے والے ہوئے تو ان کے لئے ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوگا (ان کے صدق فی الایمان کی وجہ سے) اوروہ اللہ سے راضی ہوں گے (اس کی مسلسل عنایات کی وجہ سے) یہ انتہائی بڑی کامیابی ہے۔

یہی الفاظ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ دوسری جگہ صحابۂ کرام کے متعلق آئے ہیں اس لئے یہ اشارہ بھی ان میں ہوگیا کہ اس زمانہ کے مامور مہدی موعودؑ پر ایمان لا کر صدق فی الایمان دکھانے والے صحابہؓ کے مثیل ہوں گے۔ چنانچہ آپؑ نے خود بھی فرمایا۔ ؏

صحابہؓ سے ملا جو مجھ کو پایا

اب دیکھئے مسیح اور اس کی والدہ کو خدا بنانے کا فتنہ پہلی بار پیدا ہوا تو حضرت اقدس ﷺ مبعوث ہوئے۔ یعنی ان آیات میں مذکور اشارہ کے مطابق خداتعالیٰ نے مسیحؑ کو اس فتنہ کی اطلاع دی جس پر ان کی روح نے اپنا بروزی ظہور چاہا جو آنحضرتؐ کی صورت میں ہوا۔ اس کے بعد قرآنی اشارات کے مطابق اس فتنہ نے دجّال کے عروج کے زمانہ میں جو یہ موجودہ زمانہ ہے

دوبارہ دنیا میں پھیلنا تھا اس لئے ضرور تھا کہ پھر مسیحؑ کو اس کی خبر دی جاتی اور پھر ان کی روحانیت دنیا میں اپنا بروزی ظہور چاہتی۔ چنانچہ یہ ظہور حضرت مسیح موعودؑ کی صورت میں ہوُا اور چونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی قوم قرآن کو چھوڑ بیٹھی تھی اس لئے آنحضورؐ کے بروزی ظہور کا بھی یہی زمانہ تھا۔ اور جب ایک ہی زمانہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روح حضورؐ کے بروزی ظہور کا تقاضیٰ کر رہی ہو اور حضرت مسیح ؑ کی روح اپنے بروزی ظہور کا تقاضیٰ کر رہی ہو اور وہ زمانہ آنحضورؐ کی رسالت کا زمانہ ہو تو سوائے اس کے کیا صورت ہوسکتی تھی کہ خدا تعالیٰ کسی ایسے شخص کو مبعوث فرما دیتا جو آنحضورؐ کا اُمّتی بھی ہو اور ان دونوں نبیوں کا بروز بھی ہو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا آنحضورؐ کے ایک اُمّتی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ان دونوں نبیوں کا بروز بنا کر بھیج دیا چنانچہ آنحضورؐ کا بروز ہونے کی وجہ سے آپؑ مہدی کہلائے اور عیسیٰ بن مریمؑ کا بروز ہونے کی وجہ سے مسیح کہلائے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جیسا کہ آپؑ کو خدا تعالیٰ نے بتایا اور قرآن کریم میں بھی دوسری جگہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ آئندہ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں مسیح کو خدا بنانے کا فتنہ پھر پھیلے گا اور اس وقت پھر مسیح کی روح اپنے ایک بروز کا ظہور چاہے گی چنانچہ تیسری دفعہ (مسیح کا) ایک جلالی شبیہ ظاہر ہوگا اور اس کے بعد دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ پس حضرت مسیحؑ کے بعد لیلۃ القدر بھی تین بار آنی مقدر تھی۔ پہلی دفعہ لیلۃ القدر کے آنے پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوُا۔ دوسری دفعہ اس کے آنے پر حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود کا ظہور ہوُا اور تیسری دفعہ اس کے آنے پر ایک جلالی شبیہ یا جلالی مسیح کا ظہور ہوگا۔ مزید دیکھیں صفحہ ۵۰۹

===============

ضرورۃ الرّسُول

سورۃ القدر کے بعد **سورۃالبَیِّنَة** آتی ہے اس کے شروع میں ہے:-

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ لا (۲) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً لا (۳) فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ط (۴)

اہلِ کتاب میں سے کفر کرنے والے اور مشرک اس وقت تک (اپنی روش

بد سے) باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کی طرف بَیِّنَۃ یعنی خدا
کا ایسا رسول نہ آتا جو ان پر (خدا کے ہاتھ سے) پاک کئے ہوئے صحیفے
پڑھتا جن میں مستقل اصول بیان کئے گئے ہوں۔

چونکہ ذکر اصلاح کے لئے آنے والے رسول سے پہلے کا ہے۔ **اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا** سے اس رسول کے منکر مراد نہیں بلکہ اپنی کتاب کا کفر کرنے والے مراد ہیں۔ کفر کے معنٰی ناقدری کے بھی ہوتے ہیں اور انکار کے بھی۔ پس یہ مراد بھی ہے کہ وہ لوگ اپنی کتاب کی ناقدری کر رہے تھے یعنی اس کی بجائے اپنی عقل یا اپنے علماء وغیرہ کی پیروی کو کافی سمجھنے لگے تھے۔ اور یہ مراد بھی ہے کہ وہ اپنی کتاب پر عمل چھوڑ کر عملاً کافر بن چکے تھے۔

وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جنہیں عرفِ عام میں مشرک کہا جاتا ہے اور اہلِ کتاب میں سے شرک کا ارتکاب کرنے والے بھی مراد ہیں۔ فتح القدیر میں ہے **وَ قِیۡلَ اِنَّ الۡمُشۡرِکِیۡنَ هُمۡ اَهۡلُ الۡکِتٰبِ فَیَکُوۡنَ وَ صۡفًا لَّهُمۡ لِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ وَعُزَیۡرُ ابۡنُ اللّٰهِ**۔

یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَۃً ۔ طاہر پاک کو کہتے ہیں اور مطہر اس کو جسے خدا کے ہاتھ سے پاک کیا گیا ہو۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَۃً کی ضرورت بیان کرکے یہ اشارہ کیا گیا کہ انہوں نے اپنی کتاب کی من مانی تاویلوں اور تفسیروں کے ذریعہ (جو ظاہر ہے کہ ان کے علماء و مشائخ ہی کر سکتے تھے) اور ان کو اصل کتاب قرار دے کر اس کتاب کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا اور چونکہ عوام النّاس کا جو خود حق وباطل میں تمیز کی استعداد نہیں رکھتے قاعدہ ہے کہ جو کچھ ان کے وہ علماء و مشائخ جن سے ان میں سے کسی گروہ کو عقیدت ہو کہہ دیں وہ اسی کو حق سمجھ لیا کرتے اور اس طرح ایک دین کے کئی دین بنا لیتے اور کئی فرقوں میں بٹ جایا کرتے ہیں اور پھر جس چیز کو وہ اصل دین سمجھ کر اختیار کرلیں اسی پر فخر کرتے پھرتے ہیں (جیسا کہ آیت **مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا ؕ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ**۔ الرّوم ۳۰:۳۳ سے سمجھا جاسکتا ہے) اس لئے **صُحُفًا مُّطَهَّرَۃً** کی ضرورت کے بیان میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے تھے (جن کی تعداد حدیث نبوی کے مطابق بہتر تک جا پہنچی تھی)۔ پس ضرورت تھی کہ ان کو اصل

کتاب کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا جائے اور چونکہ وہ بہتر کے بہتر فرقے ہی غلطی پر تھے ایک الگ فرقہ بنا کر ان میں سے جو اس لائق ہوں ان کو اس فرقہ میں اکٹھا کیا جائے اور یہ بات عام علماء ومشائخ یا کسی عام درجہ کے مجدّد کے بس کی بات نہیں تھی بلکہ اس کے لئے ایک مجسم **بَيِّنَة** یعنی خدا کے رسول کی ضرورت تھی جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے ہوئے صحیفے ان پر پڑھے پس اس غرض سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا۔

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ:- لفظ کتاب کے کئی معنٰی ہیں۔ مثلاً نازل کی ہوئی کتاب، حکم، علم وغیرہ۔ سابقہ الہامی کتب میں سے کوئی بھی مِن وعن ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں تھی مگر ان میں سے ہر ایک میں بعض احکام اور صداقتیں اور علوم ایسے بیان ہوئے تھے جو دائمی تھے۔ پس خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ایسے **صُحُفاً مُّطَهَّرَةً** ان پر پڑھنے کی ضرورت تھی جن میں **كُتُبٌ قَيِّمَة** یعنی ہمیشہ (قابلِ عمل) رہنے والے احکام اور صداقتیں اور علوم یا متوازن ومتناسب احکام ہوں بتاتا ہے کہ اس وقت اہلِ کتاب وقتی تعلیمات کو دائمی سمجھ کر غلط راہوں پر پڑگئے تھے اور ضرورت ان کو یہ بتانے کی تھی کہ ان وقتی تعلیمات کے پیچھے جو غرض تھی اصل حکم اس کا تھااور وہ حکم دائمی تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کی تعلیم بظاہر حد سے زیادہ سختی کی اور حضرت مسیحؑ کی تعلیم حد سے زیادہ نرمی کی تھی لیکن غرض دونوں سے یہ تھی کہ طبائع کو اعتدال پر لایا جائے۔ پس اصل تعلیم میانہ روی اور عدل اور اعتدال کی تھی جس کی طرف ان کو متوجہ کرنے کی ضرورت تھی۔

فِيها كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کے یہ معنٰی بھی ہیں کہ جن میں علوم اوّلین وآخرین ہوں کیونکہ سچّے علوم خواہ اوّلین کے ہوں یا آخرین کے بمطابق آیت **فَامَّا ما يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ** قائم رکھے جاتے ہیں ایسے صحیفوں کی ضرورت بیان کرکے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اب وقت آگیا تھا کہ وہ علوم بھی بیان کردیئے جائیں۔ جو صحف سابقہ میں متفرق طور پر بیان ہوچکے تھے (کسی میں ایک کسی میں دوسرا) اور وہ علوم بھی بیان کردیئے جائیں جو پہلے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مگر نزولِ قرآن کے وقت ان کی ضرورت آن پڑی تھی یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عہدِ نبوّت میں جو تا قیامت ہے آئندہ کسی وقت ان کی ضرورت پیش آنے والی تھی کیونکہ ان کے بیان ہوئے بغیر بھی ان لوگوں کی یا ان جیسوں کی جو آئندہ آنے والے تھے اعتقادی یا عملی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی تھی۔ اور چونکہ کوئی شخص علم بغیر مُعلّم کے نہیں پڑھ سکتا علوم آخرین پڑھانے کے

لئے آخرین میں نبی کا آنا ضروری تھا اس لئے بھی آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی پچھلی سورۃ میں‌اور قرآن کے اور بہت سے مقامات پر کی گئی۔ مثلاً سورۃ رَحْمٰن میں یہ فرمایا گیا خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۔ خدا رحمٰن ہے اسی نے محمد رسول اللہ(ﷺ) کو قرآن سکھایا ہے (مگر اس پر بس نہیں) آئندہ بھی وہ ایک انسان کامل پیدا کرے گا اور اسے قرآن کی تفسیر سکھائے گا (تا کہ سورۃ الجمعہ کے مطابق آخرین میں آکر وہ علومِ اولین و آخرین جو قرآن میں بیان شدہ ہیں اپنے زمانہ کے لوگوں کو سکھا سکے)۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ پچھلی سورۃ القدر میں آئندہ زمانہ میں بھی نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس کے معًا بعد یہ سورۃ لاکر اور اس میں اہلِ کتاب کی کمزوریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ فرما کر کہ وہ اپنی غلط روش سے اس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کی طرف رسول نہ آتا یہ بتایا کہ آئندہ رسول کی ضرورت اس لئے پیش آئے گی کہ جس طرح اہلِ کتاب بگڑ گئے تھے اسی طرح اہلِ قرآن یعنی مسلمان بھی بگڑ جائیں گے اور ان میں بھی وہ ساری بدیاں پیدا ہوجائیں گی جو اہلِ کتاب میں پیدا ہوگئیں تھیں یعنی ان کی طرح یہ بھی

نمبر ۱ اپنی کتاب قرآن کی ناقدری کرنے لگ جائیں گے یعنی اس سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے اپنی عقل یا اپنے علماء و مشائخ کی رہنمائی کو کافی سمجھنے لگیں گے۔

نمبر ۲ یہ تعلیمات قرآن پر عمل چھوڑ کر عملاً اس کے کافر بن جائیں گے۔

نمبر ۳ ان میں سے بعض مشرکانہ افعال میں اس قدر مبتلا ہوجائیں گے کہ انہیں زُمرۂ مشرکین میں شمار کرنا بجا ہوگا۔

نمبر ۴ وہ کتاب اللہ کی من مانی تاویلوں اور تفسیروں کو (جو ظاہر ہے کہ ان کے علماء کریں گے) کتاب اللہ کا درجہ دے کر اصل کتاب کا حلیہ بگاڑ دیں گے۔

نمبر ۵ جن جن علماء ومشائخ کے ساتھ ان میں سے کسی گروہ کو عقیدت ہوگی انہی کی تشریحات کو اصل دین قرار دے کر وہ ایک دین کے کئی دین بنالیں گے اور اہلِ کتاب کی طرح بہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے جو سب کے سب غلطی پر ہوں گے اور اپنی غلط روش پر اس سختی سے قائم ہوں گے کہ ان کی اصلاح عام علماء و مشائخ بلکہ عام درجہ کے مجدّدِ دین کے بھی بس کی بات نہیں ہوگی اس لئے اس بات کی ضرورت ہوگی کہ کوئی بَیِّـنَة یعنی خدا کا ایسا رسول آئے جس

کے ساتھ اس کے منجانب اللہ ہونے کے کھلے کھلے نشانات ہوں اور وہ ان کے سامنے (خدا سے علم پاکر صُحُفًا مُّطَهَّرَةً یعنی) قرآن کریم کی اصل تعلیم رکھے اور ان میں سے جو علم الٰہی میں اس لائق ہوں انہیں اپنی قوتِ جاذبہ کے ذریعہ اپنی طرف کھینچ کر اور اپنی قوتِ قدسیہ کے ذریعہ غلط خیالات و عقائد سے پاک کرکے ان کا ایک الگ فرقہ بنائے جو ہو تو اُمتِ محمدیہ ہی کا ایک فرقہ مگر پہلے سے موجود بہتر کے بہتر فرقوں سے بالکل الگ ہو اور اس طرح حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلی ہوئی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ ''میری اُمت اور بنی اسرائیل کے حالات میں ایسی مطابقت ہوجائے گی جیسی ایک پاؤں کے جوتے کی دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے.... بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی'' لیکن ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنّم میں جائیں گے۔ اور اس ناجی فرقہ کی علامت یہ بتائی کہ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی۔ یعنی جس چیز پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں اسی پر اس فرقہ کا امام اور اس کے صحابہ قائم ہوں گے۔ سبحان اللہ کیسے خوبصورت اور جامع الفاظ میں حضورؐ نے آنے والے رسول کو اپنا بروز اور اس کے صحابہ کو اپنے صحابہؓ کا ہم رنگ قرار دیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ جب ۱۹۷۴ء میں بھٹو نے احمدیوں کو اسمبلی سے غیر مسلم قرار دلوایا تو بعض علماء سوٗ نے فخریہ یہ اعلان کیا کہ بہتر کے بہتر فرقے ایک طرف ہیں اور احمدی ایک طرف۔ مگر یہ کہہ کر انہوں نے اس بات کی تصدیق کردی کہ حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ سب جہنّم کے اور احمدی جنّت کے مستحق ہیں۔

سورۃ البَيِّنَة میں مندرجہ بالا آیات کے بعد ہے:-

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ (۵)

اہلِ کتاب کو بھی ایک بَيِّنَة یعنی رسول یعنی مسیح علیہ السلام کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور وہ سب اس کے منتظر اور اس کے آنے کے بارہ میں ہم خیال تھے لیکن جب وہ آگیا تو وہ مختلف الخیال ہوگئے۔ پس اس آیت میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ یہی حال آئندہ کی لیلۃ القدر میں آنے والے رسول مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کے بارہ میں مسلمانوں کا ہوگا۔ اگرچہ ان کے سب فرقے اس کے آنے کے منتظر ہوں گے لیکن اس کے آجانے پر وہ اس کے بارہ میں اختلاف

کرنے لگیں گے۔

سورۃ الزخرف میں حضرت موسیٰ ؑ کے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجے جانے اور ان کے ان کی ہنسی اڑانے اور پہلے ان کے مختلف قسم کے عذابوں میں اس غرض سے مبتلا کئے جانے کا ذکر ہے کہ وہ اپنی بد اعمالیوں اور کفر سے باز آجائیں اور اس کے بعد یہ ذکر ہے کہ جب انہوں نے ان عذابوں سے فائدہ نہیں اٹھایا تو پھر عذابِ استیصال وارد کرکے انہیں غرق کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہے:

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ (الزخرف ۴۳ : ۵۷)

سو ہم نے انہیں قصہ پارینہ اور آخرین کیلئے (عبرت کی) مثال بنا دیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے آخرین سے اس واقعہ کے بعد آنے والے سب لوگ مراد ہو سکتے ہیں لیکن ایک تو اس وجہ سے کہ کھلے کھلے طور پر گرفت یا تو کسی سلسلہ کے پہلے نبی کے زمانہ میں ہؤا کرتی یا آخری نبی کے زمانہ میں دوسرے اس وجہ سے کہ اگلی ہی آیت میں (امتِ موسویہ کے دوسرے نبیوں کا ذکر چھوڑ کر) صرف اس کے آخرین میں آنے والے نبی ابن مریمؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں آخرین سے حضرت مسیح ؑ کے زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ اس کے بعد ہے:-

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ

(الزخرف ۴۳:۵۸)

اور جب ابنِ مریم کی مثال بیان کی جائے گی تیری قوم اس پر شور مچانے لگے گی۔

مطلب یہ کہ جب تیری قوم کو یہ کہا جائے گا کہ ”جس طرح سلسلہ موسویہ کے آخرین میں ابن مریم مسیح ہو کر آیا تھا اور اس کے آنے پر بنی اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ اگر تم نہیں مانو گے تو جو انجام حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کر کے فرعون اور اس کے ساتھیوں کا ہؤا وہی تمہارا ہوگا۔ اسی طرح اب سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں ایک ابن مریم مسیح ہو کر آیا ہے اگر تم اس پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی حضرت اقدسؐ محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں جیسا ہوگا اور تم بھی ایک قصّہ پارینہ بن جاؤ گے“ تو وہ شور مچا دیں گے۔

چنانچہ بالکل اسی طرح ہؤا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو خدا تعالیٰ نے حالتِ مریمی سے (جو اعلیٰ درجہ کے مومنوں کی ایک حالت ہے) حالتِ عیسوی کی طرف منتقل کیا اور آپؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جس طرح سلسلہ موسویہ کے آخرین میں ایک مسیح آیا تھا اتنی ہی مُدّت گزرنے پر اور اسی کے رنگ میں سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں مَیں مسیح ہوکر آیا ہوں تو اُمتِ محمدیہ کے افراد نے جو پہلے اس کے منتظر بیٹھے تھے اس کا انکار کردیا اور اس کے دعویٰ پر شور مچا دیا۔ کسی نے کہا مسیح نے تو آسمان سے اترنا تھا یہ زمین سے اُٹھنے والا مسیح کیسے ہوسکتا ہے۔ کسی نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آ ہی نہیں سکتا۔ کسی نے کہا یہ شخص جو مدعی نبوّت ہے نبی نہیں ہوسکتا نبی تو سادات میں سے آنا چاہیے علیٰ ھٰذا لقیاس جتنے منہ اتنی باتیں ہونے لگیں۔ فرمایا:-

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ...(۶)

(یہ بات ہوئی) حالانکہ اہلِ کتاب کو سوائے اس کے کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اطاعت کو خدا کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔

مطلب یہ کہ انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور اپنے احبار اور رہبان کو خدا بنالیا یعنی خدا کے حکم کے خلاف ان کا حکم مان کر اپنے موعود نبی کا انکار کر بیٹھے۔ ایسا ہی مسیح موعودؑ کے زمانہ کے مسلمان کریں گے لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں اسکا بیان ہے اہلِ کتاب میں سے مسیح کا انکار کرنے والے (باوجود موسیٰؑ پر ایمان رکھنے کے) جہنّم کا ایندھن بنے لہٰذا مسیح موعود کے منکرین بھی باوجود محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کے واصلِ جہنّم ہوں گے۔ کیونکہ ان کا محمد رسول اللہ پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہوگا اگر وہ آپؐ کے ماننے والے ہوتے تو آپؐ کی اور قرآن کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے کا انکار کیوں کرتے۔ فرمایا:-

اُولٰٓئِکَ هُم شَرُّالبَرِيَّةِ

یہ بدترین خلائق ہیں۔

حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری زمانہ کے علماء کو جو مسیح موعود کا انکار کریں گے۔ آسمان کی چھت کے نیچے بد ترین مخلوق قرار دیا ہے مگر یہاں یہ الفاظ تمام منکرین کے متعلق

لائے گئے ہیں۔ اس میں یہی اشارہ ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان اپنے ان علماء کی اسی طرح بے سوچے سمجھے پیروی کریں گے جس طرح مسیح کے زمانہ کے اہلِ کتاب اپنے علماء کی کرتے تھے اس لئے وہ بھی گراوٹ میں انہی جیسے شمار ہوں گے۔ اس کے بالمقابل اگلی آیت میں اس نبی کے ماننے والوں کو **خَیْرُ الْبَرِیَّۃ** قرار دیا ہے۔ جنّت کی بشارت دی ہے اور ان کے بارہ میں **رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ** کے الفاظ فرمائے ہیں جو دوسری جگہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں آئے ہیں یا حواریانِ مسیح کے بارہ میں اور اس طرح بتایا ہے کہ نبی موعود جس طرح مسیح ابنِ مریم کا بروز ہوگا اسی طرح حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی بروز ہوگا۔ (مسیح کا بروز ہونے کی وجہ سے مسیح اور محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز ہونے کی وجہ سے مہدی کہلائے گا) اور بنابرایں اس کے ماننے والے صحابہؓ کے ہم رنگ ہوں گے۔

===============

سورۃ الزلزال میں نبی موعود کے ظاہر ہوجانے کی علامات کا بیان

سورۃالقدر میں آئندہ زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی اور اگلی سورۃ البَیِّنَۃ میں اس کی ضرورت بیان ہوئی تھی اس کے بعد سورۃ الزلزال آتی ہے۔ اس سورۃ میں اس نبی کے ظاہر ہو جانے کی علامات بیان کی گئیں تا کہ جب وہ ظاہر ہو جائے تو لوگ کسی اور کے انتظار میں نہ رہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوں۔

اس سورۃ کی ابتدائی آیات یہ ہیں :-

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا ۙ (۲) وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا ۙ (۳) وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا ج (۴) یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا ۙ (۵) بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا ط (۶)

پہلی آیت میں **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالاً** نہیں فرمایا بلکہ زلزال کو ارض کی طرف اضافت دی گئی ہے۔ پس اس سے صرف بڑا زلزلہ مراد نہیں بلکہ الارض کا اپنا پیدا کردہ زلزلہ یا وہ زلزلہ مراد ہے جو اس کے مقتضیٰ کے مطابق ہو۔ پھر اگلی آیت **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا** میں الارض کا لفظ دہرایا گیا ہے ضمیر کا استعمال نہیں ہوا۔ اس لئے دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو

ان دونوں آیتوں میں الگ الگ زمینوں کا ذکر ہے یا پہلی آیت میں جس زمین کا ذکر ہے دوسری آیت میں اس کے کسی جُز کو بوجہ اس کی کسی خصوصیت کے الگ رکھا ہے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ **لیلۃ القدر** ایک طرف انتہائی تاریکی کو چاہتی ہے اور دوسری طرف آسمان سے ایک نور کے اترنے کو یعنی کسی ایسے شخص کے ظہور کو چاہتی ہے جس پر قرآن کا نزول ہوتا وہ اس تاریکی کو دور کرے۔ اور اس میں تو شبہ نہیں ہوسکتا کہ شرک سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں کہ تمام گناہوں کی جڑ یہی ہے۔ پس شرک کی کثرت بھی لوگوں کا سکون برباد کرکے ان میں ایک زلزلہ سا لے آتی ہے۔ دوسری طرف مامور من اللہ کو چونکہ ازالہِ شرک کی قوّت دے کر بھیجا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی آواز میں ایسا زبردست اثر رکھا جاتا ہے کہ کافر مشرک اور ان جیسے محسوس کرتے ہیں کہ آج نہیں تو کل یہ شخص ہم پر غالب آجائے گا اس لئے اس کی دعوت پر ان میں (اور چونکہ اس کے ظہور کے وقت ایسے لوگوں کی کثرت ہوتی ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے مخاطب تمام لوگوں میں) ایک زلزلہ سا آجاتا ہے۔ نیک فطرتوں میں اس کی تائید کے لئے اور بدفطرتوں میں اس کے خلاف زبردست جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ سچے مامور من اللہ کی یہ ایک خاص علامت ہوتی ہے کہ اس کی آواز دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیتی ہے۔ جبکہ دوسرے داعیان توحید کی آواز سے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وجہ یہ کہ مامور تو خدا کا آلہ کار ہوتا ہے لیکن اگر دوسرے لوگوں کے ذریعہ وہ پہچانا جائے تو ان کا اس پر ایک طرح کا احسان ہوگا مگر اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کے زیرِ احسان ہو۔ پس **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا** میں الارض سے اہلِ ارض مراد لیتے ہوئے اور **زِلْزَالَهَا** کے دونوں معنے (اس کا پیدا کردہ یا اس کے مقتضٰی کے مطابق آنے والا زلزلہ) مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ جب کرہ ارض پر ایک طرف اہلِ الارض کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کردہ زلزلہ آئے گا یعنی ان میں سے ان کے جو اس وقت زمین پر غالب ہوں گے مشرکانہ عقائد اور ان عقائد کی اشاعت سے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے گناہوں کی کثرت سے لوگوں کا سکون برباد ہوجائے گا اور ان پر ایک قسم کا زبردست زلزلہ آجائے گا **کما فی قولہٖ تعالیٰ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا** (مریم ۱۹:۹۱-۹۲)۔ اور دوسری طرف باذنہٖ تعالیٰ ایک واعظِ توحید ایسا کھڑا ہوگا کہ اس کی آواز ایک

دوسرے رنگ میں اہل الارض کو ہلا کر رکھ دے گی۔ **وَاَخْـرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا** اور (جہاں افواجِ شرک کا اس کے خلاف شدید ردِعمل ہوگا وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تائیدیں بھی عجیب رنگ میں ظاہر ہوں گی چنانچہ اس وقت) الارض یعنی وہ زمین جس کا مسیح ناصری سے (جس کے نام پر اس زمانہ میں سب سے زیادہ شرک پھیلے گا اور جس کا بروز بن کر نبی موعود آئے گا جیسا کہ دوسری آیاتِ قرآنی سے واضح ہے) تعلق خاص ہے یعنی جو اس کے ظہور کی جگہ ہے یعنی ارضِ شام یا وہ زمین جو اس کی آخری آرام گاہ ہے یعنی ارضِ کشمیر اپنے بوجھ نکال دے گی (یعنی مسیحوں کے مشرکانہ عقائد یا ان کو تقویت دینے والے مسلمانوں کے عقائدِ باطلہ کے خلاف پڑنے والے وہ بھاری ثبوت جو اس وقت تک اس کے سینہ میں مخفی پڑے ہوں گے ان کو مِنَصَّۂ شہود میں لے آئے گی)۔ **وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا** اور الانسان یعنی وہ مسیحی یا وہ مسلمان جن پر اس کا اثر پڑے گا بزبانِ حال پکار اُٹھیں گے کہ اس زمین کو کیا ہوگیا ہے (کہ ہمارے دیرینہ عقائد پر پانی پھیرتی جارہی ہے)۔

چنانچہ دیکھ لیجئے جب تیرھویں صدی کے آخر تک مسیحیوں نے اپنی حکومتوں کی مدد سے اور ہر قسم کے دجل اور فریب کو کام میں لا کر مسیح کے ابن اللہ ہونے کے مشرکانہ عقیدہ کو دنیا میں پھیلایا اور باوجودیکہ ان کی اس سے غرض یہ تھی کہ مسیح ناصری کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ثابت کرکے اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور یعنی شمع اسلام کو بجھا دیں (التوبہ ۹:۳۲) مسلمانوں نے مسیحؑ کے بجسدِ عُنصری آسمان پر چڑھ جانے اور حوائجِ بشریہ سے بے نیاز رہ کر صدیوں سے وہاں زندہ موجود ہونے کا باطل عقیدہ رکھ کر اور پھر یہ عقیدہ رکھ کر کہ وہ اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے دوبارہ نازل ہونے والا ہے بالواسطہ مسیحیوں کے اس مشرکانہ عقیدہ کو تقویت دی (جس کی سورۃ جن میں پہلے سے خبر دی گئی تھی) تو خدا تعالیٰ اس مشرکانہ عقیدہ کو (جس نے اور جس کے پھیلانے والوں کی دوسری ساحرانہ کاروائیوں نے دنیا میں ایک زلزلہ برپا کردیا تھا) مٹانے کے لئے جیسا کہ چاہیے تھا بالکل اس کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک غلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مسیح ناصری سے افضل تر مسیح بنا کر اور مسیحیوں اور مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقائدِ باطلہ کے خلاف دلائل قاطعہ دے کر بھیج دیا تو چونکہ اس کی آواز ایک ساری دنیا کی طرف بھیجے جانے والے مامور من اللہ کی آواز تھی اس نے مشرق سے مغرب تک ایک

ہلچل مچا دی اور ساری دنیا کو ایک دوسرے رنگ میں ہلا کر رکھ دیا پھر **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا** کے مطابق ایک طرف ارضِ کشمیر نے مسیح کی قبر کو ظاہر کر دیا اور دوسری طرف کچھ عرصہ بعد ارضِ شام نے صحائفِ قمران کی صورت میں الوہیت مسیح کے باطل عقیدہ کے خلاف پڑنے والے وہ بھاری ثبوت جو اس میں صدیوں سے ایک بھاری امانت کے طور پر دفن پڑے تھے باہر نکال کر رکھ دیئے۔ **وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا** اور الانسان (یعنی مسیحی لوگ یا مسیح کو بجَسَدِ عُنصری زندہ جاننے والے مسلمان بزبانِ حال) پکار اُٹھے کہ اس زمین کو کیا ہوگیا ہے (کہ یہ ہمارے دیرینہ عقائد پر پانی پھیرتی جاتی ہے)۔ پس جب یہ سب کچھ وقوع میں آگیا تو **یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا** (آیت۵) اس دن زمین نے اپنی خبریں یعنی وہ خبریں جو اس کے بارہ میں صحیفوں میں دی گئیں تھیں بزبانِ حال بیان کر دیں **بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا** (آیت۶) کیونکہ وہ خبریں قرآن یا پہلے آسمانی صحیفوں میں اٹکل سے بیان نہیں ہوئی تھیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے رب نے ان کے بارہ میں وحی نازل کی تھی۔ اور آپؐ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کا پورا ہونا ضروری تھا۔

ان باتوں کے علاوہ ان آیات میں موعودہ لیلۃ القدر اور اس میں اترنے والے نبی کے وقت کے بارہ میں اور بھی کئی باتیں بتائی گئی تھیں۔ مثلاً جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا اِلٰی قولہٖ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا** میں یہ بھی بتایا گیا کہ ”اس وقت طبیعتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجہ جنبش دی جائے گی اور خیالات عقلی اور فکری اور سبعی اور بہیمی پورے پورے جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے اور زمین اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دے گی۔ یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات مخفیہ کو **بِمَنَصَّةِ** ظہور لائیں گے.... اور انسانی قوّتوں کا آخری نچوڑ نکل آئے گا.... اور فرشتے جو اس لیلۃ القدر میں مردِ مصلح کے ساتھ آسمان سے اُترے ہوں گے ہر ایک شخص پر اس کی استعداد کے مطابق خارق عادت اثر ڈالیں گے یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیالات میں ترقّی کریں گے اور جن کی نگاہیں دنیا تک محدود ہیں وہ ان فرشتوں کی تحریک سے دنیوی عقلوں اور معاشرت کی تدبیروں میں وہ یدبیضاء دکھائیں گے کہ ایک مرد عارف **مُتَحَیِّر** ہوکر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ عقلی اور فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں؟ تب اس روز ہر ایک استعدادِ انسانی بزبانِ حال باتیں

کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں میری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر بحسب اس کی حالت کے اتر رہی ہے یعنی صاف نظر آئے گا کہ جو کچھ انسانوں کے دل ودماغ کام کررہے ہیں یہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ ایک غیبی تحریک ہے کہ ان سے یہ کام کرا رہی ہے سو اس دن ہر ایک قسم کی قوّتیں جوش میں دکھائی دیں گی۔ دنیا پرستوں کی قوّتیں فرشتوں کی تحریک سے جوش میں آکر اگرچہ بباعثِ نقصان استعداد کے سچائی کی طرف رُخ نہیں کریں گی لیکن ایک قسم کا ابال ان میں پیدا ہوکر اور انجماد اور افسردگی دور ہوکر اپنی معاشرت کے طریقوں میں عجیب قسم کی تدبیریں اور صنعتیں اور کلیں ایجاد کرلیں گے اور نیکوں کی قُوّتوں میں خارق عادت طور پر الہامات اور مکاشفات کا چشمہ صاف صاف طور پر بہتا نظر آئے گا۔ اور یہ بات شاذونادر ہوگی کہ مومن کی خواب جھوٹی نکلے۔ تب انسانی قویٰ کے ظہور وبروز کا دائرہ پورا ہوجائے گا اور جو کچھ انسان کے نوع میں پوشیدہ طور پر ودیعت رکھا گیا وہ سب خارج میں جلوہ گر ہوجائے گا۔'' یہ اشارہ بھی اس آیت میں ہے کہ اس وقت زمین ''جس پر انسان رہتے ہیں اپنے تمام خواص ظاہر کردے گی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتیں اس کی معلوم ہوجائیں گی اور کانیں نمودار ہوں گی اور کاشت کاری کی کثرت ہوجائے گی۔'' (تفسیر حضرت اقدسؑ صفحہ ۴۴۱، ۴۴۳۔)

یہ ساری باتیں بھی ہمارے اس زمانہ ہی میں ظہور میں آئی ہیں پس ان باتوں کے اجتماع کو دیکھ کر ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہی زمانہ دجاّل کے عروج کا زمانہ ہے جس کے ہاتھ پر محیّر العقول مادی ترقّیات ہوئی ہیں اور پھر یہی زمانہ مہدی معہود المسیح الموعود کے ظہور کا زمانہ ہے جس کے ہاتھ سے قتلِ دجّال مقدّر کیا گیا تھا۔ اور جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے تو پھر مامورِ وقت کو پہچان لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں رہتا کیونکہ اس وقت مامور ہونے کا ایک ہی دعویدار میدان میں کھڑا ہے۔ اس کے ساتھ آسمانی نشان بھی ہیں اور زمینی نشان بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت جو کبھی جھوٹوں کو نصیب نہیں ہوتی ہر قدم پر اس کے شامل ہے۔ ہر نیا دن اس کے لئے نئی فتوحات لے کر آتا ہے اور ہر نئی شام اسے پہلے سے کہیں آگے پہنچا ہؤا پاتی ہے۔ مسلمان کہلانے والے علماء سوء جتنی زیادہ کوشش اس کا راستہ روکنے کے لئے کرتے ہیں اتنی ہی خدا تعالیٰ اسے ترقّی دیتا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ وہ قادیان کی گلیوں میں اکیلا پھرتا تھا اور اب ان خبروں

کے مطابق جو خدا تعالیٰ نے اُس وقت اُس کو دی تھیں کروڑوں اس کی غلامی میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روزافزوں ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کے نام اس نے اپنے قلم سے اپنی کتابوں میں لکھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ لاکھ لاکھ پاؤنڈ یا ڈالر ایک ایک آدمی دے جاتا ہے اور اسے اپنے لئے سعادت یقین کرتا ہے۔ ۱۶۹ سے زیادہ ممالک میں اس کے فدائیوں کی جماعتیں قائم ہوچکی ہیں اور ہزاروں مساجد بن چکی ہیں اوران سے کئی گنازیادہ بنی بنائی مل چکی ہیں۔ ساری دنیا میں ایک اسی کی جماعت ہے جسے ۲۴ گھنٹے اپنے T.V پر پیغامِ حق نشر کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ مسیحی منادّ اس کے مقابل پر شکست کھارہے ہیں قرآنِ کریم کے سو کے قریب زبانوں میں ترجمے کرنے اور کئی زبانوں میں انہیں شائع بھی کرنے کی توفیق جو بڑی بڑی اسلامی حکومتوں کو بھی نہیں ملی اس کے غلاموں کو مل رہی ہے۔

جب نبی موعود کے ظہور کی علامتیں بیان ہوگئیں تو سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا لوگ ان علامتوں سے فائدہ اٹھا کر اسے مانیں گے یا نہیں؟ اور چونکہ سب لوگ تو کسی نبی کو بھی نہیں مانا کرتے لیکن کچھ ضرور مانا کرتے ہیں تاہم ماننے والے بھی جب تک ایمان کے تقاضوں کے مطابق نیک عمل نہ کریں انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوُا کرتا (الانعام ۶:۱۵۹)۔ اس لئے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جو لوگ اسے مان کر اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکیاں بھی بجا لائیں گے کیا ان کو اور جو ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اس نبی کے خلاف شرارتوں سے کام لیں گے ان کو اپنے کئے کا کچھ نتیجہ دنیا میں بھی معلوم ہوگا یا نہیں۔ اگلی آیتوں میں جو سورۃ الزّلزال کی آخری آیتیں ہیں ان سوالوں کا جواب دیا گیا۔ فرمایا:-

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ (۷) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۸) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۹)

صَدَرَ کے معنٰی ہیں آگے بڑھنا۔ نکل پڑنا۔ خروج کرنا۔ اور اَشْتَاتاً کے معنٰی ''الگ الگ گروہوں کی صورت میں'' کے ہیں۔ چنانچہ جَآءُوْا اَشْتَاتاً کہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ THEY CAME IN DETACHED BANDS۔ اور BAND کے معنٰی ہیں ORGANISED PARTY (الفرائدا لُدریۃ)۔

پس پہلی آیت کا مطلب یہ ہؤا کہ اس دن جب نبی موعود ظاہر ہوگا (یعنی اس لیلتہ القدر میں اس میں اترنے والوں فرشتوں کی تحریک سے) وہ سب نیک فطرت لوگ جو زمین کی چاروں اطراف میں پوشیدہ طور پر زندگی بسر کررہے ہوں گے ایک گروہ کی صورت میں اکٹھے ہوجائیں گے اور بدفطرت لوگوں کا بھی (اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّ احِدَۃ کے مطابق) ایک گروہ نظر آئے گا۔

یا چونکہ لفظ شر کے معنٰی جیسا کہ امام راغب نے اپنی مفردات میں لکھا ہے۔ عیب کینہ اور جنگ کے بھی ہوتے ہیں۔ اور خیر کا لفظ اس کے مقابل پر آیا ہے اس لئے یہ مطلب ہے کہ نیک فطرت لوگ جو اس نبی پر ایمان لائیں گے اس کی نصرت کی خاطر منظّم گروہوں کی صورت (میدانِ عمل میں نکلیں گے اور بدفطرت لوگ بھی جو اس سے کینہ رکھنے والے ہوں گے اس کے ساتھ ایک طرح کی جنگ کرنے کے لئے منظّم گروہوں کی صورت میں میدان میں آجائیں گے)۔

چنانچہ دیکھ لیجئے نبی موعود حضرت مہدی مسعود علیہ السلام چونکہ ساری دنیا کی اصلاح کے لئے مامور ہوکر آئے دنیا کے کونے کونے سے آکر لوگ آپؑ کی جماعت میں شامل ہوتے جارہے ہیں اور اس طرح ان نیک فطرت لوگوں کا ایک منظّم گروہ بن گیا ہے جو دن بدن پھیلتا جاتا ہے۔ دوسری طرف بدفطرت لوگ بھی اگرچہ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے (اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّ احِدَۃ کے مطابق) آپؑ کی مخالفت میں سب اکٹھے ہوگئے ہیں اور اس طرح ان کا بھی ایک گروہ نظر آنے لگا ہے۔ یعنی اگرچہ دل ان کے پھٹے ہوئے ہیں مگر ظاہر میں ان پر ایک ہونے کا گمان ہوتا ہے (تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ. الحشر ۵۹:۱۵)۔

لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ کے الفاظ سے جن کے معنٰی یہ ہیں کہ تا ان کو (خدا کی طرف سے) ان کے اعمال (کا نتیجہ) دکھا دیا جائے اشارہ ہوتا ہے کہ اس نبی کے انصار کا گروہ اور اس کے دشمنوں کا گروہ دونوں اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہے ہوں گے اور خدا سے فیصلہ چاہیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کفار نے بھی بدر کے دن دعا کی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال ۸:۳۳) اور پھر خدا تعالیٰ کا فیصلہ ان کی ہلاکت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی بعض مخالفوں نے اپنے آپ کو حق پر سمجھتے

ہوئے نبی موعودؑ کے مقابل پر ایسی ہی دعا مانگی اور ان میں سے ہر ایک کے حق میں بھی خدا تعالیٰ کا ویسا ہی فیصلہ صادر ہؤا جیسا کہ کفّار مکّہ کے حق میں ہؤا تھا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ۔لفظ مَنْ جمع اورمفرد دونوں کے لئے آجاتا ہے۔لیکن الفاظ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا کے مدِّنظر یہاں اس سے گروہ مراد لینا کم ازکم دنیا کے لحاظ سے اَوْلیٰ ہے۔

اب ہر چشم بِینا رَکھنے والا خود دیکھ سکتا ہے کہ نبی وقت حضرت مہدی موعودؑ کی جماعت کے معمولی چندوں اور حقیر کوششوں میں خدا تعالیٰ نے کتنی برکت ڈالی ہے اور ان کے نتیجہ میں دنیا کے اندر کیسا عظیم انقلاب برپا ہورہا ہے اور اس کے بالمقابل آپؑ کے مخالفین کس طرح ہر میدان میں شکست اور ذلّت ونامرادی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اگرچہ نیک و بد اعمال کے نتائج کے بتمام وکمال نکلنے کے لئے اخروی قیامت کا دن مقرر ہے لیکن نبی کا زمانہ بھی چونکہ ایک طرح کی قیامت کا زمانہ ہوتا ہے چنانچہ آنحضورؐ نے فرمایا اَنَاالْحَاشِرُ الَّذِی یُحْشَرُالنَّاسُ عَلٰی قَدمِیْ اور قیامت کے دن کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ اس لئے اگر وَمَنْ يَّعْمَلْ کے الفاظ گروہ کی بجائے افراد کے متعلق سمجھے جائیں تو ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اس وقت اگر کوئی شخص (نیکیاں اور بدیاں برابر ہوجانے کے بعد) ایک ذرّہ برابر بھی کارِ خیر کرے گا یا ایک ذرّہ برابر بھی شر کا مرتکب ہوگا۔تو وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔

ایک شخص نے آنحضورؐ سے عرض کی کہ میں جب کافر تھا تو اللہ کی راہ میں خیرات کیا کرتا تھا کیا اس خیرات کا بھی کوئی نفع مجھے ہوگا حضورؐ نے فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰی مااَسْلَفْتَ تیری وہی نیکی تو تیرے اسلام کا موجب ہوئی۔ لہٰذا زیرِ نظر آیات کا مطلب یہ ہؤا کہ اُن دو میں سے اَوَّلُ الذّکر شخص اپنی نیکی کا نتیجہ نبی وقت پر ایمان لانے کی توفیق اور اس کے نیک ثمرات کی صورت میں دیکھ لے گا اور موخر الذِّکر شخص اپنے اعمال شر کا نتیجہ ایمان سے محرومی اور اس کے بد اثرات کی صورت میں دیکھ لے گا۔ چنانچہ اس نبی کے آنے پر کئی لوگ جو بظاہر نیک سمجھے جاتے تھے ایمان سے محروم رہے کیونکہ علمِ الٰہی میں ان کی بدیاں ان کی نیکیوں سے زیادہ تھیں اور بعض

جو بد سمجھے جاتے تھے ایمان کی توفیق پا گئے اور انہوں نے بڑے بڑے روحانی مراتب حاصل کئے کیونکہ خدا کے نزدیک ان کی نیکیاں بدیوں سے زیادہ تھیں۔

===============

قرآن کی سورۃ العصر میں حضرت مہدی موعودؑ کی بعثت کیلئے دو مختلف حسابوں سے ایک ہی سال بتایا گیا اور وہی سال آنحضرتؐ کی بعثتِ ثانیہ کا سال ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مہدی موعودؑ ہی کی صورت میں حضورؐ کا دوسرا بعث ہونا مقدّر تھا۔ اور اس سال میں صرف حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ ہی ان منصبوں کے دعویدار بن کر (ہزارہا نشانات کے ساتھ) کھڑے ہوئے اسلئے لاریب وہ اپنے دعاوی میں سچّے ہیں

سورۃ العصر میں ہے:-

وَالْعَصْرِ(۲) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ(۳) اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَا صَوْا بِالْحَقِّ۵ وَتَوَا صَوْا بِالصَّبْرِ (۴)

اس سورۃ میں العصر یعنی زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے یعنی اسے گواہ بنایا گیا ہے اس بات پر کہ ہر انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے الخ۔ ایمان کا تعلق انبیاء سے ہوتا ہے خدا اور قیامت پر ایمان بھی انہی کے ذریعہ ملتا ہے اور اُنہی کے آنے کے بعد انسان مکلّف بنا اس لئے اس میں العصر سے ابتدائے آفرینش سے لے کر آنحضورؐ تک کا زمانہ مراد نہیں بلکہ سلسلہ انبیاء کی ابتداء سے آنحضورؐ تک کا زمانہ مراد ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کو الہاماً بتایا گیا کہ اس سورۃ کے اعداد میں جو بحساب جُمل ۴۷۳۹ ہیں عمرِ دنیا حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضور ﷺ تک قمری حساب سے بتائی گئی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ عصر کے معنٰی جہاں زمانہ کے ہیں وہاں دن کے ابتدائی

حصّہ کے بھی ہیں اور دن کے آخری حصّہ کے بھی ہیں۔ حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ اسلام کے دن کی ابتداء ہوئی اور جس طرح سارا زمانہ جو حضرت آدم سے آنحضورؐ تک گزرا یعنی ہر نبی کا عہد جواب قسم میں مذکور امور پر گواہ ہوُا اسی طرح بلکہ دوسرے سب نبیوں کے زمانہ سے بڑھ کر آنحضورؐ کا زمانہ ان امور پر گواہ ہوُا۔ اور العصر کی قسم کھا کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ کی طرح اس کا آخری زمانہ بھی ان امور پر گواہ ہوگا یعنی اس وقت پھر ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ آخری زمانہ ایک اعتبار سے اسلام کے دن یعنی زمانہ کا آخری حصّہ ہوگا اور دوسرے اعتبار سے اس کا ابتدائی حصّہ بھی ہوگا۔ یعنی اس نبی کے آنے سے اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اور لفظ عصر کے یہ دونوں معنے بیک وقت اس دور پر چسپاں ہوں گے چنانچہ اس سورۃ میں جس طرح آنحضور ﷺ کی بعثت کا سال بتایا گیا اسلام کے آخری دنوں میں آنے والے نبی مہدی موعودؑ کی بعثت کا سال بھی بیان کیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت مہدی موعودؑ کی پیدائش جیسا کہ آپؑ نے خود لکھا اس وقت ہوئی جب چھٹے ہزار کے اختتام میں ابھی گیارہ سال باقی تھے۔ یعنی حضرت آدمؑ سے لے کر آپؑ کی پیدائش تک ۶۰۰۰-۱۱=۵۹۸۹ سال ہوئے تھے۔

آپؑ کی پیدائش ۱۳فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۰ شوال ۱۲۵۰ھ کو ہوئی۔ گویا ۱۲۵۰ ہجری کا سال جو آپؑ کی پیدائش کا سال ہے حضرت آدمؑ سے شروع ہونے والے سالوں میں پانچ ہزار نو سو نواسیواں سال تھا اور آپؑ کو ماموریت کا پہلا الہام ۱۸۸۲ء بمطابق ۱۳۰۰ھ میں ہوُا۔ یعنی قمری حساب سے پیدائش کے پورے ۵۰ سال گزرنے پر۔ اس کا مطلب یہ ہوُا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آپؑ کے مبعوث کئے جانے تک ۵۹۸۹+۵۰=۶۰۳۹ سال ہوئے تھے۔

آنحضورؐ نے اپنی پہلی تین صدیوں کو اچھی صدیاں قرار دیا۔ اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ آنے کی اور اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج نبوّت کے قائم ہونے کی خبر دی۔ فیج اعوج کا زمانہ آیت **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ** (سورۃ السجدہ ۶:۳۲) کے مطابق ہزار سالہ زمانہ ہے۔ سورۃ الفجر کے مطابق بھی یہ زمانہ ہزار سالہ ہی ہے اور اُس سورۃ کے مطابق اس کی ابتداء پہلی قریباً تین صدیاں گزرنے پر ہونی تھی۔ پس حضرت آدمؑ سے حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ تک

جو ۴۷۳۹ سال گزرے ان میں یہ تین سو اور ہزار یعنی کل ۱۳۰۰ سال جمع کریں تو موعودہ خلافت علیٰ منہاج نبوّت کے قائم ہونے کا سال نکل آئے گا۔ اور ان اعداد کی حاصل جمع ۶۰۳۹ ہے لہٰذا حضرت آدمؑ سے ٹھیک ۶۰۳۹ سال گزرنے پر یعنی ۱۳۰۰ھ میں یہ خلافت قائم ہونا مقدّر تھی۔ اور سورۃ الفجر میں مذکور اشارات کی رو سے بھی (جن کی تفصیل اوپر آچکی ہے) آنحضورﷺ کے بعد آنے والے نبی نے اسی سال میں مبعوث ہونا تھا۔ پس دو الگ الگ سورتوں میں دو الگ الگ حسابوں سے ٹھیک ایک ہی نتیجہ پر پہنچا کر خداتعالیٰ نے نبی موعود کی پہچان کے لئے ایک طرح کا کراس ٹیسٹ مہیا کر دیا اور قطعی طور پر بتا دیا کہ اس کی بعثت کے لئے یہی سال (۱۳۰۰ھ) مقدّر تھا۔ اور ٹھیک اس سال میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی خلعتِ ماموریت سے سرفراز ہو کر بطور مہدی موعود مبعوث ہوئے اور ہزاروں نشانوں کے ساتھ مبعوث ہوئے لیکن دوسرے کسی شخص نے اس سال میں ماموریت کا دعویٰ تک نہیں کیا۔ لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ آپؑ ہی حضرت اقدّس محمد رسول اللہﷺ کے اور قرآن کے وہ موعود نبی ہیں جس نے آخری دنوں میں آنا تھا۔ اور چونکہ سورۃ الجمعہ کے مطابق آنحضورؐ کا ایک بعث اُمّت کے آخرین میں بھی ہونے والا تھا اور ایک حدیث کی رو سے یہ بعث چھٹے ہزار کے آخر میں اور دوسری حدیث کی رو سے ساتویں ہزار کے شروع میں ہونا مقدّر تھا اور حضرت مہدی موعودؑ ہی شمسی حساب سے چھٹے ہزار کے آخر میں اور قمری حساب سے ساتویں ہزار کے شروع میں مبعوث ہوئے اس لئے اس میں بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ آپؑ ہی کے وجود میں آنحضورﷺ کا موعودہ بُعث ہوا۔

لفظ عصر کے ایک معنٰی دھر کے بھی ہیں لیکن جہاں دھر کا لفظ مطلق زمانہ کے لئے آتا ہے وہاں عصر کا لفظ اس کے گزرنے کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔ پس مندرجہ بالا آیات میں گزرنے والے وقت کو اس بات پر گواہ ٹھہرا کر کہ ہر انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجا لائے اور انہوں نے حق کی تاکید کی اور حق کے ساتھ کی اور صبر کی تاکید کی اور صبر کے ساتھ یعنی استقلال کے ساتھ کی خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کی صورت میں چڑھنے والے دن کے ابتدائی حصّہ میں بھی اور آخری حصّہ میں بھی یعنی حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں بھی اور مہدی موعود کے وقت میں بھی ہر انسان کو چاہیے کہ ان پر ایمان لائے اور ہماں وقت اعمالِ صالحہ بجا لائے اور تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں آگے سے

آگے قدم رکھنے میں مصروف رہے۔ اور ایک دم کے لئے بھی غافل نہ ہو۔ کیونکہ اپنے رسولوں کے وقت کو تو خدا تعالیٰ نے ضائع نہیں کرنا ان کے مقاصد کو تو اس نے مُدّتِ مقرّرہ کے اندر پورا کرنا ہی کرنا ہے اس لئے جو لوگ ان کے قدم کے ساتھ قدم نہیں ملائیں گے اور عملاً اپنے دین سے پھر جائیں گے خدا تعالیٰ ان کی جگہ اور لوگ لے آئے گا جن سے وہ محبت کرنے والا اور وہ اس سے محبت کرنے والے ہوں گے (المائدہ ۵۵:۵۰) اور بنابرایں وہ لوگ یہ کام کریں گے اور غفلت سے کام لینے والے نقصان اپنا ہی کریں گے۔ چنانچہ آنحضورﷺ نے فرمایا: **مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ** جس کے دو دن برابر ہوئے یعنی اس نے دوسرے دن پہلے دن سے بلکہ (یوم کے معنٰی چونکہ مطلق وقت کے بھی ہیں) ہر دوسری گھڑی میں پہلی گھڑی سے ترقّی نہیں کی وہ گھاٹے میں ہے۔ چنانچہ اس آیت میں مذکور اشارہ کے عین مطابق حضرت مہدی موعود کو الہام ہوُا

اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیحُ الَّذِیْ لَایُضَاعُ وَقْتُهٗ

(تذکرہ صفحہ ۳۷۰)

تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ :- حق کا لفظ قرآن میں خدا تعالیٰ اور قرآن کے لئے بکثرت آیا ہے چونکہ اسلام کی طرف دعوت میں خدا تعالیٰ اور اس کی محبت اور قرآن کی طرف دعوت شامل ہے اس لئے علیٰ حذفِ مضاف یہاں حق سے دینِ حق یعنی اسلام مراد ہے لیکن اسلام کی بجائے جو حق کا لفظ رکھاّ گیا تو یہ بلا وجہ نہیں بلکہ ایسا کرکے یہ اشارہ کیا گیا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں ایمان لاکر اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کو جو حق کے ساتھ یعنی سچے دل سے اور لوگوں کی سچی محبت اور خیر خواہی کی راہ سے سچے دلائل کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے اور اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینے والے ہوں گے (جیسا کہ **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ** کے الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے) اپنے دین کو ''اسلام'' کہنے سے روک دیا جائے گا اور وہ اس کی بجائے دینِ حق کا لفظ استعمال کرنے لگیں گے۔ اور چونکہ یہ بات اسلام کے دورِاوّل میں واقع نہیں ہوئی اس لئے اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ پیشگوئی اس کے دورِ ثانی یعنی مہدی موعودؑ کے وقت کے لئے تھی۔ چنانچہ اس دور میں جنرل ضیاء الحق نے حق کی ضیاء یعنی روشنی بننے کی بجائے حق کو ضائع کرنے والا بن کر حضرت مہدی موعود کے

ماننے والوں کو جو مذکورہ بالا تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہیں باوجود دل وجان سے مسلمان ہونے کے اپنے دین کو اسلام کہنے سے قانوناً روک دیا جس کی وجہ سے وہ اسلام کی بجائے دینِ حق کی اصطلاح استعمال کرنے پر مجبور ہوگئے اور اگرچہ خداتعالیٰ نے اس صورت میں بھی انہیں حق ہی پر قائم رکھا لیکن قرآن کریم کی یہ پیشگوئی بہرحال پوری ہوگئی بلکہ اس کے ساتھ حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی ایک نئی شان سے پورا ہؤا کہ ''اِنَّ اللّٰــہ لَیُؤَیِّدُ ھٰذا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ'' (بخاری کتاب القدر حدیث ۵) ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک فاجر کے ہاتھ سے اس دین کی تائید کروائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا کیونکہ یہ فاجر شخص قرآنِ کریم کی یہ پیشگوئی پوری کرنے کا ذریعہ بھی بنا اور دنیا ہی میں جل کے مر کر اپنے جہنّمی ہونے کا ثبوت بھی فراہم کرگیا۔

اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَا صَوْا بِالْحَقِّ ۵ وَتَوَا صَوْا بِالصَّبْرِ کے الفاظ اگرچہ بصیغہ امر نہیں آئے مگر ظاہر ہے کہ امر ہی مراد ہے اور جب بھی خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم دے تو اس میں یہ پیشگوئی مضمر ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس پر عمل کریں گے اور بعض عمل نہیں کریں گے۔ پس یہ الفاظ رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ آئندہ زمانہ میں جب پھر ایک نبی آئے گا اس وقت بعض لوگ تو اس پر ایمان لاکر اعمالِ صالحہ بجا لانے والے اور صحیح معنوں میں تَوَا صَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَا صَوْا بِالصَّبْرِ پر عمل کرنے والے ہوں گے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جو دوسروں کو اسلام قبول کرنے یا اس پر عمل کرنے کی تاکید تو کریں گے لیکن اس حال میں ایسا کریں گے کہ ان کو اس کا حق نہیں پہنچتا ہوگا۔ یعنی نہ تو وہ نبی وقت پر ایمان لائیں گے۔ نہ ان کے اعمال اعمالِ صالحہ ہوں گے۔ نہ وہ اسلام کو سمجھتے ہوں گے اور نہ ان کی دعوت سچائی پر مبنی ہوگی یعنی سچی انسانی ہمدردی اس کا محرک نہیں ہوگی بلکہ دنیوی مفاد اس کا محرک ہوں گے۔ چنانچہ جماعتِ احمدیہ کے اکثر افراد اس پیشگوئی کو پہلے معنوں میں اور دوسرے علماء کہلانے والے اسے دوسرے معنوں میں پورا کرنے والے ہیں۔

وَتَوَا صَوْا بِالصَّبْرِ کے الفاظ جن کے معنے یہ ہیں کہ صبر کی وصیت کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ کرتے ہیں بتاتے ہیں کہ اس وقت داعیان الیٰ اللہ کو بھی اور ان کی دعوت قبول کرنے والوں کو بھی بڑے صبر آزما حالات میں سے گزرنا پڑے گا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی اس

زمانہ میں جو حضرت مہدی موعودؑ کا زمانہ ہے نہایت وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی۔ پاکستان میں تو جماعتِ احمدیہ کے لئے اپنے مسلک کی تبلیغ قانوناً ممنوع قرار دی جا چکی ہے اور اس ''جرم'' میں کتنے ہی احمدیوں پر مقدّمے بنائے گئے اور انہیں جیلوں میں ڈالا گیا۔ بلکہ کئی ایک کو شہید بھی کیا گیا ہے۔ رہے ان کی دعوت کو قبول کرنے والے تو ان لوگوں کو پہلے تو ناحق مرتد قرار دیا جاتا ہے اور اس کے بعد طرح طرح کی سختیوں میں ڈالا جاتا ہے۔

==============

سورۃ الفیل میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورۃ العصر میں اسلام کے دورِ اوّل میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اور دورِ ثانی میں مہدی موعودؑ کو نہ ماننے والوں کے گھاٹے میں ہونے کا اور ان کو مان کر اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کے اس گھاٹے سے مامون ومحفوظ رہنے کا ذکر تھا اور سورۃ الفیل میں یہ بتایا گیا کہ آنحضورؐ کے دشمنوں کی ہلاکت کیسے واقع ہوئی اور مہدی موعودؑ کے دشمنوں کی ہلاکت کیسے واقع ہوگی۔ فرمایا:-

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (۲) اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ (۳) وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ (۴) تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ (۵) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (۶)

(اے رسول) کیا تو نے نہیں جانا کہ تیرے رب نے اصحابِ فیل سے کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا۔ اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔ جو انہیں (پکی ہوئی) مٹی کی کنکریاں مارتے تھے سو اس نے انہیں کِرم خوردہ بھُوسے کی مانند کر دیا۔

مفسرین نے اصحاب الفیل سے ابرہہ اور اس کا لشکر۔ ان کی 'کید' یعنی تدبیر سے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تدبیر اور خداتعالیٰ کے اس تدبیر کو فی تضلیل کرنے سے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی مراد لی ہے۔ لیکن نہ تو اصحاب الفیل صرف ابرہہ اور اس کا لشکر تھے نہ ان کی تدبیر

صرف خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تدبیر تھی اور نہ خدا تعالیٰ نے جو کاروائی ان کے خلاف کی وہ صرف ان کی تباہی کی کاروائی تھی بلکہ اوّل اصل اصحاب الفیل تو رومی حکومت تھی جس کے ابرہہ اور اس کا لشکر ماتحت تھے اور دوم ان کی تدبیر دراصل دو تدبیروں پر مشتمل تھی ایک تدبیر مسیح کو ابن اللہ قرار دینے یعنی فوق البشر کے طور پر پیش کرنے کی تدبیر تھی تا اگر ابراہیمی پیشگوئیوں کے مطابق خانہ کعبہ کے پاس کوئی رسول آجائے (جو ظاہر ہے کہ خدا کے تمام رسولوں کی طرح علم بردارِ توحید ہی ہوسکتا تھا) تو مسیح کے مقابلہ پر اس کا سکّہ نہ چل سکے اور دوسری تدبیر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تدبیر تھی تا یہ کہہ کر کہ نبی موعود نے تو خانہ کعبہ کے پاس آنا تھا اور خانہ کعبہ موجود ہی نہیں اسے جھوٹا ثابت کیا جا سکے رہی خدا کی تدبیر جو اس نے انکی تدبیر کے خلاف کی تو اس کا بیان اس نے **وَ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ** کے الفاظ سے یعنی 'وَ' سے شروع کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس نے ان کے خلاف دو تدبیریں کی تھیں ایک تدبیر ارسال طیر کی تھی اور دوسری تدبیر اس کے علاوہ تھی جو ملفوظ نہیں کی گئی اور اسے ملفوظ نہ کرکے بتایا ہے کہ اس کا تعلق مخاطب یعنی حضرت نبی کریم ﷺ سے ہے اور وہ اسے ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ یعنی وہ تدبیر ارسال رسول کی یعنی آپؐ کو بطور نبی مبعوث کرنے یا اس کے فیصلہ کی تدبیر تھی۔

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ کے بعد ہے **تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ**

اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں۔

نمبر ۱ یہ کہ "وہ (پرندے) ان کو (یعنی ان کے مردہ جسم کی بوٹیوں کو نُوچ نُوچ کر) پتھروں پر مارتے تھے (جیسا کہ گوشت خور پرندوں کی عادت ہوتی ہے)" اور

نمبر۲ یہ کہ "وہ (پرندے) انہیں **حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡل** مارتے تھے۔"

بعض مفسرین نے پہلے معنے لئے ہیں۔ ان کی رو سے اس آیت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان کی تباہی اس کثرت سے ہوئی کہ لاشیں اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اور چونکہ وہ کھلے میدان میں پڑی تھیں گوشت خور پرندے انہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ معنے لیں تو اس بات کی طرف کہ ان کی تباہی کیسے واقع ہوئی کوئی اشارہ نہیں نکلتا۔ حالانکہ **اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ** کے الفاظ اس بات کے مقتضی تھے کہ ان کے بعد طریق تباہی کا بیان بھی ہوتا لیکن دوسرے معنے لیں تو اس آیت سے طریقِ تباہی کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے اس لئے یہی معنے مقدم ہیں اگرچہ پہلے معنے بھی غلط

نہیں۔ چنانچہ حکم وقت حضرت مہدی موعودؑ کے ایک ارشاد سے انہی موخر الذکر معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ آپؑ نے اس آیت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''تیرے رب نے.... چھوٹے چھوٹے جانور ان کے مارنے کے لئے بھیجے۔''

یادرکھنا چاہیے کہ **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْل** ان پتھروں کو کہتے ہیں جو مٹی کے پک جانے سے بنتے ہیں اور عام پتھروں سے بہرحال نرم ہوتے ہیں اس لئے اگر صرف یہ معنے مراد ہوتے کہ وہ پرندے ان لوگوں کو کھانے کیلئے پتھروں پر مارتے تھے تو **حِجَارَةً** کے ساتھ **مِّنْ سِجِّيْل** کا اضافہ بلا ضرورت ہی نہیں خلافِ حکمت بھی ہوتا۔

دراصل **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْل** جو فرمایا گیا تو اسی میں سارے معاملہ کی کنجی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ پرندے کنکریاں لے کر کیوں آتے تھے۔ آخر یہ کسی پرندہ کی عادت تو نہیں ہوتی۔ پھر وہ انہیں عین ابرہہ کے لشکر پر کیوں مارتے تھے۔ پھر بعض روایات میں جو یہ آتا ہے کہ ان کنکروں کے لگنے سے اہلِ لشکر کو چیچک ہوجاتی تھی اس کی کیا وجہ تھی۔ سو جاننا چاہیے کہ چیچک مویشیوں کو بھی ہوجاتی ہے۔ مویشی (گائیں بھینسیں وغیرہ) کیچڑ والے پانی میں نہا کر خوش ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرندے **Migratory** قسم کے پرندے تھے اور وہ دن ان کے انتقالِ مکانی کے دن تھے اور جس جگہ پر سے وہ آرہے تھے اس جگہ پر چیچک کی وبا اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ اس نے مویشیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہؤا تھا۔ چیچک زدہ مویشی کیچڑ والے پانی سے نہا کر نکلتے تو وہ پرندے حسبِ عادت ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے اور ان کے زخموں میں چونچیں مارتے تھے۔ اس طرح چیچک کے جرثوموں سے آلودہ کیچڑ ان کی چونچوں اور ان کے پنجوں کے ساتھ لگ جاتا تھا۔ اور جب وہ اڑکر اپنے سفر پر روانہ ہوتے تو دھوپ اور ہوا لگنے سے وہ کیچڑ خشک ہونا شروع ہوجاتا تھا اور ان کے ابرہہ کے لشکر تک (جو ان کے راستہ میں پڑتا تھا) پہنچتے پہنچتے اتنا خشک ہوجاتا تھا کہ کنکریوں کی صورت اختیار کرلیتا تھا اور ان کی چونچوں اور پنجوں سے جھڑنا شروع ہوجاتا تھا۔ پس وہ کنکریاں لشکر پر گرتیں اور جن پر گرتیں ان میں چیچک پیدا کردیتی تھیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے **تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْل** کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اور چونکہ وہ پرندے جھنڈ در جھنڈ آرہے تھے اس لئے وہ کنکریاں بہت سے سپاہیوں کو جا لگی تھیں پس کچھ کو براہِ راست ان کنکریوں کے لگنے سے چیچک ہوئی اور کچھ کو چیچک زدہ ساتھیوں

سے۔ اور چونکہ اس کا علاج اُس زمانہ میں عام نہیں تھا ان میں کثرت سے اموات ہوئیں اور جو نہیں بھی مرے وہ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ یعنی ایسے بھوسے کی طرح ہو گئے جس کے اندر سے دانے کھالئے گئے ہوں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ چیچک سے جسم میں کھڈے پڑ جاتے ہیں اور وہ بالکل کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ہوجاتا ہے۔ ان کا اس حالت کو پہنچنا چونکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے اذن سے ہؤا اس لئے اس نے اِسے اپنی طرف منسوب کیا یعنی فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡل فرمایا۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بھوسے کے اندر پڑے ہوئے دانوں کو کیڑا کھایا کرتا ہے پس فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡل کے الفاظ میں بھی اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ملتاہے کہ ان لوگوں کے اس حالت کو پہنچنے کا باعث ایک قسم کے کیڑے یعنی جرثومے تھے اور اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ لوگ وبائی مرض کا شکار ہوئے تھے۔ اب دیکھئے اس زمانہ میں جرثوموں کا کوئی علم انسان کو نہیں تھا مگر خدائے علیم نے اس کی طرف اشارہ فرمادیا تاجب ان باتوں کا انسان کو علم ہوتو اسے قرآن کریم کے عالم الغیب خدا کی طرف سے ہونے پر ایک تازہ دلیل ملے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ الفیل سے پہلی سورۃ 'الھمزۃ' میں اشارہ کیا گیا تھا کہ جیسا کہ ہمیشہ سے دشمنانِ انبیاء کی عادت ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمن بھی آپؐ کے خلاف زبان اور ہاتھ دونوں استعمال کریں گے۔ الزام تراشیاں بھی کریں گے اور اپنے مال کے زور پر جنگ کی طرح بھی ڈالیں گے مگر نامراد رہیں گے۔ اگرچہ حضرت اقدّس محمد رسول اللہ ﷺ کو الٰہی وعدوں پر یقین تھا لیکن معلوم ہوتا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اطمینانِ قلب کے لئے یہ دعا کی تھی کہ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِی الۡمَوۡتٰی اسی طرح یہ دیکھتے ہوئے کہ آپؐ کا دشمن طاقتور ہے اور آپؐ کمزور ہیں آپؐ نے بھی اطمینانِ قلب کی خاطر خداتعالیٰ سے یہ جاننا چاہا کہ دشمن کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود آپؐ کیسے کامیاب ہوں گے۔ اس سورۃ میں خداتعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا۔ فرمایا اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ۔ اے رسولؐ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحاب الفیل سے (یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر سے بلکہ رُومی سلطنت سے جو ان کے پیچھے تھی) کیسا معاملہ کیا۔ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَهُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ کیا اس

نے (جیسا کہ رَبُّکَ کے لفظ میں اشارہ ہے تجھے پیدا کرکے اور تجھے درجہ بدرجہ ترقّی دیتے ہوئے نبی بنا کر) ان کی تدبیر کو (جو مسیح کے ابن اللہ ہونے کے باطل عقیدہ کو پھیلا کر توحیدِ الٰہی کے قیام میں رخنہ ڈالنے کی تدبیر تھی) اکارت نہیں کردیا۔ (مطلب یہ تو اس پر خود گواہ ہے اور جب اس نے تجھے مبعوث فرما کر یعنی تیرے ذریعہ اتنی بڑی حکومت کی اتنی بڑی تدبیر کو اکارت کردیا تو کیا مشرکینِ مکہّ کی (جو ان کے مقابل پر کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے) تدبیر کو تیرے ہی ذریعہ اکارت نہیں کردے گا۔ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ (جیسا کہ تو جانتا ہے ان کی تدبیر کے اکارت کرنے کو اس نے ایک تو تجھے مبعوث کیا) اور (دوسرے) ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو انہیں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مارتے تھے (جن کے لگنے سے انہیں چیچک ہوجاتی تھی) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْل سو اس طرح تیرے رب نے انہیں کرم خوردہ بھوسے کی مانند کردیا۔ پس ایسا ہی معاملہ وہ تجھ پر حملہ آور ہونے والے دشمنوں سے کرے گا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے ایک طرف تو ملائکہ کو اُوْلِیْ اَجْنِحَةٍ (فاطر ۲:۳۵) یعنی پروں والے کہہ کر ایک قسم کے پرندے قرار دیا ہے اور دوسری طرف الاحزاب ۱۰:۳۳ میں مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کے جنود یعنی گروہ بھیجنے کا ذکر فرمایا ہے۔ پس زیرِ نظر آیات میں انہی کے بھیجنے کی طرف اشارہ کیا گیا۔تعطیر الانام میں بھی ہے فَاِنْ رَاٰی طُیُوْرًا تَطِیْرُ فِیْ مَحَلِّهٖ فَاِنَّهُمُ الْمَلَائِكَة (جلد۲ صفحہ۶۴) اسی طرح ہے (طیر) فی المنام مجهولاً یَدُلُّ عَلٰی مَلَكِ الْمَوْتِ (صفحہ۶۳) چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق خدا تعالیٰ نے مشرکینِ مکہّ کی سرکوبی کے لئے فرشتے بھیجے جنہوں نے ان پر سِجِّیْل سے بنے ہوئے پتھروں سے حملہ کیا یعنی مسلمانوں کو جو اس وقت سردارانِ مکہّ کے مقابل پر مٹی یعنی (سِجِّیْل) سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے مظالم کی بھٹی میں پک کر حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ یعنی پتھروں کی طرح سخت (اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ) بن گئے تھے ان کے خلاف کھڑا کردیا۔ پس جس طرح حضرت عبدالمطلب کی دعا سے اور پرندوں کے حملہ سے اصحابِ الفیل كَعَصْفٍ مَّاْكُوْل ہوگئے تھے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا نے اور مسلمانوں کی بار بار کی فوجی کاروائیوں نے انہیں بالکل كَعَصْفٍ مَّاْكُوْل کردیا۔ چنانچہ جنگِ بدر میں اکثر ائمۃ الکفر مارے گئے۔ پھر جنگِ احد میں انہیں ھزیمت پہنچی۔ اس کے بعد جنگِ احزاب میں پہنچی اور مسلسل نقصانات سے ان میں

مسلمانوں پر مزید حملے کرنے کی سکت باقی نہ رہی اور اس کے بعد مسلمان ان پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلے اور مکّہ فتح ہوگیا۔ چونکہ پہلے کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور بالآخر مسلمان ان پر حملہ کرنے کو نکلے اس لئے **تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ** کے الفاظ اپنے دونوں معنوں میں صحیح بیٹھتے ہیں۔ اس معنٰی میں بھی کہ وہ پرندے (یعنی فرشتے) ان (کفار) کو **حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ** (یعنی مسلمانوں) پر مارتے تھے یعنی انہیں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا موقع دیتے تھے اور اس معنٰی میں بھی کہ وہ پرندے یعنی فرشتے ان (کفار) کو **حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ** مارتے تھے یعنی مسلمانوں کو ہتھیار بنا کر ان پر حملہ آور ہوتے تھے یعنی مسلمانوں سے ان پر حملے کرواتے تھے۔ اس اعتبار سے اس سورۃ میں بائیبل کی اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ وہ کونے کا پتھر ہوگا جو اس پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہوگا اور جس پر وہ گرے گا وہ بھی چکنا چور ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو آخری زمانہ میں ایک بہت بڑے دشمن اسلام کے خروج کی خبر بھی دی گئی تھی۔ جسے حدیث میں دجّال کے نام سے اور قرآن کریم میں یاجوج وماجوج کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ دشمنِ اسلام مسیحی عقیدہ کا حامل ہوگا اور اس قدر مادی قُوَّت کا حامل اور اس قدر دجل و فریب سے کام لینے والا ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے بلکہ کسی بھی قوم کے لئے ظاہری سامانوں کے ساتھ اس کا مقابلہ ناممکن ہوگا اس لئے پچھلی سورۃ میں کئے جانے والے اشارہ کی بناء پر جس طرح آنحضور ﷺ کے دل میں اس سوال کا پیدا ہونا طبعی بات تھی کہ آپؐ کے زمانہ موجودہ میں آپؐ کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں سے خداتعالیٰ کیسے نپٹے گا اسی طرح اس سوال کا پیدا ہونا بھی لازمی بات تھی کہ آخری زمانہ میں پیدا ہونے والے بڑے دشمنِ اسلام سے وہ کیسے نپٹے گا۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے اس سورۃ میں اس سوال کا جواب بھی دیا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ فرما کر تو یہ بتایا کہ جس طرح اس زمانہ میں آپؐ کے اور توحیدِ الٰہی کے خلاف سازش کرنے والے مسیحیوں کی علمی تدبیر کو (جو انہوں نے مسیح کو غیر معمولی حیثیت دے کر کی) آپؐ کے رب نے (آپؐ کو پیدا کر کے اور نبی بنانے کا فیصلہ فرما کر) اکارت کیا جب کہ ان میں سے طاقت استعمال کرنے والوں کی تدبیر کو اس نے تباہی مچانے والے جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج کر

اکارت کیا تھا اسی طرح اس آخری زمانہ میں وہ پہلے تو ان لوگوں کی تدبیر کے علمی حصّہ کو اکارت کرنے کے لئے آپؐ کو دوبارہ مبعوث فرمائے گا یعنی آپؐ کا کوئی بروز بھیجے گا (مراد مسیح موعود کے بھیجنے سے ہے) اور اس کے بعد جب وہ اپنی دولت اور فوجی قُوَّت کے بل پر دجل اور فریب کے ہاتھیوں کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہیں گے تو چونکہ مسلمانوں میں مادی سامانوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی آپؐ کا رب ان کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے آسمان سے ایک قسم کے پرندے جھنڈ در جھنڈ ان لوگوں کے خلاف بھیجے گا جو انہیں **حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡل** ماریں گے اور اس سے وہ **كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡل** ہوجائیں گے۔ ان آسمانی پرندوں سے در پردہ ملائکہ اور ظاہر میں احمدی مبلغین مراد ہیں۔ لیکن اس مادی ترقّی کے زمانہ میں اس سے جنگی طیاروں کا بھیجنا بھی مراد ہے چنانچہ یہی زمانہ ہے جس میں دشمن پر جھنڈ کے جھنڈ طیارے بھیجے جاسکتے ہیں بلکہ دوسری جنگِ عظیم میں بھیجے بھی گئے۔ اور **تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡل** میں اشارہ ہے کہ وہ ان پر کوئی ایسی چیز پھینکیں گے جو پتھر کی طرح سخت ہوگی لیکن اس کی ساخت میں ایک قسم کی **سِجِّيۡل** کو خاص اہمیت حاصل ہوگی۔ اب دیکھ لیجئے اس زمانہ کے مہلک ترین ہتھیار ایٹمی بموں میں جو ریڈیائی دھاتیں (ریڈیم۔ تھوریم اور یورینیم) وغیرہ استعمال ہوتی ہیں وہ کانوں کے اندر مٹی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں اس لئے ان بموں کو **حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡل** کہنا نہایت درست ہے۔ بلکہ زمانہ نزولِ قرآن میں اس سے بہتر الفاظ میں ان کا نقشہ کھینچنا نہ تو ممکن تھا اور نہ قرینِ حکمت تھا۔ ممکن اس لئے نہیں تھا کہ اس وقت لوگ ان باتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے اور قرینِ حکمت اس لئے نہیں تھا کہ اگر یہ باتیں اس وقت صاف لفظوں میں بتا دی جاتیں تو جو مہلک ہتھیار اب چودہ سو سال کے بعد بنے ہیں وہ اس سے کہیں پہلے بن جاتے۔ پس خدائے حکیم نے یہ باتیں ایسے لفظوں میں بیان فرمائیں کہ جب ان کے پورے ہونے کا وقت آئے تو قارعین قرآن سمجھ جائیں کہ یہ باتیں جس کتاب نے پہلے سے بتا دی ہوئی ہیں اس کا نزول یقیناً عالم الغیب خدا کی طرف سے ہے۔

==============

سورۃ الکوثر میں آنحضرتؐ کے بعد ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی جس نے آپؐ کا روحانی بیٹا۔اور رجلٌ کثیرُ الخیرِ و العطاء ہونا تھا اور اس پر قرآن کا دوبارہ نزول ہونا تھا

سورۃ الفیل سے چند سورتیں بعد سورۃ الکوثر آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ (۲) فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ (۳) اِنَّ شَانِئَکَ هُوَالۡاَبۡتَرُ (۴)

یہ سورۃ آنحضرتﷺ کے عہدِ نبوّت کے ابتدائی دنوں میں نازل ہوئی اور آخر قرآن میں رکھی گئی۔ ابتدائی زمانہ نبوّت میں اس کا نزول اس میں مذکور پیشگوئی کی عظمت کو بڑھانے والا تھا اور آخر قرآن میں اس کو جگہ دیا جانا اس بات کا اعلان تھا کہ اس سورۃ میں دیئے جانے والے وہ تمام وعدے جو حضرت محمد رسول اللہﷺ کے حینِ حیات سے تعلق رکھنے والے تھے پورے ہوگئے ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آئندہ زمانوں سے تعلق رکھنے والے وعدے بھی پورے ہوں گے۔

پہلی آیت میں آنے والے لفظ کوثر کے ایک معنٰی (ہر اچھی چیز کی کثرت کے علاوہ) جنّت کی نہر کے ہیں۔ دوسرے معنٰی قرآنِ کریم کے ہیں۔ تیسرے معنٰی **الرَّجُلُ الۡکَثِیۡرُ الۡعَطَاءِ وَالۡخَیۡر** کے ہیں۔ چوتھے معنٰی سید القوم کے ہیں اور پانچویں معنٰی نبوّت کے ہیں۔ اگرچہ **اعطینا** ماضی کا صیغہ ہے مگر جنّت والے معنٰی میں (اگر اس سے اخروی جّنت مراد ہو) اس آیت کا تعلق بہرحال مستقبل ہی سے ہوسکتا تھا۔ قرآن والے معنٰی کے اعتبار سے بھی اس میں آئندہ کی خبر دی گئی تھی کیونکہ اس سورۃ کے نزول کے وقت تو قرآنِ کریم کے اترنے کی ابھی ابتداء ہی ہوئی تھی۔ تیسرے اور چوتھے معنٰی میں بھی اس میں آئندہ کی پیشگوئی تھی کیونکہ آنحضورﷺ نے ساری اُمّت میں سے صرف مہدی موعودؑ کے بارہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اتنا مال دے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے یعنی صرف اس کو **الرَّجُلُ الکَثِیرُ العَطَاءِ وَالخَیر** قرار دیا ہے اور اسی کو اُمّت کا امام یعنی سید القوم قرار دیا ہے اور جب کوثر کے باقی سب معنوں کے اعتبار سے

اس آیت کا تعلق مستقبل سے ہؤا یعنی یہ آئندہ ملنے والوں چیزوں کے وعدہ پر مشتمل ہوئی تو ماننا پڑے گا کہ نبوّت والے معنٰی میں بھی اس کا تعلق مستقبل سے ضرور تھا یعنی اس میں آنحضورؐ کو آئندہ زمانہ میں نبوّت کے ملنے کا وعدہ دیا گیا تھا اور چونکہ آپؐ کو اس وقت پہلے ہی نبوّت مل چکی تھی اس لئے اس وعدہ سے سوائے اس کے کچھ اور مراد نہیں ہوسکتی تھی کہ آپؐ کا ایک اور بعث بھی ہوگا یا آپؐ کے غلاموں میں سے کسی کو آپؐ کا بروز بنا کر بھیجا جائے گا اور اس پر بھی ایک رنگ میں قرآن کا دوبارہ نزول ہوگا (کیونکہ کوئی نبی بغیر کتاب کے نہیں اور قرآن آخری کتاب ہے)۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قرآنِ کریم کی ہر سورۃ کے اوّل وآخر کا آپس میں گہرا ربط ہوتا ہے۔ کبھی آخری آیات میں بات واضح ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں ابتدائی آیات کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے اور کبھی ابتدائی آیات کی بات واضح ہوتی ہے اور ان سے آخری آیات کے مفہوم کی تعیین ہوسکتی ہے۔ یہ سورۃ (آیت بسم اللہ کے علاوہ جو بطور دعا کے ہے) صرف تین آیتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلی آیت میں آنحضورﷺ کو کوثر یعنی جنّت کی ایک خاص نہر اور مکمل قرآن اور اس کے علاوہ ایک ساری اُمّت میں منفرد حیثیت رکھنے والے اور سید القوم بننے والے **الكَثِيرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيرِ** مرد کے دیئے جانے کا وعدہ ہے اور آخری آیت میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ کے دشمن ابتر رہیں گے آپؐ ابتر نہیں رہیں گے بلکہ آپؐ کو نرینہ اولاد دی جائے گی۔ لہٰذا اگر ہم آخری آیت کی روشنی میں پہلی آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم سمجھ جائیں گے کہ جس نرینہ اولاد کے ملنے کی حضورؐ کو اس آخری آیت میں خبر دی گئی اس نے کوئی عام بیٹا نہیں ہونا تھا بلکہ **الرَّجُلُ الْكَثِيرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيرِ** سیدالقوم یعنی اپنے وقت کا امام الزّمان اور نبی اللہ ہونا تھا اور اس پر معنوی طور پر قرآن کریم کا دوبارہ نزول ہونا تھا۔ اور اگر ہم پہلی آیت کی روشنی میں آخری آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم پر واضح ہوجائے گا کہ آپؐ کو جس **الْكَثِيرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيرِ** مرد کے ملنے کی بشارت دی گئی اس نے آنحضورؐ کا بیٹا ہونا تھا۔ لیکن اگر یہ بشارت جسمانی بیٹے کی ہو تو اس پر کئی اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کہ اس آیت میں حضورؐ کو نرینہ اولاد کے ملنے، اس کے جوان ہونے اور اس کا سلسلہ آگے چلنے کی خبر دی گئی مگر وہ خبر پوری نہیں ہوئی۔ اور دوسرا اعتراض یہ کہ اس آیت

کے نزول سے کئی سال بعد جب سورۃ الاحزاب آیت ۴۱ میں یہ فرمایا گیا کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔محمدؐ تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں اور نہ آئندہ ہوں گے تو اس کے بعد آپؐ کے ہاں ایک بیٹے ابراہیم کی ولادت ہوگئی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس بشارت کا تعلق روحانی اولاد سے تھا جسمانی اولاد سے نہیں تھا۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب ہی کی اس آیت کے پہلے حصّہ میں آپؐ کی اُبُوّتِ جسمانی کی نفی ہے تو اس کے دوسرے حصّہ یعنی وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖن میں آپؐ کی اُبُوّتِ روحانی کا اثبات بھی ہے۔ چنانچہ اس کے عین مطابق آنحضورﷺ کو روحانی اولاد عطا ہوئی اور آپؐ کے دشمن یومًا فیومًا اس سے محروم ہوتے گئے کیونکہ یا ان کی اولادیں یکے بعد دیگرے موت کی آغوش میں چلی جاتی رہیں یا اسلام لا کر حضور نبی کریمﷺ کی اولاد بن جاتی رہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ بیشک آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ کے مطابق آنحضرتﷺ کو خدا تعالیٰ نے ابتر نہیں رکھا بلکہ اولاد دی اور اس کا سلسلہ آگے بھی چلتا رہا جبکہ آپؐ کے دشمنوں کی اولاد یا مرکر ختم ہوجاتی رہی یا اسلام لا کر حضورؐ کی اولاد بن جاتی رہی لیکن چند سوسال کے بعد یہ سلسلہ رک گیا اور اس کے بعد اگر کچھ لوگ مسلمان ہوتے تھے تو کچھ مرتد بھی ہوجاتے تھے اس لئے معترض کہہ سکتا تھا کہ شروع شروع میں دشمنوں کی اولاد کا حضرت محمد رسول اللہﷺ کی اولاد میں شامل ہونا عارضی بات تھی ورنہ اب یہ سلسلہ ختم ہوچکا ہے بلکہ اب یہ ناؤ الٹی چلنے لگی ہے اس لئے یہ پیشگوئی سچی نہیں نکلی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا اعتراض ہوتا سوائے اس کے کہ یہ سب کچھ قرآنِ کریم اور حضرت نبی کریمﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق اور پھر محض ایک وقتی سی بات ہوتی۔ یعنی اسلام کے لئے آئندہ پھر پہلے والی ترقّی کی صورت کا پیدا ہونا مقدّر ہوتا۔ اور درحقیقت ایسا ہی تھا چنانچہ جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۵۷۸ پر واضح کیا گیا ہے سورۃ الشّمس میں خبر دی گئی تھی کہ اسلامی ترقّیات کا آفتاب قریب نِصفُ النَّھار پہنچے گا۔ مگر اس کے بعد ایک رات یعنی تنزل کا زمانہ آجائیگا۔ اس وقت الضحیٰ ۹۳:۴ کے مطابق نادان سمجھیں گے کہ ربّ محمد (ﷺ) نے آپؐ کو چھوڑ دیا ہے مگر ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد اسلام پھر سر اٹھائے گا اور پہلے سے بھی زیادہ ترقّی کر جائے گا۔ اور سورۃ الفجر میں تو یہ بات اور بھی زیادہ کھول کر بیان کردی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ پہلی تین صدیاں اسلام کی ترقّی کی ہوں گی۔ پھر دس سو سال

تنزل کے آئیں گے۔ یعنی سورۃ الضحیٰ کی آیت وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی میں جس رات کی پیشگوئی تھی وہ ہزار سال کا زمانہ ہوگا۔اسکے بعدایک ایسا وجود ظاہر ہوگا کہ وہ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک اعتبار سے دو ہوں گے اور ایک اعتبار سے ایک ہوں گے یعنی وہ آپؐ میں ایسا فنا ہوگا کہ الگ ہونے کے باوجود آپؐ سے الگ نہیں ہوگا بلکہ من توشدم تو من شدی کا مصداق ہوگا اور اسکے آنے کے بعد پھر سے اسلامی ترقّیات کا دن چڑھنا شروع ہوجائیگا (دیکھیں صفحہ۱۷۵ کتاب ہذا)۔

پس جب قرآنِ کریم نے خود خبر دی کہ اسلام پر پہلے ترقّی پھر تنزل اور اس کے بعد پھر ترقّی کا زمانہ آئے گا تو اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ والی پیشگوئی کا تعلق بھی دو زمانوں سے تھا۔ بلکہ آیت اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اور آیت اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ کے درمیان آیت فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ لا کر بھی ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس پیشگوئی کے ظہور کے دو زمانوں کے درمیان ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں مسلمانوں کو ظاہری سامانوں سے دشمن کے مقابلہ کی تاب نہیں ہوگی لیکن اگر رجوع الی اللہ کریں گے اور مسلسل قربانیاں دیتے چلے جائیں گے تو یہ زمانہ ختم ہوجائے گا۔ گویا مقدّر یہ تھا کہ دو زمانوں میں اسلام اور کفر کا خصوصی مقابلہ ہوگا اور ان دونوں زمانوں میں یہ بات واضح ہوجائے گی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ابتر نہیں صاحبِ اولاد ہیں لیکن آپؐ کا دشمن ابتر ہے۔ پس اس سورۃ 'الکوثر' میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ خبر دی گئی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک نبی آئے گا جو آپؐ کا غلام اور آپؐ کا روحانی بیٹا ہوگا اور اس سے آپؐ کی روحانی اولاد چلے گی۔ اس پر قرآنِ کریم کا دوبارہ نزول ہوگا اور وہ کثرت کے ساتھ روحانی اموال تقسیم کرنے والا ہوگا۔بہ الفاظ دیگر اس میں مہدیؑ کے ظہور کی پیشگوئی تھی جن کی ذات میں ان میں سے ہر بات پوری ہوئی۔

===============

سورۃ الکافرون اور سورۃ النصر کی پیشگوئیاں

سورۃ العصر کے بعد علی الترتیب سورۃ الکافرون اور سورۃ النصر آتی ہیں۔ ان کی بسم اللہ کے بعد کی آیات یہ ہیں:

قُلْ یٰٓاَیُّھَاالْکٰفِرُوْنَ (۲) لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (۳) وَلَآ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآاَعْبُدُ (۴) وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْ تُّمْ (۵) وَلَآاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآاَعْبُدُ (٦) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ (٧)

(الکافرون ۱۰۹)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۲) وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۳) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۴) (النصر ۱۱۰: ۲ تا ۴)

سورۃ الکوثر میں اس بات کی تحدّی کی گئی تھی کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ نہایت درجہ نافع النّاس نرینہ روحانی اولاد عطا کرے گا جبکہ آپؐ کے دشمن ابتر رہیں گے۔ اس بشارت میں جیسا کہ اوپر کے صفحات میں واضح کیا گیا یہ بات شامل تھی کہ دشمنانِ اسلام کی اولادیں ایمان لاکر حضور ﷺ کی اولاد بن جائیں گی اور وہ خود ان سے محروم رہ جائیں گے۔

یہ پیشگوئی دو طرح سے غلط ہوسکتی تھی اور دو طرح سے مشکوک ہوسکتی تھی۔ غلط ایک تو اس طرح ہوسکتی تھی کہ خود آنحضرتؐ ائمۃ الکفر کا مسلک اختیار کرلیں اور دوسرے اس طرح کہ ائمۃ الکفر آپؐ کا مسلک اختیار کرلیں۔ اسی طرح اس پیشگوئی کا مشکوک ہونا اوّل اس طرح ہوسکتا تھا کہ آنحضورؐ ائمۃ الکفر کے طریق پر عبادت کرنے لگیں اور دوسرے اس طرح پر کہ وہ آپؐ کے طریق پر عبادت کرنے لگیں اس لئے اگلی سورۃ یعنی سورۃ الکافرون میں زور دے کر یہ کہا گیا کہ یہ چاروں باتیں نہیں ہوں گی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے سورۃ الکوثر کے مضمون کی تاکید کردی۔ چونکہ اُس سورۃ میں آنحضور ﷺ سے خداتعالیٰ کی نصرت کا وعدہ بھی تھا اگلی سورۃ، النصر میں یہ بتایا گیا کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح عملاً آجائے یعنی یہ وعدہ پورا ہوجائے اس وقت آپؐ کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے اور اس کے اختیار کرنے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ان سورتوں کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے بے شک تھا لیکن انہیں قرآنِ کریم کے آخر میں رکھ کر یہ اشارہ بھی کردیا گیا تھا کہ ان کا تعلق اسلام کے آخری زمانہ سے بھی ہے۔ یعنی یہ ساری باتیں آخری زمانہ میں ایک دفعہ پھر پوری ہوں گی۔ اور اسلام کے ابتدائی زمانہ کے دشمنوں کی طرح اس کے آخری زمانہ کے دشمن بھی اپنی طاقت کے نشہ میں یہ چاہیں گے کہ مسلمان اس کے معبودانِ باطلہ کی پرستش کریں لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

بروزی رنگ میں ظاہر ہوکر اسے جوابًا یہ چیلنج دیں گے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا نہ ہم تمہارے معبودوں کی پرستش کریں گے نہ تم ہمارے معبود کی پرستش کرنے والے ہو اور نہ ہم تمہارے طریق پر عبادت کریں گے اور نہ تم ہمارے طریق پر عبادت کرو گے اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو جو روحانی اولاد ملنے اور تمہارے اس سے محروم کئے جانے کی پیشگوئی ہے یہ نہ جھوٹی نکلے گی اور نہ مشکوک ہوگی بلکہ کھلے کھلے طور پر پوری ہوگی۔ چنانچہ ابتدائی زمانۂ اسلام میں بھی دنیا دیکھے گی کہ لوگ افواجاً اسلام میں داخل ہورہے ہیں اور اس آخری زمانہ میں پھر یہی نظارہ دیکھے گی۔ بلکہ زیادہ وسیع پیمانہ پر دیکھے گی کیونکہ وہ عالمگیر غلبۂ اسلام کا زمانہ ہوگا۔

===============

سورة اللھب میں مہدی علیہ السلام اور آپؑ کے زمانہ کے ایک خاص دشمن کا ذکر اور اس کے تختۂ دار پر لٹکائے جانے کی پیشگوئی

سورۃ النصر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو فتح ملنے اور لوگوں کے افواجاً دین اللہ میں داخل ہونے کی خبر دی گئی تھی جس سے بعض کوتہ اندیشوں کو خیال ہوسکتا تھا کہ اس کے بعد نہ تو کسی کو آنحضورؐ سے دشمنی کی جرأت ہوگی اور نہ اسلام پر کبھی زوال آئے گا۔ اس لئے اس کے بعد سورۃ اللھب لا کر اس غلط فہمی کو دور کیا گیا اور بتایا گیا کہ موعودہ غلبہ کے بعد اسلام پر پھر ایک ضعف کا زمانہ آئے گا جس کے انتہا کو پہنچنے پر پھر محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک بعث (بروزی رنگ میں) ہوگا اور جس طرح حضورؐ کے پہلے بعث کے شروع میں ایک شخص حضورؐ کے خلاف دشمنی کی آگ کا مُوجِد بنا اور اس کے بعد اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے اور بھی ہوئے جن میں سے بعض دشمنی میں پہلے ابولہب سے بھی بڑھے ہوئے تھے ایسا ہی حضورؐ کے دوسرے بعث کے وقت بھی ہوگا مگر ان ابولہبوں کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا جیسا پہلے ابولہب کا ہوا تھا۔

سورۃ اللھب کے شروع میں ہے:-

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۲)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ (خود بھی) ہلاک ہوگیا۔

تَبًّا کے معنے ہلاک ہونے اور نقصان اٹھانے کے ہیں۔ **اَلْيَد** کے معنٰی ہاتھ کے ہیں

لیکن اس سے قوت وطاقت، بادشاہت وغلبہ، اور جماعت بھی مراد ہوتی ہے۔

اَبٌ کا لفظ کسی چیز کے مُوجِد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وجود کے لئے بھی جس سے آگے اسی نوع کی چیز پیدا ہو۔

لَھَبٌ کے معنٰی شعلہ آگ کے ہیں۔ مجازاً اس سے دشمنی یا جنگ کی آگ مراد ہوسکتی ہے پس ابولہب کے معنٰی ہوئے وہ شخص جو دشمنی کی آگ بھڑکانے کا موجد ہو نیز وہ شخص جو صرف خود ہی دشمنی نہ کرے بلکہ دوسروں کو دشمنی پر اکسا کر اپنے جیسے اور دشمن بھی پیدا کرے۔

مفسرین نے اس پیشگوئی کو آنحضرتﷺ کے ایک چچا کے متعلق قرار دیا ہے جس کی کنیت ابولہب تھی بیشک یہ پیشگوئی اس کے حق میں بتمام وکمال پوری ہوئی لیکن اِسے صرف اُس کے متعلق سمجھنا قرآن کی عظمت کو بڑھانے والی بات نہیں اس کو کم کرنے والی بات ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اعتراض پڑے گا کہ ابوجہل عتبہ وشیبہ وغیرہ کا جو ابولہب سے بھی دشمنی میں بڑھے ہوئے تھے نام کیوں نہیں لیا گیا جبکہ یہ پیشگوئی ان کے حق میں بھی پوری ہونے والی تھی۔ دراصل ابولہب کا لفظ یہاں صفاتی نام کے طور پر آیا ہے ذاتی نام کے طور پر نہیں آیا حضوؐر کے مذکورہ چچا کا بھی درحقیقت یہ صفاتی نام ہی تھا یعنی اس کا رنگ سرخ وسفید ہونے کی وجہ سے لوگ اسے اس نام سے پکارنے لگ گئے تھے ورنہ اس کا نام تو عبدالعزّٰی تھا۔ اور جب یہ صفاتی نام ہوا تو یہ پیشگوئی کسی ایک شخص یا ایک زمانہ تک محدود نہ رہی بلکہ آنحضورﷺ کے ان تمام دشمنوں کے متعلق ہوئی جن پر یہ لفظ صادق آئے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ یہ سورۃ نزول کے اعتبار سے بالکل ابتدائی زمانہ نبوی کی ہے اسے قرآنِ کریم کے آخر میں رکھ کر واضح اشارہ اس امر کی طرف کر دیا گیا کہ اس کا تعلق ابولہب جیسے سب دشمنانِ اسلام سے ہے اور آخری زمانہ کے دشمنوں یعنی اس زمانہ کے دشمنوں سے جو آنحضوؐر کی بعثتِ ثانیہ کا زمانہ ہے (جو مہدی موعود کے وجود میں ہونے والی تھی) بالخصوص ہے۔ یعنی یہ بتایا گیا کہ مہدی موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بعض لوگ پیدا ہوں گے جو آپؑ کے خلاف فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کے مُوجِد ہوں گے اور بعض ایسے ہوں گے جو صرف خود ہی دشمنی کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اور لوگوں کو بھی اکسا کر آپ کا دشمن بنائیں گے۔ اس کا ایک قطعی ثبوت یہ ہے کہ یہ آیت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ حضرت مہدی موعودؑ کو بھی الہام ہوئی۔ اور تکفیر وتوہین کا یعنی اپنے خلاف فتنہ کی آگ بھڑکانے کا مُوجِد

ہونے کے لحاظ سے آپؑ نے اسے محمد حسین صاحب بٹالوی پر چسپاں کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ اشارہ بھی فرمایا کہ اس کا اطلاق دوسرے دشمنوں پر بھی ہوگا (دیکھیں تفسیر حضرت اقدّس صفحہ ۵۱۴)۔ یہ دشمن کون تھے اس کے بارہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ آثار میں آیا ہے کہ جب مہدی موعودؑ آئے گا تو علماء اس کے دشمن ہوجائیں گے کیونکہ انہیں اپنی گدّی چھنتی ہوئی نظر آئے گی۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے کئی نامی علماء آپؑ کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکانے پر کمر بستہ ہوئے بعض نے آپؑ کے ساتھ باقاعدہ جنگ بھی کی یعنی مباہلہ بھی کیا اور سب کے سب نامراد ہوئے بلکہ نامرادی کا منہ دیکھتے ہوئے مرے۔ غیر مسلموں میں سے بعض مثلاً عبداللہ آتھم اور ایلیگزنڈر ڈوئی (عیسائی) اور پنڈت لیکھرام (ہندو) آپؑ کے مقابل پر آئے اور آپؑ کو پہلے سے دی جانے والی الہامی خبروں کے مطابق جو آپؑ نے شائع بھی کردی تھیں ہلاک ہوئے لیکن آپؑ کا زمانہ چونکہ تکمیلِ ہدایت کا زمانہ ہے اس لئے ضرور تھا کہ عالمگیر سطح پر بھی آپؑ کی مخالفت ہو اور عالمگیر حیثیت رکھنے والا کوئی ابو لہب بھی آپؑ کے مقابل پر آئے اور وہ بھی دوسرے ابولہبوں کی طرح ہلاک ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ابو لہب کون ہے۔

جیسا کہ سورۃ الکہف کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں یا جوج ماجوج کے ایشیائی اقوام پر حملوں کو روکنے کے لئے ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا دی تھی مگر اس نے اسی وقت خدا سے علم پا کر یہ خبر بھی دے دی تھی کہ یہ اقوام دوبارہ دنیا میں پھیل جائیں گی اور سورۃ الانبیاء میں ان کے بارہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ **مِنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ** ۔ یہ سمندروں پر غالب ہوں گی سمندروں کو عبور کرتی ہوئی اور پہاڑوں پر سے گزرتی ہوئی دنیا میں پھیل جائیں گی اور نہ صرف مادی بلندیوں بلکہ مجازی بلندیوں یعنی مذہب اور شرافت کی ہر حد کو بھی پھلانگ جائیں گی اور اس طرح پہلے سے بھی زیادہ دنیا کو فساد سے بھر دیں گی۔ مگر ان کے مبتلائے عذاب کئے جانے سے پہلے خدا تعالیٰ انہیں انذار کرنے کو ایک نبی بھیجے گا۔ جو مہدی اور مسیح بھی کہلائے گا اور ذوالقرنین بھی اس کا نام ہوگا۔ پھر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ قومیں اللہ کے بندوں کو اس کا شریک ٹھہرانے والی ہوں گی۔ نبی آئے گا تو اسے پہچانیں گی نہیں اور ان کی تمام ترسعی دنیا کے لئے ہوگی (آخرت کا خانہ بالکل خالی ہوگا)۔ یہ سب باتیں اس زمانہ کی مسیحی اقوام پر ہر پہلو سے صادق آتی ہیں اس لئے یہی اقوام اس زمانہ کی یاجوج ماجوج ہیں اور چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ دجّال کے فتنہ سے

بچنے کے لئے سورۃ الکہف کی (جس میں یہ سب باتیں مذکور ہیں) پہلی اور آخری آیات پڑھنی یعنی مدِّنظر رکھنی چاہئیں اس لئے یہی وہ دجاّل بھی ہیں جس کے وقت میں ایک مسیح کے آنے کی پیشگوئی احادیث نبویہ میں کی گئی اور بتایا گیا تھا کہ وہ دجاّل کو قتل کرے گا اس سے ظاہر ہے کہ وہ دجاّل کے دجل کا اور دجاّل اس کا دشمن ہوگا۔

چنانچہ اس زمانہ میں جب ان پیشگوئیوں کے عین مطابق یہ قومیں دنیا میں پھیل گئیں اور انہوں نے دنیا کو مذہبی اور اخلاقی فساد سے بھر دیا تو خدا تعالیٰ نے بھی اپنی سُنّتِ مستمرہ کے مطابق ان پر گرفت کرنے سے پہلے اپنا موعود مسیح اور مہدیؑ بھیج دیا جسے ذوالقرنین کا نام بھی دیا گیا اور اس نام کے عین مطابق وہ ہر قوم کی دوصدیوں کو پانے والا بھی ہوا۔ اور اس میں شبہ نہ رہا کہ وہ تمام اقوامِ عالم کی طرف مبعوث ہوا ہے۔ یہ نبی چونکہ دینِ توحیدِ اسلام کا علم بردار ہوکر آیا ہے یہ قومیں اس کی دل سے دشمن ہیں (اگرچہ اپنے خنّاس ہونے کے ناطے اپنی دشمنی کو کُھل کر ظاہر نہیں کرتیں)۔ پس کیا بلحاظ اپنے شعلہ کی طرح سرخ وسفید رنگ کے اور کیا بلحاظ اس کے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نت نئی سے نئی سازشیں ایجاد کرتی اور آگ بھڑکاتی رہتی ہیں اور کیا بلحاظ اس کے کہ یہ خود ہی اسلام اور مسلمانوں کی دشمن نہیں بلکہ اور لوگوں کو بھی اپنی طرح کے دشمن بنانے میں کوشاں رہتی ہیں یہی قومیں وہ عالمگیر حیثیت رکھنے والا ابولہب ہیں جس کا مسیح موعودؑ کے وقت میں ظہور مقدّر تھا۔

اس کے بعد ہم ایک دفعہ پھر آیت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ کی طرف آتے ہیں اس میں کہا یہ گیا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوگیا جب ابولہب سے مذکورہ بالا قومیں مراد ہوئیں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اس کے دو ہاتھوں سے ان قوموں کے مشرق ومغرب کے مدد گار مراد ہیں یا غیر مسلم اور مسلم مددگار (جو لالچ میں آکر یا مسیح موعود کی دشمنی کی بناء پر ان کا ساتھ دیتے اور ان کا آلہ کار بنتے ہیں) اور ان کے ہاتھوں کے پہلے ہلاک ہونے کا ذکر یہ بتانے کو ہے کہ جس طرح انسان اپنا چہرہ بچانے کے لئے اپنے ہاتھ آگے کر دیتا ہے یہ قومیں خود مرنے سے پہلے اپنے مددگاروں کو مروائیں گی۔ چنانچہ جنگ کے وقت کے لئے امریکہ کی دفاعی حکمتِ عملی یہ تھی (جو ظاہر ہوچکنے پر کینیڈا میں شور بھی پڑا) کہ روس کی طرف سے آنے والے ایٹمی میزائل عین ٹرانٹو کے اوپر تباہ کئے جائیں گے۔ حالانکہ کینیڈا امریکہ کا دوست

ملک ہے۔ چونکہ انسان کی اکثر تدابیر ہاتھوں ہی سے عملی جامہ پہنتی ہیں بعض نے دو ہاتھوں سے ان کی تدابیرمراد لی ہیں۔ اس اعتبار سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ ان قوموں کی وہ مُخالِفانہ تدابیر بھی بے کار جائیں گی جو وہ دین کے رنگ میں کریں گے اور وہ بھی بے کار رہوجائیں گی جو وہ دنیا کے رنگ میں کریں گے۔ اور اس طرح اپنی ناکامی ونامرادی دیکھ کر وہ بصد حسرت مریں گی۔ آگے ہے۔

مَآاَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (۳)

اس کا مال اس کے کام آیا (یعنی آئے گا) نہ وہ جو اس نے کمایا۔

مطلب یہ ہے کہ نہ ان کا مال ان کو ہلاکت سے بچاسکے گا نہ وہ دوسرے ذرائع جو وہ کوشش سے ایجاد کریں گے ان کو بچاسکیں گے۔ یا چونکہ مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی طرف انسان مائل ہو اس لئے یہ مراد ہے کہ نہ کفّارہ کا عقیدہ جس کی طرف وہ مائل ہوں گے ان کو بچا سکے گا اور نہ ان کے بنائے ہوئے حفاظت کے سامان ان کو بچاسکیں گے۔

سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۴)

وہ ضرور شعلہ والی آگ میں پڑے گا۔

یَصۡلٰی کے فعل پر 'س' داخل ہوا ہے جو زمانہ قریب پر بھی دلالت کرتا ہے اور تاکید کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ اس لئے اس آیت کا اطلاق آنحضرتؐ کے پہلے بعث کے وقت کے دشمنوں پر بھی ہوتا ہے اور دوسرے بعث کے وقت کے دشمنوں پر بھی۔ لفظ 'نارؔ' سے جنگ بھی مراد ہوتی ہے جیسے آیت كُلَّمَآ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ (المائدہ ۲۵:۵۰) میں پس اس میں بتایا کہ نبی موعود کے ذریعہ اتمام حُجّت کے بعد وہ جلد ہی ایک شعلہ آگ والی جنگ میں جھونکے جائیں گے مراد اس سے ایٹمی جنگ معلوم ہوتی ہے۔ اور سورۃ کہف کی آیت وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ يَّمُوۡجُ فِىۡ بَعۡضٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ یاجوج وماجوج کے مختلف گروہوں کی آپس میں ہوگی گویا وہ اپنے ہاتھ سے اپنی جہنّم تیار کریں گے۔ باطنًا اپنے اعمال سے اور ظاہرًا اپنے تیاّر کردہ ہتھیاروں کے ذریعہ

وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ (۵) فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ (۶)

اور اس کی جورو بھی جو ایندھن اٹھاتی تھی (یعنی اٹھائے گی) اس کی گردن
میں (پھندے کے طور پر) کھجور کی بٹی ہوئی رسی پڑے گی۔

جب ابو لہب سے زبردست مسیحی حکومت یا حکومتیں مراد ہوئیں تو اس کی جورو سے بھی لازمًا کوئی ایسی حکومت مراد لی جائے گی جو اس کی صنف میں سے تو نہ ہو یعنی مسیحی مذہب کی حامل تو نہ ہو مگر کسی معاہدہ کی وجہ سے اس طرح اس کے تابع یا اس کی مرضی کی پابند ہو جس طرح عورت عقد نکاح میں آنے کے بعد مرد کی مرضی کی پابند ہوجاتی ہے۔ اور چونکہ یہاں اس کی گردن میں کھجور کی بٹی ہوئی رسی پڑنے کا بھی ذکر ہے اور کسی حکومت کی گردن میں ایسی رسی نہیں پڑا کرتی ہاں سربراہِ حکومت کی گردن میں پڑسکتی ہے اس لئے **فِی جِیۡدِھَا** کے الفاظ ظاہر پر محمول ہوں تو ماننا پڑے گا کہ کوئی حکومت نہیں بلکہ سربراہ حکومت مراد ہے۔ اور حکومت سے سربراہ حکومت مراد لینا ہرزبان کا محاورہ ہے۔

پس ان آیتوں میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ جس طرح وہ مسیحی حکومت جو مسیح موعود کی دشمنی میں ابولہب بنے گی آگ میں پڑے گی یعنی اس کے احباب حلّ وعقد اور اس کے عوام عذابُ النّار یعنی آتشیں جنگ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اسی طرح اس کی ایک معاہد مگر غیر مسیحی حکومت کا سربراہ بھی پہلے آگ میں پڑے گا اور پھر اس کی گردن میں کھجور کی رسی کا پھندا بھی ڈالا جائے گا یعنی اسے پھانسی بھی دی جائے گی۔

یہ پیشگوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہیں۔ مسیحی حکومتیں چونکہ خوب جانتی ہیں کہ صرف مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت یعنی جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی منظّم جماعت ہے جس کا ایک واجب الاطاعت امام ہوتا ہے اور جو ایک ہاتھ کے اشارہ پر اٹھتی اور ایک ہاتھ کے اشارہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور اگر دوسرے سب یا اکثر مسلمان احمدی ہوجائیں تو وہ ایسی عظیم طاقت بن جاتے ہیں کہ سو امریکہ یا روس مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس لئے ایک مسیحی حکومت یا کچھ حکومتوں نے مل کر اس جماعت کو کمزور کرنے کی سازش کی مگر اپنے خنّاس ہونے کی صفت کو بروئے کار لاتے ہوئے کھل کر نہیں بلکہ پسِ پردہ رہ کر۔ چنانچہ اس حکومت یا حکومتوں نے اپنی ایک معاہد مسلمان حکومت (پاکستان) کے سربراہ مملکت (بھٹو) کو ایک دوسری اور سب مسلمانوں کے لئے واجب الاحترام مسلم حکومت کے ذریعہ اپنا آلہ کار بنایا اور اس نے سراسر

دھاندلی کی راہ سے ملک کی آئین ساز اسمبلی کو مجبور کر کے اس سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دلوا دیا۔ دراصل اس مسیحی حکومت نے اس شخص کو یہ دھوکا دیا تھا کہ یہ کام کر لو تو تم مسلمانوں کے ہیرو بن جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے یہ گناہ کبیرہ کر کے اس پر بار بار فخر کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ سے (احمدیوں کا) نوّے سالہ مسئلہ حل ہوگیا۔ مگر جب وہ یہ تعلّی کر رہا تھا خدا کی تقدیر اس پر ہنس رہی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک غلام عبداللطیف صاحب بہاولپوری فاضل دیوبند کو الہام ہوا ''بھٹو بھٹی میں''۔ یہ الہام خود انہوں نے اس راقم الحروف کو سنایا اور پھر یہ ایسا مشہور ہوا کہ جس شہر جاؤ احمدیوں کی زبان پر یہ الہام تھا۔ خود اس راقم الحروف کو بتایا گیا کہ جن چار ٹانگوں پر اس کی حکومت یا طاقت کا گھوڑا کھڑا ہے وہ سب اس کے مخالف ہوجائیں گی اور یہ گھوڑا ہی اسے مسل کے رکھ دے گا۔ چنانچہ مذکورہ بالا الہام اور اس دوسری خبر پر دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس شخص کو حکومت کی کرسی سے جبراً اتار دیا گیا۔ اس پر قتل کا مقدمہ چلا اور پہلے وہ عام جیل میں اور پھر جیل کی کال کوٹھری میں (جس میں قضائے حاجت کے لئے بھی کوئی الگ جگہ تھی نہ تازہ ہوا کا کوئی انتظام) قریباً ڈھائی سال پڑا رہا جو ایسے امیر اور ناز ونعم میں پلے ہوئے اور عیش وعشرت کے رسیا شخص کے لئے کسی صورت بھی عذابُ النّار سے کم نہیں تھا۔ پھر حکومت کی چاروں ٹانگیں اس کے خلاف ہوگئیں یعنی عوام۔ پولیس۔ فوج اور ایف ایس ایف جن کے بل پر وہ حکومت کررہا تھا سب اس کے خلاف ہوگئے اور ان کی اس کے خلاف گواہیوں کی بنا پر حکومت نے اس شخص کو بالکل مسل دیا یعنی اسے پھانسی کی سزا سنادی۔ اور ایک دن آیا کہ عملاً کھجور کی بٹی ہوئی رسی کا پھندا اس کی گردن میں پڑا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔ **فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَار۔**

اگر اس موقع پر سوال ہو کہ اِمْرَأَۃ کا لفظ مرد کے لئے کیونکہ آسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز کا کلام ہے۔ اسے عورت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور تشبیہ میں مبالغہ کے لئے حرف تشبیہ کا حذف کردینا ہر زبان کا قاعدہ ہے اور خود قرآن نے دوسری جگہ کافر مردوں اور مومن مردوں کو واضح طور پر عورت سے تشبیہ دی ہے وہاں بھی اِمْرَأَۃ کا لفظ ہے اور یہاں بھی یہی لفظ ہے زوج کا لفظ نہیں لایا گیا اور اس طرح اس متوقع سوال کا جواب پہلے ہی دے دیا گیا ہے۔

اس پر کہ یہ پیشگوئی اس شخص کے حق میں تھی اور وہی جماعت احمدیہ کے خلاف دجالی

اقوام کا آلہ کار بنا تھا ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ مامور زمانہ کا الہام **کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ** اس کے حق میں لفظ بلفظ پورا ہوا اور جہاں اس الہام میں اس کے لئے کلب کا لفظ استعمال ہوا وہاں سورۃ کہف میں دجالی اقوام یاجوج وماجوج کے ساتھ ان کے کلب کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ مسیح موعودؑ کے خلیفہ ثالث کے زمانہ میں ایک ایسا شخص ہوگا جس پر یہ لفظ صادق آئے گا اور بھٹو آپؑ کے خلیفہ ثالث ہی کے زمانہ میں ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں صفحہ ۱۵۷ کتاب ہذا

===============

سورۃ الاخلاص میں مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کے متعلق اہم اشارات

سورۃ اللھب کے بعد سورۃ الاخلاص آتی ہے۔ بسم اللہ کے علاوہ اس کی چار آیات ہیں جو یہ ہیں:-

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۲) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۳) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (۴) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۵)

(اے رسول) کہہ وہ اللہ (جو قرآن نے پیش کیا) ایک ہے اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ کوئی بڑائی میں اس کے برابر ہے۔

هُوَ اسم ضمیر ہے جس کے معنٰی 'وہ' کے ہیں اور یہ ضمیر شان کے طور پر بھی آتا ہے۔ یعنی اس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ حق یہ ہے سچ یہ ہے شان یہ ہے۔ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** فرما کر دو باتیں بتائی گئیں:-

نمبر۱ یہ کہ وہ اللہ جو قرآن نے پیش کیا ہے احد ہے۔

نمبر۲ یہ کہ سچی بات یہ ہے کہ اللہ احد ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں سورۃ لھب کو قرآن کریم کے آخر میں رکھ کر یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ شروع زمانہ اسلام کی طرح آخری زمانہ اسلام میں بھی جو عالمگیر اشاعت اسلام کا زمانہ ہے ایک ابولھب ظاہر ہوگا جو اس زمانہ کی مناسبت سے عالمگیر حیثیت رکھنے والا ہوگا اور ہم

نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ مراد اس سے یاجوج ماجوج یعنی مسیحی اقوام ہیں۔ چنانچہ اُس سورۃ کے معًا بعد اِس سورۃ (الاخلاص) کا لایا جانا جس میں خدا کا بیٹا قرار دینے والوں کا رد ہے اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ہمارا خیال درست تھا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب سورۃ لھب کا تعلق اسلام کے پہلے اور آخری دونوں زمانوں سے ہؤا تو اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ سورۃ اخلاص کا تعلق بھی ان دونوں زمانوں ہی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ لھب کی طرح یہ سورۃ بھی اگرچہ بالکل ابتدائی زمانہ نبوّت کی ہے اسے قرآن کے آخر میں رکھا گیا۔ لہٰذا اس سورۃ کو جو لفظ قل سے شروع کیا گیا یعنی اس میں یہ فرمایا گیا کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں سے یہ کہہ کہ اللہ احد ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ آنحضورؐ کو ان دونوں زمانوں ہی کے لئے یہ حکم ہؤا تھا۔ لیکن آخری زمانہ میں آپؐ کا بنفسِ نفیس دنیا میں تشریف لاکر یہ حکم بجالانا محال تھا اس لئے اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں آپؐ کا ایک بروزی ظہور مقدر تھا اور جس شخص کے وجود میں یہ ظہور ہونے والا تھا اس میں ہو کر آپؐ نے یہ حکم بجالانا تھا۔ چنانچہ جب اس آخری زمانہ میں مسیحی اقوام کا دنیا میں زور ہؤا اور اپنی طاقت کے بل پر انہوں نے مسیح کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ پھیلایا تو خداتعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ؑ کو آنحضورؐ کا بروز بنا کر اور یہی منصب ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' سونپ کر مبعوث فرمادیا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے فتنہ کا ازالہ مقصود تھا تو اس کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی تھی کہ اس غرض سے بھیجے جانے والے نبی کو مسیح کا بھی بروز اور مثیل بنایا جاتا تا جب وہ گواہی دے کہ مسیح ناصری میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اسے الٰہ ثابت کرسکے (تو ایک طرح سے خود مسیح کی زبان سے یہ گواہی ادا ہوجائے) اور نیز اس لئے کہ دنیا دیکھ لے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں مگر مسیح ایک اور بھی ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہؤا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی مقدر کیا جاتا کہ وہ صرف یہ گواہی ہی نہ دے بلکہ قطعی دلائل اور روشن نشانوں کے ساتھ دنیا کو دکھا دے کہ ''سچی بات یہی ہے کہ اللہ ایک ہے۔'' چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے یہ دونوں فریضے نہایت عمدگی سے ادا کئے۔ آپ نے فرمایا:-

''اس زمانہ کے عیسائیوں پر گواہی دینے کے لئے خداتعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں پر ظاہر کردوں کہ ابن مریم کو خدا ٹھہرانا ایک باطل اور کفر کی راہ ہے۔''

(کتاب البریہ ص ۵۵)

نیز فرمایا:-

''چونکہ عیسائیوں نے انسان کو خدا بنانے کے لئے بہت کچھ افتراء کیا ہے اس لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ مسیح کے نام پر ہی ایک شخص کو مامور کرکے اس افتراء کو نیست ونابود کرے۔ یہ خدا کا کام ہے اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔''

(انجام آتھم صفحہ ۳۲۰،۳۲۱)

پھر آپؑ نے صرف یہ دعوے ہی نہیں کئے بلکہ دلائل قاطعہ کے ساتھ اس بات کو ثابت کرکے بھی دکھا دیا کہ مسیح صرف ایک نبی تھا خدا یا خدا کا بیٹا نہیں تھا۔

آیت **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** کے دوسرے معنوں کے مطابق جو یہ ہیں کہ ''کہہ وہ خدا (جو قرآن نے پیش کیا) احد ہے۔'' اس آیت میں ان لوگوں کو جو قرآن کے ماننے والے ہیں یعنی مسلمانوں کو مخاطب کرنے کا حکم دیا گیا یعنی یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ کسی بھی غیر اللہ کو خواہ وہ غیر مسیح ہو یا کوئی اور صفات الٰہیہ سے متصف ماننا صحیح نہیں۔ خدا تعالیٰ جیسا کہ قرآن نے بار بار سمجھایا ہے ایک ہی ہے۔ پس اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ آخری زمانہ میں جو مہدی موعود کا زمانہ ہے مسلمانوں میں طرح طرح کا شرک پھیل چکا ہوگا اور علاوہ دوسری اقسامِ شرک کے وہ مسیح کو بھی ایسا فوق البشر ہونے کا مقام دے رہے ہوں گے جو شرک میں داخل ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز بن کر آنے والے نبی یعنی مہدی موعودؑ کا ایک فریضہ ان کی اصلاح کی کوشش کرنا بھی ہوگا یعنی جس طرح مسیحیوں کی اصلاح کے لئے آنے کی وجہ سے وہ مسیح کہلائے گا اسی طرح مسلمانوں کی اصلاح کے لئے آنے کی وجہ سے وہ مہدی کا نام بھی پائے گا۔ یعنی خدا سے ہدایت یافتہ ہوکر ان کی اصلاح کے لئے کوشاں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ جسے خداتعالیٰ اپنے اذن سے کسی کام پر مقرر کرے ضرور ہے

کہ اس کام میں وہ اس کی مدد بھی کرے اور بنا بریں وہ اس کام میں کامیاب بھی ہو۔ پس لفظ قل سے اس سورۃ کو شروع کر کے جہاں یہ اشارہ کیا گیا کہ آخری زمانہ میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک ظہور ہوگا اور جس شخص کی صورت میں یہ ظہور ہوگا وہ بھی **باذنہٖ** تعالیٰ توحید کا پرچار کرے گا اور ازالہ شرک کے لئے اور بالخصوص خدا کا بیٹا قرار دینے والوں کے شرک کے خلاف جہاد کرے گا وہاں اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اسے اپنے مولیٰ کی تائید حاصل ہوگی اور وہ اس کام میں کامیاب ہوگا۔ پس اس سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہؤا کہ وہ آنے والا کاسر صلیب ہوکر آئے گا اور اس کے ہاتھ پر صلیب لازمًا ٹوٹے گی۔ یعنی مسیحی مذہب کا لازمًا خاتمہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا نبی موعود نے آکر دلائلِ قاطعہ کے ساتھ یہ ثابت کردیا کہ مسیح ناصری صرف ایک بشر تھا جو مرکر کشمیر میں دفن ہوچکا ہے۔ اور بجسد عنصری آسمانوں پر نہیں گیا اور اس طرح مسیحی مذہب کے خاتمہ کی مضبوط بنیاد رکھ دی۔ جہاں تک تائید الٰہی کا تعلق ہے آپؑ نے فرمایا:-

> ”میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک میں دوربین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔ اور آسمان پر ایک جوش اور ابال پیدا ہؤا ہے جس نے ایک پتلی کی طرح اس مشت خاک کو کھڑا کردیا ہے۔ ہر یک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم ص۳۰۲)

یہ آپؑ کا صرف دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ پچھلے سو سال سے زیادہ عرصہ سے دنیا دیکھ رہی ہے کہ آپ کا یہ فرمانا لفظ بلفظ درست ہے۔

آیت قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں پہلے نمبر پر حضور نبی کریم ﷺ کو اور دوسرے نمبر پر آخری زمانہ میں آنیوالے آپؐ کے بروز کو قُلْ کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے اور کسی اور کو مخاطب نہیں کیا گیا (دوسرے لوگ اگر اس حکم میں شامل ہیں تو صرف ان کے تابع ہونے کی حیثیت میں) اور چونکہ قُلْ کے بعد خداتعالیٰ کے حسن وجمال کا ذکر ہے اور اسی کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کا حکم ہوا ہے اس لئے صرف ان دو کو مخاطب کرکے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ خداتعالیٰ کے حسن وجمال کا بیان جس طرح یہ دو نبی کرسکیں گے کوئی دوسرا نہیں کرسکے گا۔ چانچہ جیسا نقشہ خدا تعالیٰ کے حسن وجمال کا احادیث نبویہ میں ملتا ہے کسی اور انسان کے کلام میں نہیں ملتا اور آنحضورؐ کی ظلیت میں یہی بات حضرت مہدی موعودؑ پر صادق آتی ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ حی وقیوم ہے اور ہر چیز اسی کے سہارے زندہ ہے اس لئے اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ سب سے زیادہ زندگی بخش چیز خداتعالیٰ کے حسن وجمال پر مطلع کرنے والا اور پھر خدا سے ملانے والا کلام ہی ہوسکتا ہے لہٰذا اس آیت کو قُلْ کے لفظ کے ساتھ شروع کرکے جب کہ اس کے مخاطب آنحضورؐ ہیں (اوّل اپنی اصل حیثیت میں اور دوم اپنی بروزی حیثیت میں جس کا ظہور مہدی موعودؑ کی صورت میں ہونے والا تھا) یا بہ الفاظِ دیگر یہ کہ جب اس کے مخاطب پہلے آپؐ ہیں اور پھر مہدی موعودؑ ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ زندگی بخش باتیں جیسی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں یا جیسی مہدی موعودؑ کرے گا ایسی کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ اس کتاب کا موضوع چونکہ ذکر المہدی فی القرآن ہے اس لئے ہم صرف موخرالذکر کا ذکر آگے چلاتے ہیں۔ مگر آپؑ چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں اور آپؑ نے سب کچھ آنحضورؐ کی پیروی سے پایا ہے اس لئے اگر آپؑ کے متعلق یہ بات ثابت ہوجائے تو آنحضورؐ کے متعلق بدرجہ اَوْلیٰ ثابت ہوجاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:-

> میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مرگئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو

کہ میں خدا کی طرف سے نہیں آیا لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو
مردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل
سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے
انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۳ تا ۵)

یہ صرف دعویٰ نہیں تھا آپؑ کی کتب اور ملفوظات جو مرتب ہو کر ہزار ہا صفحات پر مشتمل شائع شدہ ہیں اس دعویٰ کی سچائی کا منہ بولتا دائمی ثبوت ہیں۔ ان کے ذریعہ ہزاروں لوگ روحانی زندگی پا چکے ہیں۔

اس سورۃ کو لفظ قُلْ سے تو شروع کیا گیا ہے مگر یہ قید نہیں لگائی گئی کہ یہ بات صرف فلاں یا فلاں سے کہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس میں ساری دنیا کو مخاطب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ حکم جس طرح آنحضرتؐ کے لئے تھا اسی طرح آئندہ زمانہ میں آنے والے آپؐ کے بروز کیلئے بھی تھا اسلئے اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جس طرح آنحضورؐ كَافَّةً لِلنَّاس کی طرف مبعوث ہوئے تھے اسی طرح وہ نبی بھی ساری دنیا کی طرف مبعوث کیا جائے گا۔ اور چونکہ ضرور ہے کہ جب خداتعالیٰ کسی شخص کو ساری دنیا تک کوئی پیغام پہنچانے کا حکم دے تو اس کے ذرائع بھی نصیب کرے اس لئے لفظ قل سے اس آیت کو شروع کرکے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اس نبی کے زمانہ میں خداتعالیٰ ایسے سامان کردے گا کہ اس کی آواز ساری دنیا میں پہنچ سکے گی۔ چنانچہ ایسے ایسے ذرائع اس مقصد کے لئے اس زمانہ میں ایجاد ہوچکے ہیں کہ اس سے پہلے ان تک انسان کا واہمہ بھی پہنچ نہیں سکتا تھا اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان ذرائع سے اشاعتِ دین کے لئے استفادہ کی توفیق جس طرح آپؑ کے سلسلہ کو مل رہی ہے کسی اور کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں مل رہی۔

اگر سوال ہو کہ جب آنحضرؐت بھی ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آئے تھے تو آپؐ کے وقت میں یہ ذرائع اشاعتِ حق کے کیوں میسر نہیں آئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ کی بعثت اُولیٰ کا زمانہ تکمیل ہدایت اور قیام ہدایت کا زمانہ تھا اور اس زمانہ میں صرف عرب اور اس کے قرب وجوار تک پیغام پہنچنا ضروری تھا اور اس کے سامان اس وقت میسر تھے مگر آپؐ کی بعثت ثانیہ کا زمانہ اشاعتِ ہدایت کا زمانہ ہے اس لئے اس میں ساری دنیا میں پیغام حق پہنچانے کے

ساما نوں کا ہونا ضروری تھا۔ فلا اعتراض۔

اس سورۃ پر پہنچ کر میں نے دعا کی کہ خدایا ایک کیڑے کے پاؤں کے عجائبات ختم نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ تیرا پیدا کردہ ہے۔ قرآن کے جو تو نے اپنے سب سے برگزیدہ اور پیارے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے عجائبات کیونکر ختم ہوسکتے ہیں۔ پس تو مجھے اس سورۃ کے بارہ میں بھی کوئی نیا نکتہ سمجھا۔ چنانچہ اس نے یہ دعا قبول کی اور لفظ 'قل' سے جس سے چھوٹا کم ہی کوئی اور لفظ ہوگا وہ عجیب نکات سمجھائے جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ یہ سب آنحضرتؐ اور حضرت مسیح موعودؑ کی برکتیں ہیں۔

===============

سورۃ الفلق میں مسلمانوں پر آنے والی رات کے بعد پھر طلوع فجر ہونے اور اس کے کمال تک پہنچنے کی خبر

سورۃ فاتحہ کے آخر میں وَالضَّآلِّیْن فرما کر خداتعالیٰ نے یہ اشارہ کیا تھا کہ آخری زمانہ میں نصاری کا فتنہ پھیلے گا۔ قرآن کے آخر میں پہنچ کر یعنی سورۃ اخلاص میں پھر فتنہ نصاریٰ کا ذکر کیا تھا تا امر مذکور کی تائید ہو۔ اس کے بعد سورۃ الفلق لا کر اس نے یہ بتایا کہ مسیحی فتنہ کے نتیجہ میں جو روحانی رات دنیا پر چھا جانے والی ہے وہ مستقل نہیں ہوگی بلکہ اس فتنہ کے حد سے گزر جانے کے وقت خداتعالیٰ (آفتابِ آسمانِ روحانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں لاکر) پھر توحید کی صبح نمودار کریگا۔ اور اگر تم اس کی پناہ مانگتے رہو تو وہ اس صبح کو اور روشن کر کے دن بنادیگا۔ اور اسکی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کے شر سے تمہیں بچا لے گا۔ بسم اللہ کے علاوہ اس سورۃ کی پانچ آیات ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۲) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ(۳) وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۴) وَمِنْ شَرِّالنَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (۵) وَمِنْ شَرِّحَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ(۶)

(اے رسول) کہہ میں پناہ مانگتا ہوں رب الفلق کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اور غاسق کے شر سے جب وہ چھپ جائے۔

اور گرہوں میں پھونکنے والی ہستیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے
جب وہ حسد کرے۔

جس طرح سورۃ الفجر میں فجر کا لفظ ایک اعتبار سے آنحضورؐ کے دعویٰ کے بعد کے پہلے تین سالوں کے لئے اور ایک اعتبار سے پہلی تین صدیوں کے لئے آیا ہے اِسی طرح اس سورۃ میں فلق کا لفظ ایک اعتبار سے آنحضورؐ کے دعویٰ کے بعد کے ابتدائی سالوں کے لئے آیا ہے۔ اور ایک اعتبار سے آنحضورؐ کے مبعوث ہونے سے لے کر حضورؐ کی رحلت تک کے سارے زمانہ کے لئے آیا ہے اور ایک اعتبار سے اس دس سو سالہ رات کے بعد جس کی خبر سورۃ الفجر میں دی گئی تھی (بلکہ ایک لحاظ سے خود اس سورۃ میں بھی دی گئی تھی) شروع ہونے والے زمانہ کو فلق قرار دیا گیا ہے اور اگلی آیات میں ان میں سے ہر فلق یعنی صبح کے دن بننے میں روک بننے والی چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کے شر سے بچنے کے لئے رب الفلق کی پناہ مانگتے رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس کتاب کا تعلق چونکہ ان سب میں سے موخر الذکر صبح سے ہے یہاں ہم اسی کی کسی قدر تفصیل بیان کریں گے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے دو معنے ہیں۔ نمبرا ہر چیز کے جو اس نے پیدا کی شر سے نمبر۲ اس کی پیدا کردہ چیزوں میں سے سب سے زیادہ شر والی چیز سے ۔ اسلام کے اندرونی دشمنوں کے لحاظ سے اس سے علماء مراد ہیں جن کو آنحضورؐ نے شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ کہا ہے اور بیرونی دشمنوں کے لحاظ سے دجّال یعنی مسیحی اقوام مراد ہیں جو شیطان کے مظہر اوّل ہیں اور جن کی طرف اشارہ پچھلی سورۃ (الاخلاص) میں کیا گیا۔ پس اس سورۃ میں جو خداتعالیٰ نے آنحضورﷺ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اے رسولؐ مومنوں سے کہہ میں رب الفلق کی پناہ مانگتا ہوں تو ایک اعتبار سے اس میں فلق سے وہ صبح مراد ہے جو سورۃ الفجر میں مذکور دس سو سالہ رات کے بعد محمد رسول اللہﷺ کے بروزی ظہور کے ساتھ (جو مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی صورت میں ہونا تھا) پیدا ہونے والی تھی۔ اور یہ حکم دے کر خداتعالیٰ نے بتایا کہ اس صبح کے روشن سے روشن تر ہوتے ہوئے دن بننے کا تعلق چونکہ مومنوں سے ہے اس لئے ان کو بھی تیری اس دعا کا علم ہونا چاہیے تا کہ وہ بھی اس میں شامل ہوں۔ آگے مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے الفاظ رکھ کر بتایا کہ اس وقت اس صبح کے دن بننے میں سب سے بڑی روک وہ وجود ہوں

گے جو سب سے زیادہ شر کے حامل ہیں یعنی علماء سوء اور دجّالی اقوام اِس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے (جس کا تقاضٰے یہ ہے کہ ان کی تدابیر سے واقف رہ کرحتی الوسع ان کے توڑ کی کوشش بھی کی جائے۔ کیونکہ دعا بغیر کوشش کے ایسی ہی ہے جیسے اونٹ کا گھٹنا باندھے بغیر توکّل کرنا)۔

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ کے بعد ہے وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ. غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے ایک معنٰی کسی چیز کی کثرت کے بعد اس کی قلت ہوجانے کے ہیں۔ شر چونکہ اچھے لوگوں کی کمی اور برے لوگوں کی کثرت سے پیدا ہوُا کرتا ہے اس لئے ان معنوں کی رو سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جب تاریکی کے زمانہ کے بعد پھر طلوع فجر ہوگا اس وقت غلبہ اسلام کی راہ میں جہاں سب سے بڑی اندرونی روک مسلمانوں کے علماء اور بیرونی روک مسیحی ہوں گے وہاں دوسری آفت علماء ربّانی کی کثرت کا قلّت میں بدل جانا ہوگا ۔ اسی کی طرف دوسری جگہ بہ ایں الفاظ اشارہ کیا گیا کہ اِذَالنُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ جب ستارے مانند پڑ جائیں گے یا جھڑ جائیں گے چنانچہ مامورِ وقت نے آکر فرمایا ؎

کچھ کچھ جو نیک مرد تھے سب خاک ہوگئے
باقی جو تھے وہ ظالم و سفّاک ہوگئے

دوسرے معنے غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے تاریکی کے ہیں جب وہ پھیل جائے۔ ان معنوں کی رو سے اس آیت کو اس موقع پر رکھ کر یہ عجیب بات بتائی کہ جب موعودہ فجر طلوع ہوگی تو جہاں اس سے نیک فطرت لوگ منوّر ہوں گے وہاں (کچھ عرصہ تک) بدی اور بدوں کی تاریکی پھیلتی چلی جائے گی (کچھ عرصہ تک کا استدلال اس سے ہوتا ہے کہ اسی سورۃ میں بالآخر اسلام کو ترقّی حاصل ہونے کی خبر دی گئی ہے) چنانچہ دیکھ لیجئے اس کے بعد اس وقت تک کہ حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام عام نہیں ہوگیا مسیحی پادری لوگوں میں شرک کی تاریکی پھیلاتے رہے۔ جنسی بے راہ روی کی تاریکی۔ حرص وہوُا کی تاریکی اور دوسری ہرقسم کی تاریکی بھی پھیلتی رہی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کے ساتھ ہی جو اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوگیا تو اس لئے کہ اس سے پہلے ان مخالف حالات کا پیدا ہونا بھی مقدّر تھا۔ لیکن جس طرح تاریکی کے پھیلنے کی یہ خبر پوری ہوئی ہے اور ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب بنی ہے نور کے پھیلنے کی خبر بھی ضرور پوری

ہوگی اور دنیا کی صَف اس وقت تک لپیٹی نہیں جائے گی جب تک کہ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کا نظارہ بھی چشم فلک نہ دیکھ لے پس ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ خوشی کا موقع ہے کہ اس تاریکی کے بعد اب روشنی کے پھیلنے کا وقت آتا ہے۔

==============

ایک اور اہم خبر

ایک اور اہم خبر بھی ان آیات میں دی گئی۔ ۱۹۰۳ء میں حضرت مہدیؑ موعود کو ایک الہام ہوا جس کے بارہ میں آپؑ نے لکھا ''نو فرزند کی نسبت الہام ہوا غاسق اللہ'' یعنی وہ قمر جس کو خسوف لگے گا۔ اس طرح ایک رات حضورؑ کے ہاں ایک لڑکی امۃ النصیر پیدا ہوئی تو حضورؑ اپنے ایک مخلص مولوی محمد احسنؓ صاحب کے کمرہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اس کے متعلق مجھے الہام ہوا ہے غاسق اللہ۔ ان باتوں سے ظاہر ہے کہ لفظ غاسق کو چاند کے معنٰی میں لیں تو اس سے مجازاً بیٹا یا بیٹی بھی مراد ہوسکتی ہے۔ حضورؑ کے یہ الہامات اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ آیت وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آئندہ آنے والی فلق کے زمانہ میں جو مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے ایک ایسا واقعہ رونما ہوگا جسے چاند کے گہنا جانے اور پھر گڑھے (یعنی قبر) میں داخل ہونے سے تعبیر کیا جاسکے گا اور وہ واقعہ بہت بڑے شر کا موجب ہوگا یعنی اس سے لوگوں کے لئے بہت بڑے ابتلا کی ایک صورت پیدا ہوگی مومنوں کو چاہئے کہ اس واقعہ کے شر سے بچنے کی دعا کرتے رہیں۔ اب دیکھئے یہ پیشگوئی کیسی شان سے پوری ہوئی۔

مسلمانوں پر آنے والی طویل رات کے بعد جب پھر فلق کا زمانہ آیا یعنی آفتاب سماء روحانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بروزی ظہور مہدی موعود علیہ السلام کی صورت میں ہوا تو آپؑ کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے تازہ ثبوت کے طور پر ایک عظیم الشان بیٹے کی پیدائش کی خبر دی گئی۔ مگر ہوا یہ کہ اس پیشگوئی کے بعد پہلے ایک لڑکی امۃ النصیر پیدا ہوگئی۔ اس پر دشمنوں نے بہت شور مچایا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ پیشگوئی کے بعد پہلے ہی حمل میں پسر موعود پیدا ہوگا بہرحال اس کے کچھ

عرصہ بعد ایک چاند سالڑکا بشیر اوّل پیدا ہوا جس پر حسن ظن رکھنے والوں کے حوصلے بڑھے لیکن وہ بیٹا بھی جلد فوت ہوگیا اور قبر میں ڈالا گیا۔ اس پر تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی حالانکہ پسر موعود کے بارہ میں جو الہامات تھے انہی میں اُس سے پہلے ایک مہمان (یعنی آکر جلد دنیا سے رخصت ہوجانے والے) بیٹے کی خبر بھی دی گئی تھی اور پسر موعود کے متعلق یہ تشریح کی گئی تھی کہ وہ اس مہمان بیٹے کے بعد پیدا ہوگا۔ البتہ نو سال کے اندر بہرحال پیدا ہوجائے گا۔

چنانچہ بشیر اوّل کی وفات کے قریباً ایک سال بعد نوسال کی مدت مقررہ کے اندر پسر موعود پیدا ہوگیا لیکن پہلے دو بچوں کی وفات سے بہت بڑے ابتلا کی صورت پیدا ہوئی اور اس آیت میں اس زمانہ سے متعلق جو تیسری پیشگوئی تھی کہ شر پیدا ہوگا وہ بھی لفظ بلفظ پوری ہوگئی۔ **فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔**

چونکہ لفظ غاسق کے معنے سورج کے بھی ہیں اور چاند کے بھی اور سورج یا چاند کی اس حالت کے بھی جب وہ گہنا جائے۔ اس لئے اس آیت میں آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی مہدی موعودؑ کے وقت سے تعلق رکھنے والی اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہے جو سورج اور چاند کے گرہن میں جمع کئے جانے کے متعلق ہے اور بتایا گیا ہے جب سورج اور چاند کو پیشگوئی کے مطابق ایک ہی رمضان میں گرہن لگے گا تو جہاں اس سے فائدہ ہوگا وہاں شر بھی پھیلے گا۔ شر سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ مولوی لوگ حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے بار بار کہتے تھے کہ اگر آپ سچے ہیں تو سورج اور چاند گرہن والی پیشگوئی کیوں پوری نہیں ہوئی اور جب گرہن لگ گیا تو انہوں نے کہنا شروع کردیا کہ وہ تو حدیث ہی ضعیف ہے۔ حالانکہ یہ پیشگوئی **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** کے الفاظ میں قرآن میں بھی موجود ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے بعد ہے **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ** اس میں خداتعالیٰ نے بتایا کہ اس وقت غلبہ اسلام میں تیسری روک وہ لوگ ہوں گے جو شریعت حقہ اسلامیہ کے قابل حل عقدوں کو دھوکہ دہی کے طور پر پیچیدہ اعتراضات کی صورت میں بنا دیں گے اور ان نظری امور پر اپنی طرف سے حاشیے لگا دیں گے۔ تالوگ گمراہ ہوں۔ مراد ان سے مسیحی پادری ہیں۔

پھر ان سے مولوی بھی مراد ہیں جو مہدی موعود کے متعلق لوگوں کی گرہوں میں پھونکتے

رہتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں ناحق وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔

اسی طرح مسیحی عورتیں بھی مراد ہیں جو مسلمان نوجوانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

آخر میں آیت **وَمِنْ شَرِّحَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ** رکھی گئی ہے اس میں بتایا کہ باوجود مذکورہ بالا روکوں کے مہدی موعود کے ظہور سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جو صبح طلوع ہوئی ہوگی وہ روشن سے روشن تر ہوتی جائیگی اور اس بات کو دیکھ کر حاسد (یعنی مولوی اور پادری) حسد کرینگے۔

لفظ حاسد کے عام معنٰی ایسے شخص کے ہوتے ہیں جو دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ چاہے کہ وہ نعمت اس سے چھن کر اسے مل جائے۔ لیکن البقرہ ۲:۱۱۰ میں ایسے لوگوں کو بھی حاسد کہا گیا ہے جو خود تو وہ چیز جو دوسرے کو حاصل ہے لینا نہیں چاہتے مگر اسے اس سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں یہود کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے بارہ میں چاہا کرتے تھے کہ انہیں واپس کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اس زمانہ کے مولوی لوگ بھی دن رات اس کوشش میں رہتے ہیں کہ احمدیوں سے ان کا ایمان چھین لیں اور انہیں واپس مہدی موعودؑ کے کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اسی طرح مسیحی اور مولوی دونوں اس کوشش میں رہتے ہیں کہ احمدیوں کو جو عظیم نعمت خلافت کی صورت میں حاصل ہے وہ ان سے چھن جائے۔ اور مولوی تو یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ نعمت ان سے چھن کر ان کو مل جائے۔ مگر کیسے ملے جبکہ وہ بہتر فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے چکا ہے۔ کیا سب فرقوں کے الگ الگ خلیفے ہوں گے؟ اگر ایسا ہوتو ملّت کی وحدت قائم ہوگی یا اور زیادہ پارہ پارہ ہوجائے گی؟ کاش وہ سوچیں اور غور کریں کہ وہ کدھر کو جارہے ہیں۔

===============

سورۃ النّاس میں مہدی علیہ السلام کا ذکر

پچھلی سورۃ (الفلق) میں آخری زمانہ میں ایک بہت بڑے حاسد (دجّال) کے سر اٹھانے کی خبر دینے کے ساتھ اس کے شر سے بچنے کی دعا سکھائی گئی تھی لیکن جب تک انسان کو دشمن کی چالوں کا علم نہ ہو وہ پوری طرح اس سے اپنا دفاع نہیں کرسکتا اس لئے اس کے بعد آنے والی اس سورۃ 'النَّاس' میں جو قرآن کریم کی آخری سورۃ ہے اس کی چالوں کی نشاندہی کی گئی اور

معیّن طور پر ان سے خداتعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے خداتعالیٰ نے فرمایا:-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۲) مَلِكِ النَّاسِ (۳) اِلٰهِ النَّاسِ (۴) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۵) الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ (۶) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۷)

اے رسول (مومنوں کو) کہہ میں پناہ مانگتا ہوں رب اُلنّاس کی جو تمام انسانوں کا بادشاہ ہے تمام انسانوں کا معبود ہے خنّاس کے وسوسہ کے شر سے جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ جنّوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

شر خیر کے مقابل کا لفظ ہے۔ قرآن نے حکمت کو خیر قرار دیا ہے (البقرہ ۲:۲۷۰) اور قرآن کو سراسر حکمت فرمایا ہے (لقمان ۳۱:۳) اسی طرح ہر نیکی کو، خداتعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کو لباس التّقویٰ کو، اور جنّت کو بھی خیر کہا ہے اور چونکہ ان سب چیزوں کے حصول کا ذریعہ بھی قرآن ہے اصل خیر قرآن ہی ہوا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام بھی ہے **اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِى الْقُرْآن**۔ لہٰذا اس میں شبہ نہیں کہ بنی نوع انسان کی ربوبیت روحانی کے لئے سب سے بڑا ذریعہ جو خدا نے بنایا قرآن کریم ہے۔ اور سب سے بڑا شر لوگوں کو اس خیر سے محروم رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔

لفظ شر کے دوسرے معنے فساد کے ہیں جو خدا تعالیٰ کی بادشاہت سے بغاوت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور اس لفظ کے تیسرے معنے ظلم کے ہیں اور قرآن کی رو سے سب سے بڑا ظلم شرک ہے (لقمان ۳۱:۱۴) لہٰذا لفظ شر کے پہلے معنوں کے مدِّ نظر خنّاس کے وسوسہ کے شر سے بچنے کا تعلق رب النّاس سے۔ دوسرے معنوں کے مدِّ نظر اس کا تعلق ملک النّاس سے اور تیسرے معنوں کے مدِّ نظر اس کا تعلق **اِلٰہ النَّاس** سے بالکل واضح ہے۔

اب دیکھئے محمد رسول اللہ ﷺ یہ نہیں کہتے کہ میں اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ **ربُّ النّاس مَلِک النَّاس اِلٰہ النَّاس** کی پناہ مانگتا ہوں۔ پناہ اپنی ذات کے لئے مانگتے ہیں اور لفظ شر کے ان تین معانی کے مدِّ نظر اوّل اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ شیطان

دلوں میں وسوسہ ڈال کر انسانوں میں سے کسی کو سب سے بڑی خیر یعنی قرآن کریم سے (جو ربوبیت روحانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) محروم نہ رکھے یا محروم نہ کردے۔ دوسرے نمبر پر اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ان میں سے کسی کو فساد پر یعنی خداتعالیٰ کی حکومت کا باغی بننے پر یا اس کی بادشاہت کے تمام انسانوں کے دلوں پر قائم ہونے کے کام میں روک بننے پر مائل نہ کردے۔ اور تیسرے نمبر پر اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ان میں سے کسی کو ظلم یعنی شرک پر مائل نہ کردے یا کسی کے شرک سے چھٹکارا پانے اور توحید پر قائم ہونے کی راہ میں حائل نہ ہو۔ لہٰذا یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آنحضورؐ کا یہ دعا مانگنا اس غرض سے تھا کہ نمبر۱: آپؐ تمام انسانوں کی ربوبیت روحانی کا اور نمبر۲ اللہ کی بادشاہت تمام دلوں پر قائم کرنے کا اور نمبر۳: سب انسانوں سے یہ منوانے کا کہ ان کا اِلٰہ ایک ہے جو کام کر رہے ہیں اس میں شیطان یا اس کے اظلال میں سے کوئی روک نہ ڈالے اور اگر ڈالے تو وہ روک قائم نہ رہ سکے۔ اور خداتعالیٰ کا آپؐ کو یہ حکم فرمانا کہ آپؐ لوگوں کو بتا دیں کہ آپ یہ دعا مانگ رہے ہیں ایک تو یہ اشارہ کرنے کو تھا کہ آپؐ کی دعا قبول ہوگی اور آپؐ اس مقصد میں کامیاب ہوں گے کیونکہ اگر وہ دعا قبول نہ ہونی ہوتی تو وہ اپنے محبوبؐ کو اس دعا کا جو وہ درپردہ مانگ رہا تھا اعلان کرنے کا حکم نہ دیتا اور دوسرے یہ بتانے کو تھا کہ خداتعالیٰ نے اپنی ان تین صفات سے متعلق مذکورہ بالا کام جو دراصل اس کے اپنے کام ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کئے ہیں۔ کیوں کئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ وراء الوریٰ ہستی ہے۔ کوئی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی اس لئے اس کی سُنّت یہی ہے کہ وہ اپنی صفات کی معرفت عطا کرنے کے لئے ہمیشہ اپنے اَنبیاء بھیجتا ہے جو اس کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور اس بنا پر خلیفۃ اللہ کہلاتے ہیں لہٰذا جب یہ اشارہ کیا کہ خداتعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد مذکورہ کام کئے ہیں تو اسی میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ اس نے آپؐ کو اپنی ان صفات کا مظہر بنایا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب خداتعالیٰ کسی شخص کے بارہ میں یہ اشارہ دے کر وہ اس کی صفات کا مظہر ہے تو اس سے دو باتیں مراد ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے ذریعہ خداتعالیٰ کی ان صفات کی جن کا وہ مظہر بنایا گیا کھلی کھلی جلوہ نمائی ہوگی۔ اور دوسری بات یہ کہ خود اس شخص پر ان صفات کا رنگ چڑھایا گیا ہے اور جہاں تک انسان سے ممکن ہے وہ صفات

اس کی ذات سے بھی ظاہر ہوں گی۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ خدا اس میں سے ہوکر ظاہر ہوگا۔ پس ربُّ النَّاس کا تعلق چونکہ تمام نوع انسان کی ربوبیت سے ہے اور انبیاء ربوبیت روحانی ہی کے لئے آتے ہیں اس لئے یہ اشارہ کرکے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو صفت ربُّ النَّاس کا مظہر بنایا گیا ہے خداتعالیٰ نے ایک تو یہ بتایا کہ اس نے آپؐ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا ہے اور ہر قوم وملّت اور ہر زمانہ کے لوگوں کی ربوبیت روحانی کی استعداد اور اس کا سامان دیا ہے یعنی قرآن جو آپؐ پر نازل ہؤا ان سب کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے والا ہے (دوسری جگہ فرمایا:- وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَّنَذِیْراً۔ سباء۳۴:۲۹) اور دوسرے یہ بتایا کہ اس نے آپ کی ذات پر صفت ربُّ النّاس کا رنگ چڑھایا ہے یعنی دنیا دیکھے گی کہ آپؐ فطری جوش کے ساتھ ہر شخص کی خواہ وہ عرب کا ہو یا عجم کا گورا ہو یا کالا غریب ہو یہ امیر اپنا ہو یا پرایا ربوبیت فرمانے والے ہیں اور کوئی بھی انسان ہو اس کے لئے اسی طرح سچی ہمدردی وخیر خواہی رکھتے ہیں جیسی ربُّ النَّاس رکھتا ہے۔

اسی طرح یہ اشارہ فرما کر کہ اس نے آپؐ کو اپنی صفت مَلِکِ النَّاس کا بھی مظہر بنایا ہے خداتعالیٰ نے ایک تو یہ بتایا کہ آپؐ کے ذریعہ تمام دنیا کے انسانوں یعنی ان کی اکثریت کے دلوں پر خدا تعالیٰ کی حکومت قائم ہوگی اور دوسرے یہ بتایا کہ ایک دن آئے گا کہ خود آپؐ بھی تمام انسانوں کے (یعنی ان میں سے جو واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں ان کے) دلوں پر راج کریں گے۔ اور چونکہ بادشاہت کی شرط حکم وعدل ہونا ہے اسی میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ اس نے آپؐ کو ساری دنیا کے لئے حکم وعدل بنا کر بھیجا ہے یعنی اس لئے بھیجا ہے کہ آپؐ تمام مذاہبِ عالم کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کریں اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس مَلِکِ النَّاسِ کے بعد ہے اِلٰہِ النَّاسِ لفظ اِلٰہ کے جو معانی اہل لغت اور بزرگوں نے کئے ہیں ان کی رو سے اِلٰـہ وہ ہستی ہے جو معبود ،مطلوب،مقصود ہو۔ جس کی صفات میں غور انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دے۔ جو تمام اشیاء کی محبوب ہو اور ہر چیز اس کی تسبیح کرے جو ظاہراً بھی آنکھوں سے اوجھل ہو اور اس کا مرتبہ بھی اتنا بلند ہو کہ احاطہ ادراک میں نہ آسکے۔

پس خداتعالیٰ نے جو یہ اشارہ فرمایا کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی صفت اِلٰہ النَّاس

کا بھی مظہر بنایا ہے تو مظہر بنانے سے جو دو باتیں مراد ہوتی ہیں پہلی یہ کہ اس کے ذریعہ خداتعالیٰ اپنی صفات ظاہر کرے گا اور دوسری یہ کہ خود اس مظہر سے خداتعالیٰ کی صفات ظاہر ہوں گی ان میں سے پہلی بات کی رو سے اس میں یہ بتایا کہ آپؐ کے ذریعہ خداتعالیٰ کی جملہ صفات حسنہ کی ایسی کھلی کھلی جلوہ نمائی ہوگی جیسی پہلے کسی اور کے ذریعہ نہیں ہوئی اور ایک دن تمام بنی نوع انسان یعنی ان کی اکثریت ماننے لگے گی کہ ان سب کا معبود وہی ایک ہے یعنی اللہ کوئی دوسرا نہیں۔ اور دوسری بات کی رو سے یہ بتایا کہ اس نے آپؐ پر اپنی پہلی دو صفات کی طرح صفت **اِلٰہ النَّاس** کا رنگ بھی چڑھایا ہے یعنی اس صفت کی جلوہ نمائی خود آپؐ کی ذات سے بھی ہوگی۔ یعنی جس طرح عباداللہ اللہ کی کامل اتباع کرتے اور اس کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح آپؐ کے غلام آپؐ کی بھی کامل اتباع اور آپؐ کا بھی حد درجہ احترام کریں گے۔

لفظ **اِلٰــــہ** کے دوسرے معنے اس ہستی کے ہیں جو نظر نہ آئے یا جس کا مقام حدِّ ادراک سے باہر ہو۔ پس دوسری بات یہ بتائی کہ خداتعالیٰ کی طرح بعض دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ بھی لوگوں کو نظر نہیں آئیں گے چنانچہ ہجرت کے وقت آپؐ اپنے ان دشمنوں کے سامنے سے نکل کر چلے گئے جو آپؐ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور آپؐ ان کو نظر نہیں آئے۔ رہا آپؐ کے مقام بلند کا ادراک نہ ہوسکنا تو اسکے بارہ میں یہ ایک آیت ہی کافی ہے کہ **يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ**۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

> ”میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبیؐ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔“ (حقیقۃ الوحی)

تیسری بات یہ بتائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرنا انسان کو محو حیرت کر دیتا ہے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات میں بھی انسان جتنا غور کرے گا اتنا ہی ورطہ حیرت میں ڈوبتا چلا جائے گا۔

چوتھی بات یہ بتائی کہ جس طرح اِلٰہ حقیقی یعنی اللہ **جَلَّ شَانُهٗ** ہر شے کا محبوب ہے اور ہر شے اس کی تسبیح کرتی ہے (اگرچہ ان کی تسبیح کو لوگ نہ سمجھیں یا وہ خود بھی نہ سمجھیں) اسی طرح ہر شے محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی محبت کرتی ہے یا کرے گی اور آپؐ کی ثنا گو ہوگی۔ یہ اس لئے

فرمایا کہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جب خداتعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو فرشتوں کو بھی حکم فرماتا ہے کہ اس سے محبت کریں اور اس کی پاکیزگی بیان کریں اور جب فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں تو دنیا کی ہر شہ بوجہ ان کے تابع ہونے کے اس سے محبت کرنے لگ جاتی ہے یعنی اس شخص کی صفات ہرشے کا آئیڈیل بن جاتی ہیں اور وہ جانے نہ جانے اس سے محبت کرتی ہے۔ اور اس کے مقاصد کی تکمیل میں لگ جاتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ایک طرف تو خداتعالیٰ نے اس سورۃ میں یہ اشارہ فرمایا کہ اس نے ساری دنیا کے انسانوں کی ربوبیت روحانی کرنے۔ ساری دنیا میں اپنی بادشاہت قائم کرنے اور سب لوگوں پر اپنا **اِلٰـہ النَّاس** ہونا ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ یہ سب کام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ہوں یعنی اس نے حضورؐ کو اپنی ان تینوں صفات **ربُّ النَّاس مَلِک النَّاس** اور **اِلٰہ النَّاس** کا (جن میں باقی سب صفات آجاتی ہیں) مظہر بنایا ہے اور دوسری طرف اس نے اس سورۃ کو قرآن کریم کے آخر میں سورۃ الاخلاص اور سورۃ الفلق کے بعد رکھا۔ جن میں سے پہلی سورۃ سے اشارہ ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں خدا کا بیٹا بنانے والوں کا فتنہ زوروں پر ہوگا اور دوسری سورۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے پہلے دورِ ترقّی کے بعد ایک دور تنزّل کا بھی آنے والا ہے جس کے بعد اسلام دوبارہ ترقّی کرے گا۔ لہٰذا اس سورۃ کو اس موقع پر رکھ کر یہ اشارہ کیا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا کاموں کی تکمیل آخری زمانہ میں ہوگی جو آپؐ کے دوسرے بعث کا زمانہ ہے اور جس کی طرف سورۃ الجمعہ میں بھی اشارہ ہے اور جو خود حضورؐ کے دیئے ہوئے اشارات کے مطابق ایک فارسی الاصل شخص (مہدی مسعود المسیح الموعودؑ) کی صورت میں ہونے والا تھا۔ لہٰذا اس میں شبہ نہیں کہ اس سورۃ میں مسیح موعودؑ کے ظہور کی خبر دی گئی۔ اور بتایا گیا کہ خداتعالیٰ کے **رَب النّـاس، مَلِک النَّاس** اور **اِلٰـه النّـاس** ہونا منوانے کے مذکورہ بالا تینوں کام جو دراصل خداتعالیٰ کے اپنے کام ہیں لیکن اس کی حکمت نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ان کے کردانے کا فیصلہ فرمایا اور اس غرض کے لئے آپؐ کو اپنی ان تینوں صفات کا مظہر بنایا ہے اگرچہ ایک حدتک آنحضورؐ کے حینِ حیات ہی میں ہوجائیں گے مگر ان کی تکمیل آپؐ کا بروز بن کر آنے والے شخص مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوگی اور وہ بھی آپؐ کی نیابت میں خداتعالیٰ کی ان تین صفات کا مظہر

ہوکر آئے گا۔ پس اس میں تین باتیں بتائیں :-

نمبر۱ یہ کہ مسیح موعودؑ کسی ایک قوم یا ملک کی ربوبیت روحانی کے لئے نہیں آئے گا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح تمام بنی نوع انسان کی ربوبیت کے لئے آئے گا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ مختص القوم مجدّد نہیں ہوگا بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے مجدّد ہوگا اور تمام بنی نوع انسان کی ہمدردی اس کے دل میں یکساں طور پر پائی جائے گی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نیابت میں آپؑ کو بھی الہام ہؤا کہ **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ**۔ نیز یہ الہام بھی ہؤا۔ **كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ** (تذکرہ ۸٦۰)

نمبر۲ یہ کہ آنحضورؐ کی طرح وہ بھی ساری دنیا کے لئے حکم وعدل ہو کر آئے گا یعنی اس لئے آئے گا کہ تمام مذاہب عالم کے اختلافات کا فیصلہ کرے اور ساری دنیا کو عدل وانصاف سے بھرے اور اس کے ذریعہ ساری دنیا پر خداتعالیٰ کی بادشاہت مانی جائے اور وہ خود بھی ساری دنیا کے دلوں پر حکومت کرے اور

نمبر۳ یہ کہ اس کے آنے سے بھی خداتعالیٰ **اِلٰهِ النَّاس** کے طور پر پہچانا جائے گا یعنی دنیا یومًا فیومًا خدا کا بیٹا ہونے کے مسیحی عقیدہ اور دوسری تمام اقسام شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید الٰہی کے نور کی طرف آئے گی۔ یہاں تک کہ تمام انسانوں کا یعنی ان کی بھاری اکثریت کا ایک ہی رب ہوگا اور ایک ہی بادشاہ اور ایک ہی معبود یعنی اللہ جل شانہٗ اور پھر یہی نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح آپؑ کی نیابت میں خودوہ بھی ان صفات الٰہیہ کا مظہر ہوگا۔

===============

یہ بتایا جانا کہ آخری زمانہ میں جو مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے دجال اسلام کے خلاف کس کس طرح وسوسہ اندازی کرے گا

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا اس سورۃ کا آخری زمانہ سے جو خنّاس کے بڑے مظہر ودجّال کے خروج اور غلبہ کا زمانہ ہے خاص تعلق ہے اور قتلِ دجّال کے لئے مہدی موعودؑ کا ظہور بھی اسی زمانہ میں ہونے والا تھا۔ پس اس میں جو **رَبّ النَّاس مَلِک النَّاس** اور **اِلٰه النَّاس** کی پناہ مانگنے کا ارشاد ہؤا تو اس میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ دجال لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی

کرکے انہیں خداتعالیٰ کی ان صفات سے بدظن کرے گا اور اس سے دور لے جانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں دجال کے جو دو بڑے گروہ ہیں ان دونوں نے فرعون کی طرح (جس نے کہا تھا کہ **اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی** اور اسی طرح یہ کہا تھا کہ **مَاعَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِی**) لوگوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ ربُّ النَّاس بھی ہم ہیں۔ ملک النَّاس بھی ہم ہیں اور **اِلٰہ النَّاس** بھی عملاً ہم ہی ہیں۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ اپنی اقتصادی ضروریات کے لئے بھی ہماری طرف آؤ۔ عدل وانصاف حاصل کرنے کے لئے بھی ہمارا درکھٹکھٹاؤ اور دلی سکون پانا چاہتے ہو (جو عبادت کی اصل غرض ہے) تو اس کے لئے بھی ہماری ہی طرف رجوع کرو۔ چنانچہ حیف صدحیف کہ اس واضح قرآنی اشارہ کے باوجود مسلم حکومتیں انہی کو اپنا رب ملک اور الٰہ بنائے بیٹھی ہیں۔ یہ لوگ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں آئے دن کوئی نہ کوئی فحش کتاب منظر عام پر لائے ہوتے ہیں۔ خداتعالیٰ کی توحید کے خلاف کھلم کھلا تبلیغ کررہے ہیں اور ہر قسم کا دجل اور فریب بروئے کار لاکر مسلمانوں کو عیسائی یا دہریہ بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں مگر یہ پھر بھی ان کے حکم کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ حتّٰی کہ حرم کا محافظ بھی ان کو بنا رکھا ہے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن**۔

خنّاس چونکہ وہ ہوتا ہے جو چھپ کر وار کرے یا وار کرکے چھپ جائے اسلئے اس خنّاس یعنی گروہ دجال کی وسوسہ اندازی کا ایک طریق یہ ہے کہ اسلام چونکہ خدا تعالیٰ کو **ربُّ النّاس ملک النَّاس اِلٰہ النَّاس** کے طور پر پیش کرتا ہے وہ لوگوں کو اس سے بدظن کرنے کے لئے ایسی باتیں ان کے دلوں میں ڈالتے ہیں جن سے وہ سمجھیں کہ یا تو خدا میں یہ صفات ہیں ہی نہیں اور یا اسلام خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ مثلاً ربوبیت جسمانی کا تعلق چونکہ اقتصادیات سے ہے وہ لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالیں گے کہ اسلام کا اقتصادی نظام ناقص ہے اور ضرورتِ وقت کو پورا نہیں کرتا۔ مثلاً یہ سود سے روکتا ہے حالانکہ اس کے بغیر اقتصادی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح یہ وسوسہ ڈالیں گے کہ اسلام کا نظام حکومت یا نظام عدل درست نہیں۔ مثلاً اسلام نے مرد وعورت میں مساوات نہیں رکھی۔ عورت کی گواہی مرد سے آدھی شمار کی ہے۔ مرد کو کھلا چھوڑا ہے اور عورت کو پردہ کا پابند کیا ہے اسی طرح خدا کے بارہ میں جو اس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ خدا بغیر سزا بھی گناہ بخش سکتا ہے یہ اس کے عدل کے خلاف

ہے اور جب اس طرح لوگوں کو اسلام سے ایک حد تک بدظن کرلیں گے تو پھراس کی توحید کی تعلیم کے بارہ میں وسوسہ ڈالیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مسیحی لوگ یہی کچھ کر رہے ہیں۔

پس اس آخری سورۃ میں یہ اشارات رکھ کر قرآن نے مسلمانوں کو سمجھا دیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایسا دشمن پیدا ہونے والا ہے مگر خداتعالیٰ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کے مقابلہ کے لئے محمد رسول اللہﷺ کو بروزی رنگ میں پھر دُنیا میں لائے گا۔ اور اس بروز کے ذریعہ پھر توحید دُنیا میں قائم ہوگی۔ چنانچہ وہ بروز مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی صورت میں ظاہر ہوچکا اور اس کے ہاتھ سے یہ کام ہورہا ہے۔ کاش کہ سونے والے جاگیں اور اس کے دامن کے ساتھ وابستہ ہوکر حصولِ ثواب کا یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ کیونکہ حضرت مہدی مسعود المسیح الموعودؑ نے کھول کر فرما دیا ہؤا ہے کہ

نمبر۱ میں خدا کے نوروں میں سے آخری نور ہوں۔

نمبر۲ یہ خدمت کا آخری موقع ہے۔

حرف آخر

اب میں اس کتاب کو اس گذارش کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اے بھائیو حضرت مہدی موعودؑ جنکا ذکر قرآن کریم نے اس تفصیل کے ساتھ کیا ہے کوئی معمولی انسان نہیں ۔ آپؑ خدا کا نور ہیں۔ آپؑ آسمان روحانیت کے شمس حضرت محمدﷺ کی روشنی کو پھیلانے والے قمر ہیں۔ آپؑ آنحضرتؐ کے زندہ نبی ہونے کا زندہ ثبوت دینے اور حقیتِ قرآن ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپؑ نے جو کچھ پایا (اور جو پایا اس کے کیا کہنے) وہ سب آنحضورؐ کی اتباع اور غلامی سے پایا اور ہم جو کچھ پائینگے وہ آپؑ کی اتباع اور غلامی سے پائینگے ۔

آپ کی سچی اتباع سے ہم گناہوں کے سیلاب سے جو ساری دنیا پر محیط ہو رہا ہے بچ سکتے اور خدا کا قرب پاسکتے ہیں۔ لیکن یہ ظلم ہوگا کہ ہم یہ دولت پاکر خود تو عیش کریں اور دوسروں کو اس سے محروم رکھیں۔ اگرچہ بعض ممالک کا قانون ہمیں تبلیغ سے روکتا ہے مگر اچھا نمونہ پیش کرنے سے تو وہ بھی نہیں روکتا۔ اور اس سے بہتر تبلیغ کونسی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم وہ نمونہ دکھائیں جسے دیکھ کر لوگ خود بخود کھنچے چلے آئیں ۔ ہماری خدا سے محبت اور مخلوق خدا سے ہمدردی کی مثال نہ ہو اور خدا کے ہم سے دوستانہ سلوک کی مثال بھی ڈھونڈے سے نہ ملے۔ ہم میں اور دوسروں میں ایک کھلا کھلا فرق نظر آئے۔ باہر سے آکر ہم میں شامل ہونے والے خوش ہوں کہ وہ اندھیروں سے نکل کر نورانی ماحول میں آگئے ہیں۔ اور باہر رہ جانے والے حسرت کریں کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے ۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ ؎

ما بہ اِیں مقصدِ عالی نہ توانیم رسید
ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

احقر العباد

(مؤلف)

تتمّہ

قبولیت دعا کے نمونے

اپنی ذات کے لئے دعائیں

آپؑ کی اپنی ذات کے لئے جو دعائیں تھیں وہ سب کی سب خدا تعالیٰ کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تھیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ ’’در دو عالم مرا عزیز توئی   وآں چہ میخوا ہم از تو نیز توئی‘‘

۲۔ ’’ اے خدا میرے دل میں اپنی خاص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما۔ اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہوجائے‘‘

۳۔ ’’مجھے (اپنی) محبت میں محو کردے اور ایسی محبت دے کہ میرے بعد کوئی اس میں بڑھ نہ سکے۔‘‘

یہ دعائیں کس صفائی سے پوری ہوئیں یہ امر اس سے ظاہر ہے کہ آپؑ کو روحانیت کا وہ بلند مقام حاصل ہؤا جو اُمّت محمدیہ میں کسی اور کو حاصل نہیں ہؤا اور خدا تعالیٰ نے آپؑ کو ایسے کلمات محبت سے نوازا کہ کسی اور اُمّتی کو نہیں نوازا مثلاً فرمایا **اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِنّی**۔ اسی طرح فرمایا **اَنْتَ مِنّي بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِی، اَنْتَ مِنِی وَاَنَامِنْکَ اَنْتَ مِنِی بِمَنْزِلَةِ لَا یَعْلَمُهَا الْخَلْقُ**۔

مرض ذیابیطس کی وجہ سے جو آپؑ کو لاحق تھی۔ آنکھوں پر اثر کا بہت اندیشہ ہوتا ہے۔ چونکہ آپؑ کا کام تصانیف سے متعلق تھا اور اس کے لئے آنکھوں کے ٹھیک رہنے کی ضرورت تھی اس اندیشہ کی وجہ سے آپؑ نے دعا کی تو الہام ہؤا:

’’نَزَلَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰی ثَلٰثٍ اَلْعَیْنِ وَعَلَی الْاُخْرَیَیْنِ‘‘

یعنی رحمت تین اعضاء پر نازل ہوگی ایک تو آنکھ اور دو اور عضو۔ اِس جگہ آنکھ کا تذکرہ کردیا لیکن باقی دو اعضاء کی تصریح نہیں فرمائی مگر لوگ کہا کرتے ہیں کہ زندگی کا لطف تین عضو

کے بقا میں ہے۔ آنکھ کان پران اس دعا کی قبولیت اس سے ظاہر ہے کہ ساری عمر آپؑ کو چھوٹے سے چھوٹے نمبر کی عینک تک لگانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ شنوائی بھی ٹھیک رہی اور پران بھی۔

نمبر۳ حضور نے کتاب براہین احمدیہ تالیف کی تو یہ مشکل پیش آئی کہ چھپوائی کے لئے روپیہ نہ تھا حضورؑ نے دعا کی تو پہلے الہام ہؤا " بالفعل نہیں" چنانچہ ایک عرصہ تک اس کا چھپنا معرض التواء میں رہا۔ کچھ عرصہ بعد پھر دل میں دعا کے لئے جوش پیدا ہؤا دعا کرنے پر قرآنی الفاظ ہیں الہام ہؤا:

هُزِّ اِلیکَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَیْکَ رُطَباً جَنِیاً

کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔

چنانچہ حضور نے مالی اعانت کے لئے لوگوں کو تحریک کی تو ایک دو آدمیوں ہی کی طرف سے اتنا روپیہ آ گیا کہ کتاب چھپ گئی۔ تفصیل کیلئے دیکھیں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵۰)

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

اپنوں کے حق میں دعائیں

حضورؑ کے اپنوں میں سے ہم پہلے اولاد کا ذکر کرتے ہیں اولاد کے لئے آپؑ کی دعائیں بھی اس لئے تھیں کہ وہ متقی بنیں خادم دین ہوں اور خدا کی رضا حاصل کریں۔ چند دعائیں ملاحظہ ہوں

نمبر۱

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین ودولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزّت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
شیطاں سے دور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پُر زنور رکھیو دل پُر سرور رکھیو
ان پہ میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

اے میرے دل کے پیارے اے مہربان ہمارے
کر ان کے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے
یہ فضل کر کہ ہو وین نیک و گہر یہ سارے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے میری جان کے جانی اے شاہ دو جہانی
کر ایسی مہربانی ان کا نہ ہووے ثانی
دے بخت جاودانی اور فیض آسمانی
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اہل وقار ہوویں فخرِ دیار ہوویں
حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
با برگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

یہ ساری دعائیں بھی قبول ہوئیں۔ خداتعالیٰ نے آپ کی اولاد کے بارہ میں آپ کو پہلے بڑی بڑی بشارتیں دیں اور پھر ایک دنیا نے دیکھا کہ وہ سب کے سب متقی اور دین کے خادم ہوئے اور آسمان روحانیت پر ستارے بن کر چمکے۔

نمبر۲ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ آپؑ کے برادرِ نسبتی اور سلسلہ احمدیہ کے معروف بزرگوں اور جید علماء میں سے تھے۔ ان کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوگئے تیز بخار کیساتھ بُنِ ران میں گلٹیاں نکل آئیں اور یقین ہوگیا کہ طاعون ہے۔ حضورؑ نے ان کیلئے دعا کی تو عین دعا کرتے ہوئے الہام ہؤا

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ

یعنی تیری دعا قبول ہوگئی اور ربِّ رحیم نے بچّے کی سلامتی کی بشارت دی ہے چنانچہ اس کے بعد حضرت میر صاحب بالکل خلافِ توقع صحت یاب ہوگئے۔ اس کے بعد چالیس سال زندہ رہ کر اسلام کی شاندار خدمات بجالاکر اور بہت سی نیکیوں کا بیج بو کر پچپن سال کی عمر میں خدا کو پیارے ہوئے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جب ان کی رحلت کا وقت آیا اور ان پر سورۃ یٰسٓ

پڑھی جارہی تھی تو عین اس وقت جب پڑھنے والے نے یہ الفاظ پڑھے کہ **سَلَامٌ قَولًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیمٍ** تو آپ نے آخری سانس لیا۔ (آئینہ جمال بحوالہ بدر ۱۱ مئی و الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۵ء)

نمبر۳ حضورؑ کے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی آنکھیں بچپن میں خراب ہوگئی تھیں۔ پلکیں گر گئی تھیں اور پانی بہتا رہتا تھا۔ کئی سال انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا مگر فائدہ نہیں ہؤا آخر حضورؑ نے دعا کی تو الہام ہؤا **بَرَّقَ طِفْلِیْ بَشِیْرٌ** یعنی میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ اس الہام کے بعد ایک ہفتہ میں ان کی آنکھیں بالکل تندرست ہوگئیں۔ (نزول المسیح صفحہ ۲۳۰)

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

غیروں کے حق میں مستجاب دعاؤں کا نمونہ

نمبر۱ سرگرم آریہ ملاوا مل مرض دق میں مبتلا ہوگیا بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا تھا وہ حضورؑ کے پاس آیا اور اپنی زندگی سے ناامید ہوکر بیقراری سے رویا حضورؑ نے اس کے حق میں دعا کی تو خداتعالیٰ کی طرف سے جواب ملا **قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا** یعنی اے تپ کی آگ سرد اور سلامتی ہوجا۔ یہ الہام اس کو اور کئی اور آدمیوں کو سنایا گیا چنانچہ بعد اس کے اسی ہفتہ میں وہ ہندو اچھا ہوگیا۔ (نزول المسیح صفحہ ۵۳۸)

نمبر۲ منشی عطاء محمد پٹواری بیان کرتے ہیں کہ ان کے حلقہ کے کچھ احمدی ان کو تبلیغ کرتے تو وہ متوجہ نہیں ہوتے تھے بالآخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے کہا میں تمہارے مرزا کو خط لکھ کر ایک بات کے متعلق دعا کراتا ہوں اگر میرا وہ کام ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ وہ سچّے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ مسیح موعود اور ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ولیوں کی دعائیں قبول ہؤا کرتی ہیں میری اس وقت تین بیویاں ہیں اور باوجود اس کے کہ میری شادی پر بارہ سال گزر چکے ہیں ان تینوں میں سے کوئی اولاد نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری سب سے بڑی بیوی سے خوبصورت اور صاحبِ اقبال لڑکا پیدا ہو۔ آپ اس کے لئے دعا کریں۔

اس خط کے جواب میں مجھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کی طرف سے لکھا کہ حضور فرماتے ہیں کہ:-

''آپ کے لئے دعا کی گئی۔ خداتعالیٰ آپ کو خوبصورت اور صاحب اقبال لڑکا عطا کرے گا اور اُسی بیوی سے عطا کرے گا جس سے آپ کو خواہش ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ زکرِیا والی توبہ کریں۔''

اس دعا پر چار پانچ ماہ گزرے ہوں گے کہ ان کی اسی بیوی کو حمل ہوگیا اور اسی حمل سے لڑکا ہوُا۔ یہ لڑکا خوبصورت بھی ہوُا صاحبِ اقبال بھی یعنی معمولی پٹواری کے گھر پیدا ہونے کے باوجود ایگزیکٹو انجینئر بنا اور صاحب عمر بھی ہوُا۔

=-=-=-=-=-=--*=-=-=-=-=-=-*

دوستوں کے حق میں دعاؤں کا نمونہ

آپؑ کے ایک مخلص مرید حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی زوجہ بیمار ہوگئیں انہوں نے آکر دعا کے لئے عرض کیا۔ آپؑ نے فرمایا دس رتی ہینگ دے دو۔ اور گھنٹہ کے بعد اطلاع کرنا۔ گھنٹہ کے بعد انہوں نے اطلاع دی کہ افاقہ نہیں ہوُا۔ حضورؑ نے فرمایا دس رتی کونین دے دو۔ اور گھنٹے کے بعد اطلاع دینا۔ گھنٹے کے بعد پھر اطلاع دی گئی کہ حالت خراب ہے حضورؑ نے فرمایا دس رتی مشک دے دو اور گھنٹہ کے بعد اطلاع دینا اور مشک اپنے پاس سے دیا پھر ویسی ہی اطلاع ملی تو آپؑ نے فرمایا دس تولہ کسٹرائیل دے دو۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوڑتے ہوئے آئے کہ اب تو حالت بہت ہی بگڑ گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:-

''جتنی ظاہری کوشش ہوسکتی تھی ہم نے کر لی ہے اب میں سجدہ سے اس وقت سر اٹھاؤں گا جب وہ اچھی ہو جائے گی۔''

کیا ایسے وقت میں جب مریضہ کی حالت تدریجاً موت کی طرف جارہی ہو یہ بات کہنا سوائے اس کے جسے اپنے رب کی دوستی پر ناز ہو اور یقین ہو کہ وہ اس کی سنے گا کسی اور کے لئے ممکن ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا ایمان بھی دیکھئے کہ وہ الگ کمرہ میں جا کر سو رہے کہ ''اب وہ جانے اور اس کا خدا۔ مجھے اب کیا فکر ہے۔''

صبح اٹھے تو بیوی برتن درست کررہی تھیں۔ **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔**

نمبر۳ قادیان میں ایک لڑکا حیدر آباد دکن سے تعلیم کے لئے آیا تھا۔ اُس کا نام

عبدالکریم تھا اور وہ نیک اور شریف لڑکا تھا۔ اتفاق سے اُسے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں دیوانے کُتّے نے کاٹ لیا۔ چونکہ انبیاء کرام کی سنّت کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کا یہ طریق تھا کہ دُعا کے ساتھ ساتھ ظاہر تدبیر بھی اختیار فرماتے تھے اور بعض نام نہاد صوفیوں کی طرح جھوٹے توکّل کے قائل نہیں تھے۔ آپ نے اُس لڑکے کو کسولی پہاڑ پر علاج کے لئے بھجوایا۔ اور وہ اپنے علاج کا کورس پورا کرکے قادیان واپس آگیا اور بظاہر اچھا ہوگیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اُس میں اچانک مخصوص بیماری یعنی ہائیڈروفوبیا (Hydrophobia) کے آثار پیدا ہوگئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اُس کے لئے دُعا فرمائی اور ساتھ ہی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر کو حکم دیا کہ کسولی کے ڈاکٹر کو تار دے کر عبدالکریم کی حالت بتائی جائے اور علاج کے متعلق مشورہ پوچھا جائے۔ کسولی سے تار کے ذریعہ جواب آیا کہ:-

Sorry, Nothing can be done for Abdul Karim

''یعنی افسوس ہے کہ بیماری کے حملہ کے بعد عبدالکریم کا کوئی علاج نہیں۔''

اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

''اُن کے پاس علاج نہیں۔ مگر خدا کے پاس تو علاج ہے۔''

چنانچہ حضور نے بڑے درد کے ساتھ اُس بچّے کی شفایابی کے لئے دُعا فرمائی اور ظاہری علاج کے طور پر خدائی القاء کے ماتحت کچھ دوا بھی دی۔ خدا کی قدرت سے یہ بچّہ حضور کی دعا سے بالکل تندرست ہوگیا یا یوں کہو کہ مُردہ زندہ ہوگیا اور اسکے بعد وہ کافی لمبی عمر پاکر فوت ہوا۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۸)

نمبر۳ ایک دفعہ کا ذکر ہے کپورتھلہ کے بعض غیر احمدی مخالفوں نے کپورتھلہ کی احمدیہ مسجد پر قبضہ کرکے مقامی احمدیوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر یہ مقدمہ عدالت میں پہنچا اور کافی دیر تک چلتا رہا۔ کپورتھلہ کے دوست بہت فکرمند تھے اور گھبرا گھبرا کر حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کرتے تھے۔ آپؑ نے اُن دوستوں کے فکر اور اخلاص سے متاثر ہوکر ایک دن اُن کی دعا کی درخواست پر غیرت کے ساتھ فرمایا:

''گھبراؤ نہیں۔ اگر میں سچّا ہوں تو یہ مسجد تمہیں مل کر رہے گی۔''

(''اصحاب احمد'' جلد۴)

مگر عدالت کی نیّت خراب تھی اور جج کا رویّہ بدستور مخالفانہ رہا۔ آخر اُس نے عدالت میں برملا کہہ دیا کہ ’’تم لوگوں نے نیا مذہب نکالا ہے اب مسجد بھی تمہیں نئی بنانی پڑے گی اور ہم اسی کے مطابق فیصلہ دیں گے۔‘‘ مگر ابھی اُس نے فیصلہ لکھا نہیں تھا اور خیال تھا کہ عدالت میں جا کر لکھوں گا۔ اُس وقت اُس نے اپنی کوٹھی کے برآمدہ میں بیٹھ کر نوکر سے بوٹ پہنانے کو کہا۔ نوکر بوٹ پہنا ہی رہا تھا کہ جج پر اچانک دل کا حملہ ہوُا اور وہ چند لمحوں میں ہی اس حملہ میں ختم ہوگیا۔ اُس کی جگہ جو دوسرا جج آیا اُس نے مسل دیکھ کر احمدیوں کو حق پر پایا اور مسجد احمدیوں کو دلادی۔ **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ**

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

دشمنوں کے بارہ میں مستجاب دعاؤں کا نمونہ

(ا) پنڈت لیکھرام کی موت کے متعلق پیشگوئی

پنڈت لیکھرام ایک بہت ہی بد زبان اور شوخ طبیعت آریہ تھا۔ یہ حضرت اقدس سے بار بار نشان طلب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میری طرف سے میرے حق میں جو پیشگوئی چاہو شائع کردو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے جب اُس کے متعلق دُعا کی تو الہام ہوُا:۔

عِجْلٌ جَسَدٌ لَّهٗ خُوَارٌ
لَهٗ نَصَبٌ وَّ عَذَابٌ

یعنی ’’یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض سزا اور رنج اور عذاب مقدّر ہے جو ضرور اس کو مل رہے گا۔‘‘

اس الہام کے بعد ۲۰ فروری ۹۳ء کو جب حضرت اقدس نے اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کیا کہ

’’آج کی تاریخ سے جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بد زبانیوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں

کی ہیں۔ عذابِ شدید میں مبتلا ہوجائے گا۔‘‘

پھر آپؑ نے اپنی کتاب کراماتُ الصَّادِقین میں جس کا سن تصنیف ۱۸۹۳ء ہے لکھا۔

وَبَشَّـــرَنِـــیْ رَبِـــیّ وَقَـــالَ مُبَشِّـــرًا
سَتَـعْـرِفُ یَـوْمَ الْـعِیْـدِ وَالْـعِیْـدُ اَقْـرَبُ

یعنی ’’مجھے لیکھرام کی موت کی نسبت خدا نے بشارت دی اور کہا کہ عنقریب تو اس عید کے دن کو پہچان لے گا اور اصل عید کا دن بھی اس عید کے قریب ہوگا۔

حضرت اقدسؑ کو ایک الہام میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یُـقْـضٰی اَمْرُہٗ فِی سِتٍّ یعنی پنڈت لیکھرام کا معاملہ چھ سال میں ختم کردیا جائے گا ۔ چنانچہ اس کے بعد پانچویں سال پنڈت مذکور عید الفطر کے دوسرے دن چھ مارچ ۱۸۹۷ء شام کے چھ بجے پیشگوئی کے مطابق قتل کیا گیا۔ اور اس طرح سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا واقعی قبول ہوگئی تھی اور جو پیشگوئی آپ نے اس کے بارہ میں کی وہ واقعی من جانب اللہ تھی۔

=-=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=-=*

(۲) ڈوئی کی ہلاکت

امریکہ میں ایک شخص الگزینڈرا ڈوئی نامی تھا۔ جو پیغمبر ہونے کا دعویدار تھا۔ اس نے ایک شہر سیہون آباد کررکھا تھا اور اس کا اپنا اخبار لِیوز آف ہیلنگ بھی نکلتا تھا اور ان وجوہ سے وہ نہایت درجہ شہرت یافتہ تھا ۔ یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کے جلد مٹ جانے کی پیشگوئیاں کیا کرتا تھا۔ اس پر حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اسے مباہلہ کا چیلنج دیا اور ایک اشتہار میں لکھا کہ ’’اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کے مارنے کی حاجت نہیں۔ ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہوجائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا (یعنی مسیح) سچا خدا ہے یا ہمارا خدا ۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سناویں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے۔‘‘

(حیات طیبہ صفحہ ۳۳۴)

ڈوئی نے اس کا جواب نہیں دیا مگر امریکہ کے اخباروں نے اس تجویز کو سراہا چنانچہ اخبار رگونانٹ سان فرانسکو نے اپنی یکم دسمبر ۱۹۰۲ کی اشاعت میں بعنوان ’’انگریزی وعربی (یعنی

عیسائیت اور اسلام) کا مقابلہ دعا'' لکھا کہ

''مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو ڈوئی کو لکھا ہے یہ ہے کہ تم ایک جماعت کے لیڈر ہو۔ اور میرے بھی بہت سے پیرو ہیں۔ پس اس بات کا فیصلہ کہ خدا کی طرف سے کون ہے ہم میں اس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے یہ دعا کرے اور جس کی دعا قبول ہو وہ سچے خدا کی طرف سے سمجھا جاوے۔ دعا یہ ہوگی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اُسے پہلے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔''

حضرت اقدس اس کا اخبار منگواتے تھے اور دیکھتے تھے کہ وہ اسلام کی عداوت میں برابر ترقی کرتا چلا جارہا ہے۔ اس پر آپ نے ۱۹۰۳ء میں بھی ایک چٹھی کے ذریعہ اس مباہلہ کے چیلنج کو جو پہلے اسے دے چکے تھے دہرایا چنانچہ آپ نے لکھا:-

''میں عمر میں ستّر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے لیکن میں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ خدا جو احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا اور اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا .... تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔''

جو چٹھی حضور اسے بھیجتے تھے چونکہ اس کی نقلیں امریکہ کے انگریزی اخبارات کو بھی بھجواتے تھے۔ اس لئے ۱۹۰۳ء میں کثرت کے ساتھ اخبارات نے حضرت اقدس کے اس چیلنج کا ذکر کیا چنانچہ بتیس اخبارات کے مضامین کا خلاصہ تو حضرت اقدس نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۰ تا ۷۲ کے حاشیہ میں درج فرمایا ہے۔ جب لوگوں نے اسے بہت تنگ کیا اور اصرار کے ساتھ اس سے اس مباہلہ کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے کہا تو ستمبر اور دسمبر ۱۹۰۳ء کے بعض پرچوں میں اُس نے لکھا کہ:-

''ہندوستان میں ایک بیوقوف محمدی مسیح ہے جو مجھے بار بار لکھتا ہے کہ مسیح یسوع کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو اس کا جواب کیوں نہیں دیتا مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دُوں گا۔ اگر میں ان پر اپنا پاؤں رکھوں تو اُن کو کچل کر مار ڈالوں گا۔''

حضرت اقدس کو جب اس کی اس گستاخی و بے ادبی اور شوخی وشرارت کی اطلاع ملی تو

آپؑ نے خداتعالیٰ کے حضور اس فیصلہ میں کامیابی کے حصول کے لئے زیادہ زور سے دعائیں کرنا شروع کردیں۔ اس دوران میں وہ امریکہ یورپ اور آسٹریلیا میں بہت شہرت ناموری اور عزّت حاصل کرچکا تھا۔ اور چونکہ وہ خوب تنومند تھا۔ اس لئے بھرے جلسوں میں اکثر اپنی شاندار صحت پر فخر بھی کرتا تھا۔ ممکن ہے وہ خوش ہوتا ہو کہ میں دن بدن عروج پکڑتا جارہا ہوں۔ مگر حضرت اقدس کا خدا اسے تمام دنیا میں مشہور کرنے کے بعد اس بُری طرح سے ذلیل کرنا چاہتا تھا کہ جس سے دنیا عبرت پکڑے اور اسے پتہ لگ جائے کہ خدا کے ماموروں کے مقابلہ میں آنے والی بڑی سے بڑی شخصیتوں کا کیا حشر ہوتا ہے؟

اب دیکھئے ان دعاؤں کا کیا اثر ہوٗا۔

مسٹر ڈوئی چونکہ ایک عیاش آدمی تھا اور صیحون کا شہر بھی اس نے اپنے مریدوں سے قرضے حاصل کرکے آباد کیا تھا۔ اس لئے ایک طرف تو شہر کی رونق میں کمی آنے لگی اور دوسری طرف جو سرمایہ جمع تھا وہ ڈوئی کی عیاشیوں میں خرچ ہونے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسٹر ڈوئی کا وقار کم ہونا شروع ہوگیا۔ اس مہلک مالی بُحران کو دُور کرنے کے لئے ڈوئی نے میکسیکو میں ایک زمین خریدنے کا ارادہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ایک دفعہ یہ زمین خرید لی گئی تو صیحون کی ساری مالی مشکلات دور ہوجائیں گی۔ چنانچہ اس زمین کی خرید کیلئے اپنے صیحونی مریدوں سے قرضہ حاصل کرنا چاہا اور اس غرض سے ستمبر ۱۹۰۵ء کی آخری اتوار کو نیویارک میں ایک غیر معمولی جلسہ کا اعلان کیا۔ اس جلسہ کی تیاری بڑے اہتمام سے کی گئی جب ڈوئی اپنے زرق برق لباس میں جس کو وہ اپنا پیغمبری لباس کہا کرتا تھا ملبوس ہوکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تو تمام مجمع کی نگاہیں اس انتظار میں اس پر جم گئیں کہ دیکھیں مسٹر جان الگزینڈر ڈوئی کیا اعلان فرماتے ہیں۔

مسٹر نیوکومب نے جو مسٹر ڈوئی کا سوانح نگار ہے لکھا ہے۔

ڈوئی اس روز اپنی فصاحت کے معراج پر تھا۔ وعظ کے بعد LORD'S SUPPER کی تقریب تھی۔ جس کے بعد ڈوئی سفید لباس پہن کر پھر اپنے مریدوں کے سامنے آیا۔ پہلے دعائیہ ترانہ گایا گیا۔ بائیبل سے بعض آیات کی تلاوت کے بعد مسیح کا خون اور گوشت، روٹی اور شراب کی صورت میں خاص لباس میں ملبوس نائبین کے ذریعے سے تمام حاضر الوقت ارادت کیشوں مین تقسیم کیا گیا۔ اب اصل تقریب قریب التکمیل تھی۔ ڈوئی کو صرف چند اختتامی الفاظ کہنا

تھے جس کے بعد جلسہ برخواست ہوجانا تھا۔ ان آخری الفاظ کیلئے لوگ توجہ کے ساتھ منتظر تھے۔

اچانک ڈوئی نے اپنے دائیں ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا۔ جیسے کہ کوئی گندہ کیڑا اس کے بازو کو آچمٹا ہو۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کو زور زور سے کرسی کے بازو پر مارا۔ لوگ اس غیر معمولی حرکت سے کچھ حیران سے ہوگئے۔

ڈوئی کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ گرنے ہی لگا تھا کہ اس کے دو مریدوں نے اسے سہارا دیا اور گھسیٹتے ہوئے اسے ہال سے باہر لے گئے۔''

غرض ڈوئی پر عین اس وقت فالج کا حملہ ہؤا جب کہ صیحون شہر کے مالی بحران کو ختم کرنے کے لئے میکسیکو میں جائیداد خریدنے کی سکیم اپنے پورے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ بقیہ عمر طرح طرح کی ذلتوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھتا رہا اور بالآخر حسرت کے ساتھ اسی بیماری سے مر گیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں حیات طیبہ صفحات ۳۳۶ تا ۳۴۰)

نمبر۳ سعد اللہ لدھیانوی ایک شخص تھا جو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو گندی گالیاں نکالا کرتا تھا اور آپ کی ہلاکت ونامرادی کا بدِل خواہاں تھا۔ حضورؑ کے حق میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین اس کا ورد تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپؑ اس کی زندگی میں ہلاک ہوجائیں آپؑ کا سلسلہ زوال پذیر ہو اور آپؑ جھوٹے ٹھہریں۔ پس ان تمام امور کے باعث حضورؑ نے اس کے بارے میں یہ دعا کی کہ آپؑ کی زندگی میں اسے نامرادی اور ذلّت کی موت نصیب ہو چنانچہ حضورؑ کو اس کے بارہ میں الہام ہؤا **اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَر** یقیناً تیرا دشمن جو تیرے ابتر رہنے کی دعائیں مانگتا ہے وہی ابتر رہے گا۔ جو اولاد اس کے ہاں پہلے ہوچکی تھی وہ تو پہلے ہی مر بھی چکی تھی مگر اس الہام کے وقت ایک ۱۲ سال کا لڑکا اس کا موجود تھا۔ چونکہ ابتر اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا نہ رہے یا بیٹے کا بیٹا نہ ہو اور مذکورہ لڑکا اسوقت موجود تھا اس لئے جب حضور نے اپنی ایک کتاب حقیقۃ الوحی کے مسودہ میں سعد اللہ کے بارہ میں ابتر رہنے کی پیشگوئی لکھی اور آپؑ کے ایک مرید وکیل خواجہ کمال الدین صاحب کو کسی نہ کسی طرح اس کا علم ہوگیا تو انہوں نے حاضر خدمت ہوکر یہ بات شائع نہ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر وہ لوگ مقدمہ کردیں تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ مگر حضورؑ نے یہ کہہ کر یہ مشورہ ماننے سے انکار کردیا کہ ''خواجہ صاحب اگر انہوں نے مقدمہ کیا تو ہم آپ کو وکیل نہیں کریں گے۔''

یہ سعد اللہ تو حضرت کی نامرادی وبربادی چاہتا تھا۔ یہ چاہتا تھا آپؑ کا سلسلہ تباہ ہوجائے اور آپؑ بے اولاد مریں اور اس نے اپنی کتاب ''شہاب ثاقب بر مسیح کاذب'' میں اس بارہ میں ایک پیشگوئی بھی شائع کر رکھی تھی لیکن اس الہام کے بعد خداتعالیٰ نے آپ کو تو تین بیٹے دئے۔ عزّت کے ساتھ شہرت دی اور بہت سی مالی فتوحات نصیب کیں اور ہزارہا لوگوں کی گردنیں آپؑ کے سامنے جھکا دیں۔ آپؑ اس کی آنکھوں کے سامنے ترقّی پر ترقّی کرتے چلے گئے لیکن وہ طاعون کی ایک قسم میں مبتلا ہوکر آپؑ کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا اور اس کی قطع نسل بھی ہوگئ۔ یعنی اس کے بیٹے کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ ہوسکی۔

اُوپر کے صفحات میں ہم نے ایک پٹواری کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت علیہ السلام کی دعا سے (جس کی قبولیت کی اطلاع آپکو پہلے سے دے دی گئی تھی) اس کے گھر اس کی حسبِ منشاء اس کی تین میں سے سب سے بڑی بیوی کے کےبطن سے (جو بانجھ تھی) لڑکا پیدا ہؤا جو خوش شکل بھی تھا اور صاحب اقبال بھی ہؤا اس کے بالمقابل یہ شخص باوجود اس کے کہ پیشگوئی کے وقت اس کا ایک لڑکا موجود تھا جو اس کے بعد کئی سال زندہ بھی رہا حضور کی دعا اور پیشگوئی کے نتیجہ میں نامرادی اور حسرت کی موت مرا اور اس کے بیٹے سے آگے اولاد بھی نہیں ہوئی یہ دو بالکل متضاد امور کے لئے دعائیں تھیں جو دونوں قبول ہوئیں اور قبول بھی اس طرح ہوئیں کہ پہلے سے ان کی قبولیت کی اطلاع الہاماً آپؑ کو مل گئی تھی۔

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

امور غیبیہ

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ان گنت امور غیبیہ سے خبر دی گئی جسکی تفصیل آپؑ کی کتب تریاق القلوب، نزول المسیح اور حقیقۃ الوحی وغیرہ میں مندرج ہے۔ مشتِ از خروارے کے طور پر چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱)

ملک میں طاعون کے پھیلنے سے کئی سال پہلے حضورؑ کو خبر دی گئی کہ طاعون کی وبا پھیلے گی جس سے لوگ کثرت سے مریں گے۔ جن میں حفاظتی ٹیکہ کروانے والے بھی ہوں گے۔ اس کے

برعکس آپؑ کے سچے متبعین باوجود ٹیکہ نہ کروانے کے بچائے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب مرزا غلام احمد قادیانی صفحہ ۲۱۵

(۲)

۱۹۸۲ء میں آپ کو الہام ہؤا **یـاْتِیکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ. یاْ تُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق** خدا کی مدد ہر دور کی راہ سے تجھے پہنچے گی اور اس کثرت سے لوگ تیری طرف آئیں گے کہ جن راہوں پر وہ چلیں گے وہ عمیق ہوجائیں گی۔ یہ وہ سن ہے جب براہین احمدیہ کی تیسری جلد شائع ہوئی تھی اور آپ کی طرف لوگوں کے رجوع کی بالکل ابتداء تھی۔ اس زمانہ کی دی ہوئی خبر لفظاً لفظاً پوری ہوئی دنیا کے کونے کونے سے لوگ قادیان آنے لگے حتّٰی کہ تقسیم ملک سے پہلے کے آخری جلسہ میں یہ تعداد پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) تک پہنچ گئی تھی صرف یہ نہیں کہ لوگ آئے بلکہ ان کی طرف سے مدد بھی آئی اور اتنی آئی کہ باہر کے ملکوں میں بھی کئی مشن کھلے بیوت الذکر بنے اور اب یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کروڑوں احمدی ہو چکے ہیں اور ہزاروں بیوت الذکر بن چکی ہیں۔

(۳)

ایک زمانہ تھا کہ ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کے نام حضورؑ نے اپنے ہاتھ سے اپنی کتب میں درج کئے مگر اسی زمانہ میں خدا کی طرف سے مدد آنے کے وعدے تھے جو مسلسل پورے ہوتے چلے آرہے ہیں اور اب آپ کی جماعت کا بجٹ کڑوڑوں سے تجاوز کرچکا ہے ایک ایک آدمی کئی کئی لاکھ پاؤنڈ یا ڈالر دے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نام بھی ظاہر نہ کیا جائے۔

(۴)

ایک دن مہمانوں کے اخراجات کے لئے روپیہ نہیں تھا حضورؑ نے گھروالوں کا زیور فروخت کروا کے انتظام کردیا اگلے روز پھر درخواست کی گئی روپیہ نہیں ہے حضورؑ نے فرمایا پہلے ہم نے ظاہری اسباب کی رعایت سے انتظام کردیا تھا اب جس کے مہمان ہیں وہ خود انتظام کرے گا۔ اُسی روز دس پندرہ منی آرڈر آگئے جن میں سے ہر ایک پر لکھا ہؤا تھا کہ یہ مہمانوں کے اخراجات کیلئے ہیں۔ یہ ابتداء تھی اور اس وقت سے اب تک حضورؑ کا لنگر سارا سال جاری رہتا ہے اور کڑوڑوں انسان اس سے بغیر کوئی خرچ کئے مستفید ہوچکے ہیں اور اب اسکے ذیلی لنگر بھی باہر کے ملکوں میں

ہر جلسہ کے موقع پر جاری ہوتے ہیں اور قادیان اور ربوہ میں تو سارا سال جاری رہتے ہیں۔

(۵)

۱۸۸۲ء میں آپؑ کو الہام ہوُا خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔ اس وقت چند لوگ آپؑ کے ساتھ تھے اور اب آپؑ کے ولی محبوں کی تعداد باوجود ہزارہا مخالفانہ کوششوں کے کروڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ صرف ایک سال (۲۰۰۰ء - ۲۰۰۱ء) میں آٹھ کروڑ سے زائد نے بیعت کی ہے۔

(۶)

۱۸۸۲ء میں آپؑ کو الہام ہوُا خدا تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا اور اب ۱۶۹ سے زیادہ ممالک میں آپؑ کی جماعتیں قائم ہوچکی ہیں اور M.T.A پر ۲۴ گھنٹے دنیا کے ہر ملک تک آپ کی دعوت پہنچ رہی ہے۔

(۷)

۱۸۸۲ء میں آپ کو الہام ہوُا **یَنصُرُکَ رِجَالٌ نُوْحِی اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ** تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آسمان سے الہام کریں گے۔ اس کے بعد اب تک ہزار ہا آدمی بر بنائے کشف والہام آپ کی غلامی میں داخل ہو کر آپؑ کے مددگاروں میں شامل ہو چکے ہیں۔

(۸)

ایک ہندو صاحب نے لاہور میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر مذہب کا پیرو اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور مذہب سے متعلق پانچ مقررہ سوالوں کا جواب اپنے مذہب کی رو سے دے۔ اس جلسہ کا نام جلسہ اعظم مذاہب رکھا گیا۔ حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں:

''وہ جلسہ مذاہب جو لاہور میں ہوُا تھا اس کی نسبت مجھے پہلے سے خبر دی گئی کہ وہ مضمون جو میری طرف سے پڑھا جائے گا وہ سب مضمونوں پر غالب رہے گا۔ چنانچہ میں نے قبل از وقت اس بارے میں اشتہار دے دیا جو حاشیہ میں لکھا جاتا ہے۔ اور اس الہام کے موافق

میرے اس مضمون کی جلسہ مذاہب میں ایسی قبولیت ظاہر ہوئی کہ مخالفوں نے بھی اقرار کیا ہے کہ وہ مضمون سب سے اوّل رہا۔‘‘ (انجام آتھم صفحہ ۲۹۹)

وہ اشتہار یہ تھا:-

سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری

’’جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارے میں پڑھا جائے گا یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے۔ اس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف درج ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہوجائے گا کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام ہے اور رب العالمین کی کتاب ہے اور جو شخص اس مضمون کو اوّل سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جواب میں سنے گا میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا اور ایک نیا نور اُس میں چمک اُٹھے گا اور خداتعالیٰ کے پاک کلام کی ایک **جامع تفسیر** اس کے ہاتھ آجائے گی۔ یہ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف وگزاف کے داغ سے منزہ ہے۔ مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے کہ تا وہ قرآن شریف کے حسن وجمال کا مشاہدہ کریں۔ اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور اس نور سے نفرت رکھتے ہیں۔ مجھے **خدائے علیم نے الہام** سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے **جو سب پر غالب آئے گا** اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اوّل سے آخر تک سُنیں شرمندہ ہوجائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گے کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ عیسائی ہوں، خواہ آریہ، خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اُس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔‘‘

(انجام آتھم صفحہ ۲۹۹)

حضور کا یہ مضمون آپؑ کے ایک غلام حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھا۔ ابھی پہلے سوال کا جواب ختم نہ ہؤا تھا کہ وقت ختم ہوگیا مگر سامعین کی شدید خواہش کی وجہ سے

اس دن کا باقی وقت بھی آپؑ کے مضمون کے لئے دیا گیا اور پھر ایک دن اور بھی بڑھایا گیا جب یہ مضمون پڑھا جارہا تھا ہر زبان پر یہی تھا کہ ''یہ **مضمون سب سے بالا رہا بالا رہا۔**''

ایڈیٹر صاحب اخبار چودھویں صدی نے لکھا:-

> ''ان لیکچروں میں سے سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا۔'' .... فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین وتحسین بلند ہوتی تھی .... عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سنا۔ ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں .... لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کرسکتے .... مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دئے اور عام بڑے بڑے اصول وفروعات اسلام کو دلائل عقلیہ سے اور براہین فلسفہ کے ساتھ بہترین مزیّن کیا پہلے عقلی دلائل سے الٰہیات کے فلسفہ کو بیان کرنا اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان رکھتا تھا۔

اخبار جزل رگھر آصفی کلکتہ نے لکھا:-

حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس جلسے میں **حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ** ہوتا تو **اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلّت وندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچالیا۔** بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی سچی فطرتی جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔

(۹)

آپ کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی تھی کہ **اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ وَاِنِّی مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ** جو تیری اہانت کا ارادہ کرے گا میں اسے رسوا کروں گا اور جو تیری اعانت کا ارادہ کرے گا میں اس کی مدد کروں گا۔ یہ الہام سو سال سے پورا ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور پچھلے چند سالوں میں تو دو سربراہانِ حکومت پاکستان بھٹو اور ضیاء اس الہام کے پہلے حصہ کی زد میں آکر عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں اور دوسری طرف آپؑ کی مدد پر ایستادہ ہونے والوں کی حقیر

حقیر کوششوں میں خدا تعالیٰ نے بے انتہا برکت ڈالی ہے اور ان کی چھوٹی سی نہایت محدود ذرائع والی جماعت کے ہاتھ سے تبلیغ واشاعتِ اسلام کا وہ حیرت انگیز کام لیا ہے جس کی توفیق بڑی بڑی مسلمان حکومتیں نہیں پاسکیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب حقیقۃ الوحی صفحات ۳۴۴۔۳۵۳۔ ۳۵۵۔۳۶۴۔۳۷۱۔۳۷۲۔۳۷۳۔ ۵۴۶

(۱۰)

ایک الہام آپؑ کو یہ ہوا کہ ’’ آہ نادر شاہ کہاں گیا۔‘‘ اس کے پورا ہونے کا حال سنیئے۔

حضرت مہدی موعودؑ کو پہلے سے دی جانے والی الہامی خبروں کے مطابق کابل میں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب اور چند دوسرے احمدیوں کو شہید کردیا گیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اس وقت کے افغانستان کے حاکم امان اللہ خان کا تختہ ایک بالکل بے حیثیت آدمی المعروف بہ بچہ سقّہ کے ہاتھ سے الٹوادیا۔ ملک کی یہ حالت دیکھ کر جرنیل نادر خان جو انگلستان جا چکے تھے وہاں سے واپس پہنچے اور نہایت بے سروسامانی کی حالت کے باوجود انہوں نے بچہ سقّہ کو شکست دی اور چاہا کہ افغان جسے چاہیں اپنا بادشاہ بنا لیں مگر انہوں نے آپؑ ہی کو بادشاہ بنانا منظور کیا۔ نادر شاہ نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی ملک کے قدیم دستور کے خلاف یہ اعلان کیا کہ انہیں نادر خان یا شاہ نادر خان کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ نادر شاہ کہہ کر پکارا جائے ۔ اخبار الفضل نے اس کا نمایاں طور پر ذکر کیا مگر اخبار **اہلحدیث** نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ افغانستان میں بادشاہ کو شاہ کے لقب سے پکارانہیں جاتا مگر اس اخبار کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ نادر شاہ کے بھائی لاہور تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ ہندوستان کے لوگ اعلیٰ حضرت کا نام غلط لکھتے ہیں ان کا نام نادرشاہ شاہِ افغانستان ہے۔ ٹھیک چار برس بعد ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ ایک تقریب میں طالب علموں کو انعامات تقسیم کررہے تھے کہ ایک طالب علم نے آپ پر تین فائر کئے اور آپ وہیں ڈھیر ہوگئے۔ اپنے ہردلعزیز حاکم کی وفات پر لوگ دیوانہ وار یہ کہتے پھرتے تھے کہ **آہ نادر شاہ کہاں گیا۔** (تفصیل کے لئے دیکھیں حیات طیبہ صفحات ۲۹۳ سے ۲۹۵)

(۱۱)

ایک دفعہ آپؑ کو الہام ہوا ’’ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت‘‘ اس وقت کوریا کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور جاپان جو ایک مشرقی ملک ہے کوئی طاقت نہیں تھی۔ اس پیشگوئی کے

کئی سال بعد جاپان ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا اور اسکے ہاتھ سے کوریا کی حالت نازک ہوئی۔

(۱۲)

۱۹۰۰ء میں حضورؑ کو الہام ہؤا ''تائی آئی''۔ اس کے متعلق آپ نے لکھا ''ہمارے تو کوئی تائی نہیں ہے۔ نہ نزدیک نہ دُور۔ ہمارے لڑکوں کی تائی ہے جو وہ ہماری دشمن ہے۔'' اس سے پہلے حضورؑ کو ایک خبر یہ دی گئی تھی کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا اگلے ۹ سال کے اندر پیدا ہوگا۔ اس سے پہلے ایک بیٹا پیدا ہو کر فوت ہو جائیگا مگر یہ بیٹا زندہ رہیگا اس کا نام بشیر اور محمود ہوگا۔ یہ آپ کا جانشین اور حسن و احسان میں آپ کا مثیل ہوگا۔ دنیا کے کناروں تک شہرت پائیگا۔ قومیں اس سے برکت پائیں گی اور کلام اللہ کا مرتبہ اس سے ظاہر ہوگا۔ ایسی کئی باتیں بتائی گئی تھیں۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق ۹ سال کے اندر ہی آپ کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک جلد فوت ہو گیا مگر دوسرا جسکا نام بشیر اور محمود (بشیر الدین محمود احمد) رکھا گیا زندہ رہا۔ حسن و احسان میں آپ کا مثیل اور آپ کا جانشین یعنی خلیفہ ہؤا۔ اس کی تبلیغ کے ذریعہ دنیا بھر کی قوموں نے برکت پائی اور اسے ایسی خدمات کا موقع ملا جن سے قرآن کریم کا مرتبہ ظاہر ہؤا۔ یہ بیٹا ۱۹۱۴ء میں خلیفہ بنا۔ اس وقت تک اسکی وہ تائی جو حضرت مہدی موعود کی دشمن تھی اور جس کے متعلق حضور نے فرمایا تھا کہ ''ہمارے تو کوئی تائی نہیں ہمارے لڑکوں کی ہے'' زندہ رہی اور حضور کے اس بیٹے کے خلیفہ بننے کے جلد ہی بعد یعنی ۱۹۱۶ء میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل سلسلہ احمدیہ ہو گئی اپنی آمد اور جائیداد کی وصیت کی اور ۱۹۲۷ء میں فوت ہو کر بہشتی مقبرہ قادیان میں جگہ پائی۔ اے سوچنے والا سوچو پھر سوچو اور پھر سوچو کہ دو لفظوں کے اس الہام میں کتنی پیشگوئیاں مضمر تھیں۔ کیا بجز اس کے کہ یہ خدا کا کلام ہو ایسا ہوسکتا ہے؟

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سنت اللہ اس طرح پر واقع ہے کہ جو جو فضل وہ اپنے خاص دوستوں پر فرماتا ہے اس کا ایک نمونہ ان دوستوں کے دوستوں میں بھی رکھ دیتا ہے (**لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ**) تا اس طرح ان کے نمونہ اور ان کی ذات کو دوام بخشے۔ اور اظہار علی الغیب کے تو معنے ہی غیب پر غلبہ کے ہیں اور یہ دو طرح ہی پر ممکن ہے۔ ایک اس طرح کہ خدا تعالیٰ کسی کو ایسا مصفی علم غیب عطا کرے کہ جس بات کا اسے علم دیا جائے اس کا کوئی پہلو مخفی نہ رہے (یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ سب انسانوں سے زیادہ اس نعمت سے حصّہ پایا آپؐ پر اترنے

والے کلام کو تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ قرار دیا گیا) اور دوسرے یہ بات اس طرح ممکن ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اظہار علی الغیب کے لئے چنے اسے ایسی برکت دے کہ اس سے فیض یاب ہونے والے بھی اس نعمت سے حصّہ پائیں۔

حضرت مہدی موعودؑ پر خداتعالیٰ نے ان دونوں طریق سے اظہار علی الغیب کیا جس کی بنا پر آپؑ نے فرمایا:

''میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کرکے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کریگا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائیگا۔'' (اربعین نمبر ۱)

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کے غلاموں میں بہت ایسے ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جنہوں نے خداتعالیٰ سے غیب کی خبریں کھلے کھلے طور پر پائیں اور پھر وہ پوری بھی ہوئیں۔ نمونہ کے طور پر چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو دی جانیوالی بعض غیبی خبریں

منقول روزنامہ الفضل ۲۲؍مئی ۱۹۹۹ء

(۱)

فرمایا خدا نے اس بیماری میں مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پانچ لاکھ عیسائی افریقہ میں احمدی ہونگے پھر فرمایا مغربی افریقہ میں تعلیم یافتہ ہونگے۔ (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۵۳۶)

چنانچہ افریقہ میں کثرت کیساتھ وہاں کے لوگوں کے احمدی ہونے سے یہ الہامی خبر پوری ہو رہی ہے۔

(۲)

اپنی وفات سے ایک ہفتہ قبل آپ نے مولوی محمد علی صاحب کومخاطب کر کے فرمایا: یزید بہت ہی برا شخص ہؤا ہے خدا نے مجھے سالم سورۃ قرآن کی اس کے حق میں نازل فرمائی ہوئی

بتائی ہے آپ ضرور اسکے متعلق نوٹوں میں لکھیں یہ بہت برا آدمی ہؤا ہے اس لئے کہ اس نے بڑے پاک خاندان کا مقابلہ کیا آپ کی یہ خبر مولوی محمد علی صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پسر موعود اور خلیفہ کی مخالفت کرنے سے روزِ روشن کی طرح پوری ہوئی۔

(۳)

درس قرآن کریم دسمبر ۱۹۱۲ء میں آپ نے فرمایا:

''حضرت مسیح موعود سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں اور ضرور ہے کہ وہ پورے ہوں لیکن افسوس ہے کہ تم لوگوں کی گستاخیوں کی وجہ سے ان میں اِلتوا ہو رہا ہے اور جسطرح پہلے ان وعدوں کے پورا ہونے کا زمانہ چالیس برس پیچھے ڈال دیا گیا اس طرح تمہاری گستاخیوں کی وجہ سے احمدیت کی فتوحات کا زمانہ بھی پیچھے ڈال دیا گیا ہے لیکن آج سے بتیس ۳۲ سال بعد مظہر قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا اور اسطرح اللہ اُس بندے کے ذریعہ اس بند کئے ہوئے دروازہ کو کھولنے کے سامان کردیگا''

چنانچہ ۱۹۴۴ء میں یعنی ٹھیک ۳۲ سال بعد مظہر قدرت ثانیہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی کو مصلح موعود ہونے کی بشارت دی گئی اور آپکے ذریعہ جماعت کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو دی جانے والی بعض اخبارِ غیبیہ

(۱)

جنگ عظیم کے دنوں میں آپکو بتایا گیا کہ امریکہ نے انگلستان کو ۲۸۰۰ ہَوائی جہاز دیئے ہیں بالکل اسی طرح ہؤا۔ آپ کے کشوف والہامات کے پورے ہونے کا ذکر برطانوی پریس میں بھی کیا گیا۔

(۲)

آپکو بتایا گیا کہ **کٓھٰیٰعٓصٓ** میں آپ کا بھی ذکر ہے اور آپ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ اسمیں مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ چونکہ مقطعات جس سورۃ کے

شروع میں آئیں اس کے لئے بطور خلاصہ کے ہوتے ہیں اس میں اشارہ تھا کہ جس سورۃ پر یہ مقطعات آئے ہیں اس میں یعنی سورۃ مریم میں ان دونوں بزرگ ہستیوں کا ذکر ہے علمی اعتبار سے یہ غیب کی خبر تھی جو حضور کو دی گئی۔ اسپر پردہ اب آکر اُٹھا ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے سورۃ مریم والے نوٹ میں آچکی ہے اور خدا کے فضل سے ایسے ایسے عجیب نکات بیان ہوئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی کسی کی قلم یا زبان سے بیان نہیں ہوئے۔ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ**

(۳)

۱۹۰۹ء میں آپ کو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے ایک ایسا لڑکا دوں گا جو دین کا ناصر ہوگا اور اسلام کی خدمت پر کمر بستہ ہوگا اس کے جلد ہی بعد آپ کے ہاں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پیدا ہوئے جو آپ کے خلیفہ بنے اور خلیفہ بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بڑی بڑی خدماتِ دینیہ کی توفیق انہوں نے پائی۔

(۴)

۱۹۳۴ء میں احرار نے جماعت کے خلاف شدید طوفان مخالفت اُٹھایا جس میں لوگوں کا خیال تھا کہ اب احمدی نہیں رہیں گے انہی دنوں خدائی اشارہ کے تحت آپ نے فرمایا: ''زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے اور میں انکی شکست انکے قریب آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں وہ جتنے زیادہ منصوبے کرتے ہیں اور اپنی کامیابی کے نعرے لگاتے ہیں اتنی نمایاں مجھے انکی موت دکھائی دیتی ہے'' چنانچہ چند دن گزرے تھے کہ احرار بالکل مٹی میں مل گئے تفصیل کے لئے دیکھیں تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۵۳۸ تا ۵۹۹)

(۵)

۱۹۵۳ء میں احمدیوں کے خلاف شدید مخالفت کا طوفان اُٹھا اور الفضل بھی بند کر دیا گیا آپ نے اپنی جماعت کو پیغام دیتے ہوئے لکھا ''کیا آپ نے گذشتہ چالیس سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دیگا۔ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے نہیں چھوڑے گا سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لئے دوڑا آرہا ہے وہ میرے پاس ہے وہ مجھ میں ہے۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے تم اپنے نفسوں کو سنبھالو

اور نیکی اختیار کرو سلسلہ کا کام خدا خود سنبھالے گا‘‘۔ اس کے جلد بعد ہی ملک میں مارشل لا لگ گیا اور مخالفتوں کے اس طوفان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو دی جانے والی بعض غیبی خبریں

(۱)

۱۸؍مارچ ۱۹۶۶ء کے خطبہ میں فرمایا صبح جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر فقرہ تھا

’’ اِیناں دیواں گا کہ تو رج جاویں گا‘‘

فرمایا اس رات میں نے اپنے لئے اور جماعت کیلئے دین اور روحانی حسنات کیلئے دعائیں کی تھیں.......... اس لئے میں نے سمجھا کہ اس فقرہ میں جماعت کیلئے بھی بڑی بشارت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق خدا تعالیٰ نے اس وقت سے تاایں دم جماعت کو بے شمار ترقیات اور فتوحات سے نوازا ہے اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔

(۲)

۵؍اگست ۱۹۶۶ء کے خطبہ میں فرمایا ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں بہت دعاؤں میں مصروف تھا اس وقت عالم بیداری میں مَیں نے دیکھا کہ جس طرح بجلی چمکتی ہے .... اس طرح ایک نور ظاہر ہؤا اور اس نے زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کو ڈھانپ لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نور کا ایک حصہ جیسے جمع ہو رہا ہے۔ پھر اس نے الفاظ کا جامہ پہنا اور ایک پر شوکت آواز فضا میں گونجی جو اس نور سے ہی بنی ہوئی تھی اور وہ یہ تھی بشریٰ لکم۔ اس کی تفہیم ایک اور کشف میں حضور کو یہ ہوئی کہ وہ نور جو آپ نے دیکھا قرآن کا نور تھا۔ چنانچہ اس پیش خبری کے مطابق آپ کے وقت میں جماعت کے پہلے وقتوں سے بہت زیادہ اشاعت قرآن ہوئی۔

=-=-=-=-=-=-=-*=-=-=-=-=-=-=*

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کو دی جانے والی بعض غیبی خبریں

(۱)

جب مکرم الیاس منیر صاحب اور کچھ اور دوست اسیر تھے اور انہیں پھانسی کا حکم ہوا تھا حضرت صاحب نے خواب میں الیاس منیر صاحب کو کھلی فضا میں ایک چارپائی پر اپنے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس رویاء کی وجہ سے آپ نے سب کو بتا دیا کہ ان کو پھانسی ہرگز نہیں ہوگی چنانچہ یہ سب خدا کے فضل سے رہا ہو گئے۔ (دیکھیں الفضل انٹرنیشنل ۱۲/اگست ۱۹۹۷ء)

(۲)

حضور نے فرمایا ’’میں نے دیکھا کہ کثرت کیساتھ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا میں دوسری جگہوں پر بھی لوگوں میں جماعت کی نصرت کی طرف توجہ پیدا ہور ہی ہے اور جسطرح طوفان میں موج در موج لہریں اُٹھتی ہیں اس طرح لکھوکھا آدمی جن کا جماعت سے تعلق نہیں وہ جماعت کی مدد کے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں ۔ یہ رویاء حضرت مسیح موعودؑ کے الہام یَنۡصُرُکَ رِجَالٌ نُوۡحِیۡ اِلَیۡهِمۡ مِنَ السَّمَآءِ والا مضمون اپنے اندر رکھتی تھی چنانچہ اسکے بعد سے کثرت سے لوگ جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ رویاء کی تفصیل کے لئے دیکھیں (الفضل ۱۵/فروری ۱۹۹۷ء)

(۳)

۹/جون ۱۹۸۲ء کو حضور نے اپنے ایک تازہ رویاء کا ذکر خطبہ عید الفطر دیتے ہوئے فرمایا اسمیں حضرت امّاں جان نے آپ کو مخاطب کرکے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ پروانے کو شمع کی تلاش تھی لیکن شمع خود ہی اپنے پروانے کے پاس آگئی ۔ حضور نے فرمایا اسمیں بہت عظیم الشان خوشخبری ہے اہل پاکستان کے لئے اور ساری دنیا کی جماعتوں کے لئے ۔ چنانچہ ڈش انٹینا کے ذریعہ یہ پیشگوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ پاگل ہی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ خلیفہ وقت گھر گھر کے اندر پہنچ گئے۔

حضرت مہدی موعود کے ایک صحابی حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اور ایک صحابیہ حضرت والدہ ماجدہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے کشوف و الہامات کا ذکر اس

کتاب میں پہلے آچکا ہے یہاں حضرت مولوی صاحب موصوف کے صرف دو اور واقعات لکھے جاتے ہیں۔ شہرۂ آفاق سائنسدان پروفیسر عبد السلام صاحب کے والد محترم فرماتے ہیں عزیز عبدالسلام ابھی ننھا بچہ تھا لیکن بولتا نہ تھا۔ حضرت مولوی (راجیکی) صاحب سے دعا کیلئے کہا۔ آپ نے محبت سے بچے کو بلایا مگر وہ کوشش کے باوجود نہ بولا۔ آپ نے دعا کی اور فرمایا ''ایسا بولیگا کہ دنیا سنے گی۔'' چنانچہ دنیا بھر کے چوٹی کے سائنسدانوں اور دوسرے لوگوں نے انہیں سنا اور بار بار سنا۔

دوسرا واقعہ خود اس راقم الحروف سے متعلق ہے۔ خاکسار کے بیٹیا ں ہی بیٹیاں تھیں۔ بیٹا کوئی نہ تھا ایکدن میں حضرت مولوی صاحب کے پاس دعا کے لئے حاضر ہؤا۔ انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اگرچہ اس وقت اولاد نرینہ کے لئے دعا کی درخواست میں نے نہیں کی تھی مگر انہوں نے از خود دعا کے بعد فرمایا اس دفعہ بیٹا ہوگا اور خدا کے فضل سے بیٹا ہی ہؤا۔ جو بفضلہٖ تعالیٰ زندہ سلامت موجود اور چار بچوں کا باپ ہے۔ الحمد للہ

حضرت مہدی موعودؑ کے صحابہ میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو صاحب کشف و الہام نہ ہومگر سب کے واقعات یہاں لکھنا ممکن نہیں ایک اور مشہور صحابی حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے دو چھوٹے چھوٹے واقعات کا ذکر کر دیتا ہوں۔

چوہدری عبد المجید سیال صاحب کا بیان ہے کہ ''میٹرک کے امتحان سے پہلے وہ کئی ماہ ضائع کر چکے تھے امتحان دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا مگر مولوی صاحب کے ہمّت دلانے پر انہوں نے لیٹ فیس کے ساتھ دخلہ بھیج دیا۔ آپ (یعنی حضرت مولوی شیر علی صاحب) نے مجھے تاکید فرمائی کہ جب پرچہ ہو جائے تو مجھے بتانا کہ کیسا ہؤا۔ میں انشاء اللہ دعا کروں گا۔ تم بغیر کسی فکر کے دلجمعی کے ساتھ امتحان دئے جاؤ۔ جب انگلش کا پرچہ دے کر آیا تو میں نے نہایت مایوسی کے لہجہ میں حضرت مولوی صاحب سے ذکر کیا کہ ''صرف دو چار نمبر کا پرچہ کر سکا ہوں۔'' آپ اس وقت گھر کے چبوترہ پر تشریف فرما تھے۔ میری کارگزاری سن کر مسکرائے اور فرمایا میں نے تمہارے لئے خاص دعا کی ہے ''مجھے بتایا گیا ہے کہ مجید کو کہو کہ پرچوں پر رول نمبر تو لکھ آئے باقی ذمّہ داری ہم لے لیں گے۔'' .... یہ حقیقت ہے کہ میرے تمام پرچے نہایت ہی خراب ہوئے تھے جن میں سے کسی ایک میں بھی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ لیکن میری حیرانی کی حد نہ رہی جب

میٹرک کا نتیجہ نکلا تو میں ۴۴۴ نمبر لے کر سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوُا۔

حافظ عبد الرحمٰن صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ میری بچی نے ایف اے فلاسفی کا امتحان دینا ہے اسکے لئے دعا کریں ۔آپ نے بعد دعا تسلّی دلائی کہ بچی کامیاب ہوجائیگی چنانچہ نہ صرف یہ کہ وہ کامیاب ہوئی بلکہ سارے ضلع گورداسپور میں اوّل آئی۔

کشف و الہام کی صورت میں ہونے والے افضال الٰہی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے خلفاء وصحابہ پر ختم نہیں ہو گئے بلکہ انکا سلسلہ تابعین میں بھی بکثرت جاری ہے۔صرف دو کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

نمبر 1 حضرت خلیفہ المسیح الثالث نے محترمہ امتہ الرحمٰن صاحبہ اہلیہ ملک رسول بخش صاحب رفیق حضرت مسیح موعودؑ کا ایک واقعہ ۲۱/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بہ ایں الفاظ میں بیان فرمایا۔''پاکستان میں ہماری ایک بہن تھیں جنگ کے دن تھے ۱۹۶۵ء کا زمانہ تھا ان کا اکلوتا بیٹا سیالکوٹ کے محاذ پر تھا ماں کی مامتا متفکر تھی اُنہوں نے رات دن مصلیٰ بچھایا اور اپنے خدا کے حضور عاجزانہ دُعا شروع کی '' میرے رب تو میرے بچے کی حفاظت کر اور مجھے تسلی اورسکون دے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خبر دی کہ ہم نے پاکستان کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے۔حضور نے فرمایا میں مفہوم بتاؤنگا اصل الفاظ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ کے زمانے میں یہ رپورٹ میرے پاس آئی تھی اس نے کہا اے میرے ربّ میں تیرا شکر تو ادا کرتی ہوں کہ تو نے پاکستان کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے لیکن جہاں تک میرے بچے کا تعلق ہے میری تسلی نہیں ہوئی کیونکہ پاکستان کی حفاظت میں بہت سے محبان وطن شہید ہوں گے اور پاکستان کی حفاظت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا مجھے تو فکر اپنے بچے کی ہے اس کے متعلق مجھے بتایا جائے۔ چنانچہ مزید دعاؤں میں لگی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے بتایا کہ ہم نے سیالکوٹ کے محاذ پر فرشتوں کو نازل کیا ہے اور وہ وہاں کی حفاظت کریں گے اس بہن کے دل میں پھر شکر کے جذبات پیدا ہوئے، لیکن اُس نے کہا اے میرے ربّ ابھی بھی میری تسلی نہیں ہوئی میرے بچے کے متعلق مجھے بتایا جائے جس کے متعلق میں فکر مند ہوں تب ایک ہی رات میں تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے اس کو بتایا کہ ''تیرے بیٹے کی حفاظت کا انتظام کر دیا گیا ہے'' (چنانچہ اس کا بیٹا خدا کے فضل سے سلامت رہا۔)

نمبر 2 پیر صلاح الدین صاحب ایک درویش منش صاحبِ رویاوکشوف انسان تھے۔ 48C/1 سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی ان کی کوٹھی میں کاردار صاحب (جو کسی زمانہ میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان تھے) رہا کرتے تھے۔ پیر صاحب موصوف کی پوسٹنگ اس وقت کسی اور شہر میں تھی وہ وہاں سے اپنی کوٹھی دیکھنے گئے اور باہر ہی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنی بیگم سے کہا کہ میں نے دیکھاہے کہ میں اس گھر کے SUN ROOM میں گرا ہوں اور پھر اٹھانہیں ۔ اس کے سال ہا سال بعد وہ کوٹھی خالی ہوئی۔ پیرصاحب نے اس میں رہائش اختیار کی ۔ باہر کی طرف ایک کمرہ اپنے قرآنِ کریم کے کام کے لئے بنوایا جو بالکل SUN ROOM کی طرح تھا پہلے اس میں کئی سال ترجمہ قرآن کا اور پھر قرآنی الفاظ کی لغت کا کام کرتے رہے۔ وفات سے قریباً ایک ماہ پہلے دل کی تکلیف کی وجہ سے فوجی ہسپتال میں داخل رہے اور طبیعت بہتر ہونے پر گھر آ گئے۔ مگر چند ہی روز کے بعد ایک دن اس SUN ROOM میں گرے اور پھر نہیں اُٹھے اور چند ساعتوں کے بعد وفات پا گئے۔ گویا ہسپتال سے گھر آنا اس خواب کو پورا کرنے کے لئے تھا۔

آپ نے اس سال میں یہ بھی دیکھا تھا کہ ''یہ عید میں اپنی اُمّی کے ساتھ (جو واصل جنّت ہوچکی تھیں) کروں گا'' چنانچہ آپ کی وفات کا حادثہ عین عید سے ایک دن پہلے پیش آیا اور اس طرح غیب کی دونوں خبریں جو آپ کو دی گئیں تھیں لفظ بلفظ پوری ہوگئیں۔

ایک دفعہ آپ نے خواب دیکھا کہ آپکی عمر کے دن پورے ہوگئے ہیں آپ نے دعا کی کہ ترجمہ قرآن کریم کا کام جو آپ نے شروع کر رکھا تھا مکمل کرنے کی مہلت مل جائے۔ چنانچہ آپ کو رؤیاء میں بتایا گیا کہ دس سال مہلت دی گئی۔ اور پھر آواز آئی ''دس دس دس۔'' چنانچہ قریباً دس دس سال کے وقفہ سے پہلے آپکا انگریزی ترجمہ قرآن کریم The Wonderful Quran کے نام سے بغیر متن کے (۶۹ء میں) شائع ہوا۔ دسمبر ۸۱ء میں اردو ترجمہ قرآن مکمل ہو کر اس کی چوتھی اور آخری جلد شائع ہوئی اور ۹۱ء میں انگریزی ترجمہ کا Revised ایڈیشن متن کے ساتھ شائع ہوا اور اس کے جلد ہی بعد آپ وفات پا گئے۔

سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔

=-=-=-=-=-=-=-=--=-*-=-=-=-=-=-=-=-=-*